तावान		
....		
वाजिबुल अदा:—		
साल हाल का		
कर्जा बैंक पर		
र खर्च:—		
फीस दाखला		
नुक्सान साल गुजिश्त		
....		
....		
....		
....		
... .		
....		
....		
....		
....		
का बैलेन्सशीट में गया		
कुल मीजान		

فہرست جلد ہٰذا

کیفیت	تاریخ	قیمت	نام	نمبر شمار
1(6)	نومبر سنہ ۲۹ء	۴/	کامیابی	۱
1(7)	دسمبر سنہ ۲۹ء	〃	〃	۲
2(1)	جنوری سنہ ۳۰ء	〃	〃	۳
2(3)	مارچ سنہ ۳۰ء	〃	〃	۴
2(4)	اپریل سنہ ۳۰ء	〃	〃	۵
2(5)	مئی سنہ ۳۰ء	〃	〃	۶
2(7)	جولائی سنہ ۳۰ء	〃	〃	۷
2(8)	اگست سنہ ۳۰ء	〃	〃	۸

مالک :-
سید عزت علی شاہ جاگیردار
(جابیسنڈیرا)

तावान	....	....	....
	....	....	....
वाजिबुल अदा:—			
साल हाल का			
कर्जा बैंक पर	....	....	....
...र खर्च:—			
फीस दाखला	....	....	....
नुक्सान साल गुजिश्त		....	....
	....	....	....
	....	....	....
	....	....	....
	....	....	...
	....	....	....
	....	....	....
	....	....	....
	....	....	....
	....	....	....
...फा बैलेन्सशीट में गया	....	....	....
कुल मीजान		....	....

This book belongs to Musical Hasa...
Gang Baroda (Gwalior State)
... (C.I.)

...-U-15
Gwalior
Cantt...
...


پسماندوں کی کمزوروں کی ہمت کو دو بالا کردوں گا
میں سورج بن کر چمکا ہوں گھر گھر میں اُجالا کر دوں گا
910



خواجہ حسن نظامی صاحب کی کتابیں

ہندی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید اُردو جاننے والے مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیمات سے باخبر کرنے اور غیر مسلموں پر اسلام کی صداقت حقانیت واضح کرنے کے لئے خواجہ صاحب نے ہندی تفسیر [illegible] سال کی محنت اور کوشش اور تقریباً تیرہ ہزار روپیہ کے صرفہ سے شائع کی ہے جس سے ہندو مسلمان غیر مسلم جیلج کے دعوے کے بیان [illegible] حلد اوّل عہ، جلد دوم [illegible]

قرآن مجید کی عام فہم اردو تفسیر اُردو خواں کو قرآن مجید کے مطالب معانی سے باخبر کرنے کے لئے اردو کی بہترین تفسیر ہے۔ عورتیں اور بچے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ مکمل تفسیر تین جلدوں میں مجلد ہے۔ ہدیہ مکمل تفسیر کا [illegible] ہر پارہ کی تفسیر بحساب آٹھ آنے فی پارہ علیحدہ بھی مل سکتی ہے۔

صحیح بخاری کی عام فہم تشریح حدیث کی مشہور و معتبر کتاب صحیح بخاری کی عام فہم شرح جو عام فہم تفسیر کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ قیمت فی پارہ ایک روپیہ۔ [illegible] پارے شائع ہو چکے ہیں۔

میلاد نامہ مولود شریف کی مجلسوں میں پڑھنے کیلئے نہایت پُر اثر و دلکش کتاب جس میں ذکر میلاد بھی ہے اور مختصر سیرت نبوی بھی۔ قیمت ایک روپیہ

محرم نامہ محرم کی مجالس میں پڑھنے کیلئے نہایت پُرسوز و پُراثر کتاب جس میں ذکر شہادت بھی ہے اور مختصر سیرت امام حسینؓ بھی۔ قیمت ایک روپیہ

یزید نامہ محرم نامہ کا دوسرا حصہ واقعۂ شہادت کے تاریخی نتائج اور حادثۂ کربلا کے بعد کے عبرتناک واقعات۔ قیمت سوا روپیہ

گیارھویں نامہ گیارھویں کی مجلسوں میں پڑھنے کے لئے نہایت پُر اثر و دلکش کتاب حضرت غوث پاک کے فضائل و مناقب اور متبرک حالات قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

خلاصہ تعلیم تصوف تصوف کی ضروری تعلیمات کا عام فہم خلاصہ جس سے معمولی اُردو خواں مرد اور عورتیں بھی مستفید ہو سکتی ہیں۔ قیمت چھ آنے (۶؍)

اُردو دعائیں خواجہ صاحب کی لکھی ہوئی بڑا اور مقصد کے لیے نہایت ہی مؤثر اور دلکش الفاظ دعائیں اُردو زبان میں نئی چیز قیمت ۸؍

اعمال حزب البحر مشہور دعا حزب البحر کے طریقہ ورد اور اُس کے فوائد۔ کامیابی مقاصد کی دلچسپ حکایات قیمت ۱۰؍

اُردو خطبے مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کے مطابق جمعہ و عیدین کے موقع پر منبر پر پڑھنے کے لیے نہایت پُراثر اُردو خطبے۔ قیمت ۸؍

قبروں کے غیبی نوشتے دنیا کے مشہور اچھے اور بُرے لوگوں کی قبروں کے لیے خواجہ صاحب کے لکھے ہوئے نہایت پُراثر اور عبرتناک خیالی کتبے۔ قیمت چار آنے (۴؍)

کرشن بیتی (ص ۲) موت کے متعلق نہایت پُرسوز و عبرتناک مضامین اُن کے لیے ایک زبردست تازیانۂ تنبیہ جو موت کو بھولے ہوئے ہیں قیمت حصہ اوّل ۸؍، حصہ دوم چھ آنے

سیپارۂ دل خواجہ صاحب کے نہایت دلکش و پُراثر ادبی، اخلاقی اور صوفیانہ مضامین کا قابلِ قدر مجموعہ۔ اُردو میں ایسی انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی اعلیٰ جماعتوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ قیمت ۱؍

چٹکیاں اور گدگدیاں خواجہ صاحب کے قابل دید ظریفانہ مضامین کا مجموعہ جن کے مطالعہ سے ظریفانہ مضامین لکھنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ قیمت بارہ آنے۔

غدرِ دہلی کے افسانے یعنی ۱۸۵۷ء کے غدر دہلی کے حالات و مصائب پر نہایت مشہور و مقبول کتابوں کا سلسلہ جس کے حسب ذیل حصے ہیں:- بیگمات کے آنسو۔ قیمت ۸؍ انگریزوں کی بپتا ۸؍ محاصرۂ دہلی کے خطوط ۸؍ بہادر شاہ کا مقدمہ ۸؍ گرفتار شدہ خطوط ۸؍ غدر دہلی کے اخبار ۸؍ غالب کا روزنامچۂ غدر۔ قیمت ۸؍ دہلی کی جانکنی۔ قیمت ایک روپیہ (۱ ؍)

دہلی کا آخری سانس۔ قیمت [illegible]
غدر کی صبح و شام [illegible]
دہلی کی آخری شمع [illegible]

کرشن بیتی ہندوؤں کے مشہور بزرگ سری کرشن جی کی زندگی کے نہایت دلکش و قابل دید حالات، بہترین اُردو انشا پردازی کا نمونہ۔ قیمت ایک روپیہ دس آنے (۱ ؍ ۱۰)

تاریخ مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس زندگی کے نہایت دلکش و پُرسوز حالات پوری تفصیل کے ساتھ۔ قیمت دو روپے

آپ بیتی خواجہ صاحب کی خود نوشت سوانح عمری۔ نہایت دلچسپ اور سبق آموز جس کے مطالعہ سے ترقی کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے (۱ ؍ ۴)

سفرنامۂ حجاز و مصر و شام (باتصویر) مشہور و مقبول سفرنامہ کا نہایت دلچسپ سفرنامہ [illegible]

سیر دہلی (باتصویر) دہلی کے مشہور تاریخی مقامات کی سیر اور مشہور و ممتاز باشندوں کے حالات کی کتاب۔ قیمت ایک روپیہ۔

سفرنامۂ ہندوستان بمبئی اور کاٹھیاواڑ کے ابتدائی سفر کے دلچسپ حالات سندھ و سومنات کی سیر۔ قیمت ۱۲؍

قرآن آسان قاعدہ قرآن مجید روانی اور سادہ سادہ پڑھانے کے لیے بہترین قاعدہ۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۸؍ معمولی ایڈیشن دو آنے (۲؍)

تعلیم القرآن بچوں کو قرآن آسان قاعدہ کے بعد پڑھانے کی کتاب۔ قیمت ۸؍

اُردو سبق باتصویر بچوں کے مذکورہ تعلیمی سلسلہ کی پہلی کتاب قیمت آٹھ آنے (۸؍)

اتالیق خطوط نویسی لڑکوں اور لڑکیوں کو خط و کتابت کی تعلیم دینے کی سب سے اچھی کتاب۔ قیمت ۸؍

بچوں کی [illegible] جن کے مطالعہ سے بچوں کو بہت سے [illegible] باتیں آ جاتی ہے۔ قیمت چھ آنے۔

بچوں کی کہانیاں (باتصویر) اتالیق کی کہانیوں کا مجموعہ جو بچوں کے سامنے اُن کی مائیں اور دائیں سُنایا کرتی ہیں۔ قیمت دس آنے (۱۰؍)

بیوی کی تعلیم خواجہ صاحب اور خواجہ بانو صاحبہ کی مشترکہ تصنیف بیویوں کو ضروری معلومات سے باخبر کرنے والی کتاب قیمت حصہ اوّل ۸؍، حصہ دوم سوا روپیہ بیوی کی تربیت قیمت ایک روپیہ [illegible] حصہ سوم سوا روپیہ اولاد کی شادی۔ ۸؍

کائنات بیتی خواجہ صاحب نے جمادات کی مختلف اشیاء اور سیاروں کی زبان سے حقائق معرفت بیان فرمائے ہیں۔ قیمت چودہ آنے (۱۴؍)

فاطمی دعوت اسلام ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک بنی فاطمہ نے اشاعت و تبلیغ اسلام کے لیے جو کام کئے اُن کا تاریخی بیان۔ قیمت تین روپے (۳؍)

سلاطین عباسیہ عباسیہ سلطنت کی ابتدا سے آخر تک کے کل بادشاہوں کے حالات ہارون رشید، اور مامون رشید کے دلچسپ سوانح۔ قیمت حصہ اوّل ۸؍ حصہ دوم ۸؍

شامی جہاد فتح شام کے سلسلہ میں جو اسلامی لڑائیاں ہوئیں اُن کے دلچسپ و عبرت خیز تاریخی حالات۔ ۸؍

غزنوی جہاد سلطان محمود غزنوی کے اُن تاریخی حملوں کی تاریخ جو ہندوستان پر کیے گئے۔ قیمت ۸؍

سلاطین بہمنی دکن کے ابتدائی مسلمان بادشاہوں کا دلچسپ تذکرہ۔ قیمت آٹھ آنے (۸؍)

پتہ: ایچ۔ این۔ ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۵ دہلی

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی مقبول عام تصانیف اور شایع کردہ کتابیں

قرآن مجید و تفاسیر وغیرہ

قرآن مجید ہندی ترجمہ اور ہندی تفسیر کے ساتھ — قرآن مجید کا یہ ہندی ترجمہ تفسیر حضرت خواجہ صاحب نے چھ سال کی کوشش سے تیار کرایا ہے تاکہ اردو نہ جاننے والے غیر مسلم قرآن مجید کی اعلیٰ تعلیمات سے واقف ہوں اور ہم کی طرف مائل ہوں اور بنگال و مدراس وغیرہ کے مسلمان قرآنی تعلیمات کو سمجھ کر اس پر عمل کریں اور غیر مسلم مبلغوں کے دھوکے میں نہ آئیں، ترجمہ و تفسیر دونوں نہایت مفید عام فہم ہیں، ہدیہ جلد اول عنہ جلد دوم

اورنگ زیبی حمائل — غازی اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قلمی قرآن مجید کا فوٹو لے کر چھپوائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی، کاغذ اور جلد سب نہایت خوشنما ہے، عالمگیر بادشاہ کا تبرک اور ایک تاریخی یادگار ہے۔ ہدیہ عہ

عام فہم تفسیر — خواجہ صاحب کی یہ تفسیر بہت مقبول ہو رہی ہے کیونکہ اس قدر آسان ہے کہ بچے اور عورتیں بھی اس کو آسانی سے سمجھ لیتی ہیں، قرآن مجید کے مطالب سے واقف ہونے کے لئے ابھی بہتر تفسیر اردو میں نہیں ہے، تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں تیسوں پارے علیحدہ علیحدہ بھی دئے جاسکتے ہیں، ایک پارہ کا ہدیہ ہے اور کل تفسیر کا جو تین جلدوں میں مجلد ہے صرف بارہ روپے (للعہ)

قرآن آسان قاعدہ — چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ ہندوستان کے تمام تجربے آدمیوں نے پسند کیا ہے بلکہ حضور نظام کے تعلیمی نصاب میں داخل ہے۔ عمدہ کاغذ کے اعلیٰ ایڈیشن کی قیمت ۸ ہے اور معمولی ایڈیشن کی دو آنے (۲ر)

تعلیم القرآن — اسمیں قرآن مجید کی تمام ضروری تعلیمات کا خلاصہ عام فہم طریقہ سے جمع کیا گیا ہے، عربی آیات بھی ہیں اور انکا اردو مطلب بھی۔ .. قرآن آسان قاعدہ کے بعد بچوں کو پڑھانا چاہئے۔

قرآن مجید کے بارہ معجزات، جن سے اس کا الہامی کتاب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قیمت ۴ر

قرآن مجید کے بارہ موتی، یعنی قرآنی تعلیم کی بارہ خصوصیات ۔۔ ۸ر

قرآن مجید کے دیوانی قوانین، مضمون نام سے ظاہر ہے ۔۔ ۴ر

قرآن مجید کے فوجداری قوانین ۔۔ ۔۔ ۴ر

حدیث شریف

عام فہم تشریح بخاری — حدیث کی مشہور کتاب صحیح بخاری کی عام فہم اردو شرح جو بالکل عام فہم تفسیر قرآن کے طرز پر لکھی گئی ہے اور جسے عورتیں اور بچے بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، احادیث رسول اکرم کے معانی و مطالب سے واقف ہونے کے لئے بہترین شرح ہے، پانچ پارے چھپ چکے ہیں قیمت فی پارہ ایک روپیہ (عہ)

عقائد و فقہ اور اسلامی تعلیمات

اسلامی توحید، اسلامی توحید کی دوسرے مذاہب پر فوقیت، قیمت ۲ر

اسلام کے ضروری عقائد، جن کا ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے ۔۔

ترکیب نماز، نماز پڑھنے کی ترکیب اور ضروری مسائل۔

تاکید نماز:۔ مسلمانوں کو نماز کا پابند بنانے والی کتاب، قیمت ۲ر

خدائی انکم ٹیکس کلاں:۔ زکوٰۃ کا فلسفہ اور زکوٰۃ کے مسائل، قیمت ۱ر

ایضاً خورد:۔ رسالہ مذکور کا خلاصہ ۔۔ ۲ر

تائید اسلام:۔ اسلامی عقائد و اصول کی تائید اور مخالفین کی تردید ۔۔ ۸ر

آسمانی کہانی:۔ بچوں کے لئے ارکان اسلام کی تعلیم ۔۔ ۲ر

صراط مستقیم:۔ اسلام کے صراط مستقیم ہونے کا ثبوت ۔۔ عہ

حج کا ساتھی:۔ سفر حج کا مفید و دلچسپ روزنامچہ ۔۔ عہ

دلائل اسلام:۔ اسلام کی حقانیت کے دلائل ۔۔ ۸ر

تشریح الکافر:۔ اسلامی اصطلاح میں کافر کسے کہتے ہیں ۔۔ ۳ر

روزے کے احکام و مسائل:۔ مصنفہ مولوی عبدالرحیم صاحب مفتی اعظم الور قیمت ۸ر

پیچی قبروں اور قبول کا جواز:۔ از جناب مولنا نورالدین صاحب اجمیری ۔۔ ۴ر

مرشد کو سجدہ تعظیم:۔ ان لوگوں کا رد جو سجدہ تعظیمی جائز سمجھنے والوں کو کافر و مشرک کہتے اور اولیاء اللہ کو مطعون کرتے ہیں، قیمت ۸ر (آٹھ آنے)

رسول اکرم، اہلبیت اطہار اور بزرگان دین کی سوانح و مدائح

میلاد نامہ — میلاد شریف کی مجلسوں میں پڑھنے کے لئے نہایت پر اثر کتاب جس میں کہ میلاد بھی ہے اور مختصر سیرۃ نبوی بھی، عورت مرد سب ذوق شوق سے پڑھتے ہیں، قیمت ایک روپیہ (عہ)

اسلامی رسول کے معجزات:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بیان، قیمت ۸ر

اسلامی رسول:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری ۔۔ ۳ر

محمد و رشی:۔ ہندوؤں کی لکھی موثر نعتیہ نظموں اور مضمونوں کا مجموعہ ۔۔ ۸ر

رسول کی عیدی:۔ امت کے بچوں کے لئے، دلچسپ نعتیہ مضامین نظم و نثر ۔۔ ۲ر

لے دور کا سلام:۔ نثر میں ایک نہایت پر اثر منظوم نعت ۔۔ ۱ر

میلاد حبیب:۔ مجالس میلاد میں پڑھنے کے لئے آسان کتاب ۔۔ ۸ر

سوانح عمری حضرت محمد:۔ جناب شردھے پرکاش صاحب کی لکھی ہوئی مشہور کتاب قیمت ۸ر

ایضاً ایضاً:۔ بزبان ہندی ۔۔ ۸ر

اسلامی رسول ہندی:۔ ہندی میں رسول اللہ کے مختصر حالات ۔۔ ۳ر

درویشی مولود شریف:۔ مولفہ مولنا شاہ ابراہیم خاں صاحب فانی ۔۔ ۸ر

محمد کی سرکار:۔ سیرۃ رسول، مولفہ سردار گوربخت سنگھ صاحب ۔۔ ۸ر

ہندو کی نعت:۔ چودھری دتو رام صاحب کوثری کی نعتیہ نظمیں۔ ۔۔ ۳ر

رائے بہادر کی نعت:۔ رائے بہادر لالہ پارس داس صاحب کا قابل دید نعتیہ مضمون ۔۔ ۱ر

ایک جن کی نعت:۔ ایک جن کا عربی قصیدہ مع اردو ترجمہ کے ۔۔ ۲ر

سیرۃ پنجتن:۔ رسول اللہ کے غزوات اور پنجتن پاک کے حالات ۔۔ ۵ر

اہلبیت کے معجزات:۔ مولفہ شفیع محمد صاحب مجذوب مرحوم ۔۔ ۴ر

محرم نامہ:۔ شہادت امام حسین کی تاریخ، محرم کی مجالس میں پڑھنے کی پرسوز و پر اثر کتاب جسے

سنی سنی پڑھتے ہیں اور شیعہ بھی۔ قیمت ۸ (ایک روپیہ)

گیارہویں نامہ: حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی کی مکمل تاریخی زندگی۔ گیارہویں کے موقع پر پڑھنے کی بہترین کتاب۔ قیمت بارہ آنہ

یزید نامہ: محرم نامہ کا دوسرا حصہ۔ کربلا کے بعد سے یزید کے زمانہ تک کا تاریخی مقالہ

تبلیغی مرثیے: خواجہ صاحب کے لکھے ہوئے پرسوز مرثیے۔ قیمت (پانچ آنے)

فلسفۂ شہادت: شہادت امام حسین علیہ السلام کا فلسفہ

تصوف واعیہ او اوراد و وظائف

اُردو دعائیں: خواجہ صاحب کی لکھی ہوئی پر اثر اور مقبول دعائیں۔ ہر شخص کے لئے مناسب ہیں۔ انگریزی اردو دعائیں کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ قیمت

اعمال حزب البحر: حزب البحر ایک مشہور دعا ہے جس کو لاکھوں آدمی اپنے مقاصد کے لئے پڑھتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ اور فوائد خواجہ صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ قیمت

مفلسی کا مجرب علاج: مفلسی دور کرنے کے لئے مجرب اعمال و وظائف

خلاصہ تعلیم تصوف: تصوف کی تمام ضروری تعلیمات کا خلاصہ عام فہم الفاظ میں، یہ بلا خواجہ صاحب نے اپنے مریدوں کے لئے تحریر فرمایا ہے۔ قیمت

لاہوتی آپ بیتی: معرفت و وحدت وجود کے پر اسرار معانی کا بیان۔ قیمت

مجالس حسنہ: خواجہ صاحب پرائیویٹ مجلسوں میں تصوف اور اسلامی امور کے متعلق جو حکیمانہ اور دلچسپ باتیں کیا کرتے ہیں ان کا قابل دید مجموعہ۔ قیمت

کائنات بیتی: خواجہ صاحب نے جمادات کی مختلف اشیاء اور سادہ زندگی سے حقائق معرفت بیان فرمائے ہیں۔ قیمت (چودہ آنے)

تہجد کی مناجات: جناب حفیظ جالندھری کی ایک موثر نظم، خواجہ صاحب کے دیباچہ کے ساتھ

واعظ قوال کی قوالی: ہندوستان کے قابل قوال صوفی محمد علی بخش صاحب واعظ قوال کی نہایت دلکش و پر اثر قوالیوں کا مجموعہ۔ قیمت بارہ آنہ (۱۲)

طریقت کی پہلی: مصنفہ نواب صدر الدین حسین خاں صاحب رئیس ڈرہ۔ قیمت

طریقت کی دوسری: " " " "

اپنی آنکھ اپنی وید: " " " "

دست غیب: " " " "

اصلاحی اور تبلیغی کتابیں

اُردو خطبے: مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے مطابق جمعہ و عیدین میں سال بھر تک پڑھنے کے لئے نہایت موثر اردو خطبے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

امام الزماں کی آمد: امام مہدی کے ظہور کی پیشین گوئیاں وغیرہ۔ قیمت

انگریزوں کو دعوت اسلام: مضمون نام سے ظاہر ہے۔ "

داعی اسلام: خواجہ صاحب کا مشہور و معروف تبلیغی رسالہ۔ "

عرب کا ارتداد: وفات رسول کے بعد قبائل عرب کا مرتد ہونا اور ان کا انجام۔ "

عید کارڈ: اصلاحی اور تبلیغی عید کارڈوں کا مجموعہ۔ "

حق پرستوں پر ستم: ان نومسلموں کا تذکرہ جن پر قبول اسلام کی وجہ سے ظلم کئے گئے۔ "

اسلام کا انجام: ایک مصری فاضل کے رسالہ کا ترجمہ۔ اسلام کے نیک انجام کا ثبوت۔ "

تبلیغی اشتہاروں کا مجموعہ: خواجہ صاحب کے تبلیغی اشتہارات۔ "

جانباز مسلم: مسلمانوں کو دلیر بنانے کے لئے بہترین کتاب۔ قیمت

مسلمانان ہند کی تقدیر: تقدیر کے مسئلہ پر ... قیمت

نادان دہلی: ... کے لئے ...

خلافت عثمانیہ: ... دلچسپ حالات ...

ہندو مذہب کی معلومات: ہندو مذہب کے سمجھنے کے لئے بہترین کتاب

ساتن دھرمیہ: خواجہ صاحب کی ایک مفید و دلچسپ تقریر

ایضاً ایضاً: زبان ہندی

بوتل کا کلمہ: شراب خوری کے خلاف نہایت دلچسپ مضمون

ہریال کی کٹریال: ہندو خوشی نمبر کا تبلیغی رسالہ

سادھو سنگٹ: سنتوں اور سادھوؤں کے متعلق تبلیغی مضامین

بلاوا: عورتوں کو اصلاحی اور تبلیغی پیغام

سکھ قوم: سکھوں کے مذہبی اور قومی حالات

سکھوں اور مسلمانوں کا رشتہ: خواجہ صاحب کی ایک مشہور تقریر

ترغیب حساب: مسلمان بچوں کو حساب کی طرف راغب کرنے کی کتاب

آواز: مسلمانوں کو تبلیغ کی طرف متوجہ کرنے کا رسالہ

خوشامدی درکش: ... دلچسپ رسالہ

تمباکو نامہ: سگریٹ تمباکو کی مخالفت اور حقہ کی تائید

اسلام کیونکر پھیلا: مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک تاریخی مضمون

بائبل اور گدا گری پر اسلامی غیرت: ... کی اصلاح

شراب اور جوئے کی خرابیاں: مصنفہ ... شاہ حیدر آبادی

سوانح سفرنامے اور تاریخی کتابیں

سلاطین عباسیہ حصہ اول: عباسی سلطنت کی ابتداء سے ہارون رشید تک کا تذکرہ اور اس دور کے خلفاء کے تاریخی حالات۔ قیمت (ایک روپیہ آٹھ آنے)

سلاطین عباسیہ حصہ دوم: ہارون رشید سے لیکر عباسی سلطنت کے آخری بادشاہ تک کے تاریخی حالات، دلچسپ پیرایہ میں۔ قیمت

فاطمی دعوت اسلام: ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک بنی فاطمہ نے اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے جو کام کئے ان سب کا تاریخی بیان۔ قیمت (تین روپیہ)

شامی جہاد: فتح شام کے سلسلہ میں جو اسلامی لڑائیاں ہوئیں ان کے عبرت خیز تاریخی حالات

غزنوی جہاد: سلطان محمود غزنوی کے ان تاریخی حملوں کی تاریخ جو انہوں نے ہندوستان پر کئے۔ نہایت مفید و دلچسپ۔ قیمت

سلاطین بہمنی: دکن کے ابتدائی مسلمان بادشاہوں کا تذکرہ۔ قیمت

تاریخ مسیح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاک زندگی اور متبرک تعلیم کے تاریخی حالات جو خواجہ صاحب نے اپنے پر اثر پیرایہ میں لکھے ہیں۔ قیمت دو روپیہ

کرشن بیتی: ہندوؤں کے مشہور بزرگ سری کرشن جی کی زندگی اور تعلیمات کے مفصل حالات جو خواجہ صاحب نے اپنے البیلے انداز میں لکھے ہیں۔ قیمت

آپ بیتی: خواجہ صاحب کی نہایت دلچسپ خود نوشت بالتصویر سوانح عمری ... قیمت

روزنامچہ: خواجہ صاحب کے ... کے روزنامچہ ... کا مجموعہ۔ قیمت

[illegible] خواجہ صاحب نے مختصر و [illegible]

[illegible]

[illegible] مسلمانوں کے [illegible] کے نہایت دلچسپ [illegible]

[illegible]

[illegible] مشہور [illegible] کی شکار [illegible] ایک [illegible] قیمت

[illegible] مولانا محمد علی کا نہایت دلچسپ [illegible] جو خواجہ صاحب نے [illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

ہندوستانی شاہنامہ: فردوسی کے شاہنامہ کی طرز پر ہندوستانی بادشاہوں کے دلچسپ [illegible]

نظم [illegible] قیمت [illegible]

اسلام کی پہلی جنگ محمد ابن قاسم: محمد بن قاسم کی لڑائیوں کے منظوم حالات [illegible]

اردو شعر [illegible] قیمت (آٹھ آنے)

غازی مرتضیٰ: محمد بن قاسم کی لڑائیوں کے مختصر حالات اور [illegible] تصویریں۔ قیمت

غزنی نامہ: سلطان محمود غزنی کے حالات جنگ نظم میں بطرز شاہنامہ۔ قیمت

غازی بالے میاں: سید سالار مسعود غازی کے حالات۔ قیمت

قصر احوال بابا ناکم: گرو نانک صاحب کے [illegible] تاریخی حالات،

حکومت اور تمدن کی اصلی تاریخ: نوشتہ مرزا [illegible] جنگ بہادر [illegible]

مسلمان مہارانا: باتصویر، مسلمان مہاراجہ [illegible] کے حالات [illegible]

ان کی پانچ ملکہ راجپوت رانیوں کے مسلمان ہونے کے حالات، قیمت

تین شہید: تین مسلمان شہیدوں کا دردناک تذکرہ

چار درویشوں کا تذکرہ: چار شہرۂ آفاق بزرگوں کے دلچسپ حالات، قیمت

تذکرۃ الرشید: مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی مفصل سوانح عمری۔ مصنفہ مولوی عاشق

الٰہی صاحب میرٹھی، دو حصوں میں۔ قیمت ہر دو حصہ

مکاتیب رشیدیہ: مولانا رشید احمد صاحب کے خطوط جمع کردہ مولوی عاشق الٰہی صاحب

نپولین کے تاریخی اقوال: فلسفیانہ، عارفانہ، مذہبی، جنگی، اور ملکی۔ قیمت

نمونہ جنگ صفین: خواجہ اور مسٹر محمد علی کی قلمی لڑائی کی تاریخ۔ قیمت

غدر دہلی کے افسانے

بیگمات کے آنسو: خاندان شاہی کی مصیبتوں کے دردناک فسانے، کئی ایڈیشن شائع ہو چکے

ہیں، نہایت مقبول ہوا ہے۔ قیمت

انگریزوں کی بپتا: یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا دوسرا حصہ۔ غدر میں انگریزوں پر کیا گذری آنکھوں دیکھا حال، قیمت (آٹھ آنے)

محاصرہ دہلی کے خطوط: یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا تیسرا حصہ۔ اس میں ان دلچسپ تاریخی خطوں کا ترجمہ ہے جو غدر میں انگریزوں نے انگریزوں کو لکھے، ان خطوں

سے غدر کے تاریخی واقعات کا علم ہوتا ہے قیمت (چار آنے)

بہادر شاہ کا مقدمہ: یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا چوتھا حصہ جس میں اس مقدمہ کے مفصل حالات ہیں جو غدر کرانے کے الزام میں دہلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ پر قائم ہوا تھا۔ غدر کے متعلق نہایت اہم تاریخی واقعات اس سے معلوم ہوتے ہیں، قیمت

گرفتار شدہ خطوط: یعنی غدر کے افسانوں کا پانچواں حصہ۔ اس میں وہ دردناک اور دلچسپ خطوط ہیں جو غدر کے موقع پر ہندوستانیوں نے بادشاہ اور بادشاہ نے [illegible]

ہندوستانیوں کو لکھے، قیمت

غدر دہلی کے اخبار: یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا چھٹا حصہ جس میں ان اخباروں کے انتخاب شامل ہیں جو غدر کے زمانے میں شائع ہوا کرتے تھے، بہت ضروری تاریخی سرمایہ ہے، قابل دید ہے، قیمت

غالب کا روزنامچہ غدر: یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا ساتواں حصہ۔ مرزا غالب نے غدر کے جو حالات اپنے دوستوں کو لکھے وہ سب ایک جگہ جمع کر دئے گئے ہیں۔ مرزا غالب کی زبان اور خواجہ صاحب کی تالیف و ترتیب قابل دید اور دیکھنے کی چیز ہے۔ قیمت بارہ آنے

دہلی کی جانکنی: باتصویر یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا آٹھواں حصہ، پہلے حصہ کی طرح نہایت دردناک اور موثر ہے قیمت ایک روپیہ

دہلی کا آخری سانس: یعنی غدر دہلی کے افسانوں کا نواں حصہ، اس میں بہادر شاہ بادشاہ کے دربار اور خانگی حالات، روزنامچہ کے طور پر ہیں، قیمت

غدر کی صبح و شام: یعنی غدر دہلی کا دسواں حصہ، اس میں ایک ہندو اور ایک مسلمان کا دلچسپ روزنامچہ ہے جو انھوں نے غدر کے زمانے میں لکھا تھا، قیمت (ایک روپیہ آٹھ آنے)

دہلی کی آخری شمع: یعنی غدر دہلی کا گیارہواں حصہ، اس میں غدر سے پہلے کے ایک مشاعرہ کا تذکرہ ہے، بڑی دردناک اور عبرتناک کیفیت ہے، مصنفہ مولانا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی، قیمت (ایک روپیہ)

تعلیم و تربیت کی کتابیں

قرآن آسان قاعدہ: بچوں کی تعلیم شروع کرانے کے لئے یہ قاعدہ جدید اصول تعلیم کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، قیمت اعلیٰ ایڈیشن کی، معمولی ایڈیشن کی

تعلیم القرآن: قرآن آسان قاعدہ کے بعد یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ قیمت

اردو سبق (باتصویر)، بچوں کے تعلیمی سلسلہ کی تیسری کتاب ہے،

اتالیق خطوط نویسی (ہر سہ حصہ) لڑکوں اور لڑکیوں کو خط و کتابت کی تعلیم دینے کی سب سے اچھی کتاب جس میں مشہور لوگوں کے دستی خطوط کے فوٹو بھی ہیں، قیمت

دس سبق: بچوں کے لئے دس نہایت مفید و دلچسپ مضمون، قیمت

اردو سکھانے کے مضامین: ایسے مضامین کا مجموعہ جن کے مطالعہ سے بچوں کو بہت جلد اردو لکھنی آجاتی ہے۔ قیمت

بچوں کی کہانیاں (باتصویر) ان دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ جو مسلمان بچوں کے سامنے ہوش سنبھالتے ہی ان کی مائیں اور دائیں سنایا کرتی ہیں، قیمت

اولاد کے کان میں کہنے کی باتیں: خواجہ صاحب نے اپنے بچوں کی تربیت کے لئے یہ کتاب لکھی تھی مگر صاحبان اپنی اپنی اولاد کو اس کے ذریعہ سے تربیت دے سکتے ہیں، قیمت

بیوی کی تعلیم: حضرت خواجہ صاحب اور خواجہ بانو صاحبہ کی لکھی ہوئی کتاب جس میں ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا بیویوں کو جاننا ضروری ہے۔ قیمت

بیوی کی تربیت: بیوی کی تعلیم کا دوسرا حصہ، نامور خواتین کے مضامین، قیمت (ایک روپیہ)

اولاد کی شادی: بیوی کی تعلیم کا تیسرا حصہ، اولاد کی شادی کے متعلق ضروری نصیحت نامہ

ادبی کتابیں

سی پارۂ دل: حضرت خواجہ صاحب کے ابتدائی مضامین کا نہایت دلکش مجموعہ، جو اعلیٰ جماعتوں کے سرکاری نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ قیمت (دو روپے)

کم نو موت

اسمیں موت کے متعلق نہایت عبرتناک اور پُرسوز مضامین جمع کئے گئے ہیں اُردو میں اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ قیمت عہ (ایک روپیہ)

مرگ نامہ:۔ کم نو موت کا دوسرا حصہ، نہایت موثر دردناک، قیمت ۸ر

قبروں کے غیبی نوشتے:۔ اُردو زبان میں بالکل نئی چیز جیسیں دنیا کے مشہور اچھے اور بُرے لوگوں کی قبروں کے لئے خواجہ صاحب نے خیالی کتبے تحریر فرمائے ہیں۔ قیمت ۴ر (چار آنے)

چٹکیاں اور گدگدیاں — خواجہ صاحب کے انشائیہ دلچسپ مضامین کا مجموعہ جن کے مطالعہ سے ظریفانہ مضامین لکھنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

لڑائی کا گھر:۔ خواجہ صاحب کے مشہور مضامین، قیصر، کشتی، توپ، بندوق وغیرہ کا مجموعہ قیمت ۸ر

پڑوس کے ستر ہ پاجی:۔ اُردو انشاپردازی کا دلچسپ نمونہ، قیمت ۲ر

وصیتِ عالم سکرات میں:۔ خواجہ صاحب کا ایک دلچسپ مضمون ۱ر

پھٹکی دست پناہ:۔ اُردو انشاپردازی کا انوکھا انداز، ۱ر

دل کی عیدیاں:۔ عید کے متعلق دلچسپ پُرسوز مضامین ۵ر

قوام قبلہ تو شملہ:۔ وائسرائے کے نام ایک دلچسپ خط۔ ۲ر

جگ بیتی کہانیاں:۔ خواجہ صاحب کے لکھے ہوئے دلچسپ قصے، ۸ر

شیطان کا طوطا:۔ اصلاح معاشرہ کے لئے ایک موثر کہانی، ۲ر

گاندھی نامہ:۔ گاندھی جی کے متعلق خواجہ صاحب کے دلچسپ مضامین ۸ر

طمانچہ برخسار یزید:۔ یزیدی خاندان کے مخفی حالات پر خواجہ صاحب کا دلچسپ ناول ۱۰ر

خطوط اکبر:۔ (دو حصوں میں) مشہور فلسفی شاعر حضرت اکبر الہ آبادی کے نہایت دلچسپ خطوط کا مجموعہ قیمت حصہ اوّل عہ حصہ دوم ۱ (ایک روپیہ)

عبرت نامہ:۔ حضرت اکبر الہ آبادی کے دلچسپ اشعار کے متعلق، قیمت ۴ر

نظم الہام:۔ حضرت اکبر الہ آبادی کی ایک اعلیٰ نظم تربیت طریقت پر ۳ر

سورج بنانے کی کہانی:۔ نئی روشنی والوں کے لئے ایک نہایت دلچسپ قصہ ۳ر

طبی کتابیں

حمل سے وضع حمل تک (مصنفہ ڈاکٹر سید احمد صاحب بریلوی) زمانہ حمل کی شکایات، امراض اور احتیاطوں کے متعلق تمام ضروری معلومات، قیمت ۸ر

پیدائش سے چار برس کی عمر تک:۔ (مصنفہ ” ”) بچوں کے امراض، شکایات، علاج وغیرہ کے متعلق

پانچ سال کی عمر سے جوانی تک:۔ (” ” ”) لڑکپن کے متعلق ضروری ہدایات اور مشورے

عمر بڑھانے کے طریقے:۔ (” ”) عمر بڑھانے کے لئے مفید معاشرتی اور طبی ہدایات، قیمت ۱۲ر

معاشی اور تجارتی کتابیں

پنواڑی کی دوکان:۔ پان کی دوکان کے لئے ضروری معلومات، قیمت ۳ر

حلوائی کی تعلیم:۔ ہر قسم کی مٹھائیاں بنانے اور فروخت کرنے کی ترکیب ” ۸ر

تعلیم خدمتگاری:۔ خدمتگاری کی مکمل تعلیم، ” ۸ر

مرغی انڈے کا بیپار:۔ مرغی انڈے کی تجارت کے اصول ” ۸ر

بیاض عاشقاں:۔ ڈاکٹر قمرالدین صاحب کا پُرشوق نعتیہ دیوان، ” ۱۰ر

کتاب الحج والزیارت

حج کا زمانہ قریب آگیا۔ خدا سے ڈرنے والے فرض شناس مسلمان ادائے فریضہ حج کے لئے سفر کی تیاریاں کر رہے ہوں گے، اس سفر مقدس کے لئے انکو ایک ایسی کتاب کی بھی ضرورت ہوگی جس کی آسانی کے ساتھ حج کے تمام ارکان و مناسک اور زیارات مقدسہ کے آداب مسائل سے انکو پوری واقفیت ہوسکے اور وہ معلموں اور مزوروں کے رحم پر نہ رہیں کتاب الحج والزیارت سے اُن کی یہ ضرورت پوری ہوجائے گی، یہ کتاب جناب مولوی منور الدین صاحب کی قابل قدر ضخیم تصنیف فتاوی عثمانی کا ایک حصہ ہے اور حج و زیارت کے فقہی موضوع پر اُردو میں غالباً بہترین کتاب ہے جسکی موجودگی میں افتاء الله تعالیٰ کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی فقہ کی تمام ضخیم و مستند کتابوں سے حج و زیارت کے مسائل اخذ کرکے اس کتاب میں مناسب ابواب و فصول اور ذیلی عنوانوں کے تحت جدید طرز پر علیحدہ علیحدہ فقروں میں ایسی خوش اسلوبی سے بیان کئے گئے ہیں کہ معمولی تعلیم اور سمجھ کا آدمی بھی اُن سے بخوبی مستفید ہوسکتا ہے۔ کتاب میں اتنی زیادہ خوبیاں اور خصوصیتیں ہیں کہ ان کی تفصیل کے لئے کئی صفحہ کے اشتہار کی ضرورت ہے، اس لئے ذیل میں ہندوستان کے ممتاز حضرات کی رائیں درج کردی جاتی ہیں، امید ہے کہ یہ شہادتیں کتاب کے مفید سمجھے جانے کے لئے کافی ہوں گی۔

(۱) مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریذیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی:۔ میں مولوی نورالدین صاحب کو ان کی کوشش کی کامیابی پر تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔

(۲) مولوی محمد علی صاحب بی اے پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی:۔ یہ کتاب اپنے اوصاف اور محاسن کے لحاظ سے ایسی مرتب ہوئی ہے کہ جس کا مثل ملنا ناممکن ہے۔ جو لوگ عازم حج ہوں اُن کے لئے صرف یہی ایک کتاب کافی خضر سبیل ہے۔

(۳) اخبار منادی ایراد لاہور:۔ بلاشبہ اس ایک کتاب کے مطالعہ کے بعد حج و زیارت کے سلسلہ میں کسی امر کے متعلق بھی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

(۴) مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر کامریڈ و ہمدرد:۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اسکا ایسا واضح اسلوب بیان ہے کہ جس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو وہ بہت آسانی سے معلوم ہوجاتی ہے اور کتاب اسقدر جامع ہے کہ اس سے زیادہ جامعیت کی توقع کرنا فضول ہے۔

(۵) ڈاکٹر صفدر علی صاحب، مرادپور پٹنہ:۔ حج کے زمانہ میں ہمکو آپ کی کتاب سے بڑی مدد ملی۔ ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں،

(۶) محمد اسمٰعیل صاحب وکیل چھپرہ:۔ کتاب کی ترتیب ایسی دلفریب ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ اُردو میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہترین کتاب ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

کتاب الحج والزیارت، کی قیمت دو روپیہ آٹھ آنے ہے، ملنے کا پتہ، دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

ملنے کا پتہ، تجارتی کتبخانہ، دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

وہ کتابیں جن کو خاص و عام سب پسند کرتے ہیں

آفتاب سخن مرتبہ سید راس مسعود صاحب، تقریباً ایک سو شعرائے ماضی و حال کا مختصر تذکرہ اور انکے کلام کا نمونہ، مؤلف کا فوٹو، جلد خوبصورت، قیمت عمہ

خطوط سرسید آنریبل سرسید احمد خاں کے خطوط کا مجموعہ، جس سے معاشرتی، مذہبی اور تعلیمی مسائل کا حل، مرتبہ سید راس مسعود صاحب، معہ عکس خط سرسید، قیمت سے،

دیوان غالب شرح پاکٹ ایڈیشن، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، یہ شرح ایسی دیوان غالب مقبول ہو کہ پانچ ایڈیشن ختم ہو چکے، یہ چھٹا ایڈیشن ہو قیمت مجلد عا،

دیوان غالب جلی قلم، لائبریری ایڈیشن، بلا شرح، غالب کے مستند فوٹو اور خود نوشتہ سوانح عمری کے ساتھ، آخر میں دیوان کے الفاظ و محاورات کی فرہنگ بھی شامل ہو عہ

نکات غالب مرزا غالب کی خود نوشت سوانح عمری، تصوف، اخلاق اور شاعری کے متعلق قابل دید نکات، مرزا صاحب کے مستند فوٹو کے ساتھ، قیمت عہ،

دیوان میر درد خواجہ میر درد کے کلام کا مجموعہ جو درد و سوز سے بھرا ہوا ہو۔ ایک قدیم قلمی نسخہ سے مقابلہ کر کے نہایت صحت کے ساتھ چھاپا گیا ہو، معہ مقدمہ مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی، قیمت عہ،

قصائد ذوق استاد ذوق کے مشہور قصائد اور قطعات و رباعیات و مثنویات وغیرہ کا مجموعہ مرتبہ ڈاکٹر سلیمان صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد معہ مقدمہ قیمت عہ،

انتخاب غزلیات ذوق مرتبہ ڈاکٹر سلیمان صاحب موصوف، استاد ذوق کی قابل دید غزلوں کا بے مثل انتخاب، قیمت عہ

دیوان جان صاحب لکھنؤ کے مشہور شاعر جان صاحب کے قابل دید کلام کا مجموعہ بیگماتی ٹکسالی زبان، واجد علی شاہ کے زمانہ کی معاشرت کا نقشہ، آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کے دیباچہ کے ساتھ، قیمت عہ،

دیوان رنگین و انشا مشہور شاعر رنگین کا دیوان ریختی جو دہلی کی بیگماتی زبان کا اعلیٰ نمونہ ہو اسی کے ساتھ انشا اللہ خاں کا دیوان ریختہ بھی شامل ہو۔ عہ

زہر عشق اردو کی مشہور و معروف مثنوی زہر عشق صحیح نسخہ بہم پہونچا کر چھاپی گئی ہو عشق کے سچے جذبات کی تصویر، قیمت ۸ر

دیوان قمر جناب قمر بدایونی کا دیوان، صاف ستھری زبان، مؤثر جذبات، دلوں میں چٹکیاں لینے والے اشعار، سلاست و سادگی کا عمدہ نمونہ، قیمت عہ،

مراثی انیس مشہور شاعر حضرت میر انیس کے کلام کا مجموعہ، مرتبہ مولنا علی حیدر طباطبائی معہ مقدمہ و حالات میر انیس و فوٹو، قیمت جلد اول مجلد عہ، جلد دوم للعہ

رشحات التخیل پنڈت نند لال ایم اے طالب کشمیری کا صاف ستھرا کلام جس میں علاوہ غزلیات نئی طرز کی مؤثر نظمیں بھی ہیں۔ قیمت عہ

نصاب اردو مؤلفہ سید راس مسعود صاحب، اردو مصنفین کی نظم و نثر کا نہایت عمدہ انتخاب طلبہ کے مطالعہ کے لئے منظور شدہ ٹکسٹ بک کمیٹی صوبہ متحدہ وغیرہ، قیمت عہ

خمخانۂ حجاز:۔ حافظ پیلی بھیتی کا تیسرا نعتیہ دیوان۔ قیمت ۱۲ر

آئینہ پیغمبر۔ " " چوتھا " مع رباعیات، قیمت عہ،

بیاض نعت:۔ حافظ پیلی بھیتی کا پانچواں نعتیہ دیوان، قیمت عہ (ایک روپیہ)

عطر دیوان حافظ مولوی ابو الحسن صاحب صدیقی بدایونی کا کیا ہوا انتخاب، حضرت خواجہ حافظ شیرازی رح کی غزلیات کا عطر قیمت عہ

تشریح عروض حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ کے مقبول و مشہور دیوان فارسی کی جملہ غزلیات کی تقطیع عروض، از مولوی ابو الحسن صاحب صدیقی قیمت عہ

لیتھو گرافی پتھر سے چھاپنے کے فن پر نہایت مستند اور مفید کتاب، مصنفہ محمد احید الدین صاحب ایف، آر، اے، ایس (لندن)، قیمت مجلد عا (دو روپے آٹھ آنے)

قاموس المشاہیر ممالک شرقیہ بالخصوص ہندوستان کے مشاہیر زمانہ قدیم و موجودہ حالات کی لغت، دو جلدوں میں، قیمت مجلد بارہ روپیے (عہ)

تواریخ یہ:۔ نواب احتشام خاں بہادر کی قابل دید سوانح عمری۔ عہد جہانگیری کے دلچسپ حالات، قیمت عہ

ابلیس کا خطبۂ صدارت جو ایک فرضی آل انڈیا شیاطین کانفرنس کی پچاسسالہ جوبلی کے موقع پر پڑھا گیا، نہایت پر لطف و قابل دید، قیمت ۸ر

ہندوستان اور حکومت برطانیہ مصنفہ مولوی ادریس احمد صاحب انگریزی حکومت میں جو ترقیاں ہندوستان نے کی ہیں انکو گنایا گیا ہو قیمت عہ

ہندوستان میں مسلم اوقاف کا انتظام ڈاکٹر شفاعت احمد خاں صاحب کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ جس میں مسلم اوقاف کے انتظام پر قابلیت سے بحث کی گئی ہو قیمت ۸ر

مرغیوں کا رکھ رکھاؤ مرغی خانہ اور مرغیاں پالنے کے متعلق پوری واقفیت، مصنفہ مسٹر لائے واکس مرغیوں کی تجارت کرنے والوں کے لئے نہایت مفید، قیمت عہ،

بدایوں قدیم و جدید:۔ تاریخی شہر بدایوں کی مختصر تاریخ اور وہاں کے مشہور اولیاء اللہ کے مختصر حالات قیمت عہ

پیغام صلح:۔ ہندو مسلم اتحاد پر دو انعامی نظمیں، نہایت دلچسپ آسان، بچوں کے زبانی یاد کرنے کے قابل قیمت عہ

تذکرۃ الصلحا تمام ہندوستان کے اولیاء کرام و مشائخ عظام کی تواریخ وصال معہ مزار وغیرہ کا مفصل تذکرہ، قیمت ۵ر

حقیقت اسلام اسلامی حقائق پر ایک نہایت عمدہ کتاب، موجودہ سائنس کے مسائل سے اصول اسلام کی تطبیق، قیمت ایک روپیہ (عہ)

حکومت خود اختیاری اور ہندو مسلم مسئلہ کا حل:۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب علیگ، ممبر لیجسلیٹو کونسل یو پی کی مسائل حاضرہ پر قابل دید کتاب، قیمت عہ، (ایک روپیہ)

ایضاً ایضاً زبان انگریزی عہ (")

مرقع عبرت مشہور شعراء کی ان پرسوز نظموں کا مجموعہ جن کے پڑھنے سے بے ثباتی عالم کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہو۔ قیمت چار آنے (۴ر)

طبیبہ حصہ اول، میلیریا، عام فہم عبارت میں جسمانی امراض کے اسباب و علامات و علاج وغیرہ نہایت مفید کتاب عہ

طبیبہ حصہ دوم معروف بہ ہمدرد اطفال جس میں بچوں کی عام فہم بیماریوں کے اسباب علامات و علاج سلیس عام فہم اردو میں لکھے گئے ہیں، قیمت عہ (ایک روپیہ)

انسداد گداگری بغیر ضرورت بھیک مانگنے اور بھیک دینے کی خرابیوں کے انسداد کے لئے نہایت عمدہ کتاب جسکے پڑھنے سے خیرات کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہو۔ قیمت عہ،

حلقۂ مسموم:۔ آرتھر کینن ڈائل کے ایک نہایت دلچسپ ناول کا سلیس اردو ترجمہ، مترجمہ مولوی نصیر احمد صاحب ایم ایس سی، قیمت عہ (ایکروپیہ)

وادیٔ خوف:۔ آرتھر کینن ڈائل کے ایک دوسرے مشہور ناول کا ترجمہ۔ مترجمہ مولوی نصیر صاحب ایم ایس سی، قیمت عہ

علم مجلسی مشہور شعراء کے کلام میں سے موزوں عنوانوں کے ماتحت ایک ہی مضمون کے نہایت عمدہ اور چیدہ اشعار کا مجموعہ جن کے مطالعہ سے علم مجلسی کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور برجستہ اشعار پڑھنے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے، اس مجموعۂ اشعار کے پانچ حصے ہیں، کتاب نہایت مقبول ہوئی ہے۔ کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم عہ، حصہ سوم عہ، حصہ چہارم جس میں صرف قطعات و رباعیات ہیں عہ حصہ پنجم مر

شرح مثنوی مولانا روم (حصہ اول) مولانا روم کی مشہور و معروف مثنوی کی بہترین اردو شرح مصنفہ مولانا عبدالرحمن صاحب شیخ دہلی، اشعار مثنوی کا ترجمہ سلیس اردو نظم میں کیا گیا ہے۔ شرح نہایت عام فہم ہے۔ قیمت ؏ (دو روپیہ)

قرآن آسان تفسیر یہ تفسیر بھی نہایت عام فہم ہے اور نئی روشنی والوں کے خیالات و شبہات کو مد نظر رکھ کے لکھی گئی ہے سات پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ مر

فلاح دین و دنیا:۔ دین و دنیا کے متعلق اُن تمام ضروری اور کارآمد معلومات کا مجموعہ جن کی ہر مسلمان کو ضرورت رہتی ہے۔ قیمت للعہ

اسلامی زندگی:۔ یہ فلاح دین و دنیا کا دوسرا حصہ ہے۔ عہ

اسلام اور عبادت (مصنفہ ڈاکٹر سید احمد صاحب بریلوی) نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے اصلی مقاصد اور عبادات اسلامی کے بہترین عبادات ہونے کا ثبوت، قیمت مر

اسلام اور حکومت:۔ (" ") اسلام نے حکومت کا کیا معیار رکھا ہے اور مسلمان کس طرح اس کا مستحق ہو سکتا ہے ۱ر

اسلام اور مدنیت:۔ (" ") انسانی تمدن و معاشرت کے متعلق اسلامی تعلیمات کا بیان۔ مر

سرورِ انبیاء:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر فلسفیانہ سوانح عمری، قیمت ۱ر

عملیات دنیا کی ہر مشکل کے لئے نہایت مؤثر وظائف اور تیر بہدف اعمال و نقوش کا مجموعہ اور نقش لکھنے کے طریقے، قیمت عہ (تین روپیہ)

کلید مراد:۔ دعائیں مانگنے اور مرادیں حاصل کرنے کے طریقے، کلام اللہ اور احادیث سے اخذ کرکے درج کیے گئے ہیں، قیمت مر۔ (آٹھ آنے)

فیضانِ قدسی:۔ آیۃ الکرسی کے فضائل و اعمال، قیمت آٹھ آنے (مر)

اعمالِ مجرب کا مجموعہ:۔ (اس کے پانچ حصے ہیں) اعمال سورۂ اخلاص قیمت مر، اعمال سورۂ یٰسین قیمت مر، اعمال آیۃ الکرسی قیمت مر، اعمال سورۂ مزمل قیمت مر، اعمال سورۂ فاتحہ قیمت مر، سب حصوں کی مجموعی قیمت عہ۔ یہ مجموعۂ اعمال بہت مقبول ہوا ہے اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

حسین بیتی:۔ حضرت امام حسینؓ کے سوانح اور واقعات شہادت، قیمت مر

الزہرا:۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی نہایت پراثر سوانح عمری " ۱۲ر

صدائے صور مسلمانوں کو خدا ترس، پابند مذہب، بہادر، طاقتور، تعلیم یافتہ، باکار اور متمول بنانے والی اصلاحی کتاب مصنفہ مولانا ظفر احمد صاحب وحشی، قیمت عہ

سیرت باقی:۔ سوانح حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نقشبندیؒ قیمت ۱۲ر

سفر نامۂ ابن بطوطہ:۔ مشہور اسلامی سیاح کا سفر نامہ۔ قیمت عہ

کبیر حکیم ساگی:۔ کبیر داس کی سوانح عمری اور ان کا کلام " مر

بچوں کے لئے بیس کتابوں کا سیٹ (مؤلفہ مفتی سید شوکت علی صاحب فہمی ایڈیٹر دین دنیا) مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے یہ سیٹ بہت پسند کیا گیا۔

(۱) کتاب اللہ کے تیس پارے ہیں (۲) قرآن کے بیس دلچسپ کہانیاں (۳) بچوں کی کہانیاں (۴) بچوں کی بولیاں (۵) بچوں کی کہانیاں (۶) انبیاء کی کہانیاں (۷) بچوں کی تعلیم مذہب (۸) بچوں کے اخلاق سبق (۹) بچوں کا مکتب (۱۰) بچوں کی خوش نویسی (۱۱) بچوں کی تندرستی (۱۲) بچوں کے تاریخی قصے (۱۳) بچوں کی اخلاقی کہانیاں (۱۴) بچوں کی نئی نئی کہانیاں (۱۵) بچوں کی علمی کہانیاں (۱۶) بچوں کی دلچسپ کہانیاں (۱۷) بچوں کی نظمیں (۱۸) (۱۹) (۲۰) پریوں کی کہانیاں۔ ہر ایک کتاب کی قیمت ۲ر اور کل سیٹ کی قیمت صرف عہ ہے۔

طلسمی قاعدہ:۔ بچوں کے لئے نہایت آسان قاعدہ۔ قیمت مر (چار آنے)

الایمان:۔ آٹھ نو سال کے بچوں کے لئے ایمان و عقائد کے متعلق تمام ضروری معلومات نہایت صاف اور سلیس زبان میں۔ قیمت عہ (ایک روپیہ چار آنے)

آدابِ مجلس:۔ علم مجلس تعلیم کرنے کی نہایت عمدہ کتاب جس کے مطالعہ سے حاضر جوابی، بذلہ سنجی، شائستہ گفتگو کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ قیمت عہ (ایکروپیہ)

فن تسخیر:۔ دلوں کو تسخیر کرنے والے اخلاق و آداب سکھانے والی کتاب، قیمت مر

فن تقریر:۔ تقریر اور گفتگو کرنے کے مفید اصول اور طریقے، " مر

ترجمہ رباعیات عمر خیام:۔ مشہور فلسفی شاعر عمر خیام کی فارسی رباعیات اردو کا سلیس منظوم ترجمہ مع سوانح عمری عمر خیام۔ قیمت عہ (دو روپیہ چار آنے)

ترجمہ رباعیات سرمد:۔ حضرت سرمد شہیدؒ کی سوانح عمری اور ان کی عارفانہ رباعیات کا سلیس اردو ترجمہ منظوم۔ قیمت ۱۲ر (بارہ آنے)

اخلاق سلطانی:۔ علم الاخلاق کے ابتدائی اصول، قیمت مر

اولاد کی تربیت:۔ بچوں کو بری عادتوں سے بچانے اور ان کے اخلاق و عادات درست کرنے کے لئے ایک عمدہ کتاب، قیمت عہ (ایکروپیہ)

بیوی کے فرائض:۔ عورت پر بیوی بننے کے بعد جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا مکمل اور مشرح بیان، قیمت مر (آٹھ آنے)

فن شاعری:۔ اس کے مطالعہ سے بہت جلد شعر کہنا آجاتا ہے۔ قیمت عہ (ایکروپیہ)

میاں بیوی کے خطوط:۔ ایسے خطوط لکھنے کی تعلیم جن سے میاں بیوی کی سچی محبت کا اظہار ہوسکتا ہو۔ قیمت مر (آٹھ آنے)

چاندی بنانے کے نسخے:۔ اس فن پر اردو میں بہترین کتاب۔ قیمت مر

مالی پریشانیوں کا علاج:۔ روپیہ کمانے اور محفوظ رکھنے کی بہترین تدابیر، قیمت عہ

خزانۂ اسرار:۔ پانسو نہایت مجرب طبی نسخوں کا مجموعہ، " مر

طوفان زندگی:۔ دس نہایت مفید و دلچسپ اخلاقی افسانے، " عہ

تصویر معاشرت:۔ نو نہایت مفید عبرت خیز اخلاقی افسانے، " عہ

درس عبرت:۔ گیارہ نتیجہ خیز دلکش اخلاقی افسانے، " عہ

زندگی کی صبح و شام:۔ دس دلولہ انگیز اخلاقی افسانے، " عہ

عروج زندگی:۔ نو نہایت دردناک دلچسپ کہانیاں، " عہ

آب زندگی:۔ عشق و محبت کے گیارہ دلچسپ افسانے، " عہ

پتھر سے ہیرا:۔ قصے کے پیرایہ میں تبلیغ، مصنفہ ڈاکٹر سید احمد صاحب " عہ

قتل بہرام:۔ ایک پُراسرار قتل کے حیرت انگیز حالات، " عہ

لیلائے نجد:۔ ایک نہایت دلچسپ رنگین افسانہ، " عہ

دو درویش:۔ دو درویشوں کی نہایت دلچسپ سرگزشت، " للعہ

ہم سبز زندگی:۔ چار عبرتناک اور سبق آموز افسانے، " عہ

[illegible] دلچسپ [illegible]، قیمت ۸ر
[illegible] دلچسپ افسانے قیمت ۸ر
[illegible] قصہ ۔ " ۸ر
[illegible] دلچسپ قصہ " ۸ر
[illegible] " ۴ر
[illegible] کہانی ۔ دلچسپ قصہ ۸ر

[illegible] اس کا لکھنے والا ایک ... جن کے کل گزشتہ و موجودہ حالات معلوم کرنے کی نہایت مستند کتاب، قیمت ۸ر

بچوں کی تربیت و خصائل ۔ مصنفہ مولانا محمد عظیم صاحب " ۱۲ر
کربلا نامہ ۔ درد انگیز بیان شہادت بطرز جدید " ۸ر
رسالت نامہ ۔ آسان و عام فہم میلاد نامہ و سیرت رسول " ۵ر
دینی معلومات ۔ اسلام کی تمام ضروری تعلیمات کا خلاصہ " ۵ر
نیکی کے اشارے ۔ غیب کی باتیں اور جنت کا حال بتانے والی کتاب " ۵ر
نیکی کی باتیں ۔ ابن حجر عسقلانی کی مشہور کتاب منبہات کا ترجمہ " ۸ر

اسلامی تعلیم ایمان، عبادات، اور معاملات کے متعلق تمام ضروری اسلامی تعلیمات جنکی ہر مسلمان کو ضرورت ہوتی ہے۔ قیمت ۳ر (تین روپیہ)

قرآن مجید مطبوعہ حرمین ۔ نہایت خوشنما و دیدہ زیب، ہدیہ ۶ر

سیرۃ الحبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے مقدس حالات نہایت مستند و معتبر سلیس عام فہم اردو میں، از مولانا عبد التواب صاحب، قیمت ۱۲ر

بعد الموت ۔ مرنے کے بعد کی زندگی اور سفر آخرت کے نہایت مستند و معتبر حالات " " ۱۲ر

پنج سورہ مع مجربات و اوراد و وظائف مولانا اشرف علی صاحب کے ترجمہ کا پنج سورہ مع قرآن اور مشہور دعائیں اور وظائف، قیمت ۱۲ر

شہادت بوتراب ۔ جرجی زیدان کے ایک مشہور تاریخی ناول کا ترجمہ " ۶ر
خیالات عزیز ۔ مولانا عزیز مرزا بی اے مرحوم کے دلکش مضامین کا مجموعہ، قیمت ۶ر
طریق دولتمندی ۔ دولت حاصل کرنے کے لئے کن قابلیتوں کی ضرورت ہے " ۸ر
مشاطہ ۔ عورتوں کی جسمانی آرائش، لباس اور زیور کے صحیح استعمال اور تہذیب و سلیقہ کے متعلق تمام ضروری ہدایات، قیمت عہ (ایک روپیہ)
آداب المساجد ۔ آداب مساجد کے متعلق ضروری مسائل حدیث و فقہ، قیمت ۳ر
اصلاح الرسوم ۔ مولانا اشرف علی صاحب کی مشہور کتاب " ۶ر
امام بخاری ۔ محدث اعظم حضرت امام بخاری کی قابل دید سوانح عمری " ۱۲ر
آزادی کے سبق ۔ مصنفہ مولانا عبد الرحمن نگرامی، قابل دید " ۶ر
بیداری ۔ اوائل ۱۹ کے زمانہ کے دل ہلا دینے والے واقعات کا ڈرامہ " ۵ر
ترجمان احرار ۔ ۱۹ ترک مجاہدین کی جد و جہد آزادی کے کارنامے " ۱۲ر
جواب ترکی بہ ترکی ۔ آریہ سماج کے ایک مشہور رسالہ کا جواب، از مولانا محمد قاسم نانوتوی قیمت ۳ر
عمل [illegible] ۔ ہر قسم کے نفلی روزہ و نماز اور وظائف و اوراد و اعمال کی کتاب ۳ر
[illegible] ۔ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی، قرآنی تعلیم و فضائل، قیمت ۵ر
[illegible] ۔ حالی، اکبر، اقبال، ظفر وغیرہ کا منتخب کلام، قیمت ۴ر
[illegible] ۔ رسول اللہ صلعم کے سو معجزات کا مجموعہ، از مولانا حبیب الرحمن صاحب ... ۴ر
[illegible] ۔ تاتاریوں کے ہاتھوں ... کی تباہی کے حالات، قیمت ۶ر

بامِ صفا سبع سیارہ کا مشہور و معروف کتاب ... جس نے تمام ہندوستان میں ہلچل پیدا کر دی، بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ دو حصوں میں، قیمت ہر دو حصہ عہ (ایک روپیہ)

دیوان میر درد ۔ حضرت خواجہ میر درد دہلوی کا دیوان، قیمت ۸ر

حکمت خیام یعنی عمر خیام کی منتخب فارسی رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں، از آغا شاعر قزلباش دہلوی، ایک صفحہ پر فارسی اور ایک پر اردو رباعی۔ نہایت خوشخط و خوشنما، جلد نہایت خوبصورت قیمت ۳ر (تین روپیہ)

جام صہبائی ۔ مشہور شاعر جناب صہبائی کی قابل دید رباعیات، قیمت ۸ر
آیات وجدانی ۔ جناب مرزا یاس صاحب یگانہ لکھنوی کا قابل دید کلام اور آپ پر تبصرہ نہایت خوشنما و خوشخط۔ قیمت عہ (ایک روپیہ آٹھ آنے)
گدڑی کا لال ۔ بچوں کے لئے ایک نہایت مفید دلچسپ قصہ، قیمت ۴ر
کاغذ کے کھلونے ۔ کاغذ کے بارہ کھلونے بنانے کے لئے نقشے اور تصویریں، قیمت ۳ر
ہمت کا پھل ۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ بزدل آدمی کو ہر جگہ مصیبت پیش آتی ہے " ۲ر
ہنسی مذاق ۔ بچوں کے لئے دلچسپ اور مزیدار لطیفے " ۱ر
بہادروں کی سچی کہانیاں ۔ بچوں اور عورتوں کی بہادری کے قصے " ۴ر
سفید کبوتر ۔ ایک لڑکے کی سچائی اور ایمانداری کا قصہ " ۱ر
بہار عید ۔ عیدین کے متعلق مشہور اہل قلم کے مضامین " ۴ر
یاد رسول ۔ بچوں کے لئے رسول پاک کی سیرت آسان زبان میں " ۱ر
تحفۂ عید ۔ عیدین میں عزیزوں اور دوستوں کے لئے ایک عمدہ تحفہ " ۴ر
ریلوے مسافر ۔ ریل میں سفر کرنے کے ضروری قوانین و ہدایات " ۲ر
تارۂ محمدی ۔ رسول اللہ صلعم کی شان میں موثر نعتیہ مضامین نثر و نظم کا مجموعہ " ۱۰ر

تصانیف مفتی انوار الحق صاحب ایم اے

حقائق اسلام ۔ اسلامی عقائد کی فلسفیانہ تشریح اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب، قیمت ۶ر
تذکرۃ الحبیب ۔ رسول مقبول صلعم کے اخلاق و عادات مقدسہ کا بیان آسان زبان میں عہ
اثبات واجب الوجود ۔ ذات و صفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے نظر۔ قیمت عہ
تاریخ ابو البشر ۔ تحقیقات جدیدہ کے بموجب نوع انسانی کی تخلیق کی تاریخ " ۸ر
قوت خیال ۔ مشہور انگریزی کتاب "کیرکٹر بلڈنگ" کا ترجمہ " ۴ر
مذہب کی باتیں ۔ آسان لفظوں میں بچوں کو تمام ضروری عقائد کی تعلیم " ۴ر
چیستان عالم ۔ ڈاکٹر ٹیگور کی کتاب "کنگ آف دی ڈارک چیمبر" کا ترجمہ " ۱۲ر

تصانیف میر ولی اللہ صاحب بی اے

لسان الغیب دیوان حافظ کی عام فہم اور بہترین اردو شرح، چار جلدوں میں قیمت جلد اول ۶ر، جلد دوم ۶ر، جلد سوم ۶ر، جلد چہارم ۶ر۔

کاس الکرام ۔ شرح رباعیات حکیم عمر خیام مع مفصل سوانح، قیمت ۸ر
بندگی ۔ امام ابن تیمیہ کی تصنیف العبودیت کا اردو ترجمہ، قیمت ۲ر (دو روپیہ)
گلدان فصاحت ۔ اردو، فارسی اور عربی کے علمی، ادبی اور تاریخی صنائع بدائع، قیمت ۱۲ر
بادۂ ناب ۔ میر ولی اللہ صاحب کی تمام اسفند فارسی رباعیات کا مجموعہ " عہ
خلق عظیم ۔ اخلاقی مضامین پر احادیث نبوی صلعم کا مجموعہ " ۱۲ر

ملنے کا پتہ تجارتی کتبخانہ، دی حسن نظامی الیکٹرک پریس کمپنی لمیٹڈ دہلی

رحمۃ للعالمین | آنحضرت صلعم کا مکمل حالات پر اُردو میں بہترین تصنیف جو اکثر اسلامی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے قیمت حصہ اول، حصہ دوم

الجمال و الکمال :- سورۂ یوسف کی نہایت بسیط و قابلِ دید تفسیر۔ قیمت

سبیل الرشاد :- سفرنامۂ بلادِ مقدسہ۔

تبیان الاسلام :- تبلیغ الاسلام، کیا اسلام زور شمشیر پھیلا، مہرِ نبوت،

تصانیف قاری سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی

طوائفوں کی پُراسرار زندگی پر اُردو میں بہترین کتابیں:-

(۱) شاہدِ رعنا (۲) سعید (۳) سعادت (۴) سرابِ عیش (۵) تنزلِ عیش (۶) انجامِ عیش (۷) بہارِ عیش، قیمت

اختیار ملت :- مسلمانوں کی اصلاح معاملات کے متعلق نہایت مفید اور مجتہدانہ مضامین

انیس الغربا :- مسلمانوں کی اقتصادی بہبودی و بہتری کے لئے آسان تدبیریں، قیمت

فغانِ قاری :- فضیلت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق مضامین قیمت

دل کا عجائب خانہ :- قاری صاحب کے دلچسپ ادبی مضامین،

ادبستان :- قاری صاحب کے متعدد دلچسپ اور مفید مضامین

لطیفِ زندگی :- قاری صاحب کے سحر نگار قلم کا ایک دلچسپ مختصر قصہ۔

اقل قلیل اسلام :- مختلف فرقہ ہائے اسلام میں اتحاد پیدا کرنے والے مضامین

فضائل اسلام :- اسلام کے بہترین مذہب ہونے کا ثبوت،

ہندو مذہب اور اسلام :- اسلام کی فضیلتیں ہندو مذہب پر

تصانیف جناب شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد مرحوم

تذکرہ آبِ حیات :- اُردو زبان کے شعراء کا نہایت دلچسپ بے مثل تذکرہ۔ قیمت

دیوانِ ذوق :- استاد ذوق کا مکمل دیوان مع سوانح عمری و تشریحی حواشی قیمت

دربارِ اکبری :- اکبر بادشاہ اور اس کے نورتن امراء کے دلچسپ حالات،

ڈرامۂ اکبر :- جہانگیر و نورجہاں کے عشقیہ قصہ کا نہایت دلچسپ ڈراما

سخندانِ فارس :- زبان فارسی کی تاریخ مشہور مصنفین فارسی کے نظم و نثر کے نمونے

نگارستانِ فارس :- مشہور فارسی شعراء کے حالات اور ان کا منتخب کلام قیمت

مکتوباتِ آزاد :- مولانا آزاد کے پرائیویٹ خطوط کا مجموعہ، قابل دید

سیر ایران :- سفر ایران کا نہایت دلچسپ روزنامچہ۔

قندِ پارسی :- روزمرہ کی فارسی سیکھنے اور فارسی میں گفتگو کرنے کی تعلیم

آموزگار پارسی :- قندِ پارسی کا دوسرا حصہ،

لغتِ آزاد :- اُردو الفاظ و محاورات کے فارسی ترجمے۔

تذکرۂ علماء :- ہندوستان کے چالیس مشہور علماء کا مختصر و دلچسپ تذکرہ

نصیحت کا کرن پھول :- بچوں کے لئے ایک دلچسپ تعلیمی افسانہ

نیرنگِ خیال :- تاریخی اور اخلاقی مضمونوں پر نازک خیالات

نظمِ آزاد :- مولانا آزاد کی قومی نظموں اور مثنویوں کا مجموعہ

بیاضِ آزاد :- مولانا کے انتخاب کردہ مشہور شعراء کے اشعار

جانورستان :- درندوں، چرندوں اور پرندوں کے ظاہری و باطنی حالات

پُرپرواز :- ایک نہایت مفید دلچسپ اخلاقی ڈرامہ

کائناتِ عرب :- جزیرہ نمائے عرب کی تاریخی اور تمدنی حالات قیمت

مقدمۂ آبِ حیات :- تذکرۂ آبِ حیات کا مقدمہ علیحدہ بھی چھپا ہے

رسائل سپاک و نمناک :- پارسیوں کی ایک مقدس کتاب کے خیالات الہامی کا ترجمہ

فلسفۂ الٰہیات :- حکیمانہ جذبات کا اظہار بذریعہ نظم، قیمت

تصانیف مصورِ غم مولانا راشد الخیری

شامِ زندگی :- مولانا کی بہترین تصنیف۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بہترین کتاب، قیمت

صبحِ زندگی :- شامِ زندگی کا دوسرا حصہ، چودہواں ایڈیشن

شبِ زندگی :- شامِ زندگی کا تیسرا حصہ، قیمت ہر دو حصہ

امت کی مائیں :- ازواج مطہرات کے مقدس سوانح زندگی، قیمت ہر دو حصہ

الزہرا :- حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کے مقدس حالات

منازل السائرہ :- مولانا کی طرز تحریر کا لاثانی نمونہ۔

بنت الوقت :- یورپ کی کورانہ تقلید اور ستے تمدن کی اور مادر پدری کا انجام

سراب مغرب :- ایک نہایت دردانگیز قصہ، تقلید یورپ کے متعلق،

بنات روحوں کے اعمال نامے :- عالمِ ارواح کی سیر،

نوبت پنج روزہ :- غدر دہلی کے پُرغم و عبرتناک حالات،

ستونتی :- ایک شریف تعلیم یافتہ عورت کے امتحان وفا و ایثار کا حال

نانی عشو :- غمزدہ دلوں کا غم غلط کرنے والی دلچسپ کتاب،

روداد قفس :- مولانا کی جوش بھرا معاشرتی نظموں کا مجموعہ،

موؤدہ :- لڑکیوں کو ترکہ نہ دینے کی غیر اسلامی رسم کی مخالفت،

نوحۂ زندگی :- بیوہ کے نکاح ثانی کی ضرورت پر بے مثل تصنیف،

تائیدِ غیبی :- مسلمانانِ اندلس کے عروج و زوال کا عبرتناک نقشہ،

جوہرِ عصمت :- مولانا کے تیرہ پُردرد افسانوں کا مجموعہ،

سیلابِ اشک :- (باتصویر) سات دلکش افسانوں کا مجموعہ،

گلدستۂ عید :- عیدین کے متعلق چودہ افسانوں کا مجموعہ،

ونیا کی سرگزشت :- یعنی میاں بیوی کے تعلقات کا دلچسپ فوٹو،

بچہ کا کریا :- ماں کی محبت و غیرت کا دردانگیز افسانہ،

امین کا دم واپسیں :- ہارون رشید کے بیٹے کے دردناک قتل کے حالات

منازلِ ترقی :- عورتوں پر جو مظالم ہوتے ہیں ان کا بیان،

لڑکیوں کی انشاء :- بچیوں کو خطوط نویسی سکھانے کی مفید کتاب

محبوبۂ خداوند :- مذہبی بحثیں یعنی مسیحی علماء کی ریاکاریاں،

قطرات اشک، جوہر قدامت، تیغ کمال، یاسمین، ماہ عجم، سرنا کا چاند، عروس کربلا، انگوٹھی کا راز، طوفان حیات، دربار شاہوار، شاہین و دراج، قلب حزیں، گوہر مقصود، سوکن کا جلاپا، سنجوگ

انکے علاوہ

جملہ تصانیف سرسید احمد، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولانا حالی، مولانا شبلی ... اور جملہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو، دار المصنفین، مکتبہ جامعہ ملیہ ... مشہور مصنفین کی تمام مستند اُردو کتابیں ہم سے طلب کیجئے ...

ملنے کا پتہ، تجارتی کتب خانہ، دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹیڈ، دہلی

جلد ۱، نمبر ۶

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

[illegible]

مسلمانوں کی علمی، ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنے والا اور ان کو ترقی کامیابی کے بہترین طریقے بتلانے والا ماہوار رسالہ

کامیابی

جو حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کی ملکیت میں ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو دہلی سے شایع ہوتا ہے

عام قیمت معہ محصول سالانہ عہ شش ماہی عہ ✥ **فہرست مضامین نومبر ۱۹۲۹ء** ✥ حصہ داران کمپنی کے لئے سالانہ قیمت عہ

ضروری اطلاع۔ [illegible] ... خریداری جاری رکھنی چاہتے ہیں تو براہ کرم ششماہی یا سالانہ قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں ... [illegible] ... آئندہ پرچہ ان کی خدمت میں وی پی بھیجا جائے گا۔ (مینیجر)

شذرات

صغر سنی کی شادیاں اور جناب امیر شریعت بہار

کمسنی کی شادیوں کے امتناعی قانون کو منسوخ کرانے کے لئے ایک خاص خیال کے مسلمانوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ہز ایکسی لینسی وائسرائے کی خدمت میں اپنا ایک وفد بھیجیں اور وہ ان سے یہ درخواست کرے کہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ مسلمانوں میں ایک بہت بڑی جماعت ان لوگوں کی بھی موجود ہے کہ جو اس قانون کو مسلمان بچیوں کے حق میں ایک نعمت غیر مترقبہ خیال کرتے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ اسکے ذریعہ سے لاکھوں مسلمان لڑکیوں کی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ جائینگی۔ ان لوگوں کو جب اس مجوزہ وفد کی اطلاع ملی تو انھوں نے بھی اپنی ایک انجمن بنائی اور یہ فیصلہ کیا کہ اپنی طرف سے بھی ایک وفد وائسرائے کی خدمت میں بھیجیں جو ان پر یہ ظاہر کر دے کہ مسلمانوں میں بکثرت ایسے لوگ موجود ہیں جو اس قانون کے حامی ہیں۔

اس دوسرے وفد کی خبر جب اخبارات میں چھپی تو جناب امیر شریعت بہار نے اپنی طرف سے ایک ایسا اعلان شائع کر دیا ہے کہ جو اگر شائع نہ ہوتا تو بہت بہتر تھا، اس اعلان میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ دوسرا وفد مسلمانوں کا وفد نہیں ہے۔ اسکے بالکل صاف اور کھلے ہوئے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ یہ "نامسلموں" کا یا کافروں کا وفد ہے، ممکن ہے کہ جناب امیر شریعت کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ جس انجمن کی جانب سے یہ دوسرا وفد جا رہا ہے اسمیں بھی ملک کے بعض بہت ہی بڑے بڑے علماء شریک ہیں لیکن بفرض محال اگر انھیں ان علماء کرام کی شرکت کا علم نہ تھا تب بھی یہ کہاں کا اسلام ہے کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو خواہ وہ عامی محض ہو، نامسلمان یا کافر کہہ دیا جائے؟ کیا اب اپنے اسلام کا یقین دوسروں کو دلانے کے لئے صرف یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہہ دیا جائے؟ خدائے پاک کے احکام کے آگے سر جھکانے والے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لانے والے کیا صرف اس سبب سے کافر ہیں کہ وہ مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب اور امیر شریعت بہار وغیرہم کے احکام کے آگے سر جھکانے کے لئے تیار نہیں ہیں؟ کیا جناب امیر شریعت یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان خدا اور رسول سب کو چھوڑ کر چند ایسے مسلمان رہنماؤں کی پیروی اختیار کرلیں جو بمقتضائے بشریت ہر قسم کی غلطیاں کر سکتے ہیں؛ اور اس سے پیشتر کرتے رہے ہیں؟ اگر یہ خدا کا حکم نہیں ہے کہ کمسنی میں شادی کرو، اور اگر یہ رسول کا حکم نہیں ہے تو پھر کسی شخص کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسلمان پر یہ اعتراض کرے کہ وہ کمسنی کی شادی کا مخالف کیوں ہے؟

امیر صاحب نے اپنے اعلان میں یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ سب لوگ یعنی کمسنی کی شادی کے مخالفین ہندوؤں کی مرضی کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ کیا ہم اسکے معنی یہ سمجھیں کہ امیر صاحب ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کمسنی میں بچوں کی شادیاں کرنے کا رواج مسلمانوں کا بدلا ہوا تھا؟ کاش امیر صاحب نے اس اعلان پر دوبارہ نظر ڈال لی ہوتی!!

امیر صاحب اس حقیقت کو بھی شاید بھول گئے کہ اس قانون کی مخالفت سب سے زیادہ ہندو ہی کر رہے ہیں، اور جو مسلمان اس قانون کو منسوخ کرانا چاہتے ہیں فی الحقیقت وہ ہندوؤں کے ساتھ ہیں۔

ترکی حب وطن کے مظاہرے

انگریزی اخبار "لٹریری ڈائجسٹ" رقمطراز ہے کہ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترکی حکومت نے اب اس نقرہ کو اپنا دستور العمل بنا لیا ہے کہ "پردیسیوں کی ضرورت نہیں ہے" اور بیان کیا جاتا ہے کہ ترکی حکومت اب تمام تجارتی اور حرفتی دروازے بدیشیوں کے لئے بیش از بیش بند کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ایک نیا مسودۂ قانون پیش ہونے والا ہے جس کے مطابق تجارت وحرفت کے بہت سے کاموں سے وہاں کے غیر ملکی باشندوں کو محروم کر دیا جائے گا۔ اسوقت جو پردیسی لوگ ان کاموں کو کر رہے ہیں انھیں بھی وہ کام چھوڑنے پڑینگے اور قانون کی اشاعت کے چھ مہینے بعد انھیں ان پیشوں سے نکلنا پڑے گا۔ پردیسیوں کے لئے جو پیشے ممنوع قرار دئے گئے ہیں ان میں سے بعض "مانچسٹر گارڈین" کے نامہ نگار قسطنطنیہ کے بیان کے مطابق یہ ہیں:- طب، دندان سازی، دوا سازی، اور دائی کا کام۔

سوداگری، جہازرانی، ناخدائی، وکالت وغیرہ سب پیشوں کو ممنوع قرار دیکر مسودۂ قانون بعض بالکل حقیر اور ذلیل پیشوں کو بھی پردیسیوں کے لئے ممنوع قرار دیتا ہے مثلاً دربانی، جوتوں کی صفائی، کوچوانی، رہنمائی، ترجمانی وغیرہ، ان ادنی پیشوں کو ممنوع قرار دینے کا باعث فی الحقیقت وہ خوف ہے جو غیر ملکیوں کی طرف سے ترکوں کے دلمیں بیٹھا ہوا ہے، اور وہ بجا بھی ہے کیونکہ مکانات کے دربان بڑی آسانی سے سازش کرنے والوں کے جلسوں کے انعقاد میں مدد دے سکتے ہیں، اور ترجمان اور رہنما پردیسیوں کو قسطنطنیہ کی سیر اس نگاہ سے کرا سکتے ہیں کہ جس نگاہ سے کوئی یونانی جنرل کرتا، اور ترکوں کے متعلق صدہا جھوٹی سچی باتیں ایسی انہیں سنا سکتا ہے جو انکی بدنامی کا باعث ہوں۔

اسی نامہ نگار کا بیان ہے کہ اور جو پیشے اس قانون کے ذریعہ سے ممنوع قرار دئے جارہے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جن میں پردیسی عنصر بہت بڑھ گیا ہے اور ترکوں کو اپنے ملک

...زندگی کمانی مشکل کر دی ہے، اس قانون کا منشا یہ ہے کہ اسی قسم کے پیشے غیر تقریبًا تمام وہ ادنیٰ پیشے جن کے ذریعہ سے غریب آدمی اپنی روزی کما سکتے ہیں کو[illegible] ہی کے ہاتھوں میں رہیں۔"

ممکن ہے کہ ترکوں کی اس قسم کی کارروائیاں ان لوگوں کو ناگوار گذریں کہ جن پر اس قانون کا اثر پڑے گا، لیکن کیا کوئی منصف مزاج شخص ترکوں کو اس امتناعی قانون کی بنا پر کوئی الزام دے سکتا ہے؟ جو کچھ وہ آج کر رہے ہیں اگر اس سے پہلے کر چکے ہوتے تو ان کی حکومت ان بہت سی مصیبتوں سے محفوظ رہی ہوتی جن سے اسے گذشتہ صدی میں دوچار ہونا پڑا، اور کون نہیں جانتا کہ ان میں سے بیشتر ایسی ہی تھیں جو غیر ملکیوں کی بدولت آئی تھیں۔

ہندوستان امریکن نگاہ سے

یاد ہوگا جس مس میو جنہوں نے "مدر انڈیا" تصنیف فرما کر ثواب کمایا تھا وہ بھی امریکہ ہی کی دختر بلند اختر تھیں، اور ڈاکٹر جان ہولینڈ لیتھر آپ بھی امریکہ ہی کے فرزند ہیں جن کی رائے ذیل درج ہے مس میو ایک عورت تھیں اور انہیں اپنی ہندوستانی بہنوں کو بلاوجہ دنیا بھر میں ذلیل اور بدنام کرتے کوئی شرم نہ آئی۔ ڈاکٹر لیتھر آپ مرد ہیں اور انکی دوربین نگاہوں نے ہندوستان کی پستی کا اصلی سبب بھی معلوم کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان نیویارک کے اخبار "ڈیلی ایگل" میں شائع ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میرا یہ اعتقاد ہے کہ کینیڈا اور آسٹریلیا کی طرح ہندوستان اب ڈومینین اسٹیٹس حاصل کرنے کا پورے طور پر اہل ہے تعلیم یافتہ اور قابل ہندوستانیوں کی ایک کافی تعداد موجود ہے جو حکومت کے کام ہوشمندی کے ساتھ چلا سکتی ہے۔ باقی رہ گئے لوگ جو جاہل ہیں انکے متعلق میری رائے تو یہ ہے کہ جمہوری طرز حکومت سکھانے کے لئے جمہوریت کو رواج دیدینا بہترین طریقہ تعلیم ہے"

ڈاکٹر لیتھر اپنے قیام ہندوستان کے زمانہ میں بہت سے ہندوستانیوں سے تبادلہ خیال کیا تھا اور آپ کہتے ہیں کہ "بعض ہندوؤں کے دل میں عام طور پر یہ شبہ موجود ہے کہ برطانی حکومت ہندو مسلم منافشہ کو بند نہیں ہونے دیتی"

ڈاکٹر صاحب نے ایک معزز ہندوستانی کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے کہ "ہم وفادار ہیں مگر غیر مطمئن"، اور وہ کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں نے جو کچھ مجھ سے کہا اس میں یہ سب سے زیادہ قدامت پسندانہ مقولہ تھا۔

برطانوی حکومت کے اقتصادی اثرات کے متعلق ڈاکٹر لیتھر آپ کہتے ہیں کہ "حکومت اور مسلح فوجوں کے قیام کی خاطر ہندوستانیوں پر بہت بھاری بھاری محصول لگائے جاتے ہیں، ہندوستان کا بہت تھوڑا روپیہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستان پر خرچ ہوتا ہے، اس ملک میں درآمد و برآمد پر اس قسم کے محصول ہیں کہ ہندوستانی پیداوار سرسبز نہیں ہو سکتی۔ تمام ملک محتاجی اور افلاس میں مبتلا ہے بیماریاں دیسی باشندوں میں عام ہیں صفائی اور حفظان صحت کے انتظامات ایسے خراب ہیں کہ مغرب کے باشندے انہیں برداشت نہیں کر سکتے، زراعت بالکل ابتدائی زمانے کے طرز کی ہے، اور تعلیمی انتظامات بالکل ناکافی ہیں مجھے ایسا معلوم ہے کہ انگریزوں نے جو طریقہ تعلیم وہاں جاری کیا ہے وہ اسی قسم کا ہے جیسا ہم لوگوں نے جزیرہ فلپائن میں رائج کیا تھا یعنی وہی طریقہ کہ بس سے صرف محرر پیدا ہوتے ہیں، اہل ملک کو جس چیز کی حقیقتًا ضرورت ہے وہ اعلیٰ پیمانے پر عالمگیر زرعی اور دیگر فنون کی تعلیم ہے"

کیا حکومت ہند اس بالکل غیر جانبدارانہ رائے کو کوئی وقعت دیگی؟

قحط اور افلاس کی بیماری

ہندوستان میں طاعون کے منحوس قدم گئے ہوئے آج تیس سال ہو چکے، اور اس طویل مدت میں اس نے ملک کا ایک ایک گوشہ چھان مارا۔ کبھی کم اور کبھی زیادہ، کبھی شدت کے ساتھ اور کبھی خفت کے ساتھ، کبھی مخصوص موسم میں اور کبھی بے موسم غرضکہ ہر ہر طریقہ سے ہر ہر جگہ اسنے تباہی اور ہلاکت پھیلائی اور اب بالآخر ملیریا اور کالا آزار کی طرح وہ بھی اس ملک کی ایک مستقل دبا بنکر یہیں رہ پڑی۔ یہ کہنا تو بالکل غلط ہوگا کہ اسکے دفعیہ کے لئے ہندوستان کے طبی محکمے نے کوئی کوشش نہیں کی یا یہ کہ حکومت کی طرف سے اس ضروری کام پر کچھ صرف نہیں کیا گیا، لیکن یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اگر یہی بیماری یورپ کے کسی ملک میں پھیلتی تو غالبًا اسے اتنا طویل قیام اور مقام میسر نہ آتا، اور حکومتوں کے طبی محکموں کی کوششیں اسے دفع کرنے کے لئے اس سے بدرجہا زائد ہوئی ہوتیں، یہ بالکل سچ ہے کہ یہ قحط اور افلاس کی بیماری ہے اور جن ملکوں میں افلاس عام ہوتا ہے وہیں اپنا گھر بنا لیتی ہے، لیکن کیا قحط اور افلاس کے ہندوستان سے دور ہونے کی کوئی تدبیر نہیں ہے؟ ہے تو ضرور لیکن حکومت برطانیہ اس بات کو کیسے گوارا کریگی کہ ہمارے ملک کی حکومت ہمارے اپنے ہاتھوں میں دیدے!

مسٹر چرچل کی عجیب و غریب منطق

مسٹر ونسٹن چرچل نے جو ایک مشہور برطانوی مدبر ہیں وینکوور میں اپنی ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمایا کہ "فلسطین میں جو کشت و خون ہوا وہ ان واقعات کی ایک خونیں جھلک ہے جو مصر اور ہندوستان میں رونما ہونگے، اگر ان ملکوں سے برطانوی نگرانی اور برطانیہ کا دست حفاظت ہٹا لیا گیا"

دنیا میں ناممکن تو کوئی بات نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ مسٹر چرچل کا خیال صحیح ثابت ہو، لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ فلسطین میں برطانوی قبضہ اور برطانیہ کا دست حفاظت موجود ہوتے ہوئے جو کچھ ہوا ہے اسے برطانیہ کی غیر موجودگی میں پیش آنے والے واقعات کا نمونہ کس منطق کے رو سے کہہ دیا گیا۔ بلحاظ منطق مسٹر چرچل اگر یوں فرماتے تو زیادہ صحیح ہوتا کہ "برطانیہ کے دست حفاظت کی درازی کے جو نتیجے نکلا کرتے ہیں ان کی یہ ایک خونی جھلک تھی جو فلسطین میں ظاہر ہوئی" کون نہیں جانتا کہ برطانیہ کے قبضہ سے پہلے وہ مقدس سرزمین کبھی یہودیوں اور مسلمانوں کے خون سے رنگین نہیں ہوئی تھی، اور کسے نہیں معلوم ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے برطانوی قبضہ کے دوران میں ہوا ہے؟

غیر ذمہ دارانہ صحافت

صحافت کا پیشہ تمام دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو، ارباب صحافت بالعموم سنجیدہ اور متین لوگ ہوتے ہیں جنکا مطالعہ بہت کافی وسیع ہوتا ہو، جن کی نگاہ ہر وقت تمام دنیا کے حالات پر رہتی ہو، اور جو بالعموم آنے والے واقعات کو عوام سے بہت پہلے دیکھ لیتے ہیں اسی لئے عوام میں انکی رائے کو ایک خاص وقعت دیجاتی ہو۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اس معزز پیشہ کو بھی کافی حد تک ذلیل بنا دینے کی کوشش کی گئی ہو اور کی جارہی ہو، سچائی، انصاف، اور ایمانداری سے اب ہمارے ارباب صحافت کو کچھ دور ہی کا واسطہ رہ گیا ہو، اور اڈیٹوریل مضامین کے معنی اب عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہیں کہ ایسے مضامین جن کا اڈیٹر کی ذات سے تعلق ہو جو لوگ اپنی خوش نصیبی سے اڈیٹر صاحب کے ہمخیال ہیں ان میں دنیا بھر کی تمام خوبیاں جمع کر دیجاتی ہیں، اور جو بدنصیب اڈیٹر صاحب کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت کر بیٹھیں وہ مردود ہیں ملعون ہیں جہنمی ہیں، اور خدا جانے کیا کیا کچھ ہیں۔ اڈیٹر صاحبان کی زبان قلم پر تو تحقیق حق اور طلب انصاف کے دعوے ہوتے ہیں لیکن ان کی قینچی ہر اس مضمون کو کاٹ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہو جسمیں کسی شخص نے تحقیق حق کی خاطر اڈیٹر صاحب سے اختلاف رائے کیا ہو۔

دہلی اور لاہور کے اکثر مسلم اخبارات شروع ہی سے کمسنی کی شادی کے امتناعی قانون کی مخالفت کر رہے تھے، اور اس کا انھیں یقیناً حق حاصل تھا، لیکن جس طرح انھیں یہ حق حاصل تھا اسی طرح ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہو کہ اس بحث پر اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرے۔ بعض مسلم رہنماؤں نے جن میں ملک کی چند بہت بڑی بڑی ہستیاں بھی شامل ہیں اس قانون کو اپنی قوم کی بچیوں کے لئے مفید خیال کر کے اس کی حمایت میں اپنے خیالات ظاہر کئے، لیکن ان خیالات کا اثر ہمارے بعض "مدیران مسئول" پر یہ نہیں ہوا کہ وہ انھیں ٹھنڈے دل سے پڑھتے، انکے استدلال پر غور کرتے، اپنے خریداروں کی آگاہی کے لئے انہیں شائع کرتے، اور جو کچھ شکوک تھے انھیں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ بحث کر کے رفع کر لیتے، ان پر ان مضامین کا بالکل وہی اثر ہوا جو غلاظت میں پتھر ڈالنے کا ہوتا ہو اور ہر طرف سے گندی اور غلیظ گالیوں کی چھینٹیں اڑ اڑ کر آنے لگیں۔ ان تمام "شریف" اخبار نویسوں نے اصل بحث کو تو چھوڑ دیا اور لگے بکنے کہ تو ایسا ہو اور تو ویسا ہو اور اس طرح گویا یہ بات ثابت کر دی کہ ان کی طرف سے کمسنی کی شادی کا قانون منظور ہو یا منسوخ اور مسلمان اور انکے بچے مریں یا جیئں انھیں اس سے کوئی واسطہ نہیں ہو۔ انھیں تو صرف دو گھڑی کی دل لگی سے یا شاید اخبار کی چند کاپیاں زیادہ فروخت کر لینے سے مطلب تھا اور وہ حاصل ہو گیا۔ کسی اصول پر بحث کرتے وقت آخر اس ذکر کی کیا ضرورت ہوتی ہو کہ مولوی ظفر علی خاں ایسے ہیں اور مولانا ثناء اللہ ایسے ہیں۔ آپ کو تو یہ دیکھنا ہو کہ یہ اصول کیسا ہو یا یہ کہ اصول کی تائید اور مخالفت میں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں وہ کس حد تک قابل قبول ہو۔ صحافت اس سے بہت زیادہ ذمہ داری کا کام ہو جیسا کہ بعض ذلیل اخبارات نے اسے سمجھ رکھا ہو اور اخبارات کے صفحے لوگوں کو گالیاں دینے سے زیادہ اچھے کاموں کے لئے بھی وقف کئے جا سکتے ہیں۔

نقد و تبصرہ

طرز زندگی

ایک مختصر، دلچسپ اور مفید قصہ ہو جو جناب سید محمد نسیم صاحب امروہوی اڈیٹر "انکشاف" نے ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہو، اس افسانہ کے ذریعہ سے وہ اہل ملک کو عموماً اور فرقہ اناث کو خصوصاً طریقہ اندوں لج اور ازدواجی زندگی بسر کرنے کے متعلق تعلیم دینی چاہتے ہیں جناب نسیم زندگی کے ان مراحل کے متعلق اپنی ایک خاص رائے رکھتے ہیں، اور ان کا خیال ہو کہ اہل ملک کے لئے انکے بتلائے ہوئے طریقے بہت مفید ثابت ہونگے، جو لوگ حضرت نسیم کے ہمخیال نہ ہوں انکے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ دلچسپی کا موجب ضرور ہی ہو سکتا ہو، کتاب کی ضخامت ۱۶۸ صفحات کی ہو، کاغذ کتابت اور طباعت اچھی ہو۔ قیمت عمر، نسیم بکڈپو ایک آنہ نخاس لکھنؤ سے مل سکتی ہو۔

حیات نادری

ہمارے کرمفرما جناب قاری عباس حسین صاحب اڈیٹر اخبار "قوم" وقت کے بہت ہی پابند ہیں اور ان کی دوررس نگاہیں آنے والے واقعات کو بھی دوسروں سے بہت پہلے دیکھ لیتی ہیں، افغانستان کا ایک کمن سال اور مریض جرنل جب یورپ سے واپس ہو کر براہ ہندوستان اپنے ملک کو جا رہا تھا اسی وقت قاری صاحب نے اسکی پیشانی پر اقبال مندی کا ستارہ چمکتا دیکھ لیا تھا، اور خود اس زمانے کے جرنل نادر خاں صاحب کے اس اعلان کے باوجود کہ وہ تخت افغانستان سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے، ہمارے قاری صاحب نے انکی سوانح حیات مکمل کرنے کے متعلق اپنی کوششیں جاری رکھیں اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی ہوا جس کی توقع جناب قاری صاحب کو تھی، اس کتاب میں اعلیٰ حضرت امیر نادر علیخاں صاحب کے حالات زندگی اور معرکہ تھل اور حال کے شہر آشوب کے دوران میں انکے عجیب غریب کارنامے اور بہت سی اور دلچسپ و حیرت افزا باتیں نہایت خوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور من حیث المجموع کتاب اس قابل ہو کہ معاملات افغانستان سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص اسے پڑھے، کتاب میں ایک خوبی یہ بھی ہو کہ گیارہ ہاف ٹون بلاک کی تصویریں ہیں اور ان خوبیوں کی موجودگی میں ایک روپیہ چار آنے قیمت کسی طرح بھی زیادہ نہیں ہو، قاری تمدن بکڈپو ٹیا محل دہلی سے مل سکتی ہو۔

"رفیق"

اس نام کا ایک ماہوار رسالہ بلند شہر سے نکلنا شروع ہوا ہو اور ملک کے مشہور ادیب جناب غازی رفیق صاحب بلند شہری اسکے اڈیٹر ہیں ابھی تک "رفیق" کا صرف پہلا نمبر ہماری نظر سے گذرا ہو، اور اگر یہ صحیح ہو کہ تمام، ونہار ترقی ہو تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہو کہ "رفیق" آگے چلکر دنیائے ادب میں اپنے لئے ایک نمایاں جگہ نکال لے گا۔ چھوٹی تقطیع پر اسی صفحہ کا رسالہ ہو، اور آغا صاحب اپنی اس کوشش میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں کہ اسے مفید اور دلچسپ بنائیں ابھی تو مضامین کا بیشتر حصہ خود جناب آغا صاحب اور انکے صاحبزادہ صاحب کے قلم کا رہین منت ہو لیکن ملک کے اہل قلم کی توجہ بہت جلد اسمیں تنوع اور دلچسپیوں کی گونا گونی پیدا کر دے گی ہم اپنے اس "پستہ قد" معاصر کا سچے دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور خدا سے دعا ہو کہ وہ جلد سے جلد ترقی حاصل کرے۔

کامیابی کے لئے شرافتِ نفس ضروری ہے

(از ڈاکٹر سعید احمد)

کلام مجید میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نیکی اس کا نام نہیں ہے کہ تم پورب یا پچھم کو منہ کرکے کھڑے ہو جاؤ۔ بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ تم خدا پر، قیامت کے دن پر، خدا کے رسولوں پر اور خدا کی کتابوں پر ایمان لاؤ، اور ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، بیکس مسافروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرو، اور غلاموں کی گردنیں غلامی کے جوئے سے آزاد کراؤ۔ پورب اور پچھم کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونا یعنی نماز پڑھنا بیشک فرض ہے، اور فرض بھی ایسا کہ جس سے خود ہمیں کو فائدہ پہونچتا ہے اسے ادا کرنے سے ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بس۔ نیکی اس کا نام کسی طرح نہیں ہو سکتا، نیک بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم خلق اللہ کی خدمت کریں، اللہ کو حاضر اور ناظر سمجھ کر جھوٹ، فریب، بے ایمانی، اور ظلم سے پرہیز کریں اور اپنے مال سے اپنے جسم سے اور اپنی جان سے اسکے بندوں کی خدمت بجا لائیں۔

راست بازی، انصاف، محبت، خلق اور ایمانداری کے بغیر کوئی شخص شرافت نفس نہیں حاصل کر سکتا۔ اور جس شخص میں شرافت نفس نہ ہو اسے کسی حال میں بھی ایک اچھا انسان نہیں کہا جا سکتا۔ فلپ بروکس کا قول ہے کہ "کوئی شخص سچی عظمت اور بزرگی نہیں حاصل کر سکتا تاوقتیکہ وہ کسی نہ کسی حد تک اس بات کو نہ محسوس کرے کہ اس کی زندگی فی الحقیقت اس کی قوم اور اسکے بنی نوع کے لئے ہے اور یہ کہ جو کچھ بھی خدا نے اسے دیا ہے وہ بنی نوع انسان کے لئے دیا ہے۔"

بارٹل کا قول ہے کہ "شرافت نفس ایک ایسا ہیرا ہے جو تمام دوسرے پتھروں کو کاٹ دیتا ہے۔" ہالینڈ کہتا ہے کہ "وعظ و نصیحت ہو یا شعر و شاعری، اور مصوری ہو یا موسیقی ان سب کی پشت پر شرافت نفس کا ہونا ضروری ہے۔ شرافت نفس کے بغیر یہ سب چیزیں کسی مصرف کی نہیں ہیں اور انھیں کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا۔"

ایڈنبرا کے بازار میں ایک روز جبکہ سخت سردی پڑ رہی تھی، ایک غریب لڑکے نے جو سردی سے کانپ رہا تھا اور جس کے جسم پر دو اک چیتھڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا ایک راہرو سے کہا کہ "جناب کیا آپ دیا سلائیاں خریدینگے؟" راہرو نے کہا کہ "نہیں مجھے ضرورت نہیں ہے۔" لڑکے نے پھر بڑے منت آمیز لہجہ میں کہا کہ "ایک بکس کی قیمت صرف ایک آنہ ہے۔" راہگیر نے اسکی طرف دیکھا اور پھر انکار کر دیا۔ لڑکے نے اب بھی ہمت نہ ہاری اور کہنے لگا کہ "اچھا میں آپ کو ایک آنہ میں دو بکس دیدونگا، اب تو لے لیجئے۔" راہگیر ایک شریف آدمی تھا اور لڑکے کے اصرار سے تنگ آکر اسنے خریدنے کا ارادہ کیا مگر اسکے پاس ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہ تھے اس لئے اسنے یہ کہا کہ "اسوقت پیسے نہیں ہیں میں کل تم سے دیا سلائیاں خرید لونگا۔" لڑکے نے پھر منت کی کہ "بہت اچھا آج ہی خرید لیجئے میں روپیہ بھنا لاؤں گا، میں آج صبح سے بھوکا ہوں۔" راہگیر نے روپیہ (شلنگ) نکالکر اسے دیا اور وہ اسے بھنانے کے لئے چل دیا۔ بہت دیر گذر گئی اور وہ واپس نہ آیا تو راہگیر کو خیال ہوا کہ شاید وہ روپیہ لیکر چلتا بنا اور مجبور ہو کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

آفتاب غروب ہوئے دیر ہو چکی تھی، اور کالی کالی رات بہت بھیانک معلوم ہو رہی تھی کہ یکایک نوکر نے اس راہگیر کو اطلاع دی کہ ایک چھوٹا سا لڑکا ملاقات کے لئے آیا ہے۔ لڑکے کو اندر بلا لیا گیا اور اب شباہت سے راہگیر نے پہچانا کہ وہ اس لڑکے کا چھوٹا بھائی ہے جسے دن میں وہ روپیہ دے چکا تھا۔ اس لڑکے نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ جیب میں ڈالے اور ایک چونی نکالکر میز پر رکھی اور کہنے لگا:

"آپنے میرے بھائی کو روپیہ دیا تھا، وہ اسے بھنا کر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی کے گھوڑے سے ٹکرا کر گرا اور گاڑی اسکے اوپر سے گذر گئی، اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں اور اب وہ اسپتال میں پڑا ہے۔ آپکے پیسے اور دیا سلائیوں کے بکس سب اسکے پاس سے گر گئے اور صرف یہ ایک چونی ملی ہے جو میں آپکو دینے آیا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ وہ بچے گا نہیں اور مر جائے گا۔"

لڑکا یہ کہکر رونے لگا۔ راہگیر کا دل بھر آیا اور وہ اسی وقت اسکے ساتھ اسپتال گیا وہاں جاکر دیکھا تو واقعی وہ لڑکا دم توڑ رہا تھا۔ کئی مرتبہ اسنے عالم نزع میں اپنے بھائی کو پکار کر کہا کہ "روبی اب تم کیا کروگے؟ تمھیں کون پالے گا؟ تمھارا اس دنیا میں کون ہے؟"

راہگیر نے محبت سے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے یقین دلا دیا کہ اسکے بھائی کی پرورش کرنے کے لئے وہ تیار ہے۔ لڑکے کے چہرہ پر اطمینان اور مسرت کی علامتیں پیدا ہوئیں اور ایک مرتبہ اپنے محسن کی طرف دیکھ کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

بالکل ممکن ہے کہ اصولاً یہ لڑکا نیکی اور شرافتِ نفس کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا ہو لیکن عملاً اسنے شرافت نفس، ایمانداری، سچائی اور خلوص کا جو نمونہ پیش کیا وہ بہت سے ایسے لوگوں کے لئے بھی قابل رشک ہے جن کی زبانوں پر ہر وقت خدا اور رسول کا ذکر رہتا ہے۔

سیفس میں ایک سال زرد بخار کی وبا بڑی شدت کے ساتھ پھیلی، اور یہ حالت ہوگئی کہ مریضوں کی خدمت کے لئے کہیں ڈھونڈھے آدمی نہ ملتا تھا۔ ایک روز ایک کریہہ منظر شخص جس کے ہونٹ موٹے موٹے، بال گھونگر والے اور کسی قدر لڑکھڑاتی ہوئی چال تھی، شفاخانہ میں ڈاکٹر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "آپ مجھے رکھ لیجئے میں مریضوں کی خدمت کیا کروں گا۔"

ڈاکٹر کو اس کی صورت سے کچھ وحشت سی ہوئی اور اسنے اسے رکھنے سے انکار کر دیا۔ پھر شخص نے پھر درخواست کی اور کہا کہ "آپ مجھے آزمایش کے طور پر صرف ایک ہفتہ کے لئے رکھ لیجئے، اگر میرا کام پسند نہ آئے تو ایک ہفتہ کی تنخواہ دیکر رخصت کر دیجئیگا۔"

ڈاکٹر رضامند ہوگیا، اور اسے سخت حیرت ہوئی جب اسنے دیکھا کہ وہ شخص کبھی کام سے تھکنا جانتا ہی نہ تھا اور مریضوں کی خدمت ایسی شفقت اور ایسی دلجوئی کے ساتھ کرتا تھا کہ ان کی ماں بھی اس سے زیادہ نہ کر سکتی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے مریضوں کی خدمت کرنے سے عشق ہے، اور دنیا میں وہ اسکے سوا اپنی زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نہیں سمجھتا۔ کسی کو اس کا نام نشان کچھ معلوم نہ تھا، اور سب سے زیادہ حیرت اسوقت ہوئی جب لوگوں نے تنخواہ کے دن اسے باہر جاتے دیکھکر خفیہ طور پر اس کا تعاقب کیا اور یہ دیکھا کہ اسنے ساری کی ساری تنخواہ لیجا کر ایک بکس میں ڈال دی جو مریضوں کی خاطر لوگوں سے چندہ لینے کے لئے جا بجا رکھوا دئے گئے تھے۔

ایک روز وہ خود اسی بخار میں مبتلا ہو گیا اور جانبر نہ ہو سکا۔ اسکی لاش پر ایک خاص نشان دیکھکر اسے شناخت کیا گیا اور معلوم ہوا کہ اس کا نام جان تھا اور کسی جرم میں ایک لمبی سزا کاٹ کر وہ جیل خانے سے آیا تھا۔

دنیا نے ہمیشہ اہل زر کی بہ نسبت ان لوگوں کی زیادہ قدر کی ہے کہ جن میں شرافت نفس موجود تھی، اور اس گئے گذرے زمانہ میں بھی کہ جب لوگوں نے دولت کو خدا بنا رکھا ہے، ایک لکھپتی کی بہ نسبت ایک باعمل عالم کی یا ایک ایسے شریف انسان کی زیادہ عزت کی جاتی ہے جو اپنی بات کا سچا، اور مخلوق الہٰی سے محبت کرنے والا ہے۔ غالبًا اس کا باعث یہ ہے کہ دولت جمع کرنے میں ہماری کامیابی کے یہ معنی ہیں کہ ہمنے اپنے بہت سے بھائیوں کو غریب بنا دیا اور تکلیف پہنچائی، اور خلق اور انصاف کی دولت جمع ہی اس طرح کی جاتی ہے کہ ہم دوسروں کی خدمت کریں اور انکے کام آئیں۔

جان رسکن کا مقولہ ہے کہ "انگلستان میں جماعتوں کا اصول یہ ہے کہ وہ غیر معمولی قابلیت کے لوگوں سے تو امداد کے طالب ہوتے ہیں، اور پیروی ہمیشہ اس شخص کی کرتے ہیں کہ جسمیں شرافت نفس موجود ہو۔ اور جو ایک مضبوط سیرت (کیرکٹر) کا مالک ہو۔"

جرمنی کے ایک شہزادہ کو محض اپنی شرافت اور شجاعت کی بدولت اپنے سپاہیوں میں اسقدر ہر دلعزیزی حاصل تھی کہ ایک مرتبہ ماسکو سے شکست کھا کر انتہائی سردی کے موسم میں پسپا ہوتے وقت جب اسے ایک رات ایک ٹوٹے پھوٹے گانوں میں بسر کرنی پڑی تو صبح اٹھکر اسنے دیکھا کہ اسکے ساتھ کے سپاہی سب برف اور سردی کے اثر سے ٹھٹھر کر مرے پڑے ہیں، اور انکے مرنے کا باعث یہ تھا کہ ان سب نے اپنے اپنے گرم کوٹ اتار کر سوتے ہوئے شہزادہ پر ڈال دئے تھے، اور لاؤل کے اس مقولہ کو سچ کر دکھایا تھا کہ "تم خود شریف بنجاؤ تو اسکے اثر سے دوسروں کے دلوں میں بھی جو شریفانہ جذبات مصروف خواب ہیں وہ تمھارے جذبات شرافت کے استقبال کے لئے بیدار ہو جائینگے" جرمن شہزادہ نے اپنے سپاہیوں کے شریفانہ جذبات کو بیدار کر دیا تھا۔

والٹیر نے کہا ہے کہ "سوائے ان ہستیوں کے کہ جنھوں نے نوع انسان کی بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں میں کسی اور عظیم الشان شخص سے واقف نہیں ہوں" گویا قابل قدر اور عظیم المرتبت ہستیاں صرف وہی ہیں جو اپنے بنی نوع کی خدمتیں مصروف ہیں اور اپنے خلوص اور اپنے ایثار سے دنیا کو نمونہ جنت بنانے میں منہمک ہیں۔

جارج پی باڈی نے اپنے ملک کے بچوں کی تعلیم کی خاطر ڈھائی لاکھ ڈالر دیتے وقت کہا تھا کہ "غیر متزلزل راستبازی، بےخوف ایمانداری، اور ایک ایسی شرافت کہ جس کا دامن برائی کے داغوں سے پاک ہو اپنے مالک کو ہر دنیاوی کامیابی اور خوشحالی سے بلند تر بنا دیتی ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں کہ جن سے انسان میں سچی عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔"

اٹھارویں صدی کے آخر میں ایک مرتبہ جبکہ بلوہ کے موقع پر شہر کے امرا اور پادریوں سے پیرس کا جیلخانہ بھرا پڑا تھا تو شہر کے عوام غصہ میں بھرے ہوئے جیلخانے کو توڑ کر اسکے اندر گھس گئے اور پادریوں کو اور امرا اور رؤسا کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا اسی مجمع میں پادری سیکار بھی تھا جو ہمیشہ محتاجوں کے کام آیا کرتا تھا اور بہروں اور گونگوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ مونو نے جو اس بلوہ کا سرغنہ تھا پادری سیکار کو دیکھتے ہی اپنے آدمیوں سے کہا کہ "یہ پادری سیکار ہے، اس سے لوگوں کو بڑے فیض پہنچتے ہیں۔ یہ ملک کا ایک سچا اور مفید خادم ہے اور بہروں اور گونگوں پر باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے" ہاتھ جو اٹھ چکے تھے رک گئے، تلواریں جو بلند ہو چکی تھیں نیچی ہو گئیں اور قاتلوں کے مجمع نے انتہائی تعظیم کے ساتھ پادری کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، قتل و غارت کے موقع پر بھی کہ جہاں کوئی کسی کو نہیں پہچانا کرتا پادری سیکار کی شرافت نفس بلوائیوں کے دلوں میں شریفانہ جذبات کو بیدار کئے بغیر نہ رہی۔

غلطی سے بہت سے لوگ کامیابی کا مطلب دنیاوی فلاح اور خوشحالی سمجھتے ہیں اور انکا خیال ہے کہ دولتمند بنجانا سب سے بڑی کامیابی ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے ہم اپنی دولتمندی کو صرف اسی حالت میں اپنی کامیابی کہہ سکتے کہ جب ہماری یہ دولت کنکر پتھر کی طرح ہمارے خزانے کے اندر بھری نہ پڑی ہو بلکہ اسکے ذریعہ سے ہم اپنی اور اپنے ابنائے جنس کی ضرورتیں رفع کریں۔ قارون وقت بنجانا کسی طرح بھی قابل فخر نہیں ہے اور نہ اسے انسانی کامیابی کہا جا سکتا ہے۔ روپیہ پیسہ جوڑ جوڑ کر زمین میں دفن کر دینے والوں کو دنیا میں کوئی اچھا نہیں کہتا۔ سچی اور حقیقی کامیابی یہ ہے کہ انسان بلند ترین اخلاق کا حامل ہو، اور تمام دنیا اس کی دولت کی وجہ سے نہیں

بلکہ اس کی شرافت نفس کی وجہ سے تعظیم کے ساتھ اسکے آگے سر جھکائے۔ ایسے بدنصیب لوگ کسی عزت کے مستحق نہیں ہیں جو دولت کے غلام ہیں اور جن کی زندگیاں ہر لحاظ سے ناکام ہیں۔ دنیا میں جس شخص کے پیدا ہونے سے دنیا کو کوئی چھوٹے سے چھوٹا فائدہ بھی نہ پہونچے اس کی زندگی دنیا کے کس مصرف کی ہے اور مرتے وقت اگر وہ اربوں روپئے اپنے زمانے میں چھوڑ کر مرا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مرنا دنیا کے کام آیا نہ کہ اس کا جینا۔

صرف حصول علم بھی ہماری زندگیوں کو کامیاب بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ علم بھی فی الحقیقت ایک قسم کی دولت ہے، اور روپئے پیسے کی طرح اگر اسے بھی ہمنے اپنے دماغ کے اندر بھر کر رکھ لیا اور اس سے خلق اللہ کو کوئی نفع نہ پہونچایا تو اس کا حصول اور عدم حصول سب برابر ہے۔ ارسطو اور جالینوس اور اقلیدس اور افلاطون اگر اپنے اپنے علم کو اپنے ہی سینوں تک محدود رکھتے تو دنیا میں آج کوئی کیوں ان کا نام لیتا۔ انکی عجیب غریب شخصیتیں آج بھی اگر ہمارے لئے قابل احترام ہیں تو اس لئے نہیں کہ انھوں نے دنیا بھر کے علوم اپنے سینوں میں جمع کر لئے تھے بلکہ اس لئے کہ انھوں نے اپنے علم کے خزانے اپنے ابنائے جنس کے لئے وقف کر دئے، اور نسل انسانی کے اس عروج و ترقی کی بنیاد ڈالی کہ جہاں آج وہ پہنچ چکی ہے۔ واشنگٹن اور لنکن بھی قابلیت کی بنا پر امریکہ کے صدر نہیں بنائے گئے تھے، ان کی شرافت نفس نے ریاستہائے متحدہ کے بچے بچے کے دل میں ان کی عزت اور عظمت قائم کر دی تھی، اور اسی شرافت نفس نے انھیں اس عروج کو پہونچایا۔ بہت کم نوجوان ایسے ہیں جو اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ زندگی کی کامیابی اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ انکے پاس دولت دنیا یا دولت علم کتنی ہے بلکہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ خود کیسے انسان ہیں اور اپنی اس دولت کا صحیح مصرف بھی جانتے ہیں یا نہیں۔

تھوریو ایک مشہور و معروف دہریہ تھا، جب وہ عالم نزع میں بستر مرگ پر ہر دم زار تھا تو اسکے ایک خدا پرست دوست نے اس سے پوچھا کہ "ہنری، تم نے اب بھی توبہ کر لی یا نہیں اور خدا کے ساتھ تمھاری صلح ہو گئی؟" مرنے والے کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے اور بہت ہی کمزور آواز میں سنائی دی کہ "مجھے تو یاد نہیں کہ خدا سے کبھی میرا جھگڑا ہوا ہو۔"

حقیقت بھی یہی تھی کہ اگرچہ تھوریو عرف عام کے مطابق خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا تھا لیکن اسنے مدت العمر کوئی کام بھی ایسا نہیں کیا تھا جو شرافت نفس کے خلاف ہو یا جسے گناہ کہا جا سکے۔

نونی چہارم، فرانس کا ایک بہت مشہور بادشاہ گذرا ہے، اسنے ایک دن اپنے وزیر سے پوچھا کہ "اسکا کیا باعث ہے کہ میں باوجود فرانس جیسے وسیع ملک پر حکومت کرنے کے ہالینڈ جیسی چھوٹی سی سلطنت کو فتح کرنے سے عاجز رہا؟" وزیر نے عرض کیا کہ "جہاں پناہ! ملکوں کی بڑائی ان کی حدود کی وسعت پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ ان ممالک کے باشندوں کی سیرت اور شرافت نفس پر منحصر ہوتی ہے۔" ہندوستان کی جنگ آزادی کے دوران میں ابھی چند سال پہلے ہمنے یہ دیکھا کہ حکومت نے اگرچہ ملک کے زعماء کو جیلخانوں کے اندر ڈال دیا لیکن وہ انکے دلوں کو کسی طرح نہ بدل سکی، اور انکے خیالات ہمیشہ حکومت کے لئے ناقابل تسخیر رہے، اگر ہمیں کے تیس کروڑ دماغ اسی طرح ناقابل تسخیر بنجائیں تو ظاہر ہے کہ تمام دنیا کی مختلف حکومتیں ملکر بھی کسی ایک ہندوستانی کو غلام نہیں بنا سکتیں۔ تحریک آزادی کی عارضی ناکامی کا باعث ہی یہ تھا کہ ہم لوگ انھیں تو اپنے جیسا بنا نہ سکے اور چند روز میں تھک کر خود ہم جیسے بن گئے۔

اس دنیا میں خواہ کوئی قارون بنجائے یا سحبان وائل، لیکن اسکی زندگی کامیاب اسی وقت ہوگی کہ جب وہ دنیا اور اہل دنیا کے کسی کام آ سکے اور اسکی سچائی، اور ایمانداری دوسروں کے تاریک دلوں تک اپنی روشنی پہونچا سکے۔

کامیابی کے مقولے

(از سید احمد حسین صاحب نقوی)

(۱) کبھی بیکار نہ رہو کیونکہ بدی بڑی آسانی سے اس روح میں گھر کر لیتی ہے جو خالی ہو (جریمی ٹیلر)

(۲) بہت سی باتوں میں کامیابی صرف یہ خیال کرنے کی وجہ سے نہیں ہوتی کہ کامیاب ہونے میں بڑا عرصہ لگے گا۔ (ماشی گوہن)

(۳) جو شخص کہ دو خرگوشوں کے پیچھے دوڑتا ہے وہ ایک کو بھی نہیں پکڑ سکتا، وہ ہر کام میں ادھورا رہیگا۔ (فرینکلن)

(۴) ابتدا ہی میں کسی کام کا سجل اور شد دل ہونا اسکی ترقیوں کے عمدہ آثار ہے (سمائیلز)

(۵) وہ روپیہ جو جلد جلد جمع کیا جاتا ہے جلد خرچ ہو جاتا ہے لیکن جو روپیہ زیادہ تھوڑا تھوڑا کرکے جمع کیا جاتا ہے وہ برابر بڑھتا رہتا ہے۔ (گوئٹے)

(۶) کفایت شعاری بذات خود ایک آمدنی ہے۔ (سینیکا)

(۷) زندگی میں اپنے دوستوں کا محتاج ہونے سے بہتر ہے کہ بعد مرگ اپنے دشمنوں کے لئے مال چھوڑ جاؤ۔ (افلاطون)

(۸) خدائے تعالیٰ ہر طائر کو خوراک دیتا ہے لیکن اسکے گھونسلے میں نہیں پھینکتا۔

(۹) ناکامی کا خوف کرنا دوسرے لفظوں میں ناکامی کو بلانا ہے اور کامیابی کا یقین رکھنا کامیابی حاصل کرنا ہے۔

(۱۰) پتھر کا وہ ٹکڑا جو ایک پست ہمت کے لئے سنگ راہ ہے۔ اولوالعزم مستقل مزاج کے لئے ترقی کا زینہ بنجاتا ہے، اس سے ٹھوکر لگتی بھی ہے تو وہ سنبھل جاتا ہے۔

(۱۱) رات کو بھوکا سونا اچھا ہے بہ نسبت اسکے کہ تم صبح کو قرض میں اٹھو۔

(۱۲) ہر انسان بچہ غیب کا یہ پیام لیکر آتا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے ابھی مایوس نہیں ہوا (ٹیگور)

اپنی مدد آپ کرو

(از جناب محمد شفیع الدین صاحب نیر)

علم اخلاق میں رحم و کرم، غیرت ذاتی، شجاعت و بہادری، محنت و جفاکشی اور عزم و استقلال اخلاق حسنہ خیال کئے جاتے ہیں، منجملہ انکے اپنی مدد آپ کرنا بھی ہے، اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مذکورہ بالا تمام اخلاق فاضلہ میں زیادہ تر "اپنی مدد آپ کرنا" ہی کی کارفرمائیاں نظر آتی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مذکورہ اوصاف کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے اپنی مدد آپ کرنا کی بڑی ضرورت ہے۔

اپنی مدد آپ کرو ایک ایسا اصول ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں کارآمد ہوتا ہے، اس امر کو ثابت کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند مثالیں پیش کی جائیں تاکہ یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم" اس کے یہ معنی ہیں کہ ؎

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی صرف اُسی قوم کی امداد کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتی ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "السعی منی والاتمام من اللہ" یعنی کوشش میری جانب سے ہونی چاہئے اُسکو کامیاب کرنا خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک انسان کسی کام میں خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا اُسوقت تک قدرت کی جانب سے بھی اُس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی؛

ایک انگریز مصنف مسٹر سیموئل سمائل اپنی کتاب "سلف ہلپ" میں لکھتے ہیں۔:

"اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ انفرادی طور پر تمام حقیقی ترقیوں کی بنیاد ہے، اور اگر یہ جذبہ کسی قوم کے بہت سے افراد میں پایا جائے تو یہ عام قومی قوت اور طاقت کا صحیح ذریعہ ہے۔"

اسی کتاب میں یہی مصنف کہتا ہے کہ "معمولی سے معمولی درجے کا آدمی بھی اگر اپنی محنت اور جفاکشی کی مثال قائم کرے تو اُس کا اثر ملک کی خوشحالی پر ضرور پڑتا ہے یعنی اُس کی ذاتی کاوش سے ملک خوشحال ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسکی اس قسم کی زندگی اور کیرکٹر پوشیدہ طور پر اہل ملک میں سرایت کرتا ہے۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک نمونہ ہو جاتا ہے۔"

ذرا انسان کی زندگی ہی پر نظر ڈالئے جس کام پر محنت کیجاتی ہے وہی کام اچھا ہوتا ہے اور جس کام پر زیادہ تن دہی اور جانفشانی کی جائے گی اُسی قدر اسکو پورا کرنے کے بعد راحت اور مسرت حاصل ہوگی، جو شخص قوت بازو سے کما کر کھاتا ہے اُس کی خوشی اُس شخص کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ ہوتی ہے جس کی زندگی کا انحصار اوروں کے دست کرم پر ہے۔ لیکن صرف اپنی مدد آپ کرو ہی کا جذبہ انسان کو محنت کرنے اور قوت بازو سے کمانے پر آمادہ کرسکتا ہے۔

بیکن کا قول ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہ دولت کی حقیقت سمجھتے ہیں نہ طاقت کی، اور طاقت کے مقابلے میں دولت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود اعتمادی اور ایثار (جو اپنی مدد آپ کرو ہی کی شاخیں ہیں) انسان کو اپنی قوت بازو کی مدد سے حاصل کئے ہوئے دانے پانی پر گزارہ کرنا سکھاتے ہیں، اور یہی وہ جذبے ہیں جو انسان کو اپنی معاش محنت سے حاصل کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔"

اپنی مدد آپ کرو کی خوبی کی مثال میں بوستان کی ایک حکایت نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حضرت سعدی شیرازی فرماتے ہیں کہ "ایک شخص کسی جنگل سے گزر رہا تھا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک بے دست و پا لومڑی پڑی ہوئی ہے، اس کو ترس آیا کہ یہ کھاتی کیونکر ہوگی۔ اس اثنا میں وہ یہ دیکھ کر متحیر ہوگیا کہ ایک شیر ایک گیدڑ کا شکار کرکے لایا اور کچھ کھاکر باقی وہیں چھوڑ گیا جو لومڑی کے حصے میں آیا، یہ دیکھ کر اس شخص نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی اپاہج لومڑی کو اس طرح روزی پہنچا دیتا ہے تو میں اُسی پر بھروسہ کرکے کسی کونے میں کیوں نہ بیٹھ جاؤں قصہ مختصر یہ صاحب بیٹھ گئے۔ مگر غیب سے کسی طرح کی مدد نہ ہوئی، یہاں تک کہ بھوک کے مارے بُرا حال ہونے لگا، اور لگے پیٹ میں چوہے قلابازیاں کھانے، اب یہ بھی سٹی بھول گئے، اسی پیچ تاب میں تھے کہ غیب سے آواز آئی:-

برو شیر درندہ باش اے دغل — مینداز خود را چو روباہ شل
چناں سعی کن کز تو ماند چو شیر — چو روبہ چہ باشی بہ واماندہ سیر
چو شیر آنکرا گردن فربہ است — گر افتد چو روبہ سگ از وے بہ است
بچنگ آر و با دیگراں نوش کن — نہ بر فضلۂ دیگراں گوش کن
بخور تا توانی بہ بازوئے خویش — کہ سعیت بود در ترازوئے خویش

اشعار بالا کا مطلب یہ ہے کہ اے مکار اپنے تئیں اپاہج لومڑی نہ سمجھ بلکہ (شکار کرنیوالا)

شیر میں۔ محنت کر تاکہ شیر کی طرح تیری کمائی سے کچھ بچ بھی جائے، لومڑی کی طرح شیر کے جھوٹے پر گزارہ نہ کر۔ جو لوگ شیر کی طرح اپنی گردن اونچی رکھتے ہیں یعنی خود کماکر کھاتے ہیں اگر وہ گر جائیں یعنی دوسروں کے ہاتھ کو تکیں تو وہ کتے سے بھی بدتر ہیں۔ اتنا کماکر لاکر اپنی کمائی میں اوروں کو بھی شریک کرسکے، نہ یہ کہ دوسروں کی کمائی کے بھروسے پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے"

مختصر یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اپنے بازوؤں کی محنت سے کماکر کھاؤ یا بالفاظ دیگر اپنی آپ مدد کرو۔ اپنی مدد آپ کرو کی ضرورت عرض کرنے کے بعد اُسکی بعض خوبیوں اور نتائج پر اسی اختصار کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ جن لوگوں نے اسپر عمل کیا وہ اپنے زمانے میں کیا کچھ ہوگئے، اور اگر ہم بھی پوری کوشش کے ساتھ اسپر عمل کریں تو کیا کچھ کرسکتے ہیں۔

جن حضرات نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ محمود غزنوی کی بہت ہی کم فوج نے راجہ انند پال کی ایک بڑی فوج کو شکست دی، اسکے وجوہ کچھ اور بھی تھے مگر سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ محمود کو اپنی ذات اور اپنی فوج پر بھروسہ تھا اور انندپال نے ہندوستان کے بہت سے راجوں مہاراجوں کو اپنی مدد کے لئے بلایا تھا چونکہ اُسنے دوسروں پر بھروسہ کیا، اس نے شکست کھائی۔ ۱۷۶۱ء کے احمد شاہ ابدالی کے حملے کو لیجئے۔ مرہٹہ پیشوا گھبرانے اپنی مدد کے لئے مہاراجہ ہلکر اور مہاراجہ سندھیا اور اور کئی راجوں مہاراجوں کو بلایا لیکن اپنی مدد آپ نہ کرنے کی اُسے یہ سزا ملی کہ شکست فاش ہوئی۔ اور اس غم میں خود پیشوا کو اپنی جان ملک الموت کے نذر کرنی پڑی۔

جب تک مسلمانوں میں اپنی مدد آپ کرنے کا مادہ رہا انھیں دنیا کی کوئی طاقت زیر نہ کرسکی، مگر جب انھوں نے دوسری قوموں کی اعانت پر بھروسہ کیا، تو مصیبت آئی۔ ابھی حال کا واقعہ ہے کہ ترکی حکومت اور ہندوستانی مسلمانوں نے یورپ کی بڑی بڑی عیسائی حکومتوں اور جمعیتہ الاقوام سے کتنی منتیں کیں کہ وہ ترکوں کو اُن کے بعض علاقوں سے محروم نہ کریں، مگر اس قسم کی تمام درخواستیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں، آخرکار ترکوں کی ایک جماعت نے غازی مصطفٰے کمال پاشا کی زیر [illegible] میں "اپنی مدد آپ کرو" کے سنہری اصول پر عمل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام اتنی خوشامد سے نہ ہوا تھا وہ قوتِ بازو سے حسب مراد طے ہوگیا۔

اب انفرادی حالت پر نظر ڈالئے۔ شیر شاہ جو ہندوستان کا ایک نہایت مقتدر بادشاہ ہوا ہے ابتدا میں ایک معمولی سپاہی تھا۔ مگر اپنی قوت بازو، ہمت اور استقلال کی بدولت اتنا بڑا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ بادشاہ ہونے کے بعد بھی اُسنے محنت اور جفاکشی سے جی نہ چرایا۔ مشہور ہے کہ یہ حکومت کے کاروبار میں اس طرح لگا رہتا تھا جیسے کوئی معمولی مزدور اپنی روزی کمانے میں لگا رہتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ "اپنی مدد آپ کرو" کے اصول سے بخوبی واقف تھا۔

نپولین بوناپارٹ شروع میں ایسا غریب تھا کہ بیچارہ سامانِ تعلیم بھی فراہم نہ کرسکتا تھا، یہاں تک کہ تعلیم اور ابتدائی ملازمت کے زمانے میں دونو وقت کا کھانا تک میسر نہ آتا تھا، اُسنے خود لکھا ہے کہ رات کو دس بجے سوکر صبح کو چار بجے اُٹھتا ہوں اور مجھے صرف ایک وقت کھانا میسر آتا ہے۔ ایک شخص نے باوجود کافی آمدنی کے جب اپنی تنگی کی شکایت کی تو اُسے یہ کہہ کر اُسے خاموش کردیا کہ تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے اپنا گزارہ کس طرح کیا۔ میں سوسائٹی اور عام تفریح گاہوں سے الگ رہتا تھا اور سادی روٹی پر زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ تو اس شخص کی اصلیت تھی مگر اپنی مدد آپ کرنے پر وہ نہایت مستقل مزاجی سے عامل تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑائی جو ایسا کرنے کا لازمی نتیجہ ہے اُس کو حاصل ہوئی، اور فرانس کی شہنشاہی کا تاج اُسکے سر پر رکھا گیا اور اُس کے نام نے شہرت دوام حاصل کرلی۔

ریل کی مقبولیت اور اسکے فائدوں سے کون انکار کرسکتا ہے لیکن یہ نتیجہ ہے جارج اسٹیفنسن کی لگاتار محنت اور کوشش کا جو باوجود انتہائی غریبی اور مفلسی کے محض اپنی مدد آپ کرنے کے اصول پر عامل ہوکر دنیا کے اعلیٰ موجدین میں شمار ہوگا۔

انگلستان ہی کا ایک اور مشہور موجد جیمس واٹ ہوا ہے جسنے دخانی انجن یا بھاپ سے چلنے والا انجن ایجاد کیا، اگر اُن مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا جائے جو اس راہ میں جیمس واٹ نے اُٹھائیں تو رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ مگر چونکہ اسکے لئے کافی وقت درکار ہے اس لئے اسوقت صرف یہی بات بتلانے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ اپنی مدد آپ کرو کا اصول ہمیشہ اسکے پیش نظر رہا۔ اور آخرکار یہی اصول اُسکی زندگی کو کامیاب بنانے کا سبب ہوا۔

اسی ضمن میں مسٹر ڈیزرائلی کا ذکر کرنا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو جب پہلی دفعہ انگلستان کے دارالعوام میں انھوں نے باوجود تیاری کے تقریر کی تو کچھ اسقدر بے ربط تھی کہ لوگوں نے قہقہے لگائے۔ یہاں تک کہ وہ بیٹھ جانے پر مجبور ہوئے مگر بیٹھتے بیٹھتے اُنھوں نے اتنا تو کہہ ہی دیا کہ میں نے بہت سے کام مختلف اوقات میں شروع کئے ہیں اور میں آخرکار ہمیشہ اُن میں کامیاب رہا ہوں۔ خیر اسوقت تو بیٹھا جاتا ہوں مگر ایک زمانہ آئے گا کہ آپ سب صاحبان میری تقریر سننے پر مجبور ہوں گے۔

اُن کی اس پیشین گوئی کو کس چیز نے پورا کیا؟ صرف "اپنی مدد آپ کرو" کے اصول اور محنت نے۔ انھوں نے تقریر میں اسقدر کمال بہم پہونچایا کہ بقول سامعین بجائے اسکے لوگ اُن کی تقریر پر ہنستے، اُن کی مرضی کے تابع ہوگئے، یعنی جب مسٹر ڈیزرائلی چاہتے تھے اپنے سامعین کو ہنسا دیتے تھے اور جب چاہتے تھے خاموش کرلیتے تھے۔

آج خاصکر ہم مسلمان قومی نکبت اور فلاکت کا رونا تو بہت روتے ہیں اغیار کے حملوں سے پریشان ہوکر انھیں برا بھلا کہنے کو تو بہت عادی ہیں، یہاں تک کہ اس سلسلے میں خدائے تعالیٰ سے بھی بدگمان ہونے اور اقبال کی زبان میں کہنے لگے ہیں کہ

جمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہو تو بیچارے مسلمانوں پر

یہ سب کچھ ہو مگر خود ہاتھ پاؤں مارنے کے لئے تیار نہیں۔ ہمکو خود بھی تو اپنی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے، جب تک ہم اپنی حالت کا جائزہ نہ لیں گے اُسوقت تک ہمیں اپنی کمزوریوں کا علم نہیں ہو سکتا بقول،

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا
یکدم منافقانہ نشیں در کمین خویش

آج اپنے اور اپنی قوم کے لئے کونسی بات ہے جو ہم خود کرنا پسند کرتے ہوں؟ تعلیم جس کا بار ہمیں خود اُٹھانا چاہئے ہم حکومت پر چھوڑے ہوئے ہیں۔ تجارت میں زیادہ ہم اپنی ہمسایہ قوموں پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کبھی ہڑتال ہو جاتی ہے تو اشیائے خوردنی تک میسر نہیں آتیں۔ زراعت جو روزی کمانے کا بہترین ذریعہ ہے محنت اور جفاکشی سے بچنے کی خاطر ترک کر رہے ہیں اور لے دے کے اپنی بسر اوقات کا ذریعہ نوکری کو بنا رکھا ہے۔ ہماری ہی قوم میں لاکھوں اچھے بھلے آدمی جو معمولی محنت سے بھی قومی دولت میں اضافہ کر سکتے تھے، دوسروں کے دست نگر ہیں، اور دست سوال دراز کر کے قومی افلاس کو اور ترقی دے رہے ہیں اور اپنے اِن اعمال کا ذمہ دار خدائے تعالیٰ کو گردانتے ہیں آج بھی خدائے تعالیٰ ہماری مفلسی اور فلاکت کے آتشکدہ کو گلزار سے بدل دینے کے لئے تیار ہے، مگر ہم قلب ابراہیم بھی تو پیدا کریں۔ اقبال ہی کی زبان سے سنئے بالانگبانی کا جواب بھی سن لیجیا

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آج بھی خدائے تعالیٰ کی تجلی ہم پر درخشاں ہو سکتی ہے مگر موسیٰ صفت کہاں ہے

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اپنی مدد آپ کرنے کا اصول، خود اعتمادی، محنت اور استقلال کامیابی کے خزانے کی کنجیاں ہیں جس قوم کی خواہش ہو وہ اپنی قوتِ بازو سے اُن خزانوں کو کھول سکتا ہے۔ آج ہندوستان میں ہم مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ کوئی حکومت کا دست نگر بنا چاہتا ہے۔ کوئی ہندوستان کی دیگر اقوام کا۔ لیکن جب تک دوسروں پر بھروسہ کیا جائے گا ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔

جب خدائے تعالیٰ ہی ایسی قوم کی مدد نہیں کرتا جو خود اپنے قدموں پر کھڑا ہو اور اپنی مدد آپ کرنا نہیں جانتی تو کسی غیر قوم کو کیا غرض پڑی ہے کہ وہ مدد کرے گی،

پس میری رائے تو یہ ہے کہ نہ ہمیں حکومت کا منت پذیر ہونا چاہئے نہ ہندوستان کی دوسری اقوام کا۔ ہمیں ایسی قوت اور طاقت حاصل کرنی چاہئے کہ حکومت اور ہندوستان کی دیگر اقوام ہماری دست نگر ہوں۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی محنت اور جفاکشی، اپنے عزم اور استقلال، اور سب سے بڑھ کر اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کر لیا۔

کامیابی کے مقولے

(مرسلہ میاں غفور احمد صاحب از پونڈری)

(۱) لوگوں میں طاقت کی اتنی کمی نہیں ہے جتنی مستقل ارادے کی۔ (وکٹر ہیوگو)

(۲) تعریف کے قابل وہ نہیں ہیں جنھوں نے موقع کا انتظار کیا، بلکہ قابل تعریف وہ ہیں جنھوں نے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، موقع کو بنایا اور موقع سے کام لیا۔ (ای ایچ چیپن)

(۳) ہماری سب سے بڑی خوبی کبھی نہ گرنے میں نہیں، بلکہ ہر دفعہ گر جانے کے بعد اُٹھنے میں ہے۔ (گولڈسمتھ)

(۴) حالات کبھی اُن انسانوں کو ٹھیک کام کرنے پر مجبور نہیں کرتے، جو حالات کے ناموافق ہونے کے زمانہ میں ٹھیک کام نہیں کرتے۔ (سی کرناہن)

(۵) کوئی چیز دنیا میں خود بخود نہیں بنجاتی، جبتک کہ اسکو کوئی نہ بنائے (گارفیلڈ)

(۶) جو کام کرنے کے قابل ہے، وہ اس قابل ہے کہ اُسکو اچھی طرح کیا جائے (ارل آف چسٹرفیلڈ)

(۷) اصلی عقلمندی مضبوط ارادہ ہے۔ (نپولین اول)

(۸) دنیا میں اس کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں جو کوشش کرے (سکندر اعظم)

(۹) کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اپنے ساتھ کام کرنے کا سنہری موقع نہ لاتا ہو۔ ایسا موقع جو شاید اس دن سے پہلے کبھی نہ آیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی نہ آئے۔ (ڈبلیو، ایچ، برلیگ)

(۱۰) نہ بدلنے والا ارادہ، نہ جھپکنے والی آنکھ، نہ پریشان ہونے والا خیال کامیابی کے مالک ہیں

(۱۱) مجھے ادھورے کام سے نفرت ہے، اگر کوئی کام کرنے کے قابل ہے۔ اسکو مردانہ وار کر ڈالو، ورنہ ہاتھ نہ لگاؤ۔ (گوئیٹے)

(۱۲) اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی، (علامہ اقبال)

(۱۳) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ؎ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (ا

(۱۴)
ہارنے پر بھی نہ ہمت ہارئے
ہے مثل ہمت کا حامی ہے خدا
صاف ہے فرمانِ ربِ ذوالجلال
لیس للانسان الا ماسعیٰ (نامعلوم)

(۱۵)
تدبیر کو پہلے کام میں لا۔ تقدیر پہ تو پھر شاکر رہ
میدان میں جو ہو سرگرم عمل، اللہ بھی اسکا ناصر ہے

(قاضی محمد حسن صاحب بی اے،)
ڈگستائی (شملہ)

آبپاشی

(از مولوی نورالرحمٰن صاحب بی اے)

ہندوستان کی زراعت کا انحصار بارش کے پانی پر ہے، اسی لئے کاشتکار کی نظر آسمان کی طرف اُٹھتی ہیں اور بالعموم ہندوستانی کاشتکار مطلع اور موسمی حالات کے سمجھنے میں بھی کمال رکھتا ہے۔ گو یورپ کا کسان بھی موسمی تغیرات سے اسی قدر واقف ہے لیکن وہاں اختلاف موسم کا تغیر اس لئے قابل لحاظ ہے کہ کہر، برف اور طوفان سے بچنے کے لئے لوگوں کو اپنی کھیتی سے زیادہ اپنی جانوں، اپنی مویشی، اپنے گلّوں، مرغیوں، بطّوں اور انکے ذریعہ سے حاصل ہونے والی دولت یعنی انڈہ مکھن، دودھ، پنیر وغیرہ وغیرہ کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور یہاں (خاص حالات سے قطع نظر) صرف بارش اور دھوپ کی ضرورت ہے اور اسی کا پتہ لگانا مقصود ہوتا ہے۔ اسمیں بھی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے لئے بارش کا پانی جو اوقات معین او فیا اوقات مقدار معین کے ساتھ حاصل ہوتا ہے کاشتکار کے لئے سب سے بڑی دولت ہے، اس کی محنت کا ثمر، اس کی مشقت کا صلہ اور اسکی توقعات کا نتیجہ اگر کسی ذریعہ کا رہین منت ہے تو وہ آب باراں ہے جسکے بغیر وہ زمین سے کچھ حاصل کرنیکی توقع نہیں رکھتا۔ لیکن یہی دولت کبھی کبھی ہندوستان کی انتہائی بدنصیبی بھی بنجاتی ہے اور جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی کا اثر ہوجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور فن زراعت کی کوئی تدبیر اس مصیبت کو راحت سے نہیں بدل سکتی۔ اسی لئے ہندوستان میں آبپاشی کا مسئلہ نہایت پیچیدہ اور دشوار ہے ضرورت اس کی ہے کہ جب بارش نہ ہو تو پانی میسر آجائے، لیکن چونکہ بالعموم بارش ہوتی ہے اور گویا ایک خزانۂ غیب سے اس ضرورت کے لئے سامان بہم پہنچ جاتا ہے اس لئے کسی کو اسوقت کی یاد نہیں آتی جبکہ پانی کی واقعی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک طریقہ ہوسکتا ہے کہ حوض اور تالاب کثرت سے ہوں اور وہ ایک خاص مقصد سے بنائے جائیں جنمیں بارش کا سفید پانی محفوظ رہے اور وقت ضرورت کام آئے لیکن یہ طریقہ نہایت گراں اور بے انتہا اخراجات کا محتاج ہے۔ البتہ اگر حوضوں اور تالابوں کے طیار کرنے میں اس کا بھی لحاظ رہے کہ بعض قدرتی وسائل سے بھی فائدہ اٹھایا جائے تب کسی قدر سہولت و کفایت ہوسکتی ہے۔

مثلاً وادیٔ کوہ اور نشیبی علاقہ میں ایسے تالاب آسانی سے بن سکتے ہیں اور آرہ ودکن میں ان کی کثرت ہے۔ یہاں تالاب کے تعمیر کا خرچ نصف رہجائے گا اور یہاں سے پانی لینے کے راستے بنانا بھی آسان ہوگا۔ دوسری صورت نہر کی ہے لیکن یہ کام افراد و اشخاص کا نہیں ہے جماعتوں کے لئے بھی نہایت دشوار ہے اور صرف حکومت ہی اس طرف توجہ کرسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مختلف علاقوں سے آراضی کا حصول، نہر کے لئے دریا اور ندیوں سے پانی حاصل کرنا بغیر حکومت کی اجازت وخشا کے موجودہ قانون کی رُو سے ناممکن ہے۔ اگرچہ نہر سے بہت بڑے علاقہ کی آبپاشی ہو جاتی ہے لیکن اس آبپاشی کا اصول تجارتی ہے یعنی نہر سے پانی اسی نرخ پر ملتا ہے جو اس لاگت کے اعتبار سے مناسب ہو جو نہر کی تعمیر میں بطور سرمایہ لگائی گئی ہے، یہ صورت ہندوستان میں بھی رائج ہے اور بوجوہ چند در چند (جن کی تفصیل اسوقت باعث طوالت ہوگی) قابل اعتراض ہے۔ سرمایہ مستقل کا باقی رکھنا اور اسکی حفاظت کرنا لازمی ہے اور ان ضروریات سے مناسب شرح سود سے نہری محصول کا میا قائم کیا جاسکتا ہے لیکن غیر ضروری اخراجات یا تجارتی منافع کی خاطر محصول میں اضافہ اس لئے مناسب نہیں کہ یہ سرمایہ وقف کی حیثیت رکھتا ہے اور امداد قحط کے نام سے موسوم ہے۔

بہرحال، نہر کا پانی کاشتکار کی بے احتیاطی سے ضایع بھی بہت جاتا ہے اور چونکہ یہ یقین نہیں ہوتا کہ دوبارہ اسکے کھیت کو کب پانی میسر آسکے گا اس لئے وہ بے دردی سے پانی بہاتا ہے جو اکثر بجائے فائدہ پہنچانے کے اُلٹا نقصان دیتا ہے اور زمین کو کمزور و بیکار کردیتا ہے۔ دوسرا بڑا نقص جو ہندوستان کی موجودہ حالت میں سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے وہ نہر کے محصولات اور حکام نہر کی سخت گیری ونازک مزاجی ہے۔ لیکن باوجود ان دشواریوں کے نہر آج ہندوستان میں سب سے زیادہ قوی اور بااثر ذریعہ آبپاشی کا ہے اور اسکی وسعت اور اسکے فائدہ کے مقابلہ پر یہ تمام اعتراضات کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتے۔

قدیم زمانہ میں اضلاع کاویری علاقہ مدراس میں ایک بڑی نہر انیکٹ کے نام سے مشہور ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے اس علاقہ کو سیراب کررہی ہے اور جس کی آبپاشی کا چھ لاکھ ایکڑ رقبۂ زمین مرہون منت ہے۔

فیروز شاہ کی تعمیر کردہ نہر جمنا آجتک موجود ہے اور شہنشاہ اکبر کے عہد میں علی مردان خاں کے زیر اہتمام اس کی مرمت ہوجانے سے اس کا فائدہ اور زیادہ ہوگیا جمنا کی دوسری جانب شاہجہاں نے نہر بنائی اور آجتک کام دے رہی ہے۔ ان دونوں نہروں سے علاقہ پنجاب کی آبیاری ہوتی ہے ۱۸۷۷ء کے قحط کے بعد برطانوی

آبپاشی

حکومت نے بھی نہروں کی تعمیر پر توجہ کی اور اس وقت سے آجتک کئی عظیم الشان نہریں تعمیر ہو چکی ہیں، اور ۲۱-۱۹۲۰ء میں تقریباً ۵ کروڑ ۲۲ لاکھ ایکڑ مزروعہ کی نہروں کے ذریعہ سے آبپاشی کی گئی ہے لیکن تعجب ہے کہ ۲۶-۱۹۲۵ء میں یہ تعداد مزروعہ بجائے بڑھنے کے کم ہو کر صرف ۵ کروڑ باقی رہ گئی۔ اگر پانچ سال کے کُل اعداد و شمار پر نظر ڈالی جائے تو ۲۵-۱۹۲۰ء تک .. فی صدی علاقہ مزروعہ کی آبیاری نہروں کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اور اس رقبہ میں فصلوں کی قیمت کا یہ اوسط ہے کہ جس قدر سرمایہ نہروں پر لگایا گیا ہے اس کا ڈیڑہ گنا محض ان فصلوں کی پیداوار سے وصول ہو چکا ہے۔

دوسرا ذریعہ آبپاشی تالاب اور کنویں کا ہے۔ تالابوں کا رواج مدراس میں زیادہ ہے جہاں تالاب کے ذریعہ سے بھی اسی قدر آبپاشی ہوتی ہے جس قدر کہ نہروں سے، لیکن آبپاشی کے کنویں دکن کو چھوڑ کر شمال ہند کے لئے سب سے زیادہ مؤثر و مفید ذریعۂ آبپاشی ہیں اور با اعتبار سہولت و کفایت کے ان سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا طریقہ ثابت نہیں ہوا۔ صوبہ پنجاب میں بھی جہاں نہروں کی کثرت ہے چاہات آبپاشی سے ⅓ حصہ زراعت کا کام لیا جاتا ہے۔ صوبہ متحدہ میں ۲۰ لاکھ ایکڑ سے زیادہ آبپاشی چاہات کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اور صوبہ بہار میں ۱۰ لاکھ ایکڑ مزروعہ انہی پرانے کنووں کا ممنون ہے۔

صوبہ متحدہ اور بہار میں چاہ خام کی قیمت بہت معمولی ہے اور ہر کاشتکار جو زراعت پر قدرت رکھتا ہے وہ ایک کچا کنواں بھی طیار کرا سکتا ہے۔ پانی نکالنے کے لئے جو آلہ بھی اختیار کیا جائے وہ اپنے علاقہ کی مناسبت سے بغیر خرچ کے تیار ہو سکتا ہے اور پانی پر اختیار ہونا اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کا مقابلہ کسی دوسری سہولت سے نہیں کیا جا سکتا۔ فصل کی حالت اور پیداوار کی ضرورت کے اعتبار سے جب اور جس قدر مناسب ہو پانی کا مل جانا ہی سب سے بڑی بات ہے۔ لیکن ان خام چاہات میں پانی کی قلت کا سوال رہجاتا ہے جس کا حل بھی خود کاشتکار کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ مالدار ہے تو وہ متعدد کنویں بنا سکتا ہے اور وقتاً فوقتاً یا ایک ہی وقت میں ان سب سے کام لے سکتا ہے اور اگر مفلس ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی زراعتی کاروبار میں پانی کی بہم رسانی کو بھی ایک جزو قرار دے اور زمین حاصل کرنے سے پہلے یہ غور کرلے کہ وہ اس کی آبپاشی اور کمائی کی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں؛ زمین کاشتکار کے لئے بڑی دولت نہیں ہے بلکہ وہ دولت کا ذریعہ ہے جو دوسرے اسباب کے ساتھ دولت ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت پر بالعموم کاشتکار کی نظر نہیں جاتی اور وہ غلطی سے زمین کے وجود ہی کو دولت قرار دے لیتا ہے۔ سب سے چھوٹا کنواں بھی بعض صوبوں میں ایک دو ایکڑ، زمین کی آبپاشی کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن اگر بڑا کنواں بنایا جائے اور خوب گہرا گلایا جائے تو بعض اوقات ڈیڑہ سو یا دو سو ایکڑ زمین کو سیراب کر سکتا ہے۔

صوبہ متحدہ میں چاہات کے ذریعہ آبپاشی کا کام سب سے زیادہ مفید ثابت ہوا ہے البتہ دکن اور جنوبی ہند میں چاہات کی تعمیر ہی کسی مصیبت سے کم نہیں اور پھر ان سے زراعتی آبپاشی کا کام لینا اور بھی زیادہ دشوار ہے۔

کنویں کے ذریعہ سے آبپاشی کا نہایت قوی ذریعہ ٹیوب ویل ہے۔ کسی بڑے کنویں میں اگر پانی کے لئے نل گلا دیا جائے تو وہ کئی بڑے کنووں کی طاقت سے پانی مہیا کر دیتا ہے۔ اسکے بعد اس پانی کو کھینچنے کے لئے ایک مشین کی اور ضرورت ہوتی ہے۔ وہ دستی بھی ہو سکتی ہے، بیلوں سے بھی چلائی جا سکتی ہے اور بجلی سے بھی کام میں لائی جاتی ہے جس طرح رہٹ، زیادہ سے زیادہ پانی کھینچکر باہر لاتا ہے اسی طرح وہ مشین ہے۔ گویا ٹیوب ویل پانی کے مقدار میں اضافہ کرتا ہے اور اس کی بہم رسانی میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ محکمۂ زراعت نے اس طریقہ آبپاشی کو شمالی اضلاع کے لئے نہایت مفید پایا ہے اور یہ تخمینہ کیا جاتا ہے کہ تقریباً ۱۴ ہزار روپیہ میں ایک ٹیوب ویل طیار ہو جاتا ہے جو ... ۲۵ گیلن پانی فی گھنٹہ کی رفتار سے فراہم کر سکتا ہے۔ چودہ ہزار روپیہ کی رقم بہ ظاہر بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن بالعموم چھ ہزار روپیہ نقد قرضہ تقاوی کی صورت میں محکمۂ زراعت سے ملجاتا ہے اور تقریباً ۳ ہزار روپیہ بطریق قرضہ امدادی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طرح اگر ۵ ہزار روپیہ بھی لگایا جائے تو یہ ذریعہ آبپاشی مہیا ہو سکتا ہے اور چند ہی سال کی مدت میں قرضہ کے بار سے سبکدوشی ممکن ہے۔

لیکن یہ واضح رہے کہ ٹیوب ویل جسقدر پانی فراہم کرتا ہے وہ عام کاشتکار کی ضروریات سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور اس کا حقیقی فائدہ جب ہی نظر آسکتا ہے کہ ذریعہ آبپاشی کے فراہم ہو جانے کے بعد طریق کاشت اور فصلوں کے انتخاب میں بھی عقل سے کام لیا جائے۔ اور قدیم و فرسودہ طریقہ کاشتکاری کے بجائے جدید طرز یعنی تخم اور بہتر کھاد کی مدد سے قیمتی فصلوں پر محنت کی جائے تاکہ سرمایہ اور محنت کے معاوضہ میں جو قیمت حاصل ہو وہ منفعت بخش ہو۔

لیکن ہندوستانی کاشتکار کی موجودہ حالت اس قابل بھی نہیں کہ اس کو ترقی یافتہ ذرائع کاشت پر توجہ دلائی جائے۔ مالگزار یا زمیندار بالعموم اپنے لگان سے واسطہ رکھتے ہیں اور بہت کم ایسے ہیں جو گانوں میں رہ کر کھیتی کی حالت اور روزمرہ کی ضروریات اور آنے والے حادثات سے باخبر ہوں، ان حالات میں جس چیز پر سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت وہ محض اس ضرورت کا واقعی اور صحیح احساس ہے کہ بغیر ذرائع آبپاشی کے کھیتی کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا اس زمانہ میں ہوائی جہاز کے مقابلہ کے لئے گانوں کی بیل گاڑی لے کر نکلنا یا آبدوز کشتیوں کے دور میں بادبانی جہاز سے کام لینا، کاشتکاروں کے لئے دو ذریعے نہایت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلی خود اپنی ہمت و کوشش سے جو انفرادی حیثیت نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت میں امداد باہمی کے اصول پر ہو اور جسکے ذریعہ سے ہر گانوں میں ایک مختصر کمیٹی بنائی جائے جس کا نظم و نسق بالکل کاشتکار کے اپنے ہاتھ

فصلوں کے کاٹنے پر ایک چھوٹی رقم باہم جمع کرکے ایک مختصر فنڈ قائم کریں اور کو اپریٹو بنک اور اداروں سے کچھ قرضہ بھی حاصل کریں اور تھوڑے رقبہ زمین کے لئے امداد باہمی کے اصول پر آبپاشی کا انتظام کریں۔ یہ طریقہ دوسرے ممالک میں نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے اور ہندوستان میں بھی بہ ظاہر ناکامی کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن دوسرا طریقہ وہ ہے جو پنجاب اور دیگر صوبوں میں بھی رائج ہو رہا ہے جس کے نفع سے ہر شخص خبردار ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ ایسی صورت میں لوگ جو اپنے سرمایہ کو مفید کاموں میں لگا کر اس سے مالی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اس طرف متوجہ ہوں اور اپنے روپیہ سے اُن مواضعات میں جہاں پانی کی اچھی قیمت مل سکے اور کاشتکاروں کی حالت قابل اطمینان ہو بڑے اور قیمتی کنوئیں طیار کرا کر اپنے اہتمام سے پانی کی بہم رسانی کا انتظام کریں۔ مثلاً ٹیوب ویل اگر پانچ چھ ہزار میں طیار ہو جائے اور وہ پانچ سے سات فیصدی تک منافع دے سکے تو یہ کاروبار بنک میں روپیہ جمع کرنے کے مقابلہ میں ہزار ہا گنا زیادہ منفعت کا ہے اگرچہ اس کا نفع روپیہ آنہ پائی کی شکل میں فوراً ظاہر ہونے والا نہیں لیکن چند سال کے اندر جب زراعت کی حالت اچھی ہو اور کاشتکاروں کی اقتصادی تباہی ختم ہو جائے تب سرمایہ دار کو خود محسوس ہونے لگے گا کہ کتنے عرصہ بعد وہ دوسرے ذرائع سے اپنے لئے نئے اور زیادہ منفعت بخش کاروبار فراہم کر سکتا ہے۔ نیز آبپاشی ہی کی قوت زمین کی طاقت اور فصلوں کی عمدگی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسکے بعد وہ بجلی سے کام لے اور جدید آلات کو کرایہ پر چلانے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جدید ٹیوب ویلوں کے ذریعہ سے اپنے کاروبار کو وسعت دیکر ایک دو نہیں دس بیس دیہات تک پھیلا دے۔

ہندوستان میں شکر کی کاشت نے جب سے ترقی کی ہے کہ کھوکی تجارت اسی اصول پر ہوتی رہی ہے اور برابر ترقی کر رہی ہے۔ حال میں حکومت کو بھی ترقی یافتہ ذرائع سے ہندوستانی زراعت میں کام لینے کا خیال پیدا ہو گیا ہے اور وہ اپنی مصلحتوں کی بنا پر خاطر بالخصوص توجہ کرنا چاہتی ہے۔ لہذا یہ ترقی کا ابتدائی دور ہے اور جسقدر جلد لوگ اسطرف متوجہ ہوں اسی قدر زیادہ مفید ہوگا۔

عالمِ ارواح سے چند وصایا

(از مسٹر انشاہ حسن جعفری، ایم اے، ایل ایل بی)

بچوں کی تعلیم

ہندوستان کی بے مائگی اور ضروریات زندگی کی گرانی کے ساتھ بچوں کی تعلیم بھی مہنگی ہوتی جاتی ہے۔ جب بچے تعلیم کے قابل ہو جاتے ہیں تو والدین کو ایک فکر درپیش ہوتی ہے۔ آمدنی بقدر کفایت نہیں، تعلیم ہو تو کیونکر؟ نتیجہ ہولناک ہے، اور راتوں کی نیند اڑانے والا۔ کیونکہ اپنی زندگی تو لسٹم پسٹم کٹ ہی جاتی ہے لیکن اولاد کے مستقبل کو درخشاں بنانے کی حسرت ہر دل میں ہوتی ہے تعمیر مستقبل کی بنیاد کی خشت اول تعلیم ہے جو سرمایہ چاہتی ہے۔ اسوقت عالم ہر اس میں جو بن پڑجاتا ہے وہ کیا ہی جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آجتک مفلس والدین نے بحیثیت اجتماعی یا بحیثیت انفرادی اس سوال پر غور ہی نہیں کیا۔ ہمارے ایک دوست کو حضرت بہلول دانا سے روحانی عقیدت ہے۔ لہذا جب کوئی گتھی پڑتی ہے تو ہم سلجھانے کے لئے اُن ہی سے کہتے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ باتوں ہی باتوں میں بچوں کی تعلیم کا چرچا چھڑا۔ ہمارے عنایت فرمانے تسلی دی اور کہا میاں کیوں گھبراتے ہو آج میں حضرت سے بالکل صحیح کو بتا دوں گا۔ عالم ارواح کے افسانے تو مشہور ہیں، مگر شنیدہ کے بود مانند دیدہ، اندھا چاہے دو آنکھیں۔ جب چار آنکھیں ہوئے تو مجھ کو بھی حضرت سے عقیدت ہو گئی، کیا خوب حل فرمایا ہے، روح ذریں تو مفلسوں کے پاس ممکن نہیں روح دل ہے کہ نذر کئے لیتا ہوں، ارشاد ہوا ایک ڈبہ لو، چاروں طرف سے جھلوا دو، جس روز سے بچہ پیدا ہو ایک پیسہ روز اسمیں چھوڑتے رہو، گویا ایک خانہ ساز بنک قائم کر لو۔ سال بھر کے بعد ڈبہ کھولو، تین سو پینسٹھ پیسے نکلیں گے، ڈاکخانہ میں جمع کر دو۔ اور پھر ڈبہ جھلوا کر بدستور پیسہ روز جمع کرتے رہو جب تعلیم کی ابتدا کا وقت آئے گا۔ سرمایہ محفوظ رہے گا شوق سے شروع کرو۔ لیکن یہ طریقہ مسلسل جاری رکھنا اور جب تک لڑکا تعلیم سے فارغ نہ ہو جائے سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ یہی نہیں کہ پیسہ فنڈ تمہارے بچہ کی تعلیم کر سکے، بلکہ عجب نہیں کہ جب وہ فارغ التحصیل ہو تو اس کے میدان زندگی میں داخل ہونے کے لئے کچھ سرمایہ بھی ملے۔

خوب سوجھی۔ میں تو اپنے لڑکے کی ولادت کی تاریخ سے اس عمل پر عامل ہوا ہوں آج تین ماہ تیس یوم کا بچہ ہے اور اسکے فنڈ میں ۹۲ پیسے بھی جمع ہیں اگر وہ اسوقت اس قابل ہو جاتا کہ ابجد ہوز کا سبق پڑھ سکے تو بغدادی قاعدہ کے چار پیسے مجرا کرکے میرے پاس پھر بھی ۸۹ پیسے رہ گئے، افلاس بھی بری چیز ہے۔ کیا کیا سوجھتی ہے۔ سچ ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔[1]

---

[1] اگر میری یاد غلطی نہ کرتی ہو تو ایسی ہی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے ایک اسکیم تیار کی تھی مگر یاران مدہوش نے اسکو ایسی فراموشی غرق مے ناب اولیٰ سمجھ کر فراموش کر دیا۔

مشینستان

(از مسٹر حامد اللہ افسر بی اے، پروفیسر جوبلی کالج لکھنؤ)

انگلستان کے مشہور اخبار سنڈے اکسپرس کی ایک تازہ اشاعت میں مسٹر جیرالڈ ڈیلی، کا ایک نہایت دلچسپ مضمون شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ پرست دنیا پر کس حد تک "مشینیت" طاری ہو گئی ہے اور رفتہ رفتہ یہ کیا صورت اختیار کرنے والی ہے، مسٹر موصوف کا بیان ہے کہ حال ہی میں ایک ایسی مشین ایجاد ہوئی ہے جو چھ کلرکوں کا کام انجام دے سکتی ہے۔ ریڑے بڑے بنک اور کارخانے اس مشین کا استعمال شروع کرنے والے ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مشین سے کام لینے کا سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوگا اور اس "مشینیت" کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے، کیا دنیا ایک بڑا "مشینستان" بنکر رہے گی، جہاں بچوں کے نہلانے سے لے کر بوڑھوں کو ہوش میں رکھنے تک سارے کام مشین سے لئے جائینگے۔

پورے سو برس بھی نہ ہوئے ہونگے کہ ہمارے سارے کام بغیر کسی مشین کی مدد کے انجام پاتے تھے، ہمارے سارے کپڑے ہاتھ سے بنے جاتے تھے، ہماری خوراک میں جس قدر چیزیں کام آتی تھیں وہ سب ہاتھ کی مدد سے پیدا کی جاتی تھیں، گھوڑے اونٹ ہاتھی، ہماری سواری اور ہمارے اسباب کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے کے کام میں آتے تھے، اسکے بعد مشین کا دار شروع اور اس شد ومد کے ساتھ شروع ہوا کہ خدا کی پناہ، اسنے ہمیں تازہ اور صاف ہوا سے محروم کردیا۔ ہمارے دریاؤں کے پانی کو خراب کردیا، ساری فضا کو دھواں دھار بنا دیا، ہمارے صدہا بھائیوں کو سورج کی روشنی سے محروم کردیا، وہ صبح طلوع شمس سے پہلے مشین کے کارخانوں میں جاتے ہیں اور شام تک بجلی کی روشنی میں کام کرتے ہیں!

اس تھوڑی ہی مدت میں انسان اسقدر مشین زدہ ہو گیا ہے کہ اگر آج مشین دنیا سے غارت ہو جائیں تو متعدد ممالک تباہ ہو جائیں گے، اور دنیا میں زندہ رہنا دوبھر ہو جائے گا!

مشین ہمارے لئے کپڑا مہیا کرتی ہے، خوراک کا سامان بہم پہونچاتی ہے، ہماری تاریک راتوں کو روشن و منور کرتی ہے، لاکھوں کوس کے فاصلہ پر رہنے والے لوگوں سے گھر بیٹھے گفتگو کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، برسوں کے راستے گھنٹوں اور منٹوں میں طے کراتی ہے، ہمیں مچھلی کی طرح پانی کی تہ تک لے جاتی ہے اور چیل کی طرح ہوا میں اُڑاتی ہے!

مشین کی رفتار ترقی اگر یہی ہے تو ذرا قیاس تو کرو کہ آنے والے زمانے میں دنیا کا رنگ کیا ہوگا۔ آئے دن ایک نہ ایک مشین ایسی ایجاد ہوتی رہتی ہے جس سے انسان کو محنت و مشقت جیسی تکلیف دہ چیز سے چھٹکارا نصیب ہو، اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو وہ دن دور نہیں ہے کہ گھر کا سارا کام پھٹی ہوئی جورابوں کو رفو کرنے سے لے کر بڑی بڑی دعوتوں کا کھانا تیار کرنے تک، مشین کے ذریعہ انجام پذیر ہوگا!

آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں ایسے بستر استعمال کریں گی جیسے آج ہم استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کا بستر ریشم کی قسم کا ایک خوبصورت کپڑا ہوگا جسمیں ہوا بھر دی جائے گی، پلنگ کی ضرورت بھی نہ ہوگی کیونکہ اس بستر ہی میں پائے بھی ہونگے جن کے اندر بستر کے ساتھ ہی ساتھ ہوا بھر دی جائے گی، اور یہ سارا بستر تہ کرکے ایک چھوٹے لفافہ میں بند کیا جاسکے گا!

ہمارے کھانے کی میزوں پر بجلی کے کھٹکے ہونگے، ان کھٹکوں کے پاس ہی کھانے کی چیزوں کے نام ہونگے مثلاً بیمار کی ضرورت ہے تو چار والا کھٹکا دبایا اور چار کی کشتی چلی آرہی ہے۔

صبح کو مکان کی صفائی اس طرح ہوگی کہ بجلی کا ایک بٹن دباتے ہی بستر تہ ہو کر ایک لفافہ میں سما جائے گا اسکے بعد دوسرا بٹن دباتے ہی سارا کمرہ صاف ہو جائے گا، یہاں تک کہ خاک کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

گو کپڑے دھونے کی متعدد مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں لیکن اسمیں ابھی بہت گنجائش ہے، اگلے زمانے میں کپڑے اس طرح دھلیں گے کہ ایک بکس سا ہوگا اسکے اندر کپڑے بند کئے اور چند منٹ بعد کھول لیا سارے کپڑے دھلے دھلائے اور خشک شدہ اور تہ شدہ برآمد ہو گئے۔

میز اور کرسیاں بھی کپڑے کی قسم کی کسی چیز سے بنائی جائیں گی اور ان میں ہوا بھری جائے گی۔ جب چاہا ہوا نکال دی اور تہ کرکے ایک لفافہ میں بند کرلیا، کسی دوست کے یہاں گئے تو آرام کرسی والا لفافہ جیب میں ڈال لیا اور جب وہاں پہنچے اپنی کرسی جیب سے نکالی ہوا بھری اور آرام سے بیٹھ گئے۔

قالین بھی ایسے تھوڑی ہونگے جیسے آجکل ہیں ہمارے نزدیک تو آنے والے زمانے میں قالین اور دریوں کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ زمین پر اس قسم کا ربڑ بچھایا جائے گا جو قالین سے زیادہ نرم اور گرم ہوگا۔

حال ہی میں نیویارک میں بجلی کے کارناموں کی ایک نمایش ہوئی تھی، اسمیں ایک

ایسا مکان دکھایا گیا تھا جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکتا تھا، ممکن ہے یہ مکان آئندہ نسلوں کے مکانوں کا "پیش خیمہ" ہو۔

غرض آثار کچھ ایسے ہی ہیں کہ دنیا مستقبل قریب میں "مشینستان" بن جائے گی اور جس قدر کام آج ہمیں اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے ہیں وہ سب مشین کے ذریعہ عمل میں آئینگے، لیکن سوال یہ ہے کہ اُس وقت انسان کیا کریگا، تمام کام تو مشین انجام دیں گی پھر انسان کے لئے کیا کام باقی رہ جائے گا؟ شاید یہ ہو کہ اُس وقت انسان محض دماغی کام انجام دیا کریگا۔ وہ صرف قوت خیال سے کام لے گا اور ہستی اور کائنات کے مسائل حل کرنے کی نئی نئی صورتیں پیدا کریگا، یا شاید یہ ہو کہ مادیت کی اس ترقی کا ردعمل روحانیت کی صورت میں نمودار ہو اور انسان اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائے اور اُس عالم آفریں کی بارگاہ میں سربسجود ہو جس کے صرف ایک اشارے پر یہ دنیا کی مشین چل رہی ہے اور اس تمام ترقی کے باوجود اپنی بے بسی اور عجز کا اقرار کر کے خود کو ایک بار پھر اسکے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔

کامیابی اور دُعا

(از جناب صوفی فلسفی قاری سرفراز حسین صاحب عزمی، دہلوی)

جن مذہبوں میں خدا مانا جاتا ہے اور انسان کے کاموں میں دخیل تسلیم کیا جاتا ہے، اُن مذہبوں کے پیرو دعا کو بہت اہمیت دیتے ہیں ان میں سے اکثر کسی مشکل کام کے شروع کرنے سے پہلے خدا سے دعا مانگتے ہیں، اولاد ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔ تندرستی اور نوکری یا کاروبار میں ترقی کی دعا مانگتے ہیں عیسائیوں میں ایک فرقہ ہے جو اعمال کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی دعا، اور فضل کو، یعنی دعا کرنے، اور خدا کے فضل کے امیدوار رہنے کو، دعا اور اجابت دعا کا ایک فلسفہ بھی ہے جس کا لب لباب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے کل قوائے ظاہری اور باطنی کو سنجیدگی کے ساتھ استعمال کرنے میں مخزن و مرکز برکت یعنی خدائے کارساز سے اُس قدر کمی کے پورا کرنے کا اُمیدوار ہوتا ہے جو اس کام کی تکمیل کے لئے اپنے کل قویٰ کو صرف کرنے کے بعد بھی باقی رہ جاتی ہے، یہ تو ان فلسفیوں کا عقیدہ ہے جو یہ مانتے ہیں کہ خدا قوانین قدرت کو تبدیل نہیں کرتا۔ خارجی امداد نہیں بھیجتا بلکہ انسان ہی کو مضبوط سے مضبوط تر اور قابل سے قابل تر بنا دیتا ہے اور گویا اس شکل کے بعد وہ کام منسوخ ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرقہ اُن لوگوں کا ہے جو خارجی امداد کے قائل ہیں اور تائید غیبی کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ انسان سے اوپر ہی اوپر اور اسکی کوششوں سے محض بے تعلق خارج میں سے امداد آن پڑتی ہے۔ ہمیں ان دونوں متضاد خیالات کا موازنہ یہاں کرنا منظور نہیں ہے بلکہ تائید غیبی کے مفہوم پر جو یورپ کے نہایت مشہور عالم ارواح، (سپریچولزم Spiritualism) نے روشنی ڈالی ہے، ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، دہلی کے اخبار ہندوستان ٹائمز مورخہ ۵ اگست ۱۹۲۹ء میں درج ہے کہ لیڈی آئی رین ویل ولایت کے اخبار سنڈے ریویو میں اپنی اور سر آرتھر کونن ڈائیل کی ایک ملاقات کا ذکر فرماتی ہیں گفتگو مذاہب کے مستقبل پر ہوئی، اثنائے گفتگو میں سر آرتھر نے ارشاد فرمایا۔ تکلیف اور غم روح کے لئے بمنزلۂ سان (سنگ فسان) کے ہیں جن پر وہ تیز کی جاتی ہے۔ بغیر ان کے ہماری نشو و نما نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے ہمیں یہاں ان سے سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ہم دنیا میں پورے طور سے نشو و نما نہ پا جائیں تو ہمکو یہ کام مرنے کے بعد کرنا پڑتا ہے۔ ....

مثال کے طور پر صرف معمولی قوت ارادی پر غور کرو۔ اگر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ تم ایک کام کر سکتے ہو تو وہ ضرور ہو جائے گا۔ یہ تمھاری روح اور اسکی بڑی قوت کا نمونہ ہے میرا خیال ہے کہ زیادہ تر معاملات میں جن میں بڑی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں ان میں اکثر امداد دوسری طرف سے ملتی ہے۔ روح کے پھیلے ہوئے ہاتھ اوپر پہنچکر اس قدر مدد حاصل کر لیتے ہیں جس قدر کی کہ ضرورت ہے۔

یہی حالت دعا کی ہے روح کا دست سوال اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹٹولتا ہے اور دفعتاً اسے ایک خاص کیفیت سے اتصال ہوتا ہے، اس سے ہمارا دل بول اُٹھتا ہے کہ

ہماری دُعا قبول ہو گئی

ہم اپنے گمان سے زیادہ بڑے ہیں، ہماری قوت اور قدرت ہمارے وہم سے بہت زیادہ ہے روحانیت کا مطالعہ ہماری ذمہ داری معلوم کرنے میں بہت مدد کرے گا، اور اُس بڑی قوت کو ظاہر کریگا جو ہمارے اندر بغیر نشو و نما حاصل کئے خفتہ ہے،

مذہب کا دَور ختم ہوچکا

(از حق پسند)

"حق پسند" صاحب کے اس مضمون کو ہم کامیابی میں صرف اس لئے شایع کر رہے ہیں کہ جو خیالات اس میں ظاہر کئے گئے ہیں وہ بدقسمتی سے صرف مضمون نگار ہی کے خیالات نہیں ہیں بلکہ مذہب سے بغاوت کرنے والی ایک پوری جماعت کے خیالات ہیں جس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

یہ ممکن تھا کہ حسب سنت علما ہم ان خیالات کو ہذیان کفر کہکر درخور اعتنا نہ سمجھتے لیکن ہمارا یہ طرز عمل اُس بڑھتے ہوئے سیلاب کے روکنے میں کچھ مفید ثابت نہ ہوتا جو مذہب کی بنیادوں کو برابر متزلزل کرتا چلا جا رہا ہے اور جس کے سدباب کے لئے جلد سے جلد مناسب تدبیر اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

لامذہبی کے سیلاب کو روکنے کا صحیح طریقہ ہمارے نزدیک یہ نہیں ہے کہ مخالفین مذہب کے خیالات کو دبا دیا جائے یا ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان حضرات کو موقع دیا جائے کہ وہ نہایت صفائی کے ساتھ اور بغیر کسی اندیشہ کے اپنے اصلی خیالات کا اظہار کر سکیں اور پھر اُن خیالات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے ان کی اصلاح کی کوشش کیجائے۔

اس لئے ہم "حق پسند" صاحب کا مضمون شائع کرتے ہیں اور اپنے اُن روشن خیال علمائے دین سے جو صرف کفر کے فتوے ہی لکھنا نہیں جانتے بلکہ اس زمانہ کے لوگوں کی ذہنیت اور نفسیات کو پیش نظر رکھ کر انکی تسلی و تشفی بھی کر سکتے ہیں درخواست کرتے ہیں کہ وہ مدلل و شافی جوابات کے ذریعہ سے مذہب کی ضرورت اور ترقی یافتہ عقل انسانی پر اُس کی فوقیت ثابت کریں۔

اگر کامیابی کے ان مضامین سے کسی ایک مخالف مذہب کا بھی اطمینان ہو سکا تو ہم اسے کامیابی کی ایک بڑی کامیابی سمجھیں گے۔

امید ہے کہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے، مولوی عبد الماجد صاحب بی اے، اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی جیسے قابل و بیدار مغز حامیان مذہب اس طرف ضرور توجہ فرمائیں گے۔ (ایڈیٹر)

میرا خیال ہے کہ مذہب کا دَور یعنی اُن شریعتوں کا زمانہ جو انبیاء و رسل کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں عرصہ ہوا ختم ہوچکا ہے اور موجودہ دَور آزادیٔ عقل یعنی آزادیٔ تحقیق و اجتہاد کا دَور ہے۔ اس دَور میں وہی لوگ فلاحیاب ہونگے جو عقل سلیم کی پیروی کرینگے اور جو مذہب کے دامن سے وابستہ رہینگے وہ قعر ذلت و نکبت میں گرتے چلے جائینگے۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں مذہب کو جلد سے جلد خیرباد کہہ دینا چاہیے اور بجائے سچے مسلمان، سچے ہندو یا سچے عیسائی بننے کی کوشش میں وقت ضائع کرنے کے سچے انسان بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میرا مذکورہ خیال جن دلائل پر مبنی ہے اُن میں سے دو اصولی دلیلوں کو اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتا ہوں یہ دلیلیں ممکن ہے کہ بعض طلبوں کو نہایت لچر، کمزور اور مضحکہ خیز معلوم ہوں لیکن میرے نزدیک اُن کا کوئی "تشفی بخش" جواب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مجھے اپنے خیال اور اپنی رائے کی صحت و صداقت پر پُورا اعتماد ہے، اور میں عرصہ دراز کے آزادانہ غور و فکر کے بعد مذکورہ نتائج پر پہنچا ہوں۔ باایں ہمہ اگر کوئی صاحب اس بارے میں میری تشفی فرما دینگے کہ میرا مذکورہ بالا خیال غلط اور میری مندرجہ ذیل دلیلیں کمزور و لچر ہیں تو میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں بلا تأمل اپنا یہ خیال بدل دونگا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرونگا اور اپنی ناچیز کوششوں کو بجائے مذہب کی مخالفت کے آئندہ مذہب کی حمایت میں صرف کرونگا۔ میں اتنا علم نہیں رکھتا کہ عالموں کے دلائل سے ساکت نہ ہوسکوں، مجھ کو ہر ذی علم بہت آسانی سے منطقی اور فلسفیانہ دلائل کے چکر میں ڈالکر ساکت کر سکتا ہے لیکن میں زبردستی ساکت ہونا نہیں چاہتا بلکہ خوشی سے ساکت ہونا چاہتا ہوں یعنی یہ چاہتا ہوں کہ میری ایسی تشفی کر دی جائے کہ مجھ کو اپنے مذکورہ خیال کی غلطی کا (اگر وہ واقعی غلط ہو) یقین ہو جائے اس لئے میں اُن تمام ذی علم و فہم حامیان مذہب سے جو واقعی مذہب کو انسان کے لئے مفید سمجھتے ہیں درخواست کرتا ہوں کہ وہ براہ کرم رسالہ کامیابی کے ذریعہ سے میرے ان سوالات کا معقول و مدلل و تشفی بخش جواب دیں، وہ مجھ کو ضدی اور ہٹ دھرم نہیں پائینگے۔

پہلی دلیل

مذہب کے نافع ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں میں مذہب کی ہدایت سے مستفید ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ صلاحیت موجودہ زمانہ کے لوگوں سے تقریباً مفقود ہوچکی ہے اور جتنی باقی ہے وہ بھی نہایت تیزی کے ساتھ مفقود ہوتی جا رہی ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے والدین سے، بزرگوں سے، علماء سے، مشائخ سے لے

قوم سے برابر یہی سنتا رہا ہوں کہ جب تک مسلمان سچے مسلمان نہیں بنیں گے اُسوقت تک انکی دینی اور دنیاوی حالت درست نہیں ہوگی اور جب تک احکام اسلام کی پُوری پوری پابندی نہیں کیجائے گی اُسوقت تک مسلمانوں کو وہ ترقیاں حاصل نہیں ہوں گی جو دوسری قوموں کو حاصل ہو رہی ہیں، اس پیام کے مسلمانوں تک پہنچانے اور مسلمانوں کو اس کے اثر پذیر کرنے کے لئے علم و عقل اور زبان و قلم کا پُورا زور صرف کیا جاچکا ہو اور کیا جا رہا ہو لیکن نتیجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں نکلا کہ ہر سال نماز پڑھنے والوں روزہ رکھنے والوں، اور زکوٰۃ دینے والوں کی تعداد میں نمایاں کمی ہو جاتی ہو، اور جو لوگ بظاہر فرائض مذہبی کے پابند نظر آتے ہیں اخلاق و معاملت کے لحاظ سے ان کی حالتیں بھی ایسی افسوسناک ہیں جو کسی مذہب کے پَیرو کے لئے باعث فخر نہیں ہوسکتیں، یہاں تک کہ وہ زعمائے قوم جو منبروں اور سٹیجوں پر سے، یا اخباروں اور کتابوں کے ذریعہ سے قوم کو پابندی مذہب اور سچے مسلمان بننے کی بلند آہنگی سے دعوت دیتے ہیں خود انکے عقائد و اعمال کو اگر مذہبی معیار سے دیکھا جائے تو وہ نمایش و ریاکاری ایک نظارہ معلوم ہوتے ہیں۔ تمام ہندوستان نہیں بلکہ تمام دُنیا میں اسوقت ایک متنفس بھی ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا جسکو عقائد و اعمال کے لحاظ سے اپنے مذہب کا کامل و مکمل عملی نمونہ قرار دیا جاسکے، اور جسنے محض اپنے مذہب کی کامل پابندی کے ذریعہ سے کوئی قابل ذکر دنیاوی عزت و ترقی حاصل کی ہو۔ یہ اور اسی قسم کے اور ہزاروں مشاہدات ہیں جو مجھ کو اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ موجودہ زمانہ کے لوگوں میں مذہب کی ہدایت سے مستفید ہونے کی صلاحیت اسقدر کمزور ہوگئی ہو کہ اُنکے لئے مذہب بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہو رہا ہو۔ اس لئے موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لئے کسی ایسی ہدایت کی ضرورت ہو جو مذہب سے زیادہ قوی ہو اور جس کے قبول کرنے کی اُن میں کافی صلاحیت موجود ہو۔ یہ زیادہ قوی اور زیادہ موثر ہدایت میرے نزدیک اسوقت کسی مذہب کی نہیں بلکہ عقل کی ہوسکتی ہو۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ مذہب کا دَور ختم ہوچکا اور اب آزادیٔ عقل و تحقیق و اجتہاد کا دَور ہو۔ اس لئے اگر ہم فلاح طلب ہونا چاہتے ہیں تو ہمکو بجائے مذہب کی پیروی کے عقل کی پیروی فوراً اختیار کرلینی چاہئے؛

دوسری دلیل

خدائے تعالیٰ کی سنت ہمیشہ سے یہ رہی ہو کہ وہ ہر زمانہ کے مقتضیات اور ہر قوم کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے مناسب شرائع اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے بھیجتا رہا ہو لیکن نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد سے شریعتوں اور نبیوں کے آنے کا سلسلہ بند ہوگیا ہو، یعنی اب قیامت تک نہ تو کوئی نئی شریعت خدا کی طرف سے آئے گی اور نہ کوئی نبی مبعوث ہوگا۔

سنت الٰہی میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی اور خدا تعالیٰ نے شریعتوں اور نبیوں کا بھیجنا کیوں بند کردیا؟ کیا اس لئے کہ نبی آخرالزماںؐ کے بعد سے قیامت تک زمانہ کے مقتضیات اور اقوام کے حالات و ضروریات میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہونے والی تھی جس کی وجہ سے کسی نئے نبی یا نئی شریعت کے بھیجنے کی ضرورت ہوتی؟ اس کو کوئی ذی عقل شخص تسلیم نہیں کرسکتا کیونکہ ہم بداہتاً دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ زمانہ کے مقتضیات اور موجودہ قوموں کے حالات و ضروریات میں تیرہ سو برس پہلے کے مقابلہ میں زمین و آسمان کا تغیر ہوگیا ہو، اتنا بڑا تغیر کسی نبی کی بعثت کے وقت اُس سے پہلے نبی کے بعد کے زمانہ اور بعد کی قوموں کے حالات و ضروریات میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر کیا وجہ کہ معمولی معمولی تغیرات کی وجہ سے تو نئی شریعتوں اور نئے نبیوں کے بھیجنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور ایک ایسے عظیم الشان تغیر کی وجہ سے جسنے گویا تمام نسل انسانی کی کایا پلٹ دی ہو کسی شریعت اور نبی کے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اس لئے میرے نزدیک ختم نبوت کے جواز میں اس دلیل کی صحت کو کوئی سلیم العقل شخص تسلیم نہیں کرسکتا۔

ہی دوسری دلیل جو علماء اسلام کی طرف سے عموماً پیش کیجاتی ہو کہ نبی آخرالزماںؐ کی شریعت ایسی کامل و مکمل شریعت ہو جسمیں قیامت تک کے تغیرات زمانہ و تبدیلی حالات کی پُوری رعایت رکھی گئی ہو اس لئے اُس کی موجودگی میں اب کسی نئی شریعت اور کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ دلیل ممکن ہو کہ سچے مسلمانوں کے اطمینان کے لئے کافی ہوسکے لیکن منکرین ختم نبوت کی اس سے ہرگز تشفی نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی سلیم العقل شخص اس دلیل کو ختم نبوت کے لئے کوئی وزنی دلیل قرار دے سکتا ہو۔ کیونکہ ہم میں سے ہر شخص جانتا ہو کہ نبی آخرالزماں کی شریعت کا جو اثر قرن اول کے مسلمانوں پر ہوا تھا وہ قرن دوم کے مسلمانوں پر نہیں ہوا، اور قرن سوم کے مسلمانوں پر اُس سے بھی کم ہوا۔ یہاں تک کہ شریعت مذکور کا اثر زائل ہوتے ہوتے اب وہ زمانہ آگیا ہو کہ اُس کا اثر محض نام کا اور نمائشی رہ گیا ہو یعنی نبی آخرالزماں کی پیشین گوئی کے مطابق اسلام دلوں سے نکلکر صرف زبانوں پر آگیا ہو اور بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہو کہ زبانوں پر بھی نہیں رہیگا!

اگر نبی آخرالزماں کی شریعت اُن معنوں میں کامل و مکمل ہوتی جن معنوں میں کہ اُسکے کامل و مکمل ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو تو اُس کا اثر بھی ہر زمانہ کے مسلمانوں پر کامل و مکمل ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے جن معنوں میں شریعت کے کامل و مکمل ہونے کا دعویٰ پیش کیا جاتا ہو وہ غلط ہو۔ علاوہ ازیں ایک بڑا عقلی اعتراض اس دلیل پر یہ بھی وارد ہوتا ہو کہ جو علیم و خبیر اور قادر مطلق خدا اتنے طویل زمانہ کے لئے قیامت تک کے تغیرات و مقتضیات کی پُوری رعایتوں کو ملحوظ رکھ کر ایک کامل و مکمل شریعت بھیج سکتا تھا اُسنے ابتداء آفرینش انسان ہی سے ایک ایسی کامل و مکمل شریعت کیوں نہ بھیجدی جو قیامت تک کے لئے کافی ہوتی اور بار بار نئی شریعتوں اور نئے نبیوں کے بھیجنے سے جو مذہبی اختلافات اور جھگڑے برپا ہوئے ہیں وہ نہ ہوتے؛

اس اعتراض کا جہاں تک میں نے غور کیا کوئی تشفی بخش جواب اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے میرے نزدیک یہ دلیل بھی ختم نبوت کا جواز ثابت کرنے کے لئے بالکل غلط اور ناکافی ہو۔

ختم نبوت کے جواز کی میرے نزدیک صرف ایک ہی دلیل ایسی ہو سکتی ہے جس سے مخالفین اسلام اور اہلِ عقل کی تسکین و تشفی ہو سکے اور جس پر کوئی عقلی اعتراض بھی وارد نہ ہوتا ہو، وہ دلیل یہ ہے کہ جب تک نسلِ انسانی میں مذہبی ہدایت سے مستفید ہونے کی صلاحیت باقی رہی اُس وقت تک ان کی استعداد کے تفاوت کے لحاظ سے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور مختلف شریعتیں خدا کی طرف سے آتی رہیں یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا جو استعداد قبول مذہب یعنی ہدایت مذہب سے مستفید ہونے کی صلاحیت رکھنے کا آخری زمانہ تھا۔ اس زمانہ کے لئے بھی سنت الٰہی کے مطابق ایک ایسی شریعت بھیجی گئی جو خاتم الشرائع تھی اور جس کی تعلیمات عقلی ہدایت سے قریب ترین ہونے کی وجہ سے اُس زمانہ کے لئے جو دورِ عقل سے بالکل متصل تھا نہایت موزوں اور مکمل تھیں اس لئے اس زمانہ کی شریعت کے حامل نبی کو خاتم النبیین قرار دیا گیا کیونکہ اس نبی کے بعد دورِ نبوت و مذہب ختم ہو کر ایک نیا دور شروع ہونے والا تھا جس میں انسان کو اپنی فلاح و بہبود کے لئے کسی خاص الہامی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔

میرے نزدیک یہ دور وہی دور ہے جبکہ خدائے علیم و خبیر کے نزدیک انسانی عقلیں دورِ طفولیت سے گذر کر اس قابل ہو گئی ہیں کہ اپنی رہنمائی خود کر سکیں اور انکو کسی بیرونی الہامی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ لہذا اس دور میں اپنی عقلوں سے آزادی کے ساتھ کام نہ لینا اور ان کو مذہبی ہدایت کے تابع رکھنا منشاء خداوندی کے خلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدعیان پیروی مذہب اس وقت ہر ملک میں زوال کی طرف جا رہے ہیں اور جن قوموں نے اپنے قوائے عقل کو مذہبی پابندی سے عملاً جس قدر آزاد کر لیا ہے اسی قدر وہ عروج اور ترقیاں حاصل کر رہی ہیں۔

یہ ہیں وہ دو اصولی دلیلیں جن پر میرا یہ خیال مبنی ہے کہ مذہب کا دور ختم ہو چکا اور دورِ آزادیٔ عقل شروع ہو گیا۔ اس لئے میرے نزدیک اب فلاح یاب وہی ہونگے جو عقلِ سلیم کی پیروی کرینگے، اور جو خواہ مخواہ مذہب کے دامن سے لپٹے رہیں گے وہ نقصان اٹھائینگے۔

رازِ ترقی

(جناب مولوی منظور الحق صاحب کلیم)

تیمور نے اک مور چہ زیر دیوار — دیکھا کہ چڑھا دانے کو لے کر سو بار
آخر سر بام جب وہ پہنچا تو کہا — مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار

ترقیاں خواہ روحانی ہوں یا مادی سب چند اصول کے ماتحت ہوا کرتی ہیں۔ ظہورِ تقدیر بھی سعی عمل کا محتاج ہے، خدا فرماتا ہے "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم"

جب ترقی اور تنزل کا راز خود انسان کے اندر پوشیدہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر انسان ترقی نہ کر سکے، ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ناکامی کا نتیجہ بزدلی پر منتج ہوتا ہے اس سے بسا اوقات انسان ترقی کے طے شدہ منازل سے بھی پیچھے لوٹ آتا ہے۔

ایک ہی قسم کی سعی اکثر اپنے ماحول کے اعتبار سے مختلف نتائج پیدا کرتی ہے اس لئے ایک ترقی کرنے والے کو جہاں عزم مستقل و سعی پیہم سے کام لینا ضروری ہے وہاں ماحول پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو ناکامیابی ہی درس کامیابی دیتی ہے اور یہی ایک معیار ہے جس پر کھرے کھوٹے کی تمیز کی جا سکتی ہے۔

جنکو کامیابی اپنی سعی سے نصیب نہیں ہوتی تو وہ بخت و تقدیر پر تکیہ لگانے کے عادی ہو جاتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اسباب جن سے کامیابی ہوتی تھی مفقود ہو گئے تو فوراً تحت الثریٰ میں جاتے ہوئے نظر پڑتے ہیں اس کی مثال میں بڑی بڑی سلطنتیں پیش کی جا سکتی ہیں، اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سعی بازو اور عزم بالجزم سے تمام ہندوستان پر قبضہ کیا اور اپنی زندگی میں ضعف کا نام تک آنے نہیں دیا مگر اسکے بعد ہی جانشینوں نے سعی عمل کو طاق پر رکھ دیا اور بخت و اتفاق پر تکیہ لگایا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے گرے کہ پھر نہ ابھرے۔

کسی قوم کی ترقی کا آرزومند ہونا ایسا ہی ہے جیسے چبوترے سے ایک قلعہ کا تعمیر کر دینا ایسی ترقی کا انجام بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے چبوترے سے تعمیر ہو جانے والے قلعہ کا یعنی نہ ایسی ترقی کو پائداری ہو نہ ایسے قلعے کو، کوئی مسلسل کوشش بغیر طبیعت پر جبر کئے ہوئے قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ ایک شراب خوار بغیر طبیعت پر جبر کئے شراب کو چھوڑ نہیں سکتا، ہر ناکامی کے بعد اُس کام سے دست کش ہونے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ان اسبابِ علل پر غور کرے جن کی وجہ سے ناکامیابی ہوئی ہے اور جب یہ راز منکشف ہو جائے تو پھر دُونی مستعدی سے اُس کام پر لگ جائے، کبھی ناکامی سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا کہ اسکے اظہار سے ہوتا ہے ایسے موقع پر ضبط اور اطمینان سے کام لینا چاہئے، اکثر ایک افسر کی بزدلی نے تمام لشکر کو تباہ کر دیا ہے۔

راہِ ترقی کے راہروں کے پیش نظر اونچا نصب العین اور ان کی زبان پر ہمت افزا کلمات رہنا دلیل کامیابی ہیں۔

زندگی کی کامیابی کا مدار

تحقیقات سائیکالوجی کی روشنی میں

(از مسٹر بی، آر، رے، جرنلسٹ)

کامیابی کا مفہوم

امارت کو غربت سے، خوشحالی کو تنگ دستی سے، تندرستی کو بیماری سے، روشنی کو تاریکی سے اور جوانی کو بڑھاپے سے جو نسبت ہے وہی نسبت کامیابی کو ناکامی سے ہے۔ ایک کا خیال دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتا، ایک کی ہستی دوسرے سے وابستہ ہے، اس لئے دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں،

اگر شہرۂ آفاق پروفیسر آئن اسٹائن کا انقلاب خیز نظریۂ اضافیات صحیح ہے، تو یہ بلاشبہ درست ہے کہ کائنات کے جملہ تعلقات اضافی ہیں، اس بنا پر کامیابی اور ناکامی بھی نسبتی ہیں، کامیابی اپنے مفہوم اور اطلاق مروجہ کے اعتبار سے خوشحالی، اقبالمندی، نیک نامی، شہرت وغیرہ کے ہم معنی ہے۔ کسی پیشے اور ہنر میں اس پیشہ کے باقی آدمیوں پر سبقت لے جانا اور اسکے ذریعہ سے مالا مال ہونا اور نام آوری کے بلند ترین زینہ پر پہونچنا کامیابی کے مترادف ہے، فی زمانہ ہر ایک آدمی کامیابی کا دل و جان سے متمنی ہے اور اس کے حصول کے واسطے طرح طرح کے وسائل اختیار کرتا ہے جس کی بھلائی برائی کا چنداں خیال نہیں کیا جاتا، اسے چارلس ڈارون کے مقلدوں کی مخصوص زبان میں کشاکش زیست سے پکارا جاتا ہے۔ بکم پری کا ہنگامہ بے دردی سے جاری ہے کہ جس میں انسانیت اور خدا ترسی سے دانستہ چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے انسان اور درندے پرندے سبھی مساوی ہیں۔ جو پیٹ پالنے کی کوشش میں جنگاشتی سے ہدایت حاصل کرتے ہیں انسان خواہ مہذب ہو یا جاہل۔ کامیابی سے دوچار ہونے کو بے تاب نظر آتا ہے سب کا مقصد اصلی یہی ہے۔ تاہم یہ بات خوب روشن ہے اور اسکی صحت سے کسی عقلمند کو انکار نہیں ہو سکتا کہ باوجود اتنی سرگرمی اور دوڑ دھوپ کے بہت کم انسان اپنے پیشہ اور مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں، اور بہت زیادہ اس کی صورت کو ترستے ترستے اس دنیا سے چل دیتے ہیں

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "کامیابی جس کی تمنا سب کے دلوں میں جوش زن ہے ہمکو کیوں نصیب نہیں ہوتی؟"

لوازم کامیابی پر سرسری نگاہ

اس نہایت ضروری سوال کا جواب بہم پہونچانا اس مضمون کا خاص مقصد ہے، اور ماہران سائیکالوجی کی تازہ تحقیقات کے نتائج اہم کی روشنی میں اس نازک مسئلہ پر بحث ہوگی، اسلئے جسے فطرت انسانی کی موشگافی ضروری ہے۔ ماہروں نے اپنا بیش قیمت وقت اور لیاقت اسکے حل کے لئے وقف کر کر قابل قدر نتائج اخذ کئے ہیں، مگر ماہروں کے آرا کے اجمالی تذکرے سے پہلے یہ جتا دینا ضروری ہے کہ بادی النظر میں لوازم کامیابی کیا ہیں، سب سے مقدم صحت جسمانی لازم ہے، کہ جس کا اثر دل اور دماغ دونوں پر ہوتا ہے۔ جو آدمی تندرستی سے محروم، آئے دن طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہے وہ کسی کام کو انجام نہیں دے سکتا، اگر وہ دو میل پیدل نہیں چل سکتا، تو کرسی یا زمین پر چند گھنٹے بیٹھ کر کس طرح کام کر سکتا ہے؟ اگر جسم ناتواں ہے تو دماغ کیسے کام کر سکتا ہے؟ اسکے ساتھ ہی دوسری بات یہ بھی ضروری ہے کہ دماغ میں کسی قسم کا فتور نہ ہو۔ قوائے عقلیہ عمدہ حالت میں ہوں۔ جب انسان کی ذہنی اہلیت میں کوئی نقص ہو۔ وہ کامیابی سے دوچار ہونے کی کوئی امید نہیں کر سکتا۔ تیسری بات یہ ضروری ہے کہ قوائے ذہنی کی عام تربیت کے علاوہ اس پیشہ کی تربیت خاص بھی ہو کہ جس میں کامیاب ہونے کا وہ خواہاں ہے۔ اگر ڈاکٹر یا وکیل، پروفیسر یا استاد بننا ہو، تو ڈاکٹری، وکالت، اور پڑھانے کے طریقہ کی خاص مہارت ضروری ہے، اگر تجارت کرنے کا ارادہ ہو، تو کسی اچھی کوٹھی میں عملی تجربہ حاصل کرنے سے پہلے کمرشل کالج میں پڑھنا لازم ہے، اگر انجینئر یا مشینوں کے چلانے اور مرمت کرنے کی مہارت پیدا کرنا چاہو تو انجینئری کے کسی کالج یا ریلوے کے کارخانہ یا کسی انجینئری فیکٹری میں عملی استعداد حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

ناکامی کے اسباب

مذکورہ صدر لوازم کے ہوتے ہوئے بھی بہت آدمی ناکام رہتے ہیں جس کا سب سے بڑا باعث یہ ہے کہ لوگ رواج کے پابند اور اندھا دھند تقلید سے کام لیتے ہیں، اگر کسی قصبہ کا ایک نوجوان ڈاکٹری پاس کر کے دھڑا دھڑ روپیہ کمانے لگتا ہے، یا کسی محلہ کا ایک لڑکا وکالت میں نام پیدا کر لیتا ہے، تو باقی لوگوں کے دلوں میں یہ ہوس پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے لڑکے بھی ڈاکٹر اور وکیل بنکر مالا مال ہو جائیں اس کا انجام زندگی کی بربادی، تضیع اوقات اور مایوسی کے سوا اور کیا مرتب ہو سکتا ہے؟ یہ معمولی تجربے کی بات ہے، کہ گو ڈاکٹری کے طلبا ایک ہی نصاب تعلیم پڑھتے اور ایک ہی قسم کے استادوں کے زیر ہدایت عملی تربیت پاتے ہیں، اور امتحان میں ایک ہی جیسے سوالات دئے جاتے ہیں، مگر نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ فیل ہیں اور باقی پہلے، دوسرے اور تیسرے ڈویژن میں پاس ہو جاتے ہیں، بعد ازاں ان پاس شدہ گان میں بھی چند ہی ایسے نکلتے

ہیں جن کا نام شہر میں بچے بچے کی زبان پر ہوتا ہی۔ باقی زیادہ تر معمولی زندگی بسر کرنے ہی پر قانع رہتے ہیں، یہی حال وکالت پیشہ آدمیوں کا ہی اور یہی کیفیت سب ججوں ڈپٹی کلکٹروں وغیرہ کی بھی ہی جنمیں سے فقط چند ہی آدمی اعلیٰ ذمہ داری کے عہدوں پر سرفراز ہوتے ہیں۔ باقی تمام عمر ایک ہی عہدے کے فرائض منصبی انجام دیتے دیتے میعاد ملازمت گزار دیتے ہیں، اس کا سبب یہ ہی کہ بقول ماہران سائیکالوجی ہر ایک آدمی کی شخصیت دوسروں سے بالکل مختلف اور جداگانہ واقع ہوئی ہی۔

گذشتہ بیس سال کی تحقیقات سے جو قابل قدر باتیں شخصیت انسانی کے متعلق ثابت ہوتی ہیں، ان کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہی، جو ڈاکٹر ڈی، اے لیرڈ نے امریکہ کے ایک مشاہیر سائنس کے رسالہ میں شائع کیا ہی۔

جس آدمی کا حافظہ درست ہوتا ہی اس کی قوت استدلال اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہی، اندھے آدمی کی قوتِ سماعت اوروں سے بہتر نہیں ہوتی، جو آدمی آہستگی سے کام کرتا ہو اس کا کام قابل تعریف نہیں ہو سکتا، خواہ کوئی آدمی کیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اپنے ہنر میں یکتا کیوں نہ ہو۔ مگر اس کے ذہن میں ضرور کوئی خامی ہوتی ہی۔ دماغ کے حجم اور سر کی ساخت کا انسان کی ذہنی اہلیت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ کالجوں کے استاد دماغی صلاحیت میں ایسے اعلیٰ نہیں ہوتے، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہی سگے بھائی بہنوں کی ذہنی لیاقت میں گہری مشابہت پائی جاتی ہی۔ دنیا میں دو آدمی ایسے نہیں ملتے، کہ جن کی دماغی قابلیت ایک جیسی ہو۔ ہماری عام ذہانت اٹھارہویں سال تک بڑھتی رہتی ہی۔ ہماری قوائے حس عمر کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہیں، البتہ درد کا احساس کند ہوتا چلا جاتا ہی۔ بچپن سے لے کر سن بلوغت تک ذہنی نمو ساوی اور باقاعدہ نہیں ہوتی۔ بڑھاپے میں دماغ کے خلیات نیست ہو جاتے ہیں، حافظہ اور قوتِ ایجاد بڑھاپے میں بہت کمزور ہو جاتی ہی، والدین کی عمروں کے تناسب کا اولاد کی ذہنی صلاحیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہر ایک آدمی ہر پیشہ میں معمولی کامیابی حاصل کر سکتا ہی۔ مختلف پیشوں میں جو آدمی سب سے ہوشیار نظر آتا ہی، وہ معمولی آدمی سے تگنا چوگنا زیادہ ذہین ہوتا ہی، جو آدمی ایک پیشہ میں کامیاب اور نام آور ہوتا ہو وہ دوسرے پیشے میں ایسا کامیاب نہیں ہو سکتا، ان اقتباسات سے خوب ثابت ہی کہ انسان کی فطرت کا کوئی معیار مقرر نہیں ہو سکتا۔

امریکہ میں سائیکالوجی کا عملی استعمال

دنیا میں امریکہ ہی ایک ایسا ملک ہی کہ جہاں سائیکالوجی میں سب سے زیادہ دلچسپی ظاہر کیجاتی ہی، اس ملک میں دو تین سو ماہر مسائل فطرت انسانی کی چھان بین میں مشغول ہیں، ان کی مساعی حسنہ سے بہت کار آمد معلومات بہم پہنچ چکے ہیں، مگر ابھی کئی مسائل کی تحقیقات باقی ہی، اہل امریکہ کی معاملہ فہمی کے قربان! جنھوں نے سائیکالوجی سے عملی ہدایت حاصل کرنا شروع کر دی ہی۔ تمام بڑے بڑے کارخانوں اور کمپنیوں کے ہاں سائیکالوجی کے ماہر ملازم ہیں، جن کا فرض منصبی یہ ہی کہ وہ کارخانے کے ملازموں کی ذہنی قابلیت کا اپنے انوکھے طریقہ سے امتحان کر کے اطمینان کرلیں، آیا فلاں آدمی فلاں کام کے لئے موزوں ہی یا نہیں؛ اس طرح سے جو آدمی جس کام کے موزوں ہوتا ہی، اسے اس کام پر لگایا جاتا ہی، اس طرح وہ آدمی اپنی جبلی لیاقت کا بہترین استعمال کرتا ہی اور وہ آدمی کارخانے کے واسطے بیحد نافع ثابت ہوتا ہی۔ اسکی ذہانت مناسب کام میں بہترین اظہار پاتی ہی جس سے آخرکار وہ کامیابی کے اعلیٰ ترین منزل پر پہنچ سکتا ہی۔ وہ اپنے لئے، اپنے لواحقین کے لئے، اپنے مالکوں اور ہموطنوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہی۔ امریکہ کے سمجھدار لوگ اپنے لڑکوں کو جب وہ ہائی اسکول میں ہوتے ہیں، ماہران سائیکالوجی کے پاس لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں آپ اس لڑکے کی ذہنی قوتوں کا اندازہ کر کے بتائیے۔ آیا یہ کس پیشے میں پوری کامیابی حاصل کر سکتا ہی؟

چنانچہ ماہر اپنے آلات سے جانچ پڑتال کر کے پختہ رائے قائم کرتا ہی۔ لڑکے میں جس ہنر یا پیشے کی موزونیت ہوتی ہی، والدین ماہر کے حسب مشورہ اس کی خاص تربیت دلاتے ہیں، چنانچہ لڑکے جب کشاکش زندگی میں شریک ہوتے ہیں تو کامیابی حاصل کرتے ہیں بدقسمتی سے ملک ہند میں ایسے ماہر موجود نہیں ہیں، گو کالجوں میں سائیکالوجی پڑھانے والے ہوتے ہیں، مگر انھیں اپنے علم کے عملی پہلو سے کوئی انس معلوم نہیں ہوتا لیکن موجودہ حالات میں سمجھدار ماں باپ کے لئے یہی مناسب ہی کہ وہ لڑکے کے میلان طبع کو شروع ہی سے دیکھنا بھالنا شروع کر دیں اسے جس ہنر کا شوق ہو وہی سکھانا چاہئے جس سے وہ کامیابی سے دوچار ہو سکتا ہی۔

طریقۂ تعلیم کا بڑا نقص

ذی فہم اور سمجھدار حضرات کو اس معاملہ میں راقم سے اتفاق رائے کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوگا، کہ فی زمانہ جیسی تعلیم لڑکوں کو دیجاتی ہی۔ اس سے مشاغل زندگی کی انجام دہی کی قرار واقعی صلاحیت ان میں پیدا نہیں ہوتی، ماہران سائیکالوجی کا یہ متفقہ حکم ہی کہ "ذہنی استعداد سب آدمیوں میں ساوی نہیں ہوتی" اسوجہ سے دوسروں کی تقلید سے ناکامی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہی! ہربرٹ اسپنسر اور ہکسلے اپنے زمانہ میں اس بات پر زور دیتے تھے، کہ لڑکوں کی تعلیم ایسی ہو کہ جس سے ان کی ذہنی لیاقتیں بہترین نمو حاصل کر کے انھیں زندگی کے مشاغل میں کامیاب بنانے کی موجب ہوں، تازہ ترین تحقیقات سائیکالوجی کا بھی یہی حکم ہی کہ انسان کی شخصیت پیشے اور کھیل کود میں پورا اظہار پائے جس سے زندگی خوشحال ہو سکتی ہی، اس سے یہ مطلب ہی، کہ جس کام یا ہنر کی جبلی صلاحیت ہو وہی کرنا چاہئے، اسمیں کامیاب ہونے کی تیاری کرنا ضروری ہی، اگر دوسروں کی دیکھا دیکھی وہ پیشہ اختیار کیا جائے کہ جسے عقلی فطرت قبول نہیں کرتی، تو ناکامی امر یقینی ہی!

پس زندگی کی دوڑ میں بازی لے جانے کے لئے سب سے پہلے اپنی جبلی ذہانت کی تربیت کرو، تاکہ تمھاری عقل بطور خود سوچ سمجھ سکے، پھر اس پیشہ کو اختیار کرو جس کی طبعی حسیات ہو۔ پھر نتیجہ اپنے اور حوصلے لگا دو، کامیابی ضرور حاصل ہوگی!

فسانہ

صحیح انتخاب

"مجھے آپکا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ آپنے اپنی زندگی خطرہ میں ڈالکر میری جان بچائی لیکن حقیقت یہ ہو کہ مجھے آپ سے شکایت ہو کہ آپنے ایسا کیوں کیا" بمبئی کے جے جے جبائی ہاسپٹل کے ایک کمرہ میں بستر پر لیٹے لیٹے بہت ہی ناتواں آواز سے ایک مریض نے کہا

یہ مریض ایک نوجوان شخص تھا جس کی عمر مشکل سے کوئی پچیس سال کی ہوگی ظاہری شکل وصورت اور وجاہت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے۔ ابھری ہوئی اور بلند پیشانی، بڑی بڑی چمکدار آنکھیں، اور ستواں ناک سبا اسکے صاحب فہم و فراست ہونے کا ثبوت دے رہے تھے، نوکدار ہونے کی بجائے ٹھوڑی کا کسی قدر پھیلا ہوا ہونا اسکے ثبات عزم اور خودداری کو ظاہر کررہا تھا۔ چہرہ پر اگرچہ مرض کی علامتیں بہت کچھ ہویدا تھیں، اور آنکھوں کے حلقے اور پچکے ہوئے گال اسکی لاغری اور کمزوری کا پتہ دے رہے تھے پھر بھی بحیثیت مجموعی اسکے چہرہ میں ایک خاص دلکشی اور دلفریبی موجود تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص اسے دیکھ کر اسکے حسن صورت اور اسکی شخصیت سے اثر پذیر نہ ہو۔

وہ جان بچانے والا جس سے مریض نے شکایت کی تھی ایک نہایت تندرست طاقتور اور لمبا چوڑا انسان تھا جس کی آنکھوں سے فتنہ پردازی اور شرارت برس رہی تھی، ناک کے پھولے ہوئے نتھنے، ابروؤں کے بل، اور بھنچے ہوئے منہ کے گوشے اگرچہ الگ الگ تو شاید اتنے برے نہ معلوم ہوتے لیکن اسکے چہرہ پر ان سب نے ملکر چہرہ کو کسی قدر ہیبتناک بنا دیا تھا، اسکی وضع قطع شریفانہ تھی، لیکن لباس کی صفائی اور خوشنمائی کے باوجود اس کی صورت میں کوئی بات ایسی تھی ضرور کہ جس کی طرف کسی حال میں بھی طبیعت کو رغبت نہیں ہوتی۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا کہ جن کی صورتیں انکی دشمن ہوتی ہیں اور کسی شخص کے دلمیں ان کی محبت نہیں پیدا ہونے دیتیں؛

"مجھے یہ دیکھ کر بڑی ہی خوشی ہوئی ہو کہ میری محنت رائگاں نہ گئی اور خدا نے آپ کو بچالیا" مریض کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کریہ المنظر شخص نے کہا: "اچھا اب آپ اپنے نام اور پتہ سے تو مجھے آگاہ کردیجئے" اور (مسکرا کر) اگر اسمیں کوئی خاص راز نہ ہو تو یہ بھی بتا دیجئے کہ آپ زندگی سے اسقدر بیزار کیوں ہیں، آپ اطمینان رکھیں کہ آپکا راز بالکل محفوظ رہے گا۔ میں نے اب بھی کسی کو یہ نہیں بتایا ہو کہ آپنے خودکشی کا ارادہ کیا تھا بلکہ یہی کہدیا ہو کہ اتفاقاً آپ کا پاؤں پھسل گیا اور آپ سمندر میں گر پڑے،

مریض۔ جہاں تک آپکے جذبات اور آپکے احساسات کا تعلق ہو میں سچے دل سے انکی تعریف بھی کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرنے کے لئے بھی تیار ہوں، لیکن جہاں تک میرے حالات اور معاملات کا تعلق ہو میں پھر یہی کہنے پر مجبور ہوں کہ آپنے میرے ساتھ بھلائی نہیں بلکہ برائی کی ہو۔

کریہ المنظر۔ اس کا یقین تو مجھے اسی وقت ہوسکتا تھا کہ جب آپکے حالات سُن لوں:

مریض۔ میرے حالات! میرے حالات ہی کیا ہیں؟ میرے حالات بس وہی تمام مصیبتیں ہیں جن میں آجکل تقریباً سارے کے سارے مسلمان گرفتار ہیں۔ آپنے مجھ پر احسان کیا ہو اس لئے آپ سے اپنے حالات کو پوشیدہ رکھنا احسان فراموشی میں داخل ہوگا اور حقیقت یہ ہو کہ میں بھی انہی بدقسمت لوگوں میں سے ایک ہوں جنھیں ناداری، بے روزگاری اور پریشانی نے اپنا شکار بنا رکھا ہو۔ میرا نام منصور ہو علیگڈھ کا رہنے والا ہوں اور وہیں کے ایک ایسے خاندان سے تعلق ہو جس کا ذکر کرکے میں اس کی تذلیل کرنی نہیں چاہتا۔ آپکے لئے یہ معلوم کرنا کافی ہوگا کہ میرا خاندان ایک شریف خاندان ہو، اور جس طرح آجکل اور ہزاروں مسلمان، رؤسا کی حالت ہو کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہیں اسی طرح میرے والد مرحوم بھی تمام جائدادیں قرض کی نذر کرکے آخر عمر میں اس قدر مجبور اور ناچار ہوگئے تھے کہ بیمار ہونے پر ڈھنگ سے دوا دارو بھی نہ ہوسکی، اپنے جاہل رہنے کا انھیں خانہ کچھ اچھا تجربہ نہ ہوا تھا، اور زمانہ کے زبردست ہاتھ نے ان کی آنکھیں کسی قدر کھول دی تھیں اس لئے انھوں نے مجھے تعلیم دلائی اور حق یہ ہو کہ اپنے اوپر بہت کچھ تکلیف اور تنگی برداشت کرکے دلائی، بی اے میں میرا آخری سال تھا جب ان کا انتقال ہوا، اور ان کی آنکھ بند ہوتے ہی ایک دم سے بیسیوں ڈگریاں، اور قرقیاں جاری ہوگئیں، اور بسر اوقات کا تھوڑا بہت سہارا جو باقی تھا وہ بھی جاتا

رہا۔ ایسی حالت میں پڑھنا تو کیا ہو سکتا تھا، لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور جس طرح بھی ہو سکا بی اے پاس کر ہی لیا۔ میرا خیال تھا کہ بی اے کی ڈگری فی الحقیقت حل مشکلات کا تعویذ ثابت ہوگی اور پاس ہوتے ہی میری تمام مصیبتیں دور ہو جائیں گی، لیکن ایسا نہ ہوا۔ اور پورے چھ مہینے تک صدہا نہیں بلکہ ہزارہا عرضیاں اور درخواستیں صدہا مختلف محکموں میں بھیجنے کے باوجود مجھے کوئی کہیں چھوٹی سی چھوٹی ملازمت بھی نہ مل سکی، ابتدا میں پندرہ پندرہ بیس بیس روپے کی نوکریاں ملتی تھیں مگر انھیں قبول کرنا میں نے اپنے لئے کسر شان خیال کیا اور جب ہر طرف سے مایوس اور مجبور ہو کر میں اسی تنخواہ پر نوکری کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا تو پھر وہ بھی کہیں دستیاب نہ ہو سکیں۔

سنا کرتا تھا کہ پردیس میں پہونچکر انسان کی قدر ہوا کرتی ہے اس لئے میں نے خود بھی یہی ارادہ کیا اور میرے احباب نے بھی مشورہ دیا کہ میں گھر سے نکلوں، میرے چہرے سے میری عمر زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت میرا بائیسواں سال ہے، اور اپنی اتنی عمر میں اس سے پہلے میں کبھی گھر سے باہر نہ نکلا تھا۔ بہت غور و خوض کے بعد میں نے بمبئی آنے اور اپنی قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ میری بدنصیبی یہاں بھی میرے ساتھ ساتھ آئی۔ کوئی سرکاری یا نیم سرکاری محکمہ ایسا نہیں ہے جہاں میں نے کوشش نہ کی ہو، اور کسی اخبار یا کمپنی کا دفتر ایسا نہیں ہے جہاں میں اپنی تمنائیں لے کر نہ گیا ہوں، آج مجھے روزانہ صبح سے شام تک دوڑتے دوڑتے اکیس روز ہو چکے، جو کچھ میرے پاس تھا وہ کل صبح ختم ہو چکا تھا، پرسوں شام کے بعد سے میں نے اسوقت تک کچھ نہیں کھایا تھا، اور ابھی ابھی آپکے آنے سے ذرا پہلے ایک پیالہ دودھ پیا ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بھجوایا تھا۔ مسلسل ڈیڑھ دن کی فاقہ کشی نے میرے ہوش و حواس منتشر کر دیئے تھے، اور اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہنے کے بعد مجبوراً میں نے آج شام کو یہی فیصلہ کیا کہ جس زندگی کی دنیا کو قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا دنیا میں رہنا بیکار ہے۔ یہ وجہ تھی کہ جو میں اپنی جان دینے کے لئے سمندر میں کودا تھا، لیکن بدقسمتی نے وہاں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا، اور آپنے میری یہ آخری خواہش بھی پوری نہ ہونے دی (ذرا دم لے کر) آہ! اب پھر وہی بے رحم اور سنگ دل دنیا ہے اور میں، اب پھر وہی فاقہ کشی کی مصیبتیں ہیں اور میرا یہ کمزور بدن۔ آپنے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے خیر اب کیا کہوں، خدا آپ کو معاف کرے!

کریم المنظر۔ اسمیں شک نہیں کہ تمھاری داستان بہت پُر درد ہے۔ میں کچھ ایسا زیادہ رقیق القلب آدمی نہیں ہوں مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسے سنکر میرا بھی دل بھر آیا ہے لیکن بھائی منصور...... ہاں میں تمھیں اپنا نام تو بتا دوں، میرا نام سکندر خاں ہے اور میرا اصلی وطن جالندھر ہے، ہاں تو بھائی منصور تم یہ نہ خیال کرو کہ دنیا میں اسقدر مصیبت زدہ بس ایک تم ہی ہو۔ ہندوستان کی بتیس کروڑ کی آبادی میں سے کم سے کم دس بارہ کروڑ ایسے بھی بدنصیب ہیں کہ جنھیں ایک وقت ضرور ہی فاقہ کرنا پڑتا ہے تم چونکہ ناز و نعمت میں پرورش پائی ہے اور ایک امیر گھر سے تعلق رہا ہے اس لئے یقیناً تمھاری حالت زیادہ قابل رحم ہے لیکن میرا خیال ہے کہ تم نے خودکشی پر آمادہ ہونے میں جلدی کی۔ تلاش معاش کی ابھی تم کچھ اور کوششیں بھی کر سکتے تھے۔

منصور۔ میں نے دور دور تک کوششیں بھی کر لیں، آپکا مطلب غالباً نوکری ڈھونڈنے سے ہے۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اس طریقہ کو بھی آزما دیکھا لیکن کسی نے اپنا سامان بھی مجھ سے اٹھوانا پسند نہ کیا۔ اب بھی اگر مجھے کہیں اس قسم کی کوئی محنت مزدوری کا مل جائے تو میں بڑی خوشی کے ساتھ اسے قبول کر لوں گا۔ البتہ بھیک مانگنا مجھے کسی طرح گوارا نہ ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہو سکے گا۔ میں نے اپنی جان دینے کا ارادہ صرف اسی وقت کیا تھا کہ جب بھیک مانگنے کے سوا اور کوئی ذریعہ حصول رزق کا نہ رہا تھا، اور میرے خیال میں یہ مشورہ تو شاید آپ بھی مجھے نہ دینگے کہ میں بھیک مانگا کروں۔

سکندر۔ خدا نہ کرے کہ میں تمھیں ایسا ذلیل اور ناپاک مشورہ دوں۔ بھیک مانگنا تو ان لوگوں کا کام ہے جن کے ہاتھ پاؤں نہ چلتے ہوں۔ میرے خیال میں تو ابھی کچھ ایسے کام باقی رہ گئے ہیں جنھیں تم اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر کر سکتے ہو، اور ساتھ ہی گویا اپنی قوت بازو سے روٹی کما سکتے ہو۔

منصور۔ (مشتاق ہو کر) وہ کیا؟

سکندر۔ (مسکرا کر) چوری،

منصور۔ (حیرت سے) کیا؟

سکندر۔ (سنجیدگی کے لہجہ میں) تم اسقدر چونکے کیوں؟ میں نے وہی لفظ کہا تھا جو تم سمجھے ہو۔

منصور۔ (نفرت کے ساتھ) ممکن ہے کہ آپ چوری کو جائز خیال کرتے ہوں مگر میں تو ایسا نہیں سمجھ سکتا!

سکندر۔ صاحبزادے! ابھی تم دنیا سے واقف نہیں ہو اس لئے ایسا کہہ رہے ہو، ایک زمانہ تھا کہ میرے بھی یہی خیالات تھے لیکن زمانہ نے میری آنکھیں کھول دیں اور اب میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ دنیا کیا کر رہی ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ میں بچہ نہیں ہوں کہ مجھے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ چوری بدترین گناہوں میں سے ایک ہے، لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا خودکشی گناہ نہیں ہے؟ بولو! جواب دو! خاموش کیوں ہو گئے؟ آخر تم ایک گناہ کے لئے تو تیار ہو گئے بلکہ کر بھی گذرے، اور دوسرے گناہ سے ایسی نفرت کا اظہار کر رہے ہو کہ گویا تم کبھی کوئی گناہ کر ہی نہیں سکتے۔

منصور۔ خودکشی اور چوری میں فرق ہے۔ اُس صورت میں ہم صرف اپنی جان کو نقصان پہونچاتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے شخص کو ہمارے ہاتھ سے نقصان پہونچتا ہے

سکندر۔ (مسکرا کر) یہ اپنی جان تم کہاں سے لائے تھے؟ تمھیں اس پر یہ اختیار کیسے حاصل ہو گیا کہ جس طرح چاہو اسے تکلیف دے لو اور آزار پہونچا لو؟ میری جان ہو یا تمھاری یا کسی اور کی، سب خدا کا مال ہیں، تم ہو یا میں ہوں، یا کوئی اور تیسرا شخص سب خدا کے بندے اور خدا کی مخلوق ہیں، اس لئے تم اگر اپنے آپکو نقصان پہونچاؤ گے

تمہاری [illegible] اور خدا ہی کے بندے کو نقصان پہونچے گا اور اگر کبھی دوسرے کو پہونچے گی تب بھی خدا ہی کے مال اور خدا ہی کے بندے کو ضرر پہونچے گا۔ خودکشی کرکے تم خدا کے ایک بندہ کی جان لیتے، یہ بندہ خواہ تم خود ہو یا کوئی اور اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ چوری کرنے میں تم کسی کی جان نہیں لیتے، کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے بلکہ کسی ایسے شخص کے گھر سے اپنے لئے تھوڑا سا رزق اٹھا لاتے ہو جسکے پاس اس کی ضرورت سے زائد موجود ہو۔ اگر تم کسی ایسے شخص کے گھر چوری کروگے کہ جس کے پاس خود ہی اپنی ضرورتوں سے زیادہ موجود نہیں ہے تو بیشک اسے نقصان پہونچے گا لیکن جس شخص نے خدا کی پیدا کی ہوئی دولت نہ معلوم کیسے کیسے جائز اور ناجائز طریقوں سے اپنے گھر میں بھر لی ہے، اور اس کی ضرورتوں سے وہ اسقدر زیادہ ہے کہ کبھی خرچ ہی میں نہیں آتی تو اس سے اس شخص کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا، اور تمھاری ضرورت رفع ہو جاتی ہے۔ اب تم خود ہی انصاف سے کہو کہ خدا کے ایک بندہ کی جان لینا اچھا ہے یا اسکے کسی بندہ کے پاس سے تھوڑا سا مال لیکر اسکے ایک بندہ کی جان بچالینا؟

(فاتحانہ انداز سے منصور کی طرف دیکھنے لگا)

منصور۔ لیکن کیا آپ اپنی اس تقریر سے مجھے یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ چوری کرنا کوئی گناہ یا جرم نہیں ہے؟

سکندر۔ ہرگز نہیں، میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ تم چوری کو ایک اچھا کام سمجھنے لگو، میں نے تو صرف تمھیں اتنی بات سمجھائی ہے کہ خودکشی سے چوری ضرور بہتر طریق عمل ہے اور تمھیں خودکشی کے اقدام سے پہلے اسے آزما لینا چاہئے تھا۔

منصور۔ مجھ میں اسوقت زیادہ گفتگو کرنے کی طاقت نہیں ہے اس لئے میں آپ سے بحث نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ بھیک مانگنے کی طرح چوری کرنے پر بھی میرا دل راضی نہیں ہوتا۔

سکندر۔ اچھا اب تم سو جاؤ۔ رات بھر کا آرام تمھاری تمام کمزوری کو دفع کر دیگا میں صبح کو پھر آؤں گا۔

"ہائے اماں!! یہ ابھی کھٹکا کیسا ہوا تھا" پری جمال ذکیہ نے گھبرا کر اور تکیہ پر اپنا سر کسی قدر اونچا کرکے دل ہی دل میں کہا۔

ذکیہ اپنے ساتھ کی لڑکیوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ عقلمند تھی، اسکے ذہن کی رسائی، اور سلیقہ شعاری کی داستانیں آس پاس کے گھروں سے آگے نکلکر بمبئی کے ان مکانات میں بھی پہونچ چکی تھیں جنمیں بڑے بڑے سیٹھ اور امرا رہتے تھے۔ سیٹھ عبدل بھائی دادا بھائی بمبئی کے مشہور تاجروں میں سے تھے، اور انکے متعلق خصوصیت کے ساتھ یہ بات مشہور تھی کہ انھوں نے ناجائز طریقہ پر کبھی ایک پیسہ بھی نہیں کمایا تھا۔ سیدھے سچے مسلمان آدمی تھے، اور انتہائی ایمانداری کے ساتھ تجارت کا کاروبار کیا کرتے تھے، مالی حیثیت کے لحاظ سے اگرچہ بمبئی میں بہت سے ایسے سیٹھ موجود تھے کہ عبدل بھائی جیسے کئی سوداگروں کو خرید کر آزاد کردیں لیکن اپنی سچائی اور ایمانداری کی بدولت جو ہر دلعزیزی اور شہرت انھوں نے حاصل کرلی تھی وہ تاجروں کے تمام حلقہ کے لئے باعث رشک تھی۔ بعض نئی روشنی کے تعلیم یافتہ نوجوان تو کبھی کبھی انھیں سادہ لوح اور بیوقوف بھی کہدیا کرتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبدل بھائی نے اگر تجارت میں کبھی کبھی کچھ نقصان اٹھایا، یا کبھی بڑے فائدہ سے محروم رہ گئے تو اس کا باعث ان کی بیوقوفی نہ تھی بلکہ انتہائی احتیاط اور پرہیزگاری تھی۔ جہاں تک تجارتی کاروبار اور حسن انتظام کا تعلق تھا وہ بہت ہی تجربہ کار اور ہوشیار تاجر تھے، اور ان معاملات میں جہاں تک ان کا دماغ پہنچ جاتا تھا وہاں تک اُن پر ہنسنے والے نوجوانوں کی عقل کی رسائی کبھی نہ ہوتی تھی، اس قسم کے موقعوں پر وہ خود ہی کہدیا کرتے تھے کہ "مجھے اللہ پاک نے بہت کچھ دے رکھا ہے اپنے خرچ سے بہت زیادہ میں یوں بھی کما لیتا ہوں۔ پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ پیچیدہ اور دھوکے کی کارروائیاں کروں"۔

قدرت نے عبدل بھائی کو دولت بھی دی تھی، دل بھی دیا تھا، اور دماغ بھی دیا تھا لیکن حسن صورت عطا کرنے میں کسی قدر بخل کر گئی تھی۔ پستہ قد، پکا گیہواں رنگ، خشخشی داڑھی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور کسی قدر موٹے موٹے ہونٹ سب ایسی چیزیں تھیں جن کے متعلق وہ قدرت کی فیاضیوں کی بجا طور پر شکایت کرسکتے تھے، اور ممکن ہے کہ ان کی شکایتوں ہی سے متاثر ہو کر کارکنان قضا و قدر نے ان کا جوڑا آمنہ جیسی حسین اور مہ جبین عورت سے ملا دیا ہو۔ بہرحال وہ سبب کچھ بھی ہوا ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عبدل بھائی کو اپنی راستبازی اور ایمانداری کے صلہ میں خدا نے اسی دنیا میں ایک حور دیدی تھی جسنے ان کی زندگی کو گوناگوں مسرتوں سے بھر دیا تھا۔ عبدل بھائی نے کبھی نہ اپنے کاروبار پر فخر کیا، نہ اپنی دولت اور دماغی قابلیت پر، لیکن اپنی اس بیوی پر انھیں ہمیشہ فخر رہا اور بالکل بجا فخر رہا۔

حسن کا امتزاج اگر حسن ہی کے ساتھ ہو تب بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ بچوں میں ماں اور باپ دونوں کی طرف سے تھوڑا تھوڑا سا حسن شامل ہو کر بدنمائی پیدا کر دیا کرتا ہے، بالکل اسی طرح حسن اور بدصورتی کے امتزاج سے کبھی کبھی زیادہ سے زیادہ حسین شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ذکیہ اسی قسم کے اتفاق کا ایک نمونہ تھی۔ آمنہ کی خوبصورتی، عبدل بھائی کی بدشکلی کے ساتھ ملکر ذکیہ کی صورت میں کچھ ایسی دلفریبی کی شان میں جلوہ گر ہوئی تھی کہ جو اسے دیکھتا تھا حیران رہجاتا تھا۔

ذکیہ کی عمر اب سترہ سال کی تھی، اور عبدل بھائی کی روزمرہ کی ڈاک کا انبار اب اُن خطوں کی کثرت کی وجہ سے بہت ہی بڑا ہونے لگا تھا جن میں بمبئی اور نواح بمبئی کے امرا اور رؤسا اپنے اپنے لڑکوں کو فرزندی اور غلامی کے لئے پیش

کیا کرتے تھے۔ ایک سچے مسلمان کی طرح مبل بھائی نے آمنہ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں اپنی طرف سے ذکیہ پر کسی قسم کا جبر کرنا نہیں چاہتا، تم یہ سارے خط اور تصویریں اُسے دکھا دیا کرو، اور بالکل اس کی مرضی پر چھوڑ دو کہ جسے چاہے منتخب کر لے۔

اس قدر آزادی حاصل ہونے کے باوجود ذکیہ نے ابھی تک کسی کو بھی منتخب نہیں کیا تھا، اور اکثر کچھ اس قسم کے خیالات اور توہمات میں مبتلا رہا کرتی تھی کہ جیسے قسطنطنیہ میں لطیفہ خانم سے شادی کرنے کے لئے غازی مصطفےٰ کمال فتح و نصرت کا جھنڈا ہاتھ میں لئے یکایک پہونچ گئے تھے اسی طرح کوئی ایسا ہی دلیر اور خوشرو نوجوان یکایک میرے دروازہ کے سامنے بھی آجائے گا۔ قدرت خود اسے میرے لئے انتخاب کر کے بھیجے گی اور بس وہی میرا شوہر اور میرا محبوب ہوگا۔

کئی مرتبہ اسنے آمنہ سے ہنسی ہنسی میں کہا کہ "امی جان! یہ آجکل کے مردوں کو کیا ہو گیا ہے کہ داڑھی مونچھیں سب منڈا کے عورتوں کی سی شکلیں بنا لیتے ہیں، صبح سے شام تک چھ چھ دفعہ صابن سے منہ دھونا، اور پوڈر اور کریم لگانا کہیں مردوں کے کام ہیں؟

بدقسمتی سے شادی کی درخواست کے ساتھ جتنے لڑکوں کی تصویریں آتی تھیں وہ سب ایسی ہی ہوتی تھیں کہ جن کی وضع نیم مردانہ اور نیم زنانہ ہوتی تھی بلکہ شاید تصویر کھنچواتے وقت خاص طور سے اس بات کا اہتمام کر لیا جاتا تھا کہ حجام کی "سیلون" سے اُٹھتے ہی سیدھے فوٹوگرافر کے "اسٹیوڈیو" میں جائیں تاکہ رخساروں پر خفیف سا کھُردراپن بھی نہ پیدا ہو سکے۔ ذکیہ ان تصویروں کو دیکھتی اور کسی قدر حقارت، اور نفرت کے ساتھ اُٹھا کر پھینک دیتی، اور پھر بہت دیر تک دل ہی دل میں آجکل کے نوجوانوں کی وضع پر تنقید کرتی رہتی۔

آج شام کی ڈاک سے بھی اسکے پاس کئی خط اور کئی تصویریں بھیجی گئی تھیں، اور ان میں سے ایک لڑکے کے متعلق ماں نے سفارشی الفاظ بھی کہے تھے، یہ ایک بہت بڑے امیر کبیر کا بیٹا تھا اور انڈین سول سروس میں شریک ہونے کی غرض سے ولایت گیا ہوا تھا۔ ذکیہ نے حسب معمول ان تصویروں کو ایک بے پرواہی کی ادا سے دیکھا اور یہ کہکر ایک طرف کو ڈال دیا کہ "میں عورت نما مردوں سے شادی نہیں کرتی۔"

خط اور تصویریں سب کچھ ردی کی ٹوکری کی نذر کر دینا تو آسان تھا، لیکن رات کو جب وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹی تو اسے یہ خیال آیا کہ آج خلاف معمول ماں نے ایک لڑکے کی سفارش کی تھی۔ بار بار یہی خیال اسکے دل میں آرہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ میرے انکار کرنے سے امی جان خفا ہو جائیں۔ خیالات کا سلسلہ کچھ ایسا بندھا کہ اسکی نیند اُچاٹ ہو گئی اور اسکی انتہائی کوشش کے باوجود بارہ بجے تک اسے نیند نہ آئی۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب اسکی آنکھ کچھ یوں ہی سی جھپکی تھی کہ یکایک اسکے کان میں کچھ کھٹکے کی سی آواز آئی اور وہ گھبرا کر پھر اُٹھ بیٹھی، اور بڑے غور سے سننے لگی جب کچھ اور آواز نہ آئی تو اسنے آہستہ سے اپنے سرہانے کی کھڑکی کھول دی کھڑکی کھلتے ہی باہر کی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا کمرہ میں آیا اور اسکے ساتھ ہی کسی شخص کے باتیں کرنے کی آواز بھی اسکے کان میں پہونچی۔

خوف اور تعجب کے ساتھ اسنے اپنے کان اس آواز کی طرف لگائے اور اُسے معلوم ہوا کہ نیچے کوٹھی کے احاطہ میں دو شخص آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔

ایک آواز۔ منصور تم سخت بیوقوف ہو۔

دوسری آواز۔ آپ جو چاہیں کہیں مگر یہ ناممکن ہے کہ میں چوری کروں۔

پہلی آواز۔ تم بزدل ہو، کمینے ہو، اور ہرگز اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف شخص تم پر اعتبار کرے۔ میں نے کیا تمھاری جان اسی لئے بچائی تھی کہ تم یہاں ایسے وقت میں مجھے دھوکا دوگے!

منصور۔ شریف آدمی کبھی چوری نہیں کیا کرتے اس لئے اگر آپ جیسے شریف مجھ پر اعتبار نہ کریں تو وہ میرے لئے اچھا ہی ہے۔ آپنے مجھ پر احسان کیا ہے اور اگر ضرورت پڑے تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ آپ کی جان بچانے کے لئے اپنی جان دیدوں، لیکن میرا ضمیر جس کام کی مجھے اجازت نہیں دیتا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں۔

سکندر۔ (دوسرا شخص وہی سکندر تھا) میرا جی چاہتا ہے کہ تمھیں پستول کا نشانہ بنا دوں۔ ایسی ناپاک ہستیوں سے یہ دُنیا جسقدر جلد خالی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

منصور۔ سکندر! تم نے میری جان بچائی ہے اس لئے مجبور ہوں ورنہ تمھاری اس زبان درازی کا اسی جگہ مزہ چکھا دیتا۔ تمھیں شرم نہیں آتی کہ تم مجھے ایک ایسے ذلیل اور ناپاک کام کے لئے مجبور کر رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم بھی اپنے اس ارادہ سے باز آجاؤ۔

سکندر۔ اگر آپ کی نصیحت پر عمل کر لوں تو میرا تو کچھ بھی نہیں بگڑے گا کیونکہ میں بہت کچھ کما چکا ہوں اور میرے پاس کھانے کو ہے۔ تم جو اسقدر شرافت اور ایمان اور ضمیر سب کچھ بگھار رہے ہو تم کہو کہ کل پیٹ میں کیا ڈالو گے، یا پھر سمندر میں کودنے کا ارادہ ہے؟ اگلی دفعہ کوئی نہیں بچالے گا۔

منصور۔ میں نے تو اس مرتبہ بھی تم سے درخواست نہیں کی تھی کہ مجھے بچالو۔ جب مجھے کسی طرح کوئی کام نہ مل سکا اور پورے چار وقت بے کھائے گذر گئے تو مایوسی اور پریشانی کے عالم میں مجھ سے ایسی غلطی ہو گئی۔ میں خود اپنی اس حماقت پر نادم ہوں، اب میں پھر اپنی قسمت آزماؤں گا اور کسی نہ کسی طرح قوت بازو سے پیدا کر کے کھاؤں گا۔

سکندر۔ ارے تو عقلمند! میں یہی تو کہتا ہوں کہ یہیں اسی مکان میں قوت بازو اور قسمت کو کیوں نہیں آزماتا؟

منصور۔ تم فضول مجھ سے یہ باتیں کہہ رہے ہو۔ میں کبھی اور کسی طرح بھی چور نہیں بن سکتا تمھارا ضمیر مُردہ ہو چکا ہے، تم اپنے ایمان کو اپنے پیٹ پر قربان کر چکے ہو، تم جاؤ اور جو تمھارا جی چاہے کرو۔ میری اگر موت ہی یہاں لائی ہے تو خیر خدا کی مرضی، مگر جلد ہی میرے بغیر یہ اتنی بڑی دُنیا سونی تو نہیں ہو جائے گی۔ ہزاروں، لاکھوں کروڑوں،

[illegible] انسان روزمرہ سہتے رہتے ہیں، انہی کے ساتھ ایک میں بھی سہی۔ بس اب میں جاتا ہوں، اور خدا نے چاہا تو صبح کو کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ محنت مزدوری ضرور ہو جائے گی، اور اگر نہ بھی ملے تب بھی بھوک کی تکلیف اس تکلیف سے بہت کم ہے جو ضمیر کی ہر وقت کی ملامت سے ہوا کرتی ہے۔

سکندر کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ جا کر پولیس کو خبر نہ کر دے اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ منصور کو چھوڑے۔ اسنے پھر اسے باتوں میں لگایا اور اس عرصہ میں چاند نکل آیا اور ذکیہ نے ان دونوں کی صورتیں دیکھیں، بہت دیر تک وہ انہیں دیکھتی اور ان کی باتیں سنتی رہی، لیکن جب منصور یہ وعدہ کرکے کہ میں پولیس کو اطلاع نہ کرونگا سکندر سے علحدہ ہوا اور سکندر مکان میں گھسنے لگا، تو اسنے جلدی سے ٹیلیفون پر تھانے میں اطلاع کر دی اور عبدل بھائی کی خوابگاہ کا دروازہ آہستہ آہستہ کھٹکھٹا کر انھیں جگا دیا اور سب حالات سنا دیئے۔

سکندر کی کوئی مزاحمت نہیں کی گئی اور اسنے بہ اطمینان تمام گھر کی ایک خادمہ کی مدد سے بہت سی بیش قیمت چیزیں لیجانے کے لئے جمع کر لیں، لیکن ابھی وہ مکان سے نکلنے نہ پایا تھا کہ پولیس آ پہونچی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ دل ہی دل میں منصور کو گالیاں دیتا ہوا وہ تھانے پر پہونچا اور حوالات میں بند کر دیا گیا۔

دوسرے دن منصور نے پھر تمام شہر کا چکر لگایا۔ دفتروں میں گیا، دکانوں میں گیا، اور لوگوں کے گھروں پر ان سے ملاقاتیں کیں مگر شام تک کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ شام کے قریب محض اتفاقیہ طور پر اسکی ملاقات ایک بہت موٹے سے پارسی سے ہوئی، اور حسب معمول منصور نے اس سے بھی یہ سوال کیا کہ کیا آپکو کسی کلرک کی ضرورت ہے، تو اسنے اپنی عینک کے شیشے صاف کرکے پہلے اچھی طرح منصور کی صورت دیکھی اور پھر کہا۔

"آپ بمبئی کا رہنے والا تو نہیں ہے۔ ادھر کیسے آگیا؟

منصور۔ یہ بہت بڑا شہر ہے اسی خیال سے یہاں آیا تھا کہ یہاں کچھ نہ کچھ کام ملجائیگا،

سیٹھ۔ آپنے کہاں تک پڑھا ہے۔؟

منصور۔ میں بی اے پاس کر چکا ہوں؛

سیٹھ۔ (حیرت سے) آپ بی اے پاس ہے! یہ تو بہت اچھا بات ہے۔ آپ تو اُردو فارسی خوب جانتا ہوگا؛

منصور۔ اُردو تو میری مادری زبان ہے اور فارسی بھی میں بہت کافی جانتا ہوں،

سیٹھ۔ کوئی اُردو فارسی پڑھنا چاہے تو آپ پڑھا دیگا؟

منصور۔ ضرور پڑھا سکوں گا۔

سیٹھ۔ ہمارا لڑکی لوگ اُردو فارسی پڑھنا چاہتا ہے، ہم پچاس روپئے مہینہ دیگا، بروبر (برابر) دو کلاک (گھنٹے) روز پڑھانا پڑیگا۔ اور آپ اچھا عمدہ پڑھائے گا تو اور لڑکی لوگ بھی آپ کو مل جائے گا، اور آپکی خاصی آمدنی ہو جائے گی؛

منصور۔ مجھے منظور ہے۔

سیٹھ ہرمزجی فرامرزجی پٹیال والا نے پھر ایک بہت ہی ناقدانہ نگاہ منصور پر ڈالی، اور اچھی طرح مطمئن ہو جانے کے بعد اسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے اور اپنی لڑکیوں سے اسکا تعارف کرا دیا۔ بڑی لڑکی کی عمر کوئی اٹھارہ سال کی تھی، اور چھوٹی کی عمر کوئی پندرہ سال۔ بڑی کا نام دینا بائی تھا اور چھوٹی کا فیروزہ بائی۔

لڑکیاں دونوں بہت ذہین اور اُردو فارسی پڑھنے کی بیحد شائق تھیں اسلئے چند ہی روز میں منصور کی تعلیم کے اچھے اثرات ظاہر ہونے لگے، اور صرف ڈیڑھ مہینے کی مدت میں اسے پانچ لڑکیاں اور ایسی مل گئیں جو اردو یا اُردو اور فارسی پڑھنا چاہتی تھیں۔ اسکے شریفانہ اطوار اور خوددارانہ رکھ رکھاؤ نے ان سب پارسی گھرانوں میں اس کی بڑی عزت قائم کر دی، اور سیٹھ پٹیال والا اور ان کا خاندان تو خصوصیت کے ساتھ منصور کی خوبیوں کا گرویدہ تھا۔

منصور کی مجموعی آمدنی اب اتنی تھی کہ وہ اچھی خاصی فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکے۔ ابتدا ہی سے وہ علم اور ادب کا دلدادہ رہا تھا، اور خوش قسمتی سے اب اسے کام بھی ایسا ہی ملگیا جس کا ادب اور علم کے ساتھ لگاؤ ہے اس لئے اسنے اپنے مطالعہ کو وسیع کرنا شروع کیا اور جو کچھ ہر مہینے اسکے پاس کھانے پینے سے بچا رہتا وہ کتابیں خریدنے پر صرف کیا کرتا۔ ایک مقامی کتب خانہ کی ممبری کا چندہ ادا کرکے اسنے بڑی بڑی اور قیمتی کتابیں وہاں سے حاصل کرنی شروع کیں، اور اس طرح اپنا تمام وقت کتب بینی اور درس و تدریس کی نذر کر دیا۔ کبھی کبھی وہ انگریزی اور اُردو کے اخبارات کے لئے مضامین بھی لکھا کرتا تھا، اور چونکہ شگفتہ طرز تحریر کے ساتھ اب وسعت مطالعہ بھی شامل ہو گئی تھی اس لئے دنیائے صحافت میں بھی اس کا نام لوگوں کی زبان پر چڑھتا جا رہا تھا۔ ابھی اسکے صرف چند ہی مضمون اخبارات میں نکلے تھے کہ ایڈیٹروں کے تقاضے اسکے پاس آنے لگے اور اسکی مختصر آمدنی کے اضافہ کا یہ ایک اور مستقل ذریعہ نکل آیا۔ اسنے اپنے فرصت کے اوقات میں اُردو کی دو ایک چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھ کر شائع کرائیں، اور وہ اس قدر مقبول ہوئیں کہ ایک ہی سال میں ان کے تین تین ایڈیشن نکل گئے اور اس طرح اسکے پاس ایک اچھا خاصہ معقول سرمایہ بھی جمع ہو گیا۔

کسب معاش کی طرف سے کامل بے فکری میسر آجانے پر اسے اس کتاب کے لکھنے کا دھیان آیا کہ جس کا خیال ایک مدت دراز سے اس کے دل میں تھا۔ اسے شروع ہی سے علم النفس سے بہت شغف رہا تھا، اور طالب علمی کے زمانہ میں بھی وہ برابر بڑے بڑے ماہران نفسیات کی تصانیف کا مطالعہ کرتا رہا تھا۔ بی اے پاس کرنے سے پہلے ہی اسکے دماغ میں خیالات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا، اور اسکی دلی آرزو تھی کہ اپنے خیالات کو ایک کتاب کی صورت میں ماہرین فن کے سامنے پیش

کرے۔ اس شعبۂ علم کے متعلق اسنے کئی ایک بالکل نئے نظریئے قائم کئے تھے، اور اس کا خیال تھا کہ اسکی یہ تحقیقات موجودہ علم النفس میں ایک نہایت مفید اضافہ کا کام دے گی، مفلسی اور ناداری نے اسوقت تک اسے کچھ کرنے نہ دیا لیکن اب جبکہ وہ ان آدم خوار بلاؤں کے آہنی پنجہ سے نجات پا چکا تھا تو اسنے ارادہ کیا کہ جلد جس طرح بھی ممکن ہو اپنی مجوزہ کتاب لکھ ہی ڈالے، اسنے روزانہ تین گھنٹے اس کام کے لئے نکالے اور انتہائی باقاعدگی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

ذکیہ نے پولیس کو اطلاع دیکر چور کو گرفتار بھی کرا دیا، اور عدالت نے اسے ایک سال کی سزا بھی دیدی، لیکن چور کے ساتھی کی شکل و صورت اور چوری سے اس کا اظہار نفرت ایک حد تک اسکے دل پر نقش ہو گیا۔ دن میں کئی کئی مرتبہ، اور رات کی تنہائی میں گھنٹوں تک مسلسل اس کے دل میں چور اور چور کے ساتھی کے متعلق خیال آتے رہتے، اور گو بعض اوقات وہ جھنجلا کر دماغ سے ان خیالات کو نکال دینے کی کوشش بھی کرتی، لیکن بالکل ایک غیر محسوس طریقہ پر وہ پھر اسکے دماغ میں گھس آتے اور وہ اس اجنبی کی شرافت کی داد دینے لگتی جسے اس کا ایک ساتھی، اور صرف ساتھی نہیں بلکہ محسن چوری کے ذریعہ سے مالدار بنجانے کے لالچ دے رہا تھا اور وہ صرف اس لئے انکار کئے جاتا تھا کہ چوری کرنا اسکے ضمیر کے خلاف تھا۔

کئی کئی گھنٹے تک رات کو بستر پر لیٹے لیٹے وہ امیری اور غریبی کے متعلق سوچتی رہا کرتی، اور بار بار یہ سوال اسکے دل میں پیدا ہوتا کہ انسان ہونے کے باوجود کوئی شخص آخر غریب کیوں ہو۔ وہ خدا کے پیدا کئے ہوئے اور تمام جاندار وں پر نظر ڈالتی اور اپنے دل سے کہتی کہ "دنیا بھر میں کہیں امیر شیر اور غریب شیر، یا مالدار گھوڑے اور مفلس گھوڑے، یا متمول کبوتر اور نادار کبوتر نہیں ہوتے، پھر انسانوں میں یہ بلا کہاں سے آگئی کہ کسی کے پاس تو مال و زر کی اتنی افراط ہو کہ اسکے رکھنے کو اسکے گھر میں جگہ نہیں ملتی، اور کوئی بیچارہ دو دو وقت کے فاقے کرنے پر بھی دو روٹیوں کو ترستا ہی رہتا ہو" اور زیادہ سوچنے پر اس کے خیالات بڑی بڑی دُور تک پہنچتے اور وہ کہتی کہ "یہ کیا عجیب تماشہ ہو کہ غلہ، سونا چاندی، کوئلہ غرضکہ تمام وہ چیزیں کہ جنھیں دولت کی اصل کہنا چاہیئے، اللہ کے خزانوں میں سے کھود کھود کر غریب مزدور ہی نکالا کرتے ہیں مگر سب سے زیادہ غریب اور مفلس بھی وہی رہتے ہیں۔ انھیں غریبوں کو اپنے کمائے ہوئے روپئے میں سے کبھی اتنا بھی نہیں ملتا کہ وہ عیش نہ کر سکیں نہ سہی، لیکن پیٹ بھر کر روٹی تو کھا لیں۔ امیروں کی دولت کا یہ حال ہو کہ دن دونی رات چوگنی ہوتی چلی جاتی ہو، اور محنت اور مشقت کرکے دنیا بھر کے کسان یا مزدور جو کچھ پیدا کرتے ہیں وہ سب کا سب انہی کے خزانوں میں بھر جاتا ہو۔ ہمارے اپنے ہی گھر میں کیا کم بھرا پڑا

ہو۔ میں نے اسدن ناحق پولیس کو خبر کی۔ چور غریب تھوڑا سا مال لیجاتا تو ہمارا کیا بگڑ جاتا تھا۔ وہ ضرور کوئی محتاج ہی ہوگا جب ہی تو چوری کرنے نکلا تھا، مگر نہیں وہ تو محتاج نہیں معلوم ہوتا تھا، وہ تو کوئی پیشہ ور چور ہی تھا۔ اسکا ساتھی البتہ ایک ٹھنڈا سانس لیکر) ضرور حاجتمند تھا، وہ کسی شریف گھرانے کا لڑکا ہو۔ خدا جانے بیچارے پر کیا وقت پڑا ہو کہ اس حالت کو پہونچ گیا۔ کتنے وقت کا فاقہ اسنے کہا تھا؟ چار وقت کا! افوہ! پورے دو دن بغیر کھائے پئے گذر گئے تھے، مجھے تو ایک وقت روٹی نہیں ملتی ہو تو پیٹ میں آگ سی لگ جاتی ہو۔ مگر کس قدر شریف اور ایماندار آدمی ہو۔ اس حالت میں بھی اسے اپنے ضمیر اور اپنے ایمان کا خیال تھا (کچھ سوچکر) ابھی ہو بھی تو بالکل نوجوان۔ بمبئی کا رہنے والا نہیں ہو، بات چیت ہندوستانیوں کی سی ہو۔ میں کیا کروں میرا بس چلتا تو اسے بہت سا روپیہ دیدیتی۔ خدا جانے غریب کہاں گیا ہوگا، اور اب تک اس کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر اب بھی ایک خیال کیوں میرے پیچھے لگ گیا ہو۔ روزمرہ سیکڑوں ہزاروں ایسے ہی غریب سڑکوں پر اور گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں کہیں راستہ گلی میں مل جاتا تو یہ ہو سکتا تھا کہ میں اسے دو چار پیسے یا ایک آدھ روپیہ دیدیتی۔ مگر میرا دل کہتا ہو کہ وہ ہرگز نہ لیتا۔ فاقوں سے تنگ آکر وہ سمندر میں کود پڑا تھا مگر بھیک نہیں مانگی تھی۔ ضرور کسی بڑے شریف گھر کا لڑکا ہو۔ اس کی صورت ہی پر شرافت برستی ہو۔ فقیروں کے لڑکے ایسے خوبصورت نہیں ہوا کرتے، خدا اس بیچارے کا وقت ٹال دے!!

(کچھ شرما کر) مجھے کسی کی خوبصورتی بدصورتی سے کیا مطلب؟ کہیں لطیفہ خانم کے لئے بھی مصطفےٰ کمال تو نہیں آیا ہو؟ .... توبہ! خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہو۔ ہر وقت یہی ایک خیال لگا رہتا ہو، اب میں ہرگز اس خیال کو دل میں نہیں آنے دوں گی"

لیکن خیال کو دلمیں نہ آنے دینا ذکیہ کے امکان سے باہر تھا، وہ پھر اسکے دلمیں آتا تھا اور پھر اسی طرح توبہ کے ساتھ نکالا جاتا تھا۔ ایک سال سے زیادہ مدت گذر گئی لیکن منصور کا خیال دل سے نکلنے کی بجائے کچھ اور بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ اسکے دل میں قائم ہو گیا، اور منصور کی خیالی تصویر تقریباً ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے رہنے لگی۔

ایک روز وہ اپنی کسی سہیلی کے گھر گئی ہوئی تھی، اور بعض ناگزیر اتفاقات کی وجہ سے اسے لوٹنے میں بہت دیر ہو گئی اور رات کے دس بج گئے۔ اس کی سہیلی نے بہت چاہا کہ کسی خادم یا خادمہ کو اسکے ساتھ کر دیا جائے، مگر ذکیہ نے یہ کہکر کہ "ابھی ایسی کون سی رات آگئی ہو" کسی کو ساتھ نہ لیا اور تنہا گھر کو روانہ ہو گئی، یہاں سے گھر جانے کے اسکے لئے دو راستے تھے، ایک راستہ تو بازار میں ہو کر جاتا تھا۔ مگر ذرا لمبا تھا اور دوسرا گلیوں میں سے تھا اور مختصر تھا

...کی سوچ ہی کے خیال سے اسنے یہی چوڑا راستہ اختیار کیا اور بہت تیز رفتار سے چل دی۔ بیٹھکی میں اُسروز مہاتما گاندھی آئے ہوئے تھے، اور وہ اسوقت انکی تقریر سننے میں مصروف تھی اسلئے علم طور پر سب لوگ جلسہ میں گئے ہوئے تھے اور گلیاں بالکل خالی اور سنسان پڑی تھیں۔

ذکیہ نے ابھی کوئی نصف راستہ طے کیا ہوگا کہ اسے سامنے سے ایک شخص آتا نظر آیا جسے اسنے بیک نگاہ پہچان لیا کہ وہی چور ہے جو گذشتہ سال اسکے مکان میں گھسا تھا۔ اسے کسی قدر خوف معلوم ہوا لیکن چونکہ وہ بہت کافی دلیر لڑکی تھی اس لئے اسی طرح قدم اُٹھائے چلی گئی۔ سامنے سے آنے والا شخص واقعی سکندر تھا جسے جیل سے آئے ابھی کوئی ایک مہینہ ہوا ہوگا۔ اسنے بھی ذکیہ کو دیکھا اور پہچانا، اور یہ دیکھ کر کہ گلی بالکل سنسان ہے اس کے دلمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ اسکے زیوروں پر قبضہ کرنا چاہئے۔ ذکیہ جیسے ہی اسکے قریب پہونچی اسنے یکایک اسے خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ ہو روا اپنے تمام زیور اُتار کر دیدے۔

ذکیہ نے چلنے تو ڈ کر بڑے زور سے ایک چیخ ماری، اور پھر یہ دیکھ کر کہ وہ بالکل بے بس ہو اسنے گلے سے طلائی زنجیر اور کانوں سے بندے اُتارنے شروع کر دئیے سکندر یہ دیکھ کر کہ اسکے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے اپنی گرفت کسی قدر ڈھیلی کر دی اور اُترے ہوئے زیور لے لے کر جیب میں ڈالنے لگا۔ ذکیہ کی چیخ کی آواز کافی دُور تک پہنچی تھی اور قبل اسکے کہ ذکیہ اپنے سب زیور دے چلے بائیں ہاتھ کی گلی میں سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور سکندر اور ذکیہ کو دیکھ کر رُکا۔ سکندر نے موقعہ کی نزاکت کا اندازہ کر کے ذکیہ کو فوراً چھوڑ دیا، اور آنے والے کے سر پر اپنا ڈنڈا پورے زور سے رسید کیا۔ نووارد بھی غافل نہ تھا، اسنے سکندر کا وار خالی دیکر فوراً اسکی کر پکڑ لی اور اب دونوں میں پورے زور کے ساتھ کشتی ہونے لگی۔ سکندر بہت مضبوط اور توانا آدمی تھا اور اس کے پیشے نے اسے اور بھی چست اور چالاک بنا دیا تھا، لیکن نووارد نے بھی ایسی طاقت اور ایسی پھرتی کا اظہار کیا کہ سکندر کو پھر جیلخانے کا دروازہ سامنے نظر آنے لگا۔ دونوں میں انتہائی قوت کے ساتھ کشتی ہو رہی تھی، اور ذکیہ بار بار یہ چاہتی تھی کہ سکندر ذرا بھی بے قابو ہو تو اسے باندھنے میں نووارد کی مدد کرے۔ تقریباً دس بارہ منٹ کی زور آزمائی کے بعد سکندر کا پاؤں پھسلا اور وہ بے قابو ہو کر بری طرح سے سڑک پر گرا۔ نووارد نے اس کے اس طرح گرنے سے فائدہ اُٹھایا اور فوراً اسکی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی، اور ایک کے منہ سے "ہائیں سکندر" اور دوسرے کے منہ سے "ارے، منصور" بے اختیار نکلا۔

آنے والا درحقیقت منصور ہی تھا۔ وہ اپنی ایک شاگرد لڑکی کو پڑھا کر واپس آ رہا تھا کہ اسکے کان میں ایک زنانہ چیخ کی آواز پہونچی اور وہ مدد کے لئے دوڑ پڑا۔

منصور۔ افسوس! سکندر اب تمھاری چوری کی عادت اسقدر بڑھ گئی کہ راستہ چلتے غریب عورتوں کو لوٹنے لگے!

سکندر: مجھے کسی کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے!

ذکیہ چونکہ کسی قدر دُور تھی اس لئے اسنے ابھی تک منصور کو نہیں پہچانا تھا اور شاید قریب سے بھی اب اس کے لئے اسکا پہچان لینا آسان نہ ہوتا کیونکہ اب وہ فاقوں کا مارا منصور نہ تھا بلکہ ایک بہت ہی تندرست اور توانا نوجوان تھا جسکے جسم کی خوشنمائی اسکے عمدہ لباس نے اور بھی زیادہ کر دی تھی۔ اسنے منصور کا نام سُنا تو وہ چونکی اور غور سے دیکھنے لگی۔ منصور کو پہچانتے ہی اس کے دل کی حرکت حد سے زیادہ بڑھ گئی یہاں تک کہ وہ چکرا کر گر پڑی اور بیہوش ہو گئی۔

سکندر نے پھر منصور کے قبضہ سے نکلنے کی ناکام کوشش کی تو منصور نے کہا۔

"تم نے میری جان بچائی تھی صرف اس لئے میں اسوقت تمھیں چھوڑ دینے کے لئے تیار ہوں، بشرطیکہ جو کچھ تم نے اس عورت سے لیا ہے وہ سب واپس کر دو۔ میں تمھیں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کے فضل و کرم سے اب میری مالی حالت بہت اچھی ہے، اگر تم واقعی مصیبت میں ہو تو میں روپیہ سے بھی تمھاری مدد کر سکتا ہوں لیکن صرف اسی صورت میں کہ تم اپنا یہ ذلیل پیشہ چھوڑ دو، اور ایمانداری کی زندگی اختیار کرو جلدی فیصلہ کرو، کیونکہ اگر کوئی ادھر آ گیا تو پھر میں تمھیں نہ چھوڑ سکوں گا۔"

سکندر نے بادل ناخواستہ ذکیہ کے زیور جیب سے نکال کر منصور کے حوالے کر دئیے منصور نے اسے اپنا پتہ بتا کر چھوڑ دیا۔ سکندر سے فارغ ہو کر منصور اب ذکیہ کی طرف متوجہ ہوا جو بیہوش پڑی تھی، وہ اسے گود میں اُٹھا کر گلی کے سرے تک لے گیا، اور پھر سڑک پر لٹا کر نل سے پانی لایا اور اسکے منہ پر چھڑکا۔ آہستہ آہستہ ذکیہ کو ہوش آیا تو اسنے دیکھا کہ منصور اس کے پاس بیٹھا ہے۔ اسنے گھبرا کر اُٹھنا چاہا مگر منصور نے یہ کہہ کر روک دیا کہ "آپ اُٹھیں نہیں ورنہ شاید پھر غش آ جائے گا"

ایک گذرتی ہوئی موٹر کو بُلا کر منصور نے آہستہ آہستہ ذکیہ کو لیجا کر اسمیں سوار کرایا اور پھر اس سے اجازت لے کر خود بھی بیٹھ گیا۔ پتہ پوچھ کر شوفر کو بتا دیا گیا لیکن منصور کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب موٹر اس مکان کے دروازہ پر جا کر رُکی کہ جہاں وہ سکندر کے ہمراہ چوری کرنے کے لئے آیا تھا۔

منصور کی کتاب آہستہ آہستہ تکمیل کے قریب پہونچتی جا رہی تھی، اور اس اثنا میں اس کے بعض اقتباسات جو مختلف اخبارات و رسائل میں نکلے ان سے اسکی خوبیوں کا پورا پورا اندازہ لوگوں کو ہو گیا۔ اہل علم چشم براہ تھے کہ کب کتاب تیار ہو اور ہم پڑھیں، اور اب ہر روز ٹیلیفون پر منصور سے پوچھا کرتے تھے کہ اب اسکے پورا ہونے میں کتنی کسر باقی ہے۔ لوگوں کے شوق کا یہ عالم دیکھ کر منصور نے اپنا اور تھوڑا سا وقت اسی کتاب کی نذر کر دیا تاکہ وہ جلد تیار ہو جائے، اور ہر گوشۂ ملک سے بہت سے خطوط کی بھرمار نے اس کی محنت و مشقت کو اسقدر پُرلطف بنا دیا کہ اسے فی الحقیقت

یحنت تعزیج معلوم ہونے لگی۔ ملک کے تقریباً ہر اخبار اور ہر رسالے نے اسکے خیالات کی تعریف میں اپنے کئی کئی کالم سیاہ کئے۔ اور منصور، وہی فاقہ کش اور خودکش منصور پستی اور گمنامی کے غار سے نکلکر شہرت اور نیکنامی کے آسمان پر شمع بنکر چمکنے لگا!

ذکیہ سے اسے پہلی ہی نگاہ میں محبت ہوگئی تھی، اور عبدل بھائی کی حد سے بڑھی ہوئی احسانمندی نے اسے اس بات کا بھی موقع دیدیا کہ انکے خاندان سے دوستانہ مراسم قائم کرلے۔ عبدل بھائی اول تو صرف اسی وجہ سے منصور کے گرویدہ اخلاق بن گئے تھے کہ اسنے ان کی پیاری بیٹی کو ایک ڈاکو کے پنجہ سے رہائی دلائی تھی، اور اس کے بعد جب دو ایک ملاقاتوں میں اس کی مزید خوبیاں ان پر ظاہر ہوئیں تو وہ اس کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگے۔ اخبارات میں انھوں نے اس کی تصنیف کا شہرہ بھی پڑھا تھا۔ اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی رسالہ یا اخبار لاکر انھوں نے ذکیہ کو دیا کہ "دیکھو منصور صاحب کس قدر قابل آدمی ہیں۔"

ذکیہ تو اسی حالت میں منصور پر فریفتہ ہوچکی تھی کہ جب وہ ایک ذلیل اور مفلس شخص کی حیثیت میں اسکے سامنے آیا تھا۔ اور اب یہ دیکھ کر کہ جس شخص پر اسکی نگاہ انتخاب پڑی تھی اسنے ہر طرح اپنے آپکو انتخاب کئے جانے کا اہل ثابت کردیا اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی!

دینا اور فیروزہ کے والد مسٹر ٹپال والا عبدل بھائی کے بڑے گہرے دوست تھے انھیں خود ہی ایک روز خیال آیا کہ اگر ذکیہ کی شادی منصور کے ساتھ ہوجائے تو بہت اچھا ہو۔ خیال آنے کی دیر تھی کہ وہ موٹاپے اور بڑھاپے کی وجہ سے ہانپتے ہوئے عبدل بھائی کے پاس پہونچے اور اپنی تجویز پیش کی۔

عبدل بھائی نے کہا کہ اگر ایسا ہوجائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے مگر ذکیہ سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مسٹر ٹپال والا نے کہا کہ "تم ذکیہ سے اور میں منصور صاحب کی مرضی تپاس (دریافت) کرلوں۔

مرضیاں دریافت کرلی گئیں اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ ٹھیک اس تاریخ کو منصور کی نادر زمانہ تصنیف بھی کتابی صورت میں تیار ہوکر شائقین کے ہاتھوں میں پہونچ گئی، اور شادی کی مبارکباد کے پیغامات کے ساتھ تصنیف کی کامیابی کی مبارکباد کے تار ملکر ایک اتنا بڑا ڈھیر ہوگیا کہ میاں بیوی کو الگ الگ سب جواب دینے میں کئی دن صرف ہوگئے۔

(سعید احمد)

پیغامِ عمل ۲

(جناب سلیع اللہ صاحب تمر میرٹھی)

کچھ مقصد لے کر آتا ہے اس دُنیا میں جو آتا ہے
محروم عمل جو رہتا ہے وہ جیتے جی مرجاتا ہے

اس مزرعِ عالم کو سینچو تم جد و جہد کی بارش سے
جو بیج عمل کا بوتا ہے وہ پھل راحت کا پاتا ہے

رستے کی صعوبت سہ کر ہی منزل پہ پہنچنا ممکن ہے
آگاہ حقیقتِ غم ہے جو وہ لذتِ عیش اٹھاتا ہے

ہر ایک مصیبت دنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے
گلشن میں خزاں کا آنا ہی امیدِ بہار دلاتا ہے

دریا کی طرح جو چلتا ہے اور پھر چلتا ہی رہتا ہے
کہساروں کو میدانوں کو وہ خاطر میں کب لاتا ہے

ہر رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

کچھ کرتے رہو مشغول رہو، بیکار تم کیوں بیٹھے ہو
سب کام ادھورے ہیں اب تک اور وقت گزرتا جاتا ہے

ادب و حکمت کے جواہر ریزے

مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے روزنامچوں میں سے

یادِ الٰہی

ایک صاحب تشریف لائے اور کہا آپکے بھائی کا خط لیکر آیا ہوں۔ میں حیران ہوا کہ میرا بھائی تو صرف ایک تھا اور وہ قبر میں ہو، یہ نئے بھائی کہاں سے آ گئے۔ میں نے خط دیکھا حکیم سید یوسف حسن نظامی خط کے آخر میں لکھا ہوا تھا اور خط ایسی ہی بے تکلفی سے لکھا تھا جیسے بھائی کو لکھنا چاہئے۔ میں ان صاحب کو بالکل نہیں جانتا، میرے بھائی ہوتے تو بیمار رہتے حکیم کیوں ہوتے۔ جو صاحب خط لائے ہیں ان سے میں نے پوچھا اپنے آنے کا مقصد فرمائیے۔ کہنے لگے آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا صاف صاف کہئے، دل کا منشا ظاہر کیجئے۔ کہا سچ کہتا ہوں، یادِ الٰہی کرنے کا ارادہ ہے، میں نے کہا دنیا دار ہوں یادِ الٰہی بیکار ہو کر کرنی ہو تو کہیں اور جائیے جب تک معاش کا بندوبست نہ ہو خدا کی یاد ناممکن ہو۔ مسلمانوں پر یہ خدا کی مار ہے کہ وہ محنت سے دم چراتے ہیں، آرام طلبی اور کاہلی کے کام تلاش کرتے ہیں۔ (۱۰ نومبر سنہ۴۴ء)

بیماری میں زبان پر
صحت میں دل کے اندر

یا اللہ تیری شان کے قربان۔ تو نے آج پوری تندرستی کے ساتھ تین بجے رات کو بیدار کیا۔ دل کی خوشی بادشاہوں سے زیادہ ہے، اور جب میں نے تہجد کو نفل کا سجدہ کیا تو ایسا کیا مزا آیا۔ معلوم ہوتا ہے تو بیماری میں فقط زبان پر آتا ہے۔ مگر صحت میں دل کے اندر سما جاتا ہے۔ (۱۲ نومبر سنہ۴۴ء)

لباس کا اثر

عزیز اشانی کورو حصہ کی سالگرہ تھی، اسنے چوتھے سال میں قدم رکھا۔ آدھ دلہن بنکر میرے پاس آئی، چہرہ اس قدر باوقار بنا رکھا تھا گویا اس کو کہیں کی بادشاہی مل گئی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ آدمیوں کی شناخت لباس سے ہوتی ہے۔ واقعی میں نے دیکھا کہ غیر معمولی لباس نے اس چار برس کے کیڑے کو ایسا غیر معمولی بردبار اور سنجیدہ بنا دیا تھا، کہ تعجب ہوتا تھا۔ (۱۹ نومبر سنہ۴۴ء)

بخار کے شاگرد پیشہ

بخار تو نہیں ہے، اس کے شاگرد پیشہ جسم کے اندر موجود ہیں۔ کہتا ہوں بھائی اب تم بھی جاؤ، تمھارے صاحب بہادر تو گئے۔ مگر یہ پکڑے چپ بیٹھے ہیں، آخر یہ انکی

طرف سے منہ پھیرا اور کام کرنا شروع کیا۔ (۲۰ نومبر سنہ۴۴ء)

دل میں جگہ

رائے بھگونت رائے صاحب پٹیالہ والے مل گئے جب معمول تلوار بھی انکے ساتھ تھی لیلیا سال سے مخلصانہ ملتے تھے۔ میری تحریر سے غایت درجہ الفت کا اظہار کرتے تھے، ایام تبلیغ میں مخالف بنے، اور جتنی مخالفت کی بساط تھی، حق ادا کیا۔ میں نے دل سے کہا بھائی رائے صاحب کی جگہ کیوں خالی رکھ چھوڑی ہے، یہاں کسی اور کو ٹھہراؤ، رائے صاحب اب یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتے، دل نے کہنا مانا۔ ایک اور ہندو کو قائم مقام کرکے ٹھہرا دیا۔ آج رائے صاحب نے سراپا اخلاص بن کر شکایت شروع کی کہ "آپ نے مجھ کو بھلا دیا"۔ میں نے کہا "رائے صاحب اخلاص کی ترازو میں اخلاص ہی تولا جاتا ہے۔" (۲۱ نومبر سنہ۴۴ء)

بیداری کی آدھی رات

صبح تک نیند نہ آئی، کیونکہ کھانے کے بعد کونین زیادہ مقدار میں کھائی تھی، اس بے داری کی آدھی رات میں دماغ نے جو کچھ کام کیا، اسکو لکھنے بیٹھوں تو پورے پانچ گھنٹے خرچ ہوں، بہت دلچسپ مناظر تھے۔ سوچتا ہوں کیا کیا بنایا، کیا کیا توڑا، تو ہنسی آتی ہے۔ انسان بھی عجوبہ روزگار ہے، مگر اپنی مخفی قوتوں کے سمجھنے سے بیزار ہے (")

بے فیض چیز کا عدم وجود برابر ہے

یا اللہ توبہ۔ اتنی کمزوری ہے کہ حرکت نہیں ہو سکتی، پاؤ بھر پانی، پاؤ بھر دودھ ملایا سونٹھ ڈالکر جوش کیا۔ پھر اسکو پی لیا۔ مگر جب بھی کمبخت ہضم نہ ہوا۔ میری بلا سے دنیا میں دودھ رہے یا نہ رہے، مجھ کو راس نہیں آتا تو دنیا میں اس کا عدم وجود میرے لئے یکساں ہے۔ (۲۲ نومبر سنہ۴۴ء)

آنکھوں سے گفت و شنید

آنکھوں سے پوچھا، نیند نے آنے کی کچھ اطلاع بھیجی یا نہیں؟ جواب دیا وہ تو بیچاری دروازے کے باہر بہت دیر سے کھڑی ہے اور اندر آنا چاہتی ہے مگر کونین کی خشکی نے کواڑ بند کر رکھے ہیں اور ضد کر رہی ہے کہ میں نیند کو اندر نہیں آنے دوں گی۔ میں نے کہا اچھا جب تک ان دونوں کی لڑائی ختم ہو، مجھے اخبار پڑھ لینے کی فرصت ہے، ۱۲ بجے تک اخبار پڑھتا رہا۔ اس کے بعد سونے لیٹا۔ نیند کونین کی خشکی سے آنکھ بچا کر اندر آ گئی۔

اور مجھ کو سُلا دیا۔ (۲۲ر نومبر ۴۲ء)

میں مُردہ بننا چاہتا ہوں

ایک صاحب ملاقات کو آئے، کہا، آپکے رویّہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عنقریب کچھ بننے والے ہیں، میں نے کہا آپنے یہ کوئی نئی بات نہیں فرمائی، دس بارہ سال سے متواتر سیکڑوں ہزاروں آدمی یہ شبہ ظاہر کر چکے ہیں کہ "میں یا تو پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا ہوں یا مسیح موعود بننا چاہتا ہوں، ورنہ امام مہدی تو بن جانے کا خیال بالکل یقینی ہے" اور میں ہمیشہ اس کی تردید زبانی اور تحریری شائع کرتا رہتا ہوں اور آج آپکے شبہ کے جواب میں پھر کہتا ہوں کہ "میرا ارادہ کچھ بھی بننے کا نہیں ہے، نہ میرے اندر پیغمبر بننے یا امام مہدی بننے کی کوئی بات ہے۔ میں ہمیشہ سے معمولی قسم کا سیدھا سادا کورا اور سپاٹ مسلمان ہوں اور ایسا ہی رہنا چاہتا ہوں نہ میرے اندر کوئی واقعی ایسی بات ہے اور نہ جھوٹا دعویٰ کرنے کی مجھ میں ہمت ہے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل کو دیکھتا ہوں جو میرے اوپر پیدائش کے وقت سے لیکر آجتک سایہ فگن ہے تو آجکل کے بنے ہوئے مسیح موعود اور مہدی مجھے اپنی طمانیت قلبی کے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ اور ہیچ نظر آتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑی دولت دل کے اطمینان کو سمجھتا ہوں، اور وہ مجھ کو اتنا زیادہ حاصل ہے کہ کسی بناوٹی بڑائی کے ذریعہ مصنوعی اطمینان قلب حاصل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اگر میری زندگی میں میرا کوئی بیٹا امام مہدی یا اور اسی قسم کا کوئی دعویٰ کرے تو میں اس کو بھی یہی نصیحت کرونگا، کہ "میاں آجکل کے زمانہ میں یہ چیزیں راحت قلبی کے لئے مناسب نہیں ہیں، محنت کرو، خوب کماؤ، اور خوب کھاؤ، اچھا پہنو، اچھے مکان میں رہو، کسی سے تعلقات نہ بڑھاؤ، کسی کو دوست نہ بناؤ، کسی کے دوست نہ بنو، راحت چاہتے ہو، تو سوائے خدا کے ہر تعلق سے دل کو پاک کر لو۔"

میں اگر کچھ بننا چاہتا ہوں تو صرف مُردہ بننا چاہتا ہوں۔ زندہ ہونے کے دعوے سب نے کئے، یہ کسی نے نہ کہا، کہ "میں مُردہ ہوں اور ایک زندہ کے ہاتھ میں ہوں۔" "مُردہ بدست زندہ" اردو زبان کا ایک محاورہ ہے لیکن اس کی گہرائی بتاتی ہے کہ ہر انسان اور ہر جاندار اور ہر بے جان مخلوق ایک زندہ ہستی کے ہاتھ میں مُردہ کی طرح بے اختیار ہے، اور جسم کی جان اپنے جسم سے جو کچھ کام کراتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی زندہ ہستی کے تابع فرمان ہے۔ ورنہ بیچاری نام کو تو جان ہے لیکن بے اختیاری کے اعتبار سے سراسر بے جان ہے۔

میں مُردہ ایسا مُردہ ہوں کہ اپنے اندر کی زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کا حیاتِ الٰہی نے مجھ کو سلیقہ اور شعور عطا فرمایا ہے۔ میں اپنے دل کا عارف ہوں۔ میں اپنے جگر کا عارف ہوں، میں اپنے معدہ کا عارف ہوں اور میں اپنے اس چہرہ کو بغیر آئینہ کے دیکھ سکتا ہوں جس کو کوئی شخص بغیر وسیلہ کے نہیں دیکھ سکتا۔ مگر یہ میں اُسی وقت دیکھتا ہوں جب یہ یقین مجھ پر طاری ہوجاتا ہے کہ "میں زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہوں۔" کیونکہ زندہ ہونے کا گھمنڈ ہر انسان کو اپنے چہرہ اور پشت کی دید سے محروم کر دیتا ہے جب مجھ پر تصوّر کی موت طاری ہوتی ہے، تو دنیا کے حجابات مُردہ آنکھ کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں، کیونکہ وہ سب پردے اُن لوگوں کے لئے ہیں جو اپنی فرضی زندگی کی بھول میں مبتلا ہیں جب انسان اپنے مُردہ ہونے کو یاد کر لیتا ہے سب پردے اُٹھ جاتے ہیں، اور میں دیکھتا ہوں جو پردوں کے باعث نظر آنے کے قابل نہیں ہے اور میں وہ سنتا ہوں جو زندگی کے فرضی غل شور کے سبب زندگی کے کانوں کو سنائی نہیں دیتا، اور میں وہ چیز پاتا ہوں جو زندگی کے غرور کو دستیاب نہیں ہوتی اور مجھ کو اس دید میں اور اس شنید میں ایسی کیفیت اور لذّت حاصل ہوتی ہے جو پیغمبر بننے اور مسیح موعود اور مہدی کہلانے میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

پس آپ کو اور سب کو مطمئن رہنا چاہئیے کہ مجھ سے کوئی بناوٹی حرکت سرزد نہیں ہوگی، البتہ جسقدر بناوٹی حرکتیں میری زیست کے چاروں طرف زمانہ کے رسم و رواج کے سبب صفیں باندھ کر کھڑی ہوگئی ہیں۔ یہ بھی رفتہ رفتہ سب دور ہو جائیں گی، اور آپ لوگ میرے چہرہ کی دید اور میری آواز کی شنید کو ترسا کرینگے، بشرطیکہ آپ کو اس دید شنید کی ضرورت ہو۔ ورنہ نہ آپ کو مجھ سے سروکار ہوگا، نہ مجھے آپ سے کچھ واسطہ ہوگا۔" (۲۳ر نومبر ۴۲ء)

ایک خواب کی تعبیر

خواب دیکھا ایک سونے کی انگوٹھی سڑک کے اوپر قائم ہے اور اسکے اندر سے گاڑیاں اور موٹریں جا رہی ہیں۔ میں کھڑا ہوا سوچتا ہوں کہ کیا وہ زمانہ آگیا کہ سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ گذر جائیں، آواز آئی، سونا رہگذر ہے۔ مقصد اصلی نہیں ہے جو منزل کو بھول کر سونے کو مطلوب بناتے ہیں، وہ ہمیشہ راستہ ہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں! آنکھ کھل گئی، صبح پانچ بجے کا وقت تھا۔ (۲۳ر نومبر ۴۲ء)

ہضم کی عاقبت

دل کہتا تھا گوشت نہ کھانا چاہئیے۔ تکلیف اور بڑھ جائے گی نفس کہتا تھا گوشت نہ کھانے سے کمزوری ہوتی ہے۔ آخر گوشت بھی کھایا، اور سعید آزلی کے ہاں سے منگا کر حیدر آبادی کیک بھی کھایا۔ کھاتا جاتا تھا اور خیال کرتا جاتا تھا کہ اس بدپرہیزی کے گناہ کا مواخذہ ہضم کی عاقبت میں ہونے والا ہے۔ (۲۴۔ نومبر ۴۲ء)

رنج اور خوشی

چوروں کو اپنی ناکامی کا افسوس ہوگا۔ میرے گھر والوں کو اس کی خوشی ہوگی، کہ چور کامیاب نہ ہو سکے۔ میں ان دونوں چیزوں پر غور کر رہا ہوں، کہ دنیا میں ہر شخص اسی قسم کی خوشی اور اسی قسم کے تاسف میں مبتلا ہے، اور رنج و خوشی کے صحیح اسباب پر کوئی بھی غور نہیں کرتا۔" (۲۴ر نومبر ۴۲ء)

"دولت کیسے پیدا ہوتی اور کیونکر جمع ہوتی ہے"

(از حضرت علیمانی صاحب عشرت رحمانی)

دنیا میں مشکل سے کوئی انسان ایسا نکلے گا جس کے دل میں دولتمند بننے کی آرزو نہ ہو۔ ہر شخص صبح سے شام تک اسی فکر میں مبتلا ہے کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے۔ کیونکر یہ انسان کی دنیاوی ضرورتوں کے لئے جس قدر ضروری ہے کوئی چیز بھی غالباً نہیں، روپیہ ہی وہ چیز ہے جس سے دنیا کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، آرام و آسایش کے جملہ سامان مہیا ہوتے ہیں اور اسی کے ذریعہ انسان اطمینان و فراغت کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

جس شخص کے پاس جسقدر دولت ہے اُسی قدر اُس کی زندگی فراغت اور آسائش سے بسر ہوتی ہے۔ اور جہاں روپیہ کی کمی ہے وہاں آرام میں بھی اسی نسبت سے کمی ہونا ضروری ہے۔ دولت بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہیں ہوتی صرف دولت کی آرزو سے دولتمند بننا ممکن نہیں، بلکہ خدا ہر شخص کو اُس کی محنت کے موافق پھل دیتا ہے جو شخص جس قدر کوشش کرتا ہے اُسی قدر پاتا ہے ہاتھ پر ہاتھ دھرکر بیٹھے رہنے اور دولت کی آرزو دل میں رکھنے سے دولت پر قبضہ نہیں ہو جاتا۔

محنت اور کوشش ہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ روپیہ پیدا ہوا کرتا ہے، اور انسان صحیح معنوں میں دولتمند بنا کرتا ہے کسی دولتمند کی شاندار حالت کو دیکھ کر اُس پر رشک و حسد کرنے سے پہلے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس شخص کی یہ حالت کب سے ہوئی اور کس طرح یہ اس شان اور دولت کا مالک بنا کیسی کیسی دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے جن کے بعد اسنے یہ آرام اور اطمینان حاصل کیا ہے۔

ان تمام حالات سے قطع نظر کرکے اب دیکھنا یہ ہے کہ "دولتمند" اصل میں کس شخص کو کہہ سکتے ہیں، اور صحیح طور پر کون "دولتمند" ہو سکتا ہے۔ کیونکہ صرف دولت کمانے کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی دولتمند بنجائے!

اس حقیقت پر غور کرنے سے "دولتمندی" کا صحیح معیار یہ قرار دیا جا سکتا ہے، اور "دولتمند" وہ شخص کہلا سکتا ہے جس کے پاس اپنی اور اپنے متعلقین کی تمام ضروریات کو اطمینان اور آسائش کے ساتھ خرچ کرنے کے بعد ایک رقم محفوظ ہو!

اس رقم کا تعین کہ کس قدر ہو۔ ممکن نہیں، کیونکہ یہ امر سخت دشوار ہے کہ کسی شخص کو اُس کی اپنی خواہش کے مطابق روپیہ مل جائے۔ انسان کی آرزو ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ دولتمند کو بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ابھی اُسکے پاس نہ سکے اطمینان کے قابل جو اب موجود نہیں کچھ اور ہونا چاہئے۔ اس طرح اس کا کوئی اندازہ اور شمار کیونکر ممکن ہے۔ صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے اور یہی اندازہ غالباً صحیح ہوگا جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

دولت پیدا کرنے کا طریقہ تو محنت اور قابلیت ہے۔ "دولتمند" بنکر رہنے کے لئے کیا صورت اختیار کیجائے، اس کے لئے سب سے بہتر اور آسان صورت "کفایت شعاری" ہے، جو انسان کو بالکل بے فکر اور بے غم کر دیتی ہے۔

کیونکہ "دولتمندی" آسایش کا ذریعہ ہے "دولتمند" وہ شخص ہے جسکے قبضہ میں کچھ دولت ہو۔ اور وہ "کفایت شعاری" کے ذریعہ ممکن ہے یعنی ایک شخص کی آمدنی سو روپیہ ماہوار ہے، وہ اپنی اور متعلقین کی ضرورتوں پر اسی روپیہ ماہوار خرچ کرے تو آرام سے گذر ہو سکتی ہے۔ بس اُس کا فرض ہے کہ وہ بقیہ رقم ہر ماہ بنک یا کسی محفوظ جگہ جمع کرتا رہے، کچھ عرصہ کے بعد وہی قلیل رقم ایک معقول سرمایہ کی صورت میں جمع ہو جائے گی اور وہ شخص یقیناً "دولتمند" کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اب آمد سے وہ رقم علیحدہ جمع ہوگی اور اسی پر اپنے اصول پر ماہوار آمدنی کی بقیہ رقم علیحدہ جمع کرتا رہیگا۔ اگر کسی مہینہ میں اتفاقیہ طور پر اسکو دو ڈھائی سو روپیہ کی ضرورت درپیش آجائے تو اطمینان اور خوشی سے اپنی موجودہ دولت کا ایک حصہ اپنی ضرورت کے لئے خرچ کر سکتا ہے اور کسی معمولی خرچ میں کمی نہیں ہو سکتی نہ کسی سے قرض لینے کی ضرورت۔

ظاہر ہے کہ اس معمولی کفایت شعاری کے اصول نے اُس کو کس قدر مطمئن اور با فراغت بنا دیا۔ اسی قسم کے شخص کو صحیح طور پر "دولتمند" کہا جا سکتا ہے! برخلاف اسکے کوئی دوسرا شخص اسی آمدنی میں اگر اپنی پوری آمدنی کی رقم ماہوار خرچ کرتا رہتا تو اس خرچ سے کچھ فرق زیادہ نہ ہوتا یعنی پندرہ بیس روپئے جو پہلے شخص نے پس انداز کئے تو اُس کو ہر مہینے اس معمولی رقم کے خرچ نہ کرنے سے کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس آخر الذکر شخص کو خرچ کرنے سے کچھ زیادہ آرام نہیں ملا۔ لیکن ان دونوں کی حالتوں میں ایک بڑا فرق ہوگیا، اگر آخر الذکر شخص کو کوئی غیر معمولی ضرورت پیش ہو تو وہ زیادہ رقم کا کوئی انتظام سوائے قرض کے نہیں کر سکتا اور یقیناً اسکو قرض کی لعنت کا شکار ہونا پڑے گا۔ مگر پہلے شخص کو جو اطمینان اور فراغت حاصل ہے بالکل ظاہر ہے، وہ بے فکر رہ سکتا ہے اور کسی کا احسان مند نہیں، اور اس بیان کئے ہوئے اصول کے مطابق "دولتمندوں" میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے اور یہ آخری شخص ضرورت کے وقت ہر ایک کا دست نگر اور فکر مند ہے!

مگر اس سلسلہ میں ایک دشواری ہمارے لئے اور ہے وہ یہ کہ ہمارے ملک میں کچھ خاص اصول ایسے مرتب نہیں جن کے ذریعہ آمدنی کی بقیہ رقم کی حفاظت کیجائے سوائے اسکے کوئی صورت نہیں کہ جو رقم ماہوار آمدنی کی ہم لوگ بچائیں وہ بنک میں جمع کر دیں۔

مگر اس طرح اصل میں محفوظ نہیں ہو سکتی - فرض کیجئے چار پانچ مہینے یا اس سے کم مدت میں ایک شخص نے بیس روپیہ ماہوار بنک میں جمع کئے - اس درمیان میں کوئی ضرورت اُس کو، یا اُسکے کسی عزیز کو پیش آئی، فوراً بغیر کسی روک ٹوک کے وہ خود جائے گا یا اپنے ضرورتمند عزیز کو بنک بھیجیگا، اور جب ضرورت رقم وصول کرے گا، اور ہر معمولی ضرورت کے وقت بھی وصول کرتا رہے گا - اس طرح ایک معقول رقم کا جمع ہونا دشوار ہو جائے گا -، اکثر یہی صورتیں پیش آتی ہیں جو ہم لوگوں کے ان ارادوں کو پامال کرتی رہتی ہیں - اس کے لئے ضرورت ہو کہ کوئی ایسی جگہ روپیہ جمع کرنے کی ہو جہاں سے رقم کی وصولیابی صرف اُسی وقت ممکن ہو جب وہ رقم ایک معقول تعداد میں ہو جائے یا وقت وصولیابی کی معین ہو جائے کیونکہ بنک میں منیجر یا خزانچی، روپیہ جمع کرنے والے کو ہرگز جلد جلد رقم کی وصولیابی سے منع نہیں کر سکتا، اور نہ باز رکھ سکتا ہے۔

اس حالت میں بہتر صورت تجارت کی ہو سکتی ہے - مگر قلیل آمدنی رکھنے والے ہندوستانی جو پندرہ بیس روپیہ ماہوار سے زیادہ رقم پس انداز نہیں کر سکتے، اس معمولی رقم سے تجارت کیونکر کر سکتے ہیں - پھر اکثر اصحاب کو ملازمت سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ کوئی مختصر کام بھی پھیلائیں اور اُس کی دیکھ بھال کر سکیں، اس کے لئے سب سے بہتر اور قابل اطمینان کام یہ ہو کہ قوم کے چند معتمد اور برگزیدہ حضرات کی سرپرستی اور اہتمام ورائے سے کچھ کاروبار کیا جائے، مشترکہ سرمایہ سے اس کاروبار کے لئے کمپنیاں قائم ہوں، اور اُن کی نگرانی میں فائدہ بخش کام کئے جائیں، اپنی صنعت و حرفت کو ترقی دیجائے، اپنے علوم کی اشاعت میں حصہ لیا جائے - مغربی ممالک میں یہی کاروبار نہایت اعلیٰ پیمانہ پر جاری ہیں اور لاکھوں آدمی انکے ذریعہ خوب دولت کما رہے ہیں، انھیں اصول پر ہندوستان میں بھی کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ ان کمپنیوں میں شریک ہو، اور حصہ دار بنے، اس سے صرف صنعت و تجارت کو ترقی نہ ہوگی بلکہ اُن تمام لوگوں کا سرمایہ محفوظ ہو جائے گا، جو بنک کی اوپر بیان کی ہوئی حالت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے، ہر شخص جو دس بیس روپیہ ماہوار پس انداز کرتا ہو ان کمپنیوں میں جمع کرکے "شریک" یا "حصہ دار" بن جائے گا۔

بنک کے سُود سے اسقدر نفع حاصل نہیں ہوتا جسقدر اس قسم کے کاروبار میں ممکن ہے - اور روپیہ ہر حالت میں محفوظ - منافع وقت معینہ پر تقسیم ہو کر مل سکتا ہے؛ بنک کی طرح یہاں یہ صورت نہیں کہ آسانی سے معمولی سی ضرورت پر بھی روپیہ وصول کر لیا اور خرچ کر دیا۔

بلکہ اس طرح روپیہ صرف جمع نہیں ہوگا، اسمیں زیادتی بھی ہوگی، جب ملک کے متعدد افراد شریک ہو کر کام کرینگے تو بڑے سرمایہ سے کام چل سکے گا، اور جب سرمایہ کافی لگایا جائے گا تو منافع بھی ظاہر ہے کہ کافی ہوگا - یہ طریقہ نہایت مفید اور آسانی سے عمل کے قابل ہے جس سے ہمارے ملک کے متوسط الحال اور غریب لوگ بہت جلد دولتمند بن سکتے ہیں اور ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی کے آثار پیدا ہو جائینگے، اور غریب "ہندوستان" کو دولتمند بننے کی سخت ضرورت ہے!

تو مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو

(جناب مولوی منظور الحق صاحب کلیم)

سوز دروں کہیں لب مضطر بیاں نہ ہو
اک آگ ہو لگی ہوئی لیکن دھواں نہ ہو

بجلی نے جسکو اپنا نشیمن بنا لیا
باد صبا کہیں وہ مرا آشیاں نہ ہو

اے روح دیکھ بادہ ہستی سنبھل کے لے
ساقی کے ہاتھ سے یہ مرا امتحاں نہ ہو

جھک جھک کے کر رہا ہوں جو سجدۂ نیاز
تیرا ہی بے خبر یہ کہیں آستاں نہ ہو

تعبیر جسکو کرتی ہو ہستی کے نام سے
اے عقل سادہ کار یہ وہم و گماں نہ ہو

تو توڑ تیری چشم کرم پر ہیں رحمتیں
تو مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو

اس کا پتہ لگانے چلا ہوں دل حزیں
جس کے لئے قیود زمان و مکاں نہ ہو

گم ہو چلا ہوں تیری تجسس میں آپ سے
اے جلوۂ حبیب عیاں ہو نہاں نہ ہو

دامن ذرا بچائے ہوئے برق مضطرب
سامان صد فریب تو آشیاں نہ ہو

نظارۂ جمال کے مشتاق ہو کلیم
آ جلوہ گاہ طور کہیں مہرباں نہ ہو

سر تھامس لپٹن

(از چودھری تاراچند شانڈلیہ ایم اے)

لپٹن کا نام ہم لوگ بہت دنوں سے سنتے آئے ہیں لپٹن صاحب کی چائے تو دنیا میں مشہور ہی ہے۔ موجودہ وقت کے اس کروڑپتی جفاکش سوداگر کا جنم آئرلینڈ میں ایک بہت غریب خاندان میں ہوا تھا۔ مگر اُس کے ماں باپ نے مفلسی کی وجہ سے ٹامس لپٹن کو لے کر گلاسگو میں بود و باش اختیار کر لی تھی، اُسکے والد کپڑے کی مل میں ملازم تھے، اور مشکل سے تنگدستی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ لڑکپن میں ہی جب ٹامس لپٹن گلاسگو کے کسی اسکول میں پڑھتا تھا اُس کو اپنے کسی ساتھی سے معلوم ہوا کہ امریکہ بڑا مالدار ملک ہے۔ لیکن اُسی وقت سے اُس کے دل میں امریکہ جانے کی زبردست خواہش پیدا ہوگئی، پندرہ سال کی عمر میں ایک چھوٹے اسٹیمر پر خلاصی کا کام کرتے ہوئے وہ امریکہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

جب دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ نیویارک میں اُترا تو اُسے اصلی حالات کا علم ہوا مگر اُسنے ہمت نہ ہاری اور پھیری دیکر مال بیچنا شروع کر دیا۔ اسکے بعد اُسے پتہ چلا کہ کسی سلطنت میں زراعت کے کام کے لئے مزدوروں کی ضرورت ہے، وہ فوراً اُسیدھا مزدور بھرتی کرنے والی ایجنسی کے دفتر میں پہونچا اور اپنا نام تحریر کرا دیا۔ اس ملازمت میں اُس کو بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑی۔ جس کی وجہ سے اُس کی تندرستی خراب ہوگئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اُسنے اس کام کو چھوڑ دیا اور وہاں سے لوٹ کر واپس نیویارک آگیا، اسوقت اُس کا جسم بالکل لاغر اور کمزور ہو گیا تھا مگر تجربہ کافی بڑھ گیا تھا اُس کو کامیابی کا اصل راز معلوم ہو گیا تھا کہ دوسروں کی محنت و مزدوری کرنے کے بجائے اپنے کاروبار کے لئے ہی محنت کرنا کامیابی کا واحد اصول ہے۔ اسوقت اُسکے پاس کچھ ڈالر باقی تھے اُن کی مدد سے وہ اپنے گھر گلاسگو پہونچا سمندر کے اندر سفر کرنے سے اُس کی تندرستی بھی کچھ ٹھیک ہو گئی۔

گھر پہنچکر اُسنے اپنے رشتہ داروں سے درخواست کی کہ تجارت کرنے کے لئے اُسکو کچھ روپیہ قرض دیدیا جائے، ایک طویل بحث اور حجت کے بعد اُنھوں نے اکیس پونڈ دئے۔ اس رقم سے لپٹن نے پنساری کی دوکان شروع کی اور اُس کا نام لپٹن مارکیٹ رکھا۔

وہ بہت محنت سے ترتیب دیکر اپنی دوکان کو بہت خوبصورت اور آراستہ رکھتا تھا اُس کا قول تھا کہ دوکان کی سجاوٹ اور خریداروں کے ساتھ اچھے سلوک سے خریداری پر بہت اثر پڑتا ہے۔

امریکہ میں رہکر لپٹن کو اشتہار بازی کی اہمیت کا کافی علم ہو گیا تھا، آج سے پچاس سال پیشتر جب لپٹن نے اپنی دوکان شروع کی تو اشتہار بازی کے فوائد اور اہمیت سے بہت کم لوگ واقف تھے، بڑے بڑے سوداگروں کے علاوہ اور کوئی بھی اخبارات میں اشتہار شائع نہیں کراتا تھا۔ چھوٹے دوکانداروں کو تو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا تھا۔ لپٹن نے شروع میں تو کچھ ہینڈبل شائع کرا کر تقسیم کرائے، پھر وہ اخبارات میں بھی اشتہار شائع کرانے لگا، اپنے اشتہارات کو کارٹونوں کے ساتھ بھی شائع کرانا شروع کیا۔ لوگوں کی طبیعت کو اپنی تجارت کی طرف رجوع کرنے کے لئے اور بھی مختلف قسم کے طریقے اُسنے ایجاد کئے۔

متواتر محنت و کوشش کرنے سے اُس کا کام ترقی کرنے لگا اور کئی سال بعد اُس کو یہ آسائش نصیب ہوگئی کہ اُسنے اپنی دوکان پر دو آدمی ملازم رکھ لئے، وہ بہت کفایت شعاری سے کام کرتا تھا، اپنے لئے چھٹی بھی کم لیتا تھا اور اپنی تمام طاقت و کوشش اپنے کام کو ترقی دینے میں صرف کرتا تھا۔

ہاں ایک بات میں وہ غیر معمولی خرچ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا، یعنی اپنی والدہ کے آرام کے لئے، اُسکے واسطے اُسنے ایک مکان خرید کیا اور اُس کو خوب آراستہ کیا یہاں تک کہ اُس کی آرائش میں کوئی کمی نہ باقی رہنے دی۔

اس نوجوان نے اپنی زندگی کا پروگرام شروع میں ہی مرتب کر لیا تھا، معمولی کامیابی سے اُس کی تسلی نہ ہوتی تھی، کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے سوداگروں میں نام شمار کرانے کا خیال اُسے اوّل ہی سے تھا۔

گلاسگو کی چھوٹی سی دوکان سے شروع کر کے تمام ملک کے اندر اُسنے اپنی تجارت کی شاخیں قائم کر ڈالیں، مختلف مقامات میں اُسکے کارخانے جاری ہو گئے، اور لپٹن کے یہاں بہت سی اشیاء تیار ہونے لگیں، اُسنے سیلون میں چائے کے کھیت اور انگلینڈ میں پھل وغیرہ کے باغیچے خریدنے شروع کر دیئے، اشیاء خوردنی سے لدی ہوئی اُس کی گاڑیاں اور موٹریں سڑکوں پر دوڑنے لگیں۔

لپٹن کی تجارتی ترقی کا اندازہ اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ لپٹن چائے کے نمونوں کو رکھنے میں جو لکڑی کے صندوق استعمال ہوتے ہیں اُن کی صرف لکڑی ہی کی فروخت سے تقریباً اڑسٹھ ہزار روپیہ کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ صابون بنانے اور ٹین کے ڈبے تیار کرنے کے کارخانے بھی اُسنے جاری کئے اور اس طرح لپٹن کروڑپتی بن گیا۔

مگر کروڑپتی لپٹن نے اپنے مفلسی کے زمانے کو آجتک فراموش نہیں کیا ۱۹۲۶ء میں

[redacted]

ملکہ وکٹوریہ کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر آپنے پچیس ہزار پونڈ لندن کے غربا کو مفت کھانا دینے کے لئے دان دیا تھا۔ ہندوستان میں پلیگ کے شروع ہونے پر آپنے اتنی ہی رقم ریلیف کی امداد کے لئے دان دی تھی۔ جنگ کے موقع پر آپنے ایک بڑی رقم زخمیوں کی امداد کے لئے زخمیوں کی امداد کرنے والی امریکن انجمن (ریڈ کراس سوسائٹی) کو عطا کی تھی۔

۱۸۹۸ء میں ملکہ وکٹوریہ نے لپٹن کو سر کا خطاب دیا۔

لپٹن کو جسمانی محنت اور تجارت کا بہت شوق ہے اور ہر ایک قسم کے کھیل اُن کو بہت مرغوب ہیں، کام کی جا ہے کتنی ہی زیادتی ہو مگر وہ صاف اور کھلی ہوا میں بلاناغہ ورزش کرتے ہیں اسی لئے وہ بہت تندرست ہیں، فٹ بال کرکٹ وغیرہ کھیلوں کا انکو بہت شوق ہے۔ اُن کا قول ہے کہ جب میں کبھی لڑکے کو کرکٹ یا فٹ بال کی برائی کرتے سنتا ہوں تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اس کی تندرستی ٹھیک نہیں رہ سکتی۔

لپٹن بہت ہر دلعزیز شخص ہیں اپنے ساتھیوں کے لئے وہ سر تھامس نہیں بلکہ ٹامی ہی ہیں اپنے کارخانہ کے ملازمان کے ساتھ انکا برتاؤ اتنا اچھا ہے کہ آجتک انکے کارخانہ میں ایکبار بھی ہڑتال نہیں ہوئی۔ صبح سویرے اٹھکر وہ ایک گھنٹے کے لئے اپنے باغیچے میں روزانہ جاتے ہیں چھ یا سات گھنٹے سوتے ہیں اسی سے تندرست ہیں زندگی بھر میں انہوں نے کبھی سٹہ بازی نہیں کی۔

کتابوں کی قیمتیں

ملک کے حل طلب اقتصادی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ اُردو، فارسی اور عربی کتابوں کی قیمتیں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں اور اس زیادتی قیمت سے نہ تو کتاب بیچنے والوں کو نفع پہونچتا ہے اور نہ کتاب خریدنے والوں کو۔ کتابوں کی قیمتیں بڑھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض تاجران کتب کی عجلت ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے دواؤں کی طرح کتابوں کے اشتہارات پر سے بھی پبلک کا اعتماد اُٹھ گیا ہے اور پہلے اگر ایک روپیہ کی لاگت کے اشتہار سے دس روپے کی کتابیں آسانی سے بک جاتی تھیں تو اب دو دو روپے کی کتابیں بھی مشکل سے بکتی ہیں یعنی ایک روپیہ کی ایک کتاب بیچنے کے لئے ہمکو اوسطاً آٹھ آنے اُسکے اشتہار پر خرچ کرنے پڑتے ہیں، آٹھ آنہ فی روپیہ کی یہ کثیر رقم جو جبریہ ہمکو خرچ کرنی پڑتی ہے وہ نہ تو ہماری جیب میں آتی ہے اور نہ اُس سے ہمارے گاہکوں کو کچھ نفع پہونچتا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہمکو مستقل گاہکوں کی ایک ایسی تعداد مل جائے کہ جو نئی اور مفید کتاب ہم شائع کریں وہ شائع ہو۔ تو سی کم از کم اتنی تعداد میں فروخت ہو جایا کریں جس سے ہماری لاگت نکل آئے اور ہمکو اُس کے اشتہار پر تین یا چار آنے فی روپیہ سے زیادہ رقم خرچ نہ کرنی پڑے، ایسے مستقل گاہکوں کے لئے ہم اپنی کتابوں کی قیمتوں میں سوا پانچ آنے فی روپیہ کی آسانی سے رعایت کر سکتے ہیں۔

لہٰذا جو صاحبان کتب بینی کے شائق ہوں اور اتنی استطاعت رکھتے ہوں کہ اوسطاً ایک یا دو روپے کی ہماری کتابیں خرید سکیں وہ براہ کرم ہمارے مستقل معاونین کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرالیں اور ایک روپیہ بطور امانت پیشگی جمع کرادیں، یہ روپیہ جب واپس طلب فرمائیں گے ان کو واپس کر دیا جائے گا۔

ایک روپیہ پیشگی بھیجنے والے مستقل معاونین کے لئے کمپنی کی خاص مطبوعات پر سوا پانچ آنے فی روپیہ اور دیگر مطبوعات پر دو آنہ فی روپیہ تک کی خاص رعایت کیجائے گی اس لئے جو کتابیں مستقل معاونین خریدینگے، اُن کے اشتہارات پر ہماری لاگت بہت کم آئے گی۔

اُمید ہے کہ جو حضرات کتابوں کی قیمت کی زیادتی کے شاکی ہیں وہ اقتصادی مصالح کے لحاظ سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مستقل معاون بنجانے کو ترجیح دینگے۔

اگر آپ کتابوں کی تجارت کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں

تو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی کتابیں ہم سے معقول کمیشن پر خرید لیجئے، ہندوستان کے کسی مشہور مصنف کی کتابیں اتنی نہیں نکلتیں جتنی کہ حضرت خواجہ صاحب کی نکلتی ہیں اس لئے ان کتابوں کا اشتہار دیکر آپ معقول نفع حاصل کر سکتے ہیں، مشہور و مستند مصنفین کی کتابوں سے خواجہ صاحب کی کتابوں کا تبادلہ بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ لکھائی چھپائی اچھی ہو شرائط کمیشن و تبادلہ خط و کتابت سے طے کریں

ہمارے اشتہارات

ہمنے اب تک بھی اس کا بہت لحاظ رکھا ہے اور آیندہ خصوصیت سے خیال رکھیں گے کہ ہماری کتابوں کے اشتہارات میں کوئی بات خلاف واقعہ یا مغالطہ آمیز تحریر نہ کیجائے اور کتاب کی تعریف میں ایسے الفاظ یا ایسا پیرایہ بیان استعمال نہ کیا جائے جس سے اشتہار پڑھنے والوں کو دھوکہ ہو۔ اس لئے آپ ہماری کتابوں کے اشتہارات پر پورا بھروسہ کر سکتے ہیں اور اپنے اعتماد کے ذریعہ سے چند روز میں ہمکو اسکا موقع دے سکتے ہیں کہ ہم اپنی کتابوں کی قیمتوں میں کمی کر دیں۔

نیاز مندان حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی

کاروبار اور حسنِ انتظام

بھیجے ہوئے خطوط کی نقل

جو خط باہر سے ہمارے پاس آتے ہیں صرف انہی کا محفوظ رکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس بات کی بھی سخت ضرورت ہے کہ اپنے بھیجے ہوئے خطوں کی بالکل صحیح نقل رکھی جائے۔ اگر کاروبار بہت بڑے پیمانے پر نہیں ہے اور روزانہ سو چار سے زیادہ خط نہیں بھیجے جاتے ہیں تو یہ کافی ہے کہ ایک بڑی سی کتاب بنالی جائے اور روز کے روز جتنے خط بھیجے جائیں ان کی نقل اسمیں کردی جائے۔ لیکن بلا کسی ترتیب کے نقل کرتے چلے جانے میں ایک دقت لاحق ہوگی کہ اگر دو چار چھ مہینے کی مدت گذر جانے کے بعد کسی خاص خط کی ضرورت پڑی تو شروع سے ساری کتاب دیکھنی پڑے گی اور بہت ممکن ہے کہ اسمیں آدھا یا ایک گھنٹہ ضائع ہوجائے۔ اس دقت کو اس طرح بچایا جاسکتا ہے کہ کتاب کے شروع میں اس طرح کی ایک فہرست دیدی جائے کہ جیسی ذیل میں درج ہے:

الف۔ احمد حسن صاحب ٹھیکہ دار، دہلی	صفحہ ۲ و ۱۹ و ۱۵ و ۴۲
،، دیسا رام اینڈ کمپنی امرتسر	،، ۱۱ و ۲۶ و ۳۷ و ۴۷
،، الیاس بھائی اینڈ سنز کرافورڈ مارکیٹ بمبئی	،، ۲۴
ب۔ بالی اینڈ کو کلکتہ	،، ۲۱ و ۵۴
،، بختاور سنگھ زمیندار سیالکوٹ	،، ۷ و ۲۸ و ۶۵
،، بنواری لال دلال دالمنڈی بنارس	،، ۱۲ و ۳۴
ت۔ ترجنی سہائے بزاز بازار چوک لکھنؤ	،، ۸ (۱۰ ۶/۲۹) ۲۴ (۱۱ ۶/۲۹)
،، تفضل حسین جفت فروش کناری بازار آگرہ	،، ۱۴ (۱۷ ۹/۲۹)
،، تیرتھ رام، موچی دروازہ، لاہور	،، ۳۵ (۳ ۵/۲۹) ۵۲ (۲۱ ۱۰/۲۹)

جسوقت کوئی خط کتاب میں نقل کیا جائے اسی وقت اسکا صفحہ فہرست میں اس نام کے سامنے لکھ دیا جائے کہ جسے وہ خط بھیجا گیا ہے، اس طرح جب ہمیں کسی خاص خط کی تلاش ہوگی تو صرف یہ معلوم ہونا کافی ہے کہ وہ کسے بھیجا گیا تھا۔ ہم فوراً فہرست میں اس نام کے سامنے جو جو صفحے درج ہیں ان پر اس خط کو تلاش کرلینگے اور پوری کتاب کے ورق الٹنے کی زحمت سے بچ جائینگے، یہ بھی ممکن ہے کہ صفحہ کے نمبر کے ساتھ ہم وہ تاریخ بھی درج کردیں کہ جب وہ خط لکھا گیا ہے، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر ہمیں جس خط کی تلاش ہے اسکی تاریخ بھی معلوم ہے یا کم از کم مہینہ ہی معلوم ہے تو ہم اس نام کے بھی تمام خطوط پڑھنے کی دقت سے محفوظ رہینگے اور اس تاریخ کا خط جس صفحہ پر ہے یا زیادہ سے زیادہ اس مہینے کے خطوط جن جن صفحوں پر ہیں صرف انہی کو نکال لیں گے۔ صفحہ کے نمبر کے ساتھ تاریخ لکھنے کی مثال "ت" کے خانے میں دکھائی گئی ہے۔

کتاب میں جس جگہ کوئی خط نقل کیا جائے تو حوالہ کے طور پر اسی جگہ اگر ایک طرف کو اتنا لکھ دیا جائے کہ اس سے پیشتر کا خط فلاں صفحہ پر ہے، اور اس خط کے بعد جب پھر کوئی خط اسی شخص کو لکھا جائے تو اسی خط کے صفحے پر یہ بھی لکھ دیا جائیگا کہ اسکے بعد کا خط فلاں صفحہ پر ملے گا تو اس سے بھی بہت مدد ملجاتی ہے اور بار بار کتاب الٹ کر فہرست کو دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ فرض کیجئے کہ نقل کی کتاب کے صفحہ ۲۱ پر آپنے ایک خط نقل کیا جو اسمتھ اینڈ کمپنی کو بھیجا گیا ہے، آپ فہرست میں دیکھئے کہ اس سے پہلے جو خط اس کمپنی کو بھیجا گیا تھا وہ کون سے صفحہ پر ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ ۹ صفحہ پر ہے تو آپ اس خط کی نقل کے ختم پر صفحہ کے ایک کونے میں ۹ لکھ دیجئے اور جب پھر اسی کمپنی کو کوئی خط لکھا جائے تو اس تازہ خط کے کونے میں تو آپ صفحہ ۲۱ لکھ دیجئے جہاں اس سے پہلے کا خط نقل کیا ہوا ہے اور صفحہ ۲۱ پر جہاں آپنے کونے میں ۹ لکھا تھا اسی ۹ کے نیچے آج کے صفحہ کا نمبر لکھ دیجئے جو فرض کرلیجئے کہ ۵۴ ہے۔ تو اب آپ کی کتاب کے صفحہ ۲۱ پر اسمتھ اینڈ کمپنی کے نام ایک خط نقل کیا ہوا ہے اور ایک گوشہ میں $\frac{9}{54}$ لکھا ہوا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس سے پیشتر جو خط اسمتھ اینڈ کمپنی کو لکھا تھا اسکی نقل صفحہ ۹ پر ہے اور اسکے بعد جو خط لکھا گیا ہے وہ صفحہ ۵۴ پر ملے گا۔

خطوط کی نقل رکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کاغذ کی دو تہوں کے درمیان "کاربن پیپر" رکھ کر اوپر والے کاغذ پر ذرا سخت قسم کی پنسل سے یا قلم سے ذرا ہاتھ دبا کر لکھا جائے اسطرح جو کچھ اوپر والے خط پر لکھا گیا ہے وہی نیچے والے کاغذ پر بھی آجائے گا اور خط کے نقل کرنے میں جو وقت صرف ہوتا وہ بچ جائے گا۔

خطوط کی نقل کے لئے بنی بنائی کتابیں بھی بکتی ہیں جنھیں "لیٹر بک" یعنی خطوں کی کتاب کہتے ہیں ان میں ایک خاص قسم کے کاغذ کے سادے صفحے ہوتے ہیں جسے نقل کرنے کا کاغذ کہا جاتا ہے

اس کتاب میں خطوں کے نقل کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ جس خط کی نقل کرنی منظور ہو اسے نقل کرنے کی سیاہی سے جسے "کاپی انگ" کہتے ہیں لکھا جائے اور خشک ہو جانے دیا جائے (خشک کرنے کے لئے جاذب کاغذ استعمال کیا جائے) پھر جس صفحہ پر نقل کرنی ہو وہ صفحہ کھولکر اس کی پشت پر ایک موم جامہ کا ٹکڑا رکھ دیا جائے اور اس صفحہ کو پانی سے نم کر دیا جائے اسکے بعد ایک جاذب کاغذ کے ٹکڑے کے ذریعہ سے دبا کر جہاں جہاں زیادہ نمی ہو اسے کم کر دیا جائے تاکہ پورا صفحہ یکساں گیلا رہے۔ اسکے بعد وہ خط اس گیلے صفحہ کے برابر اس طرح رکھا جائے کہ حروف گیلے کاغذ کی طرف ہوں اور ایک دوسرا موم جامہ کا ٹکڑا خط کے پیچھے رکھ کر کتاب بند کر دیا جائے اور شکنجہ میں دبا دیا جائے، دبانے والے شکنجے ہر تقطیع کے بکتے ہیں اور بڑی کمپنیوں میں ایک شکنجہ کا ہونا ضروری ہو ایک وقت میں کئی کئی خطوں کی نقل بھی اسی طرح لیجا سکتی ہو، ہر کتاب کے صفحوں کی اوپر بھی اسی طریقہ پر تیار کیجا سکتی ہے

(سعید احمد)

تجارتی خط و کتابت

خطوط کے مختلف حصے

تجارتی خطوط میں مندرجہ ذیل باتیں ہوا کرتی ہیں:-

(۱) عنوان، جسمیں لکھنے والے کا پتہ اور تاریخ تحریر ہوتی ہو۔

(۲) تعارف، جسمیں مکتوب الیہ کا نام اور پتہ، اور القاب شامل ہیں۔

(۳) نفس خط،

(۴) اختتام جسمیں اس قسم کے الفاظ لکھے جاتے ہیں کہ "آپکا خادم" یا "آپکا نیاز مند" وغیرہ

(۵) بھیجنے والے کے دستخط۔

خطوط کے عنوان کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، تجارتی خط و کتابت میں جو القاب عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:- "جناب من" "جناب بندہ" "مکرم و محترم بندہ" "بندہ نواز" وغیرہ۔ خطوط کا اختتام بھی ایک معمولی بات ہو اور ہر شخص ان الفاظ سے واقف ہو جو ایسے موقعوں پر لکھے جاتے ہیں ذیل میں ایک مثال کے ذریعہ سے ان تمام اجزا خط کی توضیح کر دینے کے بعد نفس خط کا بیان بالتفصیل کیا جائے گا؛

مثال

حاجی کریم بھائی موسیٰ بھائی اینڈ کمپنی

تاجران بندوق و کارتوس وغیرہ

(۱) تار کا پتہ "تیر انداز" کلکتہ — نمبر ۲ چورنگی

ٹیلیفون نمبر ۵۶۴۰ — کلکتہ مورخہ ۱۶ / اکتوبر ۲۹ء

(۲) بخدمت گرامی جناب نواب اشتیاق حسن خاں صاحب

تعلقہ دار ملیح آباد

ضلع لکھنو

(۳) جناب والا

اکتوبر کا مہینہ جس کا مدتوں سے انتظار تھا آگیا، اور اب ہر جگہ قاز اور کلنگ کی بھرمار ہو، اس سال اگرچہ یہ پرند بہت بڑی تعداد میں آئے ہیں لیکن عام طور پر اچھے اچھے شکاریوں سے یہ بھی سنا گیا ہو کہ وہ بے حد چوکنے اور ہوشیار ہیں اور کسی طرح بھی شکاری کو اس قدر قریب نہیں آنے دیتے کہ معمولی بندوقوں کی زد میں آجائیں بہت سے پرانے پرانے اور اچھے شکاری بھی ابھی تک باوجود سخت کوشش کے انکے شکار کی مسرت سے محروم ہیں۔ ہر شخص کا خیال ہو کہ اس سال جسنے دو چار کلنگ یا قازیں بھی مارلیں وہ اپنے اس کارنامہ پر فخر کر سکے گا۔

آپکے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ آپ شکار کے معاملہ میں سب پر سبقت لے جانے کے بہت شائق ہیں لیکن معمولی مار کی بندوقوں سے خواہ کیسی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں اس سال کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرنی ناممکن ہو۔ ان بندوقوں کی مار عام طور پر ساٹھ ستر گز کی ہوتی ہو اور اس سال یہ پرند آپ کو اتنے قریب ہرگز نہ پہونچنے دینگے؛

حال ہی میں ہمارے یہاں ایک نئی بندوق آئی ہو اور اسکی مار سو گز سے بھی زیادہ ہو۔ اسکی نالیں بتیس انچ کی ہیں اور بہترین قسم کے لوہے سے بنائی گئی ہیں، کندے کے نقش و نگار انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، اور بحیثیت مجموعی یہ بندوق اس قدر حسین اور دلکش ہو کہ اگر اسمیں کوئی اور خوبی نہ بھی ہو تب بھی اسے دیکھ کر آپ اسے خریدنے سے باز نہ رہ سکیں گے، اس بندوق کے لئے ہمنے مخصوص فرمائش دیکر نہایت اعلیٰ قسم کے کارتوس بھی بنوا کر منگوائے ہیں اور اس بندوق میں یہ کارتوس چلا کر آپ بلا تکلف صرف چار نمبر کے چھرے سے قاز اور کلنگ کا شکار کر سکینگے؛

آپ ہر قسم کے شکار کا بہتر سے بہتر سامان رکھنے کے عادی ہیں اور قاز و کلنگ کے شکار کے لئے یہ بہتر سے بہتر بندوق اور کارتوس ہیں، اسی لئے ہم سب سے پہلے آپکو اطلاع دے رہے ہیں تاکہ ایسا موقع نہ آنے پائے کہ آپ کسی دوسرے کے پاس یہ بندوق دیکھ کر ہم سے شکایت کریں۔ قیمت بھی اس بندوق کی کچھ زیادہ نہیں ہو اور معمولی بندوقوں

قیمت پانچ تین سو چھتر روپئے میں آپ کو مل سکتی ہو۔

آپ جیسے خوش معاملہ دوساہ کے معاملہ میں کمپنی اپنے اس اصول کی کبھی پابند نہیں کہ صرف نقد ہی قیمت پر مال بیچے۔ آپکا صرف ایک پوسٹ کارڈ آجانا کافی ہو بندوق نہایت عمدگی کے ساتھ بکس میں بند کی ہوئی آپ کی خدمت میں پہونچ جائے گی؛

آخر میں ہم اتنا اور عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ نئی بندوقیں ہمارے یہاں تھوڑی ہی تعداد میں آئی ہیں اس لئے دیر میں فرمائش وصول ہونے پر ممکن ہو کہ ہم تعمیل حکم نہ کر سکیں اور اس سال خدانا کردہ آپ قاز کے شکار کی حقیقی مسرت سے محروم رہجائیں۔

(۴) ہمیں قوی امید ہو کہ آپ جلد سے جلد فرمائش بھیجکر ہمیں یہ ثابت کرنے کا موقع دینگے کہ ہمیں آپکی شکاری ضرورتوں کا کس قدر خیال رہتا ہو۔

آپکے خادمان قدیم

حاجی کریم بھائی موسیٰ بھائی اینڈ کمپنی

(۵) نفس خط

نفس خط سے خط کا وہ حصہ مُراد ہوتا ہو جسمیں پیغام درج ہوتا ہو کہ جو خط لکھنے والے نے مکتوب الیہ کے نام بھیجا ہو۔ خط کے باقی جتنے اجزار ہیں وہ ایک خوبصورت اور حسین کھٹے کا کام دیتے ہیں اور اس چوکھٹے میں جو تصویر رکھی جاتی ہو وہ یہی پیغام ہو۔

خطوط کی ابتدار بالعموم ایسے الفاظ سے کیجاتی ہو کہ جن سے فخرو غرور کی بو تو ہرگز نہ آئے لیکن جن کا خط پڑھنے والے پر یہ اثر ضرور پڑے کہ خط کسی معمولی حیثیت یا قابلیت کے آدمی کا نہیں ہو تا کہ جب وہ اصل مضمون پر پہونچے تو اسوقت اسکے دل میں لکھنے والے کی یا اسکی رائے کی کسی نہ کسی حد تک عظمت قائم ہو چکی ہو یہ بھی ضروری ہو کہ اگر کسی پیشتر کے خط کا حوالہ دینا منظور رہی تو اس کا ذکر بھی ابتدائی سطور میں آجانا چاہیے، اگر ممکن ہو تو انہی ابتدائی سطروں میں اس تمام تفصیل کا ایک جامع اور پُرزور خلاصہ بھی لکھ دینا چاہیے کہ جو آگے آنے والی ہو۔

خط کو کئی ایک پیراگرافوں میں تقسیم کر دینے سے اس کا ظاہری اور معنوی حسن بہت بڑھ جاتا ہو، اور اگر یہ پیراگراف قریب قریب یکساں بڑے ہوں تو نگاہوں پر بہت ہی اچھا اثر پڑتا ہو، لیکن یہ اثر پیدا کرنے کے لئے نفس مضمون کو ہرگز خراب نہ کرنا چاہیے۔ پیراگراف اگر زیادہ بڑے نہ ہوں تو انھیں پڑھ لینے کو مکتوب الیہ کا جی چاہتا ہو، لیکن اگر بڑے بڑے ہوں تو گو وہ پڑھتا ضرور ہو لیکن اس کی طبیعت کسی قدر برداشتہ سی ہوتی ہو۔ پیراگرافوں کے عمدہ اثر کو دیکھ کر اب اکثر اہل الرائے کا یہ خیال ہو گیا ہو کہ خواہ مطلب پورا نہ بھی ہوا ہو تب بھی تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے نیا پیراگراف شروع کر دینا چاہیے؛

خطوط کے جواب

کسی کے خط کا جواب لکھتے وقت اس غرض سے کہ کوئی مسئلہ نظر انداز نہ ہو جائے یہ مناسب ہوگا کہ جس ترتیب سے وہ باتیں خط میں لکھی ہوئی آئی ہیں اسی ترتیب سے ایک ایک کو لے کر ان کا جواب بھی لکھا جائے، اگر اپنی طرف سے کوئی بات کہنی ہو تو اسے آخر میں لکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ جو ایسے معاملات ہوں کہ جن پر خط وکتابت کچھ عرصہ سے چل رہی ہو انھیں پہلے لے لیا جائے تو بہتر ہو۔ ایسے معاملات یا ایسی باتیں کہ جن سے مکتوب الیہ کو دلچسپی ہو اگر شروع خط میں ان کا ذکر کر دیا جائے گا تو یقینی طور پر اس کی دلچسپی خط کے ساتھ بڑھ جائے گی اور وہ اسے بہت توجہ سے پڑھیگا۔

بعض خطوط میں ایک سے زیادہ مختلف باتوں کا ذکر ہوتا ہو۔ ایسی صورت میں بہتر ہوگا کہ ہر مختلف چیز کا ذکر علیحدہ اور شروع کرنے سے پہلے یا تو دو سطروں کے بیچ میں یا حاشیہ پر اس کا عنوان لکھ دیا جائے۔ خط کے آخر میں مکتوب الیہ کا شکریہ اسے تکلیف دہی کی معذرت، اور اسکی خدمت کے لئے اپنی آمادگی کا اگر اظہار کر دیا جائے تو اس کا اثر مکتوب الیہ پر بہت اچھا پڑتا ہو؛

ان تمام باتوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ہر تجارتی خط کے نو مختلف حصے ہوتے ہیں

(۱) عنوان خط،

(۲) تاریخ،

(۳) پتہ (مکتوب الیہ کا)

(۴) القاب،

(۵) ابتدائی تعارف،

(۶) نفس خط،

(۷) حاصل تحریر،

(۸) اختتام،

(۹) دستخط،

مندرجہ ذیل مثال سے یہ تمام اجزار بخوبی سمجھ میں آجائینگے:۔

دی حسن نظامی الیسٹرن ٹریچر کمپنی لمیٹڈ

(۱) بازار کھیلی والان دہلی — تار کا پتہ:۔ "اردو"

(۲) ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۹ء

(۳) بجناب مرزا عزیز بیگ اینڈ سنس
بھاٹی دروازہ، لاہور

(۴) جناب والا

(۵) آپکی کمپنی کا بلا اُجرت اشتہار!

(۶) گذشتہ کچھ عرصہ میں مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں پر جو مصیبت آئی اس سے آپ ناواقف نہ ہونگے، اور اگر تائید ایزدی سے آپنے ان مشکلات پر غلبہ حاصل کر لیا ہو اور ابھی تک کاروبار کر رہے ہیں تو از راہ کرم منسلکہ فارم کی خانہ پری کرکے واپس کر دیجئے تاکہ ہم اپنی ڈائرکٹری میں آپکا نام بھی ان خوش معاملہ کمپنیوں کی فہرست میں شامل کر دیں جن کی خوش انتظامی اور خوش معاملگی نے انھیں فنا ہونے سے بچا لیا۔

آپکا نام اپنی ڈائرکٹری میں شامل کرنے، اور آپکی اخبار تجارت کا اسی طرح اشتہار دینے کے لئے ہم آپ سے کوئی معاوضہ طلب نہ کرینگے، اور بلا کسی قسم کے صرفہ کے آپکے نام سے اور آپکے اپنی مشکلات پر غالب آنے کے حال سے تمام دنیائے تجارت واقف ہو جائیگی،

(۷) اس اشتہار کا آپکی تجارت پر نہایت اچھا اثر پڑیگا اس لئے آپ اس فارم کے واپس کرنے میں دیر نہ کیجئے۔

(۸) ہم ہیں

آپکے نیازمند

(۹) حسن نظامی ایسٹرن ٹریڈنگ کمپنی لمیٹیڈ

خطوط پر دستخط ہمیشہ سیاہی سے کرنے چاہئیں اور دستخط ایسے نہ ہونے چاہئیں جن سے شیخی یا نمود کا اظہار ہو۔ (مسعود احمد)

تجارتی حساب کتاب

(سلسلہ کے لئے دیکھئے کامیابی ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء)

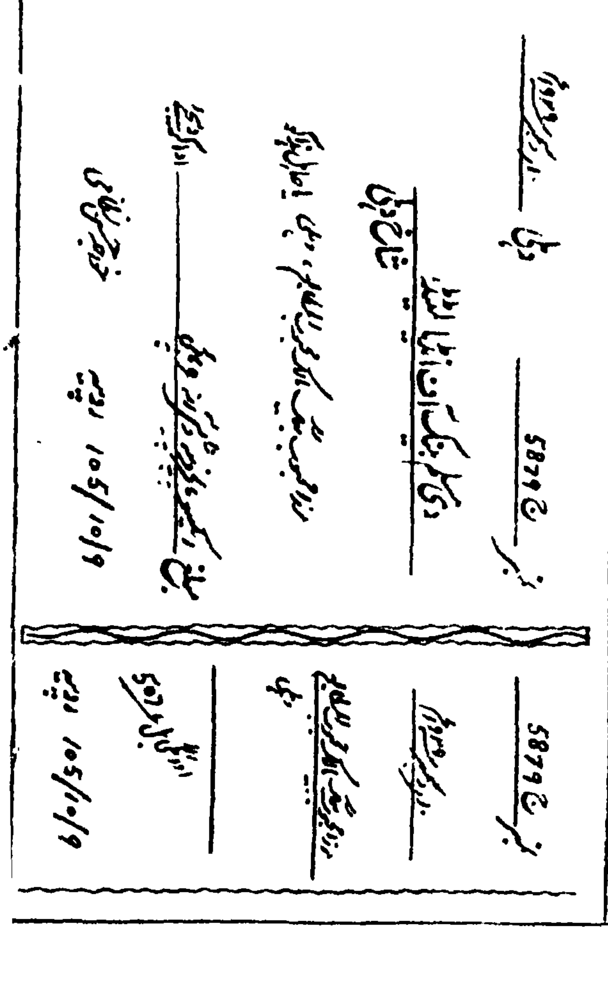
روزنامچہ نقدی

بینک کا حساب

اس سے پہلے مضمون میں روزنامچہ نقدی کے لکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ ان صورتوں کے لئے موزوں ہے، جبکہ تحویل نقد صرف ایک ہی شخص کے پاس یا ایک ہی جگہ رہے۔ لیکن بڑے کاروبار میں مختلف شعبجات کی تحویلات نقد عموماً مختلف اشخاص کے پاس رہتی ہیں، اور ہر ایک تحویلدار کی تحویل کا حساب "روزنامچہ نقدی" میں علیحدہ علیحدہ دکھایا جاتا ہے خصوصاً جب سے بینکوں کا رواج ہوا ہے اُس وقت سے تو چھوٹے چھوٹے کاروباروں میں بھی تحویل نقد کا بڑا حصہ بینک میں رہتا ہے۔ اور تھوڑا سا بقدر ضرورت دفتر میں، اس لئے تقریباً تمام کاروباروں میں "روزنامچہ نقدی" ایسا رکھا جاتا ہے کہ اُس سے دفتر کی تحویل نقد کا بھی حساب معلوم ہوتا رہے، اور بینک کی تحویل نقد کا بھی،

قبل اسکے کہ دفتر اور بینک کی تحویلات کا مشترکہ حساب لکھنے کے لئے "مشترکہ روزنامچہ نقدی" لکھنے کا طریقہ بتایا جائے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بینکوں کی تحویل یعنی بینکوں میں روپیہ جمع کرنے اور نکالنے کے متعلق جو باتیں ایک سیاہہ نویس کو لازمی طور پر جاننی چاہئیں، وہ بیان کردی جائیں،

بینک میں حساب کھولنا بینک میں حساب کھولنے یعنی بینک کو اپنا تحویلدار بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے کسی معتبر بینک کا انتخاب کرکے اُسکے منیجر سے حساب کھولنے کی درخواست کی جائے، درخواست موصول ہونے پر بینک کا منیجر درخواست کنندہ کی مالی حالت کے متعلق اپنا اطمینان کرنے کے بعد جب قبول کرے تو درخواست کنندہ سے کچھ روپیہ جمع کراکر اُس کا حساب کھلوا دیگا۔ حساب کھلوانے والے کو بینک سے ایک چیک بک ملتی ہے اور ہر چیک کے ساتھ ایک مثنیٰ لگا ہوگا۔ چیک کا نمونہ ذیل میں درج ہے،



چک جس کا اُردو ترجمہ "پروانۂ ادائگی" کیا جا سکتا ہے، بینک کے نام اس مضمون کا ایک غیر مشروط تحریری حکمنامہ ہوتا ہے کہ وہ حکمنامہ بھیجنے والے کے حساب میں سے اُس شخص کو جس کا نام چک مذکور میں تحریر ہو ایک معین رقم چک تحریر کرنے والے کی طرف سے بوقت طلب ادا کر دے۔

جب کوئی شخص اپنے کسی قرضخواہ کو بینک کے ذریعہ سے کوئی رقم دلوانا یا اپنی ذاتی ضروریات کے لئے بینک سے کچھ رقم نکلوانا چاہتا ہے تو وہ اُس رقم کا ایک چک قرضخواہ کے یا اپنے کسی معتبر آدمی یا خود اپنے نام تحریر کرکے دیدیتا ہے۔ (اسکو چک کاٹنا کہتے ہیں) پھر وہ چک کے مثنیٰ پر "پابندہ" کا نام (یعنی اُس شخص کا نام جسکے حق میں چک تحریر کیا گیا ہو) اور رقم کی تعداد وغیرہ بطور یادداشت کے تحریر کر لیتا ہے۔ اور چونکہ مثنیٰ پر بھی وہی نمبر چھپا ہوا ہوتا ہے جو چک پر ہوتا ہے اسلئے مثنوں سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں نمبر کا چک کس کو دیا گیا، اور کیوں دیا گیا۔

چک، کاٹنے سے پہلے، چک کاٹنے والے کو، اس کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ بینک میں اُس کی اتنی رقم موجود ہے یا نہیں، جو ادائگی چک کے لئے کافی ہو سکے، اگر کافی رقم بینک میں موجود نہ ہوئی تو بینک ادائگی چک سے انکار کر دے گا۔ یعنی چک واپس کر دیگا چک کے واپس ہو جانے سے چک کاٹنے والے کی ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے، اور ایک دفعہ کے تلخ تجربہ کے بعد دوسری مرتبہ قرضخواہ اُس کا چک قبول کرنے پر مشکل سے رضامند ہوتا ہے۔ بلکہ مال کی قیمت نقد رکھوا لیتا ہے جس سے تاجر کو تکلیف و پریشانی بھی ہوتی ہے اور وہ اپنے کاروبار کو کافی حد تک وسعت نہیں دے سکتا۔

"چلتا قرض" اگر کسی تاجر کی مالی حالت ایسی نہ ہو کہ وہ اپنی ضروریات کے لئے کافی رقم بینک میں جمع رکھ سکے، تو وہ بینک سے "چلتا قرض" کا انتظام کر سکتا ہے، ایسی صورت میں بینک غالباً اُس سے جائداد وغیرہ یا کسی ذی حیثیت شخص کی ضمانت طلب کریگا، اور ضمانت دیدینے پر بینک ایک رقم معین تک اُسکے چکوں کی ادائگی کرتا رہے گا۔

جو رقومات بینک اُس کو فاضل (یعنی جمع شدہ رقم سے زائد) ادا کریگا، اُن کی بابت تاجر بینک کا قرضدار ہو جائے گا، ایسے قرض کو کاروباری اصطلاح میں "چلتا قرض" کہتے ہیں۔

"غیر تخصیصی اور تخصیصی چک" چک غیر تخصیصی بھی ہو سکتا ہے اور تخصیصی بھی! "غیر تخصیصی" چک وہ ہوتا ہے جس میں پابندہ کے نام کے بعد "یا حامل ہذا" کے الفاظ تحریر ہوتے ہیں، اور "تخصیصی" چک وہ ہوتا ہے جس میں "یا حامل ہذا" کے الفاظ کو کاٹ کر "یا حسب ہدایت" کے الفاظ بنا دئے جاتے ہیں۔ "غیر تخصیصی چک" کا روپیہ بینک ہر اُس شخص کو ادا کر سکتا ہے جو چک مذکور کو بینک میں پیش کرے، خواہ وہ پیش کرنے والا کوئی چور اور دھوکہ باز ہی کیوں نہ ہو، لیکن "تخصیصی چک" کا روپیہ بینک سے اُس وقت تک وصول نہیں ہو سکتا جب تک کہ "پابندہ" چک کی پشت پر دستخط نہ کر دے!

"چکوں کا منتقل یا بیچا کرنا" جس "تخصیصی چک" کی پشت پر پابندہ چک اپنے حروف میں دستخط کر دیتا ہے، جو حروف چک کاٹنے والے نے اُس کے نام میں لکھے ہیں، وہ چک "غیر تخصیصی" ہو جاتا ہے؛ یعنی اُس کا روپیہ بھی ہر حامل چک کو مل سکتا ہے۔

اگر کسی "تخصیصی چک" کا پابندہ اُس چک کو بجائے خود بھنانے کے کسی تیسرے شخص کو دینا چاہے تو وہ اُس کی پشت پر دستخط کرکے دے سکتا ہے، اور تیسرا شخص چوتھے شخص کو وعلیٰ ہذا القیاس، چکوں کے منتقل کرنے کے اس عمل کو کاروباری اصطلاح میں "چکوں کا بیچا کرنا" کہتے ہیں!

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ چک ایک قابل انتقال دستاویز ہے جسکو ایک شخص دوسرے کے نام محض حوالگی کے ذریعہ سے (اگر چک غیر تخصیصی ہو) یا دستخط و حوالگی کے ذریعہ سے (اگر چک تخصیصی ہو) منتقل یا بیچا کر سکتا ہے۔

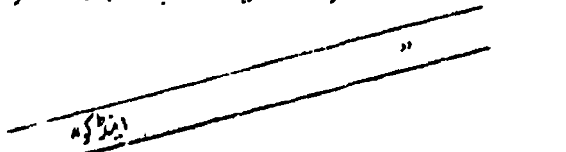
عبارات انتقال کی قسمیں جن ظہری عبارات کے ذریعہ سے چک ایک دوسرے کے نام منتقل کئے جاتے ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں، اگر چک کی پشت پر پابندۂ چک کے صرف دستخط ہوں اور کسی خاص شخص کو اُس چک کا روپیہ ادا کرنے کی ہدایت نہ ہو تو ایسے انتقال کو **انتقال غیر تخصیصی** کہیں گے، لیکن اگر پابندے کے دستخطوں سے اوپر یہ عبارت بھی ہوگی

"اس چک کا روپیہ .... کو دیدیا جائے"

تو ایسے انتقال کو **انتقال تخصیصی** کہا جائے گا۔

غیر تخصیصی چکوں کے متعلق ہمیشہ اس کا خطرہ رہتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ پڑ جائیں جو ان کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرکے ان کی رقم اپنے تصرف میں لے آئے یہ خطرہ تخصیصی چکوں کی صورت میں بھی پیش آسکتا ہے لیکن تخصیصی چک کے چرانے والے کو اُسکے بھنانے کے لئے چوری کے جرم کے علاوہ جعلسازی کے جرم کا بھی ارتکاب کرنا پڑیگا کیونکہ بغیر اصلی مالک چک کے دستخط بنائے ہوئے اُسکو چک کا روپیہ نہیں مل سکے گا۔

خط کشیدہ چک مذکورہ بالا خطرہ سے بچنے کے لئے چکوں کو خط کشیدہ کیا جا سکتا ہے، اسکا طریقہ یہ ہے کہ چکوں پر دو متوازی خطوط کھینچکر اُنکے درمیان میں کبھی تو "اینڈ کو" کے الفاظ لکھ دئے جاتے ہیں اور کبھی کچھ نہیں لکھا جاتا۔ اسطرح۔



چکوں کو خط کشیدہ کر دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ چک کا پابندہ، یا قابض اُس چک کا روپیہ بینک سے نقد نہیں وصول کر سکتا، ایسے چک کو لازمی طور پر کسی بینک کے حساب میں داخل کرنا ہوگا، اور بینک خود اُس چک کا روپیہ وصول کرکے حساب میں جمع

کرے گا اگر خط کشیدہ، چک تخصیصی بھی ہو تو اس پر پابندہ کو دستخط بھی کرنے ہونگے؛

خط کشیدہ چکوں کی قسمیں

عبارات انتقال کی طرح "خط کشیدگی" کی بھی کئی قسمیں ہیں، اگر متوازی خطوط کے درمیان بجائے "اینڈ کو" کے الفاظ کے کسی خاص بنک کا نام درج کر دیا جائے گا تو وہ چک صرف اسی بنک کے کسی حساب میں جمع ہو سکے گا۔ اس قسم کی خط کشیدگی کو **خط کشیدگی خاص** کہتے ہیں؛

خط کشیدگی کے ساتھ مذکورہ قیود کے علاوہ اور قیود بھی بڑھائی جا سکتی ہیں مثلاً متوازی خطوط میں سے پہلے خط کے اوپر یہ بھی لکھا جا سکتا ہو "بحساب پابندہ خط کشیدہ چک" ان الفاظ کے بڑھا دینے سے چک سوائے پابندہ چک کے حساب کے اور کسی کے حساب میں جمع نہیں ہو سکتا۔ چکوں کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ چک لینے والے کو اسکا تو اختیار ہو کر وہ اس چک پر ایسی تخصیصی عبارات و نقوش بنائے جن سے اس چک کی ادائگی محدود و مخصوص ہو جائے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں ہو کر وہ تخصیصی عبارات و نقوش کو جو پہلے سے چک پر موجود ہوں کاٹے یا منسوخ کرے یعنی وہ اپنے مقبوضہ چک کی ادائگی کو پابند قیود کر سکتا ہو، لیکن جن قیود ادائگی کے ساتھ چک اس کو ملا ہو ان کو ہٹا نہیں سکتا اور نہ وہ چک کاٹنے والے کی بلا اجازت چک کی تاریخ یا تعداد رقم وغیرہ میں کوئی تبدیلی و ترمیم کر سکتا ہو۔ اس قسم کی ہر ایک ترمیم پر چک کاٹنے والے کے دستخطوں کا ہونا ضروری ہو۔

مندرجۂ بالا بیانات کو بغور پڑھنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ سوائے اس خط کشیدہ چک کے جس پر "بحساب پابندہ" کے الفاظ تحریر ہوں، اور جس کا بنک کے حساب میں جمع کرنا لازمی ہو اور تمام چک بنک میں بھی جمع کئے جا سکتے ہیں، دوسروں کے نام منتقل بھی کئے جا سکتے ہیں، اور اگر خط کشیدہ نہ ہوں تو ان کا روپیہ نقد بھی مل سکتا ہو لیکن عام طور پر کاروباری دنیا کا معمول ہو کہ موصولہ چکوں کو بنک کے حساب ہی میں جمع کرایا جاتا ہے کیونکہ اول تو چکوں کے خط کشیدہ کرنے کا طریقہ عام طور پر رائج ہو گیا ہو، علاوہ ازیں کاروباری مصالح بھی اسی کے مقتضی ہیں کہ چکوں کو بنک میں جمع کرا دیا جائے،

چک اور روپیہ جمع کرانے کی کتاب

بنک میں نقد روپئے اور چکوں کے جمع کرانے کے لئے بھی عموماً گاہکوں کو ایک کتاب ملا کرتی ہو جس کے ایک فارم کا نمونہ ذیل میں درج ہو؛

(مثنیٰ)

دہلی، ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۳ء

تفصیل	چک			نقد و نوٹ		
چک نیشنل بنک لمیٹڈ دہلی نمبر 68787	410	-	-			
چک الہ آباد بنک " نمبر 8989	35	9	-			
چک ڈاکخانہ دہلی از نمبر 2659 تا 2689	703	12	-			
۶۰ عدد کرنسی نوٹ تعدادی فی سو روپیہ				600	-	-
۲۵ " " " فی دس روپیہ				250	-	-
نقد روپیہ و ریزگاری				107	12	9
	1149	5		957	12	9

دی مسلم بنک آف انڈیا لمیٹڈ، دہلی

دہلی، ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۳ء

دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کے حساب میں

مبلغ، دو ہزار ایک سو سات روپے بارہ آنے نو پائی، حسب تفصیل مندرجۂ ذیل جمع کر لیجئے

تفصیل	چک			نقد و نوٹ		
چک نیشنل بنک لمیٹڈ، دہلی نمبر 68787	410	-	-			
چک الہ آباد بنک لمیٹڈ دہلی نمبر 8989	35	9	-			
چک ڈاکخانہ دہلی از نمبر 2659 تا 2689	703	12	-			
۶۰ عدد کرنسی نوٹ تعدادی فی ۱۰۰ روپئے				600	-	-
۲۵ " " " فی ۱۰ روپئے				250	-	-
نقد روپیہ و ریزگاری				107	12	9
میزان	1149	5	-	957	14	4

روپیہ 2107/1/9 دستخط جسنے داخل کیا

اس فارم میں رقم کے دو خانے ہیں، پہلے خانہ میں صرف چکوں کی رقومات درج کیجاتی ہیں اور دوسرے خانہ میں نقد روپئے کی (جس میں نوٹ، روپئے اور ریزگاریاں وغیرہ سب شامل ہیں) اور دونوں خانوں کی میزان نقد روپئے اور چکوں کی اُس مجموعی رقم کو ظاہر کرتی ہو جو بنک میں جمع کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہو - چک جو جمع کرائے جاتے ہیں اُنکے ساتھ بنکوں کا نام اور چکوں کا نمبر بھی احتیاطاً درج کر دیا جاتا ہو - جب بنک کے حساب میں کوئی رقم بذریعۂ چک یا نقد جمع کرائی جاتی ہو تو اُس کے ساتھ روپیہ جمع کرنے کی کتاب بھی (فارم کی مندرجہ بالا طریقہ پر خانہ پُری کرکے) بنک میں پیش کرنی پڑتی ہو - بنک کا خزانچی چکوں کو اور روپئے کو سنبھال کر بڑے فارم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہو اور چھوٹے فارم یعنی مثنیٰ پر بنک کا منیجر دستخط کرکے روپیہ جمع کرنے والے کو واپس کر دیتا ہو اور یہی دستخطی مثنیٰ بنک کی رسید کا کام دیتا ہو - نقد روپیہ تو فوراً جمع کرانے والے کے حساب میں بنک جمع کر لیتا ہو لیکن دوسرے بنکوں کے چکوں کو بعض بنک اُس وقت تک جمع کرنے والے کے حساب میں جمع نہیں کرتے جب تک کہ چکوں کا روپیہ انکو دوسرے بنکوں سے وصول نہیں ہو جاتا، کیونکہ بعض اوقات دوسرے بنک چک کاٹنے والے کے حساب میں کافی روپیہ نہ ہونے یا کسی اور خرابی کی وجہ سے چک واپس کر دیتے ہیں جو بنک نقد روپئے کی طرح چکوں کو بھی جمع کرنے والے کے حساب میں فوراً جمع کر لیتے ہیں ان کو کسی چک کے غیر ادا شدہ واپس آنے کی صورت میں اُس چک کی رقم پھر جمع کرنے والے کے حساب کے نام ڈالنی پڑتی ہو اور وہ چک جمع کرنے والے کو واپس کر دیا جاتا ہو۔

پاس بک یعنی بنک کی کتاب

بنک کی طرف سے گاہک کو ایک کتاب اور بھی ملتی ہو جس کا نام پاس بک ہو، یہ کتاب اس لئے دیجاتی ہو کہ جتنی رقمیں گاہک کے حساب میں جمع ہوں یا گاہک کی طرف سے ادا کی جائیں ان کا حساب اُسمیں درج ہوتا ہو، بنک میں جو گاہک کا کھاتہ رکھا جاتا ہو پاس بک میں عموماً اُسی کھاتہ کی نقل کر دی جاتی ہو - لیکن چونکہ پاس بک بنک میں نہیں بلکہ گاہک کے پاس رہتی ہو اس لئے عملاً یہ ناممکن ہوتا ہو کہ جتنی رقومات بنک میں جمع کی جائیں یا بنک سے کسی کو دلوائی جائیں وہ فوراً پاس بک میں درج ہو جائیں بلکہ عام طور پر یہ ہوتا ہو کہ پندرہویں بیسویں دن یا ماہوار پاس بک بنک میں بھیجدی جاتی ہو اور بنک کا کلرک اُس پر گاہک کے کھاتہ کی نقل اُتار دیتا ہو - جب پاس بک تحریر ہو کر گاہک کے پاس واپس آتی ہو تو گاہک اُس کا اپنے نجی حساب سے اور چکوں کے مثنوں وغیرہ سے مقابلہ کرکے یہ دیکھ لیتا ہو کہ حساب میں کچھ غلطی تو نہیں ہو اگر غلطی ثابت ہوتی ہو تو وہ بنک سے اُس کی تصحیح کراتا ہو۔

پاس بک کے فارم کا نمونہ درج ذیل ہو۔

تاریخ	تفصیل	نام			جمع			[illegible]	باقی		

تاریخ کے خانہ میں رقم کے بنک میں وصول ہونے یا بنک سے دئے جانے کی تاریخ درج کی جاتی ہو - تفصیل کے خانہ میں جمع شدہ اور ادا شدہ رقومات کی مختصر کیفیت ہوتی ہو کہ کسنے جمع کی یا کس کو ادا کی گئی نام کے خانہ میں وہ رقومات درج ہوتی ہیں جو بنک میں جمع کی جاتی یعنی بنک کو وصول ہوتی ہیں جمع کے خانہ میں وہ رقومات درج کی جاتی ہیں جو بنک اپنے گاہک کی طرف سے ادا کرتا ہو - باقی کے خانہ میں حساب کی باقی درج کی جاتی ہو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ بنک کی تحویل میں گاہک کی کتنی رقم موجود ہو یا گاہک کے ذمہ بنک کی کتنی رقم فاضل پہونچی ہو فاضل رقم بنک اُسی حالت میں دے سکتا ہو جبکہ پہلے اُسکے ساتھ چلتا قرض کا انتظام کر لیا گیا ہو - جمع اور باقی کے خانوں کے بیچ میں جو ایک چھوٹا خانہ اور ہو اور جس پر نام یا جمع کے الفاظ تحریر ہیں وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے ہو کہ باقی کے خانہ میں جو رقم درج ہو وہ باقی نام کی رقم ہو یا باقی جمع کی یعنی وہ رقم گاہک کی بنک کے ذمہ چاہئے یا بنک کی گاہک کے ذمہ - اگر باقی باقی نام ہوتی ہو تو پہلے خانہ میں صرف نام کا لفظ تحریر کر دیا جاتا ہو اور اگر باقی باقی جمع ہوتی ہو تو پہلے خانہ میں جمع کا لفظ لکھ دیا جاتا ہو

بنک میں حساب کھولنے کے فوائد

بنک میں حساب کھولنے سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں :- رقومات کی ادائگی عموماً چک کے ذریعہ سے ہوتی ہو جو نقد ادائگی کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ صورت ہو، دوسرے شہر کے لوگوں کے پاس روپیہ بذریعۂ ڈاک بھیجنے میں آسانی ہوتی ہو کیونکہ بجائے منی آرڈر یا بیمہ بھیجنے کے انکو صرف بنک کا چک بھیجدیا جاتا ہو - گھر یا دفتر میں زیادہ روپیہ رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان رہتا ہو - موصولہ چکوں کے بھنانے میں دقت نہیں ہوتی اگر حساب میں کافی رقومات جمع رہیں تو بعض بنک اُن پر سود بھی دیتے ہیں، ان سب خدمات کے صلہ میں بنک ایک نہایت معمولی کمیشن حساب کھولنے والوں سے چارج کرتا ہو جو عموماً ایک یا دو روپیہ ششماہی سے زائد نہیں ہوتی۔

حفظانِ صحت اور علاجِ امراض

ہمارے گھر

"درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست"

بالکل صحیح اور بالکل درست، لیکن بدقسمتی سے ہم ابھی اس حد تک نیقر بھی تو نہیں ہوگئے ہیں کہ نہ گھر ہو نہ در۔ ہم مفلس ہیں نادار ہیں، بھوکے ہیں محتاج ہیں، لیکن ان تمام خرابیوں کے باوجود ابھی تک ہماری کم از کم نوے فیصدی آبادی کسی نہ کسی قسم کے گھروں ہی کے اندر رہتی ہو اور دھوپ اور مینہ سے بچنے کے لئے عمدہ اور پکے مکان نہ سہی لیکن کچی دیواروں پر گھاس پھونس کے چھپر ڈالکر بنائے ہوئے جھونپڑے ضرور موجود ہیں، اور جسوقت تک ہم کسی محدود چار دیواری کو اپنے گھر کے نام سے پکارتے ہیں اسوقت تک ہمارا فرض ہو کہ اسے ہم ایسی حالت میں رکھیں کہ انسانیت کے شرف کو بٹا نہ لگے، اور چوپایوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔

میں اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہوں کہ ہمارے اہلِ ملک کی آمدنی کا اوسط فی کس ڈیڑھ آنہ روز ہی، اور مجھے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہو کہ صدیوں کی غلامی نے ہم سے انسانی مجد و شرف قریب قریب بالکل ہی چھین لیا ہو، لیکن اس علم کے باوجود میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اگر ہم چاہیں تو ہمارے گھر اس سے بہت بہتر حالت میں رہ سکتے ہیں کہ جس حالت میں وہ آج دیکھے جاتے ہیں، گھروں کو انسانی بود و باش کے قابل رکھنے کے لئے دولت کی کچھ ایسی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی، گھروں کی آرایش اور زیبائش یقیناً روپے کے بغیر نہیں ہوسکتی، لیکن گھروں کی صفائی کے لئے ایک جھاڑو اور ایک پھٹے پرانے چیتھڑے کے سوا اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ پانی ہو جسکے پیدا کرنے میں ہمارے ملک کے ساتھ تو قدرت نے ضرور ہی انتہائی فیاضی سے کام لیا ہو۔

اپنی موجودہ صورت اور حالت میں ہمارے ہر سو گھروں میں سے کم از کم اسّی ایسی حالت میں ہیں کہ ان میں رہکر کوئی شخص تندرست نہیں رہ سکتا؛ اور ان اسّی فیصدی میں غریبوں اور امیروں کے مکانوں کی قطعاً کوئی تخصیص نہیں ہو، اکثر امیروں اور رئیسوں کے گھر آپ کو ایسی حالت میں مل سکتے ہیں کہ اگر نواب صاحب یا راجہ صاحب کی نشست گاہ کو چھوڑ کر آپ مکان کے باقی حصوں پر نظر ڈالیں تو آپ کو حیرت ہو جائے گی اور بعض اُمرا کی تو نشست گاہیں بھی آپ کو ایسی میلی اور غلیظ حالت میں مل سکتی ہیں کہ آپ کا وہاں قدم رکھنے کو بھی جی نہ چاہے۔ ہمیں خدا کی ایک ننھی سی مخلوق یعنی مکڑی سے بہت محبت ہو اور شاید فیصدی ایک گھر ایسا نکل آئے کہ جسمیں جا بجا مکڑی کے جالے نہ تنے ہوئے ہوں، ورنہ جس کمرہ اور جس دالان اور جس کوٹھری پر آپ کی نگاہ پڑے گی آپ یہی دیکھیں گے کہ در و دیوار اور سقف و محراب سب پر عنکبوتی ریشم کی جھالر لٹک رہی ہو، اور جا بجا اس جھالر میں دھوئیں اور خاک کے اثر سے چھوٹے چھوٹے پھندے سے بن گئے ہیں، اور ہوا کے جھونکوں سے ہل ہل کر بالکل وہی سماں پیدا کر رہے ہیں جو کاغذ کی چھوٹی چھوٹی قندیلیں کھلیا کرتی ہیں اگر انھیں چھت میں لٹکا دیا جائے۔

مکانوں کے فرش کی طرف بالعموم ہم بہت زیادہ توجہ نہیں کرتے اور ایسے مکانات بہت کم ہیں جن کے فرش بھی پختہ ہوں، غالباً اس کا باعث یہی ہو کہ ہم اچھی طرح اس بات کو سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور خاک کو خاک سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ لیکن اسکے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ خاک کو اپنے جسم کا جزدِ اصلی سمجھ کر ہم اس کا کوئی احترام کرتے ہوں، نہیں، بلکہ اسکے برخلاف ہمیں اپنے گھروں کے خاکی فرش پر تھوک بلغم، ناک کی رطوبت، پیشاب اور پاخانہ غرضکہ کوئی بُری سے بُری چیز بھی پھینکنے اور پھیلانے میں تامل نہیں ہوتا۔ بڑی عمر کے لوگوں کے لئے تو خیر گھر کے فرش کا ایک حصہ مخصوص بھی کر دیا جاتا ہو، لیکن بچوں کے لئے کہ جن کی ستر پوشی چنداں ضروری نہیں گھر کا ہر ایک حصہ "ملک خدا" کا حکم رکھتا ہو اور وہ بلا تکلف جہاں چاہیں وہاں بیٹھ کر بلکہ بسا اوقات کھڑے کھڑے پیشاب اور پاخانہ پھر سکتے ہیں۔ ہمیں فرش پر رنگین بیل بوٹے بنے ہوئے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ہماری "کفایت شعار" عورتوں نے رنگ کی قیمت اور رنگ سازی کی اُجرت بچانے کے لئے اسکی ایک نہایت ہی آسان اور بے انتہا سستی ترکیب نکال لی ہو اور وہ یہ کہ خوب اچھا بڑا سا پان کھلیا اور اسکی پیک سارے گھر میں تھوکتی پھریں اس طرح صرف فرش ہی نہیں بلکہ دیواروں پر بھی سُرخ رنگ کے نہایت ہی عجیب و غریب نقش و نگار بنجاتے ہیں اور کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ چکنے اور میلے برتنوں کا دھوون جسمیں غذا کے ذرات بکثرت موجود ہوتے ہیں صحن میں پھیلا دیا جاتا ہو اور سورج کو پورا پورا موقع دیا جاتا ہو کہ جلد سے جلد غذا کے ان ذرّوں کو سڑا کر ہوا میں منتشر کر دے۔ صاف اور تازہ ہوا پر ہر جاندار کی زندگی کا انحصار ہو، لیکن ہندوستان کا

ہمدردی نوع انسان ہرگز اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ خدا کی ایسی نعمت کو کہ جس پر تمام آدمیوں جانوروں، اور دوسری مخلوق کی زندگی کا دارومدار ہو بہت بڑی مقدار میں اپنے حصہ میں لے لے، اس لئے وہ مکان بناتے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھتا ہو کہ ہوا کسی کمرہ اور کسی دالان میں بے تکلف اور بلا کسی مزاحمت کے نہ آسکے، دالانوں اور کمروں میں ایک طرف تو دروازے رکھتا ہو لیکن ان کے بالمقابل دوسری طرف کوئی چھوٹا سا سوراخ تک نہیں رکھتا، کیونکہ اسے معلوم ہو کہ اگر ہوا کے نکلنے کا لئے راستہ نہ ہو تو وہ اندر آیا بھی نہیں کرتی، مکانوں کی چھتیں بھی وہ اسی خیال سے بہت نیچی نیچی رکھتا ہو کہ مبادا بہت اونچی چھت ہونے کی وجہ سے کمرہ میں بہت سی ہوا بھری رہے اور خلق اللہ میں سے کسی اور کی حق تلفی ہو جائے۔

دنیاوی گھروں کو عارضی گھر اور سرائے سمجھ کر ہندوستانی عورتیں بھی انکی آرائش وزیبائش سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں لیتیں، اور گھروں کی صفائی اور آراستگی کے متعلق اپنی تقریباً تمام قوت عمل کو اس ابدی اور دائمی گھر کی آرائش کی خاطر محفوظ رکھتی ہیں جو انھیں بہشت میں ملے گا۔ یہی وجہ ہو کہ ہمارے تقریباً تمام گھر بدنظمی اور ابتری کے بہترین نمونے ہوتے ہیں۔ گھر میں ضرورت کی سب ہی چیزیں ہوتی ہیں لیکن ہر چیز کے لئے ایک جگہ اور ہر جگہ کے لئے ایک چیز مخصوص کر دینے کے بجائے ہمیں اسمیں زیادہ آسانی نظر آتی ہو کہ ہر چیز کے لئے ہر جگہ، اور ہر جگہ کے لئے ہر چیز یعنی کسی چیز کے لئے کوئی جگہ نہیں کہ اصول پر عملدرآمد کیا جائے، اور باورچی خانے میں ٹینس کا بلا، غسل خانے میں قلم دوات، اور نشست کے کمرے میں چکنی توا اور چمٹا پڑا رہنے دیا جائے۔ یہ ابتری ممکن ہو کہ بعض نگاہوں کو کسی قدر بری معلوم ہو لیکن اس میں ایک خاص فائدہ یہ ہو کہ اس کی بدولت ہماری صنف لطیف کو ورزش کرنے کا بڑا اچھا موقع مل جاتا ہو، اور بسا اوقات ایک چاقو یا ایک قینچی یا ایک تولیہ یا ایک چمچے کی تلاش میں گھر کے تمام کمروں کے دس دس اور بارہ بارہ چکر لگانے پڑتے ہیں، کپڑوں کی گٹھڑیوں کو کھولنا پڑتا ہو، صندوقوں کی تمام چیزیں الٹنی پڑتی ہیں، میزوں کی درازوں کا جائزہ لینا پڑتا ہو حتیٰ کہ یہ بھی ممکن ہو کہ فرش کی دری کو بھی لوٹ کر دیکھنا پڑ جائے، اور اس تمام تگ ودو اور جدوجہد کے بعد بھی اسکا امکان ہو کہ گم شدہ چیز نہ ملے اور ضرورت کے وقت کسی نہ کسی طرح اپنا کام چلا لینے کا ایک مفید اور ضروری سبق بھی مل جائے۔

کہا جا سکتا ہو کہ تلاش معاش سے ہمیں اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کریں، یہ عذر مردوں کے متعلق تو قابل تسلیم ہو سکتا ہو، لیکن ان عورتوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جو دن رات انہی گھروں میں رہتی ہیں اور پھر بھی کبھی اتنا خیال نہیں آتا کہ ذرا ہاتھ ہلا کر گھر کو صاف کر لیا کریں، اور چیزوں کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا کریں۔؟

(سعید احمد)

ضروری اور کارآمد باتیں

ناگہانی حادثے اور ان کا تدارک

ہر شخص کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں کسی نہ کسی قسم کے حادثہ سے کئے دن سابقہ پڑتا ہی رہتا ہو، اور بچوں کے گھروں میں تو یہ بالکل روزمرہ کی بات ہو اور اس لئے حادثہ کہنا ہی غالباً غلط ہو۔ بہت ہی چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں کے لئے کن ہر ایسی چوٹ اور زخم وغیرہ کے لئے کہ جو کسی قدر بھی غیر معمولی ہو ضروری ڈاکٹر کا مشورہ لے لیا جائے۔

کہ گھر میں اگر مندرجہ ذیل چیزیں موجود رہا کریں تو ں مناسب، اور بروقت علاج ہو سکتا ہو۔

ئے کپڑے کی پٹیاں (پرانی چادروں سے بنائی جا سکتی ہیں)

(۴) ٹنکچر آیوڈین،

(۵) عمدہ اور صاف روئی (ایبسار بنٹ کاٹن)

(۶) سیفٹی پن،

جل جانا جلے ہوئے کا علاج کرتے وقت خواہ وہ آگ وغیرہ سے جلا ہو یا کھولتے ہوئے پانی یا گھی سے ہمیشہ اس اصول کو یاد رکھنا چاہئے کہ جلے ہوئے مقام کو ہم جسقدر جلد، اور جس قدر اچھی طرح ہوا سے بچا سکیں اسی قدر مریض کو آرام بھی ملے گا، اور زخم کے بھرنے میں بھی آسانی ہو گی۔ جلنے کے بعد فوراً اگر روئی کی خوب موٹی تہ اس مقام پر رکھ کر ہلکے ہاتھ سے پٹی باندھ دی جائے تو بہت فائدہ پہونچتا ہو۔ آبلہ اگر پڑ گیا ہو تو اسے پھوڑنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، تیلوں اور مرہموں کے ذریعہ سے بھی ہوا کو زخم تک پہونچنے سے روکا جا سکتا ہو، اور ناریل کے تیل میں چونے کا پانی

بلاکر اور اسمیں کپڑا تر کرکے جلے ہوئے مقام پر رکھنا بہت مفید ہو لیکن اس صورت میں بھی یہ ضروری ہو کہ اوپر سے خوب بہت سی روئی رکھ کر پٹی باندھ دیجائے، جلنے کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہو کہ بہت ذرا سا کوئی حصہ جسم اگر بالکل جلکر کوئلہ بھی ہوجائے تو وہ اتنا زیادہ خطرناک نہیں ہو کہ جتنا بہت سے حصہ جسم کا جلکر صرف سُرخ ہوجانا، اس لئے جب کسی شخص کے جسم کا بہت سا حصہ جل جائے تو فوراً اس سب روئی کے موٹے موٹے پہلوں سے ڈھک کر جلد سے جلد کسی ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہئے؛

آنکھ میں چونے کا گرنا

آدھی چھٹانک سرکہ گرم کرکے اسمیں ساڑھے تین چھٹانک پانی ملا لیں اور آنکھ کھولکر اس مرکب سے اچھی طرح آنکھ کو دھوئیں اور اسکے بعد ایک ذرا سا اینڈی کا تیل آنکھ میں ڈال دیں۔

کٹ جانا یا زخم لگنا

تیز دھار کی چیزوں سے جیسے کہ چاقو یا چھری ہوتی ہو جو زخم لگتے ہیں وہ بہت ہی آسانی سے اچھے ہوجاتے ہیں، اور اس قسم کے بڑے بڑے زخم بھی بلا کسی دقت کے مندمل ہوسکتے ہیں، اگر صرف اتنا کردیا جائے کہ زخم کے کناروں کو باہم ملا دیا جائے، زخم اتھلا ہو یا گہرا بہتر یہی ہو کہ اسپر جلد سے جلد ٹنکچر آیوڈین خوب اچھی طرح لگا دیا جائے۔ زخم اگر بڑا اور گہرا ہو، یا کسی بے دھار کے آلے سے لگا ہو تو بہتر یہی ہو کہ اسپر کسی ڈاکٹر کے ہاتھ سے دوا لگوائی جائے، زخموں کو کھلا ڈالے رکھنا، یا ان پر کوئی میلا کپڑا، میلا ہاتھ، یا بغیر جوش کیا ہوا پانی لگانا بعض اوقات سخت خرابی کا باعث ہوتا ہو، ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں اگر زخم کو دھونا ہی پڑے تو پانی کو جوش دیکر ٹھنڈا کرلیں اور اس سے دھوئیں؛

چوٹ لگنا

لکڑی یا پتھر وغیرہ سے بعض اوقات بہت بُری طرح بند چوٹ لگتی ہو، اسمیں زخم نہیں ہوتا لیکن جسم کی ساخت کچل جاتی ہو اور نیل پڑجاتا ہو۔ ٹھنڈے پانی کی پٹی اسکا نہایت اچھا علاج ہو، لیکن اگر درد بہت ہی زیادہ ہو اور ورم بھی بہت بڑھ جائے تو کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرلینا ضروری ہو؛

خون بہنا

خون کی کوئی رگ کٹ جاتی ہو تو اکثر خون کا بند ہونا مشکل ہوجاتا ہو خون اگر سیاہی مائل رنگ کا ہو اور آہستہ آہستہ بہتا ہو تب تو اتنا ہی کافی ہو کہ کپڑے کی ایک موٹی سی گدی بناکر زخم پر رکھدیں اور خوب کسکر پٹی باندھ دیں لیکن اگر خون سُرخ ہو اور زور کے ساتھ نکل رہا ہو تو اکثر صرف زخم پر پٹی باندھنے سے نہیں رُکتا۔ ہاتھ میں زخم ہو تو زخم سے اوپر کہنی کے جوڑ پر یا بازو میں پٹی باندھنا پڑتی ہو اور پاؤں میں ہو تو ران میں پٹی باندھنے کی ضرورت ہو۔ اس قسم کی پٹیوں کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہو کہ ذرا بڑا سا رومال لیکر خوب ڈھیلا ڈھیلا بازو یا ران کے گرد باندھ دیا جائے اور پھر کوئی لکڑی کا ٹکڑا جیسے رُول ہوتا ہو یا چمچہ یا ڈوئی کی ڈنڈی اس رومال میں ڈالکر اسے بل دینا شروع کیا جائے، بل دینے سے رومال ران پر کستا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسقدر کس جائے گا کہ پھر خون کا نکلنا ناممکن ہوگا۔ ایسی پٹیوں سے دوران خون بالکل رُک جاتا ہو، اس لئے زیادہ دیر نہیں باندھی جاسکتیں عارضی طور پر خون روکنے کا کام ان سے لیا جاسکتا ہو اور اس عرصہ میں ڈاکٹر کو لانے کا بندوبست جلد سے جلد کرلینا چاہئے؛

نکسیر پھوٹنا

خفیف سا خون نکل جاتا تو کوئی بات نہیں ہو لیکن بعض اوقات کچھ اس طرح خون جاری ہوتا ہو کہ بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتا ہتیلی پر سرد پانی ڈالنا، یا سرد پانی کا کپڑا رکھنا بہت مفید ہو، اس طرح بند نہ ہو تو روئی کے پھوئے پانی میں تر کرکے نتھنے کے اندر زور سے ٹھونس دینے سے بند ہوجاتا ہو، پھر بھی بند نہ ہو تو برف کا چھوٹا سا ٹکڑا گردن کے پیچھے ریڑھ کی ہڈی پر رکھنے سے فوراً بند ہوجاتا ہو؛ اب بھی بند نہ ہو تو پھر ڈاکٹر کی ضرورت ہو۔

دماغی صدمے اور چوٹ

چوٹ خواہ سر میں لگی ہو یا کہیں اور، اگر اسکے صدمہ سے انسان بیہوش ہوجائے تو سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ اسکے گلے کے بٹن اور بند سب کھول دیئے جائیں؛ اور اسے زیادہ سے زیادہ ہوا میں آرام سے لٹا دیا جائے، سر اونچا کردیا جائے، اور اب اس کے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ کہاں چوٹ لگی ہو۔ سر کی چوٹیں چونکہ عام طور پر خطرناک اور مہلک ہوتی ہیں اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہو۔ مریض کو ہلانا یا ہوش میں لانے کے لئے جھنجوڑنا بعض اوقات اس کی موت کا باعث ہوسکتا ہو۔ ڈاکٹر کا مشورہ بہت ضروری ہو۔

(باقی آئندہ) (سعید احمد)

معاونین کامیابی کی ضروریات و مشکلات

آئندہ سے کامیابی میں ۲ صفحے عنوان بالا کے لئے مخصوص ہونگے اور اُسکے تحت میں خریداران کامیابی کی ایسی ضروریات و مشکلات درج کی جائیں گی جن کے جوابات عام مفاد اور دلچسپی کے ہو سکتے ہیں ہر خریدار کامیابی کو ہر مہینے میں چار سطریں مفت درج کرانے کا حق حاصل ہوگا، اس سے زیادہ اندراجات کے لئے فی الحال اُجرت چار آنے فی سطر کے حساب سے لی جائے گی۔ جوابات اگر ہم خود دے سکیں گے تو سوال کے ساتھ ہی دیدینگے ورنہ جب ناظرین کامیابی کی طرف سے جوابات موصول ہو جائینگے تو جو جواب ہمارے نزدیک بہترین ہوگا اُسکو یا سب جوابات کا خلاصہ کسی آئندہ اشاعت میں درج کر دیا کرینگے لیکن جوابات کی صحت کے ہم کسی حالت میں ذمہ دار نہیں ہونگے، اشتہاری نوعیت کے سوالات و جوابات اس عنوان میں درج نہیں ہو سکینگے۔

براہ کرم سوالات و جوابات جہاں تک ممکن ہو مختصر اور صحیح بھیجے جائیں (ایڈیٹر)

معیشت،

سوال - ۱. موزے بنیان بننے کا کارخانہ جاری کرنے کے متعلق اگر کسی صاحب کو علمی تجربہ ہو تو مطلع فرمائیں کہ ایسا کارخانہ کم از کم کتنے سرمایہ سے جاری ہو سکتا ہے۔ کتنے نفع کی اُمید ہے۔ مشکلات کیا کیا ہیں بہترین مشین کہاں سے اور کس قیمت پر مل سکتی ہیں، اسکے علاوہ اور جو ضروری باتیں اس تجارت سے متعلق ہوں اُن سے بھی آگاہی بخشیں۔ (رسول خاں جالندھر)

سوال ۲. - لمیٹڈ کمپنیوں کے قانون مجریہ ۱۹۱۳ء کا اُردو ترجمہ چھپا ہے یا نہیں؟ (عبدالحی نوگڑ)

جواب - چھپا ہے سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پریس الہ آباد یا کلکتہ سے مل سکتا ہے۔ (کامیابی)

سوال ۳ - جس زمین میں ریت کا حصہ زیادہ ہو اور جس میں بارش کے زمانہ میں صرف خود رو گھاس اُگ سکتی ہو اُس سے کم از کم سرمایہ لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع کیونکر اُٹھایا جا سکتا ہے زمین مذکور میں نہر کے ذریعہ سے آبپاشی ہو سکتی ہے لیکن دریا کے قرب کی وجہ سے بارش زیادہ ہونے کی صورت میں بھی غرق آب بھی ہو جاتی ہے۔ (حبیب احمد، دہلی شاہدرہ)

سوال ۴ - میں ایک دفتر میں پچاس روپے ماہوار کا نوکر ہوں۔ خالی اوقات میں سو دو سو روپیہ کے سرمایہ سے کوئی ایسی تجارت کرنی چاہتا ہوں جس سے پندرہ بیس روپے ماہوار آسانی سے پیدا کر لیا کروں۔ لیکن تجارت ایسی ہونی چاہیے جو گھر پر رہ کر کی جا سکے، اور دوکان وغیرہ پر بیٹھنے کی ضرورت نہ ہو، کوئی صاحب اپنے مفید مشورہ سے مطلع فرمائیں۔ (احتشام علی خاں، شاہجہانپور)

معاشرت،

سوال - ۵. بجلی کے خراب شدہ قمقمے بھی کسی کام آ سکتے ہیں یا نہیں؟ (احمد علی سنڈیلہ)

سوال - ۶ - میرے شوہر میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ خوب کماتے ہیں اور اپنے ہی لئے نہیں بلکہ میرے اور بچوں کے لئے بھی خوب خرچ کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے اُنکی عالی حوصلگی نے ان کو اس عمل پر عامل بنا رکھا ہے کہ جکڑ ڈال مال و دھن کو، کوڑی نہ رکھ کفن کو۔ جسنے دیا ہے تن کو دیگا وہی کفن کو، اس لئے میں اُنکی ناعاقبت اندیشی سے تنگ آگئی ہوں اور انجام پر نظر کرکے ہمیشہ پریشان و فکرمند رہتی ہوں۔ خدارا کوئی ایسی تدبیر بتلائے کہ وہ عاقبت اندیش ہو جائیں (۔۔۔۔۔۔ بدایوں)

سوال، ۷ - بالوں کو گھونگر والے بنانے کی کیا ترکیب ہے؟

سوال، ۸ - کوئی صاحب شیشہ کے برتن صاف کرنے کا ایسا مصالحہ بتائیں جو سستا بھی ہو اور اچھا بھی۔ (عظیم بخش، ناماد)

صحت،

سوال، ۹. پائریا کی بیماری کے لئے جس میں مسوڑوں میں پیپ پڑ جاتی ہے بہترین علاج مطلوب ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دانت نکلوا دینے چاہئیں، کیا دانت نکلوا دینے سے اس موذی مرض سے نجات مل جاتی ہے؟ (امۃ الرشید)

مذہب،

سوال، ۱۰، دہریت اور لامذہبی کے رد میں کسی عام فہم اردو کتاب کا نام بتلائے، (صاحبزادہ لاہور)

جواب، ایسی کتاب "تنقید لطیف بر خیالات ظریف" ہے جو غالباً اب نہیں ملتی (کامیابی)

سوال، ۱۱ - ڈاکخانہ کے سیونگ بنک میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اُسپر سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ (حفیظ الدین، دہلی)

جواب، ہمارے نزدیک جائز ہے لیکن بعض علما ناجائز کہتے ہیں، (کامیابی)

متفرقات،

سوال، ۱۲ - اُردو لغات و محاورات کے معنی اور طریقہ ہائے استعمال معلوم کرنے کے لئے سب سے بہتر کتاب کونسی ہے؟ (قمر، سرہند)

جواب، ایسی کتاب فرہنگ آصفیہ ہے جو اب نہیں ملتی، (کامیابی)

سوال، ۱۳ - قابل اُردو مصنفین کے مختصر حالات اور ان کی تصانیف کی فہرست مطلوب ہے (ایڈیٹر کامیابی)

گفت و شنید

یہ عنوان اس لئے رکھا گیا ہو کہ کامیابی کے ناظرین ہم سے یا ہم ناظرین کامیابی سے کچھ کہنا چاہیں تو ان صفحات کو استعمال کریں۔ لیکن آئندہ سے انشاء اللہ حسب منشاء ناظرین کے خطوط اور مفید مشورے وغیرہ بھی یہاں درج کئے جائیں گے۔ (اڈیٹر)

کامیابی کی قیمت میں اضافہ

یہ طے ہوگیا ہو کہ یکم جنوری ۱۹۳۰ء سے کامیابی کی سالانہ قیمت میں ایک روپیہ اور ششماہی قیمت میں دس آنے کا اضافہ کر دیا جائے، یعنی یکم جنوری کے بعد سے جو لوگ کامیابی کے خریدار بنیں یا خریداری کی تجدید کریں ان سے کامیابی کی سالانہ قیمت بجائے دو روپیہ کے تین روپئے، اور ششماہی قیمت بجائے ایک روپئے کے ایک روپیہ دس آنے لی جائے، افسوس ہو کہ ہمکو مشترکہ کاروبار کی ذمہ داریوں کے احساس نے کامیابی کی قیمت بڑھانے پر مجبور کیا، کیونکہ گزشتہ تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ ابھی عام مسلمانوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ کامیابی جیسے مفید رسالہ کی کافی قدر کرینگے ایک توقع لاحاصل ہو اور کامیابی کی اشاعت کو اس تعداد تک پہونچانے کے لئے ایک عرصہ درکار ہو جو دو روپئے سال قیمت رہنے کی صورت میں اسکے کثیر اخراجات کے لئے کافی ہوسکے، قیمت میں اضافہ بعض معاونین کامیابی کو ضرور ناگوار ہوگا لیکن اُمید ہو کہ وہ ایک ایسے اصول پسند رسالہ کی ترقی کے لئے جو صرف اشاعت بڑھانے کی غرض سے اپنے مفید اصول اور سنجیدہ روش میں کوئی عام پسند تبدیلی کرنا نہیں چاہتا، اس ناگواری کو گوارا کرینگے

کامیابی کی دلچسپیوں میں اضافہ

جو ذی فہم حضرات کامیابی کا بغور مطالعہ فرماتے رہے ہیں وہ غالباً اس سے اتفاق کرینگے کہ ہم نے کبھی عوام الناس کی تحسین حاصل کرنے یا خریداروں کی تعداد بڑھانے کے لئے اپنے مفید اصول اور سنجیدہ روش میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور اپنے مقاصد کے اندر رہکر کامیابی کی دلچسپیوں میں حتی الوسع اضافہ کرتے رہے، آئندہ کے لئے جو نظام تالیف ہمنے مرتب کیا ہو اس سے اُمید ہو کہ کامیابی کی دلچسپی و نفع رسانی میں اور ترقی ہوجائے گی اور اُن حضرات کے ذوق مطالعہ کی بھی کسی قدر تواضع ہوسکے گی جو کامیابی کی خشکی کے شاکی ہیں، لیکن یہ دلچسپیاں صرف اس لئے ہوں گی کہ زود ہضم پھیکی غذائیں شوق سے کھائی جائیں اور کڑوی دواؤں کو شکر میں لپیٹ دیا جائے،

"دلچسپ" رسالے بہت سے نکل رہے ہیں اور آپ ان کی سرپرستی کر رہے ہیں لیکن ایک ایسا رسالہ بھی آپکی نظر کرم کا محتاج ہو جو خدا و رسول کے نام سے نہیں، قوم و ملک کا واسطہ دیکر نہیں بلکہ صرف اپنی خدمات کے صلہ میں آپ سے امداد کا طالب ہو۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ تین روپئے سال میں اُس کی خدمت گراں نہیں ہو تو آپ اسکو موقع دیجئے کہ وہ خدمت کرتا رہے۔

تجدید خریداری

کامیابی کے جو ششماہی خریدار شروع سے کامیابی خرید رہے ہیں ان کی میعاد خریداری اس پرچہ کے پہنچنے پر ختم ہوجائے گی، اگر وہ آئندہ بھی خریدار رہنا چاہتے ہیں تو ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء سے پہلے، ششماہی یا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں اور اگر خریداری جاری رکھنا نہیں چاہتے تو ہمکو جلد سے جلد مطلع کردیں، چندہ کی قیمت یا انکاری اطلاع موصول نہ ہونے کی صورت میں دسمبر کا پرچہ اُن کے نام وی، پی جائے گا اور بحیثیت ایک شریف اور خوش معاملہ انسان کے اُن کا فرض ہوگا کہ وی، پی وصول کرلیں۔

۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک جو حضرات آئندہ خریداری جاری رکھنے کے لئے سالانہ یا ششماہی قیمت بھیجدینگے (خواہ ان کی میعاد خریداری ختم ہوگئی ہو یا ختم نہ ہوتی ہو) اُن سے وہی قیمت قبول کرلی جائے گی جو اب لی جارہی ہو یعنی ایک روپیہ ششماہی اور دو روپیہ سالانہ لیکن یکم جنوری ۱۹۳۰ء کے بعد تجدید خریداری کی صورت میں بھی اضافہ شدہ قیمت لیجائے گی۔

معاونین کامیابی کمپنی کے حصہ دار ضرور بنیں

معاونین کامیابی میں اسوقت صرف ½ حصہ اُن حضرات کا ہو جنہوں نے حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کے حصے خریدے ہیں لیکن ان میں کم از کم تین چوتھائی تعداد ایسے حضرات کی ضرور ہو جو اگر چاہیں تو آسانی سے حصے خرید سکتے ہیں۔ بلاشبہ ہر شخص کو یہ خیال ہوتا ہو کہیں اُس کا روپیہ ڈوب نہ جائے لیکن آپ اپنا روپیہ کسی مشتبہ کاروبار میں کیوں لگائیں کہ اگر خدانخواستہ وہ ڈوب جائے تو آپ اُسکا اپنی مالی حالت پر کوئی بُرا اثر محسوس کریں، آپ صرف اتنی رقم لگائیے جسکے نقصان کو آپ آسانی سے برداشت کرسکیں تاکہ کمپنی کو نقصان ہونے کی صورت میں آپ پر کوئی بار نہ پڑے، اور نفع ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی ایک لمیٹڈ تجارتی کمپنی اپنی کامیابی کی عمدہ مثال قائم کرسکے، اگر آپ سو روپے لگا سکتے ہوں تو صرف دس روپے لگائیے، پانسو روپئے لگا سکتے ہوں تو صرف بیس روپئے لگائیے، دس بیس روپے کی رقم شاید ایسی رقم نہ ہو جس کے ضائع ہوجانے سے خدانخواستہ آپ کی مالی حالت خراب ہوجائے، یا جسکا رنج و غم آپکے لئے سوہان روح بنجائے، آپ اپنے روز مرہ کے معاملات میں تو غالباً دس بیس روپئے کے ضائع ہونے کا اتنا خیال نہیں کرتے پھر ایک لمیٹڈ تجارتی کمپنی کے حصے خریدنے میں آپ کیوں اتنا پس و پیش کرتے ہیں، مان لیجئے کہ کمپنی کے بانی اور کارکن سب دھوکے باز ہیں، مان لیجئے کہ کمپنی کے کاروبار میں نفع ہونے کی کوئی اُمید نہیں ہو، لیکن کیا آپ اپنے دوسرے معاملات میں بھی اتنے ہی محتاط ہیں کہ دس بیس روپوں کو کبھی بیکار نہیں رکھتے یا ضائع نہیں ہونے دیتے؟ یقین کیجئے کہ بہت سے مفید کام صرف اس لئے خراب ہو رہے ہیں کہ ہم ان میں حصہ لینے کے وقت ضرورت سے زیادہ محتاط و مآل اندیش بنجاتے ہیں۔ ایسے معاملات میں اگر ہم ذرا عالی ہمتی و فراخ حوصلگی سے کام لیا کریں تو اسوقت ہندوستان میں مسلمانوں کی سیکڑوں لمیٹڈ کمپنیاں کامیابی سے چل سکتی ہیں،

حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ میں دس روپیہ کا ایک حصہ خریدنے سے آپکو اگر کوئی اور نفع نہ بھی ہوا تو کم از کم یہ نفع تو ضرور ہوگا کہ کمپنی کی شائع کردہ مفید کتابیں آپکو رعایتی قیمت میں مل جایا کریں گی اور لمیٹڈ کمپنیوں کے حالات و معاملات سے آپ کو ضروری واقفیت ہوجائیگی

امید ہو کہ مندرجۂ بالا معروضات کے بعد آپ جلد سے جلد کمپنی کے قواعد و ضوابط کے کاغذات طلب فرماکر کم از کم دس روپئے کے ایک حصے کی درخواست ضرور بھیجدینگے، اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی شرکت کی ترغیب دینگے؛

کمپنی کی خبریں

نئے حصہ داروں کی فہرست:- ۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء کو جن درخواست کنندگان حصص کی

رضوا ستریجلس ڈائرکٹران نے منظور کئے ہیں اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، ان سب حضرات کے ذمہ زر نمبر دوگی بحساب پانچ روپیہ فی حصہ واجب ہوچکا ہو جو بہت سے صاحبان نے ادا کر دیا ہو جن صاحبوں نے ابھی تک روانہ نہ فرمایا ہو وہ براہ کرم جلد ارسال فرمادیں:-

نمبر الاٹمنٹ	نام حصہ دار	مالیت حصص خرید کردہ
۲۰۰	محمد حلیم صاحب سوداگر چوب کوہاٹ	ما/
۲۰۱	محمد زین العابدین صاحب نائب امین جنگلات شجاعت نگر (دکن)	ما/
۲۰۲	پاپا میاں صاحب نابالغ بولایت ڈسٹرکٹ جمعدار مہدی صاحب شکرباغ۔ حیدرآباد دکن	صہ/
۲۰۳	احمد حسین صاحب متعلم افضل گنج۔ حیدرآباد دکن	صہ/
۲۰۴	صادق الیقین صاحب قادری، سوداگر افضل گنج، حیدرآباد دکن	صہ/
۲۰۵	شیخ محمد شفیع صاحب، موٹر ڈرائیور، گورنر کیمپ بہار اڑیسہ	صہ/
۲۰۶	محمد نسیم صاحب، سوداگر۔ امین آباد لکھنؤ	ما/
۲۰۷	سید ظہیر الدین احمد صاحب بولایت سید نصیر الدین صاحب بنارس	صہ/
۲۰۸	سلامی محمد عبدالعزیز صاحب چشتی درس۔ گوجرانوالہ	عہ/
۲۰۹	کنیزہ خاتون صاحبہ اہلیہ مرزا محمد طاہر صاحب۔ چھپرہ ضلع سارن	عہ/
۲۱۰	ایم عبدالواحد صاحب، ٹائے بیچر، مدراس	سہ/
۲۱۱	محمد نعیم خاں صاحب،	عہ/
۲۱۲	خیرالدین احمد خاں صاحب کیٹل انسپکٹر، اڈیہ	ما/
۲۱۳	شیخ محمد سعید صاحب سوداگر عینک، کلکتہ	صہ/
۲۱۴	حافظ عطاء الرحمٰن صاحب، سوداگر عینک کلکتہ	عہ/
۲۱۵	حاجی عبدالرباب صاحب، سوداگر عینک، کلکتہ	عہ/
۲۱۶	مولوی عبدالتواب صاحب۔ سوداگر عینک، شہر میرٹھ	صہ/
۲۱۷	منشی غلام قادر صاحب اوور سیر اہنار تنگرانی ریاست بہاولپور۔	سہ/
۲۱۸	محمد فاروق صاحب چھتری والے، کلکتہ	صہ/
۲۱۹	محمد عزیز الحق صاحب بولایت محمد حبیب الرحمٰن صاحب کلکتہ،	مت/
۲۲۰	محمد نصیح الدین صاحب سب پوسٹ ماسٹر کلیانہ علاقہ ریاست جنید	صہ/
۲۲۱	محمد عثمان صاحب فورمین بی این ریلوے ڈاکخانہ ببلے اگڑہ بسیع وزیگا پٹم	ما/
۲۲۲	شہزادہ شاہ حسین صاحب فاروقی، کیپانہ (کاٹھیاوار)	عہ/
۲۲۳	مستی جان محمد صاحب ہیڈ کلرک محکمہ آبپاشی بہار۔ پٹنہ	للعہ/
۲۲۴	حبیب الحق صاحب، معرفت جمعدار فضل حسین صاحب رانچی	عہ/
۲۲۵	محمد رضا خاں صاحب بہادر نقشہ نویس گورنر کیمپ بہار واڑیسہ	سہ/
۲۲۶	سید صغیر احمد صاحب، زمیندار، لکھنؤ	عد/
۲۲۷	سلطان احمد صاحب جانی کلرک آبپاشی چھاؤنی گرنہ (ریاست گوالیار)	صہ/
۲۲۸	عبدالسلام صاحب تاجر۔ شہر میرٹھ۔	ما/
۲۲۹	میاں فتح محمد صاحب، اسٹیشن ماسٹر۔ بلاخورد ضلع ہوشیارپور	للعہ/
۲۳۰	منشی قاسم علیخاں صاحب، گرداور قانون گو، شاہ آباد ضلع کرنال	عہ/
۲۳۱	محمد اکرام صاحب، درزی، بازار دروش (چترال ایجنسی)	عہ/
۲۳۲	محمد افضل حسین صاحب جمعدار گورنرس اسکارٹ باڈی گارڈ، پٹنہ	صہ/
۲۳۳	سیدہ محمد دلہن صاحبہ بستی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ، دہلی	صہ/
۲۳۴	بوا کریمن صاحبہ توسط بستی درگاہ 〃 〃 دہلی	ما/
۲۳۵	محمد شکور خاں صاحب سوار گورنرس اسکارٹ باڈی گارڈ، پٹنہ	عہ/
۲۳۶	ولی داد خاں صاحب سوار 〃 〃 پٹنہ	عہ/

کمپنی کو ترقی دینے کے مشورے

ہمدردان کمپنی اکثر اپنے قیمتی مشوروں سے مطلع فرماتے رہتے ہیں۔ زیادہ تر خواہش ہم سے یہ کیجاتی ہو کہ ہم

۱- اعلیٰ پیمانہ پر ایک چھاپہ خانہ قائم کریں اور اُمرو مصنفین کو وقت پر اچھی چھپائی نہ ہونے کی جو تکلیف ہوا کرتی ہو اُسکے رفع کرنے کی کوشش کریں۔

۲- کاغذ کی تجارت فوراً شروع کردیں اور دہلی کے تمام مسلمان شائع کنندگان کتب و اخبار اور تاجران کتب کو کاغذ ہم ہی سپلائی کیا کریں!

۳- سامان طباعت یعنی لیتھو کی مشینوں اور پتھروں وغیرہ کی سپلائی کا کاروبار بھی کرنے لگیں!

اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ مذکورہ بالا تینوں کام تجارتی حیثیت سے بہت نفع بخش ہیں لیکن چھاپہ پریس قائم کرنے کے لئے کم از کم پچاس ہزار روپیے نقد سرمایہ کی ضرورت ہو۔ کاغذ کی بڑے پیمانہ پر تجارت کرنے کے لئے بھی کم از کم بیس پچیس ہزار روپیہ مطلوب ہو۔ پریس کی مشینوں اور پتھروں وغیرہ کی سپلائی کے لئے بھی ایک کافی رقم درکار ہو۔ اور کمپنی کے پاس نقد سرمایہ ابھی اتنا بھی جمع نہیں ہوا ہو جو وہ صرف کتابوں کی تجارت و اشاعت ہی کے کام کو کافی وسعت کے ساتھ چلا سکے، اس لئے ان تمام کاموں کا شروع کرنا سرمایہ کی فراہمی پر منحصر ہو، اور جلد سے جلد فراہمی پر، کیونکہ سرمایہ کی فراہمی میں جس قدر دیر لگے گی اُسی قدر اخراجات کا بار سرمایہ پر زیادہ پڑیگا۔ عام طور پر یورپین لمیٹڈ کمپنیوں کا کل مقررہ سرمایہ تین چار مہینے میں جمع ہوجاتا ہو اور وہ ایکدم اتنی وسعت کے ساتھ کاروبار شروع کردیتی ہیں کہ اخراجات کا بار انکو محسوس نہیں ہوتا

پریس قائم کرنے کا تو ابھی ہمارا خیال نہیں ہو، البتہ کاغذ اور دیگر سامان طباعت کی تجارت کے متعلق ہم اس کوشش میں ہیں کہ ممکن ہو تو اُس کو شروع کردیں، اسوقت ہم اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتے، آئندہ جو حالات پیش آئینگے اُن سے مطلع کرتے رہینگے!

حصّے فروخت کرنے والے ایجنٹوں کی ضرورت ہے

جب سے کمپنی قائم ہوئی ہو تقریباً سو سوا سو آدمیوں نے ہم سے یہ خواہش کی کہ وہ کمپنی کے ایجنٹ بننا چاہتے ہیں اور تھنے باستثنار معدودے چند سب ایجنٹوں کو شرائط کے مطابق ایجنٹ بنادیا لیکن ہمکو افسوس ہو کہ ان حضرات میں سے سوائے دو تین صاحبوں کے کسی نے ایک حصہ دار بھی آجتک پیدا نہیں کیا اور یاد دہانیوں کا جواب ان کی طرف سے صرف خاموشی ملا۔ اگر سمجھدار اور فروخت حصص کا کافی تجربہ رکھنے والے لوگ پوری محنت و توجہ کے ساتھ حصے فروخت کرنے کی کوشش کریں تو ہمکو یقین ہو کہ وہ کم از کم پچاس ساٹھ روپے ماہوار صرف اس ذریعہ سے بآسانی پیدا کرسکتے ہیں لیکن اس کام کے لئے سمجھداری، استقلال اور محنت کی بہت ضرورت ہو، جو لوگ کافی سمجھ نہیں رکھتے یا کافی محنت نہیں کرسکتے یا ابتدائی ناکامیوں سے مایوس ہوکر بیٹھ جاتے ہیں وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ایسے ایجنٹ ہمکو ملیں جو اپنے لئے بھی مفید ثابت ہوسکیں اور ہمارے لئے بھی، کیا مسلمانوں سے اسکی توقع کیجا سکتی ہو؟

حصّہ داران و ہمدردان کمپنی سے درخواست

جو لوگ کمپنی میں حصہ دار ہوگئے ہیں انکو کمپنی کے معاملات سے اتنا ہی تعلق ہونا چاہئے جتنا کہ انکو اپنے ذاتی معاملات سے ہوتا ہو، کیونکہ وہ بھی کمپنی کے نفع نقصان کے شریک اور اُسکے کاروبار کے ایک مالک ہیں اور کمپنی کے سرمایہ کو ترقی دینے اور اُسکے لئے نئے حصہ دار پیدا کرنے میں خود انکا نفع ہو۔ اس لئے میں کمپنی کے تمام موجودہ حصہ داروں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی کوشش اور اثر سے کام لیکر جتنے لوگوں کو بھی کمپنی کی حصہ داری پر آمادہ کرسکتے ہوں کریں۔

اور اس معاملہ میں بے، قبتائی و تساہل سے کام نہ لیں۔

بدقسمتی سے تعلیم کی ہماری قوم میں اتنی کمی ہو کہ عام طور پر لوگ لمیٹڈ کمپنیوں کے معاملات و فوائد کو نہیں سمجھتے اور جب تک ذاتی اثر کو کام میں لایا جائے اُس وقت تک لوگ حصہ خریدنے پر آمادہ نہیں ہوتے، اس لئے ضرورت ہو کہ بااثر حصہ دار ان کمپنی اپنے حلقہ اثر میں کمپنی میں شرکت کی ضرورت و فوائد کی تلقین کریں اور متفقہ کوشش سے جلد از جلد اتنا سرمایہ جمع کرا دیں جس سے کاروبار پوری وسعت کے ساتھ چلایا جا سکے،

حضرت خواجہ صاحب کی کتابوں کی سول ایجنسی

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی تالیف و تصنیف کردہ و شائع کردہ کتابوں کی تعداد دو سو کے قریب ہو اور ان میں تقریباً تمام کتابیں ایسی ہیں جو نہایت کثرت سے فروخت ہوتی ہیں اور جن میں سے بعض کے دس دس بارہ بارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں حضرت خواجہ صاحب نے ان تمام کتابوں کی سول ایجنسی بغیر کسی معاوضہ کے حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کو عنایت فرما دی ہو اور کمیشن کی تعداد بھی ایسی معقول مقرر کی ہو جس سے کمپنی کو کافی نفع کی اُمید ہو، آئندہ ہندوستان کے تمام تاجران کتب کو خواجہ صاحب کی کتابیں کمپنی کے دفتر سے دی جائیں گی اور مشہور مصنفین اُردو کی کتابوں سے خواجہ صاحب کی کتابوں کا تبادلہ بھی کیا جا سکے گا، اُمید ہو کہ جملہ تاجر صاحبان خواجہ صاحب کی کتابوں کی تجارت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے، جو صاحب خواجہ صاحب کی کتابوں سے تبادلہ کرنا چاہیں وہ براہ کرم ان کتابوں کی ایک ایک کاپی نمونۃً بھیجدیں، جن سے تبادلہ کرنا مقصود ہو، اور خواجہ صاحب کی کتابوں کی فہرست طلب فرمالیں

کمپنی کی شرح حبیبی کتابیں

کمپنی نے عام فہم شرح حبیبی سلسلہ کی جو کتابیں شائع کی ہیں وہ بحمد اللہ بہت مقبول ہو رہی ہیں، ذیل کی کتابیں اس وقت تیار ہیں، کامیابی کے جن ناظرین نے اب تک نہ منگوائی ہوں فوراً منگا لیں!

۱۔ شادی سے پہلے (۲) شادی کے بعد

یہ کتابیں باوجود مختصر ہونے کے اسقدر کارآمد اور ضروری معلومات سے لبریز ہیں جس کا اندازہ آپ اُنکے پڑھنے ہی سے کر سکتے ہیں، ازدواجی زندگی کو خوشگوار و مطمئن بنانے کے لئے یہ بہت ہی اچھی کتابیں ہیں قیمت دونوں کتابوں کی ۸ر

۳۔ **درازیٔ عمر:**۔ عمر بڑھانے کے متعلق تاریخی، علمی، طبی، معاشرتی اور طبی ہدایات وغیرہ قیمت ۴ر

۴۔ **احکام اسلام کی پابندی اور اُس کا اثر عمر و صحت پر:**۔ تقریباً ایک ہزار علماء، حکام، مشائخ اور خلفائے اسلام کی تواریخ ولادت و وفات اور عمر کی تعداد درج کرکے یہ ثابت کیا گیا ہو کہ احکام اسلام کی پابندی کرنے والے عمر طبعی سے پہلے نہیں مر سکتے، قیمت ۴ر

۵۔ **ماں باپ کا اثر اولاد پر:**۔ ماں باپ کی جسمانی اور اخلاقی حالتوں کا اثر اولاد پر کن کن طریقوں سے پڑتا ہو اور اُسکے نتائج کن کن شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں والدین کے مطالعہ کے لئے ضروری کتاب، قیمت ۴ر

۶۔ **عورت کے سو کام:**۔ شریف عورتوں کے لئے مصیبت زندگی کے زمانہ میں حصول معاش کی آسانیاں پیدا کرنے کے لئے ایسے نفع بخش اور کارآمد سو ہنروں کا مجموعہ جن کو عورتیں آسانی سے سیکھ سکتی ہیں، قیمت ۴ر

۵۔ **میر تقی میر:**۔ سرتاج شعرائے اُردو حضرت میر تقی میر کی سوانح عمری، اُنکے کلام پر محققانہ تبصرہ اور اُنکے چھ دیوانوں کا بے مثل انتخاب، قیمت ۴ر

۱۱۔ **رباعیات رشید:**۔ لکھنؤ کے مشہور شاعر جناب پیارے صاحب رشید مرحوم کی اُن دلکش رباعیات کا مجموعہ جن میں جوانی اور پیری کے مضامین کو طرح طرح کے دلچسپ پیرایوں سے بیان کیا گیا ہو مع مقدمہ جسمیں جناب رشید کی سوانح عمری اور اُنکے کلام پر تبصرہ ہو قیمت ۴ر

تقریباً پچاس کتابیں اور زیر طبع و تالیف ہیں جن کا اعلان اُنکی تیاری پر کیا جائے گا۔

کمپنی کی دوسری کتابیں

حبیبی سلسلہ کے علاوہ کمپنی کی طرف سے بعض ضخیم کتابیں بھی لکھوائی گئی ہیں جو زیر طبع ہیں، ذیل کی شائع شدہ کتابوں کے حقوق و تصنیف دائمی کمپنی نے خرید لئے ہیں:۔

۱۔ **خان جہاں لودی:**۔ مشہور اسلامی جرنیل خان جہاں لودی کی نہایت دلچسپ و سبق آموز سوانح عمری جس کے پڑھنے سے عالی ہمتی اور جواں مردی پیدا ہوتی ہو۔ قیمت ۶ر

۲۔ **خواص خاں:**۔ عہد حکومت اسلامی کے ایک خدا رسیدہ بزرگ اور بہادر جرنیل کی سوانح عمری جس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے نہایت مفید اور ضروری ہو قیمت ۸ر

۳۔ **بصائر:**۔ دنیا کے مشہور حکما خصوصاً حکمائے یونان کے حکمت آموز و بصیرت افروز اقوال تحفۃ کونسلیس اُردو قطعات و رباعیات کی شکل میں نظم کیا گیا ہو جو بچوں کو آسانی سے زبانی یاد کرائے جا سکتے ہیں، بچوں کی عقل بڑھانے اور اُنکو تجربہ کار بنانے کے لئے بہت مفید کتاب ہو۔ بڑی عمر کے لوگ بھی اُسکے مطالعہ سے دلچسپی لے سکتے ہیں اور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ قیمت عہ

ڈاکٹر سعید احمد صاحب ایڈیٹر کامیابی کی نئی کتاب

اسلام اور مدنیت

چھپ گئی ہو، اسمیں تمدن و معاشرت کے متعلق وہ تمام اسلامی تعلیمات جمع کر دی گئی ہیں جن پر اگر مسلمان عمل کرنے لگیں تو دنیا کی کوئی مہذب سے مہذب قوم بھی وہ سچی ترقیاں حاصل نہیں کر سکتی جو مسلمان حاصل کر سکتے ہیں، ان تعلیمات کے دیکھنے سے اسلام کی صداقت و عظمت اور اُس کے عالمگیر مذہب ہونے کا اثر دلوں پر قائم ہوتا ہو۔

کتاب اسقدر دلچسپ ہو کہ کوئی سنجیدہ مذاق کا شخص اُس کو ایک دفعہ شروع کرکے بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتا۔ قیمت عہ

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی عام فہم تشریح بخاری

تین پارے اور چھپ گئے

حدیث کی سب سے زیادہ مستند و مقبول کتاب صحیح بخاری کی جو عام فہم اُردو شرح حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے زیر ہدایت شائع ہو رہی ہو اُس کا تیسرا، چوتھا اور پانچواں پارہ بھی چھپ گیا ہو، اس شرح بخاری کی یہ خصوصیت ہو کہ عورتیں اور بچے بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، جن صاحبوں کے پاس پہلے دو پارے پہنچے ہوں وہ یہ تین پارے اور منگا لیں قیمت فی پارہ عہ ہو،

حج کو جانے سے پہلے

کتاب الحج والزیارت منگا لیجئے تاکہ آپ حج کعبہ و زیارت روضۂ اقدس کے ارکان و مناسک صحیح طور پر ادا کر سکیں، قیمت دو روپیہ آٹھ آنے (عہ)، مفصل اشتہار کے لئے دیکھئے فہرست!

حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی

(شیخ احسان الحق مینیجنگ ڈائرکٹر حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی پرنٹر و پبلشر نے مرزا محبوب بیگ کے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

دسمبر ۱۹۲۹ء	وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا	جلد۱، نمبر۷

جو لوگ ہماری راہ میں جدّوجہد کرینگے ہم انکو ضرور کامیاب کرینگے

مسلمانوں کی علمی، ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنے والا اور ان کو ترقی و کامیابی کے بہترین طریقے بتانے والا ماہوار رسالہ

کامیابی

جو حسن نظامی لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کی ملکیت میں ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو دہلی سے شائع ہوتا ہے

عام قیمت معہ محصول سالانہ عہ، ششماہی عہ، ⁂ حصہ داران کمپنی کے لئے سالانہ قیمت عہ

فہرست مضامین دسمبر ۱۹۲۹ء

شذرات

وائسرائے کا اعلان

ہز اکسلنسی لارڈ اروِن نے ہندوستان کو نوآبادیوں کی طرح خود مختاری دینے اور اس خود مختاری کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کی غرض سے ایک گول کانفرنس منعقد کرنے کے متعلق ولایت سے واپس آکر جو اعلان کیا ہے اُس کی نسبت ہم ابھی تک صرف یہی رائے قائم کر سکے ہیں کہ اس اعلان کے کرنے میں یا تو لارڈ اروِن نے بڑی جو فی کی ہے یا بڑی مدبرانہ عقلمندی سے کام لیا ہے۔

اگر لارڈ اروِن نے یہ اعلان واقعی نیک نیتی اور صداقت سے کیا ہے اور یہ سمجھ کر کیا ہے کہ ان کی زرپرست اور ملوکیت پسند قوم ہندوستان کو نوآبادیوں کی طرح کی آزادی دینے میں دیر نہ کرے گی تو ہمارے نزدیک انھوں نے اپنی قوم کے صحیح جذبات اور واقعی ارادوں کے سمجھنے میں بڑی غلطی کی ہے اور اگر لارڈ موصوف کا مقصد اس نمائشی اعلان سے صرف یہ ہے کہ یکم جنوری سے ہندوستان کی افسردہ سیاسی شورش میں جو زندگی پیدا ہونے والی ہے اُس کے اضطراب افزا اثرات سے اپنے دورِ حکومت کو محفوظ رکھا جائے اور اعتدال پسندوں کے ہاتھ میں ایک ایسا آلہ دیدیا جائے جس سے وہ بڑھنے والے فتنہ کو کچھ روز تک اور دبا دینے میں کامیاب ہو جائیں تو لارڈ اروِن نے ویسی ہی بیدار مغزی اور مدبری سے کام لیا ہے جیسی کہ کسی قومی حکومت کے ایک وائسرائے سے توقع ہو سکتی تھی۔

لارڈ اروِن کی ذاتی نیک طبعی کی جو خبریں ہم تک پہونچی ہیں اُن سے ہمارے پہلے خیال کی زیادہ تائید ہوتی ہے لیکن انگریزی حکومت کی صد سالہ روایات مجبور کرتی ہیں کہ ہم اس قدر حسن ظن سے کام نہ لیں۔

چھپّن فیصدی کی تحریک

پنجاب کے بعض فطرت شناس اخبار نویسوں نے شاردا ایکٹ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ "چھپّن فیصدی" کی ایک سیاسی تحریک بھی شروع کر دی ہے، اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانان پنجاب کو تمام نمائندہ مجلسوں اور سرکاری ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے چھپن فیصدی نیابت کا حق دلوایا جائے اور سر جدر تو رٹ نے جو تناسبِ نیابت اُن کے لئے تجویز کیا ہے اُسکے خلاف عام شورش برپا کی جائے۔

اس دورِ عمل میں کچھ نہ کرنے سے کچھ کرتے رہنا بہر صورت بہتر ہے اس لئے ہم بھی چھپن فیصدی کی تحریک کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن بہتر ہوتا اگر اس تحریک کے مقاصد میں حسب ذیل دفعات کا اور اضافہ کر دیا جاتا:۔

(۱) ابتدائی اور لازمی تعلیم میں مسلمانان پنجاب کو چھپّن فیصدی حصہ لینے پر مجبور کرنا۔

(۲) تجارت اور صنعت و حرفت میں مسلمانان پنجاب کو چھپّن فیصدی حصہ لینے پر آمادہ کرنا۔

(۳) ملکی آزادی کی جدوجہد اور اُسکے لئے مالی اور جانی قربانیاں پیش کرنے میں مسلمانان پنجاب کو چھپّن فیصدی سے کم نہ رہنے کی تلقین کرنا۔

ان مقاصد کے بغیر ہمکو چھپّن فیصدی کی تحریک ایک طفلانہ تحریک معلوم ہوتی ہے اور ایسی تحریکوں سے بجائے کوئی مفید نتیجہ نکلنے کے وقت اور جوش کی قوت ضائع ہوتی ہے۔

ایک پتہ کا سوال

انگریزوں کے اخبار اسٹیٹسمین میں چھپا ہے:۔

"جس ملک کی مذہبی دیوانگی کی یہ کیفیت ہو کہ وہ شاردا ایکٹ جیسے اصلاحی قانون کی ضرورت کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر کے محض مذہب پرستی کے نشہ میں اُسکے منسوخ کرانے کے لئے شورش کا ایک طوفان برپا کر دے، کیا کوئی ایماندار شخص اُس سے توقع کر سکتا ہے کہ نصف صدی سے پہلے اُسمیں مذہبی رواداری کی اسپرٹ اور سوراج کی اہلیت پیدا ہو سکے گی؟"

اس سوال کا جواب سوراج کے سابق علمبردار مولنا محمد علی صاحب غالباً ہم سے بہتر دے سکینگے!

ہندو مسلم مسئلہ کا ایک نیا حل

ابتک تقریباً تمام اہل الرائے اصحاب اسپر متفق تھے کہ ہندو مسلمانوں کا اتحاد اُسی صورت میں ممکن ہے جبکہ یہ دونوں قومیں اتنی تعلیم یافتہ ہو جائیں کہ مذہبی معاملات میں زیادہ وسعت نظر اور رواداری سے کام لینے لگیں لیکن صغر سنی کی شادی کے قانون کی مخالفت میں "مستند مولناؤں" اور "مستند پنڈتوں" نے جس اتحادِ خیال و اتحادِ عمل کا مظاہرہ کیا ہے اُس سے مذکورہ خیال میں کچھ نہ کچھ کمزوری ضرور پیدا ہو گئی ہے اور کچھ عجب نہیں کہ عنقریب کوئی "مستند مولنا" یا "مستند پنڈت" صاحب یہ آواز بلند کریں کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے مذہبی وسیع النظری و رواداری کی بنیاد کبھی اتنی مستحکم نہیں ہو سکتی جتنی کہ مذہبی تنگ نظری اور تعصب کی بنیاد ہو سکتی ہے۔

ہم اس نئے مولوی پنڈت اتحاد پر دونوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

عورتوں کی شوریدہ سری

چند روز ہوئے دہلی میں ہندو مسلمان تعلیم یافتہ عورتوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جس کی ایک روح رواں پنجاب کے سر عبد القادر کی بیگم صاحبہ بھی تھیں، اس کانفرنس نے منجملہ اور تجاویز کے شاردا ایکٹ کی حمایت، تعدد ازدواج کی مخالفت اور بے پردگی کی تائید میں بھی تجویزیں پاس کیں اور ملک کی نمائندہ مجالس میں عورتوں کو بھی حق نمائندگی دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔

زنانہ کانفرنس کی ان "عاقبت اندیشانہ" تجویزوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کی عورتیں بھی ہوا کا رُخ پہچاننے لگی ہیں، اور اس لئے وہ آزاد خیالی میں مردوں سے چار قدم آگے رہنا چاہتی ہیں۔ کیا جمعیتہ العلماء کا اسوقت سب سے مقدم فرض یہ نہیں ہے کہ وہ ایک مذہبی درسگاہ مولویوں کی تربیت

بنانے کے لئے بھی جلد سے جلد قائم کریں تاکہ مولوی عورتیں بھی اپنی ایک جمعیۃ العالمات بنا کر شوہر پرست مسلمان عورتوں کے دل و دماغ پر مذہبی پہرہ بٹھا سکیں، ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزاد خیالی کہیں کسی آئندہ کانفرنس میں اُن کو تعدد شوہران کے جواز کی تجویز پاس کرنے پر مجبور نہ کردے۔

گاندھی جی کا وقف

مہاتما گاندھی نے اپنے چھاپہ خانہ "نوجیون پریس" کو جس کی مالیت تقریباً ایک لاکھ بتائی گئی ہے اور جس میں گاندھی جی کا ہندی اور گجراتی اخبار "نوجیون" اور انگریزی اخبار "ینگ انڈیا" چھپتا ہے، قوم کے لئے وقف کردیا ہے، اور وقف کے مقاصد یہ لکھے ہیں:-

(۱) عدم تشدد کے ذریعہ سے حصول سوراج میں کوشش کرنا (۲) کھادی کی ترویج کرنا (۳) ہندوؤں سے اچھوت پن کو دور کرنا (۴) ہندو مسلم اتحاد قائم کرنا (۵) گائے کی حفاظت کرنا۔ (۶) ہندی زبان کو قومی زبان بنانا۔

گاندھی جی نے اپنے اس وقف کا جن لوگوں کو متولی بنایا ہے وہ سب کے سب ہندو ہیں بعض مسلمانوں کو شکایت ہے کہ متولیوں میں کسی مسلمان کا نام کیوں نہیں ہے اور وقف کے مقاصد میں گائے کی حفاظت اور ہندی زبان کو قومی زبان بنانے کے مقاصد کیوں لکھے گئے ہیں۔

ان شکایتوں کا جواب غالباً گاندھی جی یہی دینگے کہ چونکہ میں گائے کی حفاظت اور ہندی کے قومی زبان بننے کو اپنے ملک، اور ہندو مسلمان دونوں کی بہبود و ترقی کے لئے اپنے نزدیک ضروری سمجھتا ہوں اس لئے میں مجبور تھا کہ وقف کے مقاصد میں ان مقاصد کو بھی شامل کردوں اور چونکہ کوئی معتبر مسلمان مجھے ایسا نہیں ملا جو ان مقاصد میں میرا ہم خیال ہو اور وقف کے انتظام کا اہل بھی ہو، اس لئے میں نے اپنے وقف کے متولیوں میں کسی مسلمان کا نام شامل نہیں کیا۔

معلوم نہیں گاندھی جی کا یہ "غیر سیاسی جواب" انکے ایک "غیر سیاسی فعل" کا جواز ثابت کرنے کے لئے کافی ثابت ہوسکے گا یا نہیں۔ افسوس کہ ہم اپنی مذہبیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود صداقت، بے ریائی سے اسقدر بیگانہ ہوگئے ہیں کہ کسی ایسے کام کی قدر نہیں کرسکتے جسپر جھوٹ اور ریاکاری کا ملمع نہ ہو۔

"انقلاب زندہ باد"

میرٹھ اور دہلی میں جو سیاسی مقدمے چل رہے ہیں اُنکے سلسلہ میں "انقلاب زندہ باد" کے نعروں نے ملک کے جوشیلے نوجوانوں میں بڑی مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ یہاں تک کہ اب محض ان نعروں کے بلند کرنے پر نوجوان گرفتار کئے جاتے ہیں اور اُن پر بغاوت کے مقدمے قائم ہو رہے ہیں۔

ہم ایسے قانون داں نہیں ہیں کہ "انقلاب زندہ باد" کے نعرہ کے متعلق یہ رائے دے سکیں کہ وہ باغیانہ نعرہ ہے یا نہیں لیکن جہاں تک اس نعرہ کے مفہوم کا تعلق ہے ہمارا دل انقلاب کے ہمیشہ زندہ یعنی جاری رہنے کے تصور سے کانپتا ہے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ انقلاب کی صورتیں پیش آئی ہیں اور پیش آتی رہیں گی، لیکن اسکے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ انقلاب ہی ہوتا رہے اور اہل دنیا کو کبھی سکون و اطمینان نصیب نہ ہو۔

کیا "انقلاب زندہ باد" کے نعرے لگانے والے اپنے پُرجوش نعرے کے اس پہلو پر بھی غور کرینگے؟

جن کا اجراء

ادب اردو کے وسیع الہوار رسالہ "نگار" کے قابل ایڈیٹر مولنا نیاز فتحپوری اپنی ادبی جدت طرازیوں اور مجتہدانہ قیاس آرائیوں کی وجہ سے مسلمانوں میں کافی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ اب آپکی جولانی قلم نے اُس دنیا کے کھوج لگانے کا تہیہ کیا ہے جو ادب کی سرحد سے باہر اور انسانی عقلوں کی رسائی سے بالاتر ہے یعنی آپنے ایک ایسا عجیب الہوار رسالہ جاری کیا ہے جسمیں صرف عالم ارواح اور فضائے روحانیت کے "واقعات" سے بحث کی جائے گی اور بھوت پریت اور جنات وغیرہ سے متعلق جتنی بعید از عقل و قیاس روایتیں آپ کو "ثقہ" لوگوں سے پہونچیں گی، انکو اس رسالہ میں جدید تجربات و مشاہدات کی تائید کے ساتھ جگہ دی جائے گی۔ اس عجیب رسالہ کا نام "جن" ہے اور اُس کا پہلا نمبر شائع ہوچکا ہے جسکو ہمنے شروع سے آخر تک نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔

جن حضرات کو "نگار" کی مذہبی تحریرات سے یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ مولنا نیاز بالکل عقل پرست اور علم غیب سے منحرف ہوگئے ہیں غالباً وہ مولنا موصوف کے نئے رسالہ "جن" کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں گے کہ مولنا کیا ہیں۔

گو ہم جانتے ہیں کہ ہمارے منع کرنے کے باوجود لوگ رسالہ "جن" کو پڑھینگے لیکن بحیثیت ایڈیٹر "کامیابی" ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن مسلمانوں کو جن کی عقلیں ابھی مولنا نیاز کی عقل کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں آگاہ کردیں کہ "جن" کا مطالعہ اُنکے لئے مفید نہیں ہے اور اُس کا اجراء کم از کم قبل از وقت ہوا ہے۔

کھلی اور چھپی بدکاریاں

ملک کی اکثر میونسپل کمیٹیوں نے جن میں دہلی کی میونسپل کمیٹی کو بھی پچھلے ہی مہینہ شامل ہونے کی عزت حاصل ہوئی ہے، کھلی بدکاریوں کے روکنے یعنی رنڈیوں کے قیام و کسب معاش پر قانونی پابندیاں عائد کرنے کی کوششیں شروع کردی ہیں اور رنڈیوں کو ایسے بازاروں اور محلّوں سے خارج کرکے جہاں انکی بدکاری کے متعدی ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے ایسے بازاروں اور محلّوں میں بسایا جارہا ہے جہاں یہ اندیشہ کم ہے۔

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ غیر منکوحہ رنڈیوں پر جسقدر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اُسی قدر منکوحہ رنڈیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور یہ منکوحہ رنڈیاں اپنی بدکاریوں کو "نکاح" کے پردہ میں چھپاکر شریفوں کے محلوں میں آزادی کے ساتھ رہتی اور بدکاری کا مرض پھیلانے میں غیر منکوحہ رنڈیوں کی بہ نسبت زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ فلسفۂ معاشرت کے ماہرین اس مفسدہ کے دفعیہ کا کوئی موثر حل سوچیں اور بتائیں، اگر یہ معاملہ "مداخلت فی الدین" کا ہوتا تو شاید ہمارے علمائے کرام بھی اسطرف توجہ فرماتے۔

کابل کا نیا بادشاہ

غازی نادرخاں کو کابل کا تخت مبارک ہو۔ نادرخاں امان اللہ خاں سے عمر میں بڑے ہیں، زیادہ تجربہ کار ہیں، گرم و سرد زمانہ دیکھ چکے ہیں، فتح و شکست کی آزمائشوں میں پڑ چکے ہیں، افغانستان اور وہاں کے باشندوں کو خوب سمجھتے ہیں، یورپ میں عرصہ تک آزادی کی ہوا کھا آئے ہیں، ممکن ہے کہ جن اصلاحوں کو غازی

امان اللہ خاں اپنے نظیر مدبرانہ دورِ حکومت میں پورا نہیں کرسکے ان کی غازی نادر خاں اپنے تدبر سے تکمیل کردیں۔ ممکن ہو کہ غازی نادر خاں دورِ حاضر کے دوسرے امیر عبدالرحمٰن خاں ثابت ہوں۔

ہماری اور ہر محب آزادی و انسانیت کی دلی خواہش ہو کہ افغانستان اپنی آزادی کو برقرار رکھے اور اُسکے باشندوں میں دوسری قوموں کے غلام بننے کی کمزوری پیدا نہ ہونے پائے کہ تمام ترقیوں کی غرض و غایت صرف آزادی ہے۔

تحدید عمر ازدواج کا پہلا قانون

ہندوستان کے دیرینہ دشمن طعنے دے رہے ہیں کہ شاردا ایکٹ ہندوستانیوں نے صرف مس میو کے اُن حملوں کی وجہ سے پاس کردیا ہو جو اُسنے صغر سنی کی شادی کے متعلق اپنی بدنام کتاب مدر انڈیا میں ہندوستانیوں پر کئے ہیں۔ لیکن ان طعنہ زنوں کو یہ خبر نہیں کہ ہندوستان میں آج سے تقریباً چھپن سال قبل یعنی ۱۸۷۲ء میں بھی ایک قانون اسی قسم کا پاس ہوچکا ہو جس کا نام سول میرج ایکٹ ہو اور جس میں لڑکوں کے لئے کم از کم اٹھارہ اور لڑکیوں کے لئے کم از کم چودہ سال عمر ازدواج مقرر کی گئی ہو۔ بابو کیشب چندر سین اور اُنکے رفقا جن کی کوشش سے یہ قانون پاس ہوا تھا اسپر زور دے رہے تھے کہ اس کا اطلاق ہندوستان کے تمام فرقوں پر کردیا جائے لیکن گورنمنٹ نے نہیں مانا اور یہ قانون صرف اُن لوگوں کے لئے مخصوص کردیا جو اس کا اعلان کردیں کہ وہ ہندو مسلمان یا عیسائی نہیں ہیں۔

ہندوستانیوں نے تو ۱۸۷۲ء ہی میں اس معاشرتی اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرلیا تھا یہ مہذب گورنمنٹ کی کمزوری تھی کہ اُسنے ہندوستانیوں کی بات نہیں مانی۔

فدائے وطن لالہ لاجپت رائے کی توہین

فدائے وطن لالہ لاجپت رائے ہندوستان کے اُن مایۂ ناز فرزندوں میں تھے جنھوں نے ملکی آزادی اور قومی ترقی کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور جن کو حصول آزادی کی جدوجہد میں بڑی قربانیاں کرنی پڑی تھیں، لالہ جی آنجہانی کی زندگی کا ایک حصہ اگرچہ ایسا بھی گذرا ہو کہ جب انھیں قوم کی بہ نسبت فرقہ زیادہ عزیز ہوگیا تھا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ قوم اور وطن کی محبت بالکل ہی دل سے نکل گئی ہو۔ اس لئے انکی ملکی اور قومی خدمات کے زیر بار احسان ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی اور ان کی یادگاروں کا احترام مسلمانوں کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہو جتنا کہ ہندوؤں کے لئے۔

اس لئے یہ واقعہ نہایت افسوسناک ہو کہ لالہ جی کا جو مجسمہ بطور یادگار کانگریس کمیٹی نے لاہور میں نصب کرایا تھا اُسے بعض ناعاقبت اندیش شریروں نے پتھر مار کر توڑ دیا اور ایک واجب الاحترام فدائے وطن کی یادگار کی توہین کرکے اپنے وطن اور اپنی قوم کے نام کو بدنام کیا، زیادہ افسوس اس کا ہو کہ ان مفسد شریروں پر جن سے یہ شرمناک حرکت سرزد ہوئی ہو مسلمان ہونے کا شبہ کیا جاتا ہو۔

ہندوستان کی موجودہ فضا میں اگرچہ یہ کچھ بعید نہیں ہو کہ کچھ ترکی ٹوپی اوڑھنے والے مسلمان، جو شاید مسلمان ہونے کے لئے صرف ترکی ٹوپی کا اوڑھ لینا کافی سمجھتے ہوں اس شرمناک حرکت کے ارتکاب پر آمادہ ہوگئے ہوں یا آمادہ کرلئے گئے ہوں لیکن ہمارا دل کسی طرح گواہی نہیں دیتا کہ کوئی مسلمان ایسی فضول اور ناشائستہ حرکت کرے گا۔

بہرصورت اگر اس فعل کے مرتکبوں کا مسلمان ہونا ثابت ہوجائے تو ہندوستان کی قومی تاریخ کا یہ ایک ایسا واقعہ ہوگا جسکو پڑھ کر مسلمانوں کی آئندہ نسلیں ہمیشہ شرمندہ ہونگی۔

کاش ہمارے تنگ نظر زعما اور خود غرض سیاسی رہنما خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اس قسم کی خطرناک اور فضول حرکتوں کے نتائج پر نیک نیتی سے غور کرکے اپنے پیرووں کی روکنے کی ضرورت محسوس کریں اور محض اپنی لیڈری قائم رکھنے کے لئے اپنی درماندہ قوم کی عاقبت خراب نہ کریں۔

مجسمہ کو دوبارہ نصب کرنے کا سوال

لالہ لاجپت رائے جی کا شکستہ مجسمہ ہٹا لیا گیا ہو اور اُس کی جگہ دوسرا مجسمہ جلد سے جلد نصب کرنے کی تجویز کانگریس کمیٹی کے زیر غور ہو۔ اسپر لاہور کا ہمعصر پارس جس کے مالک ایڈیٹر ایک وسیع الخیال اور سچے محب وطن ہندو ہیں یہ مشورہ دیتا ہو کہ فرقہ وارانہ تنگ نظری کی موجودہ فضا میں لالہ جی کے بُت کا دوبارہ نصب کرنا یا دوسری انجمنوں کا مجسموں کے ذریعہ سے لالہ جی کی یادگار قائم کرنا قرین مصلحت نہیں معلوم ہوتا اس لئے یادگار قائم کرنے کے لئے کوئی اور زیادہ مفید صورت تجویز کی جائے یا کم از کم مجسموں کے نصب کرنے کے ارادہ کو کچھ دنوں کے لئے ملتوی رکھا جائے۔

بحیثیت اُس بدنصیب قوم کے ایک فرد ہونے کے جسکے بعض افراد پر مجسمہ شکنی کا شبہ کیا جاتا ہو ہمیں معاصر پارس کی اس رائے کی تائید کرتے ہوئے شرم آتی ہو لیکن آئندہ کی شرمندگیوں سے بچنے کے لئے ہمیں مجبوراً تائید کرنی پڑتی ہو۔ کیا وسیع الخیال ہندو اس مفید مشورہ کو قبول کرینگے؟

نئے اخبارات اور رسائل

لکھنؤ کے نئے ماہوار رسالہ جن کا تو ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں دو نئے ماہوار رسالے اور ہمارے پاس پہنچے ہیں ایک کا نام خاتونِ مشرق ہو جو میرٹھ سے عورتوں کے لئے جاری ہوا ہو اور دوسرے کا نام کوثر ہو جو دہلی سے نکلا ہو۔ ان دونوں رسالوں میں وہ تمام دلچسپیاں موجود ہیں جن کی آجکل مانگ ہو۔ کوثر کے ایڈیٹر مولوی ظفر اماں صاحب جناب مولانا محمد علی صاحب محدث میرٹھی کے صاحبزادے ہیں اور باوجود اسکے کوثر بالتصویر ہو۔ خاتونِ مشرق کی ایڈیٹر خورشید اقبال صاحبہ ہیں جو حیا تخلص فرماتی ہیں اور باوجود اسکے وہ ایک شوخ رسالہ کی ایڈیٹرس ہیں اس سے زمانہ کے رنگ کا اندازہ ہوسکتا ہو۔

دہلی سے عنقریب ایک ہفتہ وار اخبار اور ایک ماہوار رسالہ کے اور جاری ہونے کی اطلاع ملی ہو ہفتہ وار اخبار کا نام **عورتوں کا اخبار** ہوگا اور وہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی زیر نگرانی بلکہ تقریباً زیر ایڈیٹری شائع ہوگا۔ یہ اخبار خواجہ صاحب کے مقبول عام زنانہ رسالہ **تبلیغ نسواں** کا قائم مقام بنکر نکلے گا یعنی ماہوار **تبلیغ نسواں** کو آئندہ ہفتہ وار **عورتوں کا اخبار** کردیا جائے گا، اور تبلیغ نسواں کی موجودہ خصوصیتوں میں اخباری دلچسپیاں اور بڑھ جائیں گی۔

دوسرا رسالہ جو جاری ہونے والا ہو اُس کا نام **نسوانی دُنیا** ہو۔ یہ دہلی کے مشہور رسالہ دین و دنیا کے دفتر سے عورتوں کے لئے نکالا جارہا ہو۔ مفتی شوکت علی صاحب فہمی اُسکے ایڈیٹر ہوںگے اور باوجود ابتک کسی بیوی کے شوہر اور کسی لڑکی کے باپ ہونے کے اپنے رسالہ میں بیویوں کی دلچسپی اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق مضامین تحریر فرما

”ناکامیاں کامیابی کا زینہ بنجاتی ہیں“

امیدوں اور امنگوں سے بھرے ہوئے دل جب اپنی کوششوں اور محنتوں کے نتیجے معلوم کرنے کیلئے بے چینی کے ساتھ دھڑکتے ہوتے ہیں اسوقت ناکامی کا ”از غیبی گولہ“ انکے لئے یقیناً ایک روحانی کرب ہے کہ نہیں ہوتا۔ ہفتوں، مہینوں، بلکہ شاید برسوں مسلسل محنت کرنے کے بعد جب انسان کو یہ علوم ہوتا ہو کہ اسکی تمام کوششیں رائیگاں گئیں، اور اس کا تمام وقت فضول برباد ہوا تو اسکی مایوسی اور شکستہ دلی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی لیکن اگر صبر اور استقلال کے ساتھ محنت کو جاری رکھا جائے تو یہی دل شکستگی کامیابی کا باعث بنجاتی ہو۔ دانہ جب تک خاک میں نہ ملے اور پھٹ نہ جائے اسوقت تک اسکے اندر سے گل کے خوبصورت اور خوشنما درختوں کا برآمد ہونا ناممکن ہو۔ ہماری کوششوں کی اگر مزاحمت نہ ہو تو ہمارے عزم میں مضبوطی پیدا نہیں ہوتی لیکن اگر مزاحمتیں ہوتی رہیں، اور مخالفت سے سابقہ پڑتا رہے تو اسی نسبت سے ہمارے ارادوں میں پختگی پیدا ہوتی چلی جاتی ہو۔

نپولین کا مقولہ ہو کہ ”فتح صرف وہی کا حصہ ہو جو کبھی ہمت نہ ہارے“ اور تجربہ اور مشاہدہ اس کا گواہ ہو کہ ہار ہمیشہ انہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہو جو ہمت ہار دیں۔

برک لکھتا ہو کہ ”وہ اعصاب جو کبھی ڈھیلے نہ پڑیں، وہ آنکھ جو کبھی نہ جھپکے اور وہ خیال کہ کبھی اپنے مقصد سے نہ بھٹکے وہی اس قابل ہیں کہ کامیابی انکے قدم چومے۔“

انگلستان کے مشہور و معروف مقرر شیرڈن نے جب پہلی مرتبہ پارلیمنٹ میں تقریر کی تو ایک اخبار کے ایڈیٹر نے اس سے کہا تھا کہ یہ کام جناب کے کرنے کا نہیں ہو لیکن شیرڈن نے تھوڑی دیر تک اس مسئلہ پر غور کرکے کہا کہ نہیں میں اس کا اہل ہوں اور میں اسے ثابت کر دکھاؤنگا، واقعات ہمیں بتلاتے ہیں کہ شیرڈن نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا تھا، ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ وارن ہیسٹنگز کے خلاف اسکی تقریر انگریزی ادب کا ایک مایۂ ناز سرمایہ ہو۔

کارلائل کا مقولہ ہو کہ ”ہر بڑا اور مہتم بالشان کام ابتدا میں ناممکن ہوتا ہو“ اور اسکا مطلب یہ ہو کہ ہمت اور عزم کے پورے لوگ ایسے کاموں کے کرنے کیلئے اٹھتے ہیں کہ جو بظاہر ناممکن ہوں، اور ان کی مسلسل اور انتھک کوششیں انہی ناممکن چیزوں کو ممکن کر دکھاتی ہیں حقیقت یہ ہو کہ وہ لوگ جو کام شروع کرتے وقت ہچکچاتے رہتے ہیں اور دو کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے متعلق سوچتے رہا کرتے ہیں وہ بالعموم دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں کیا کرتے۔

کولمبس کا بچپن ہی سے یہ خیال تھا کہ زمین گول ہو اور اگر ہم بالکل ایک ہی سیدھ میں چلے جائیں تو بالآخر گھوم کر اسی جگہ آجائینگے کہ جہاں سے روانہ ہوئے تھے، وہ انتہائی بے کسی اور مجبوری کی حالت میں تھا، اسکے دوست اسے مخبوط الحواس سمجھ کر اسکا ساتھ چھوڑ چکے تھے پرتگال کے بادشاہ نے اگرچہ وعدہ اسے مدد دینے کا کیا تھا لیکن خفیہ طور پر نئی دنیا کی تلاش میں اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا۔ بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلا نے جو جلسہ مشاورت منعقد کیا اسمیں بھی ہر طرف سے کولمبس کے خیالات پر اعتراضوں کی خوب بوچھار ہوئی۔ پادریوں نے کہا کہ انجیل مقدس میں لکھا ہو کہ آسمان شامیانے کی طرح تنے ہوئے ہیں لہذا زمین گول نہیں ہو سکتی فلسفیوں نے کہا کہ اگر زمین گول ہوتی تو اسپر پانی کیسے ٹھہر سکتا، اور ہم بھی کیسے رُکے رہتے۔ غرض یہ کہ محروم و مایوس اور خستہ و مجبور ہو کر کولمبس بندر الحمرا سے نکلا، اور اس فکر میں سرگوں تھا کہ کسی اور بادشاہ سے امداد کی التجا کرے۔ محض اتفاقیہ طور پر کسی نے ملکہ ازابیلا سے کہا کہ شاید اگر یہ شخص سچا ہو تو اسوقت اسکی تھوڑی سی مدد کے آپ اپنے نام کو غیر فانی بنا سکتی ہیں، ملکہ کو یہ بات پسند آئی اور اسنے بطور خود کولمبس کو بلا کر اسکی مدد کی۔ کولمبس نئی دنیا کی تلاش میں نکلا اور گو اسکے ساتھی بار بار اس سے منحرف ہونے پر آمادہ ہوئے لیکن اسنے اپنا راستہ نہ بدلا اور آخر کامیاب ہو کر ہی رہا۔

اسلام کے مشہور و معروف جنرل طارق نے ساحل ہسپانیہ پر اترتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن کشتیوں میں وہ اور اسکی فوج آئی تھی ان میں آگ لگا دی تاکہ واپسی کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے اور مقصد سے روگردانی کا کبھی خیال تک نہ آئے۔

کارلائل کا ایک مقولہ یہ بھی ہو کہ ”اپنا کام متعین کرو اور اسے کرنے لگ جاؤ، اور اسی طاقت اور ایسی محنت سے کرو کہ گویا تم کوئی رستم ہو“ اسی قسم کے استقلال اور مسلسل محنت نے چین کی وہ عظیم الشان دیوار بنائی، اور ایسے ہی عزم و ہمت کا نتیجہ اہرام مصر ہو۔ جر ثقال کے آلات کی عدم موجودگی میں اور فن تعمیر کے دوسرے ضروری آلات کے بغیر روضۂ تاج محل اور قطب صاحب کی لاٹ کا بنجانا اگر انسانی محنت و ہمت کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہو؟ پشاور سے کلکتہ تک پختہ سڑک بنانے کا خیال ایک ایسے زمانے میں کہ جب ریلیں تھیں نہ تار، اور نہ سڑکیں کوٹنے کے انجن تھے نہ آب رسانی کے متعلق آسانیاں، اگر آسکتا تھا تو انہی دماغوں میں کہ جو کام کو شروع کرکے تمام سے پہلے چھوڑنا جانتے ہی نہ ہوں، اور جنہیں کوئی خطرہ اور کوئی ناکامی اپنے ارادہ میں متزلزل نہ کر سکے۔

گبن نے ۱۰ سال تک کام کرکے اپنی ”تاریخ زوال سلطنت روما“ لکھی تھی، اور ڈاکٹر جانسن کو اپنی انگریزی زبان کی لغت تیار کرنے میں چھتیس سال لگے تھے، ایران کے مایۂ ناز شاعر فردوسی نے اپنے شاہنامہ کے ساٹھ ہزار اشعار پینتیس سال کی مدت دراز میں لکھے اور اتنے عرصہ تک کوئی دقت اور کوئی تکلیف اسے حصول مقصد کے لئے کوشش کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔

ہمت نہ ہارنے کی اور ناکامیوں کو کامیابی کا ذریعہ بنا لینے کی سب سے بہتر مثال مسٹر فیلڈ ایڈیشن

کی ہو جن کی محنت و کوشش کا نتیجہ بحری تار برقی کا وہ سلسلہ ہے جو انگلستان اور امریکہ کے درمیان بحر اوقیانوس کی گہرائیوں میں پڑا ہوا ہے۔ مسٹر فیلڈ کو جب یہ خیال پیدا ہوا کہ سمندر میں تار ڈالکر یورپ اور امریکہ کو باہم مربوط کیا جاسکتا ہو تو وہ ہمہ تن اس کوشش میں مصروف ہوگئے پہلے تو نیو یارک سے نیو فاؤنڈ لینڈ تک ایک ہزار میل لمبا تار کا سلسلہ قائم کرنا پڑا، اور اس ایک ہزار میل کے فاصلہ میں سے چار سو میل تک ایسا جنگل تھا کہ جسمیں اس سے پہلے انسان کا گذر نہیں ہوا تھا۔ مسٹر فیلڈ نے برطانوی حکومت سے بھی اپنی کمپنی کے لئے کسی قدر امداد حاصل کر لی تھی۔ سب سے پہلے جہاز جس میں تار لاد کر لے جایا گیا ایگامینن اور نایگرا تھے، ابھی صرف پانچ ہی میل تک پہونچے تھے کہ تار مشین میں اُلجھ کر ٹوٹ گیا اور محنت بیکار گئی، دوبارہ پھر کام شروع کیا گیا اور اس مرتبہ دو سو میل سے کچھ اوپر پہونچکر پھر وہی مصیبت رونما ہوئی لیکن فیلڈ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو ہمت ہار دیتے ہیں، تیسری مرتبہ پھر بڑی احتیاط کے ساتھ کام شروع کیا گیا اور بالآخر سمندر کے ٹھیک درمیانی حصہ میں انگلستان کی جانب سے آیا ہوا جہاز اور امریکن جہاز باہم ملے۔ تار کے جو انبار دونوں پر لدے ہوئے تھے انکے سرے آپس میں جوڑ دئے گئے اور اب دونوں جہاز تار سمندر میں ڈالتے ہوئے اپنے اپنے ملک کی طرف چل پڑے، ابھی ان دونوں میں مشکل سے تین میل کا فصل ہوا ہوگا کہ جوڑ کھل گیا اور تار الگ الگ ہوگئے، جہاز پھر لوٹے اور ایک مرتبہ پھر یورپ اور امریکہ کے رشتہ اتحاد میں گرہ لگائی اور پھر روانہ ہوگئے، اس مرتبہ اسّی میل کا فاصلہ پڑجانے کے بعد برقی لہر غائب ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ تار پھر ٹوٹ گیا ہو۔ ان بلند ہمت انسانوں نے پھر بھی جی نہ چھوڑا اور ایکمرتبہ پھر تاروں کے سرے جوڑ کر از سر نو کوشش شروع کردی۔ اس مرتبہ تقریباً دو سو میل کا فاصلہ بخیر و خوبی گذر گیا، لیکن ابھی قسمت میں ناکامیاں اور بھی لکھی تھیں اس لئے اس مرتبہ تار بجائے جوڑ سے ٹوٹنے کے جہاز کے بالکل قریب ہی ٹوٹ کر سمندر کی تہ میں جا پڑا اور جتنا کام ہوا تھا وہ آئرستان کے ساحل پر آگیا جس کمپنی نے یہ کام شروع کر رکھا تھا اسکے ڈائرکٹروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، عوام بدگمان ہوگئے، اور سرمایہ دار مزید سرمایہ لگانے سے ہاتھ کھینچنے لگے اور اسقدر ناموافق حالات میں یہ مسٹر فیلڈ ہی کا دم تھا کہ انھوں نے ہمت نہ ہاری، اور امریکہ اور یورپ کو باہم منسلک کرنے کا خیال ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا۔ مسٹر فیلڈ نے لوگوں کو پھر آمادہ کیا اور اس مرتبہ اس حد تک کامیابی حاصل ہوگئی کہ پورا تار بخیر و خوبی ڈال دیا گیا، اور یورپ اور امریکہ کے درمیان چند برقی پیامات کا تبادلہ بھی ہوگیا۔ لیکن مادر فطرت ابھی اپنے فرزند کی مزید آزمائش کرنی چاہتی تھی، چند پیغامات کے بعد یکایک برقی لہر غائب ہوگئی اور معلوم ہوا کہ تار کہیں نہ کہیں ٹوٹ گیا ہو۔

اب سوائے مسٹر فیلڈ کے اور سب کی ہمتیں بالکل پست ہوچکی تھیں لیکن انھوں نے پھر لوگوں کو آمادہ کیا، اور اس مرتبہ نہایت ہی اعلیٰ قسم کا تار گریٹ ایسٹرن نامی جہاز پر لاد کر لے چلے سفر نہایت کامیاب رہا اور نیو فاؤنڈ لینڈ صرف چھ سو میل دور رہ گیا تھا کہ یکایک تار کا تمام انبار اپنے وزن کی وجہ سے کھنچکر یکایک سمندر میں جا پڑا اور یہ پھر ہاتھ جہاز کرزہ گئی۔ تار کو اس جگہ سے نکالنے کی بہت سی ناکام کوششیں کی گئیں اور بالآخر ایکسال کے لئے ان سرگرمیوں کو ترک کر دیا گیا۔ مسٹر فیلڈ نے اب بھی ہمت نہ ہاری، اور ایک نئی کمپنی قائم کرکے نہایت ہی اعلیٰ قسم کا تار تیار کرایا اور آخر کار قدرت نے انھیں انکی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کا انعام کامل کامیابی کی صورت میں دے ہی دیا۔

ایک چینی طالب علم کا قصہ مشہور ہو کہ تحصیل علم میں متواتر کئی مرتبہ ناکام رہنے کے بعد اسنے تنگ آکر آخر اپنی کتابیں اُٹھا کر پھینک دیں اور اس خیال ہی کو چھوڑ دیا۔ لیکن اسی وقت اتفاقیہ طور پر اس کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو بیٹھی ہوئی لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ پتھر پر گھس رہی تھی۔ "تم یہ کیا بنا رہی ہو" اسنے پوچھا، اور عورت نے اپنا ہاتھ کام سے روکے بغیر جواب دیا کہ "اسے گھسکر باریک کر رہی ہوں جب باریک ہوجائے گی تو سوئیاں بناؤں گی"۔ طالبعلم کو اپنے وجود سے شرم آئی کہ ایک عورت تو اپنے عزم میں اسقدر پختہ ہو کر لوہے کی سلاخ کو اسوقت تک پتھر پر گھسے جائے گی کہ جبتک وہ سوئی کی طرح باریک ہوجائے اور وہ صرف دو چار مرتبکی ناکامیوں سے ہمت ہار بیٹھے۔ صبر و استقلال کی اس دیوی نے اسکے دل میں تازہ ہمت پیدا کردی اور کچھ عرصہ کے بعد وہ چین کے تین سب سے بڑے عالموں میں سے ایک بنا۔

کارلائل نے مدتوں کی جانگداز محنت کے بعد جب انقلاب فرانس کی تاریخ تیار کرلی تو اپنے ایک دوست کو اسکا مسودہ دیکھنے کے لئے دیا۔ یہ حضرت کسی قدر لاابالی مزاج کے آدمی تھے پڑھتے پڑھتے اسے زمین پر ڈالکر کسی ضرورت سے باہر چلے گئے۔ خادمہ آئی اور اسنے بجا طور پر اسے ردّی کاغذ سمجھ کر اس سے انگیٹھی سلگائی۔ اسقدر عرصہ کی محنت شاقہ کا یوں چند لمحوں میں برباد ہوجانا کوئی معمولی سا صدمہ نہ تھا لیکن کارلائل نے پھر کر ہمت چست کی اور پھر مدتوں تک وہی کتب بینی اور گلشن تاریخ کی خوشہ چینی کرکے اپنی کتاب مکمل ہی کرکے چھوڑی۔

برک نے کس قدر اچھی نصیحت کی ہو کہ "کبھی مایوس نہ ہو، اور اگر مایوس ہونا ہی پڑے تو مایوسی میں بھی اپنا کام کئے جاؤ"۔

مذہب اسلام میں کامیابی سے مایوس ہونا کفر میں داخل ہو لیکن آج مذہب اسلام کے کتنے پیرو ایسے نکلیں گے جو ایسے صبر اور ایسے استقلال کی مثالیں پیش کرسکیں۔

(سعید احمد)

کامیاب صرف وہ ہوتے ہیں جو کامیابی کے مستحق ہوں

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ" (پ ۱۷، الانبیاء ع ۷)

اس آیہ پاک میں خداوند کریم نے قانونِ فطرت کا ایک کلیہ بیان کیا ہے جس کے اچھی طرح نہ سمجھنے سے لوگوں نے اسکے معانی و مطالب کے بیان کرنے میں غلطیاں کی ہیں وہ کلیہ یہ ہے کہ قانونِ الٰہی مستحق کو دیتا ہے غیر مستحق کو نہیں دیتا۔ مستحق سے مراد وہ شخص ہے جسنے قانونِ قدرت کے مطابق مطلوبہ کے حاصل کرنے میں صحیح محنت کی ہو۔ اسی کلیہ کی توضیح قرآنِ حکیم میں ایک اور مقام پر اس طرح کی گئی ہے

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا" جو شخص اچھا کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے اسکو اسکا ضرر پہنچتا ہے۔"

دنیا میں جسقدر چیزیں قدرت نے انسان کے لئے مفید یا مضر پیدا کی ہیں انکے لئے قانونِ الٰہی یہ ہے کہ انسان جس مفید چیز کو حاصل کرنا چاہے اسکے لئے صحیح طریقوں سے محنت کرے، جہاں تک ارادی محنت کو اسکے ملنے میں دخل ہے وہ چیز ضرور ملے گی، اور اگر کسی مفید چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسکے لئے چند ارادی فعل ناگزیر ہوں، تو جبتک وہ ارادی فعل نہ کرے گا وہ چیز نہ ملے گی، صحیح محنت کر لینے کے بعد عامل فطرتاً مطلوب حاصل کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے، اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو تو مطلوب بے ملے نہیں رہتا۔

اس قانونِ قدرت کو سامنے رکھکر انسان جب دنیا کی تاریخ کو غور سے دیکھے تو اسکو نظر آجائیگا کہ جو افراد و اقوام اپنی قوت بازو سے فطری اصول راست بازی و اخلاص و عدل و اعتدال وغیرہ کے پابند ہو کر دنیا کی نعمتوں کے حاصل کرنے میں پوری توجہ کر محنت کرتے ہیں وہی آخر کو کامیاب ہوتے ہیں اور جو افراد و اقوام اس کی مخالفت کرتے ہیں گو انکو سرسری اوج اور کامیابی ہو لیکن آخر کو انکا پردہ فاش ہوتا ہے اور عادلِ حقیقی غیر مستحقوں سے مغصوب نعمتوں کو چھین کر انکو دیتا ہے جو مستحق ہوں۔

علم الاخلاق کا ایک مسلّم مسئلہ ہے کہ جس مادہ سے آدمی بنا ہے اسمیں ایک حد تک اس بات کی قوت مفطوراً موجود ہے کہ جیسے ماحول یعنی گرد و پیش کے حالات میں وہ رہے رفتہ رفتہ اسکے مناسب ہونے کے لئے ترقی کرے، اس لئے ماہرینِ علم الاخلاق کا قول ہے کہ "اگر آدمی کی ساخت میں ماحول (گرد و پیش) سے مناسبت کی طرف ترقی کرنے کی قوت نہ ہوتی۔ تو ایسے ماحول میں پیدا ہونے کے بعد جس میں اسکو زندہ رہنے کے لئے جد و جہد اور مفید کے حاصل کرنے اور مضر سے بچنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے زندہ رہنا محال ہو جاتا۔"

اسکے ساتھ وہ اسکو بھی مانتے ہیں کہ جہد للبقا یعنی زندہ رہنے کے لئے کوشش کرنے میں بعض کو زیادہ کامیابی ہوتی ہے، اور بعض کو کم جو اپنے تغیرات باطنیہ کو خارج کے تغیرات سے زیادہ مناسب کر لیتے ہیں، وہ زندہ رہنے میں زیادہ کامیاب ہوتے ہیں، اور جو ماحول سے مناسبت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے، وہ حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں، جو لوگ اپنے اندرونی تغیرات میں ایسی اصلاح کر سکتے ہیں کہ وہ خارجی تغیرات کے مناسب ہو جائیں صرف وہی جیتے ہیں اور جو اصلاح نہیں کر سکتے وہ فنا ہو جاتے ہیں۔

دنیا عالمِ کون و فساد ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسمیں ایک چیز بنتی ہے تو دوسری بگڑتی ہے، الٰہی ارشاد اسکی شہادت بدیں الفاظ اہلِ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

"يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ" "خدائے پاک جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم کرتا ہے، اور اسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔"

سچ تو یہ ہے کہ عالمِ کائنات اسی اُم الکتاب کا ایک ورق ہے، اس پاک کتاب کے بنظرِ غائر مطالعہ کرنے والوں کو صاف نظر آتا ہے کہ دنیا ایک قانونِ فطری اور ایک نظامِ الٰہی کے تابع ہے اور اس سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتی، تمام نظامِ عالم اسی قانون پر چل رہا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ ایک چراغ بجھتا ہے تو دوسرا جلتا ہے۔ ایک گھر بگڑتا ہے تو دوسرا بنتا ہے، مگر انسان اسقدر غافل واقع ہے کہ وہ کبھی ان تغیرات کی طرف دھیان نہیں کرتا، چونکہ انسان کو یہ حقیقت نظر نہیں آتی اس لئے خدائے پاک نے خود ہی اسکی نسبت کھلے لفظوں میں ارشاد فرما دیا۔

"لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ" "سورج کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ چاند کو پالے، اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، سب اپنے دائرہ و محور میں گھوم رہے ہیں۔"

بلکہ انسان کو یہاں تک یہ دقیق حقیقت آسانی سے سمجھا دی گئی ہے کہ۔

"وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" (پ ۲۶ ع ۱) یعنی "(اے انسانوں) اللہ تعالیٰ کی نشانیاں (صرف باہر ہی نہیں) بلکہ خود تمہارے وجود کے اندر بھی موجود ہیں۔ پھر کیا تم اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھتے۔"

پس قدرت کا یہ عمل آفاقِ عالم کے سوا خود انسان کے اندر بھی جاری ہے انسان کو بتایا جاتا ہے کہ اسکے جسم کے ذرّات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ مگر انسان ہے کہ وہ اپنے اندر کے مخفی اثرات کا بھی احساس نہیں کرتا۔ مختصر یہ کہ اسکی لاعلمی یا بے حسی خدائے پاک کے اس اٹل قانون کو بدل نہیں سکتی، یہ ابدی قانون ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

اصلاح کر کے زندہ رہنے کے واقعہ کو حکیم سپنسر نے "خلافۃ الاوفق" اور ڈاروِن نے "انتخابِ طبیعی" کہا ہے۔ خلافۃ الاوفق کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اپنے ماحول کے سب سے زیادہ موافق ہوتے ہیں وہی زندہ رہتے ہیں اور خلیفہ یا قائم مقام ہوتے ہیں اُن کے جو ناموافق ہونے سے فنا ہو گئے، انتخابِ طبیعی کے یہ معنی ہیں کہ فطرت اُن فردوں اور نوعوں کو چن چن کر زندہ رکھتی ہے جو اپنے ماحول سے مناسب ہوں اور جو مناسب نہیں ہوتے اُن کو ہلاک کر دیتی ہے۔

اگر قرآنِ کریم اُن تمام حکیمانہ علوم و اصول کا جامع ہے اور اُسے دعویٰ ہے کہ وہ تمام دنیا کے حکیموں

اور فلاسفروں اور سائنسدانوں کا اپنی ہی ہو۔ تو ایک مومن بالقرآن کو اس قانون الٰہی کے مطابق اس آیت پاک کے مفہوم سمجھنے میں کسی عذر کی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ

"ان الارض یرثہا عبادی الصالحون" (پ ۱۷ سورۂ انبیاء ع ۷) تحقیق زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے۔

اگر صالح کے معنی مناسب حال، کئے جائیں اور اس آیۂ شریفہ سے علم الاخلاق کے عالموں کے کلیہ "بقاء الاصلح" کو سمجھ لیا جائے اور درحقیقت ایسا ہی ہے تو کس قدر ماہرین علم الاخلاق کے ایمانوں کے زندہ کرنے کی وجہ اور سبب ہو۔

علم الاخلاق کے نزدیک دنیا کے بادشاہ "صلحاء" کی جماعت میں داخل ہیں اور صلحاء سے قوالی یا وظیفہ خواں یا شب بیدار انسان ہی مراد نہیں، بلکہ وہی لوگ مراد ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے متعدد غیر صالح قوموں نے اپنی سلطنت کھودی حالانکہ وہ ایک مدت تک وارث تاج و تخت رہ چکی تھیں۔ متعدد حکمراں قومیں اعمال فاسدہ کے نشہ میں چور ہیں، اور سمجھی ہیں کہ یہی اعمال تہذیب و تمدن کے زیور ہیں، اُن کا ایسا سمجھنا غلطی ہے بلکہ خدائے پاک جو قانون قدرت اور قانون فطرت کا مالک ہے یہی فرمانا ہے کہ زمین کے وارث صالح بندے ہی رہے ہیں اور اب ہیں، اور آیندہ رہینگے، دنیا میں اب تک جتنی قومیں پیدا ہوئیں انھوں نے عروج پایا اور فنا ہوگئیں اور آیندہ جتنی قومیں پیدا ہونگی عروج کرینگی، اور نابود ہونگی، وہ سب کی سب "یرثہا عبادی الصالحون" کی مثالیں ہونگی، قرآن حکیم نے یہ ایک ایسا قانون قدرت بیان فرمایا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جسمیں کبھی تبدیلی نہ ہوگی۔

صحیفۂ فطرت پر غور کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ تمام عالم وجود و حیات میں "تنازع للبقاء" یعنی بقاء اور زندگی کے قائم رکھنے کے لئے ایک دائمی جنگ اور مقابلہ قائم ہے اور اسی حالت سے "انتخاب طبعی اور بقاء اصلح" کی حقیقت واضح ہوتی ہے جس کا مطلب کھلے اور صاف لفظوں میں یہ ہے کہ فطرت صحیح اور طاقتور کو بقاء اور زندگی کے لئے چھانٹ لیتی ہے، اور کمزور و غیر صالح کو فنا کے لئے چھوڑ دیتی ہے۔

جس طرح جنگ میں طاقتور فریق فتح پاتا اور کمزور شکست کھاتا ہے اسی طرح اس جنگ میں طاقتور فریق فتح پاتا اور کمزور شکست کھاتا ہے یعنی طاقت اور صحت فتح پاتی ہے اور ضعف و نقص شکست کھا کر رفتہ رفتہ ہلاک ہوجائے گا، اور یہی دراصل فطرت کا قانون انتخاب ہے، طاقت کو باقی رکھنے کے لئے الگ کر لینا اور ضعف کو ہلاکت کے لئے جدا کر دینا اسی کا نام "انتخاب طبیعی" اور "نیچرل سلکشن" ہے۔

(ماخوذ)

ہندوستانی قرضہ

(از جناب مولوی [illegible] الرحمٰن صاحب بی اے)

موجودہ ہندوستان کی سیاسی کشمکش کا راز اُس کی معاشی کمزوری میں پنہاں ہے اگر کسی ملک میں خام اجناس کی پیداوار کم ہو یا تعداد مردم شماری گھٹ جائے یا صنعت و حرفت میں وہ دوسری قوموں کا محتاج ہو تو یہ معاشی کمزوری کی دلیل ہے اور ان میں سے ہر ایک وجہ اس ملک کو اقتصادی حیثیت سے تباہ کر دینے کے لئے کافی ہے لیکن کثرت سے مردم شماری اور غیر محدود ذرائع اور وسائل معاش کی موجودگی میں معاشی زوال اگر ہوجائے تو اُسکے اسباب غیر معمولی حوادث ہوا کرتے ہیں، مثلاً محکومی، خانہ جنگی، یا کوئی غیر متوقع عظیم الشان تباہی و بربادی۔

لیکن جس ملک میں بیشمار دولت کے قدرتی ذرائع موجود ہوں اور آبادی بھی ۳۲ کرور نفوس پر مشتمل ہو اور پھر بھی تقریباً ۶ کرور بندگان خدا کو ایک وقت سے زیادہ روٹی میسّر آئے تو بظاہر یہ ایک معمہ ہوجاتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔

آج ہندوستان کی یہی حالت ہے اور یہ معاشی تباہی کی ایک عجیب و غریب مثال ہے اس مصیبت کے وجوہ و اسباب تلاش کیجئے تو چند امور سامنے آئینگے لیکن سب سے زیادہ قابل غور باعث نزدہ مسئلہ عام قرضداری کا ہے۔

ملکوں اور قوموں کے قرضہ کی حالت عام افراد کے قرضہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی بجز اسکے کہ ملک اپنی تجارتی ضروریات اور کاروباری اغراض کے لئے اکثر قرض لیتے رہتے ہیں اور چونکہ اُن کی ضمانت نہایت معقول ہوتی ہے اور بڑے سرمایہ کی فراہمی نہایت آسان شرائط اور مناسب شرح سود پر ہوجاتی ہے اس لئے بالعموم انکو روپیہ قرض لیکر لگانا زیادہ نفع دیتا ہے اور چونکہ تقریباً اجارہ دار کی حیثیت سے وہ عظیم الشان کاروبار چلاسکتے ہیں اس لئے منافع بھی خاطر خواہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حکومت ہند اکثر قرض لیتی رہتی ہے اور جب کبھی قرضہ حاصل کرنے کے لئے اعلان کیا جاتا ہے تو رقم قرضہ مدت معینہ سے قبل ہی حاصل ہوجاتی ہے آپنے اکثر دیکھا ہوگا کہ لنڈن کے بازار میں آج حکومت ہند کی طرف سے جدید قرضہ کا اعلان ہوا اور تین دن کے اندر ضرورت سے زائد رقم فراہم ہوگئی اس طرح موجودہ حکومت ہند ہمیشہ قرضدار رہتی ہے ظاہر ہے کہ اس قرضہ کا بار بھی براہ راست ملک کی عام معاشی حالت پڑتا ہے اور ملازمتوں کے متعلق پنشن اور حکومت کے بعض اخراجات کے لئے لنڈن میں جو رقوم خرچ ہوتی ہیں اُن سب کو ملا کر ایک گرانقدر رقم قرضہ ہمیشہ باقی رہتی ہے جس کا سود ہندوستان کے باشندوں کی کمائی سے سال بہ سال ادا کیا جاتا ہے لیکن اس قرضہ میں اگر کچھ نقصانا

ہیں تو بعض منافع بھی ہیں اس لئے ملک کی عام اقتصادی حالت پر وہ اثر نہیں پڑتا جو شخصی اور ذاتی قرضداری کا ہوتا ہے۔

ہندوستان کے کاروباری جماعت کا ناخدا وہ گروہ ہے جو بنکوں اور کوٹھیوں کے ذریعے روپیہ کا کاروبار کرتا ہے یہ جماعت ہندوستان میں بہت سے طبقوں میں منقسم ہوگئی ہے بینک جو ملکی تجارت کا بڑا سہارا ہوتے ہیں تقریباً سب غیر ملکی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روپے کی تقسیم تو اندرون ملک ہوتی ہے لیکن اس کاروبار کا اصلی نفع یعنی کٹوتی، دلالی، اور بعض رقوم سود ملک سے باہر چلی جاتی ہیں، اس کے علاوہ سب سے بڑی دشواری یہ پیش آتی ہے کہ بعض بنکوں پر تاجر دیسی ہمدردی کا نہیں بلکہ رقابت کا برتاؤ کیا جاتا ہے لیکن بنکوں کا کاروبار بھی محدود ہے۔

ملک میں آبادی کا بڑا حصہ ایسے لوگوں کا ہے جو بنکوں کی بجائے صراف اور بنئے سے لین دین کرتے ہیں، ان لوگوں کی طرح شدید تجارتی مقاصد کے بالکل منافی ہے، ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں معاشی ترقی کی راہیں روز بروز تنگ ہوتی جاتی ہیں اور کاروبار میں قرضہ ہی زیادہ کامیابی کے لئے سنگ گراں ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً زراعت پیشہ لوگوں کی حالت پر غور کیجئے، اگرچہ یہ طبقہ ہندوستان کی زرعی کاشت کا بڑا ذریعہ ہے اور عام فلاح و بہبود اسی طبقہ سے وابستہ ہے لیکن یہاں قرضداری کا یہ عالم ہے کہ ۹۰ فیصدی کاشتکار قرضہ کے بارے سے اس قدر دبے ہوئے ہیں کہ تمام سال محنت کرنے کے بعد بھی وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے شکم سیر خوراک کا بندوبست کر سکیں، بنیا، مدرس، تہوار، ہر ایک آن کا قرضخواہ ہے اور جسے وہ ... انتہائی اختیارات رکھتا ہے۔ اسکے علاوہ اسکو زمیندار کو لگان ادا کرنا ہے، تقاوی کی قسط دینا ہے۔ اور بعض جگہ نہر کا محصول اور مویشی کی قیمت بھی ادا کرنی ہوتی ہے ان مطالبات کی موجودگی میں اس کی اور اسکے بیوی بچوں کی لگاتار محنت کبھی کچھ کام نہیں آتی اور وہ پراگندہ روزی پراگندہ دل کی حیثیت میں نہ اپنا کام تندہی اور انہماک سے کرسکتا ہے اور نہ وہ ہمت و جرأت باقی رہتی ہے جو کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

ملوں کے مزدوروں کی حالت کاشتکاروں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے وہ ماہوار تنخواہ پر آٹھ گھنٹے سے لے کر گیارہ گھنٹے تک روزانہ مشین کی طرح کام کرتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی اس تنگ دستی سے زیادہ کبھی ملنے والا نہیں ہے جو ان کو اس وقت میسر ہے، لیکن جب کام ختم کر کے باہر آتے ہیں تو گھر کے خرچ کے علاوہ قرضہ اور اس کا سود، رقم پیشگی کی ... ان کو اسی طرح تہیدست رکھتی ہے جیسے کہ وہ کام شروع کرتے وقت تھے۔

اسکے علاوہ ایک دوسری جماعت صناعوں اور کاریگروں کی ہے جو مختلف مقامات پر مختلف پیشہ اور کام کرتے ہیں، دہلی میں زردوزی، سادہ کاری وغیرہ مشہور پیشے ہیں، مرادآباد میں برتنوں کا کام گھر گھر ہوتا ہے۔ علی گڑھ میں قفل کا کام اسی کثرت سے جاری ہے۔ قنوج میں عطر و تیل، لکھنؤ میں چکن وغیرہ اور فرخ آباد میں چھاپہ کا کام مشہور ہے۔ اسی طرح دری، قالین، فرنیچر کے لئے مرزاپور و بریلی مشہور ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ شمالی ہند میں کشمیر سے لیکر بنارس و غازی پور تک کاریگروں میں بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے، اور کچھ بعید نہیں کہ دکن و جنوبی ہند میں بھی مسلمان پیشہ ور معقول تعداد میں نظر آئیں لیکن بجائے اسکے کہ یہ لوگ اپنے ہنر کے باعث آسودہ حال اور فارغ البال ہوں، واقعہ یہ ہے کہ فراغت اور آزادی کی زندگی ان میں سے اکثر و بیشتر کو نصیب نہیں، ہر کاریگر جو تقریباً تیس روپیہ ماہوار کما سکتا ہے وہ زیادہ آمدنی سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتا، انکی بدنصیبی یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کارخانہ دار کے یہاں کام کرنے سے پہلے ہی اپنی محنت کو گرو کر دیتے ہیں، اور جو رقم بطور پیشگی وہ اپنے کارخانہ سے حاصل کرتے ہیں اس کی قسط اور رقم سود دونوں ملکر ایک رقم ہر مہینہ ان کی تنخواہ سے وضع ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ کمی تعلیم کی وجہ سے آئندہ کا پس و پیش اور ضروریات اتفاقی کا تحفظ ان کے خیال میں نہیں آتا۔ اسلئے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض مجبوری کی ضرورتوں اور زائد اخراجات کی صورت میں وہ مزید قرضہ کی فکر کرتے ہیں، اور اس کی صورت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ اپنی موجودہ ملازمت کو چھوڑ کر وہ نئی جگہ تلاش کرتے ہیں، اور بالعموم نئی جگہ میں زائد رقم قرضہ زر پیشگی کی صورت میں وصول کرتے ہیں اور پھر ایک مدت کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر محنت میں لگ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت پہلے سے زیادہ کرنی پڑتی ہے لیکن آمدنی مزید قرضہ کی وجہ سے پہلے سے بھی کم ہو جاتی ہے۔

یہ سلسلہ لا متناہی ہے اور افسوس یہ ہے کہ ہر طبقہ اور پیشہ کے مزدور اور کاریگر اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ قدیم پیشوں کو چھوڑ کر ہندوستان میں بعض جدید کام مثلاً ملیں اور مطابع ایسے ہیں کہ جہاں معمولی شرح مزدوری سے کچھ زائد ملتا ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ ان کاموں کے لئے بڑی کثرت سے لوگ خواہش کرتے ہیں، لیکن یہاں خاص ایک دشواری ہے اور وہ یہ کہ چونکہ بالعموم یہ کام بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور ان کاموں میں ایک خاص قسم کی محنت درکار ہوتی ہے اس لئے جو مزدور کہ ایک مرتبہ کسی مل یا بڑے مطبع میں کام شروع کردے تو اسکے لئے یہ دشوار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے کام کو چھوڑ کر کسی دوسرے پیشہ کو اختیار کرے یا اس مل یا مطبع میں کسی دوسری قسم کا کام سیکھ سکے۔ رفتہ رفتہ اسکی حیثیت مشین کے ایک پرزہ کی ہو جاتی ہے جو ایک ہی قسم کا کام ایک ہی انداز سے کر سکتا ہے اور نوبت و تبدیلی کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں اگر قرضداری بھی ہو جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے تو غریب مزدور گویا کارخانہ دار کا زر خرید غلام ہو جاتا ہے، جس پر اس کو وہ مالکانہ اختیارات تو حاصل نہیں ہوتے جو زمانہ قدیم میں غلاموں پر تھے لیکن "انڈنچرڈ لیبر" کی شکل ضرور پیدا ہو جاتی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مزدور ایک رقم کے معاوضہ میں اپنی محنت کو ایک مدت معینہ کے لئے فروخت کر دیتا ہے۔ ان حالات کا اثر شہر کے باشندوں پر جسقدر پڑتا ہے اس کی تکلیف اور مصیبت کا صحیح اندازہ اس لئے نہیں ہوتا کہ شہروں میں بہت سے آزاد پیشے بھی ہیں جن میں لوگ خوشحال اور با اثر ہیں لیکن دیہاتی رقبہ پر اس عام قرضداری کا جو اثر ہے اور جس طرح انسانیت کی روح اک بے بس تصویر میں فنا ہو رہی ہے اس کا نظارہ چشم بصیرت کے لئے ہر لمحہ درس عبرت ہے۔

آج ہندوستان کے دیہات میں جائیے اور دیکھئے کہ باوجود انتہائی محنت و مشقت اور ایثار و کسر نفسی کے وہاں کی آبادیاں افلاس و نکبت، بے ترتیبی اور گندگی کا عجیب نمونہ ہیں، دیہات میں آبادی کے قریب پانی بھی ہوتا ہے، ٹیلے اور کوڑے کے لئے قدرتی وسائل موجود

ہیں۔ مکانات کے لئے نہایت وسیع زمینیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ عمارت میں جو چیز مطلوب درکار ہو وہ سب گاؤں کے اندر میسر آجاتا ہو۔ باستثنا مزدوری نہایت سستے داموں حاصل ہوتا ہو۔ مکانات کے سامنے کیاریاں جن میں ترکاری اور مختلف خود رو پھول بے دقت لگائے جا سکتے ہیں ہر شخص بنا سکتا ہو لیکن نہیں بناتا۔ مویشی کے لئے چراگاہ اور مویشی خانہ ہر شخص کھنے پر مجبور ہو لیکن یہ بھی نہیں بناتا اور اگر ہوتا ہو تو بہت بُری طرح، اپنے کہ مکانات اور آبادی کی گلیاں اور سڑکیں جس بے ترتیبی اور بد نمائی کے ساتھ بنائے جاتے ہیں وہ بھی ظاہر ہو۔

ایک زمانہ تھا کہ دیہاتی متھکی جسمانی صحت اور توانائی ضرب المثل تھی، لیکن اب ایک مدت سے ملیریا، انفلوئنزا، اور طاعون کا دور دورہ ہو اور ہر سال لاکھوں بندگانِ خدا کی جانیں ضائع جاتی ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہو کہ جو محفوظ رہتے ہیں اور کسی طرح اپنی زندگی کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ بھی کچھ زیادہ تن دمند اور توانا و تندرست نہیں ہوتے۔

ہندوستان کے لئے یہ بڑا اہم سوال ہو اور قابل غور یہ امر ہو کہ آیا محض افلاس یا جہالت ہی ان تمام مصائب کی وجہ ہو سکتی ہو یا کچھ دوسرے اسباب بھی ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ اس تباہی و بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہو کہ اگر کوئی شخص افلاس میں مبتلا ہو تو اس مصیبت سے چھٹکارہ پانے کا کوئی ذریعہ ہو سکتا ہو یا نہیں؟ غالباً اسکا جواب یہ ہو کہ بیشک ہو سکتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جاہل اور ناسمجھ ہو تو علم کی روشنی یا دوسروں کے تجربہ سے فائدہ اُٹھانا ممکن ہو۔ بیماری کا علاج دوا ہو جو دام سے بھی ملتی ہو اور محتاج خانوں اور خیراتی شفا خانوں سے بغیر قیمت بھی حاصل ہو سکتی ہو لیکن جب عام قرضہ کی دبار تمام ملک پر مسلط ہو جائے تو پراگندہ روزی پراگندہ دل کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہو۔ ایسی صورت میں انسان اُس فکر میں مبتلا ہو جاتا ہو جسکے رفع کرنے کی نہ اُس کو قدرت ہوتی ہو اور نہ کوئی تدبیر کارگر ہوتی ہو۔ صورت یہ ہوتی ہو کہ قرضدار شخص ہر لحظہ اس تشویش میں گھلتا ہو کہ وہ کیونکر اپنے قرضہ کو ادا کرے اور پھر بہت کچھ محنت و مشقت سے کچھ کماتا ہو لیکن وہ اسکے پاس نہیں رہتا اور مہاجن کے قرضہ میں چلا جاتا ہو، دوسری مرتبہ کوشش کرتا ہو، اور فصل کی خرابی مانع آتی ہو۔ اس زیاں کے کم کرنے کے لئے تقاوی لیتا ہو اور گویا ایک نیا قرضہ اُس کے ذمہ ہو جاتا ہو۔ اس چکر میں پھنسکر پراگندہ دلی کا یہ عالم ہو جاتا ہو کہ غور و فکر محنت و کوشش ہمت و ہمت سب دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور یہ تقریباً ناممکن ہو جاتا ہو کہ وہ اپنے لئے کوئی دوسری راہ اختیار کرے۔

ان چند مثالوں سے موجودہ ہندوستان کی عام قرضداری کا اندازہ ہو سکتا ہو اگر اسکے ساتھ ہی بیرونی تجارت کپڑا، کھلونے اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں کی قیمت کو شامل کر لیا جائے اور شرح تبادلہ کے نقصانات کا حساب لگایا جائے تو وہ رقم جو ہر سال عام باشندوں کی جیبوں سے نکلکر باہر جاتی ہو کہیں زیادہ خوفناک ہو جاتی ہو۔ ان حالات میں اس روز افزوں تباہی و بربادی کا اگر کوئی واحد علاج نظر آتا ہو تو وہ صرف طریقہ امداد باہمی ہو۔ یوں تو امداد باہمی کے اصول پر آپ زراعت بھی کر سکتے ہیں، تجارت بھی کر سکتے ہیں تعلیم بھی دلا سکتے ہیں، کارخانہ بھی کھول سکتے ہیں لیکن اس طریقہ کا سب سے بہتر اور کارگر مصرف قرضداری کا استیصال اور عام قرضہ کی دبار کا مقابلہ ہو۔

حکومت ہند کے گناہوں کی فہرست کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو لیکن اصول امداد باہمی کے مطابق کوآپریٹو بنکز کا جو قانون اس حکومت نے منظور کیا ہو وہ یقیناً اسکے گناہوں کا بڑی حد تک کفارہ بھی ہو سکتا ہو اس لئے کہ یہ قانون اس درجہ مبارک و مفید ہو کہ غالباً اس سے زیادہ ممکن نہیں، امداد باہمی کی یہ شرط اوّل ہو کہ ہر شخص کو اپنی مدد آپ کرنی چاہئے اس لئے ان بنکوں میں حکومت کی طرف سے کوئی امداد بجز خاص صورتوں کے نہیں دیجاتی لیکن جو لوگ اپنی مدد آپ کرتے ہیں وہ حکومت کی امداد سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں اور قرضہ کے اس بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ بھی کامیابی سے کر سکتے ہیں!

روحانیت اور طب

(از مسٹر حامد اللہ افسر بی اے پروفیسر جوبلی کالج لکھنؤ)

روحانی طریقوں سے جسمانی امراض کے علاج کے متعلق قریب قریب ہمیشہ ماہرین طب کی رائے میں اختلاف رہا ہو، بعض اسے مفید اور کارآمد ثابت کرتے ہیں اور بعض فضول اور بے اثر، لیکن نسل انسانی کی تاریخ میں ایسا کوئی دور نظر نہیں آتا جبکہ جسمانی امراض دعا سے قطعاً بے نیاز رہے ہوں، ایشیا میں جھاڑ پھونک، گنڈا تعویز، دعا، جادو ٹونا، مزاروں پر حاضری اور حصول صحت کی التجا، یورپ میں جادوگروں اور خصوصاً جادوگرنیوں کا وجود اور موجودہ زمانے میں قوتِ خیال کے ذریعہ علاج کا روز افزوں رواج یہ سب روحانیت ہی کے مظاہرے ہیں، ہمارا زمانہ مادیت کے عروج اور ترقی کا زمانہ ہو، آجکل تہذیب و شائستگی کی دنیا میں جو چیز روح اور روحانیت سے متعلق ہو بے معنی بلکہ مضحکہ خیز متصور ہوتی ہو۔ لیکن انسانی فطرت کو کون بدل سکتا تھا اور حقیقت سے گریز کہاں تک ہو سکتا تھا، بالآخر خود یورپ میں روحانیت کے علم بردار پیدا ہو گئے، ایک طرف حیات بعد الممات کی تحقیق و تفتیش کے لئے مختلف جمعیتیں قائم ہوئیں، دوسری طرف، روحوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا اسکے نوٹ لئے گئے، ان سے کتابیں لکھوائی گئیں، اسکے علاوہ قوت خیال کے ذریعہ علاج کا

رواج شروع ہوا گو یہ بیداری ایک مختصر اور مخصوص طبقہ تک ہی محدود ہے، مادیت کی گرفت زیادہ سخت ہے اور اکثریت پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔

خیر یہ مسئلہ تو ایک طویل بحث کا محتاج ہے۔ میں ان چند سطور میں صرف ڈاکٹروں و طبیبوں کی مادہ پرستی کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ نئی نئی قسم کے آلات اور ایجادات علاج معالجہ میں جسقدر سہولتیں بہم پہونچا رہے ہیں ان سے کون آگاہ نہیں اور عموماً انکے مفید اور کارآمد ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں لیکن ان چیزوں کا ایک مضر اور نقصان رساں اثر یہ رونما ہوا ہے کہ ہمارے زمانے کے ڈاکٹروں کی توجہ قریب قریب تمامتر "جسم" کی طرف ہے اور نفس اور روح سے وہ قطعاً بے گانہ اور بے پروا ہیں اور آئے دن اور زیادہ بے گانہ اور بے پروا ہوتے جاتے ہیں، اس حیثیت سے ہمارے زمانے کے ڈاکٹر اپنے پیشروؤں سے بالکل مختلف ہیں، پہلے زمانہ کے ڈاکٹر ہمارے دور کی طبی ترقیوں سے بیشک آگاہ نہ تھے لیکن وہ جسم اور روح کے تعلق اور روحانی علاج کے اثر سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اس واقفیت سے کام لیتے تھے۔

میں اور بھی چند قدم پیچھے ہٹ جانے کے لئے تیار ہوں، میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ ہمارے قدیم ڈاکٹر اور طبیب دوران خون کے عمل سے بھی واقف نہ تھے، انکو جراثیم کی تباہ کاریوں کا بھی علم نہ تھا وہ تشریح الابدان کا مفہوم بھی نہ سمجھتے تھے لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ مریض کی قوت خیال کو محرک کرکے جو کام لے لیتے تھے اس سے آج اس ترقی یافتہ زمانے کے تمام علمی اکتشافات محروم ہیں۔

نسخوں کو معمّا بنا دینے کا رواج آجکل بھی ہے، معمولی معمولی چیزوں کے لئے لاطینی یا عربی کے غیر مانوس الفاظ کا استعمال بہت عام ہے اس کا سبب شاید یہ ہو کہ دواؤں کے نام معلوم ہونے کے بعد ممکن ہے نسخہ کی وقعت مریض کی نظر میں نہ رہے اور ایک راز سربستہ کی صورت میں دوا کا استعمال اسپر اعتماد و اعتقاد قائم رکھنے میں مدد دے اور صحت کی امید مریض کے دل میں پیدا کردے گویا اس صورت میں بھی خیال سے مدد لینی پڑی جو کسی طرح قدیم معالجوں سے مختلف نہیں ہے۔ لیکن اس قدیم یادگار کی بقا محض رواج کی بنا پر ہے، ڈاکٹر اور طبیب بے سوچے سمجھے اور غیر ارادی طور پر نسخہ نویسی کے اس طرز پر عمل پیرا ہیں یہ دوسری بات ہے کہ وہ رواج مریض کے لئے کچھ تھوڑا سا فائدہ بہم پہونچا دیتا ہے۔

جہاں تک جسم انسانی کا سوال ہے، اب سے ہزارہا سال پہلے بھی اسکی یہی حالت تھی جو آج ہے لیکن روحانی اور نفسیاتی حیثیت سے انسان نے بہت سی ارتقائی منزلیں طے کرلی ہیں، اسکے علم اور واقفیت میں پہلے سے بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے، جذبات بیدار ہوگئے ہیں، خیالات میں بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ وسعت پیدا ہوگئی ہے۔

پس ضرورت تھی کہ آجکل پہلے سے کہیں زیادہ انسان کے جسمانی امراض کا علاج روحانی قوتوں کی مدد سے کیا جاتا۔

کام کرنے کی طبعی صلاحیت

(از مسٹر جی آرتھر)

تندرستی سب سے مقدم ہے

مشہور زمانہ ضرب المثل ہے: "تندرستی ہزار نعمت ہے" اگر تندرستی نہ ہو تو جہان کے سارے لطف بدمزہ اور پھیکے معلوم ہوتے ہیں۔ دولت جو اس دنیا کی قاضی الحاجات ہے، فقط تندرستی ہی میں نفع آور اور موجب راحت و مسرت ثابت ہوسکتی ہے اور کوئی کامیابی بغیر جسمانی صحت کے حاصل نہیں ہوسکتی، لڑکے جو آئے دن بیمار رہتے ہیں امتحان میں پاس نہیں ہوسکتے، دفتر میں کام کرنے والے کلارک اور کارخانوں کے مزدور اور کاریگر جو سدا بیمار رہتے ہوں ان کے درجہ میں ترقی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ آخرالذکر فوراً نکال دئے جاتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ تنومندی سچی راحت اور اقبالمندی کی محرک ہوتی ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ تیس تیس چالیس چالیس سال کے آدمی اپنی توانائی اور قوت جسمانی سے محروم ہوئے جاتے ہیں اور انکے چہرے کی رونق رخصت ہوئی جاتی ہے۔ دماغ زیادہ محنت کی استعداد سے تہی دست ہے۔ حاصل کلام یہ کہ لوگ بالکل قبل از وقت بڑھاپے کی پیشوائی کرنے کی طرف مائل پائے جاتے ہیں۔

تنومندی اور جسمانی طاقت عرصہ تک کس طرح قائم رہ سکتی ہے، اور بڑھاپے کی عاجلانہ رفتار کس طرح مسدود ہوسکتی ہے؟

ذیل کے خیالات سے جو دنیا کے دو نہایت مشہور ڈاکٹروں نے اس مسئلہ کی نسبت ظاہر کئے ہیں، بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ۔

کثرت مشاغل محرک تنومندی

جو آدمی اپنی جسمانی تنومندی عرصہ دراز تک قائم رکھنے کے درپے ہے، اسے اپنی طاقت اعتدال سے صرف کرنا چاہیے، کام باقاعدہ کرو، کھانا مقررہ وقت پر کھاؤ۔ اور ہر روز کچھ دیر ضرور کھیلا اور ورزش کیا کرو اور عین وقت پر سو جایا کرو، اگر اس ہدایت پر سختی سے عمل کروگے۔ تو بلاشبہ تمھاری زندگی کی میعاد بڑھ جائے گی لیکن رشتہ حیات کی توسیع اتنی ضروری نہیں ہے کہ جتنی پیری کی آمد آمد کی روک تھام لابدی ہے جس سے آنکھوں کی بینائی میں فرق آجاتا ہے، قوائے عقلیہ مسلوب ہو جاتی ہیں، افق ذہنی سکڑ جاتا ہے۔ اور تخیلات کی پستی رخصت ہو جاتی ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ کام کرنے کی جسمانی اور دماغی صلاحیت کا زمانہ کس طرح بڑھ سکتا ہے۔

تغیر مشغلہ وجہ راحت بعض دفعہ یہ گمان ہوتا ہے کہ بہت کام کرنے سے پیری قبل از وقت نازل ہو جاتی ہے۔ مگر یہ خیال تامل کے ساتھ تسلیم کرنا چاہئے، ہماری یہ رائے نہیں ہے کہ جو انسان عدم فرصت کے شاکی ہوں یا ایک سربز از مودے کے مصداق ہوں وہ سب سے پہلے بڑھاپے کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک کام میں مصروف رہنے سے تکان پیدا ہو جائے تو کسی دوسرے مشغلہ میں دل لگانے سے تفریح طبع اور اس کی بدولت رفع ہو جائے گی، یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک ہی قسم کا کام کچھ دیر تک کرنے سے قوت زائل ہو جاتی ہے۔ مگر دماغ کی طبعی طاقت کا خزانہ ایسا مطلق برہم نہیں ہوتا ... یہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی ہر قسم کی کمزوریوں کا اس سے انسداد ہو سکتا ہے۔ میری یہ سچی رائے ہے کہ اوائل عمر میں مختلف قسم کے مشاغل کی عادت پیدا کر لینا چاہئے جس سے نظام عصبی کے فطری افعال با قاعدگی سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ میری رائے میں بڑھاپے کی روک تھام کا یہ بہت عمدہ طریقہ ہے۔

گوناگوں مشاغل باعث تنومندی روزمرہ کے مشاہدے کی بات ہے کہ جو آدمی باعتبار عمر شکل و شباہت سے جوان معلوم ہوتے ہیں، ان میں کثیر تعداد ایسے آدمیوں کی ہوتی ہے کہ جن کے مشاغل گوناگوں ہیں اور وہ بہت سی باتوں پر گہری دلچسپی لیتے ہیں، برخلاف اسکے ساٹھ ساٹھ سال کے آدمیوں کی دلچسپی بہت محدود ہو جاتی ہے اسکے دماغ گوناگوں دلچسپیوں کے ... نہیں ہے جس کا ... تجارتی ... کے ابتدا سے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔ سر فریڈرک ٹریوز کی یہ رائے ہے کہ کثرت مشاغل دماغی اور جسمانی توانائی برقرار رکھتے ہیں، کیونکہ ان سے نظام اعصاب کی طبعی چستی اور فعلیت ہمیشہ ترقی پذیر رہتی ہے۔

فکر و تردد اور دل کی کمزوری اختلاج قلب کا سب سے بڑا سبب تشویش و تردد ہے اس کا روحانی پہلو نظر انداز کرنا محال ہے ہر ایک آدمی کو اپنے لئے فلسفہ علیحدہ وضع کرنا چاہئے جس کا یہ مفہوم ہو کہ اپنی تمنا کو عملی پہلو ہی تک محدود رکھنا چاہئے ایسی تمنا و ہوس کو جگہ مت دو، کہ جس کے حصول کے لئے رات دن سرگرداں اور پریشان ہونا پڑتا ہے۔ مشاغل ایسے ہونے چاہئیں کہ جن سے سردردی کی بجائے راحت قلبی حاصل ہو۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ، موسیقی، مصوری، نقاشی یا کندہ کاری اپنے روزمرہ کے پیشے کے علاوہ کرنا چاہئے اس سے دل کو بہت نفع حاصل ہوتا ہے، ... بیس سال میں اختلاج قلب کی بڑی شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ فکر و تردد اور زندگی کے مخمصوں سے لاحق ہوتی ہے۔ دماغی کام کرنے والے ہی اس عارضہ کے شکار نہیں ہوتے بلکہ فی زمانہ زندگی کی مشکلات بڑھ جانے سے ہر پیشہ اور ہر طبقہ کے لوگ اسمیں مبتلا ہو رہے ہیں۔

تمباکو کا مضر اثر میں ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہنے کو تیار ہوں کہ اختلاج قلب ... فیصدی تمباکو سے پیدا ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ تمباکو پینے کی عورتیں عادی ہو جاتی ہیں اور ان کی اثر پذیر طبیعت پر تمباکو کے فطری زہر کا مردوں کی نسبت زیادہ مضر اثر نمایاں ہوتا ہے کیونکہ جو عورتیں تمباکو پینا شروع کرتی ہیں وہ مردوں سے کہیں زیادہ شوق سے سگرٹ وغیرہ پیتی ہیں، میں وثوق سے یہ کہنے کو تیار ہوں کہ تمباکو کے استعمال سے ضعف قلب ترقی پکڑ جاتا ہے، اس کے اثر سے اس مرض کا دورہ جلد جلد ہونے لگتا ہے۔ ڈاکٹر ٹریوس کی رائے میں فکر و تردد سے دل کی بیماری لاحق ہوتی ہے، اس لئے ایسے مشاغل اختیار کرو کہ جس سے مفت کی سردردی اور تشویش پیدا نہ ہو سکے۔ تمباکو سے دل کی کمزوری ترقی پکڑتی ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔

قرض کے پانچ خواص

(۱) جب قرضکا سوال کسی کے سامنے پیش کرکے قرض کے واسطے ہاتھ پھیلایا جاتا ہے اسی وقت قرض دینے والے کی نگاہوں میں مانگنے والے کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی اسی پر بس نہیں بلکہ دینے والا قبل قرضہ دینے کے مانگنے والے کی حیثیت کی جانچ پڑتال بھی شروع کر دیتا ہے اور محض اس کے وعدوں پر اعتماد نہ کرکے یہ دیکھتا ہے کہ مانگنے والے کے پاس کوئی ایسی جائداد یا امانت ہے یا نہیں جس سے بصورت نادہندی مطالبہ وصول ہو سکے۔ جب قرضہ دیا جا چکا تو قرض خواہ چاہتا ہے کہ میں مقروض کا سارا مال اسباب ہڑپ کر جاؤں اور اس کو مدت العمر اپنی غلامی سے آزاد نہ ہونے دوں۔

مقروض ہمیشہ قرضخواہ کی نظروں میں ہی ذلیل اور حقیر نہیں رہتا ہے بلکہ تمام سوسائٹی میں وہ نہایت بے عزتی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

ایک دمڑی قرض ہو یا لاکھ ہو　　دہر میں مقروض کی کب ساکھ ہو

(۲) مقروض اور قرضخواہ میں باہم محبت قائم نہیں رہتی قرضخواہ قرضہ کے وصول کرنے میں قرضدار کی سہولتوں پر نگاہ نہیں رکھتا اسی طرح مقروض وعدے کے ایفا کی پابندی اور قرض خواہ کی مصلحت و ضرورت کی پروا نہیں کرتا اور یہ صورتیں قریب قریب ہر موقع پر پیش آکر رہتی ہیں پس نتیجہ کیا نکلتا ہے (فان القرض مقراض المحبت)

(۳) قرض آدمی کو کاہل اور بے کار بنانے میں اعانت کرتا ہے اکثر لوگ قرض لیکر کام چلانے کے بھروسے پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ کاروبار یا کسی طرح کا روزگار نہیں کرتے۔

(۴) قرض آبائی اور دستہ مال زیور مکان جائداد کا دشمن ہے رفتہ رفتہ یہ تمام چیزیں کثیر مالیت کی سود ہی قرضہ کی نذر ہو جاتی ہیں تب مقروض کو خبر ہوتی ہے کہ ہیں یہ کیا ہو گیا مصداق مثل ہے (پھر پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت)

(۵) قرض، مقروض سے خودداری غیرت، راست بازی کے جوہر لطیف کو مٹا کر رہتا ہے کیا معنی کہ ادائیگی وعدوں کو ایفا نہ کر سکنے کی حالت میں ٹال مٹول اور جھوٹ بولنے کی عادت سی پڑ جاتی ہے اور بالکل یہ احساس باقی نہیں رہتا کہ میں نے جو وعدہ کیا ہے اسکے پورا کرنے میں کچھ برائی ہے یا نہیں۔ قرضخواہ کی روپیہ طلب کرنے میں بیجا سختی و درشتی حتی کہ سخت کلامی تک کو وہ برداشت کر لیتا ہے، اور مطلق یہ امتیاز باقی نہیں رہتا کہ یہ باتیں نامناسب یا ناموزوں ہیں کیونکہ عدم ادائگی کی مجبوریاں خودداری کو کچلکر اس کا خاتمہ کر دیتی ہیں، یہ اثرات محض قرضخواہ اور قرضدار کے درمیان ہی محدود نہیں رہتے بلکہ تمام حالات سے مطلع ہونے والے اصحاب ان دونوں کو بری نظروں سے دیکھتے ہیں (راقم ۱۰۵، بدایونی، از سود مندا)

شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ

یعنی

(نواب زادہ ایف ایم عبد العلی، ایف آر ایس ایل ایم لی کیپر ریکارڈز گورنمنٹ آف انڈیا سکریٹری انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن کے ایک فاضلانہ مضمون کا ترجمہ)
(از مسٹر شہنشاہ حسین رضوی ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) ایم آر اے ایس (لندن) ایڈووکیٹ لکھنؤ)

سلطنت مغلیہ کی تاریخ میں ۱۷۰۷ء سے زیادہ منحوس کوئی سال نہیں۔ ۳ مارچ یوم جمعہ کو عالمگیر اعظم شہنشاہ اورنگ زیب نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اسکی آنکھ بند ہوتے ہی اسکے لڑکوں نے مرحوم شہنشاہ کے وصایا کو صفحۂ دل سے محو کر دیا۔ افسوس تو اس کا ہے کہ اورنگ زیب جیسے سخت گیر، بیدار مغز، مدبر شہنشاہ کی نصف صدی کی حکومت کے تجربات اور باپ کی نظروں کے سامنے عملی تعلیم نے بیٹوں کے دل و دماغ پر کوئی اثر نہیں چھوڑا۔ ابھی چند ہفتے بھی نہیں گزرنے پائے تھے، کہ ہندوستان کی افق پر سرخ بادل چھانے لگے اور شمال سے جنوب، شرق سے غرب تک جدال و قتال نے خون کی ندیاں بہادیں، اورنگ زیب کے جانشین شاہ شطرنج تھے اور ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ سلطنت کے آفتاب اقبال کو جو تیزی کے ساتھ غروب ہونے کے لئے بڑھ رہا تھا لوٹا سکتے۔ پچاس سال کے اندر ہی اندر سلطنت مغلیہ کی قبائے حکومت کی دھجیاں اڑ گئیں۔ چھوٹی چھوٹی گمنام ریاستیں اور سلطنت کا خون چوس چوس کر اسقدر توانا ہو گئیں کہ آخر کار اپنی گردنوں سے جوئے کو پھینک کر خود مختار بن بیٹھیں۔

ریاست اودھ اور اسکا تدریجی نمو

اس ہنگام میں جن ریاستوں کو آزادی نصیب ہوئی ان میں اودھ ممتاز ترین درجہ رکھتی تھی، اودھ کے نمایاں ہونے کی تاریخ کا آغاز ۱۷۳۲ء سے ہوتا ہے جبکہ سعادت علیخاں بانی ریاست دربار دہلی سے اودھ کی صوبہ داری کا خلعت پہنکر آتا ہے۔

سعادت علیخاں، نیشاپور کا ایک تاجر تھا جو فلک کا ستایا ہوا تلاش معاش میں دہلی آیا تھا، اور طالع کی یاوری سے شہنشاہ کے دربار میں باریاب ہوکر ابھرنے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ اسکو بہت رسوخ حاصل ہوگیا اور اعیان سلطنت میں شمار ہونے لگا تھا۔ سعادت علیخاں نے بڑے بڑے کام کئے تھے، یہ خدمت کیا کم تھی کہ اسنے شاہ گر سید برادران کے دام تزویر سے جو ایک شہزادہ کے بعد دوسرے شہزادہ کو تخت پر بٹھلاتے تھے اور جب طائر بے بال و پر کی طرح پھڑپھڑانے کی جرأت کرتا تھا تو اسکی شمع حیات کو گل کر دیتے تھے۔ محمد شاہ کو چھڑایا تھا۔ سعادت علیخاں کے بعد اس کا بھانجہ ابو المنصور محمد مقیم جو تاریخ میں صفدر جنگ[1] کے لقب سے مشہور ہے ۱۷۳۹ء میں جانشین ہوا۔ صفدر جنگ نے ۱۷۵۴ء میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کا بیٹا شجاع الدولہ مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ شجاع الدولہ نے مرکزی حکومت دہلی پر کامل اعتماد حاصل کرلیا تھا جس کا صلہ اسکو یہ ملا کہ ۱۷۶۱ء میں سلطنت مغلیہ کا قلمدان وزارت بھی اسکے ہاتھ میں آگیا۔ اس طرح سے شجاع الدولہ پہلا وہ حکمران اودھ ہے جو وزیر بھی تھا اور اودھ کی ریاست کا صوبہ دار بھی[2]۔

شجاع الدولہ ۱۱۷۴ھ میں وزارت کے جلیل القدر عہدہ پر سرفراز ہوگیا تھا مگر دربار دہلی سے ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۷۵ھ تک اس اعزاز کی رسمی تصدیق نہیں ہوئی تھی، اس طرح اسکے وزارت کی تاریخ یوں تو ۱۱۷۴ھ سے شروع ہوجاتی ہے تاہم ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۷۵ھ وہ مسعود دن ہے جبکہ صاحب سیر المتاخرین[3] کے الفاظ میں اسکو

"شاہ عالم ثانی کے دربار سے سات پرچہ کا خلعت، جواہر کی چار کشتیاں، موتیوں کا ہار، اور جواہر نگار قلمدان (وزارت) عطا ہوا ہے"

مصنف سیر المتاخرین، شجاع الدولہ کا تعارف حسب ذیل کرتا ہے:-

"۔۔۔ بے پرواہ اور خلقاً کسل پسند تھا، لیکن غضب کا دلیر بھی اور یہی وہ صفت تھی جس سے وہ اپنی ریاست کے خودسر زمینداروں کو زیر کر کے مطیع رکھنے اور اپنا وقار قائم کرنے میں کامیاب

---

[1] صفدر جنگ سیادت کا ادعا کرتا ہے اور اپنا سلسلہ خاندان شاہ عباس صفوی۔ شاہ ایران سے ملاتا ہے۔ لیکن ڈو، اسکو غیر معروف قرار دیتا ہے۔ فارسٹر جسنے نیشاپور کے بعض باشندگان سے صفدر جنگ کے خاندان کا تجسس کیا ہے، اسکے عالی نسب، معروف خاندان سے ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔
صفدر جنگ شہر فیض آباد اودھ کے قدیم دار الحکومت کا بانی ہے۔ "ای تھارنٹن: گزیٹیر آف انڈیا"

[2] اسی وجہ سے شجاع الدولہ اور اسکے جانشین عہد شاہی سے پیشتر "نواب وزیر" کے لقب سے تاریخ میں موسوم ہیں۔

[3] سیر المتاخرین مصنفہ غلام حسین خاں طباطبائی۔

ہوگیا۔ وہ تعیش پسند تھا اور عورتوں سے اُنس رکھتا تھا لیکن شراب کا مطلق عادی نہ تھا۔ یہ امر تسلیم کرنا پڑے گا کہ علاوہ مذکورہ بالا خامیوں کے شجاع الدولہ کا کیرکٹر بے داغ تھا۔ اسمیں مطلق تمکنت یا تبختر نہ تھا وہ کریم النفس اور فیاض تھا۔ ایسی باتیں جو اسکے مفاد کے خلاف بھی ہوتی تھیں ان سے وہ چشم پوشی کرتا تھا اور ہر وقت خطا کو عفو کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔

شجاع الدولہ کی پاکیزگی نفس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ جس وقت نواب ناظم سراج الدولہ ناظم بنگال کی موت کی خبر آئی تو اسکے چہرہ پر وہ حزن تھا جو ظاہر کرتا تھا کہ اسکو قلبی صدمہ پہونچا ہے۔ سنہ ۱۷۶۱ء کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ جب محاصل صوبہ پٹنہ کے حسابات کے متعلق راجہ رام نرائن اور نواب قاسم علیخاں ناظم بنگال میں بدگمانیاں بڑھیں تو راجہ نے نواب شجاع سے فوجی امداد چاہی اور حسب ذیل مضمون کی ایک عرضداشت لکھی:۔

"آپکے حکم کے مطابق میں نے داغ بیل ڈال دی ہے اور شب و روز پٹنہ کی سرزمین پر آپکے قدوم میمنت لزوم کے انتظار کی گھڑیاں شمار کرتا رہتا ہوں، پٹنہ بے سردار کے ہے، خدا وہ دن جلد لائے کہ پٹنہ آپکے قدوم دولت سے پھلے پھولے، اور سرسبز و شاداب ہو۔ مستدعی ہوں کہ حضور والا بہت جلد ایک جرار فوج روانہ فرمائینگے، خادم اپنی تمام زندگی حضور کے لئے وقف کرنے کے واسطے تیار ہے۔ میں کسی نہ کسی گھات سے فرنگیوں کو بنگال باہر کردونگا اور نواب قاسم علیخاں کو پابزنجیر کرکے حضور میں پیش کردونگا۔ چشم زدن میں اس ملک کی عنان انصرام حضور کے ہاتھ میں آجائے گی:"

دفتر خارجیہ کی سلکٹ کمیٹی کی روئداد مورخہ ۳ اگست سنہ ۱۷۶۵ء جسمیں نواب شجاع الدولہ کی جنگی تیاریوں کے متعلق چند کاغذات کا حوالہ ہے مظہر ہے کہ

"نواب موصوف اصلاح الہ آباد دکرانکے حاصل کرنے کی گھات میں تھا۔ ان کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسنے توپیں بنوانے کے لئے انجینیر رکھے تھے، رابرٹ بارکر نے جو مراسلہ کرنل آر اسمتھ کے نام لکھا ہے اسمیں شجاع الدولہ کی توپوں کی فوقیت کو تسلیم کیا ہے۔ کپتان جی ہارپر نے کرنل اسمتھ سے نواب کی سپاہ میں جدید اصلاحات کا اقرار کیا ہے اور تورنس نے اسی بنا پر کرنل سر رابرٹ بارکر کو ہدایت کی ہے کہ وہ نواب کی نقل و حرکت کو دیکھتے رہیں اور اپنی سپاہ کو سامان حرب رسد سے آراستہ رکھیں، میجر جی گرہم نے ۹ مارچ سنہ ۱۷۶۶ء کو الہ آباد میں دوست بیگ نامی ایک مجروح سوار کو ایک سارٹیفکٹ دیا ہے جسمیں میجر موصوف لکھتا ہے کہ شجاع الدولہ کے پاس مرد رسالہ ہے"

فارسی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب اپنی سپاہ کی تربیت و تنظیم یورپین اصول پر کرتا اور انکو مغربی فنون جنگ کی تعلیم دیتا تھا بے شمار مثالیں پیش کی جاسکیں گی جو ثابت کرینگی کہ شجاع الدولہ سے پیش پانا آسان نہ تھا۔ اس مختصر مضمون میں شجاع الدولہ کی مفصل تاریخ ممکن نہیں۔ تاہم ذیل کے واقعات سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ نواب موصوف کی زندگی پر روشنی ڈال سکیں گے: ملتان کے تعلقشار اور پنجاب کی پیچیدگیوں سے فائدہ اٹھاکر مرہٹوں نے لاہور تک تسلط حاصل کرلیا تھا اور ایک طرف روہلوں کو دوسری طرف شجاع الدولہ کو دہلا رکھا تھا روہلوں نے تو احمد شاہ درانی کو اپنی کمک کے لئے بلایا جو قندھار سے روانہ ہوکر اور اٹک کو عبور کرکے ہندوستان میں آدھمکا۔ دو ماہ تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل میں خیمہ زن رہیں اور دفتاً فوقتاً طرفین سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی لیکن نتیجہ خیز جنگ بدلی تھی جسمیں تقریباً ۸ ہزار مرہٹے بھینٹ ہوگئے۔

اسکے بعد دوسری جنگ اوائل سنہ ۱۷۶۱ء (پنجشنبہ ۶ جمادی الثانی سنہ ۱۱۷۴ھ) میں پانی پت کے خون آشام میدان میں ہوئی جس میں اسی ہزار مرہٹے اور کام آئے۔ اس جنگ کے بعد درانی نے فاتح ہندوستان کی حیثیت سے سلطنت شاہ عالم ثانی کو دے دی اور قلمدان وزارت شجاع الدولہ کے سپرد کردیا۔ اور خود کثیر نذر جس کا اندازہ دو کروڑ تک کیا جاتا ہے اور جسمیں نو لاکھ شجاع الدولہ کا دیا ہوا تھا لیکر واپس گیا۔ صاحب سیرالمتاخرین جنگ کا حسب ذیل منظر پیش کرتا ہے:۔

"پانی پت کا میدان جسمیں اسی ہزار مرہٹے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دئے گئے تھے، اس خونریز لڑائی کے بعد عجب عبرت خیز منظر تھا، جہاں تک نظر کام کرتی تھی لاشہ ہی لاشہ دکھلائی دیتے تھے اور چہار طرف کشتوں کے پشتے، لاشوں کے انبار نظر آتے تھے، جنگ کے خاتمہ کے بعد بائیس ہزار زن و بچہ بلا استثنیٰ جسمیں بعض ممتاز مقتولین کے خاندانوں سے تعلق

لہ نواب شجاع الدولہ کا خط وارن ہسٹنگز کے نام مورخہ ۵ جون سنہ ۱۷۷۱ء ' پرشین کلنڈر جلد چہارم نمبری ۱۰۰۶'۔ سہ یہ جنگ ۶ جمادی الثانی سنہ ۱۱۷۴ھ میں واقع ہوئی۔ سہ نواب زینت محل شاہ عالم کی ماں تھیں، اتفاق سے شاہ عالم اسوقت دہلی میں موجود تھا۔ نواب زینت محل نے بیٹے کو خط لکھا جو اس سلسلہ میں دلچسپی سے خالی نہیں، خط میں شاہ عالم کو فوراً طلب کیا گیا ہے کہ وہ شاہ درانی سے سلطنت لے کرلے۔ " درانی قلعہ میں پہونچگیا ہے اور آج ۔ پر جب تک میں اس سے کئی بار مل چکی ہوں، وہ تمہارا منتظر ہے۔ اور گھڑیاں شمار کررہا ہے۔ اسنے مجھ کو یقین دلایا ہے کہ میں شاہ عالم کا انتظار دیکھ رہا ہوں۔ اسپر اعتماد کرنا چاہئے۔ وہ اطمینان دلاتا ہے کہ تمہارے آنے پر معاملات سلجھ جائینگے اور سب طے ہوجائے گا۔ جب میں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کچھ تحفہ شاہ عالم کو بھیجے تو اسنے جواب دیا کہ میں نے سری پاجی وغیرہ بھیجی تھی مگر وہ نہیں لئے لہذا اب میں دوبارہ بھیجنا مناسب نہیں سمجھتا۔ شاہ عالم خود چلے آویں تو میں سلطنت انکے سپرد کرکے رخصت ہوں۔ شاہ مجھ سے بہت محبت و خلوص سے پیش آیا ہے اور اسکی آرزو ہے کہ تم چلے آؤ لیکن اسکو اندیشہ ہے کہ تمہارے بدخواہ مشیر تمکو مانع ہیں جس طرح یہاں لوگ شاہ کے کانوں کو بھرا کرتے ہیں لیکن وہ کسی بات پر اعتنا نہیں کرتا، اسکو افسوس ہے کہ تم بدخواہوں کے کہے میں ہو اور تاخیر کررہے ہو۔ یہ مناسب نہیں۔ اپنے قول کے مطابق وہ صادق العہد ہے۔ اور کہتا ہے کہ تمام صعوبات ہمنے محض شاہ عالم کے لئے برداشت کئے ہیں لہذا ان کو بہت جلد آنا چاہئے۔ بیٹا کب تک انتظار دکھلاؤگے یہی وقت ہے اور عاقبت اندیشی اسی میں ہے کہ تم فوراً آؤ۔ اگر شاہ خدانخواستہ عجلت میں چلا گیا تو نہ معلوم کیا کیا مصیبتیں نازل ہوں (بقیہ صفحہ

رکھتے تھے، فاتح سپاہ میں لونڈی غلاموں کی حیثیت سے تقسیم ہوئے۔ بیشمار زر و جواہر جس کا کوئی تخمینہ نہیں لگایا جا سکتا ظفر یاب لشکر کے ہاتھ لگا علاوہ بریں توپخانہ کے ۲ لاکھ گائے بیل پچاس ہزار گھوڑے ... پانچ ہزار بلند قامت ہاتھی، اونٹ خچر بھی ملے۔

کمپنی اور نواب شجاع الدولہ (الف) کش مکش

۱۷۶۳ء میں شجاع الدولہ نے ناظم بنگال کے ساتھ ساز کیا لیکن دونوں کو میجر ایڈمز نے ۲۳ مئی ۱۷۶۴ء کو پٹنہ کے قریب ہزیمت دی، اسکے بعد متحدہ سپاہ کو ۲۲ مئی کو بکسر کے میدان میں سخت شکست نصیب ہوئی، جب کوئی راہ چارہ و تدبیر نہ دیکھی تو شجاع الدولہ تو براہ فیض آباد و لکھنؤ بریلی کی سمت فرار ہوگیا۔ اور یہاں پٹھانوں، افغانوں اور مرہٹوں کی کمک حاصل کر کے ۱۷۶۵ء میں بمقام جھجو (ضلع کانپور) انگریزوں کے مقابلہ پر آ دھمکا۔ لیکن جنرل جے کرناک نے جو کمپنی کی سپاہ کا کمانڈر تھا اسکو یہاں بھی پیش نہ پانے دیا۔ اس ہزیمت نے نواب کے دست و بازو کو شکستہ کر دیا اور فرخ آباد پہونچکر وہ اپنی فوج کی غداری کا شکوہ کرنے لگا۔

مصنف سیر المتاخرین لکھتا ہے:-

"نواب کے لشکر کا ہر سردار کچھ نہ کچھ عذر لنگ کرتا تھا لیکن چونکہ انہیں خلوص نہ تھا بلکہ سب نمائشی باتیں تھیں اس لئے نواب کے دل پر کوئی بات اثر نہ کرتی تھی"

اس نازک موقع پر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ آخر کار احمد خاں بنگش نے جو نواب فرخ آباد تھا اسکو ایک مخلصانہ مشورہ دیا۔ اور کہا کہ تم خود تنہا انگریزی کیمپ میں چلے جاؤ۔ اور جنرل کرناک سے ملو، بنگش کے آخری فقرات یہ تھے۔

"کسی ذریعہ کی مطلق ضرورت نہیں آپ اکیلے انگریزی کیمپ میں جائیے، یہ نہ خیال کیجئے گا کہ میں ناعاقبت اندیشانہ کام کر رہا ہوں۔ میں نے تو جو کچھ انگریزوں کے متعلق سنا اور دیکھا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ قوم فہیم اور کریم النفس ہے۔ مجھے تو گمان بھی نہیں کہ وہ آپکے ساتھ دغا کرینگے، یا تحقیر پر آمادہ ہونگے۔ میری رائے یہ ہے کہ وہ آپکا نام، خاندانی عزت، شہرت، وقار و اثر کو دیکھتے ہوئے آپسے دوستانہ تعلقات کی ابتدا کرینگے، اور آپکے مرتبے کا وہ پاس و لحاظ کرینگے جس سے آپ کو ان پر کامل اعتماد ہو جائے گا۔"

(ب) دوستانہ تعلقات کا آغاز

یہ مشورہ بہت صائب تھا اور شجاع الدولہ نے اپنے حق میں مفید خیال کر کے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا، اسنے پہلے ایک خط جنرل کارنک کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "دنیا بھر میں مشہور یہ ہے کہ انگریز مستقل مزاج، صداقت پسند اور دوستی نباہنے والے ہوتے ہیں جس کے سبب میرا دل انگریزوں کی طرف کھنچتا ہے۔ گذشتہ واقعات ناگفتہ بہ ہیں۔ اصل یہ ہے کہ میں خود اُن سے متحرز تھا لیکن یہ مقدرات ہیں مضی ما مضی، اب حالات بے نقاب ہیں اور میری دلی تمنا ہے کہ میں تن تنہا آپکے پاس آؤں لیکن میں آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ اپنے شایان شان مجھ سے برتاؤ کرینگے، آپ دوسروں کے ساتھ بڑی عنایات کر چکے ہیں، لیکن جب آپ کو مجھ سے اتفاق ہوگا تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور تجربہ کر لیں گے کہ میں مرتے دم تک ساتھ چھوڑنے والا نہیں۔ میں آج قمری ماہ کی ۲۶ تاریخ بلگرام میں پہونچ گیا ہوں اور اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد آپ سے ملاقی ہوتا ہوں۔ مجھے نہ زر و جواہر کی خواہش ہے نہ ملک گیری کی تمنا ہے اگر آرزو ہے تو آپکی مودت و دوستی کی، انشاء اللہ میں بہت جلد ملتا ہوں، اسوقت آپ کو اختیار ہے کہ جو میرے حق میں بہترین ہو کیجئے۔"

اس خط کے جواب میں جنرل نے ۱۴ مئی ۱۷۶۵ء کو حسب ذیل مراسلہ لکھا۔

"آپکا خط پہونچا۔ اسمیں چند سطریں آپکے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں جنمیں آپ اپنے آنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپکے خط سے مجھے بہت مسرت ہوئی، آپ اس سے قبل ہمارے مزاج اور عادات و خصائل سے ناآشنا تھے خدا کا شکر ہے کہ اب آپ انگریزوں کی انصاف پسندی اور نیک نیتی سے بخوبی واقف ہوگئے ہیں۔ چونکہ آپ بحیثیت ایک دوست کے قدم رنجہ فرمانے کا عزم رکھتے ہیں لہذا ہمارے امکان میں جو بہترین خیر مقدم آپکا ہوگا کرینگے اور جو آپکے مفاد کے لئے منفعت ہوگا اسمیں دریغ نہ کرینگے۔ جسوقت آپ انگریزوں کے دوست ہو جائینگے اسوقت دُنیا دیکھ لے گی کہ انگریز اسکے عوض میں کیا کرتے ہیں آپ شوق سے آئیے اور اپنا گھر اور اپنا ہوا خواہ سمجھ کر آئیے۔"

اسکے بعد جنرل نے ۲۱ مئی ۱۷۶۵ء کو جھجو سے بورڈ کے نام ایک خط لکھا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شجاع الدولہ ۲۶ مئی کو انگریزی کیمپ میں آئے اور ان کا گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم

(بقیہ صد) آغا رضا تمہارے خطوط لیکر آیا ہے جنمیں شاہ کے نام بھی خط ہے اور زینت بیگم کے نام بھی۔ میں نے ان خطوط کو ان لوگوں کے سامنے پڑھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم شاہ عالم کو بلاتے ہیں اور خط لکھتے ہیں لیکن تمہارے خط کا زیادہ اثر ہوگا۔ بیٹا اگر تم کو وہاں کی کوئی چیز پسند آگئی ہے تو سلطنت سے ہاتھ دھو لو، مگر اینکہ خدا کا واسطہ اپنے مصاحب بہادر علی کو بھیج دو کہ بیچارا اب جان نہیں ہے۔

(ایس، سی، پراگس، جلد نمبر ۲۔ ۱۷۶۱ء صـ)

ادا کیا گیا۔ اس خط سے نواب کی اضطراری حالت پر بھی روشنی پڑتی ہے لہذا اس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"چونکہ نواب شجاع الدولہ اب یہاں ہیں میں نے کپتان سوئنٹن کو راجہ شتاب رائے کے ساتھ انکے استقبال کے لئے بھیجا، وہ دریا کے اُس پار ۲۶ مئی ۱۷۶۵ء کی شام کو پہنچے ... رنوراً سالار جنگ ... ... کو ساتھ لیکر عبور کرکے مجھ سے ملنے آئے۔ میں اُن سے عزت کے ساتھ ملا جس کا انھوں نے اعتراف کیا، وہ اپنی موجودہ حالت پر بہت افسردہ معلوم ہوتے تھے ... ... اُن ہونے کے سبب مضطرب تھے ورنہ شجاع الدولہ جس کی تمام سلطنت میں دھاک بیٹھی ہوئی ہو اس ذلت کو قبول کرتا؟ میرے خیال میں ایسے شخص سے ... ہمیں ... کی ہندوستان بھر میں شہرت ہو انگریزوں کے نام میں چار چاند لگا دیگا"۔ (باقی آئندہ)

جو دنیا کے کسی پیشے میں کامیابی حاصل نہ کرسکے ہوں وہ اس افسانہ کو پڑھیں

"اشتہار باز"

(از مظفر قریشی، دہلوی)

(۱)

شکسپیر کہتا ہے "ایک حسین چہرہ خاموش سفارش ہوتی ہے"، ممکن ہے یہ رائے صحیح ہو مگر وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھا کیونکہ باوجود مردانہ حسن کا مکمل نمونہ ہونے، دلفریب شکل، تناسب اعضاء اور حسین چہرہ" رکھنے کے وہ "خاموش" کیا معنیٰ "متکلم" سفارش بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ ان فطری عطیات کی مخفی قوتوں سے بالکل بے خبر تھا وہ ان سے کام لینا ہی نہ جانتا تھا

اسنے متعدد پیشے اختیار کئے لیکن کسی میں کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا میں کسی کام کے لئے بھی موزوں بناکر نہیں بھیجا گیا تھا، ایک دفعہ اسنے سٹیج کی طرف رجوع کیا تو وہاں سے بھی بری طرح دھتکارا گیا کیونکہ جب موسیقی کے آلات میں سُر بولتے تھے تو اس کا جسم تھر تھر کانپنے لگتا تھا اور خوف کے مارے ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے۔

ایک زمانہ میں اسنے فروشندگی کا پیشہ اختیار کیا تو اسمیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا پھر مکانات کرائے پر دلانے والے ایجنٹ کا کام شروع کیا تو اسکے معاملات بھی کچھ ایسی گڑبڑ میں ڈال دئے کہ چند دن بعد اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اُسے نہ صرف کاروباری طبیعت سے محروم کیا تھا بلکہ ہر چیز کی طرف سے ناکام بناکر بھیجا تھا۔ ایک دفعہ اسنے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تو دو چار صفحے کے بعد پھر کچھ نہ لکھ سکا، یہ کام بھی بند کردیا اور مصوری کی طرف توجہ کی مگر چند سیدھے خطوط کھینچکر اس سے بھی طبیعت کھٹی ہوگئی اور سب چھوڑ چھاڑ کر آخری بار زراعت کی طرف رجوع کیا، مگر میں آپ سے کیا عرض کروں کہ اسکے ہاتھوں اس پیشہ کی بھی کیا درگت بنی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر ترس آتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو مردانہ حسن کا پورا مظہر تھا، جس کے لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی، جو خود زندہ دل ہونے کی وجہ سے آپ ہنستا تھا اور دوں کو ہنساتا تھا جس کی ہر جگہ آؤ بھگت ہوتی تھی، اس دنیا میں کوئی پیشہ نہ جانتا تھا، کسی چیز کا ماہر نہ تھا، اور اسمیں کوئی صنعت ایسی نہ تھی جس کے متعلق وہ کہہ سکتا کہ ہاں مجھ میں فلاں صنعت ہے۔ غرض وہ دنیا کا ناکام ترین انسان تھا، کیونکہ اسکی تمام کوششیں بیکار، اسکی ہر جد و جہد بے سود، اور ہر تدبیر اُلٹی ہوجاتی تھی۔

(۲)

مجھے اسکو دیکھے ہوئے ایک مدت ہوگئی تھا مگر کل جارہا تھا کہ اتفاق سے راستہ میں ملاقات ہوگئی۔ ... میں اسے دیکھ کر حیران ہورہا تھا کہ کیونکر اتنے جلد اس کی حالت سُدھر گئی، اسکی ظاہری شان و شوکت، اسکے چہرہ کی طبعی بشاشت اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ اب وہ ایک خوشحال زندگی بسر کررہا ہے، اور اسے روزی کمانے کے لئے در بدر مارے مارے پھرنا نہیں پڑتا بلکہ کوئی ایسا معقول روزگار ہاتھ لگ گیا ہے کہ جس سے وہ چین کی زندگی بسر کررہا ہے

اسکے کپڑے قوس البحر کے تھے، انگلیوں میں بیش قیمت انگوٹھیاں تھیں اور ہاتھ میں ایک بہت خوبصورت سگرٹ گیر تھا، غرض ہر چیز سے خوشحالی و امارت ٹپک رہی تھی، اسنے مجھے دیکھتے ہی بہت گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور میں نے سب سے پہلا سوال جو اس سے کیا وہ یہ تھا

"آپ بظاہر بہت خوشحال نظر آرہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

وہ۔ "ہاں بیشک یہی بات ہے میں اب خوشحال ہوں اور چین کی زندگی بسر کررہا ہوں مگر میں آپسے یہ بات دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپکو ایک گھنٹہ کی بھی فرصت ہے یا نہیں؟

میں۔ "ہاں بس ایک ہی گھنٹہ کی ہے، زیادہ نہیں ٹھہر سکتا"

وہ۔ "اچھا تو پھر اس چائے کی دوکان میں تشریف لائیے اور میرے ساتھ چند کیک نوش

یہ کہکر وہ دوکان میں گھس گیا اور اسکے پیچھے پیچھے میں بھی پہونچا۔

میں "آپ اپنی ساری سرگذشت سنائیے کہ کیونکر اسقدر جلد اتنے امیرانہ ٹھاٹھ ... آخر کیا کیا بنانے لگے ہو؟"

وہ "ذرا توقف فرمائیے"

یہ کہکر اس نے ملازم کی طرف مخاطب ہوکر کہا "دو چائے کے پیالے اور چند کیک ... مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ چار "ڈبڈن انڈین ٹی" کے سوا اور کوئی نہ ہو"

ملازم۔ "مجھے افسوس ہو کہ ہمارے یہاں "ڈبڈن انڈین ٹی" نہیں ہو مگر ہاں لپٹن، بروک بانڈ، لائینز، بروک بانڈ وغیرہ چاء کی قسمیں ہیں ...."

میرے دوست نے ملازم کو ہاتھ کی جنبش سے خاموش کرتے ہوئے کہا "ہم کہیں اور چلے جائینگے"

چنانچہ ہم ایک اور چاء کی دوکان میں پہونچے اور وہاں کے ملازم سے کہا "میرے لئے چاء کے دو پیالے اور چند کیک فوراً لے آؤ مگر چاء "انڈین ڈبڈن ٹی" کے سوا کوئی نہ ہو"

ملازم "معاف کیجئیگا، ہمارے ہاں "انڈین ڈبڈن ٹی" نہیں ہو"

وہ۔ "خیر کیا مضائقہ ہو"

یہ کہکر وہ دوکان سے نکلا اور سڑک کی پٹری پر آکھڑا ہوا اور مجھ سے کہنے لگا کہ ٹرام میں بیٹھ چلو "مانسرور ٹی کیفے" میں چلکر بیٹھیں گے" ٹرام کا تھوڑی ہی دیر تک انتظار کرنا پڑا اور ہم سوار ہو کر روانہ ہوگئے۔

جب ٹرام کار میں اطمینان سے بیٹھ گئے تو میرے دوست نے مجھ سے کہا "اگر آپکے پاس دیاسلائی کا بکس ہو تو دیدیجئے" اور جب میں نے اسے بکس دے دیا تو اسنے میری طرف اپنے سگرٹوں کا ڈبہ بڑھایا اور کہا "ملاحظہ فرمائیے"

میں نے سگریٹ کو دیکھ کر کہا "مورننگ گلوریز" یہ سگریٹ تو آج ہی دیکھنے میں آیا ہو، بظاہر عمدہ تمباکو کا معلوم ہوتا ہو"

وہ۔ "بھائی بہت عمدہ سگریٹ ہو اور پھر اسپر خوبی یہ کہ بازار میں سستے سے سستے سگریٹ سے ایک پیسہ کم میں خرید لیجئے، اس طرح سال بھر میں آپ کو کافی بچت ہوجائے گی اور چیز بھی عمدہ ملے گی۔ میں تو اس سگرٹ کے علاوہ اور کوئی سگریٹ استعمال ہی نہیں کرتا"

میں۔ "میں بھی اسکا امتحان کرونگا"

وہ۔ "ضرور، ضرور"

جب ہم ٹرام میں بیٹھے ہوئے مزے سے سگریٹ پی رہے تھے میں نے اپنا سوال پھر دہرایا "آپ اسقدر جلد کیونکر متمول بن گئے؟"

وہ۔ "آپنے یہ کیونکر اندازہ لگالیا؟"

میں۔ "آپکی ظاہری شان سے یہی ظاہر ہو رہا ہو، ذرا اپنے سوٹ کو ہی دیکھئے!"

وہ۔ "جی، ہاں، سوٹ تو کوئی تیس روپیہ سے زیادہ کا نہیں، گو معلوم ایسا ہی ہوتا ہو کہ بہت ہی قیمتی کپڑے کا ہو"

میں نے متشدد ہو کر کہا "خدا کی قسم! ایسا سوٹ اور تیس روپیہ میں کہاں سے لیا ہو؟"

وہ۔ "صرف "عبدالمجید اینڈ کو چیف سوٹ میکرز دہلی" اسوقت اتنے سستے سوٹ تیار کرسکتے ہیں، انکے علاوہ دہلی کی کوئی فرم اسقدر عمدہ اور اسقدر سستا سوٹ نہیں بنا سکتی۔ آپ بھی ایک دفعہ وہاں سے سوٹ بنوائیے، کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا"

میں۔ "بہت اچھا"

وہ۔ "ضرور ضرور"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک اجنبی شخص ٹرام پر سوار ہوا اور اسے دیکھتے ہی میرے دوست نے اپنا سگریٹ کھڑکی میں سے پھینک دیا اور جونہی اجنبی اپنی جگہ پر بیٹھا میرے دوست نے اس سے کہا "اگر آپکے پاس دیاسلائی کا بکس ہو تو عنایت فرمائیے"

اجنبی نے اپنا بکس دے دیا، اور اسنے اپنا سگریٹ کا ڈبہ اسکے آگے بڑھا کر کہا، "ملاحظہ فرمائیے"

اجنبی نے سگرٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا "مورننگ گلوریز" یہ تو بالکل نیا سگریٹ معلوم ہوتا ہو، غالباً کوئی نیا کارخانہ قائم ہوا ہو"

وہ۔ "کیا آپ انھیں پسند کرتے ہیں؟"

اجنبی۔ "جی ہاں بہت عمدہ ہیں، تمباکو نہایت نفیس ہو"

وہ۔ "جی، بہت اچھا سگریٹ ہو، اور پھر لطف یہ کہ بازار میں سستے سے سستے سگریٹ سے ایک پیسہ کم میں لے لیجئے اس طرح سال بھر میں آپکو کافی بچت ہوگی اور مال بھی عمدہ ملے گا۔ میں تو اس سگریٹ کے علاوہ کوئی دوسرا سگریٹ پیتا ہی نہیں"

اجنبی۔ "میں بھی خریدوں گا"

وہ۔ "ہاں ضرور"

یہ کہکر وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "آپ کیا فرما رہے تھے؟"

میں۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کو اگر سوٹ کسی رعایتی قیمت پر مل بھی جاتا ہوگا تو خیر کچھ حرج نہیں ہو لیکن جو انگوٹھیاں آپ پہنے ہوئے ہیں وہ تو ظاہر کر رہی ہیں کہ آپ ضرور دولتمند بن گئے ہیں"

وہ۔ "انگوٹھیوں میں جو ہیرے جڑے ہوئے ہیں وہ اصلی ہیرے نہیں ہیں" (اسنے یہ بات اتنے زور سے کہی کہ تمام ٹرام کے مسافروں نے اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا) اگر کوئی ماہر جوہری بھی ہو تو ان نقلی اور اصلی ہیروں میں کوئی تمیز نہیں کرسکتا، اور معمولی نگاہ کا تو کچھ کہنا ہی نہیں، اصل ہیروں کی ایسی انگوٹھیاں ہزار بارہ سو روپئے سے کسیطرح کم میں نہیں آسکتیں مگر یہ انگشتری صرف پچیس روپیہ کی ہو، اور دیکھئے اسکا ہیرا کسقدر چمک رہا ہو۔ کاریگر نے کمال دکھا دیا ہو۔ اگر آپ چاہیں تو اتنی عمدہ انگشتریاں نیادر جوہری دریبہ کلاں سے خرید سکتے ہیں، سیکڑوں لوگ ان ہیروں کو دیکھ کر دھوکہ میں آجاتے ہیں اور باوجود میرے یہ کہنے کے کہ وہ نقلی ہیں یقین نہیں کرتے اور جب تک وہ خود خرید کر

نہیں لے آتے اسوقت تک انھیں یقین نہیں ہوتا کہ اتنے عمدہ ہیرے پچیس روپیہ میں مل سکتے ہیں۔

یہ کہہ کر میرا دوست کھڑا ہوگیا اور بازار میں ایک طرف چار کی دوکان کی طرف اشارہ کیا اور کہا "لیجئے وہ چار کی دوکان آگئی"۔

جونہی وہ ٹرام سے اُترنا چاہتا تھا ہوا نے اس کا ہیٹ اُڑا دیا اور وہ ایک طرف جا پڑا۔ مگر میرے دوست نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ مجھ سے کہنے لگا "میں ایسے ایسے ہیٹوں کی کچھ فکر نہیں کرتا۔ میں بابو چاندنی چوک کے یہاں سے ایسے ہیٹ پونے چار روپیہ میں مل جاتے ہیں، مال عمدہ اور پھر سستا ہوتا ہے۔ آپ وہاں سے ہی خرید لیجئے کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا"۔

ہم چار کی دوکان میں پہنچے، اور میرے دوست نے چار کی دوکان کے ملازم سے مخاطب ہوکر کہا "دو چار کی پیالی اور چند کیک لے آؤ مگر ٹھہرو، دیکھو، چار "ڈبلن انڈین ٹی" ہو۔"

خادم نے کہا "بہت اچھا، ابھی حاضر کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ چار لینے کے لئے چلد اور میرے دوست نے باواز بلند کہنا شروع کیا "ساری چار کی پتیوں میں یہ بہترین ہے بڑی نفیس، خوشبودار اور بہت خوشرنگ چار ہے، میں تو اسکے سوا اور کوئی چار نہیں پیتا"

ہماری میز کے دوسرے کنارے پر ایک اجنبی شخص چار پی رہا تھا، اسنے یہ سنکر میرے دوست کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ میرے دوست نے اس سے کہا "کیا آپکے پاس دیاسلائی کا بکس ہے، ذرا عنایت کر دیجئے"

جب اجنبی نے اپنا بکس دے دیا تو اسنے اپنا سگرٹوں کا ڈبہ اسکو پیش کیا اور کہا "ملاحظہ کیجئے"۔

(۳)

اجنبی نے شکریہ ادا کیا اور سگریٹ کو دیکھتے ہوئے کہا "میں نے اس سگریٹ کا نام آج ہی سنا ہے، غالباً کوئی نئی فرم ہے۔ بہت عمدہ تمباکو معلوم ہوتا ہے"

اسنے سگریٹ کا ایک کش لیکر کہا "بیشک عمدہ ہے، بہت ہلکا تمباکو ہے"

وہ۔ "بہت عمدہ ہے، اور مزہ یہ کہ بازار میں سستے سے سستے سگریٹ سے ایک پیسہ کم میں خرید لیجئے اس طرح سال بھر میں کافی بچت ہو جاتی ہے اور پھر مال بھی عمدہ ملتا ہے، میں تو اس سگریٹ کے علاوہ اور کسی سگریٹ کو منہ ہی نہیں لگاتا"

اجنبی۔ "آج سے میں بھی یہی پیا کرونگا"

وہ۔ "ضرور"

میرے دوست نے اجنبی کے کالر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ یہ کالر کہاں سے خریدا کرتے ہیں"

اجنبی۔ "کنگ، کنگ کے ہاں سے یہ دہلی میں کالر سازوں میں بہترین فرم ہے"

وہ۔ "نہیں، نہیں، کنگ کنگ تو بالکل نئی فرم ہے، اسکے کالروں کا ایک عیب یہ ہے تو ہو کر بہت سخت ہوتے ہیں "وایٹ اینڈ بلیک" کے کارخانہ کے بنے ہوئے کالر اسوقت مارکیٹ میں بہترین کالر ہیں میں وہی استعمال کرتا ہوں دیکھئے کسقدر عمدہ، خوشنما، نرم اور آرام دہ ہیں، چکنے اور دبیز ہونے کے لحاظ سے بھی اچھے، آپ ان کالروں کو استعمال کرکے دیکھئے کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا"

اجنبی۔ "میں انھیں ضرور خریدوں گا"

ابھی اسکے منہ سے یہ فقرہ پوری طرح نکلا بھی نہ تھا کہ اسے بہت سخت کھانسی اٹھنے لگی، اور وہ بیچین ہوگیا، لیکن جب ذرا اوسان ٹھکانے ہوئے تو اس نے دوست کی طرف مخاطب ہوکر پوچھا "کیا آپ کو کوئی ایسی دوا معلوم ہے جو خشک کھانسی کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہو، معمولی اشتہاری دواؤں سے میں تنگ آچکا ہوں، کوئی پیٹنٹ دوا بتائیے، غالباً آپ ضرور جانتے ہونگے؟"

وہ۔ "جی ہاں، مجھے ایک دوا معلوم ہے، امریکہ کے ایک مشہور ڈاکٹر کی ایجاد ہے، آپ اسے خرید لیجئے اور استعمال کیجئے، اگر دوا استعمال کرنے کے بعد بیماری کھڑی رہجائے تو میرا ذمہ۔ اس دوا کا نام "ہمیڈن کف کیور" ہے یہ دوائی ہندوستان بھر میں صرف پچاس ایجنٹوں کو دی گئی ہے۔ ہمارے شہر میں احسان، احسان اینڈ کو اس دوائی کے سول ایجنٹ ہیں آپ ان کی دوکان سے یہ خرید لائیے بہت سستی بکتی ہے"

اجنبی نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور ہوٹل کا بل ادا کرکے رخصت ہوا۔

میرے دوست نے تھوڑی دیر بعد کہا "اب چلئے" یہ کہکر اسنے اسٹینڈ پر سے اپنی چھڑی اُٹھائی اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "غالباً آپ میری چھڑی کو گھور رہے ہیں، کیوں؟ کیا بات ہے، کیا آپنے اسے بہت قیمتی تصور کیا ہے۔ جی نہیں نہایت معمولی چھڑی ہے۔ مگر لوگوں کو دیکھنے سے دھوکہ ہوجاتا ہے کیونکہ دور سے آبنوس، یا شاہ بلوط کی معلوم ہوتی ہے مگر نہیں، صرف کمپنی کے کاریگروں کی خوبی ہے، اگر آپ چاہیں تو اس کو چھوڑ کر میری طرح کی لکڑی رکھ سکتے ہیں، ساڑھے تین روپے میں حمید برادرز صدر بازار دہلی سے دستیاب ہو سکتی ہے، دیکھئے کتنی عمدہ ساخت ہے، اور ہلکی اسقدر کہ ہاتھ میں گھماتے ہوئے میلوں نکل جائیے تو ماتکان نہ ہوگی"

جب ہم ٹرک پر پہنچ گئے تو میں نے اس کی طرف مخاطب ہوکر کہا "آپ جس جگہ ہیں، حمید برادرز کی چھڑیوں کا ذکر کر دیتے ہیں، یہ کمپنی آپکو کیا معاوضہ دیتی ہے؟ "ڈبلن انڈین ٹی" کی مانگ (ڈیمانڈ) پیدا کرکے آپ کیا کماتے ہیں؟ مودننگ گلوریز سگریٹ والے آپکو کیا دیتے ہیں اور ہیٹ والا، انگوٹھی والا اور، اور، اور ———"

وہ۔ "جی ہاں، کالر والا، رومال والا، دوائی فروش اور اخبار والا (جسکے سوا میں کوئی اور پرچہ پڑھتا ہی نہیں)"

میں۔ "اور جس کے پڑھنے سے آپکو کبھی شکایت ہی نہیں ہوتی"

وہ یہ سنکر مسکرا دیا۔

میں۔ "آپکو یہ کمپنیاں یا کارخانے کیا معاوضہ دیتے ہیں؟"

دفتر میں مجھے ہر کمپنی چالیس روپے ماہوار دیتی ہے اور اگر سب کا معاوضہ جمع کیا جائے تو سالانہ آمدنی کی اوسط تقریباً تین ہزار سے کسی قدر کم نہیں نکلے گی اور اس پر طرہ یہ کہ مجھے تمام سگریٹ، موزے، رومال، چھتریاں، انگوٹھیاں اور نہ معلوم کیا کیا الا بلا سب چیزیں مفت مل جاتی ہیں! - اب تو آپ سمجھ گئے ہونگے کہ میری دولتمندی یا خوشحالی کا اصل راز کیا ہے۔ اب آپ مجھ کو یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ تجھے کوئی ہنر نہیں آتا یا تجھ میں کوئی صنعت نہیں ہے، اچھا دوست مجھے ایک جگہ جانا ہے اس وجہ سے آپکو رخصت کرنا چاہتا ہوں پھر کسی دن ملنے گا، اگر شام کو آپکا سنٹرل سینما کی طرف گزر ہو جایا کرے تو مجھ سے مل لیا کیجئے میں روزانہ شام کو وہیں جاتا ہوں اس سینما کے فلم بہترین مانے جاتے ہیں ایک دن آپ بھی تشریف لاکر ملاحظہ کیجئے"

ڈیلفی کا جدید مندر

(ایک پروفیسر کے قلم سے)

قدیم یونان کے مشہور مندر ڈیلفی کا ذکر آپنے سنا ہوگا، اس مندر کی ایک صفت یہ تھی کہ مندر کی دیوی کی طرف سے آپکے ہر سوال کا جواب مل سکتا تھا۔ ڈیلفی کے مندر کی وقعت تو خیر الہامی حیثیت سے تھی لیکن حال میں لندن کی آکسفورڈ اسٹریٹ میں ایک دفتر کھولا گیا ہے جہاں زر دیویاں کام کرتی ہیں اور عقل اور علم کے بھروسے پر تمام سوالوں کے جواب دیتی ہیں،

یوں تو لندن کے مختلف کارخانوں میں واقفیت عامہ کے لئے علٰحدہ محکمے قائم ہیں مگر ان محکموں میں ریل یا جہاز کے اوقات یا تعطیلات کی تفصیل اور انکو صرف کرنے کے طریقے بتلائے ہیں اس کے علاوہ وہ کسی قسم کی واقفیت بہم نہیں پہونچا سکتے لیکن یہ دفتر جسے میں نے ڈیلفی کے جدید مندر سے تعبیر کیا ہے اس امر کا مدعی ہے کہ آپکے "ہر سوال کا جواب پایا جائے گا"

جیسا کہ میں نے مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا ہے، اس سر رشتہ واقفیت عامہ سے نو لڑکیاں منسلک ہیں۔ مختلف سوالات پوچھنے والوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ہر لڑکی اوسطاً دو منٹ ہر سوال پر صرف کرتی ہے گویا اس طرح دو ہزار سوالات کے جواب روزانہ دیئے جاتے ہیں اگر سوالات کی نوعیت پر غور کیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ نہایت معمولی سے معمولی بات سے لے کر اہم سے اہم تر بات کے متعلق سوالات پوچھے جاتے ہیں مثلاً کشتیوں کی دوڑ میں آکسفورڈ یا کیمبرج، دونوں میں سے کون فتحیاب رہا۔ فلاں میچ میں فلاں شخص نے کتنے رن کئے؟ ڈربی میں کس گھوڑے کی کامیابی زیادہ یقینی ہے؟

یہ تو خیر دلچسپ باتیں ہیں، بعض ایسے سوالات ان لڑکیوں سے کئے جاتے ہیں جن کے متعلق واقفیت بہم پہونچانا آسان نہیں ہے، اکثر سوالات کا جواب اسوقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ متعدد کتابوں کی ورق گردانی نہ کی جائے اور تحقیق و تدقیق میں کافی وقت صرف نہ کیا جائے۔

لندن ڈیلی نیوز کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ میں نے جو چند منٹ وہاں صرف کئے ان میں میرے سامنے ایک ناول نویس نے بذریعہ ٹیلیفون پوچھا کہ جنگ عظیم کے کتنی مدت بعد جرمنوں کو انگلستان میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تھی، ناول نویس نے اپنے سوال کی مزید تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ میں ایک ناول لکھ رہا ہوں جسمیں ایک انگریز جرمنی سے شادی کر کے جرمنی بیوی لایا ہے، اسی لئے مجھے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جرمنی کے باشندے جنگ کے کتنے دن بعد آزادانہ انگلستان میں داخل ہو سکتے تھے، ایک اور مصنف نے پوچھا کہ لندن کی سڑکوں پر کسقدر روپیہ سالانہ صرف ہوتا ہے، ایک صاحب معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ونڈسر کیسل میں ۱۸۰۰ء سے اسوقت تک کتنے آرگن بجانے والے ملازم رکھے گئے اور انکے نام کیا ہیں،

ایک صاحب کا سوال تھا کہ اپنے کھیت کا رقبہ کیونکر نکالا جائے جس کے تمام اطراف غیر مساوی ہیں، اکثر سوالات بعض مقبول نظموں اور الفاظ کے متعلق پوچھے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ مستفسر صاحب اپنے سوال کے کسی پہلو سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک فقرہ کہیں دیکھ لیا اور اس کے متعلق سوالات کی بھرمار شروع کر دی، کسی نظم کا ایک مصرعہ سن کر پوری نظم طلب کرتے ہیں بعض اوقات وہ مصرعہ بھی غلط ہوتا ہے لیکن جواب جہاں تک ہو سکتا ہے صحیح دیا جاتا ہے چاہے کتنا ہی وقت تحقیق و تدقیق میں صرف کیوں نہ ہو جائے،

ایک دفعہ کسی سینما کمپنی کو ایک ہاتھی کی ضرورت ہوئی سرکاری جانوروں سے ہاتھی نہ مل سکا، انھوں نے فوراً اس واقفیت عامہ کے دفتر کو ٹیلیفون کیا اور پوچھا کہ ہمیں چند گھنٹوں کے لئے ہاتھی درکار ہے بتائیے کہاں سے مل سکے گا، چنانچہ دفتر نے ایک سرکس کمپنی سے معاملہ طے کرا دیا!

پچھلے ہفتے کے ہزاروں سوالات میں سے چند دلچسپ سوالات یہ تھے:-

سانپ کیا کھاتے ہیں؟ ساؤتھ کینسنگٹن اور اکزیبیشن روڈ کے درمیان جو تحت الارض ریلوے ہے وہ کتنی لمبی ہے؟ ویلنگٹن پارک پبلک کے لئے کس دن بند رہتا ہے؟ دریائے ایرن کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی کتنی ہے؟ پچھلی مردم شماری میں لندن کے اندر کتنے یونانی مستقل طور پر قیام پذیر تھے؟

کابینۂ وزارت، دارالعوام اور دارالخواص کے لئے بھی اکثر یہ دفتر کارآمد ثابت ہوا ہے اور انفرادی طور پر قریب قریب تمام بڑے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ جو لڑکیاں یہ کام کرتی ہیں انھیں گو تحقیق و تدقیق کے کام میں کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں ہے لیکن

پھر بھی اس کام کو انجام دینے کے لئے علم سے اچھی طرح بہرہ ور ہونے کے علاوہ عام واقفیت کی بہت ضرورت ہو: تیز فہم، زود رس اور محنتی آدمی ہونا چاہئے اور اسی کے مختلف کتابوں سے واقفیت بہم پہنچانے کا سلیقہ بھی ضروری ہو، ڈیلی نیوز کا نامہ نگار (قطر) اہو کرمیرے اس فقرہ کی بنی ڈرکیوں سے گفتگو کی سرگا یہ بیان تھا کہ اس کام سے زیادہ دلچسپ کام دنیا میں اور کوئی نہیں ہو؛

جسمانی صحت قایم رکھنے کے تیرہ مفید نصائح

(غلام محمد صاحب بی اے، از سودمند)

(۱) مقدور لے موافق سادہ مگر مقوی غذا کھائیں، مرغن اور میٹھی چیزیں زیادہ مقدار میں کھانا مضر ہیں
(۲) نوعمر لڑکوں کو زیادہ گوشت اور زیادہ مصالحہ دار غذائیں نہ دینی چاہئیں، البتہ غذائیں حتی المقدور معین اوقات پر دینی چاہئے چھابڑیوں اور بازاروں میں تنہا کھانا نہایت مکروہ عادت ہو۔
(۳) کھانے کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہو کہ بچہ دانتوں کو اچھی طرح صاف کرے، کھانا اچھی طرح چبا کر اور نہایت آرام واطمینان سے کھائے؛
(۴) کچے اور زیادہ پکے ہوئے پھل بچہ کو ہرگز نہ دیئے جائیں باسی چاول بھی مضر صحت ہیں؛
(۵) لیمونیڈ، سوڈا، برف والے شربت کا کثرت سے استعمال صحت کے لئے مضر ہو۔
(۶) کھانے میں زیادہ پانی پینا ہضم کو خراب کرتا ہو۔
(۷) میدانی کھیل کھیلنے چاہئیں اور کھلی تازہ ہوا میں ان کا زیادہ تر حصہ رہنا چاہئے۔
(۸) شادی کم از کم بیس سال کی عمر میں ہونی چاہئے مگر جب لڑکا پڑھائی وغیرہ سے فارغ ہو سکے،
(۹) کپڑے ہر موسم کے مطابق ہونے چاہئیں سردی کے موسم میں اگر کشمیرہ فلالین نہ ملیں تو روئی دار کپڑے بنوا دینے چاہئیں بعض نوجوان بانکپن کی بدولت نمونیا کا شکار ہو جاتے ہیں۔
(۱۰) جوان لڑکے کے لئے سات گھنٹے ہر روز سونا ضروری ہو، صبح سویرے اٹھ کر سیر کو جانا صحت کے لوازمات سے ہو (۱۱) والدین کو دیکھنا چاہئے کہ بچہ پڑھنے میں جھک کر نہ بیٹھے، نہ ہی لیٹ کر پڑھے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سیدھا بیٹھ کر اور اگر تھک جائے تو کھڑا ہو کر یا ٹہل پھر کر پڑھے۔
(۱۲) آنکھوں کی حفاظت نہایت ضروری ہو والدین کو خیال رکھنا چاہئے کہ لڑکا کتاب کو آنکھ کے بہت نزدیک نہ رکھے، دھندلی روشنی میں نہ پڑھے، رات کو چھت والے لیمپ کے نیچے پڑھے اور اگر چھت والا نہ ملے تو لیمپ اس طرح رکھے کہ روشنی پیٹھ کی طرف سے بائیں شانے کے اوپر سے کتاب پر پڑے؛
(۱۳) لڑکا صبح اٹھ کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے آنکھوں پر دیا کرے، اگر آنکھوں میں کچھ نقص محسوس ہو تو فوراً ڈاکٹر سے ملاحظہ کرائے، اگر عینک کی ضرورت ہو تو فوراً خریدیے؛

امریکہ کے کروڑپتی مسٹر سکیفلڈ نے یہ دس نصائح اپنی موت کے وقت قلمبند کرائے

(۱) ہمیشہ بے فکر اور لاپروا رہو۔ دولت کو اپنی لغو نہ خیال کرو۔
(۲) اپنی صحت کا ہمیشہ خیال رکھو، اس لئے کہ تندرستی ہزار نعمت ہو،
(۳) اگر دس میل موٹر اور دوسری سواریوں میں سفر کرو تو کم از کم ایک میل پیدل بھی ضرور چلو کیونکہ ریاضت اور ہوائے خالص کی غریب و امیر کو یکساں ضرورت رہتی ہو۔
(۴) فخر اور تکبر سے ہمیشہ بچو اس لئے کہ اس سے حاسد پیدا ہو جائینگے، اور حاسد ہمیشہ دشمنی کرتا ہو۔
(۵) زبان اور عمل سے ہر طرح سخی بنے رہو۔
(۶) کام زیادہ تو اپنے ہاتھوں ہی کر لیا کرو۔ ثروت تم کو کام سے نہیں معاف رکھ سکتی۔
(۷) اپنے دوستوں کی خدمت کرو، اور اپنے خادموں کے دوست بنے رہو۔
(۸) خوشی خوشی زندگی بسر کرو اور کسی کام سے غیر معمولی شغف پیدا کرو تاکہ تمہاری ریاضت بھی ہو جاوے اور بار بھی نہ گذرے۔
(۹) بزرگوں کی عزت کرو، اس سے مفت کی دعائیں لوگے، اکثر دولتمند اس کا خیال نہیں کرتے حالانکہ اس سے زیادہ کوئی مفید شے نہیں (۱۰) لوگوں پر ہنسنے سے پہلے اپنے پر ہنسو خصوصاً تم کو اپنی دولتمندی پر ہنسنا چاہیے

(از سود مند)

کامیابی کی قیمت بڑھ گئی

یعنی یکم جنوری سنہ ۱۹۳۰ء سے سالانہ خریداروں سے تین روپے اور ششماہی خریداروں سے ایک روپیہ دس آنے لی جائیگی، اگر آپ موجودہ قیمت یعنی دو روپیہ سالانہ یا ایک روپیہ ششماہی میں کامیابی خریدنا چاہتے ہیں تو ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء سے پہلے خریدار بن جائیے۔ منیجر رسالہ کامیابی و تبصرہ دہلی۔

ادب وحکمت کے جواہر ریزے

مصوّر فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے روزنامچوں میں سے

اہل غرض مجنوں

مزدور تمنا آدمی سچے جواب پر یقین نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ اہل غرض مجنوں ہو جاتے ہیں۔ (۲۱ اگست ۱۹۲۲ء)

ہندوؤں کی شکایت

آج کی ڈاک میں بہت سے خطوط اس قسم کے ہیں، جن میں مسلمانوں نے اپنی تکالیف، اور شکایات لکھی ہیں، کہ دفتروں میں ہندو بھائی ہم کو ٹکنے نہیں دیتے، اور رات دن نوکریوں سے موقوف کرانے کی سازشوں میں مصروف ہیں، اس کا علاج سوائے اسکے کچھ نہیں ہے کہ مسلمان باہمی امداد کی طرف متوجہ ہوں، اور اپنی نوکریوں کو محنت اور ہوشیاری سے پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کریں۔ شکوہ شکایت سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ وقت حفاظت خود اختیاری کا ہے، اپنے کام کو عمدگی سے پورا کرو، اور دشمن کے حملہ سے ہوشیار رہو، اور فرضی دنیا دی شکایتیں پیدا نہ کرو۔ نہ خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا ہونے دو۔ کیونکہ آجکل بعض ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں، کہ وجہ کچھ اور ہوتی ہے، اور الزام ہندوؤں پر لگا دیا جاتا ہے۔

(۲۴ نومبر ۱۹۲۴ء)

ہندوستان کا سوتیلا بھائی

مصر کی خبروں کا شہر میں بہت چرچا ہے۔ میں سمجھتا ہوں مصر ہندوستان کا سوتیلا بھائی ہے۔ ہندوستان کی آزادی مصر کی اور سویز کی آزادی کے بغیر محال ہے۔ (۲۶ نومبر ۱۹۲۴ء)

ہندوؤں کا اصلی وطن

آجکل اخباروں میں ایک خبر بہت زور شور سے گشت لگا رہی ہے کہ پنجاب کے کسی شہر میں بصرا اور عراق عرب کے کچھ سکے اور کچھ آثار برآمد ہوئے ہیں اور سامری قوم کے نوشتے سکوں پر معلوم ہوتے ہیں۔ آریہ اخبارات فخر یہ لکھ رہے ہیں کہ ہندوؤں کی عملداری مصر اور عراق میں بھی تھی، اور ہندوؤں کی تہذیب بہت پرانی ہے۔ پرانی باتوں کا فخر کرنا ایسا ہی ہے جیسے سوکھا ندیا یہ کہے کہ چار ہزار برس پہلے میرے اندر پانی بہتا تھا۔ میں ۱۹۱۱ء سے لیکر آجتک اس خیال پر قائم ہوں کہ ہندو دراصل مصر کے باشندے ہیں، فرعون کی نسل اور ان کی نسل ایک ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل سے ان کو شکست ہوئی اور مصر سے بھاگ کر ہندوستان چلے آئے، اسی واسطے انکے برہمنوں کو مصری کہتے ہیں، اور اسی لئے انکے ہاں گائے اور چاند سورج کی عظمت کیجاتی ہے، کیونکہ فرعون اور اسکی قوم بھی گائے اور چاند سورج کو پوجتے تھے۔ یہ لوگ پہلے کاٹھیاواڑ اور کراچی کے ساحل پر اُترے اور پٹن کے بندرگاہ پر انھوں نے چاند کا مندر بنایا۔ اور اس کا نام سومنات رکھا۔ جس سامری کے سکے پنجاب کے شہروں میں نکلے ہیں وہ فرعون کے زمانہ میں تھا۔ اور اسنے حضرت موسیٰؑ کی قوم کو گمراہ کرکے گائے کی پوجا پر آمادہ کر لیا تھا، قرآن شریف میں سامری کا نام بھی موجود ہے، اور گائے کی پوجا کا سارا قصہ بھی موجود ہے۔

میں نے قاہرہ کے عجائب خانہ میں فرعون کے جادوگروں اور کاہنوں کی مورتیں دیکھی ہیں، جو فرعون کے زمانہ کی بنی ہوئی ہیں۔ ان مورتوں کی شباہت اور سر کی چوٹیاں بالکل آجکل کے ہندو جوگیوں کی سی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے باپ دادا ہندوستان آنے سے پہلے مصر میں حکمراں تھے لیکن حضرت موسیٰؑ سے شکست کھا کر ہندوستان میں چلے آئے تھے۔ پس پنجاب کے علاقہ میں جو سکے نکلے ہیں وہ غالباً سامری اور فرعونی قوم کے ہیں۔ جو حضرت موسیٰؑ کی قوم کے سامنے سے بھاگ کر ہندوستان آگئی تھی۔ (۲۶ نومبر)

کائنات کا خواب

آجکی ڈاک میں بہت سے خطوط خوابوں کی تعبیر کے متعلق تھے۔ ہر شخص خواب دیکھتا ہے اور فرض سمجھتا ہے کہ اپنے سب خوابوں کی تعبیر مجھ سے پوچھے، میں کائنات کی خواب کی تعبیر میں اُلجھ رہا ہوں۔ مجھ کو اسپر حیرت ہو رہی ہے کہ یہ کائنات اور یہ آسمان زمین اور یہ چاند سورج اور یہ جگمگاتے تارے اور یہ موجیں مارنے والے سمندر اور یہ لہرانے والے دریا، اور یہ ہرے بھرے باغ، اور یہ داغدار سینہ کے لال لال پھول اور یہ شرمائی ہوئی آنکھوں کے گلہائے نرگس اور یہ سرسبزیاں، اور یہ خارستان وچٹیل میدان، کس جان جہاں کا خواب ہیں اور وہ دل آرا کون ہے جو اس خواب کو دیکھ رہا ہے اور آخر اس خواب کی تعبیر کیا ہونے والی ہے۔

کوئی صاحب مجھے اپنا خواب لکھا کریں۔۔ کہ بیٹھا ہوں تصوّر جاناں کئے ہوئے، (،، ،،)

مولنا کی خیال مستی

آج ایک مولوی صاحب جنت کی حوروں کا ذکر کر رہے تھے۔ کہتے تھے کہ ستر حوریں مجھ کو دی جائیں گی، مگر میں ان کو ایک ہی محل میں رکھوں گا۔ کہدوں گا۔ دیکھو آپس میں رشک و حسد نہ کرنا۔ دنیا میں میری چار بیویاں تھیں، اور ان میں رات دن لڑائیاں ہوتی تھیں ان لڑائیوں کا ساری عمر میں نے دکھ اُٹھایا۔ اب جنت میں آنے کے بعد ان لڑائیوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر فرمانے لگے ان حوروں کے لئے سنہری ریشوں کے جھولے

ڈلواؤں گا۔ ان سے کہوں گا، تم سب ملکر جھولو، اور خوب زور زور سے جھوا دو میں بیچ میں کھڑا ہوکر کبھی ان کو دیکھوں گا، اور کبھی اُن کو دیکھوں گا۔ کبھی وہ مجھ کو دیکھیں گی کبھی یہ مجھ کو دیکھیں گی۔ آہا ہا بس مزا ہی مزا ہوگا۔

مولنا کو اس خیالی مستی میں سرشار دیکھ کر مجھ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ میں نے عرض کیا جناب آپ کو تو ستر حوریں ملیں گی مگر آپ کی چار بیویوں کو غلمان کیسے کتنے ملینگے؟ ذرا ان سے بھی دریافت کر لیجئے، کہ وہ ہر غلمان کے واسطے علیحدہ مکان بنوائیں گی یا ایک ہی مکان میں ستر غلمانوں کو رکھیں گی؟ اور کیا وہ بھی غلمانوں کو نصیحت کرینگی کہ آپس میں نہ لڑیں؟ اور کیا وہ بھی غلمانوں کو جھولا جھلا کر ان کی سیر دیکھیں گی؟ مولنا کو اس سوال سے غصہ آگیا، اور وہ نہایت برہم ہوکر بولے، توبہ کیجئے توبہ کیجئے، آپ بہشت کا مذاق اُڑاتے ہیں، اس سے ایمان جاتے رہنے کا ڈر ہے۔ میں نے عرض کیا ناراض نہ ہوجئے میرا ایمان حور و غلمان کی خواہشات کا منتظر نہیں ہے۔ میں تو بہشت کسی کی نظر محبت اور نگاہ التفات کو سمجھتا ہوں۔ میں بہشت میں اسواسطے جانا نہیں چاہتا کہ وہاں جاکر بھی اغیار پرستی میں محو رہوں اور اس جلوہ کو بھولجاؤں جس کے عرفان کے لئے میں اور آپ اور ہر چیز پیدا ہوئی ہے

(۲۶ نومبر ۱۹۲۳ء)

تم جہاں ہو وہیں رہوگے

آج ریاست جیسلمیر راجپوتانہ کے ایک ہندو مرید کا خط آیا تھا۔ لکھا تھا۔ عمر زیادہ ہوگئی رات دن اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ مرنے کے بعد برادری والے لاش کو جلا دینگے۔ میں نے جواب دیا، لاش دبے یا جلے یا ڈوبے۔ تم جہاں ہو وہیں رہوگے کہ تم جسم سے ایک علیحدہ چیز ہو۔

سات سو ستر قالب

یہ بھی پوچھا تھا کہ سات سو ستر قالب سے کیا مُراد ہے؟ جس کا ذکر حضرت مولنا رومؒ نے کیا ہے۔ کیا یہ تناسخ ہے؟ میں نے لکھا اس کا تعلق تناسخ سے کچھ نہیں ہے، بلکہ مقامات سلوک کا اشارہ ہے۔ ہم لوگ تناسخ اور آواگون اور جنم مرن کو اس طرح نہیں مانتے جس طرح اہل تناسخ مانتے ہیں۔ نہ ہم مولویوں کی طرح اللہ میاں کو عرش کی چوکی پر الگ بیٹھا ہوا تسلیم کرتے ہیں، بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ:-

"نہ او غیر است نہ ما غیر یم … بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست"

مگر یہ چیزیں بحث کرنے کی نہیں ہیں۔ یہ تو دیکھنے اور اپنے اوپر طاری کرنے کی کیفیات ہیں کہ جو سمجھ جاتا ہے گم ہوجاتا ہے، اور جو گم ہوگیا مگن ہوگیا۔ اور جسنے زبانی بحثوں میں وقت گنوایا۔ اُسنے دُنیا میں نمودار ہونے کا کچھ بھی مزا نہ اُٹھایا۔

(۲۶ نومبر ۱۹۲۳ء)

مدینہ کے شب چراغ کی انگلی کا اشارہ

رات کو سوتے وقت اخبار پڑھ رہا تھا۔ ہمدم میں شق القمر کی نسبت سائنس کا مضمون دیکھا جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ کسی وقت میں کسی سیارہ کی چاند سے ٹکر ہوگئی تھی، اس سے چاند میں شگاف ہوگیا۔ یہ مضمون پڑھ کر مجھے وجد آگیا۔ انگریز سائنس داں کہتا ہے چاند سے ستارہ ٹکرایا تھا میرا وجدان کہتا ہے۔ چاند سے مدینہ کے شب چراغ کی انگلی کا اشارہ ٹکرایا تھا۔ تمہارا بھارا میں لکھا ہے۔ (شعر آسترجس نے چاند کو شق کردیا تھا میرے دل پر منقوش ہے۔ شوکے تیرا (اللہ کے دوست) نے چاند کو دو ٹکڑے کردیا تھا۔

آج آسمان پر تیسری رات کا چاند نازک اندامی کا جلوہ دکھا رہا ہے۔ کیوں میاں چھچے کھڑے والے چاند! تم کو مدینہ والے عرب کی وہ ادا بھی یاد ہے جب وہ کملی کو کندھے پر ڈالے تمہاری طرف انگلی کا اشارہ کر رہے تھے اور تم دو ٹکڑے ہوگئے تھے۔

سائنس کہتا ہے اب چاند غیر آباد ہے اور اس میں زلزلے آتے رہتے ہیں عشق کہتا ہے جب میری انگلی کا اشارہ ہوجاتا ہے وہ آبادی سے گھبرا کر بے آباد رہنے کا شیدا ہوجاتا ہے اور زلزلے تو عشق کے اضطراب کا معمولی نمونہ ہیں۔

(۲۹ نومبر ۱۹۲۳ء)

عشق و محبت کا مذہب

دنیا کی ہر قوم اپنے مذہبی پیشوا کو مانتی ہے۔ مگر اس سے عشق نہیں کرتی، مگر مسلمان اپنے رسُولؐ اور ہادی کے عاشق ہیں۔ جب نام لیتے ہیں یا نام سنتے ہیں بے تاب ہوجاتے ہیں۔

میں نے ہندوؤں کے ہر تیرتھ کو دیکھا۔ میں نے عیسائیوں کے بڑے گرجا کو بیت المقدس میں دیکھا۔ میں نے یہودیوں کے سب سے بڑے مقدس مقام کو بھی دیکھا۔ ہر جگہ رسمیں ادا کیجاتی ہیں، مگر محبت کی مستیاں اور جذبۂ عشق کے آنسو کسی جگہ نہیں دیکھے، یہ بات صرف مسلمانوں میں دیکھی کہ وہ مدینہ کو دیکھ کر اور مدینہ کا نام لیکر مست و سرشار ہوجاتے ہیں۔

اسلام کی یہی خوبی اتنی بڑی ہے جو مجھ کو ہر مذہب کے مقابلہ میں اس کا غلام بناتی ہے (۲۹ نومبر ۱۹۲۳ء)

دِل کو دِل سے راہ ہوتی ہے

آج خسرو شاہ دو گرم موزے لائے تھے۔ میں نے کہا ایک جوڑی کافی ہے، اتنے میں خیال آیا ایک دوست کو مجھ سے زیادہ گرم موزوں کی ضرورت تھی۔ خسرو شاہ کو مکاشفہ ہوا۔ یہ انہی کے لئے لائے ہیں، اس کوچہ میں دل کو دل سے راہ ہوا کرتی ہے۔ یہ سنتے آئے ہیں۔ مگر یہ راہ انگریزی سڑک کی طرح برقی لیمپ سے روشن نہیں ہوتی۔ یہاں تو اندھیرا رہتا ہے۔ کیونکہ عشق کو تاریکی سے بہت مناسبت ہے۔

(۲۹ نومبر ۱۹۲۳ء)

امیر الکلام کی چوری

آج رسالہ دلکش میں اپنا ایک مضمون دیکھا جو غدر دہلی کے افسانوں میں شائع ہوچکا ہے کہ مضمون نگار نے ایک حرف بھی اپنا نہیں لکھا سب کا سب میرا ہی مضمون نقل کر دیا ہے، البتہ آخر میں نام اپنا لکھا ہے۔ ایڈیٹر صاحب دلکش نے ان لائق نامہ نگار کو امیر الکلام کا خطاب دیا ہے انکے امیر الکلام ہونے میں کیا شک ہے۔ کیونکہ بادشاہ اور امیر ڈاکہ زنی سے بادشاہ اور امیر بنا کرتے ہیں۔ نامہ نگار صاحب نے میری زندگی میں میرے مضمون پر حسن دلیری سے ڈاکہ ڈالا وہ ان کی امیری اور بادشاہی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

امیر الکلام صاحب اس ڈاکہ زنی کی مشق بڑھانی چاہیں تو میں ان کو اپنے مضامین کے پتے بتا دوں۔ کیونکہ میں نے ان چوروں کو بھی اس قسم کی مفید اطلاعیں دی تھیں جو اسی سال کے شروع میں میرے ہاں سے گھر کا اسباب چرا کر لے گئے تھے۔ میں نے ان کو بتایا تھا کہ فلاں فلاں چیزیں اس قیمت کی ہیں ان کو کم قیمت پر فروخت نہ کرنا۔ کیونکہ چوری کا مال عموماً کم

داموں میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ چھتریوں میں ایک چھتری ایسی بھی ہے جو کھولتے وقت انگلی کا گوشت پکڑ لیتی ہے۔ اس لئے ذرا احتیاط سے کھولنا انگلی نہیں دب جائے، مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ مضمون جو رسالہ ویڈیش میں چھپا تھا جو ردّی تک بھی پہونچا اور وہ اسکو پڑھ کر بہت ہنسے، مگر میں انکی ہنسی کا خواستگار نہیں تھا۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ جوا کا بڑا گناہ کرنیکے بعد انکو میری اس سے کچھ فائدہ بھی ہو۔ وہ قیمتی چیزوں کو مفت میں برباد نہ کریں اسی طرح ہم انکلام صاحب سے درخواست ہے کہ ہر مضامین کو چورا کر ایسی جگہ استعمال کریں جہاں سے ان کو کچھ فائدہ بھی ہو۔ (۹ نومبر)

ہماری کمزوریاں

ہمارے اندر بہت سی اخلاقی، معاشری اور تمدنی کمزوریاں ہیں جو ہماری ترقیوں اور کامیابیوں میں مانع ہو رہی ہیں۔ ہم میں سے اکثر کو اس کا احساس بھی ہے کہ یہ کمزوریاں ہم میں موجود ہیں لیکن باوجود اس احساس کے ہم ان کمزوریوں کے رفع کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کمزوریوں کی بار بار دہرائی کی جائے اور ان کے مضر تاریخ کے تمام پہلوؤں کو سامنے لاکر انکے رفع کرنے کی ضرورت کے احساس کو اتنا قوی کر دیا جائے کہ وہ ہماری غفلت و سہل انگاری پر غالب آسکے۔ کامیابی میں یہ مستقل عنوان اسی غرض سے رکھا گیا ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں اور انکے تباہ کن نتائج سے آگاہ ہو کر انکے رفع کرنے کی کوشش کریں، اور اپنی محنت، لیاقت اور دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائیں؛ (ایڈیٹر)

بدنظمی اور بے ضابطگی اس گئے گذرے زمانے میں بھی ہم میں بہتیرے ایسے ہیں جو محنت او مشقت سے جی نہیں چراتے، اور بلکہ بعض تو حقیقتاً کام کرنے میں ایک لذّت اور ایک مسرت محسوس کرتے ہیں، لیکن یہ خدا جانے کیا مصیبت ہے کہ ہمارے کاموں میں بالعموم نظم اور ترتیب نہیں ہوتی۔ ہمارے گھر، ہمارے دفتر، ہماری دوکانیں، ہمارے کلب، ہماری مسجدیں اور ہمارے مدرسے سب اگرچہ اور ہر لحاظ سے قابل تعریف ہوں لیکن اکثر نظم اور ترتیب کی کمی ان میں ضرور پائی جائے گی۔ آپ امتحاناً اپنی صاحبزادی سے قینچی مانگئے اور آپ دیکھیں گے کہ آپکا کام کرنے اور آپکا حکم بجا لانے کا شوق اسے مجبور کریگا کہ دوڑتی ہوئی جائے، لیکن اس طرح دوڑ کر جانے کے باوجود اسے واپسی میں دس پندرہ منٹ ضرور لگ جائینگے، اس لئے نہیں کہ وہ کہیں کھیل میں لگ گئی تھی بلکہ اس لئے کہ قینچی کے رکھنے کی گھر میں کوئی مقررہ جگہ نہیں ہے اور وہ غریب ایک ایک طاق اور ایک ایک چارپائی دیکھتی پھر رہی تھی، اپنے محرر صاحب سے کوئی مخصوص فائل مانگئے اور پھر دیکھتے رہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ کبھی یہ الماری کھولی جائے گی کبھی وہ، اور کبھی اس بستہ میں ڈھونڈا جائے گا اور کبھی اس میں اور کم از کم پانچ منٹ کی پریشانی کے بعد وہ انھیں دستیاب ہوگا۔ اپنے کسی دوست سے پوچھ دیکھئے کہ جناب آپکے گھر میں ہر مہینے کتنا آٹا صرف میں آتا ہے یا کتنا گھی یا دودھ خریدا جاتا ہے، اور اس کا جواب اکثر حالتوں میں آپ کو یہی ملے گا کہ "گھر کا کوئی باقاعدہ حساب تو میں لکھتا نہیں، جتنی ضرورت ہوتی ہے آجاتا ہے" کسی دعوت کے جلسہ میں تشریف لائیے جہاں آپکو ٹھیک سات بجے بلایا گیا ہو۔ ممکن ہے کہ سات بجکر پانچ منٹ پر پہونچنے کی وجہ سے آپکا دل اس تھوڑی سی تاخیر کے لئے نادم ہو لیکن وہاں پہونچکر اکثر تو آپ یہ دیکھیں گے کہ ابھی خود صاحب خانہ ہی آپکے شرف باریابی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اگر وہ تیار اور منتظر بھی ملیں تب بھی تو یقینی ہے کہ آپ سب سے پہلے پہونچنے والوں میں سے ہونگے۔ یہی نہیں بلکہ آپ یہ بھی دیکھینگے کہ بعض گرامی منش بزرگ اسی دعوت کے لئے نو بجے بھی پہونچینگے اور یہ سمجھ کر پہونچینگے کہ وہ بالکل صحیح وقت پر گئے ہیں۔ ہماری مذہبی سیاسی اور اصلاحی انجمنیں بھی اس عیب سے پاک نہیں ہیں، اور اگر کوئی ضابطہ کے پابند سکریٹری صاحب بالکل صحیح وقت پر جلسہ شروع کرنا چاہیں تو ع خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِل کوزہ کے مطابق وہ خود ہی صدر ہونگے خود ہی مجلس عاملہ، اور خود ہی حاضرین جلسہ۔ ہمارے بہت سے تاجر تو زبانی یادداشت سے آگے حساب لکھتے ہی نہیں لیکن جن دوکانوں پر حساب باقاعدہ لکھا جاتا ہے وہاں بھی جاکر دیکھ لیجئے کہ کھاتہ بالکل صحیح اور درست لکھا ہوا ہے لیکن جب کسی خاص شخص کا حساب دیکھنا ہو تو یا تو سارے کے سارے صفحے اُلٹ کر اس کا نام تلاش کرنا پڑیگا یا زیادہ سے زیادہ کھاتے کے شروع میں اتنی آسانی بہم پہونچا دی گئی ہوگی کہ ایک فہرست کے ذریعہ سے اتنا بتا دیا ہوگا کہ فلاں شخص کا حساب فلاں صفحہ پر ہے، لیکن پھر بھی یہ ترتیب ہرگز نہ ملے گی کہ نام حروف تہجی کے مطابق لکھے گئے ہوں۔ ہمارے فیصدی پچانوے گھروں میں نہ کھانا کھانے کا کوئی وقت ہے اور نہ سونے کا، اور اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ جسکو جس وقت مل گئی اسی وقت کھالی، یا جو جس وقت کام سے فارغ ہو کر یا کھیل کود سے فرصت پاکر گھر میں گھسا اسی وقت اسکے لئے دسترخوان بچھانا پڑا اصل یہ ہے کہ ہمیں پابندیوں سے کچھ بالطبع نفرت سی ہے حالانکہ کوئی انسان اسوقت تک اپنے آپکو مہذب نہیں کہہ سکتا کہ جبتک مذہبی، قانونی، اخلاقی، طبی، رسمی غرضکہ ہر قسم کی پابندیاں اپنے اوپر لازم نہ کرے

وقت کی ناقدری کسی سے کہا جائے کہ آپ اپنی عمر کے دو سال یا چار سال چھوڑ دیجئے تو کون ہے جو اس پر راضی ہو جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر شخص اپنی عمر کا کم سے کم ایک چوتھائی حصہ بالکل بیکار ضائع کر دیتا ہے اور اس سے کسی قسم کا کچھ کام نہیں لیتا، فرق اگر کچھ ہے تو صرف اس قدر کہ کوئی شخص بیک وقت دو چار یا دس برس ضائع نہیں کرتا بلکہ روزانہ دو چار چھ گھنٹے ضائع کرتا رہتا ہے کاش ہم کسی طرح سمجھ سکتے کہ وقت ہماری عمر ہی کا دوسرا نام ہے، اور صحیح معنوں میں وقت ہی وہ چیز ہے جسے دولت کہا جاتا ہے۔ اگر دو روپیہ دو روپئے یا دس روپئے ضائع کر دینے سے اتنا نقصان نہیں پہونچا کرتا جتنا ایک گھنٹہ، دو گھنٹے یا دس گھنٹے ضائع کر دینے سے پہنچ جاتا ہے (سعید احمد)

ہماری مذہبی غلط فہمیاں

اصول پر فروع کو مقدم رکھنے کا مرض

بد قسمتی سے ہمارا جو طبقہ سب سے زیادہ مذہب کا دلدادہ ہے وہی اکثر حالات میں سب سے زیادہ مذہب سے دور ہے۔ مذہب کو یہ سمجھ کر کہ یہ ہماری زندگی کے اصول ہیں اور آئندہ ہمیں انہی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے، کوئی قبول نہیں کرتا، بلکہ عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کوئی عجیب غریب، ہم سے بالاتر، اور کسی دوسری دنیا کی چیز ہے جسے اگر ہم نے چھو بھی لیا تو ناپاک ہو جائے گا۔ مذہب کے اصولوں کو اپنی بے اصول زندگیوں کے اصول بنانا، اور ان اصولوں کو سمجھ کر ان کی پابندی کرنا شاید کسی ایک فیصدی خوش قسمت مسلمان کو نصیب ہو تو ہو ورنہ فیصدی ننانوے کا طرز عمل تو یہ ہے کہ فقہ کے جو چند احکام کبھی نہ کسی ذریعہ سے ہمارے کانوں تک پہونچ گئے ہیں ان کی پابندی کافی سمجھ لی جاتی ہے اور اصولوں سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں رکھا جاتا۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان اس بات پر آپس میں لڑ مرتے ہیں کہ "آمین" زور سے کہی جائے یا آہستہ سے، اور کبھی کسی کو اتنا خیال نہیں آتا کہ آمین کہنا یا نہ کہنا ہی اول تو ہمارے ایمان یا اسلام کا کوئی جزو خاص نہیں ہے، اور پھر جب ایک دعائیہ کلمہ ہمیں اپنی زبان سے کہنا ہی ہے تو اس میں کیا فرق پڑ جاتا ہے کہ اس کلمہ کو آہستہ سے کہا گیا یا زور سے۔ ایک شخص جو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتا اس سے ہمیں نہ پرہیز ہوتا ہے نہ نفرت، لیکن ایک ایسے شخص سے ہم لڑ مرنے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں جو پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے مگر امام کے الحمد پڑھ چکنے کے بعد آمین ذرا ہماری بہ نسبت کسی قدر اونچی آواز سے کہہ دیتا ہے۔

ہم خیرات کرنے کے لئے بڑی خوشی سے آمادہ ہوتے ہیں اور اکثر وہ لوگ کہ جو صاحب نصاب ہیں بڑی پابندی کے ساتھ زکوٰۃ نکالا کرتے ہیں، لیکن ہزارہا زکوٰۃ نکالنے والوں اور خیرات کرنے والوں میں سے شاید کوئی ایک خیرات و زکوٰۃ کے اصلی مقصد کو سمجھتا ہوا اور اپنی خیرات انہی لوگوں کو دیتا ہو کہ جنھیں اسلام دلانی چاہتا ہے۔ خوش ذائقہ اور لذیذ کھانے نکالکر اگر ہم اپنے دوستوں کو کھلا دیتے ہیں تو اسے بھی یہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے خیرات کی ہے، اور ہٹے کٹے تندرست مسلمانوں کو خیرات دیکر اگر اسکی عادت بگاڑنے اور اسے ذلیل فقیر بننے میں مدد دینے کا گناہ عظیم کیا ہے تب بھی ہمارا دل مطمئن رہتا ہے کہ ہم نے بڑا نیک کام کیا ہماری قوم کے یتیم اور بے کس بچے دودو دانوں کو ترستے رہیں بلا سے، لیکن اگر کسی ایسے موٹے تازے فقیر کے لئے ہماری جیب میں پیسہ نہ نکلا کہ جو ایک کالا کمبل اوڑھے اور ایک بڈھا سا کشکول ہاتھ میں لئے ہمارے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے، تو ہمیں ڈر رہتا ہے کہ کہیں اسکی بد دعا ہمیں تباہ نہ کر دے۔ ہمیں طہارت کے اصول بتلائے گئے تھے، اور منشائے ایزدی یہ تھا کہ ہم صاف ستھرا رہنا سیکھ جائیں اور غلاظت اور میل سے ہماری طبیعتوں میں نفرت پیدا ہو جائے لیکن ہم نے صرف یہ مسئلے یاد کر لئے کہ اگر کپڑے پر پیشاب کی چھینٹ پڑ جائے تو جب تک اسے دھو نہ لیا جائے اس سے نماز نہیں ہو سکتی، یا اگر کیچڑ کی چھینٹیں پڑ گئی ہیں تو اس کپڑے کو پاک کرنا ضروری ہے، اور اس سے کچھ واسطہ نہ رکھا کہ خاک مٹی اور ہمارے بدن کے پسینہ سے بلکہ جو کیچڑ بنتی ہے جسے ہم میل کہتے ہیں وہ بھی تو اسی قدر غلیظ اور ناپاک چیز ہے، آخر اس میں کیا فرق ہے کہ ہمارے بھیگے ہوئے کپڑوں پر یا جسم پر راستہ کی خاک اڑ کر پڑے اور نمی کے ساتھ شامل ہو کر کیچڑ بن جائے، اور یہ کہ راستہ کی خاک پر کہیں سے پانی گرے اور وہ اس طرح کیچڑ بنکر ہمارے کپڑوں کو لگ جائے؟

مذہب نے تو ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہمیں اللہ کی نشانیوں پر غور کرنا چاہئے، پچھلی قوموں کے حالات اور ان کی تباہی اور زوال کے اسباب سے عبرت حاصل کرنی چاہئے، اور اچھی طرح اپنی عقل سے کام لے کر اچھی اور بری باتوں میں تمیز کرنی چاہئے، اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ دین و مذہب کے معاملہ میں جبر اور زبردستی نہیں ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ جس کی سمجھ میں جو بات درست اور صحیح معلوم ہو اسی کو اختیار کرے لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ ہم مذہبی معاملات میں غور و فکر کرنے کو برا خیال کرتے ہیں اور اسے اچھا سمجھتے ہیں کہ چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن جو کچھ کسی مسجد کے مولوی صاحب کہدیں بس اسی کو مان لیں، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ مذہب اسلام مذہب فطرت ہے یعنی اگر انسان کو کوئی مذہبی تعلیم نہ بھی دیجائے تب بھی اگر اسکی عقل سلیم ہے تو وہ انہی اصولوں کو اپنی زندگی کے لئے اختیار کریگا جو اسلام کے اصول ہیں لیکن ہم نے مذہب کو کچے دھاگے سے بھی زیادہ نازک بنا دیا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ادھر کسی نے مذہبی باتوں پر غور کیا اور آدم اسکا ایمان گیا۔ یہ اور اسی قسم کی صدہا باتیں آج ہمارے ایمانوں کی کمزوری کا باعث بنی ہوئی ہیں، اور جہل مرکب یہ ہے کہ اس کمزوری کو ہم عین استواری سمجھے بیٹھے ہیں اور اس غلط فہمی میں ہیں کہ ہم بہت ہی سچے مسلمان ہیں، کوئی سچا مسلمان حقیر ذلیل، اور محکوم ہو کر نہیں رہ سکتا، خدائے پاک کا وعدہ ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تمھیں سب پر فائق رہوگے، خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اس لئے ظاہر ہے کہ ہمارے ہی ایمان کمزور ہیں ورنہ ہم اس درجہ کو کبھی نہ پہونچتے۔

(سعید احمد)

عورتوں کے چار صفحے

پدر بزرگوار کا خط

بیٹی،

اولاد کی خواہش ہر شریف انسان کے دل میں ہوتی ہے اور فطرتاً ہونی چاہئے، میاں نسیم اگر بچّہ کو کندھوں پر بٹھانے اور گود میں کھلانے کے لئے بےچین ہیں تو بجا ہے۔ عورتوں کے دل میں یہ آرزو مردوں سے بھی کسی قدر زیادہ ہوتی ہے اس لئے مختلف مزارات پر جا جا کر تمھارے التجا کرنے کا باعث تو میں سمجھ سکتا ہوں لیکن اسے جائز اور مناسب ہرگز نہیں کہہ سکتا، دعا اگر خدا سے مانگنی ہے، اور التجا اگر اس قاضی الحاجات کی درگاہ میں پیش کرنی ہے تو اسکے لئے تو کہیں آنے جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ حاضر بھی ہے اور ناظر بھی اور سمیع و بصیر بھی ہے اور علیم و خبیر بھی اسکی خدمت میں رسائی حاصل کرنے کے لئے نہ کسی مزار کی قید ہے اور نہ کسی مکان کی، اور اسکے سامنے عرض حال کے لئے نہ لبوں کی ضرورت ہے نہ زبان کی۔

اگر کسی صاحب مزار کے متعلق خدانخواستہ تمھارا یا میاں نسیم کا یہ خیال اور یہ اعتقاد ہے کہ وہ کسی کو مال یا اولاد بخشنے کی مقدرت رکھتے ہیں تو مجھے افسوس ہے کہ تم نے اس تمام تعلیم کو بیکار کر دیا جو میں نے تمھیں دی تھی۔ کسی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی نیک اور اچھا یا بزرگ اور خدا رسیدہ کیوں نہ ہو خدائی اختیارات کبھی حاصل نہیں ہو سکتے نہ کہ تم تو کسی انسان سے بھی نہیں بلکہ صرف اینٹ اور چونے سے بنی ہوئی ایک عمارت سے التجا کرتی ہو۔ چونکہ مجھے یقین ہے کہ تمھارا دل اس قسم کے مشرکانہ عقائد سے پاک ہے اس لئے میں اسکے متعلق کچھ اور لکھنا نہیں چاہتا۔ تمھاری شادی تمھاری والدہ کے اصرار پر کسی قدر کم سنی میں کر دی گئی تھی۔ سولہ سال کی لڑکیاں یہ تو ممکن ہے کہ اچھی سے اچھی بیوی بن جائیں لیکن یہ مشکل ہے کہ وہ ایک اوسط درجہ کی اچھی ماں بھی بن سکیں۔ ممکن ہے کہ ابھی تک تمھیں اولاد سے محروم رکھنے میں یہی مصلحت خداوندی ہو کہ ابھی تم اس ذمہ داری کے قبول کرنے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ غالباً اولاد کا مقصد تمھاری نگاہ میں اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جس طرح اب تک بیجان اور انسان کی بنائی ہوئی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اسی طرح اب ایک جاندار اور خدا کی بنائی ہوئی گڑیا سے کھیل کھیل کر اپنا دل بہلایا کرو۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو، کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ کیا اولاد کے متعلق تمھارے دل میں کوئی اور ارمان بھی ہے؟ اور کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ انسانی بچہ اس لئے نہیں ہوتا کہ ماں باپ کتے بلیوں کے بچوں کی طرح اس سے کھیل کر صرف اپنا دل بہلایا کریں اس بولتی ہوئی گڑیا کی بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں، اور انہی ذمہ داریوں کی بنا پر خدا نے پاک نے یہ فرمایا ہے کہ "تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھارے لئے فتنہ ہیں"۔ جو لوگ اپنی ذمہ داری کو بھول کر اپنی دولت سے کھیلنا شروع کر دیتے ہیں وہ بھی فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جن کی نگاہوں میں اولاد کی وقعت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں ہوتی وہ بھی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے جو اولاد کے متعلق ہم پر عائد ہیں اور فتنہ میں پھنس جاتے ہیں۔

اولاد کا ارمان آسان بھی ہے اور اچھا بھی، اور ننھے منے، موٹے تازے بچے جب آغوں آغوں کرتے ہوئے، ہمک کر گود میں آتے ہیں تو ضرور ماں کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے لیکن اولاد کا پالنا اور اسے مناسب تربیت دیکر انسان بنانا اتنا سہل نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو سچا ارمان، اور صدق دل سے دعا اس چیز کا نام ہے کہ ماں اپنے آپ کو پورے طور پر بچے کی پرورش اور تربیت کرنے کے قابل بنا لے، مزاروں پر جا جا کر سجدے کرنے سے یہ بہت بہتر ہے کہ تم بچوں کی پرورش، اور بچوں کی تربیت۔ اور بچوں کے علم النفس کے متعلق زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھ کر اپنے آپ کو اس ذمہ داری کا اہل بنا لو جس کی رات دن تمنا ہے۔

میں تمھیں یہ تعلیم نہ دے سکا مجھے افسوس ہے لیکن اس کا باعث صرف یہ تھا کہ تم بہت جلد مجھ سے جدا ہو گئیں تاہم میں نے تمھیں اس قابل ضرور کر دیا ہے کہ تمام ضروری کتابیں پڑھ اور سمجھ سکو۔ اپنا عزیز وقت منتوں اور مرادوں میں ضائع کرنے کی بجائے اگر تم نے اس وقت تک اپنے آپ کو ایک اچھی ماں بننے کا اہل بنا لیا ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ تمھارے اس صدق طلب کو دیکھ کر قدرت الٰہی اپنی امانت تمھاری گود میں دیدیتی۔

اولاد تمھاری ہو یا کسی اور کی، بہرحال جوان ہو کر وہ اس قوم کے افراد بنے گی جس سے تمھارا تعلق ہے، اور زبیدہ یہ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ بالکل تمھارے ہاتھ میں ہے کہ اپنی طرف سے اپنی قوم کو جو تحفہ تم پیش کرو وہ ایک چور، بدمعاش، جھوٹا، فریبی، ذلیل، بزدل، کمزور، بےہمت، اور بے اصول انسان ہو، یا ایک بلند حوصلہ، صاحب طاقت، صاحب ایمان، عقلمند، اور راست باز نوجوان ہو۔ جتنے دنوں تک یہ جاندار کھلونا تمھاری گود میں کھیلے گا یا یوں کہہ لو کہ جتنے دنوں تک تم اپنی اس بولنے والی گڑیا سے کھیلوگی اتنے ہی دنوں میں اسکے صاف اور بے داغ دماغ پر اس قسم کی زندگی کے متعلق نقش پڑ جائینگے جو اسے آیندہ گذارنی ہے، اور جو نقش کہ اس وقت تمھارے ہاتھوں سے پڑ جائینگے انکا اسکے صفحۂ دماغ سے مٹنا تقریباً ناممکن ہے۔

ایک انسانی بچہ کو اشرف المخلوقات بھی تمہیں بنا سکتی ہو اور ایک ایسا انسان نما حیوان بھی وہ تمہاری ہی بدولت بن سکتا ہو جس سے چوپائے اور درندے بھی نفرت کریں۔ "ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہو" کا مطلب یہ نہیں ہو کہ حقیقتاً ماں کی جوتیاں جنت کے کسی درخت کی چھال سے بنی ہوئی ہیں بلکہ اس کا مطلب یہی ہو کہ اولاد کی جنت ماں کے اختیار میں ہو جسے چاہے جنتی بنائے اور جسے چاہے دوزخی کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ "تمام بچے فطرت الٰہی پر پیدا ہوتے ہیں اور انھیں یہودی یا آتش پرست یا عیسائی بنا دینا انکے ماں باپ کا کام ہو۔" اسکے کھلے ہوئے اور صاف معنی یہی ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہو تو اسکے لئے اسکی ماں ذمہ دار ہو۔"

تمھارے دل میں اولاد کا ارمان ہو، خدا اسے جلد سے جلد پورا بھی کردے لیکن بیٹی اچھی طرح غور کرلو کہ اپنی طرف سے قوم کو کس قسم کا تحفہ پیش کروگی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جن افراد کا تمھاری بدولت اضافہ ہوگا وہ اس قابل بھی ہونگے کہ انھیں حضور انور کے دربار میں پیش کیا جاسکے؟ تمھارے ہاتھوں کے پلے ہوئے بچے تمھاری قوم کی اور تمھارے مذہب کی ذلت کا باعث تو نہ ہونگے؟ سچے اور اچھے مسلمانوں کو تمھارے بچوں کو مسلمان کہتے شرم تو نہ آئے گی؟

اولاد کا ارمان برا نہیں، لیکن اس کے ساتھ دل میں یہ ارمان بھی ہونا چاہیے کہ ہم اسے ایسا اور ایسا بنائینگے، اور اولاد کو حسب مرضی سدھارنے اور نیک اور لائق بنانے کے لئے ضروری ہو کہ تم بہت کچھ پڑھو، اور سب کچھ سمجھو۔" برا نہ ماننا، ماں بننے کا ارمان سہل ہو لیکن ماں بننا بہت مشکل ہو۔

(سعید احمد)

خانہ داری

"کامیابی" میں سلسل طریقہ پر مردوں کے لئے ایسے مضامین نکل رہے ہیں جن کا تعلق کاروبار کے انتظام اور دکانوں کے حساب کتاب سے ہو۔ ہمیں معلوم ہوا ہو کہ یہ مضامین ملک میں کافی قدر کی نگاہ سے دیکھے اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور بعض اصحاب نے ان سے عملی فائدہ اٹھانا بھی شروع کردیا ہو۔ عورتوں کے چار صفحوں میں بھی ہماری یہ خواہش ہو کہ وقتی تفریح اور دلچسپی کی چیزیں لکھنے کی بجائے انتظام خانہ داری کے متعلق ایک سلسلہ بیان شروع کردیں تاکہ اسے پڑھکر ہماری بہنیں اپنے گھروں کی حالت درست کرسکیں اور اپنی خوش انتظامی اور کفایت شعاری کے ذریعے سے کم خرچ کرکے زیادہ آرام پاسکیں، خانہ داری بھی دوسرے فنون کی طرح ایک باقاعدہ فن ہو، اور کوئی عورت اپنا گھر نہیں سنبھال سکتی جبتک کہ اس فن میں کافی مشاق نہ ہو۔ ہمارا ارادہ ہو کہ اس سلسلہ میں ہم ہر اس چیز کا ذکر کرینگے جو خواہ کسی علم سے بھی تعلق کیوں نہ رکھتی ہو لیکن اس کا اثر کسی نہ کسی طرح خانہ داری پر پڑتا ہو۔ خدا کرے کہ خواتین ملک اس سلسلہ کو اپنے لئے کافی مفید اور دلچسپ پائیں۔ (ایڈیٹر)

چند تمہیدی باتیں مردوں اور عورتوں کے کاموں کی تقسیم ابتدا ہی میں کچھ ایسے صحیح اصولوں پر کردی گئی تھی کہ لاکھوں برس گذر چکنے کے بعد آج بھی وہ بدستور موجود ہو، اور عام طور پر اسکے متعلق یہی خیال ہو کہ اس سے بہتر کوئی اور تقسیم عمل نہیں ہوسکتی۔ یورپ کی جدت پسند عورتوں میں اس تقسیم کار کے متعلق کسی قدر بے اطمینانی اب پیدا ضرور ہوئی ہو اور بہت سی عورتیں ان میں سے "مرد" یا "مردنما" بننے کی خواہشمند نظر آرہی ہیں لیکن غالباً یہ مردوں کی اس کوشش اور خواہش کا ردعمل ہو جو وہ "عورت" یا "عورت نما" بننے کے متعلق کر رہے ہیں، مرد کبھی عورت نہیں بن سکتے، اور عورتیں کبھی مرد نہ بن سکیں گی اس لئے "مہذب" انسانوں کی یہ جد وجہد ایک عارضی ہنگامے سے زیادہ اور کچھ نہ ثابت ہوگی، لیکن بفرض محال اگر ایسا ہو بھی جائے کہ مرد اور عورت آپس میں اپنے کاموں کا تبادلہ کرلیں تب بھی بہرحال تقسیم عمل تو موجود ہی رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جو ہاتھ تیغ وتبر کے عادی تھے ان میں اب چمٹا اور پھکنی یا چمچہ اور ڈوئی نظر آیا کرے گی، سنہ ۲۰۱۹ میں خواہ "کامیابی" کے پرانے فائل نکال نکال کر خانہ داری کے متعلق ان مضامین کا مطالعہ مردوں ہی کو کرنا پڑے لیکن بفضلہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہو، مستقبل قریب میں اس قسم کے خطرہ کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے، اور ابھی مدتوں تک ہمیں اپنی اسی پرانی رسم کی پابندی کرنی ہو کہ "مرد گھر سے باہر، اور عورتیں گھر کے اندر"۔ اس تقسیم عمل کو جب صحیح مان لیا تو لازمی طور پر ہمیں سب سے پہلے یہ بنیادی اصول تسلیم کرنا پڑے گا کہ

خانہ داری کے تمام انتظامات صرف عورت سے متعلق ہیں اور اس کا فرض ہو کہ انھیں بوجوہ احسن انجام دے۔

خانہ داری کے متعلق تمام کام یا تو آسائش جسم سے تعلق رکھتے ہیں یا حفظان صحت سے، یا آرائش ظاہر سے، اس لئے ہم بھی ان کا ذکر انہی تین قسموں کے تحت میں کرینگے۔

آسائش جسم جسم کی آسائش سے صرف یہی آسائش مراد نہیں ہو کہ جب چارپائی پر بیکار پڑے پڑے جسم کے عضلات میں درد یا تشنج ہونے لگا تو خادمہ کو بلا کر پاؤں دبوالئے، یا گرمی کے موسم میں جب ہوا کے حبس کی وجہ سے جی گھبرانے لگا تو بجلی کا پنکھا چلا دیا اور آنکھیں بند کرلیں، یہ بھی یقیناً آسائشیں ہیں لیکن ان سے بہت زیادہ ضروری کچھ اور آسائشیں بھی ہیں جنھیں زندگی کی ضروریات کہا جاتا ہو اور جن کے بغیر جسم قائم ہی نہیں رہ سکتا۔

خوراک، لباس، اور مکان انسانی جسم کے لئے اہم ترین آسائشیں ہیں، اور چونکہ ہوا، پانی، اور روشنی وغیرہ کا ذکر انہی کے ضمن میں کیا جاسکتا ہو اس لئے انکے لئے علیحدہ باب قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہو

خوراک

عام طور پر عورتوں نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ ان کا کام بس اس قدر ہے کہ مردوں نے بازار سے جو کچھ لاکے ڈالدیا اسے بھون تل کر انکے آگے رکھ دیا، اور بس، صرف اتنا کام تو ہر وہ خادمہ بھی کر سکتی ہے کہ جسے تھوڑی سی تنخواہ دیجائے۔ گھر کی ملکہ کے فرائض یقیناً اس سے بہت زیادہ ہیں اور ہمیں اندیشہ ہے کہ صنف نازک کے فرائض کی لمبی چوڑی فہرست گنا کر کہیں ہم انھیں ناراض نہ کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک گھر کے انتظام اور ایک سلطنت کے انتظام میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف یہی کہ سلطنت کی صورت میں انتظامات بہت ہی وسیع پیمانے پر کرنے پڑتے ہیں اور گھر میں صرف معدودے چند آدمیوں کے متعلق انتظام کرنا پڑتا ہے جس طرح ہر ایک سلطنت کے لئے دشوار ترین مسئلہ یہی ہوتا ہے کہ کس طرح اپنی رعایا کو خوشحال اور شکم سیر رکھے اسی طرح ایک گھر کی ملکہ کے لئے بھی سب سے زیادہ قابل غور سوال یہی ہے کہ اپنی محدود آمدنی کو مدنظر رکھ کر وہ ایسا کونسا طریقہ اختیار کرے کہ گھر والوں کو عمدہ اور پیٹ بھر کر خوراک میسر آسکے۔ ایسے بہت سے گھر موجود ہیں جن میں آمدنی کافی ہونے کے باوجود گھر والوں کو اتنی اچھی خوراک میسر نہیں آتی کہ جیسی اس آمدنی میں آنی چاہئے تھی، اور اس کا باعث عورتوں کی بے پروائی اور بدسلیقگی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ عورتوں کی جہالت اور حساب کتاب سے ناواقفیت بھی کسی حد تک اس کا ایک سبب ہوسکتی ہے۔

اُن لاکھوں بدنصیبوں کا تو ذکر نہیں کہ جنھیں پیٹ بھر روٹی کبھی ملتی ہی نہیں اور جن کی آمدنی اسقدر تھوڑی ہے کہ مہینہ پورا کرنے کے لئے نہ ذریعہ کام دیتا ہے اور نہ ترتیب، انکے لئے تو انتظام کی بہترین صورت غالباً یہی ہوگی کہ جب ملے اور جو کچھ ملے اسے پیٹ میں ڈال لیں لیکن ایسے خاندانوں کے لئے کہ جنھیں کم سے کم دونوں وقت کی روٹی ضرور مل جاتی ہے، کچھ انتظامات ایسے بتائے جاسکتے ہیں کہ اسی قیمت میں نسبتاً بہتر خوراک مہیا ہوسکے، یا وہی خوراک نسبتاً کم خرچ میں مہیا ہوجائے۔

کوئی کام بھی ہو اگر اسے ڈھنگ سے کرنا مقصود ہو تو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم یہ معلوم کرلیں کہ اسپر کیا صرف ہوگا اور ہمارے پاس اس میں کتنی رقم موجود ہے۔ گھر کی خوراک کے انتظام کے متعلق بھی سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ ہم ایک اندازہ سا قائم کرلیں، کہ مہینہ بھر میں ہمیں کس قدر جنس کی ضرورت ہوگی اسکے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ مہینہ کے شروع میں ایک میزانیہ (بجٹ) تیار کرلیا جائے اور اسی کے مطابق چیزیں بازار سے منگائی جائیں۔ مہینہ بھر تک خرچ کرلینے کے بعد یہ معلوم ہوسکے گا کہ کون کون سی چیزیں کم پڑ گئیں اور کیا کیا چیزیں ضرورت سے زیادہ ثابت ہوئیں اور بچ رہیں، دوسرے مہینے کا میزانیہ بناتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے اور جو چیزیں کم خرچ ہوئی تھیں انکی مقدار زیادہ نہ رکھی جائے، اور جو چیزیں زیادہ صرف میں آئی تھیں انکے متعلق بھی یہ دیکھ لیا جائے کہ خرچ کی زیادتی کا باعث کوئی خاص یا اتفاقی سبب تو نہ تھا، اگر ایسا تھا تو اس مہینہ کے لئے زیادہ منگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر معمولاً ہی اس کا خرچ زیادہ ہو تو اسکی مقدار میزانیہ میں بڑھا دیجائے۔ میزانیہ کے لئے مندرجہ ذیل فارم غالباً بہت کافی ثابت ہوگا:۔

خرید دوران ماہ ... سنہ ...

نام جنس	مقدار ماہانہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	کل میزان	کیفیت
آٹا	۲ من	۱ من																						۱ من									۲ من	باقی بچا ۵ ۲ ار
چاول	۲۰ ار	۵ ا								۵ ا								۵ ا								۵ ا							۲۰ ار	کچھ نہ بچا
دال	۵ ار	〃																							۲ ا								۴ 〃	ایک سیر کم پڑی
شکر	۱۰ ار	〃																			۱۰ ا												۲۰ 〃	دعوتوں کی وجہ سے زیادہ خرچ ہوئی
دودھ	۲۴ 〃	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۰ ار	۱۹ 〃	اتفاقی ضرورت

(باقی آئندہ)

(سعید احمد)

بی ہمسائی

دنیائے نسوانی میں "بی ہمسائی" کی شخصیت بہت ہی اہم ہے۔ ہر دُکھ درد میں شرکت کرنے کے لئے موجود، اور ہر شادی غمی کے موقع پر کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لئے آمادہ، ادہر سے آئیں اور ننھے کے ہاتھ میں کوئی پھل، کوئی کھلونا، یا کوئی مٹھائی کا دانہ دے گئیں، اور اُدہر سے آئیں تو ننھی کو گود میں اُٹھا لیا اور اُچھالتی کُداتی اپنے گھر لے گئیں، پھوہڑ اور بدسلیقہ عورتوں کے لئے بی ہمسائی کا گھر ایک چھوٹے سے گودام کا بھی کام دیا کرتا ہے۔ سودا منگاتے وقت انھیں ایک وقت میں کبھی اپنی ضرورت کی تمام چیزیں یاد نہیں آتیں، اور بار بار بازار کے پھیرے انکے لئے کرنے ممکن؟ ہانڈی چڑھانے کھڑی ہوئیں تو یاد آیا کہ نمک نہیں ہے، اب کیا ہو؟ فوراً لڑکی کو حکم دیا گیا "جا بیٹی ذرا سا نمک تو خالا کے گھر سے لے آ" ہانڈی بھونتے بھونتے خیال آیا "اے ہے میں پیز کی تیا کو بھی تو منگانی بھول گئی، لڑکا ایسی آفت ڈالتا ہے کہ کوئی چیز یاد ہی نہیں آتی، اب کیا ہو؟ وہ "آتے ہی ہونگے اور گھر میں گھستے ہی انھیں حقہ چاہئے، جاؤ بیٹی سلطانہ ذرا سی تیا کو بھی

خالا سے مانگ لاؤ۔"

اسقدر کارآمد، اسقدر مددگار، اور اس حدتک پھوہڑپن کی پردہ پوش ہونے کے باوجود بی ہمسائی نادانستہ طور پر سخت نقصان بھی پہونچایا کرتی ہیں۔ ادہر انکے میاں نے دس بجے کھانا کھاکے گھر سے قدم باہر نکالا اور اُدہر وہ کھڑکی میں آکے کھڑی ہوگئیں۔ دُنیا بھر کی عورتوں کے قصے قضئے شروع ہوگئے، کسی کے زیوروں پر تنقید ہوئی کسی کی صورت پر تبصرہ کیا گیا، کسی کے اپنی ساس نندوں کے ساتھ جھگڑے بزاؤ کا ذکر درمیان میں آیا، کسی کی بدمزاجی اور غرور پر لعن طعن کئے گئے، اور شاذ ونادر کبھی کسی کی تعریف بھی کردی گئی مگر صرف اس حدتک کہ "بہن، وہ تو بیچاری بڑی بھلی مانس ہے، مجھ سے تو بہت ہی محبت کرتی ہے" گھنٹہ دو گھنٹے کھڑے رہنے کے بعد جب ٹانگیں دکھ گئیں یا پان کا خیال آگیا تو یا تو وہ اس طرف چلی آئیں یا یہ اُس طرف چلی گئیں اور اب تو باتوں کے سلسلہ کے ختم ہونے کی کوئی معقول وجہ باقی ہی نہیں ہے۔ مشکل سے تین چار بجے کہیں جاکے ہوش آیا کہ شام کا کھانا تیار کرنا ہے، اور اب جلدی جلدی آٹا سیدھا مصالحہ پیسا۔ جھوٹ موٹ کو برائے نام برتن مانجھے، اور جس طرح بھی ہوسکا "اُن" کے کچہری سے واپس آنے تک کچھ نہ کچھ پکاکے رکھ لیا، اور اگر کسی طرح بھی کچھ تیار نہ ہوسکا اور "وہ" آہی کھڑے ہوئے تو "درد سر" "اختلاج کا دورہ" اور اسی قسم کے اور بہت سے وقت پر کام آجانے والے امراض میں سے کسی ایک کی پناہ لے لی گئی۔ "وہ" ویسے تو ممکن تھا کہ بہت کچھ ناراض ہوتے، لیکن اب کیا کہہ سکتے ہیں۔

بی ہمسائی میں اگر اور تمام خوبیوں کے ساتھ ایک ذراسی خوبی یہ بھی ہوتی کہ وہ اپنے اور اپنی سہیلی کی وقت کی تھوڑی سی قدر کیا کرتیں، اور روزانہ اتنا بہت سا وقت فضول اور لا یعنی باتوں میں ضائع کرنے کی بجائے خود بھی اپنے گھر کی صفائی اور درستی میں صرف کرتیں اور اپنی سہیلی کو بھی موقع دیتیں کہ وہ بھی اپنے گھر کو انسانوں کے رہنے کے قابل بنائے تو یقیناً وہ ہر لحاظ سے تعریف اور تحسین کے قابل ہوتیں۔ جس شخص کو اپنے وقت کی قدر اور اپنے فرائض کا احساس ہو اسے مشکل ہی سے انسان کہا جاسکتا ہے!

(سعید احمد)

کیا مائیں توجہ کریں گی؟

خدا انھیں خوش رکھے، اب بھی کبھی کبھی کوئی ایک آدھ بزرگ ایسے مل ہی جاتے ہیں جو اپنی نہایت ہی موٹے موٹے شیشوں کی عینک کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے سنبھالکر فرمادیا کرتے ہیں کہ "بھائی بھلا شریفوں کی بہو بیٹیوں کو پڑہنے لکھنے سے کیا واسطہ؟" اور ہمیں خاموش ہوکر یہ اور اسی قسم کی اور بہت سی باتیں صرف اس لئے سُن لینی پڑتی ہیں کہ یہ بزرگ اور مقدس صورتیں اب زیادہ سے زیادہ دو چار دس برس کی مہمان ہیں پھر ہمیں کون اس طرح نصیحت کیا کرے گا۔ ان کا مشورہ بالکل غلط، ان کی رائے بالکل نادرست، اور ان کا ہمیں بات بات پر ٹوکنا بالکل بیجا اور ناحق سہی، لیکن اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اس دل سوزی اور اس مخلصانہ ہمدردی کے ساتھ ہمیں سمجھانے والا ان بزرگوں کے بعد کوئی نہیں ہے، اور اگر ذرا اچھی طرح تمام باتوں پر نظر ڈالی جائے تو میرا خیال ہے کہ ہمیں شاید اس بات کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ انکے خیالات بالکل مہمل اور لغو تو نہیں ہیں۔ تعلیم کی ضرورت ہمیں سچے دل سے تسلیم، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو تعلیم دینے کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن یہ سب کچھ تسلیم کرلینے کے بعد بھی کیا یہ واقعہ کسی طرح غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ ہماری بچیوں کو وہ تعلیم ہرگز نصیب نہیں ہوتی جو ملنی چاہیے تھی۔

آج اگر جنگی کے مدرسے، اور عیسائی مشنوں کے مدرسے جن کا نام وہ اکثر "مسلم گرلز اسکول" رکھ دیا کرتے ہیں بند ہوجائیں تو وہ کونسی درسگاہیں ہیں جہاں مسلمان بچیاں تعلیم پاسکینگی؟ اور جس وقت تک یہ مدرسے موجود ہیں اسی وقت تک ان مدرسوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ ہماری بچیوں کو ہماری خواہش کے مطابق تعلیم دینگے؟ جاہل مطلق رہنا بھی ایک برائی ہے اور غیر مناسب تعلیم پانا بھی اک بُرائی ہے۔ ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ جب دو برائیوں میں سے ایک کو پسند کرلینے پر مجبور ہونا پڑے تو کم بُرائی کو منتخب کرلیا کرو۔ جہل مطلق بہت ہی بڑی بُرائی ہے اس لئے بدرجۂ مجبوری ہم غیر مناسب تعلیم کو اس پر ترجیح دیکر قبول کرلیتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی اگر کوئی غلطی ہے تو صرف اسقدر کہ وہ چھوٹی برائی کو قبول کرلینے کے لئے تیار نہیں خواہ مجبوراً بڑی بُرائی قبول کرنی پڑے۔

اسمیں قصور صرف باپوں ہی کا نہیں ہے ماؤں کا بھی ہے۔ باپ غریب جو کچھ کما سکتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ جب چھٹی اور چلّہ اور عقیقہ اور ختنہ اور منگنی اور نکاح اور برات اور وداع کی رسموں پر لٹا دیا جائے تو اب وہ غریب ان بچوں کی تعلیم کے لئے کہاں سے لائے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن بچوں کی بسم اللہ کی رسم پر ہزار دو ہزار روپئے خرچ کئے جاتے ہیں انھیں پھر بسم اللہ سے آگے بمشکل ہی تعلیم میسر آتی ہے، اور عورتیں اس حقیقت سے کسی طرح انکار نہیں کرسکتیں کہ رسموں کی پیروی پر بالعموم وہی مردوں کو مجبور کیا کرتی ہیں۔

بچیوں کے زیوروں پر صدہا روپئے خرچ کرنے کی بجائے اگر ان کی تعلیم پر خرچ کئے جائیں تو وہ ایک ایسے زیور سے آراستہ ہوجائیں کہ جسے نہ چور کا کھٹکا نہ رہزن کا، اور جسکی چمک کے سامنے دنیا کے تمام ہیرے اور جواہرات ماند پڑجاتے ہیں۔

(سعید احمد)

معاشی اور کاروباری مضامین

تجارتی حساب کتاب

(از شیخ احسان الحق مینیجنگ ڈائرکٹر حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی)

(سلسلہ کیلئے دیکھئے کامیابی بابت ماہ نومبر ۱۹۲۹ء)

دوہرے خانوں کا روزنامچہ نقدی یعنی روزنامچہ نقدی مع حساب بنک

بنک میں حساب کھولنے، روپیہ جمع کرنے اور نکالنے، چک کاٹنے اور چکوں کے منتقل کرنے وغیرہ سے متعلق جو ضروری باتیں ایک میاہ نویس کو جاننی چاہئیں وہ سب گذشتہ نمبر میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اب ہم **دوہرے خانوں کا روزنامچہ نقدی** لکھنے کا طریقہ بتاتے ہیں یعنی اُس روزنامچہ نقدی کے لکھنے کا جسمیں **تحویل نقد** کا بھی حساب درج ہو سکتا ہو اور **تحویل بنک** کا بھی اور جس کے ذریعہ سے مذکورہ بالا دونوں تحویلوں کی باقیاں آسانی سے معلوم ہو جاتی ہیں۔

"دوہرے خانوں کے روزنامچہ نقدی" کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا ہو کہ اُسمیں نام اور جمع کی طرف رقم (یعنی روپے، آنے، پائی) لکھنے کے لئے بجائے ایک خانہ کے دو دو خانے ہوتے ہیں۔ (یعنی دو خانے نام کی طرف اور دو جمع کی طرف) پہلے خانوں میں تو "سادہ روزنامچہ نقدی" کی طرح وہ رقومات درج کی جاتی ہیں جو تحویل نقد کو وصول ہوتی یا تحویل نقد سے ادا کیجاتی ہیں۔ دوسرے خانوں میں نام کی طرف وہ رقومات درج کیجاتی ہیں جو بنک میں جمع کیجاتی یا بنک کو ہمارے حساب میں کسی سے وصول ہوتی ہیں اور جمع کی طرف وہ رقومات درج کیجاتی ہیں جو بنک سے ہم نکالتے یا چیک وغیرہ کے ذریعہ سے کسی کو دلواتے ہیں۔ ایک ہی صفحہ پر تحویل نقد اور تحویل بنک کا حساب ساتھ ساتھ درج ہونے سے ہم کو بہ یک نظر اس کا اندازہ ہو جاتا ہو کہ نقد روپے کے لحاظ سے ہماری مالی حالت کیسی ہو اور ہمارا کتنا روپیہ بنک میں ہو اور کتنا کیش بکس میں۔ تحویل نقد اور تحویل بنک کے علیحدہ علیحدہ روزنامچے رکھنے سے یہ فائدہ اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوہرے خانوں کے روزنامچہ نقدی کا نمونہ صفحہ ۳۱ پر درج ہو جسکو سادہ روزنامچہ نقدی، کے نمونہ (مندرجہ صفحہ ۲۳ کامیابی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء) سے مقابلہ کرنے سے دونوں روزنامچوں کا فرق بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہو۔ سادہ روزنامچہ نقدی، میں چونکہ صرف تحویل نقد کا حساب تھا اس لئے اُسمیں رقم لکھنے کے لئے نام اور جمع کی طرف صرف ایک ایک خانہ تھا۔ "دوہرے خانوں کے روزنامچہ" میں چونکہ تحویل نقد کے ساتھ ساتھ تحویل بنک کا بھی حساب ہو اس لئے نام اور جمع کی طرف رقم کے خانے بجائے ایک ایک کے دو دو ہیں، رقم کا پہلا خانہ دونوں طرف تحویل نقد کا خانہ ہو۔ ان خانوں میں صرف وہ رقومات درج کی جاتی ہیں جو تحویل نقد کو وصول ہوتی یا تحویل نقد میں سے ادا کی جاتی ہیں، رقم کا دوسرا خانہ دونوں طرف تحویل بنک کا خانہ ہو۔ ان خانوں میں صرف وہ رقومات درج کی جاتی ہیں جو بنک کو ہمارے حساب میں وصول ہوتی ہیں یا جن کو بنک ہمیں یا ہماری طرف سے کسی اور کو ادا کرتا ہو، اسی لئے نام اور جمع کے طرف رقم کے پہلے خانہ پر **نقدی** کا لفظ لکھا ہو اور دوسرے خانہ پر **بنک** کا لفظ، یہ دوہرے خانے گویا تحویل نقد اور تحویل بنک کے دو روزنامچے ہیں جن کو سہولت کے لئے ایک مشترکہ روزنامچہ کی شکل میں کر لیا گیا ہو۔

"دوہرے خانوں کے روزنامچہ نقدی" لکھنے کے اصول و قواعد حسب ذیل ہیں:-

(۱) **ابتدائی باقیاں**۔ ابتدائی باقیاں یعنی وہ رقومات نقد جو کیش بکس یا بنک میں حساب شروع کرنے کے وقت موجود ہوتی ہیں وہ روزنامچہ میں نام کی طرف اُسی خانہ میں درج کی جاتی ہیں جس سے متعلق ہوتی ہیں یعنی تحویل نقد کی **باقی نقدی** کے خانہ میں اور تحویل بنک کی **باقی بنک** کے خانہ میں اور خانۂ تفصیل میں حسب معمول "از بقایا سابقہ" کے الفاظ لکھ دیئے جاتے ہیں۔

(۲) **آمدنیاں**۔ وہ تمام رقومات جو دفتر میں نقد وصول ہوتی اور کیش بکس میں داخل کیجاتی ہیں نام کی طرف "نقدی کے خانہ" میں درج کی جاتی ہیں اور جو رقومات بنک میں جمع کی جاتی یا بنک کو ہمارے حساب میں کسی سے وصول ہوتی ہیں وہ سب نام کی طرف "بنک کے خانہ" میں تحریر کیجاتی ہیں۔

(۳) **ادائگیاں**۔ جو رقومات تحویل نقد میں سے کسی کو دیجاتی، یا خرچ کی جاتی ہیں وہ جمع کی طرف "نقدی کے خانہ" میں درج ہوتی ہیں اور جو رقمیں بنک سے نکالی جاتی یا کسی کو دلوائی جاتی ہیں وہ جمع کی طرف "بنک کے خانہ" میں درج کی جاتی ہیں۔

(۴) **بنک سے تحویل نقد میں یا تحویل نقد سے بنک میں**۔ جو رقومات دفتری ضروریات کے لئے بنک سے نکال کر تحویل نقد میں لی جاتی ہیں وہ دو جگہ درج کی جاتی ہیں ایک تو نام کی طرف "نقدی کے خانہ" میں دوسرے جمع کی طرف "بنک کے خانہ" میں کیونکہ وہ تحویل نقد کو وصول ہوتی اور تحویل بنک سے ادا کیجاتی ہیں۔

اسی طرح جو رقومات دفتری ضروریات سے زائد ہونے کی وجہ سے تحویل نقد سے لیکر بنیک میں داخل کی جاتی ہیں وہ بھی نام اور جمع دونوں طرف درج ہوتی ہیں، نام کی طرف "بنیک کے خانہ" میں اور جمع کی طرف "نقدی کے خانہ" میں کیونکہ وہ بنیک کو وصول ہوتی اور تحویل نقد سے دیجاتی ہیں۔

بنیک سے روپیہ نکالکر تحویل نقد میں شامل کرنے یا تحویل نقد سے روپیہ لیکر بنیک میں جمع کرنے کے واقعات کاروبار میں بکثرت پیش آتے ہیں اور ناتجربہ کار طالب علم جو ان واقعات کی حقیقت کو پورے طور سے نہیں سمجھتے اُن کے درج حساب کرنے میں اکثر گڑبڑا جاتے ہیں اس لئے ہم ان واقعات کے درج حساب کرنے کے اصول کو ذیل میں اور زیادہ واضح کئے دیتے ہیں؛

دوہرے خانوں کا روزنامچۂ نقدی جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے تحویل نقد اور تحویل بنیک کا مشترکہ روزنامچہ ہوتا ہے اس لئے جن واقعات کا اثر صرف ایک ہی تحویل کی کمی بیشی پر پڑتا ہے ان کا اندراج تو اس روزنامچہ میں صرف ایک ہی جگہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی واقعہ ایسا ہوتا ہے کہ جس کا اثر تحویل نقد پر بھی پڑتا ہے اور تحویل بنیک پر بھی تو اُسکے دونوں اثرات یا نتائج کو دکھانے کے لئے واقعۂ مذکور کو مشترکہ روزنامچہ میں لازمی طور پر دو جگہ درج کرنا ہوتا ہے تاکہ دونوں تحویلوں کی باقیاں صحیح نکل سکیں۔

مثلاً بنیک سے جب کچھ روپیہ نکالکر تحویل نقد میں لیا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بنیک کی تحویل میں کمی اور نقدی کی تحویل میں بیشی ہو جاتی ہے کیونکہ بنیک کی تحویل میں سے ایک رقم نکلتی ہے اور نقدی کی تحویل کو ایک رقم ملتی ہے۔ اس لئے ایسے ایک واقعہ میں دراصل دو واقعے مضمر ہوتے ہیں، ایک کا اثر بنیک کی تحویل پر پڑتا ہے اور دوسرے کا نقدی کی تحویل پر، بنیک کی تحویل پر جو اثر پڑتا ہے اُس کو جمع کی طرف کے "بنیک کے خانہ" میں لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ رقم بنیک تحویل نقد کو ادا کرتا ہے اور نقدی کی تحویل پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو نام کی طرف کے "نقدی کے خانہ" میں لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ رقم تحویل نقد کو بنیک سے وصول ہوتی ہے۔

اس طریقہ سے ایک ہی واقعہ کا اندراج مشترکہ روزنامچہ میں ایک مرتبہ نام کے خانۂ نقدی میں ہوتا ہے اور دوسری مرتبہ جمع کے "خانۂ بنیک" میں۔

علیٰ ہٰذا جب ہم تحویل نقد سے کچھ رقم لے کر بنیک میں داخل کرتے ہیں تو اس واقعہ کا تحویل نقد پر بھی اثر پڑتا ہے اور تحویل بنیک پر بھی۔ تحویل نقد کم ہو جاتی اور تحویل بنیک بڑھ جاتی ہے۔ ان نتائج کو ہم مشترکہ روزنامچہ نقدی میں اس طرح دکھاتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو جمع کے "خانہ نقدی" میں اُس رقم کو درج کرتے ہیں کیونکہ وہ تحویل نقد میں سے دی جاتی ہے، اور دوسری مرتبہ نام کے "خانۂ بنیک" میں رقم مذکور تحریر کرتے ہیں کیونکہ وہ رقم تحویل بنیک کو وصول ہوتی ہے۔

واقعات مذکور کے اندراج میں ہمکو یہ اصول پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اگر تحویل نقد اور تحویل بنیک کے روزنامچے مشترک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ ہوتے تو ہم کیونکر عملدرآمد کرتے؟ روزنامچے کے علیحدہ ہونے کی صورت میں ہمکو لازمی طور پر دونوں تحویلوں کی آمدنیاں اور دونوں تحویلوں کی ادائگیاں اُن میں الگ الگ دکھانی پڑتیں اس لئے مشترکہ ہونے کی صورت میں بھی ہمیں دونوں تحویلوں کی آمدنیاں اور ادائگیاں الگ الگ دکھانی چاہئیں۔

(۵) آخری باقیاں۔ جب ضرورت روزانہ، ہفتہ وار یا ماہوار مشترکہ روزنامچۂ نقدی کی بھی باقی گرائی جاتی ہے اور اُس وقت تک کا حساب بند کرکے نیا حساب کھول دیا جاتا ہے۔ روزنامچۂ مذکور کی باقی گرانے اور حساب بند کرنے اور کھولنے کا وہی طریقہ ہے جو اس سے پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مشترکہ روزنامچۂ نقدی میں بجائے ایک کے دو باقیاں گرائی جاتی ہیں۔ ایک باقی تحویل نقدی کی اور ایک تحویل بنیک کی۔ نقدی اور بنیک کے دونوں خانوں کے مجموعوں کا فرق معلوم کرکے اُس طرف درج کر دیا جاتا ہے جس طرف کا مجموعہ چھوٹا ہوتا ہے اور پھر پچھلا حساب بند کرکے نئے حساب میں دونوں باقیاں (نام کی ہوں تو نام کی طرف اور جمع کی ہوں تو جمع کی طرف) اُتاری جاتی ہیں اس طرح تحویل نقد اور تحویل بنیک کی باقیاں مشترکہ روزنامچہ میں ساتھ ساتھ درج ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ مشترکہ روزنامچۂ نقدی کے نمونہ کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جو صفحہ ۱۳۱ پر درج ہے۔

ایک بات یہاں اور بھی بتا دینے کے قابل ہے کہ تحویل نقد کے حساب میں (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) باقی ہمیشہ باقی نام نکلا کرتی ہے کیونکہ کیش بکس میں سے اُس سے زیادہ رقم خرچ نہیں کی جاسکتی جتنی کہ اُسکو دیجاتی یعنی اُسمیں رکھی جاتی ہے اس لئے کیش بکس (تحویل نقد) ہمارا قرضدار تو ہوتا ہے لیکن قرضخواہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تحویل بنیک کے حساب کی صورت اس سے کسی قدر مختلف ہے کیونکہ جیسا کہ گذشتہ نمبر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ بنیک سے حسابی قرضہ کا بھی انتظام کیا جاسکتا ہے یعنی بنیک سے معاملات طے کرکے ہم ایسا انتظام کر سکتے ہیں کہ بنیک عندالضرورت ہماری جمع کردہ رقم سے زائد ادا کر دے یعنی بنیک ہمارا تحویلدار ہونے کی حیثیت سے کبھی ہمارا قرضخواہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے تحویل بنیک کی باقی ممکن ہے کہ کبھی باقی جمع بھی ہو جائے جو تحویل نقد کی باقی کبھی نہیں ہو سکتی۔

مثال ۱:۔ احمد ایک سوداگر ہے جو اپنا روپیہ کچھ تو کیش بکس میں رکھتا ہے اور باقی بنیک میں۔ پہلی دسمبر ۱۹۲۹ء سے ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء تک اُس کی آمدنیوں اور ادائگیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے، جن کو ہمیں احمد کے مشترکہ روزنامچۂ نقدی میں درج کرنا اور ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء تک روزنامچۂ مذکور کی باقی گرانا ہے (مثال ہٰذا میں ہر ایک یادداشت پر حاشیہ کا ایک ہندسہ ڈال دیا گیا ہے وہی ہندسہ مشترکہ روزنامچہ نقدی کے اُس اندراج یا اندراجات پر ہے جو یادداشت مذکور سے متعلق ہیں اور پھر تشریحات کے ذیل میں ہر ایک اندراج کی توضیح و تشریح کے لئے بھی اُسی ہندسہ کا حوالہ دیا گیا ہے)

یکم دسمبر ۱۹۲۹ء۔ نقد موجودہ کیش بکس ۵۰/۶/۹ روپیہ (۱) موجودہ بنیک 386/7/6 روپیہ (۲)

۴ ” ” محمود سے ۱۰/- روپیہ (۳) اور خالد سے 25/8/- روپیہ (۴) نقد وصول ہوئے اور کیش بکس میں رکھے گئے۔

۵ ” ” لڑیچر کمپنی سے ۲۰۰/- روپیہ (۵) کا چک وصول ہوا جو بنیک میں جمع کرا دیا گیا۔

۶ ” ” مبلغ ۵۰/- روپیہ (۶) بنیک سے دفتری ضروریات کے لئے منگائے گئے۔

۸ ” ” مبلغ ۱۲۵/- روپیہ (۷) کا مال تجارت خریدا اور روپے نقد ادا کئے۔

۹ ” ” محمود سے ۱۰۰/- روپیہ (۸) نقد وصول ہوئے اور کیش بکس میں رکھے گئے۔

۱۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء مبلغ -/6/10 روپیہ ع۹ مزدوروں کو نقد ادا کئے۔ مبلغ -/50 روپیہ ع۱۰ بنک میں نقد جمع کرائے،
۱۱ر " مسلم کمپنی کے نام مبلغ -/100 روپیہ ع۱۱ کا چک کاٹا مال تجارت کی قیمت کی بابت،
دوہرے خانوں کا روزنامچہ نقدی جس میں واقعات مذکورہ درج کرکے باقی نکالی گئی ہے درج ذیل ہے۔

دوہرے خانوں کا روزنامچہ نقدی

نام (آمدنیاں)

تاریخ	تفصیل	حوالہ صفحہ	نقدی پائی	نقدی آنہ	نقدی روپیہ	بنک پائی	بنک آنہ	بنک روپیہ
یکم دسمبر ۱۹۲۹ء	از بقایا سابقہ	✓	9	6	ع۱ 50	6	7	ع۲ 386
۴ر " "	" محمود، نقد	۶۸	-	.	ع۳ 10			
" " "	" خالد، نقد	۲۵	.	8	ع۴ 25			
۵ر " "	" ٹیریجر کمپنی، بذریعہ چک	۵۷	-	-	.	.	.	ع۵ 200
۶ر " "	" بنک بنام نقدی	م	-	-	ع۶ 50			
۹ر " "	" محمود	۶۸			ع۸ 100	.	.	
۱۰ر " "	" نقدی بنام بنک	م						ع۱۰ 50
			9	14	235	6	7	636
۱۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء	از بقایا سابقہ	✓	9	8	ع۱۴ 50	6	7	ع۱۵ 486

جمع (ادائگیاں)

تاریخ	تفصیل	حوالہ صفحہ	نقدی پائی	نقدی آنہ	نقدی روپیہ	بنک پائی	بنک آنہ	بنک روپیہ
۶ر دسمبر ۱۹۲۹ء	بنام نقدی از بنک	م						ع۶ 50
۳ر " "	" مال کھاتا - خرید نقد	۶۶	.		ع۷ 125			
۱۰ر " "	" مزدوری - خرچ نقد	۶۷	.	6	ع۹ 10			
" " "	" بنک از نقدی	م	.	.	ع۱۰ 50			
" " "	" مسلم کمپنی بابت قیمت مال بذریعہ چک	۶۵						ع۱۱ 100
" " "	باقی آمدہ	✓	9	8	ع۱۲ 50	6	7	ع۱۳ 486
			9	14	235	6	7	636

حوالۂ صفحہ کے خانوں میں جو ہندسے روزنامچہ مندرجہ بالا میں درج کئے گئے ہیں وہ فرضی لکھے ہیں، ان خانوں میں دراصل کھاتہ کے اُن حسابات کے صفحات تحریر کئے جاتے ہیں جن پر روزنامچہ نقدی کی یہ رقومات دوبارہ درج کیجاتی یا کھتیائی جاتی ہیں، بنک سے تحویل نقد یا تحویل نقد سے بنک میں جو رقومات منتقل کی گئی ہیں چونکہ وہ کھاتہ میں نہیں کھتیائی جاتیں اس لئے انکے سامنے حوالۂ صفحہ کے خانوں میں بجائے کھاتہ کا صفحہ درج ہونے کے حرف میم تحریر ہو جو نقدا مقابل کا مخفف ہو اور جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ رقم صفحہ کی بہت مقابل میں بھی درج ہو۔

تشریحات - ع۱ و ع۲ ان یادداشتوں کا یہ مطلب ہو کہ یکم دسمبر ۱۹۲۹ء کو احمد کے پاس 9/6/50 روپیہ نقدی یعنی کیش بکس میں تھا اور 6/7/386 روپیہ بنک میں تھے لہٰذا 9/6/50 روزنامچہ میں نام کی طرف خانۂ نقدی میں درج کئے گئے ہیں اور 6/7/386 روپیہ خانۂ بنک میں اور روزنامچہ کے سب سے پہلے اندراجات یہی ہیں کیونکہ ابتدائی باقیاں سب سے پہلے درج کیجاتی ہیں۔

ع۳ و ع۴ یہ دونوں یادداشتیں نقد آمدنیوں کی ہیں اس لئے یہ دونوں رقمیں روزنامچہ میں نام کی طرف خانۂ نقدی میں درج کی گئی ہیں۔

ع۵ - مبلغ -/200 روپیہ کا جو چک ٹریجر کمپنی سے وصول ہوا تھا اسکو احمد نے بطور خود نہیں بھنایا بلکہ اپنے بنک میں جمع کرادیا تاکہ بنک چک مذکور کا روپیہ وصول کرکے احمد کے حساب میں جمع کرے۔ چونکہ یہ -/200 روپیہ احمد کے کیش بکس میں نہیں آئے بلکہ بنک میں گئے ہیں اس لئے وہ روزنامچہ میں نام کی طرف خانۂ بنک میں درج کئے گئے ہیں۔

ع۶ - مبلغ -/50 روپیہ جو احمد نے اپنی ضروریات کے لئے بنک سے نقد منگائے ہیں وہ چونکہ کیش بکس یعنی تحویل نقد میں آگئے ہیں اس لئے روزنامچہ میں نام کی طرف خانۂ نقدی میں درج کئے گئے ہیں اور چونکہ بنک کی تحویل سے وہ لئے یا نکالے گئے ہیں اس لئے روزنامچہ میں جمع کی طرف بھی خانۂ بنک میں انھیں درج کیا گیا ہے یعنی اس یادداشت کا چونکہ تحویل نقد اور تحویل بنک دونوں پر اثر پڑتا تھا اس لئے اس کا اندراج بھی دو جگہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہوا ہے یعنی نام کی طرف خانۂ نقدی میں اور جمع کی طرف خانۂ بنک میں۔

ع۷ - مبلغ -/5/125 روپیہ مال تجارت کی قیمت کی بابت احمد نے اپنے پاس سے یعنی اپنی تحویل نقد سے ادا کئے ہیں اس لئے وہ روزنامچہ میں جمع کی طرف خانۂ نقدی میں درج کئے گئے ہیں۔

ع۸ - یہ یادداشت بھی ایک ایسی آمدنی کی ہے جو تحویل نقد کو وصول ہوئی ہے اس لئے مبلغ -/100 روپیہ روزنامچہ میں نام کی طرف خانۂ نقدی میں درج کئے گئے ہیں۔

ع۹ - مبلغ -/6/10 روپیہ مزدوروں کو احمد نے تحویل نقد سے ادا کئے ہیں اس لئے روزنامچہ میں جمع کی طرف خانۂ نقدی میں لکھائے گئے ہیں۔

ع۱۰ - -/50 روپیہ بنک میں نقد جمع کرانے کا یہ مطلب ہو کہ تحویل نقد میں سے -/50 روپیہ لیکر بنک میں داخل کئے گئے ہیں اس لئے اس یادداشت کا اثر بھی تحویل نقد اور تحویل بنک دونوں پر پڑتا ہے۔ تحویل بنک کو روپے ملے ہیں اور تحویل نقد نے روپے دئیے ہیں اس لئے یہ رقم روزنامچہ میں نام کی طرف خانۂ بنک میں اور جمع کی طرف خانۂ نقدی میں درج کی گئی ہے۔

ع۱۱ مسلم کمپنی کے نام -/100 روپیہ کا چک کاٹنے کا یہ مطلب ہو کہ مسلم کمپنی کو -/100 روپیہ احمد نے اپنے بنک کے حساب سے دلوائے، چونکہ اس قسم کی ادائگی تحویل بنک سے ہوئی ہو اس لئے وہ روزنامچہ میں جمع کی طرف خانۂ بنک میں درج کی گئی ہے۔

ع۱۲ و ع۱۳ و ع۱۴ و ع۱۵ یہ اندراجات صرف روزنامچہ میں ہیں یادداشتوں میں نہیں ہیں ع۱۲ و ع۱۳ کے اندراجات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو مبلغ 9/8/50 روپیہ

احمد کی تحویل نقد میں تھے اور مبلغ ۱۸/۷/۶/۸۶ روپیہ بنک میں۔ تحویل نقد اور تحویل بنک کی یہ باقیاں آمد کے خانہائے نقدی و بنک کی میزانوں میں سے جمع کے خانہائے نقدی و بنک کی میزانوں کے علی الترتیب گھٹانے سے نکلی ہیں اور ان دونوں کے شامل کر دینے سے دونوں خانہائے نقدی" اور دونوں خانہائے بنک" ہموزن ہوگئے ہیں، ۸۶۰ و ۸۶۰ کے اندر اتجامیں انہی مذکورہ آخری باقیوں کو نئے حساب کی ابتدائی باقیوں کی حیثیت سے درج کیا گیا ہو یعنی **تحویل نقد** کے نام ۹/۸/۰/۵ روپیہ اور **تحویل بنک** کے نام ۶/۷/۶/۸۶ روپیہ درج کئے گئے ہیں جو کہ پچھلے حساب کا نتیجہ اور خلاصہ کے طور پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو احمد کی تحویل نقد میں ۹/۸/۰/۵ روپیہ تھے اور اسکے بنک کے حساب میں مبلغ ۶/۷/۶/۸۶ روپیہ۔

تجارتی خط و کتابت

خطوط کے متعلق عام باتوں کا ذکر کر دینے کے بعد نامناسب ہوگا اگر ہم تجارتی خطوط کی مختلف قسمیں الگ الگ قائم کردیں۔ ان خوش نصیب سوداگروں کا تو ذکر فضول ہو جو عام طور پر کسی ردّی کے پرزے پر نہایت ہی بدسلیقگی کے ساتھ اپنے ہر قسم کے خطوط لکھ کر بھیجدیتے ہیں اور پھر بھی انکے گاہک ان سے ناراض نہیں ہوتے، لیکن حقیقت یہ ہو کہ اب زمانہ بہت کچھ بدل چکا ہو لوگوں کی زندگی میں تکلفات اور تصنعات کو حد سے زیادہ دخل ہوگیا ہو، اور کسی ایسے کام کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا جو کسی اصول کے ماتحت بالکل باقاعدہ طریقہ پر نہ کیا گیا ہو۔ تہذیب یافتہ دنیا میں ایسی تجارتی کمپنیوں کے خطوط کہ جو آداب کتابت کی پوری پوری پابندی نہ کریں پھاڑ کر پھینک دئے جاتے ہیں اور کوئی اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا کہ کم سے کم ایک سرسری ہی سی نظر ان پر ڈال لے۔ ہمیں اگر یہ منظور ہو کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہماری دوکان پر آئیں، ہماری خوش معاملگی اور تعمیل فرمایش کے متعلق ہماری سرگرمی کا ذکر بہت سی زبانوں پر ہو، اور ہمارے قرضدار جلد سے جلد اپنا حساب بیباق کردیا کریں تو یہ ضروری ہو کہ ہم اپنے گاہکوں کو اپنے طرز عمل سے خوش اور مطمئن رکھیں اور اپنے ہر برتاؤ سے انھیں یہ یقین دلادیں کہ ہم خود بھی صاحب عزت اور صاحب حیثیت ہیں اور انھیں بھی ذی عزت، ذی حیثیت، اور قابل احترام خیال کرتے ہیں۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہو کہ جب انکے ساتھ ہماری گفتگو بہت ہی شریفانہ ہو، اور خطوط بھی چونکہ غائبانہ گفتگو ہی کا دوسرا نام ہو اس لئے وہ بھی نہایت ہی شریفانہ انداز میں لکھے جائیں۔

گفتگو کا شریفانہ انداز یہ ہو کہ لہجہ بہت ملائم ہو، چہرہ پر سختی اور درشتی کے علامات پیدا نہ ہوں، اور اثنار کلام میں جا بجا" مہربانی فرماکر" "بڑی عنایت ہوگی" اور "معاف فرمائیے" وغیرہ کا استعمال ہوتا رہے۔ خط و کتابت کا شریفانہ طرز یہ ہو کہ کاغذ اور لفافہ اچھی قسم کا استعمال کیا جائے، لہجہ سخت نہ ہو، اور تحریر و ترسیل کے متعلق ہر کام میں باقاعدگی ملحوظ رہے۔

باقاعدہ خط و کتابت کے لئے یہ ضروری ہو کہ ہم تجارتی خطوط کی مختلف قسموں سے پوری طور پر واقف ہوں، اور ہر قسم کے خطوط لکھنے کے مناسب طرز سے ہمیں اچھی طرح آگاہی ہو، تجارتی خطوط کی ایک قسم تو روزمرہ کی معمولی خط و کتابت ہو، دوسرے وہ خطوط ہیں جو فرمائش حاصل کرنے کی غرض سے بھیجے جائیں، تیسرے وہ ہیں کہ جن کا تعلق روپیہ کی وصولیابی کی ہو اور چوتھے وہ جو ایجنٹوں کو مختلف مقامات پر بھیجے جائیں۔

معمولی یا روزمرّہ کے خطوط روزمرّہ کے خطوط میں وہ تمام خط شامل ہیں جن کے ذریعے دوسری کمپنیوں کو خام اجناس کے لئے یا تیار شدہ مال کے لئے فرمائش بھیجی جائے اور وہ بھی کہ جو گاہکوں کی طرف سے فرمائش کے طور پر خود ہمیں وصول ہوں، ان فرمائشوں کی رسید یا وصولیابی کی اطلاع جو ہماری طرف سے گاہک کو بھیجی جائے وہ بھی روزمرہ کے خطوط میں شامل ہو، اور دوسری کمپنیوں سے جو شکایات کیجائیں یا انھیں ہدایات دیجائیں، نیز گاہکوں کے شکایتی خطوط جو ہمارے پاس آئیں اور انکے جواب، اور ہر قسم کے استفسارات اور انکے جواب سب روزمرہ ہی کے خطوط کے تحت میں آتے ہیں اس حساب سے گویا ہماری روزمرّہ کی خط و کتابت میں تین قسم کے خط شامل ہوتے ہیں:۔

(۱) فرمائشیں اور فرمائشوں کے جواب؛

(۲) استفسارات اور انکے جواب، (۳) شکایات اور انکے متعلق کارروائیاں؛

کسی کمپنی کو فرمائش بھیجتے وقت مندرجۂ ذیل باتوں کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئیے:۔

(۱) فہرست کا حوالہ، (۲) فرمائش کی فہرست کی باقاعدہ ترتیب، (۳) جو مال طلب کیا ہو اسکے متعلق ضروری تفصیلات، (۴) اس امر کی تفصیل کہ وہ کب اور کس ذریعہ سے بھیجا جائے (۵) خط کے ہمراہ اگر چک یا ہنڈی وغیرہ شامل ہو تو اس کا ذکر، (۶) متفرقات۔

فہرست کا حوالہ ہر بڑی کمپنی اپنی دوکان کی فہرست مفت تقسیم کیا کرتی ہو، اس فہرست میں چیزوں کے نام دئے ہوتے ہیں اور سب کے الگ الگ نمبر بھی پڑے ہوتے ہیں۔ فرمائش میں اگر فہرست کا حوالہ دیکر چیزوں کے نام کے ساتھ انکے نمبر بھی لکھ دئے جائیں تو پھر غلطی کا امکان نہیں رہتا اور فرمائش کی تعمیل کرنے والوں کو بھی ان نمبروں کے ذریعہ سے بہت کچھ سہولت اور آسانی ہوجاتی ہو۔ فہرست موجود نہ ہونے کی صورت میں اگر اس کمپنی سے ان چیزوں کی خریداری کے متعلق پہلے سے کچھ خط و کتابت ہو چکی ہو تو اس کا حوالہ دیدینا چاہئے، اگر ہم کسی کمپنی کو صرف یہ لکھ کر بھیجدیں کہ " مہربانی فرماکر جلد سے جلد دو سیٹ چائے کے برتنوں کے بھیجدیجئے"، تو اس کمپنی کو بھی سخت پریشانی لاحق ہوگی کہ کون سے سیٹ بھیجے، اور اس کا بھی بہت کچھ امکان ہو کہ اسنے اپنی پسند سے جو سیٹ بھیجدئے وہ ہمیں پسند نہ آئیں۔ اگر اس کمپنی نے ہتیا

سے کام لیا اور فرمائش کی تعمیل سے پہلے ہم سے مزید تفصیلات طلب کیں تو ظاہر ہو کہ مفت میں کئی روز کی دیر لگ گئی۔ اسکی بجائے اگر ہم اس کمپنی کی فہرست کا حوالہ دیکر اس سیٹ کا نمبر لکھ دیتے تو کسی قسم کی کوئی دشواری پیدا نہیں ہو سکتی۔

فرمائشوں کی ترتیب یہ بھی ممکن ہو کہ ہم کسی کمپنی کو اس طرح لکھ دیں کہ "سیٹھ صاحب کو حاجی عبدالرزاق کی طرف سے معلوم ہو کہ ہمیں دو درجن پرائمس چولھوں کی بہت سخت ضرورت ہو، مہربانی کرکے فوراً بھیجدیں، اور چھ درجن چھتریاں، اور ایک گرس کوبرا پالش کی شیشیاں بھی بھیجدیں۔ پرائمس چولھے ۱۰۰ کے ہوں بہت بڑھیا، اور چار درجن ڈٹیز کی لالٹینیں بھی روانہ کردیں۔"

اور یہ بھی ممکن ہو کہ اسی خط کو ہم فرمائشوں کی ترتیب کے ساتھ حسب ذیل طریقہ پر لکھیں:۔

مکرم بندہ جناب سیٹھ صاحب،

از راہ کرم مندرجہ ذیل اشیاء جلد سے جلد ریلوے پارسل کے ذریعہ سے روانہ فرماکر ممنون فرمائیے۔

نمبر فہرست مطبوعہ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء	نام اشیاء	تعداد مطلوبہ	کیفیت
۱۲۷۳	چولھے پرائمس ۱۰۰	۲ درجن	
۱۴۸۹	چھتریاں	۶ درجن	
۲۴۴۳	کوبرا پالش (شیشیاں)	۱ گرس	
۴۸۰۰	لالٹین ڈٹیز جونیر	۴ درجن	

ظاہر ہو کہ اس طرح ایک ترتیب کے ساتھ اگر سب چیزوں کے نام لکھے جائیں تو پڑھنے والے پر اس خط کا اثر بھی اچھا پڑے گا، چیزوں کے نکلوانے میں بھی آسانی ہوگی اور غلطی کا بھی کوئی امکان نہ رہے گا۔

(سعید احمد)

کاروبار اور حسن انتظام

ڈاک اور تار کے متعلق اطلاعات

خطوں کا محصول اور بیرنگ خطوں کا محصول اس قدر معمولی اور عام چیزیں ہیں کہ جن سے اب بچہ بچہ تک واقف ہو چکا ہو اس لئے انکے لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، ڈاک کے متعلق بعض اور باتیں ایسی ہیں کہ جن کی اطلاع عام طور پر لوگوں کو نہیں ہو، اور جن کا جاننا ہر کاروباری آدمی کے لئے ضروری ہو۔

قیمت طلب خطوط اور پارسل ڈاک کے محکمہ کی جانب سے یہ انتظام اس لئے کیا گیا ہو کہ لوگ اگر باہر سے کچھ سامان منگائیں تو انھیں پیشگی قیمت بھیجنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ جب ان کی چیز انکے پاس پہنچ جائے اسوقت قیمت ادا کردیں۔

رجسٹری شدہ خطوط اور رجسٹری شدہ اور غیر رجسٹری شدہ پارسل قیمت طلب طریقہ پر بھیجے جاسکتے ہیں بشرطیکہ مطلوبہ قیمت ایک ہزار روپئے سے زیادہ نہ ہو۔ قیمت طلب پارسل تمام برطانوی ہند، سیلون لنکا، پرتگالی ہندوستان، سیام لینڈ، اور اسٹریٹ سیٹلمنٹ کو بھیجے جاسکتے ہیں جن کی قیمت چھ سو روپئے سے زائد نہ ہو۔

قیمت طلب پارسل بھیجنے والا اس امر کا اعلان کرتا ہو کہ جو چیز وہ بھیج رہا ہو وہ مکتوب الیہ کی فرمائش پر بھیج رہا ہو۔

خط کتنے عرصہ میں پہونچتا ہو کاروباری آدمیوں کو غیر ملکوں کے ساتھ روزانہ خط و کتابت کرنی پڑتی ہو اور بعض اوقات انھیں یہ بھی معلوم کرنے کی خواہش ہوتی ہو کہ انھیں کتنے عرصہ میں جواب مل جائے گا، ذیل کے نقشہ سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں ہمارا خط بمبئی سے چلکر کتنے دنوں میں پہونچ جائے گا:

مقام کا نام	دنوں کی تعداد	مقام کا نام	دنوں کی تعداد	مقام کا نام	دنوں کی تعداد
بمبئی سے اسٹاکہام	۱۷	برسیلز	۱۶	زنجبار	۱۳
اسکندریہ	۱۱	بوشہر	۶	سین فرانسسکو	۳۰
ایڈنبرا	۱۶	بصرہ	۷	سویز	۹
ایمسٹرڈم	۱۶	پناما	۲۸	شیراز	۱۴
انٹورپ	۱۶	پیرس	۱۴	طہران	۲۵
ایتھنز	۱۳	جبرالٹر	۱۹	عدن	۵
بغداد	۱۳	جمائیکا	۳۵	قاہرہ	۱۱
بندر عباس	۵	چکاگو	۲۷	قسطنطنیہ	۱۸
برلن	۱۶	ڈبلن	۱۶	کوپن ہیگن	۱۶
برنڈسی	۱۳	رایوڈی جنیرو	۴۰	گلاسکو	۱۶

مقام کا نام	دنوں کی تعداد	مقام کا نام	دنوں کی تعداد	مقام کا نام	دنوں کی تعداد
لسبن	۱۹	نیویارک	۲۶	کیپ ٹاؤن	۳۰
لندن	۱۵	ویانا	۱۵	کولمبو	۵
اٹلی	۱۶	ہیمبرگ	۱۶	برلن	۱۷
مارسیلز	۱۵	کلکتہ سے		مارسیلیس	۱۶
مصر	۶	ڈربن	۲۶	ہانگ کانگ	۱۷
مکہ	۲۳	سنگاپور	۱۰	یوکوہامہ	۲۶
میڈرڈ	۱۸	شنگھائی	۲۱	.	.

تار یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ تار کے ذریعہ خبر رسانی کے تجربے آج سے دو سو برس پیشتر شروع ہوگئے تھے، لیکن اب سے ایک سو سال پیشتر تک کوئی معقول نتیجہ نہ نکل سکا تھا سب سے پہلے ۱۸۳۷ء میں وہ انگلستان کی ایک ریلوے لائن پر لگایا گیا تھا، اور اسکے بعد برابر اسمیں ترقیاں ہوتی چلی گئیں۔ سمندر کے نیچے بحری تار بھی اسی زمانے میں ڈالے جانے شروع ہوگئے تھے، اور اب تمام دنیا میں صرف چند ہی ملک ایسے ہیں جو تار کے ذریعے باقی دنیا کے ساتھ ہمرشتہ نہ ہوں۔

بحری تاروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ میل سے بھی زیادہ ان کی لمبائی ہے، اور ان کی آمدنی کی یہ حالت ہے کہ صرف ہندوستان اور مانچسٹر کے درمیان روئی کی خرید و فروخت کے متعلق جو نامہ و پیام ہوتا ہے اسپر بعض بعض کمپنیاں ایک ایک سال میں پچاس پچاس ہزار پونڈ خرچ کر دیتی ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے درمیان بحر اوقیانوس کے شمال میں کم از کم گیارہ الگ الگ تاروں کی لائنیں پڑی ہوئی ہیں پھر بھی وہ ناکافی ثابت ہوتی ہیں، اور اسی لئے مزید لائنیں ڈالی جا رہی ہیں۔ بمبئی سے جو تار انگلستان جاتا ہے وہ عدن ہوتا ہوا بحر قلزم میں جاتا ہے وہاں بندرگاہ سوئز پر پہونچکر پورٹ سعید تک خشکی پر اور پھر سمندر کے نیچے بحر روم میں ہوتا ہوا آبنائے جبل الطارق سے گذر کر انگلستان تک پہونچ جاتا ہے۔ مدراس سے سنگاپور تک بحری تار کا سلسلہ ہے اور پھر سنگاپور سے ہانگ کانگ اور جاوا کو شاخیں نکل گئی ہیں۔

تارگھر علی العموم ہر ڈاکخانے کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن اگر ڈاکخانے میں تارگھر نہ بھی ہو تب بھی ڈاکخانہ آپکا تار لے لیگا اور اسے قریب ترین تارگھر کو بھجوا دیگا۔ تار کا محصول بھی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔ معمولی تار جسمیں بارہ لفظ ہوں بارہ آنے میں جاتا ہے اور یہی بارہ لفظوں کا تار اگر بصیغۂ "ضروری" بھیجا جائے تو اسکے لئے ڈیڑھ روپیہ دینا پڑتا ہے، اتوار کے دن صرف "ضروری" تار بھیجے جا سکتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تار صرف انگریزی زبان میں بھیجا جا سکتا ہے، لیکن یہ خیال غلط ہے ہر زبان میں خواہ وہ اردو ہو یا فارسی، یا ترکی ہو یا روسی، تار بھیجا جا سکتا ہے اور شرط صرف اسقدر ہے کہ جو الفاظ لکھے جائیں ان کی رسم الخط انگریزی ہو۔

سمندر پار کے ملکوں کو تار بھیجنے کے نرخ جدا گانہ ہیں۔ ایسے تاروں کی بھی دو قسمیں ہیں لیکن وہ ضروری اور معمولی کی بجائے "معمولی" اور "ملتوی" ہیں۔ معمولی بحری تار بلا کسی تاخیر کے فوراً روانہ کر دیئے جاتے ہیں اور انکے لئے فی لفظ ڈیڑھ روپیہ دینا پڑتا ہے "ملتوی" تار بھی فوراً روانہ کئے جاتے ہیں لیکن کثرت کار کے باعث ان میں کسی قدر تاخیر ہو سکتی ہے اور ان کے لئے فی لفظ بارہ آنے دینے پڑتے ہیں۔

بعض لوگوں کو تار لکھنے میں بہت دقت ہوا کرتی ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے مطلب کو ایک خط کی صورت میں لکھ لیا جائے اور پھر اسمیں جتنی عبارت یا جتنے لفظ زائد ہوں کہ جن کے بغیر بھی مطلب سمجھ میں آسکے انھیں نکال دیا جائے۔ مثلاً اگر ہمیں کسی کمپنی کو یہ لکھنا ہے "کتابوں کا پارسل پہونچا۔ کتابیں بجک کے مطابق نہیں ہیں، غالباً غلطی سے کسی اور کا پارسل ہمیں بھیجدیا گیا ہے۔ کتابوں کی ہمیں سخت ضرورت ہے، تار سے مطلع کیجئے کہ وہ کتنک ہمیں مل سکیں گی"

تو ہم تار میں یہ لکھ سکتے ہیں:۔

غلط پارسل آگیا تار دیجئے ہمارا
پارسل کب پہونچیگا

ڈاک اور تار کے حساب کا ایک باقاعدہ رجسٹر رکھنا چاہئے جسمیں روز کے روز تمام خطوط اور تار جو بھیجے گئے ہیں اور ان پر جتنا محصول دیا گیا ہے باقاعدہ رکھا جانا چاہئے:۔ (سعید احمد)

حفظانِ صحت و علاجِ امراض

پائپ، سگریٹ، سگار اور حقہ

پھلوں میں انگور، پھولوں میں گلاب، اور پتوں میں چاء اور تمباکو ایسی چیزیں ہیں جن کی قدر ہر ملک اور ہر قوم کے انسانوں نے کی ہے۔ انگور کا ذائقہ، گلاب کی خوشبو اور چاء کا رنگ ذائقہ اور خوشبو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی طرف ہر انسان کی طبیعت کسی نہ کسی حد تک متوجہ ہو جاتی ہے، لیکن تمباکو کا اثر ہمارے حواس خمسہ پر کسی حد تک بھی خوشگوار یا دل آویز نہیں پڑتا، پھر بھی یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان سب چیزوں میں جیسی عالمگیر ہر دلعزیزی تمباکو کو حاصل ہوئی ہے ویسی نہ انگور کو نصیب ہوئی نہ گلاب کو۔

اس کے پتے دیکھنے میں بھی خوشنما نہیں ہوتے، اور ذائقہ تو نہایت ہی بُرا ہے، بلکہ پہلی مرتبہ جو شخص اسے چباتا ہے اسے اکثر ضرور ہی قے ہو جاتی ہے۔ لیکن ان تمام ظاہری خرابیوں کے باوجود اسکے ہلکے سرور میں کچھ ایسی دلکشی موجود ہے کہ مہذب و غیر مہذب، سیاہ و سفید سب قسم کے انسان اسکے دلدادہ ہیں اور اس کا دھواں کھینچنے کا شوق ہر ملک میں موجود ہے ہندوستان بھی اس بدیشی پودے کی خاطر مدارات کرنے میں کسی دوسرے ملک سے پیچھے نہیں رہا، بلکہ یہاں تو اسے اسقدر قدر و منزلت نصیب ہوئی کہ آگ میں جلائے جانے کے علاوہ اسے پان کے ساتھ چبایا بھی جانے لگا۔ ہندوستان نے اسے مشرقی تکلفات سے بھی محروم نہ رکھا، اور اسکے پینے کے لئے نفیس اور خوبصورت حقے ایجاد کئے، اسے خالص حالت میں پینے کی بجائے اسکے ساتھ شیرہ اور گڑ ملانا شروع کیا، اور بالآخر عمدہ خوشبوئیں اسکے ساتھ شامل کرکے اسے سچ مچ ایک دلکش اور دلچسپ چیز بنا دیا۔

تمباکو کا اثر ہمارے جسم پر کسی قدر تسکین بخش ہوتا ہے، اور اگر خفیف مقدار میں اس کا استعمال کیا جائے تو دماغ اور اعصاب کو کسی قدر تسکین حاصل ہوتی ہے اور تکان کا احساس کم ہو جاتا ہے لیکن زیادہ مقدار میں، یا ایک عرصہ دراز تک کم مقدار میں بھی اس کا استعمال ہمارے جسمانی نظام پر بہت ہی مضر اثرات پیدا کرتا ہے، دل، دماغ، اور اعصاب اسکے مسلسل اور بہ کثرت استعمال سے کمزور ہو جاتے ہیں، اور معدہ کے اعصاب تسکین حاصل کرکے طلب غذا سے باز رہتے ہیں گویا بھوک زائل ہو جاتی ہے، استعمال کی مزید کثرت کا نتیجہ مختلف قسم کی عصبی علامات کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور گردن اور ہاتھ کے عضلات میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نگاہ کے عصب پر بھی اس کا اثر بہت بُرا پڑتا ہے اور بہ کثرت تمباکو استعمال کرنے والوں کی نگاہ اکثر قبل از وقت کمزور ہو جاتی ہے۔

اس سے ایک جوہر نکالا جاتا ہے جس کا نام نکوٹین ہے اور نکوٹین سم قاتل ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ روزانہ لاکھوں بلکہ اربوں انسان رات دن اسے استعمال کیا کرتے ہیں لیکن اسکے مہلک اثر سے کسی کو کبھی مرتے نہیں دیکھا۔ یہ بالکل صحیح ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ ذرا ذرا سی مقدار میں کھا کھا کر آہستہ آہستہ ہم اپنے جسم کو ہر ایک زہر کے استعمال کا عادی بنا سکتے ہیں، افیون، سنکھیا، کچلہ، یہ سب سمیات ہیں لیکن جسم کو عادی بنا لینے کے بعد لوگ انہی زہروں کی ایسی ایسی بڑی مقداریں کھانے اور برداشت کرنے لگتے ہیں کہ جو غیر عادی دس پانچ شخصوں کو ہلاک کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ بالکل اسی طرح تمباکو کے بھی ہم عادی ہو جاتے ہیں لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ عادی ہونے کی وجہ سے ہم پر اس کا کوئی مضر اثر ہوتا ہی نہیں ہے۔ اس کا اثر ہوتا ضرور ہے لیکن بہت ہی خفیف اسی لئے کبھی اسکے اثر سے کسی کو مرتے نہیں دیکھا جاتا اگرچہ یہ یقینی ہے کہ ہر استعمال کرنے والے کے مرنے میں وہ کسی نہ کسی حد تک مددگار ضرور ہو جاتا ہے

پائپ، سگریٹ، سگار، اور بیڑی کے استعمال میں چونکہ دھواں براہ راست پھیپڑوں میں پہونچتا ہے اس لئے وہ حقہ کی بہ نسبت زیادہ مضرت رساں ہیں حقہ میں نکوٹین کا کچھ حصہ پانی میں جذب ہو جاتا ہے اس لئے اسکے دھوئیں میں زہریلا اثر نسبتاً کم ہوتا ہے۔

چھوٹی عمر میں اس کا استعمال خصوصیت کے ساتھ مضر ہے اس لئے بچوں کو اس کے استعمال کی کسی صورت میں بھی اجازت نہ دینی چاہئے۔ بچپن میں اعصاب یونہی کمزور ہوتے ہیں اسپر اگر تمباکو استعمال کیا جائے تو وہ بہت ہی کمزور ہو جاتے ہیں۔

(سعید احمد)

وقیع رائیں اور دلچسپ خیالات

شاردا ایکٹ اور مسلمان

(مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک خط جمعیۃ العلماء کے نام)

میری رائے میں شاردا ایکٹ کا مقصد ایک ضروری معاشرتی اصلاح ہے، اور میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ مسلمانانِ ہند کے لئے اسکی ضرورت نہیں۔ بلا شبہ مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرح پانچ، چھ برس میں نکاح کر دینے کا رواج کم ہے لیکن بلا ضرورت نابالغ اولاد کا نکاح کر دینا اور اوائل بلوغت میں زناشوئی کا علاقہ جائز رکھنا عام ہے، اور اگر تفصیل کا موقع ہوتا تو میں بتلاتا کہ یہ دونوں باتیں سخت مضرتوں کا باعث ہو رہی ہیں، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ آج بیشتر فیصدی مسلمان گھروں کی ازدواجی زندگی انہی مفاسد کے باعث تلخ ہو رہی ہے اور ازدواج کے وہ اعلیٰ مقاصد مفقود ہو گئے ہیں جن کی نسبت قرآن کریم نے فرمایا تھا۔ لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔

میں یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ عمر نکاح کی قانونی تحدید ہر حال میں احکام کے خلاف ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلہ کا تعلق معاشرت کے جزئیات و حوادث سے ہے، اور اصل اس بارے میں جلب منافع اور دفع مفاسد ہے۔ بلا شبہ شریعت نے اس سے نہیں روکا کہ خاص خاص حالتوں میں اولیاء نابالغوں کا نکاح کر دیں، اور بلوغت کے لئے کوئی عمر بھی مقرر نہیں کی لیکن اگر علماء امت محسوس کریں کہ ایک خاص ملک، وہ عہد کے احوال و ظروف کے لحاظ سے ایک خاص عمر کی تحدید مصلح ہے اور شریعت نے اولیاء کو خاص خاص حالتوں میں نابالغ اولاد کے نکاح کا جو اختیار دیا تھا، اس کا عام طور پر غلط استعمال ہو رہا ہے۔ نیز رسم و رواج اس درجہ راسخ ہو چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اصلاح حال کے لئے سودمند نہیں، تو یقیناً وہ ایک خاص عمر حکماً مقرر کر سکتے ہیں اور اس بارے میں قانون نافذ ہو سکتا ہے۔ ایسا کرنا دین میں مداخلت نہ ہوگی بلکہ عین دین کی تعمیل ہوگی۔ یہ اور اس طرح کے تمام مسائل بہ اصطلاح فقہاء مصالح مرسلہ میں داخل ہیں، اور ان میں نظر و اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ دلائل و نظائر اسکے اپنے محل میں موجود و معلوم ہیں۔ یہاں مقصود بحث نہیں ہے محض اظہار رائے ہے۔

البتہ یہ ظاہر ہے کہ علماء کرام ایسا کر سکتے ہیں کہ ایک اور مقدمہ صاف ہو جائے یعنی وہ تسلیم کر لیں کہ اجتہاد و فکر کا دروازہ بند نہیں ہو گیا ہے۔ قرآن و سنت کے احکام و مقاصد کے ماتحت وہ جزئیات و حوادث میں استنباط کر سکتے ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، اتنا ہی نہیں، بلکہ میں جانتا ہوں یہی نظر و اجتہاد کا فقدان ہے جس نے صدیوں سے مسلمانوں کے فکر و عمل کی تمام ترقیاں روک دی ہیں اور دین الٰہی جو فی الحقیقت ہر عہد و احوال میں جمعیت بشری کی سعادت کا کفیل تھا، دنیا کی نظروں میں ایک ناقابل عمل مجموعۂ قوانین بنکر رہ گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ بعض حضرات ان لفظوں میں اس حقیقت کا اعتراف نہ کریں جو میں نے اختیار کئے ہیں، لیکن ان کا دلی اعتقاد یہی ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد سے اجتہاد و فکر کا دروازہ امت پر مسدود ہو گیا ہے، اور اب نہ صرف اجتہاد مطلق بلکہ اجتہاد دینیت اور اجتہاد فی المذہب اور اجتہاد فی التخریج اور اجتہاد فی الترجیح وغیرہ جتنے بھی اقسام ہو سکتے ہیں، سب کے سب ممنوع و محرم ہیں اور اسی لئے بظاہر حال امید نہیں کہ علماء ہند کی اکثریت اس بارے میں مجھ سے متفق ہو سکے۔

بہر حال جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے میری رائے یہ ہے، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں آپ حضرات سے متفق نہیں ہوں۔ لیکن اب علمی نقطۂ نگاہ سے اصلی سوال سامنے آتا ہے "کیا بحالت موجودہ شاردا ایکٹ مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہے؟ اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ صحیح تھا؟ اس سوال کے جواب میں میری رائے بغیر کسی تامل کے نفی میں ہے، یعنی آپ حضرات سے اس نقطہ میں متفق ہوں، یہ ظاہر ہے کہ اس معاملہ کا تعلق اصلاح معاشرت و رسوم سے ہے، اور اس بارے میں دنیا کی تمام قانون ساز جماعتوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ کسی جماعت کے رسوم و عوائد میں اسوقت تک مداخلت نہیں کی جا سکتی جب تک کہ خود اس جماعت کی رائے عامہ اسکے حق میں نہ ہو۔ کتنی ہی ضروری اور مفید اصلاح ہو لیکن اگر ایک جماعت اس کی خواہشمند نہیں ہے تو آپ جبراً اسپر عائد نہیں کر سکتے، قومی حکومت سے بڑھکر کسی قوم کے لئے اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے؟ لیکن اگر ایک قوم میں اس کی طلب نہیں ہے تو اسے جبراً حکومت بھی نہیں دی جا سکتی۔ بلا شبہ رائے عامہ کیلئے ہمیں کوئی معیار قائم کرنا پڑے گا کیونکہ یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم کے تمام افراد ہم رائے ہو جائیں، اگر یہ معیار قرار دیا جائے گا تو کبھی کوئی اصلاح نافذ نہیں ہو سکتی۔ پس بالاتفاق، رائے عامہ سے مقصود کسی فرقہ کی نمائندہ جماعتیں اور افراد کی اکثریت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کی نمائندہ جماعتوں اور افراد کی اکثریت اس بل کی تائید میں تھی؟ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ نہیں تھی کیا اسوقت مسلمانوں کی نمائندہ جماعتوں اور افراد کی اکثریت اس کی تائید میں ہے؟ ہر شخص جواب دیگا کہ نہیں، پھر کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت کی رائے عامہ کے خلاف جبراً ایک اصلاح اسپر عائد کر دی جائے؟ اور وہ بھی ایک ایسے معاملہ میں جس کا تعلق نکاح سے ہے؟

ممکن ہو کہ آپ کہیں، جب اس مسئلہ میں تمہاری رائے ایکٹ سے متفق ہو تو تمہارا میلان اسی طرف ہونا چاہئے کہ کسی نہ کسی طرح یہ معاملہ حل ہو جائے۔ لیکن میں اسے تسلیم نہیں کرونگا۔ بلاشبہ میں متاسف ہوں کہ علمائے ہند اس معاملہ میں ایسی ذہنیت نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو اسکی صحیح جگہ دیں لیکن ایسی صورت میں صحیح طرز عمل صرف یہی ہوگا کہ انتظار کیا جائے، اور پہلے مسلمانوں میں رائے عامہ پیدا کی جائے نہ یہ نہیں ہوگا کہ جبراً ایک قانون عائد کر دیا جائے۔ پھر سوال صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ہو اگر ہندوستان جیسے ملک میں ہم یہ صورت حال گوارا کر لیتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آئندہ کوئی فرقہ بھی اپنے رسوم و عوائد اور اعمال مذہبی کے بارے میں مطمئن نہیں رہ سکے گا۔ اس مسئلہ کو میں اصلاً غلط نہیں سمجھتا لیکن اس کی کیا ضمانت ہو کہ آئندہ غلطی سے کوئی ایسی بات نافذ نہ کر دی جائے گی جسے مجلس قانون ساز کی اکثریت تو اصلاح سمجھے گی لیکن وہ فی الحقیقت ایک فرقہ کے مذہب رسم میں مداخلت ہوگی؟ فرض کیجئے کہ کل کو مسلمان اور ہندو ملکر عیسائیوں کے متعلق ایک قانون پاس کر دیں یا آئندہ کسی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی اکثریت ہو، اور وہ پوری نیک نیتی سے ہندوؤں کے متعلق ایک ایسا قانون پاس کر دیں جسے وہ اپنے رسوم و عوائد میں مداخلت سمجھیں، تو اس صورت میں ملک اس سکون کا کیا حشر ہوگا؟ بہرحال ضروری ہو کہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا جائے کیونکہ یہ واقعہ ہو کہ ان کی رائے عامہ اسکے خلاف ہو۔ مجھے امید ہو کہ اگر جمعیتہ نے مناسب لفظوں میں تجویز منظور کی، اور دیگر اسلامی انجمنوں کا بھی سلسلۂ احتجاج جاری رہا تو گورنر جنرل مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دے گا۔ یہ ظاہر ہو معلوم ہو کہ اس قانون میں حکومت کوئی فریق نہیں صرف صحیح طریقہ پر عام و محکم احتجاج کی ضرورت ہو۔

ہندو مسلم اتحاد

(مولٰنا نیاز فتحپوری کے قابل غور خیالات):

تاریخ کا یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہو بارہا اس سے قبل تجربہ ہو چکا ہو کہ جب کسی ملک کی قومیں بیدار ہوئیں تو غیر ملکیوں کو وہاں سے نکلنا پڑا یا محکومیت اختیار کرنا پڑی، اگر مسلمان اسکو اپنی توہین سمجھتے ہیں کہ وہ ہندی کہلائیں تو پھر غیر ملکیوں کے ساتھ ان کا بھی حشر ہونے والا ہو، اور اگر وہ اپنے آپ کو یہیں کا فرزند جانتے ہیں تو پھر ان کو اپنی موجودہ مذہبیت کی تنگ نظری چھوڑنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ جس چیز کو آج وہ ایثار و قربانی کے نام سے ترک کر سکتے ہیں، کل ان کو بہ جبر چھوڑنا پڑے گی، اور پھر اسوقت کسی معاوضہ کا سوال بھی نہیں اٹھایا جاسکے گا۔

نہرو رپورٹ سے مخالفت کرنے والے وہی لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ برطانیہ کا اقتدار ہندوستان میں ہمیشہ قائم رہیگا لیکن جن کی نگاہیں زیادہ دور رس ہیں وہ جانتے ہیں کہ نہرو رپورٹ کے نظام کو بھی ایک دن بدلنا ہو، اور وہ نظام حکومت جو اسکے بعد آنے والا ہو، مسلمانوں کے لئے اور زیادہ سخت ثابت ہوگا اگر اسوقت انھوں نے رواداری سے کام لیکر ہندوؤں کا ساتھ نہ دیا میں اس منطق کا قائل نہیں ہوں کہ اگر ہندو رواداری سے کام نہیں لیتے تو ہم کیوں لیں، رواداری خود آپ اپنی جگہ پیدا کر لیتی ہو، اور اگر ہم پہلے سے سیلاب کے گزر جانے کے لئے جگہ بنا دیں تو دیوار کے گرنے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے میرے نزدیک ہندو مسلم اتحاد سے زیادہ یہ مسئلہ غور طلب ہو کہ مسلمان کس حد تک ایثار سے کام لے سکتے ہیں اور اپنی اقلیت کو اہم بنانے کے لئے وہ کس حد تک تعلیم و اقتصاد میں ترقی کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اسکے علاوہ اور کوئی سوال اسوقت غور طلب نہیں ہو لیکن مجھے معلوم ہو کہ جب تک یہ کم سواد علماء اور کوتہ اندیش لیڈروں کا گروہ موجود ہو وہ اذان، باجہ، ناقوس، قربانی، وغیرہ کے جھگڑوں ہی میں مبتلا رکھے گا اور کبھی اس کا موقع نہ دیگا کہ مسلمان سنجیدگی سے اپنے مستقبل پر غور کرکے ان مہملات کو ترک کریں اور بہ حیثیت مسلمان ہونے کے نہیں بلکہ بہ لحاظ انسان ہونے کے دوسروں سے اتحاد کرنا سیکھیں۔ حقیقت یہ ہو کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے مسلمانوں کا مستقبل بہت تاریک نظر آتا ہو اور یہ سیاسی یا مذہبی حقوق طلبی بالکل بے نتیجہ سی بات ہو۔ جب وقت تک اسپین کی قومیں بیدار نہ ہوئی تھیں مسلمانوں نے پوری داد حکومت دی، لیکن جب ان کو ہوش آیا اور انھوں نے آزادی حاصل کی تو مسلمانوں کو آخر کار ہسپانیہ کی سرزمین کو خیرباد کہنا ہی پڑا۔ بالکل یہی حال ہندوستان کا ہو کہ جب تک یہاں کی قوموں میں احساس قومیت و محکومیت بیدار نہ ہوا تھا مسلمانوں نے بھی حکومت کی، انگریزوں نے بھی شاہنشاہی کر لی، لیکن اب جبکہ سارے ملک میں بیداری پیدا ہو گئی ہو نہ انگریزوں کی حکومت یہاں رہ سکتی ہو اور نہ مسلمانوں کو کوئی ایسا خاص حق مل سکتا ہو جسکے وہ کسی طرح سے مستحق نہیں ہیں۔ (مقتبس از رسالہ نگار لکھنؤ)

سومنات مذہبیت کے مسلمان برہمن

: (قاضی عبدالغفار صاحب بی اے کے ایک عجیب مضمون مندرجہ روزنامہ ملت دہلی کا اقتباس)

اصلی اور نقلی علماء سیاست کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد علماء کرام کی جماعت حق و باطل کا ایک دردانگیز مرکب بن گئی ہے۔ اس جماعت کے وہ افراد جو حقیقی معنی میں علماء ہیں ان لوگوں کے جم غفیر میں جو محض اشتہار باز ہیں گم ہو کر رہ گئے ہیں اور اب ان بزرگوں کا یہ حال ہو گیا تو اس جماعت سے الگ ہو کر اپنے حجروں میں بند ہیں یا اگر کبھی "جمعیتہ" کی محفل آرائی میں بادل ناخواستہ آتے بھی ہیں تو اسکی ہمت نہیں رکھتے کہ جبہ وعمامہ کے اقتدار سے دراز ہو کر ایک قدم بھی اُٹھا سکیں۔ وہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ بہے چلے جاتے ہیں یا وہ ہیں کہ علم و فضل رکھتے ہیں مگر نیت نیک اور ایمان صالح نہیں رکھتے یا وہ ہیں کہ علم و فضل اور نیک نیت رکھتے ہیں اور اپنی جماعت کے مقاصد کو بھی دیکھتے ہیں لیکن اس جماعت کے باثر اشخاص کی زبان درازیوں اور دراز دستیوں سے ڈرتے ہیں، یا وہ ہیں جو طالب جاہ ہیں اور سوائے جمعیتہ علماء کے اور کسی میدان میں دکان لگانے کا موقع نہیں پاتے، اس لئے جبہ وعمامہ کا اشتہار لے کر اس جم غفیر کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اپنے نفس کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس گروہ کی گندگی نے علم و عمل کی پونجی کو اتنا آلودہ کر دیا ہے کہ اب اصل اور نقل کا امتیاز مشکل ہو گیا ہے۔

"لنگوٹی" اور جبّہ وعمامہ کا اتحاد جب تک حجروں میں کھانے کے خوان آجاتے تھے اور نماز کی امامت اور نکاح سے زیادہ اور کوئی کام نہ تھا، یہ حضرات اسی کو اپنی دنیا سمجھتے تھے، لیکن مہاتما گاندھی نے خلافت کے مسئلہ کا ترک موالات کے ساتھ اتحاد اپنی کامیابی کے لئے ضروری سمجھا اور محمد علی و شوکت علی نے علماء کی امداد کو حصول مقاصد کے لئے لازمی تصور کیا، پھر کیا تھا اللہ دے اور بندہ لے! جدھر ایک عمامہ نظر آیا، جہاں قال اللہ و قال الرسول کی آواز آئی، محمد علی اور شوکت علی صاحبان کی گردن جھک گئی! جتنے بوسیدہ حجرے بند پڑے تھے انکے دروازے کھل گئے اور "نفوس قدسیہ" ٹڈی دل کی طرح سیاست کے میدان پر چھاگئے۔ مہاتما گاندھی، اپنی تحریک کو خلافت سے متحد کر کے کامیاب ہونا چاہتے تھے اور اسوقت ان دو بھائیوں کے زیر اثر تھے، لہذا وہ بھی ہر لمبی داڑھی کو ڈھونڈتے کرتے تھے اور میں وہ زمانہ بھولا نہیں ہوں جب پہلے پہلے یہ مفتیان شرع متین، مہاتما جی کے پہلو میں بیٹھنا ایک بڑی بات سمجھتے تھے، اور مہاتما جی کی لنگوٹی اور "مولنا" کے جبہ وعمامہ کا ایک عجب مسخر انگیز مرکب تھا جس کا نسخہ خاص شوکت علی صاحب اور محمد علی صاحب نے تیار کیا تھا۔ مولنا اکبر مرحوم نے اس عجب اتحاد کو دیکھ کر خوب فرمایا تھا کہ ؎

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

علی برادران کے مست ہاتھی آندھی آئی اور اتر گئی، مگر بدھو میاں اب بغیر آندھی کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ بڑی آندھی نہ ہو تو چھوٹی سہی۔ "تحفظ شریعت اسلامی" اور "انسداد دہریت" کا ایک نیا بت تیار ہو گیا اور مخلوق کو اس کی پوجا کے لئے بلایا گیا تاکہ مہنت اور برہمن کسی نہ کسی طرح خدا کے بندوں کی نظر میں رہیں! ان اسلامی برہمنوں کی خود پرستی کا اندازہ اس حقیقت سے کیجئے کہ جب شوکت علی اور محمد علی کی تحریک خلافت کمزور پڑ گئی خلافت کا خزانہ روپے سے خالی ہو گیا۔ ہندو مسلم اختلافات نے سیاسی فضا کو خراب کر دیا اور مسلمان لیڈران خلافت کی شخصیت کا وزن کم ہو گیا تو بلا تکلف سیاست کے ان خود غرض خوشہ چینیوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنا کر، اپنے اُستادوں کو برخاست کر دیا، گویا یہ فرما دیا کہ اب ہم خوب پڑھ چکے، سب کرتب ہمنے سیکھ لئے، اب آپ گھر جائیے اور ذرا ہمارا رنگ دیکھئے، اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آیا جسکو بیان کئے بغیر نہیں رہا جاتا اس لئے کہ وہ آج بھی حالات حاضرہ پر اتنا ہی چسپاں ہے جتنا کہ چند سال پہلے تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ علی برادران کے قید ہو جانے کے بعد جب احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو حسب دستور علمائے کرام کی ایک فوج کانگریس کے پنڈال میں مع تمام آلات حرب تسبیح و عصا کے موجود تھی، وہاں ایک ریزولیشن کے الفاظ کے متعلق مہاتما گاندھی سے ان بزرگان مسجد کا اختلاف پیدا ہوا اور اسقدر بڑھا کہ باعث تردد ہو گیا۔ مسیح الملک مرحوم اور مہاتما گاندھی ہر طرح کوشاں تھے کہ لفظی الجھنا سلجھ جائے مگر یہ فوج کچھ اس طرح اڑی تھی کہ کسی کی بات سنی نہ جاتی تھی، اس ہنگامے نے لوگوں کو بہت بددل اور پریشان کر دیا تھا، اسی دن چند اشخاص ایک خیمہ میں بیٹھے ہوئے اس مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے اور راقم جیسے چند شوریدہ سر حضرات علماء کی اس بے وقت ضد پر اظہار افسوس کر رہے تھے۔ میں کہ رہا تھا کہ "تریا ہٹ" "سنی" "راج ہٹ" سنی اور دیکھی مگر "مولنا ہٹ" سے آج ہی واسطہ پڑا ہے۔ یہ ہٹ سب سے کڑی ہے۔ اس صحبت میں جماعت علماء کے ایک معزز رکن (جن کو اس جماعت کا رکن کہنا گویا ان کی توہین کرنی ہے) اپنی معمولی سنجیدگی کے ساتھ ہم لوگوں کے نقد و تبصرہ کو سن رہے تھے۔ یہ بزرگ ایک دوسری طبیعت اور دوسری دنیا کے لوگوں میں سے ہیں فرمانے لگے کہ "میاں! ان غریبوں پر کیوں خفا ہوتے ہو۔ شکوہ کرو علی برادران کا انھوں نے یہ مست ہاتھی پالے تھے وہی ان کو میدان میں چلانا بھی جانتے تھے، وہ تو جیل خانہ میں جا بیٹھے

اب ہاتھی چھوٹنے پھر رہے ہیں ان کو کون سنبھالے" تو واقعہ یہ ہو کہ وہی تماشا ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں اور اب تو خود جماعت کے اندر شخصی تعصبات اور رقابتیں رونما ہیں لہذا کچھ اور بھی پردہ فاش ہو رہے ہیں؛

مولوی نما برہمنوں کی ضرورت اللہ اللہ ان نقلی بادشاہوں کی ذہنیت جو پندرہ برس پہلے تھی وہی آج ہو، خدا وہ دن لائے کہ امتِ مرحومہ اس برہمنیت کے جنگل سے نجات پا کر ارتقاء قومی کے میدان میں قدم بڑھانے کے قابل ہو! ابھی تو یہ حال ہو کہ وہی ایک "برہمنیت" سبز و سیاہ عبائیں، چھوٹے اور بڑے عمامے ہیں، سو دانہ اور ہزار دانہ کے تسبیح میں لمبی داڑھی میں گھونگر والے زلفوں میں، عصاؤں میں اور مصلے میں جلوہ گر ہو اور اُسنے ساری قومی زندگی کو زہر آلود کر دیا ہو۔ آج سارا دل کی مخالفت پر مودت کی تمام تر طاقت صرف ہو رہی ہو۔ کل جبری تعلیم کے خلاف ایک طوفان برپا تھا، پرسوں سائمن کمیشن کی رپورٹ پر علم و فضل کے دریا بہائے جائیںگے لیکن یہ تو پوچھئے کہ حضرات آج تک آپنے مسلمانوں کے کس درد کی دوا کی ہو۔ سوائے اس کے کہ وضو اور غسل کے مسائل آپنے بتا دیئے ہیں اور یہ تو آپکے مدرسوں کے ادنیٰ طالب علم بھی بتا سکتے ہیں مسلمانان ہندوستان کے حیات ملی میں آپکی اتنی بڑی اور ضخیم عمارتوں کی کیا ضرورت تھی؟

قوائے صنفی کا تحفظ

صنفی تعلیم میں شرم و لحاظ کے کم کرنیکی ضرورت

جب دو برائیوں میں سے ایک کو اختیار کرنے پر انسان مجبور ہو تو عقل اور مذہب دونو کا فیصلہ یہی ہو کہ دونوں میں سے جو کم بُری ہو اسے اختیار کرلو۔ یہ بھی ہمارے رسم و رواج کے مطابق ایک بُرائی ہو کہ ہم شرم اور لحاظ کو توڑ کر اپنے بچوں کو یہ سمجھائیں کہ قوائے صنفی کا صحیح استعمال کیا ہو اور کس طرح ان کا غلط استعمال نہ صرف ان قوتوں کو بلکہ ہماری جسمانی صحت کو بھی تباہ و برباد کر دیتا ہو، اور یہ بھی ایک بُرائی ہو کہ ہم رات دن اپنی آنکھوں سے اپنی قوم کے بچوں کو تباہی کے غار میں گرتے ہوئے دیکھیں اور ہر وقت یہ روح فرسا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہو کہ روز بروز صحتوری اور طاقت کے لحاظ سے ہماری قوم برابر نیچے ہی کو گرتی چلی جا رہی ہو۔ ان دونوں برائیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا ہمارے لئے ناگزیر ہو اور ہمنے یہ فیصلہ کیا ہو کہ ہم خود بھی اس رسمی شرم و حیا کو توڑیں اور قوم کے تمام والدین سے بھی اور مدرسوں کے تمام اُستادوں سے بھی یہ درخواست کریں کہ وہ تھوڑی سی فضول شرم و حیا پر اپنے پیارے بچوں کی صحت قربان کرنے سے باز آجائیں۔

آج ہمارے بچوں کی حالت عام طور پر یہ ہو کہ وہ قد و قامت میں، جسم کے وزن میں اور جسمانی طاقت میں اس معیار تک نہیں پہنچتے کہ جہاں ایک اوسط درجہ کے تندرست بچہ کو اس عمر میں پہونچنا چاہئے، ایک سترہ یا اٹھارہ برس کے لڑکے کا قد بحساب اوسط پانچ فٹ چھ انچ کے قریب ہونا چاہئے لیکن ہمارے بیشتر نوجوان اس عمر میں بمشکل پانچ فٹ چار انچ تک پہونچ پاتے ہیں، اس عمر کے نوجوانوں کا سینہ بغیر پھلائے بتیس انچ اور اچھی طرح سانس اندر لے کر پھلا لینے کے بعد کم از کم چونتیس انچ ہونا چاہئے لیکن ہم میں فی صدی پانچ نوجوان بھی اتنی جسامت حاصل نہیں کرتے۔ یہی حالت بچوں کے جسمانی وزن کی ہو۔ وزن میں بھی وہ بالعموم اوسط درجہ کے وزن سے دس پندرہ سیر کم ہی رہتے ہیں اور اسی پر جسمانی طاقت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہو، لیکن جسمانی طاقت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کہ جو مسلسل عرصہ دراز تک کسی محنت کو جاری رکھنے کی قوت ہم پہونچاتی ہو، اور دوسری وہ کہ جس کی بدولت ہم اپنی تمام پوشیدہ طاقت کو یکجا کرکے چند لمحوں کے لئے کسی کام پر زور لگاتے یا کسی دشمن پر جھپٹتے ہیں، اور یہ دوسری قسم کی طاقت بالعموم ان جانداروں میں زیادہ ہوتی ہو جو گوشت کھاتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی کم طاقتی کا احساس اگر ہوتا ہو تو اس عمر میں جا کر ہوتا ہو کہ جب دوڑ جھپٹ کی بجائے کم قوت کے ساتھ مسلسل محنت کرنی پڑتی ہو۔ قوم کے نونہالوں کی صحت جیسی کچھ ہو اسکے معلوم کرنے کے لئے اسکی تو ضرورت بھی نہیں ہو کہ کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہماری رہنمائی کرے۔ وہ تو "عیاں را چہ بیاں" کی مصداق ہو اور ہر نوجوان کے سُتے ہوئے اور زرد چہرہ پر لکھی ہوتی ہو۔

اس تباہ کن صورت حالات کا ایک سبب قوم کا روز افزوں افلاس بھی ہو، لیکن اصل سبب وہ نہیں ہو۔ اس کا باعث اصلی یہ ہو کہ ہم بچپن ہی میں اپنے قوائے صنفی کو برباد کر لیتے ہیں، اور ایسے برباد شدہ قوی کے ذریعہ سے پیدا کردہ اولاد ضعف اور ناطاقتی ماں کے پیٹ ہی سے اپنے ہمراہ لے کر آتی ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہر نسل اپنی پیشرو نسل سے زیادہ کمزور اور زیادہ ضعیف القویٰ ہوتی چلی جا رہی ہو اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہ انحطاط کس حد پر جا کر رُکے گا۔ اس خرابی میں مدد ہمارے افلاس سے بھی ملتی ہو اور بہت سے ایسے بچے

کہ جن کے نظام جسمانی میں کوئی خاص خرابی دیکھی صرف اس لئے نشو و نما سے محروم رہجاتے ہیں کہ انکے جسم کو کافی اور مناسب غذا میسر نہیں آتی لیکن اگر اس مسئلہ پر کسی قدر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے روز افزوں افلاس کا ایک بہت ہی اہم اور خاص سبب بھی ہماری دہی کمزوری ہے جو قوائے صنفی کا معقول تحفظ نہ ہونے کی وجہ سے آج ہمارے نوجوانوں میں عام ہے۔ قوائے صنفی کی خرابی اور کمزوری کا اثر اگر صرف آلات تولید تک ہی محدود رہتا تو خیر صبر کر لیا جاتا لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس خرابی کی بدولت ہمارے جسم کا عصبی نظام بگڑ جاتا ہے، اور عصبی نظام کی خرابی کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے جسم کے تمام اعضاء کے فعل میں تھوڑا یا بہت فتور پیدا ہو گیا۔

بدقسمتی سے حالات اب اسقدر افسوسناک ہو گئے ہیں کہ محض شرم و لحاظ کے خیال سے خاموش رہنا، اور بچوں کو کسی مناسب تعلیم کے ذریعے اس مصیبت سے نہ بچانا قومی اور اخلاقی گناہ ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہماری موجودہ شرم ہمیں کسی طرح اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اپنے بچوں سے اس مسئلہ پر گفتگو کریں، لیکن بہرحال جب ضرورت مجبور کر رہی ہے تو ہمیں اس کے لئے کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرنی ہی پڑے گی۔ آخر فقہ کے ایسے مسئلے کہ جن کا تعلق آلات تولید اور انکے افعال سے ہوتا ہے اب بھی کسی نہ کسی طرح بچوں کو پڑھائے ہی جاتے ہیں اور طب یا قانون پڑھاتے وقت اُستاد کو اپنے نوجوان شاگردوں کے سامنے ایسی چیزوں کا نام لینا اور ایسی باتوں کا ذکر کرنا پڑتا ہی ہے جن کا بیان معمولی حالات میں شرمناک خیال کیا جاتا۔ بلا ضرورت اس قسم کے الفاظ کا زبان پر لانا یقیناً سخت مذموم اور قابل نفرت فعل ہے لیکن ضرورت کے وقت اور ایسی سخت ضرورت کے وقت ان کا زبان پر نہ لانا بھی کچھ کم گناہ نہیں ہے۔

ہمیں کسی نہ کسی طرح یہ باتیں ضرور اپنے بچوں کو سمجھانی ہیں اور اب سوال یہ نہیں ہے کہ ہم انھیں یہ باتیں سمجھائیں کہ جب بخواہ نتیجہ برآمد ہو سکے، اور کس عمر میں سمجھائیں کہ وہ سمجھ بھی سکیں اور یاد بھی رکھ سکیں۔

ایک زمانہ تھا کہ جب والدین کی اور اُستادوں کی ان معاملات پر خاموشی ہی بچوں کے حق میں بہترین تعلیم ہوتی تھی لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ جب بچوں کے کان اس قسم کی باتوں سے بالکل ہی ناآشنا رہتے تھے، اور صنفی تعلقات کی ماہیت سے وہ صرف اسوقت آگاہ ہوا کرتے تھے کہ جب خود انکے قویٰ انھیں سب کچھ بتا دیں اور اس طرح وہ اوائل عمر کی تمام غلط کاریوں سے محفوظ رہا کرتے تھے، لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے اور بدقسمتی سے اسنے غلط سمت کو پلٹا کھایا ہے۔ اب ہمارے بچے اس قدر بھولے اور ناواقف نہیں رہنے پاتے۔ بہت ہی چھوٹی سی عمر میں انھیں سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور ایسی زبانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انھیں تباہی کی طرف لیجانا چاہتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ سمجھتے رہنا کہ ہمارے بچوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اس قسم کے تذکرے حظ و مسرت کی خاطر اپنے دوستوں سے سننے کی بجائے ہماری زبان سے سنیں اور صحیح واقفیت حاصل ہو جانے کی بنا پر غلطیوں سے محفوظ رہیں۔ اس قسم کی تعلیم ایک نئی چیز ضرور ہوگی لیکن زیادہ دشوار یا ناممکن نہ ہوگی، اور ہم آئندہ ان کالموں میں اسپر مزید بحث کرینگے۔

لڑکیوں کو خانہ داری کی عملی تعلیم دینے کی بہترین کتاب

خانہ داری کے جھگڑے بکھیڑے۔ سینا پرونا۔ پکانا۔ ریندھنا۔ گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش و تربیت، روپے پیسے کا انتظام وغیرہ بہت سی ذمہ داریاں عورت کے پیچھے لگی ہوئی ہیں، عورت کی ان مشکلات کو آسان کرنے کے لئے سب سے بہتر کتاب جو اردو میں اب تک لکھی گئی ہے آتالیق نسواں ہے جسمیں بارہ سو نقشے اور شکلیں ایسی دی گئی ہیں جن کے ذریعہ سے ہر ایک لڑکی نہایت آسانی کے ساتھ ہنرمند اور سلیقہ شعار بن سکتی ہے۔ ہندوستان کے تمام مشہور اخبارات نے اس کتاب کو لڑکیوں کی عملی تعلیم کے لئے نہایت مفید بتایا ہے اور واقعی اس سے زیادہ مفید کتاب لڑکیوں کے لئے اردو میں اب تک نہیں لکھی گئی۔

اس کتاب کے دس حصے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

۱۔ پہلا حصہ۔ لڑکیوں کا حساب۔ جسمیں ۱۵ شکلیں ہیں۔
۲۔ دوسرا حصہ۔ کھانا پکانا علمی طریق پر۔ " ۴۴ شکلیں ہیں۔
۳۔ تیسرا حصہ۔ سینا پرونا اور کپڑا قطع کرنا۔ " ۲۴ شکلیں ہیں۔
۴۔ چوتھا حصہ۔ خط و کتابت، لڑکیوں کی انشاء۔ جسمیں ۱۲ شکلیں ہیں۔
۵۔ پانچواں حصہ۔ نقاشی اور مصوری۔ " ۱۶۹ شکلیں ہیں
۶۔ چھٹا حصہ۔ کپڑا رنگنا اور چھاپنا۔ جسمیں ۴۴ شکلیں ہیں۔
۷۔ ساتواں حصہ۔ گوٹہ کناری کی ٹکت۔ " ۱۲۱ شکلیں ہیں۔
۸۔ آٹھواں حصہ۔ کڑھت اور چکن دوزی۔ " ۱۸۴ شکلیں ہیں۔
۹۔ نواں حصہ۔ تشریح انسانی اور دیگر مفید باتیں۔ جسمیں ۱۸ شکلیں ہیں۔
۱۰۔ دسواں حصہ۔ انتظام خانہ داری۔ " ۲ شکلیں ہیں۔

مکمل کتاب کی قیمت علاوہ محصول صرف چار روپے آٹھ آنے ہے۔ (للعہ)

بچوں کو زبانی تعلیم دینے کی کتاب آجکل مہذب دنیا میں چھوٹے بچوں کو بجائے شروع سے کتابیں پڑھانے کے تعلیم اس طرح دیجاتی ہے کہ ماں ان کو ارد گرد کی اشیاء کے نام، افعال، خواص، صورت و شکل و ماہیت وغیرہ اس طریقہ سے زبانی بتاتی رہتی ہیں کہ ان کو ہر ایک چیز کا حال جاننے اور ہر ایک چیز کی ماہیت و کیفیت سمجھنے اور اس پر توجہ کے ساتھ غور کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ کتاب زبانی تعلیم اسی اصول تعلیم کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے اسمیں دو سو کے قریب شکلیں بھی دی گئی ہیں تاکہ معمولی پڑھی لکھی مائیں بھی اس کتاب کے ذریعہ اپنے بچوں کو زبانی تعلیم دے سکیں قیمت علاوہ محصول تیرہ آنے ہے۔ **ہفت عجائبات عالم**:- گزشتہ چار پانچ ہزار سال کے عجیب و غریب آلات اور صنعت انسانی کے حیرت انگیز کمالات قیمت تیرہ آنے (ملنے کا پتہ جنرل منیجر دی الیسٹرن ٹریڈنگ کمپنی لیمیٹڈ دہلی)

ضروری اور کارآمد باتیں

ناگہانی حادثے اور ان کا تدارک

مچھلی کا کانٹا حلق میں اٹک جانا مچھلی ایک بہت ہی لذیذ غذا ہو لیکن اس کا کانٹا بعض اوقات سخت تکلیف و مصیبت کا باعث بن جاتا ہو۔ بچے اکثر بے احتیاطی کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں، اور کانٹا نکالے بغیر مچھلی کھا لیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ کانٹا انکے حلق میں چبھ جاتا ہو اور ان کی اپنی کوشش سے کسی طرح نہیں نکلتا جب کسی کے حلق میں کانٹا اس طرح پھنس جائے تو اسکے منہ میں حلق تک انگلی ڈالکر زبان کی جڑ دبانی چاہئیے تاکہ ابکائی آئے اور اس جھٹکے سے کانٹا نکل جائے، یوں اگر نہ نکلے تو روٹی کا ایک بڑا سا نوالہ خوب چبا کر نگلوانا چاہئیے، وہ اپنے ہمراہ کانٹے کو بھی لئے ہوئے پیٹ میں اتر جائے گا۔ اس سے بھی کام نہ چلے تو ذرا سی رائی یا نمک گرم پانی میں ملاکر پلا دیں تاکہ مریض کو اچھی طرح قے ہوجائے اور اسکے ساتھ کانٹا نکل جائے۔ اب بھی اگر نہ نکلے تو پھر ڈاکٹر کی امداد کی ضرورت ہو۔

غش اور بے ہوشی کے دورے بیہوشی کے دورے مرگی کے مرض میں بھی پڑتے ہیں مگر ان میں صرف بیہوشی ہی نہیں ہوتی بلکہ جسم کے بعض عضلات میں کھنچاؤ اور تشنج بھی ہوتا ہو جس کی وجہ سے مریض کے ہاتھ کہنیوں پر سے جھٹکے کے ساتھ مڑتے اور پھر کھلتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ وہ ہاتھ پٹک رہا ہو، منہ سے جھاگ اور رال جاری ہو جاتی ہو، اور اکثر دانتوں کے نیچے دبکر مریض کی زبان کٹ جاتی ہو۔

دماغ کی چوٹ کی وجہ سے بھی بیہوشی ہوتی ہو جس کا ذکر ہوچکا۔ اور معمولی عصبی خرابیوں کے باعث سے بھی غش کے دورے پڑتے رہتے ہیں جیسے کہ اکثر نوجوان عورتوں کو پڑا کرتے ہیں بیہوشی کا دورہ خواہ کسی سبب سے ہو۔ یہ ضروری ہو کہ مریض کو آرام سے لٹا دیا جائے سینہ اور گلے کے کپڑے بند اور بٹن کھولکر ڈھیلے کردئے جائیں۔ صاف اور کھلی ہوئی ہوا مریض تک پہونچائی جائے، اور اگر دماغی چوٹ کی وجہ سے بیہوشی نہیں ہو تو ہوش میں لانے کے لئے نوسادر اور چونا ملاکر سنگھا سکتے ہیں۔ کنپٹیوں پر سرد پانی یا وہ خوشبودار عرق جسے "لوڈی کولون" کہتے ہیں ڈالنا مفید ہوتا ہو۔ مریض کے پیروں کو گرم رکھنا چاہئیے۔ معمولی عصبی قسم کے دوروں میں مریضوں کے ساتھ زیادہ ہمدردی کا اظہار کرنا انکے حق میں مضر ہوتا ہو

پانی میں ڈوب جانا پانی میں اتفاقیہ طور پر ڈوب جانے کے حادثات اکثر ہوتے رہتے ہیں، اور چونکہ صرف پانچ سات منٹ کی جلدی یا دیر پر مریض کی موت اور زندگی منحصر ہوتی ہو اس لئے لاش کے پانی سے برآمد ہوتے ہی جو کچھ کرنا ہو وہ شروع کردینا چاہئیے لاش کو ڈاکٹر کے پاس یا ڈاکٹر کو لاش تک لے جانے اور لانے کا وقت نہیں ہوتا اس لئے فوراً عمل شروع کردینا چاہئیے، اور کسی کو ڈاکٹر کے پاس بھیجدینا چاہئیے۔

لاش کو الٹا لٹکا کر پانی نکالنے کی کوشش کرنا بے سود ہی نہیں بلکہ مضر ہو اس لئے اس قسم کی کوئی کوشش نہ کرنی چاہئیے۔ لاش کو اگر کچھ دور تک لے جانا پڑے تو ہاتھوں پر اوندھا لٹا کر لے جانا چاہئیے، اور سر کو جسم سے کسی قدر اونچا رکھنا چاہئیے۔

تمام کپڑے جلد سے جلد اتار کر مریض کا بدن پونچھ کر بالکل خشک کردینا چاہئیے اور گرم کمبل یا کچھ اور گرم کپڑے ملجائیں تو ان میں اسے لپیٹ دینا چاہئیے۔

ناک اور منہ سے جھاگ اچھی طرح صاف کردئے جائیں اور دو تین شخص ہاتھوں پر کوئی گرم کپڑا لپیٹ کر مریض کے جسم کو مل ملکر گرم کرنا شروع کردیں۔

اسکے بعد مصنوعی تنفس دلانے کی کوشش شروع کی جائے، اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہو کہ مریض کے سرہانے کھڑے ہوکر اسکے دونوں بازو کہنیوں سے ذرا اوپر اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑو، اور انھیں اونچا کرکے مریض کے سر کی جانب آہستہ آہستہ لے جاؤ اور کسی قدر کھینچو اور دو سکنڈ تک انتظار کرو۔ ایسا کرنے سے مریض کا سینہ کشادہ ہوگا اور اسمیں ہوا بھرے گی، اب ذرا تیزی سے یہ بازو واپس لاؤ اور اسکے سینہ پر رکھکر دباؤ تاکہ ہوا خارج ہوجائے۔ ایک مرتبہ ایسا کرنے سے تقریباً چار سکنڈ لگنے چاہئیں۔ یہ عمل برابر اسوقت تک جاری رہنا چاہئیے جب تک کہ مریض طبعی طور پر سانس نہ لینے لگے اور اسکے خون کا دوران بحال نہ ہوجائے۔ خون کے دوران کی درستی کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہو کہ مریض کے چہرہ پر سرخی کی جھلک آجاتی ہو۔ از سر نو تنفس قائم ہوجانے کے بعد مریض کو اکثر خود ہی قے آجاتی ہو اور پیٹ سے پانی نکل جاتا ہو۔ (باقی آئندہ) (سعید احمد)

معاونین کامیابی کی ضروریات و مشکلات

اس عنوان کے تحت میں خریداران کامیابی کی ضروریات و مشکلات کے متعلق ایسے سوالات و جوابات درج کئے جاتے ہیں جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہو۔ ہر خریدار کامیابی چھ مہینہ میں چار سطر کا سوال اس عنوان کے ماتحت مفت درج کرا سکتا ہے، اس سے زیادہ یا بڑے اندراجات کے لئے اجرت چار آنے فی سطر کے حساب سے لیجائیگی۔

ہم تمام ناظرین کامیابی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے ضرورتمند بھائیوں کے سوالات کے جواب اگر بیان اور صحیح دے سکتے ہوں تو ضرور دیا کریں۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو مختصر (ایڈیٹر)

پہلے سوالوں کے جوابات

جواب نمبر ۷۔ جو بال قدرتی طور پر سیدھے ہوں انکو مستقل طور پر گھونگر والے کرنا بغیر کسی مشین کے مشکل ہے ذیل کے روغن کے استعمال سے کچھ روز کے لئے بال گھونگر والے ہوجاتے ہیں:۔

پانی ۱۰ حصے ۔ سپرٹ ۳ حصے ۔ بوریکس ۲ حصے

ان تمام اجزا کو آمیز کر کے کسی قسم کی خوشبو حسب ضرورت ملائی جائے اور عام تیلوں کی طرح استعمال کیا جائے۔ (محمود احمد از کلکتہ)

جواب نمبر ۸۔ شیشے صاف کرنے کا مصالحہ حسب ذیل اجزا سے تیار ہوسکتا ہے:۔

الکحل ۲ حصے ۔ امونیا ایک حصہ ۔ پانی پندرہ حصے

ان سب کو ملا کر شیشہ پر آہستہ آہستہ ملا جائے۔ شیشہ کی ہر چیز صاف ہوجائے گی۔ (محمود احمد از کلکتہ)

جواب نمبر ۹۔ مرض پائیوریا کے لئے دانت نکلوانا مفید ضرور ثابت ہوا ہے۔ مگر تندرست آدمی کا کام نہیں کیونکہ تکلیف بہت ہوتی ہے۔ آسان علاج یہ ہے اور میرا اپنا تجربہ ہے کہ پہلے ایک مہینے تک نمک سانبھر پیسکر روزانہ دو تین انگلیاں مل لی جائیں، اس سے جراثیم دور ہو کر پیپ اور لہو کا نکلنا بند ہوجائے گا۔ پھر یہ منجن استعمال کیا جائے۔

زیابریاں ۱ ماشہ، کچلہ سوختہ ۱ عدد، مازو سوختہ ۱ عدد، پھٹکڑی بریاں ۳ ماشہ، سیاہ مرچ ۵ ادانہ، نمک سانبھر ۲ تولہ باریک پیسکر روزانہ ملا جائے۔ (عظمت علیخاں، از رامپور)

جواب نمبر ۱۱۔ سیونگ بینک یا کسی دوسرے بینک میں روپیہ جمع کر کے اس کا سود دینا مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔ جو لوگ اس سود کو تجارتی منافع کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ تجارت میں نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ اسمیں نقصان کا احتمال نہیں ہے (عظمت علیخاں، از رامپور)

بعض تجارتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں اگر نقصان ہو تو اس نقصان کے پورا کر دینے کی حکومت وقت ذمہ دار ہوجاتی ہے جیسے کہ ریاست حضور نظام کی ریلوے کمپنی جسکے نام کے ساتھ گرنٹیڈ لکھا جاتا ہے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کمپنی مذکور کو کبھی نقصان ہو تو ریاست اپنے خزانہ سے اس نقصان کی تلافی کر دے گی۔ ریلوے کمپنی کے نفع کو کوئی سود نہیں کہتا، تعجب ہے کہ سیونگ بینکوں کے نفع کو جو منی آرڈر کے روپوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجرت یعنی منی آرڈروں کی فیس میں سے ادا کیا جاتا ہے کیونکر سود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر سیونگ بینکوں کا نفع سود ہے تو منی آرڈروں کی فیس سود کیوں نہیں ہے۔ کیا صرف اس وجہ سے کہ منی آرڈر کی فیس دینی پڑتی ہے اور سیونگ بینکوں کا نفع ملتا آتا ہے۔ (کامیابی)

نئے سوالات

نفقی مسائل کے متعلق لوگ سوالات زیادہ بھیجتے ہیں کامیابی ان سوالات کے لئے موزوں نہیں ہے، ایسے سوالات اُن پرچوں کو بھیجے جاہئیں جو فقہ کے مستند علماء اور مفتیوں کے زیر اثر نکل رہے ہیں ہمیں افسوس ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے مذہبی مسئلوں کے متعلق سوالات کے درج کرنے سے قاصر ہیں، البتہ جن سوالات کا تعلق مذہب کے اصولی مسائل سے ہوگا ان کو درج کر دیا کرینگے۔

کامیابی میں جو سوالات درج ہونے کے لئے بھیجے جائیں انکے متعلق اس کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہئے کہ وہ ایسے نہ ہوں جن کے جوابات سے کامیابی کے اکثر ناظرین کوئی دلچسپی نہ لے سکیں۔

سوال ۱۴۔ میں مبلغ آٹھ سو روپئے سے کسی قسم کی دوکان کرنا چاہتا ہوں۔ کس چیز کی دوکان کروں کہ کافی کامیابی ہو۔ (امیر احمد خاں رامپور)

جب تک آپکے اور جس جگہ آپ دوکان کرنا چاہتے ہیں وہاں کے حالات نہ معلوم ہوں آپکو کوئی مفید مشورہ مشکل سے دیا جاسکتا ہے۔ (کامیابی)

سوال ۱۵۔ ایسی معتبر دوکانوں اور کارخانوں کے پتے مطلوب ہیں جن سے گولیاں بنانے کی مشین مل سکتی ہوں اور کانچ کی شیشیاں حسب فرمائش تیار کرائی جاسکتی ہوں۔ کوئی صاحب براہ عنایت یہ بھی تحریر فرمائیں کہ گولیاں بنانے کی مشین سے کم سے کم کس وزن تک کی گولیاں بن سکتی ہیں۔ (الحکیم اعجاز الحق)

سوال ۱۶۔ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ دہلوی نے تصوف پر فارسی میں ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام اُم الکتاب ہے، اس کتاب کی مجھے ضرورت ہے، اگر کوئی صاحب قیمتاً یا مستعار دے سکیں تو مطلع فرمائیں (احسان الحق، دفتر کامیابی دہلی)

سوال ۱۷۔ حسب ذیل کتب عربی کا اردو میں ترجمہ ہوا ہے یا نہیں؟ ہوا ہے تو کہاں سے مل سکتا ہے:۔
(۱) تفسیر بیضاوی۔ (۲) تفسیر مرتبہ علامہ سید رشید رضا مصری، (۳) تفسیر روح البیان۔
(محمد شریف، از علیگڈھ)

سوال ۱۸۔ نقلیں چھاپنے کے جو پریس طلسمی پریس وغیرہ کے ناموں سے آجکل عام طور پر فروخت ہو رہے ہیں کیا کوئی صاحب براہ کرم اُنکے بنانے کی ترکیب اور مصالحہ سے مطلع فرمائینگے۔ (مرزا فرخ، کانپور)

سوال ۱۹۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ انڈے گندے تو نہیں ہیں، سب سے صحیح طریقہ کیا ہے اور انڈوں کو گندے ہونے سے محفوظ رکھنے کی سب سے بہتر تدبیر کیا ہے۔ (مہربان علی خاں، پٹنہ)

سوال ۲۰۔ کپڑوں کی دھلائی کا کارخانہ جاری کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی صاحب جو تجربہ رکھتے ہوں مطلع فرمائیں کہ اس کام کے لئے کتنا سرمایہ چاہئے اور اسکے متعلق اور تمام ضروری حالات بھی لکھیں۔
(شیر احمد، ملتان)

سوال ۲۱۔ مجھ کو بیس پچیس برس سے خونی بواسیر کی شکایت ہے، سنا ہے کہ کلکتہ میں کوئی مدراسی ڈاکٹر بغیر اپریشن کے بواسیر کا علاج نہایت کامیابی سے کرتے ہیں، اگر کلکتہ کے کسی صاحب کو ان کا تجربہ ہو تو براہ عنایت مطلع فرمائیں۔ (وزیر محمد، از میرٹھ)

سوال ۲۲۔ میرٹھ میں ایک مشہور مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے، ان کی مندرجہ ذیل کتابیں مجھ کو چاہئیں کہاں سے ملیں گی۔ میرٹھ کئی خط لکھ چکا ہوں مگر

سے کوئی جواب نہیں آیا۔

نوٹ ایمان سلسبیل، راحت انقلوب، بہار جنت، مظہر الحق۔ (نور محمد، از سورت)

سوال ۲۳ - اگر کوئی شخص ہمیشہ نزلہ میں مبتلا رہتا ہو اور اسکو اندیشہ ہو کہ کہیں اسکی آنکھوں میں پانی نہ اتر آئے تو اسکو کونسا سرمہ استعمال کرنا چاہئے (اشتہاری سرموں کے نام لکھنے کی ضرورت نہیں ہے) (محمد احمد خان، الیر کوٹلہ)

سوال ۲۴ - سنا ہے کہ ہومیوپیتھک ڈاکٹری کی سند امریکہ سے ان لوگوں کو بھی دیجاتی ہے جو پرائیویٹ طور سے امتحان دیتے ہیں۔ کیا کوئی صاحب بتائینگے کہ اس امتحان کے قواعد اور اس کا نصاب تعلیم کیا ہے اور ان امور کے متعلق کس سے خط و کتابت کی جائے۔ (علی اختر، از مرزاپور)

سوال ۲۵ - چھتریوں کے مختلف اجزا یعنی موٹھ، ڈنڈی، کمانی اور کپڑا وغیرہ ولایت سے الگ الگ آتے ہیں، براہ عنایت کوئی صاحب کسی ایسی معتبر فرم کا نام لکھیں جس سے یہ چیزیں کفایت سے مل سکیں اگر کئی فرموں کے نام تحریر کردئے جائیں تو بہتر ہے۔ (منور حسین، از آرہ)

سوال ۲۶ - میں بدقسمتی سے ایسے مخفی عارضوں میں مبتلا ہوں جن کو تحریر میں نہیں لاسکتی، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کے مشہور طبیبوں اور ڈاکٹروں کا علاج کرچکا ہوں اور اشتہاری دواؤں پر اپنی بساط سے زیادہ رقم اٹھا چکا ہوں لیکن نفع نہیں ہوتا۔ کوئی صاحب للہ کسی ایسے تجربہ کار اور دیانتدار طبیب کا پتہ بتائیں جن پر ان کو بھروسہ ہو کہ وہ میرے عوارض کا علاج کرسکینگے۔ مشہور اور اشتہاری طبیبوں کا علاج میں بہت کرچکا ہوں۔ (صبغتہ اللہ، اجمیر)

(اس سوال کے جواب میں اشتہاری جوابات شائع نہیں کئے جائینگے، کامیابی)

سوال ۲۷ - میری لڑکی کو دق ہوگئی ہے مگر خدا کے فضل سے ابھی مرض زیادہ نہیں بڑھا ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ میں اس کو مارچ کے شروع میں لوڑہ یا کسی اور ایسے پہاڑ پر لے جاؤں جہاں دق کے مریضوں کا اسپتال ہو۔ از راہ ہمدردی کوئی صاحب تکلیف گوارا کرکے مطلع کریں کہ کس پہاڑ پر لے جانے میں خرچ کم ہوگا، اور آسائش زیادہ ملے گی، اور اسپتال کے قاعدوں سے بھی آگاہ کریں۔ (سعید الدین، آپیٹہ)

سوال ۲۸ - زندگی اور آگ کے بیمہ کے متعلق آپکا کیا خیال ہے مسلمانوں کو کرانا چاہئے یا نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شرعاً ناجائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا جوا ہے۔

جواب - فقہ کی رو سے ممکن ہے کہ بیمہ ناجائز ہو مگر اسلام کی رو سے ہمارے نزدیک آجکل کے مسلمانوں کے لئے اپنی زندگیوں کا بیمہ کرانا نہ صرف جائز بلکہ نہایت ضروری ہے۔ بیمہ کو جوا کہنا بالکل غلط ہے۔ (کامیابی)

سوال ۲۹ - کیا کوئی ایسا قانون بھی ہے کہ اگر کوئی وکیل مقدمہ کی پیشی کے وقت عدالت میں پیروی کے لئے نہ پہنچے تو اس کا موکل اُس سے خود کوئی چارہ جوئی کرسکے۔ (محمد اسحاق، دہلی)

سوال ۳۰ - علم منطق پر اردو میں سب سے بہتر کونسی کتاب ہے؟ (ریاست علی، بلند شہر)

جواب - عرصہ ہوا ایک کتاب خزینۃ المنطق ہماری نظر سے گزری تھی جو ہمیں بہت جامع معلوم ہوتی تھی خبر نہیں وہ اب ملتی ہے یا نہیں۔ موجودہ کتابوں میں الاستدلال اور مبادی الحکمت گو مختصر ہیں مگر اپنے اپنے رنگ میں اچھی ہیں۔ (کامیابی)

سوال ۳۱ - مجھے لفافہ بنانے کی مشین کی ضرورت ہے۔ مہربانی فرماکر مطلع فرمائے کہ کہاں کہ مل سکتی ہے۔ (عبدالکریم، گوڑگاؤں)

جواب - مندرجہ ذیل پتہ سے منگا لیجئے
"جان ڈکسن اینڈ کو۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۵۔ کلکتہ" (کامیابی)

سوال ۳۲ - جرمنی میں اردو ٹائپ رائٹر مشین تیار ہوگئی ہے۔ سنا ہے کہ وہ عمدہ پائدار اور سستی ہے لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے کسی شہر میں اس کی ایجنسی قائم ہوگئی ہے یا نہیں اور قائم ہوگئی ہے تو کس کس مقام پر۔ (راحت حسین، سرگودھا)

سوال ۳۳ - میں اردو شاعرہ خواتین کا ایک تذکرہ مرتب کر رہا ہوں، اس سلسلہ میں مستند اور وسیع ترین کتابوں کے نام اور انکے ملنے کے پتے دریافت طلب ہیں۔ اگر قلمی تذکرے کہیں سے دستیاب ہوسکیں تو زیادہ بہتر ہو۔ (اکبر علیخاں، کانپور)

سوال ۳۴ - آجکل ہندوستان کے ہر شہر سے اردو رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ میں اس کی نسبت اطلاع چاہتا ہوں کہ علمی ادبی حیثیت سے واقعی طور پر کن کن رسائل کو مستند اور بلند پایہ شمار کیا جائے (نوازش علی، چاندپور)

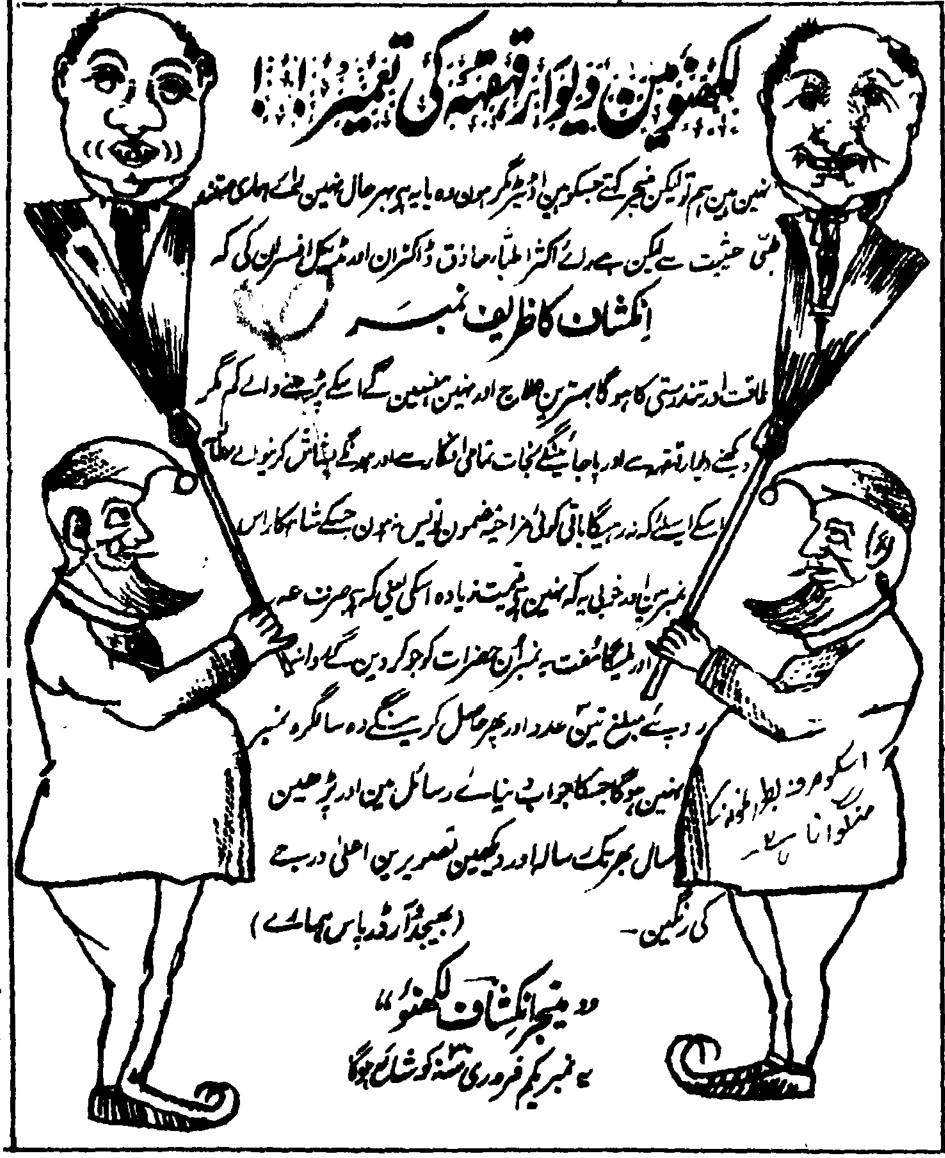
سوال ۳۵ - میرا خیال ہے کہ اپنے قصبہ میں ایک ڈاری فارم قائم کروں۔ کیا آپ بتائینگے کہ کن اصول پر چلایا جائے کہ فائدہ کا اطمینان ہو۔ (عنایت احمد، حسن پور ضلع مرادآباد)

سوال ۳۶ - آجکل قرض روپیہ تقسیم کرنے والی کمپنیاں ہندوستان میں کثرت سے قائم ہوئی ہیں۔ ان کا کس حد تک اعتبار کیا جاسکتا ہے اور انکے قیام کا اصل منشا کیا ہے۔ (احمد حسن، مرادآباد)

صورت اور وضع کی یکسانیت

کیا کبھی آپنے اس بات پر غور کیا ہو کہ جب ایک سی صورت کی بہت سی چیزیں، یا ایک سی وضع کے بہت سے انسان آپ کو کسی ایک جگہ پر جمع نظر آتے ہیں تو خواہ مخواہ بھی یہ منظر آپ کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہو، اور آپکا دل اس نظارہ سے کسی نہ کسی طریق پر ضرور ہی متاثر ہوتا ہو، ایک ہی قسم کے پھولوں کی ایک پوری کیاری ہمیشہ اس کیاری کی بہ نسبت زیادہ جاذب نظر اور جاذب توجہ ہوتی ہو جسمیں بہت ہی مختلف قسموں کے دو دو چار چار پھول کھلے ہوں۔ ہرنوں کی ایک پوری ڈار کھیت کی طرف جاتی ہوئی بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہو لیکن اگر اسی کے ساتھ کچھ بیل کچھ بکریاں اور کچھ بھیڑیں شامل ہوجائیں تو وہ خوبی ہرگز باقی رہے گی۔

سپاہی جب اپنی فوجی وردی پہنے ہوئے چار چار کی قطار میں قدم سے قدم ملائے بوٹوں سے سڑک کو کوٹتے ہوئے گذرتے ہیں تو ہر شخص کا دل ان کی طرف کھنچتا ہو، اور کوئی خشک دماغ فلاسفر بھی یکایک اپنی نظریں انکی جانب سے نہیں ہٹا سکتا۔ فوجی سپاہیوں میں باہم بہت زیادہ یکسانیت ہوتی ہو۔ ایک سی ٹوپیاں یا صافے ایک سے کوٹ، ایک سی پتلونیں یا جانگھیے ایک سی پٹیاں، ایک سے بوٹ، تقریباً ایک سی عمریں، اور قریب قریب ایک ہی سے قد، اور بالکل ایک سامان حرب اور اسلحہ، غرض کہ شکل و صورت کے سوا باقی تمام باتیں یکساں ہوتی ہیں اسی لئے انھیں دیکھنا ہمارے لئے بیحد دلچسپ ہوتا ہو، اور اکثر اوقات ہمارا اپنا دل ہمت و شجاعت کے جذبات سے لبریز ہوجاتا ہے اور ہاتھ تلوار کے قبضہ کو کمر میں ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اگر اس قدر زیادہ مشابہت اور یکسانیت نہ ہو تب بھی ایک سی وضع کے اگر بہت سے آدمی کسی ایک جگہ نظر آجاتے ہیں تو ہمارا دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جن قوموں میں وضع و لباس کی یکسانیت موجود ہو انکے افراد کا وقار خواہ مخواہ بھی دوسرے کے دلوں میں پیدا ہوجاتا ہو۔ ہندوستان میں پارسیوں کی وضع اور لباس یکساں ہوتا ہو، اور کون نہیں جانتا کہ ہندوستانی ہونے کے باوجود ان کی عزت ہمارے دلوں میں خود بخود کچھ اس قسم کی قائم ہوگئی ہو کہ گویا وہ اس سرزمین کے باشندوں سے بالاتر کوئی چیز ہیں۔ گروہ خواہ انسانوں کا ہو یا حیوانوں کا اگر اسمیں اتحاد خیال، اور اتحاد عمل موجود ہو تو ناممکن ہو کہ ہمارا دل اس گروہ سے مرعوب نہ ہو۔ جب کسی گروہ یا جماعت کو ہم دیکھتے ہیں کہ اسکے افراد اپنا ظاہری وضع یکساں رکھتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس گروہ میں اتحاد خیال موجود ہو، اور اب اگر اس گروہ کا ایک فرد بھی ہمیں کہیں نظر آتا ہو تو ہمارا دل اس اتفاق اور اتحاد کا نظارہ ہمارے سامنے پیش کردیتا ہو جو اس قوم میں موجود ہو، اور ہم اس ایک فرد کی شخصیت سے بھی اسی حد تک



مرعوب ہوجاتے ہیں کہ جس حد تک اسکی پوری جماعت سے مرعوب تھے۔

وضع کی یکسانیت آپس میں اتفاق اور یکجہتی کو بھی زیادہ کرتی ہے۔ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ جب کسی نئی محفل میں جاتا ہے تو خود بخود اور بالکل غیر اختیاری طور پر اسی سمت کو کھنچا چلا جاتا ہے کہ جدھر اپنے ہم وضع کچھ لوگ اور بیٹھے ہوں، ان لوگوں میں ممکن ہے کہ کسی ایک سے بھی اس کی جان پہچان نہ ہو۔ لیکن اس کا دل ان کی ظاہری وضع دیکھ کر یہ اطمینان کر لیتا ہے کہ یہ میرے ہم خیال ضرور ہیں اسی لئے ان کی طرف کو جھک جاتا ہے۔ پنجابی بالعموم صافہ باندھتے ہیں اور ایک خاص طرز کا باندھتے ہیں، اگر کسی جگہ ایک ٹوپی اوڑھنے والے اور ایک صافہ والے میں جھگڑا ہو رہا ہو تو ایک پنجابی کی ہمدردی حالات معلوم کئے بغیر پہلے ہی سے اس شخص کے ساتھ ہوگی جس کے سر پر صافہ ہو خواہ اس سے کسی قسم کی شناسائی ہو یا نہ ہو۔ دو ہندوستانیوں کو باہم لڑتے دیکھ کر ایک گورا اگر مدد کرنے پر آمادہ ہوگا تو اس کی کہ جس کے جسم پر انگریزی وضع کا کوٹ اور ٹانگوں میں پتلون یا جانگیا ہو۔ بالکل بھدی اور مضحکہ انگیز وضع بھی اچھی خاصی خوبصورت اور خوشنما بن جاتی ہے جب سب آدمی اسی وضع میں نظر آئیں اور اسی بناء پر انگریز مردوں کی نگاہوں نے عورتوں کے ترشے ہوئے بالوں کو گوارا کر لیا کہ اب جس طرف نگاہ اٹھتی ہے گیسو بریدہ ہی گیسو بریدہ عورتیں نظر آتی ہیں۔

مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ کا لباس آجکل کے ذوق بد رنگی کو دیکھتے ہوئے ممکن ہے کہ بہت خوشنما نہ معلوم ہو لیکن بہرحال وہ خوشنما تھا یا بدنما، جب تک یک رنگی لباس رہا اس وقت تک مسلمان کسی سے مغلوب نہ ہوئے اور جہاں کہیں بھی گئے اپنی قوم کی عزت و وقعت لوگوں کے دلوں میں قائم کر دی۔ جب لباس کی یک رنگی دور ہوئی اور ہمارا کوئی خاص قومی لباس نہ رہا اسی وقت سے یہ بات بھی جاتی رہی کہ ہمیں دیکھتے ہی لوگ ہماری عزت کرنے پر مجبور ہو جائیں، اور اسی روز سے یہ ہماری خوبی بھی زائل ہوگئی کہ ہر فرد قوم کے درد پر تمام قوم آنسو بہائے۔

آج ہمارا کوئی قومی لباس نہیں ہے، اگر سو آدمی ایک جگہ کھڑے ہوں تو بمشکل دو دو یا تین تین ایسے نکلیں گے جن کے لباس باہم کوئی مشابہت رکھتے ہوں ورنہ ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی چننے کی کوشش کرتا ہے، اور اسی کو اپنے لئے باعث فخر خیال کرتا ہے کہ دوسرے بھائیوں سے اس کی وضع و قطع ممتاز اور الگ ہو۔ اس امتیاز کے لئے کوئی انگریزی وضع اختیار کر کے زعم خود ہم سے اسقدر الگ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ ہندوستان کا باشندہ ہی نہیں ہے کوئی عربی جبہ اور عبا زیب بر اور زیب سر کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ ارض پاک حجاز کا ہے۔ عربی جبہ و قبا کو انگریزی کوٹ اور ہیٹ سے نفرت ہوتی ہے، انگریزی کالر اور نکٹائی پتلون اور صافہ کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اور صرف کرتے اور پاجامے میں بسر کرنے والا غریب ملا ان دونوں سے ڈرتا اور دور رہتا ہے۔ اختلاف وضع و لباس نے ہم آپس میں ایک دوسرے سے اسقدر دور کر دیا ہے کہ کسی ایک کو کسی دوسرے سے ہمدردی نہیں ہے، اور اس طرح قوم کا شیرازہ کچھ اس بری طرح منتشر ہوا ہے کہ پھر اسکے جمع ہونے کا امکان بہت ہی کم باقی رہ گیا ہے۔

ہمیں نہ کسی کے کوٹ پتلون پر اعتراض ہے اور نہ جبہ و عمامہ پر لیکن یہ ضرور عرض کرنا چاہتے ہیں کہ خدا کے لئے جو کچھ بھی پہنئے وہ کم از کم ایسا لباس ہو کہ جس سے ڈاکٹر اور آپ سے دیندار بھائی دونوں کو ایسی وضع اختیار کیجئے کہ ہم غریب لوگ بھی اس سے ملتے جلتے کچھ ایسے کپڑے تو پہن سکیں کہ آپ ہمیں حقیر اور ذلیل سمجھ کر ہم سے نفرت نہ کیا کریں۔

قومی لباس کی ضرورت آج سب سے زیادہ ہم مسلمانوں کو ہے جو بدقسمتی سے کسی ایک وضع کو بھی اپنی نہیں کہہ سکتے۔ چہرے پر لمبی لمبی داڑھیاں ابھی چند روز پیشتر تک مسلمانوں کی خالص اسلامی وضع میں داخل تھیں لیکن اب تو "شیور" اور "کرابیہ" اور "جلیٹ" کی دستبرد نے انھیں بھی ہمارے چہروں پر نہ چھوڑا، اور اب واقعی یہ بتانا بہت ہی مشکل ہے کہ داڑھی منڈانا مسلمانوں کی وضع ہے یا داڑھی رکھنا، کسی قوم میں آپس کی ہمدردی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک کہ تمام افراد قوم کی وضع ایک نہ ہو، اور کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اسکے افراد میں باہم رشتۂ اخوت قائم نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں کیا زعماء اور علماء شاردا ایکٹ جیسی غیر ضروری "معرکہ" فتنوں کو چھوڑ کر اس بالکل "غیر اہم" چیز کی طرف توجہ فرمانے کی تکلیف گوارا کرینگے؟ کیا کسی طرح یہ ممکن ہے کہ نئی اور پرانی روشنی کے بزرگان قوم کسی جگہ سر سے سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور تمام قوم کے لئے ایک مناسب حال وضع اختراع کر دیں؟ یقین کیجئے کہ یہ ابداع ایک بدعت حسنہ ہوگی۔

(سعید احمد)

اعلان انعام

"کامیابی" کے پہلے پرچہ میں اس بات کا اعلان کیا گیا تھا کہ مندرجہ ذیل عنوان پر جو صاحب "کامیابی" کے لئے بہترین مضمون تحریر فرمائینگے ان کی خدمت میں رسالہ کی جانب سے مبلغ ۲۵ روپیہ کا ایک انعام پیش کیا جائے گا۔ "انگریز حاکم اور ہندوستانی محکوم کیوں ہیں"۔

اس مضمون پر اکثر اصحاب نے طبع آزمائی کی، اور ہمارے پاس کئی مضمون ایسے آئے کہ جنھیں اچھا کہا جا سکتا ہے، ان پسندیدہ مضامین میں سے بعض اس و بیشتر کی اشاعتوں میں ہدیۂ قارئین کئے بھی جا چکے ہیں۔ ہمیں دلی مسرت ہے کہ ادیبوں کی اس کمیٹی نے جس کی سپرد یہ کام کیا گیا تھا جناب ماسٹر شفیع الدین صاحب ہیڈ ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول دہلی کے مضمون کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ وصول شدہ مضامین میں سب سے بہتر ہے اور سفارش کی ہے کہ موعودہ انعام ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

یہ مضمون اکتوبر ۱۹۲۹ء کے "کامیابی" میں نکل چکا ہے۔ (ایڈیٹر)

"یوکلپٹس آئل"

(از جناب عشرت علیخاں صاحب، عشرت رحمسانی اندبلی)

یوکلپٹس آئل، اس زمانہ میں ہماری بہت سی ضروریات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ تیل یوکلپٹس کے درخت کی نوکیلی پتیوں سے نکالتے ہیں اور نیلگری کے ضلع میں بڑی افراط سے تیار کیا جاتا ہے۔ یوکلپٹس کے درختوں کے بڑے بڑے بن پہاڑیوں پر پائے جاتے ہیں جن کی لکڑی کا شکار مدتیں کے کام میں لاتے ہیں اور تیل نکالنے کے قابل پیڑ الگ کر لئے جاتے ہیں۔ اس ضلع میں قریب قریب ایک سو بھٹیاں تیل نکالنے کے لئے ہیں۔

یہ تیل شفاخانوں میں دواؤں کے کام آتا ہے اور جیتنوں میں پرول کا رنگ صاف کرنے کے لئے بھی ڈالا جاتا ہے کثرت سے شمالی ہند اور دوسرے مقامات پر فروخت کے لئے جاتا ہے۔ یوکلپٹس آئل نکالنے کا سانچہ عموماً چار فٹ اونچا اور ڈھائی فٹ کے قطر کا ہوتا ہے جس تانبے کی پیندی تلے میں لگی ہوتی ہیں اور لوہے کی چادر کے کنارے ہوتے ہیں۔

سانچہ کی تلی پر لوہے کی ایک پلیٹ لگی ہوتی ہے جس میں آر پار سوراخ ہوتے ہیں، اسپر پتیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ بھاپ کا اثر ان پر الگ نہ ہو سولہ سترہ سال تک کے پرانے درختوں کی پتیاں اس کام کے لئے نئے اور کچے درختوں کے مقابلہ میں زیادہ کارآمد سمجھی جاتی ہیں۔

ان پتیوں کو درختوں سے توڑنے کے بعد کم از کم تین دن تک سکھایا جاتا ہے اسکے بعد ان کا تیل نکلتا ہے، سایہ میں خشک کی ہوئی پتیوں سے تیل بہت زیادہ نکلتا ہے۔ پہلے سانچہ میں پانی بھر دیا جاتا ہے۔ اور سوراخ والی پلیٹ پر تیل نکالنے کے لائق پتیاں رکھ دی جاتی ہیں۔ اب سانچہ کا ڈھکن مضبوطی سے بند کر دیا جاتا ہے اور ایک نل کے ذریعہ سے اندر کی بھاپ نکلنے دیتے ہیں، اگر بھاپ پہلے ٹھنڈے پانی سے گذرتی ہے۔ اس گاڑھی بھاپ میں ایک بڑا جزو پانی کا ملا ہوتا ہے۔

تیل ہلکا ہونے کی وجہ سے سطح پر آجاتا ہے اور پانی سوراخ کے ذریعہ سے برتن کی تلی میں پہنچ جاتا ہے۔ تقریباً آٹھ گھنٹے تک حرارت کے ذریعہ سے جوش کو جاری رکھنا ہوتا ہے، سانچہ میں پانی اسی مقدار میں باقی رہ جاتا ہے جسقدر بھاپ بنکر اڑتا ہے۔

یہ تیل ابھی اس صورت میں کام کے قابل نہیں ہوتا بلکہ اسمیں ½ حصہ پانی اور تھوڑی مقدار میں "کاسٹک سوڈا"، ملاتے ہیں۔ اس آمیزش کے بعد اسی قسم کے، مس سے کسی قدر چھوٹے سانچہ میں تیل پھر کشید کیا جاتا ہے، اور اب یہ تمام ملاوٹوں سے صاف ہو جاتا ہے۔

ایک سانچہ میں اوسطاً ۸۰۰ پونڈ پتیاں اور ۳۶ گیلن پانی آسکتا ہے، ان ۸۰۰ پونڈ پتیوں سے اندازاً ۹۶ اونس خالص تیل تیار ہوتا ہے۔ اس کام کی بدولت بھی بہت سی مخلوق کا پیٹ پلتا ہے۔ اور خود تیل بھی بیشمار لوگوں کی ضرورتوں میں کام آتا ہے۔

دو عورتیں ایک دن میں ایک سانچے کے لئے کافی پتیاں جمع کر سکتی ہیں جن کو سات آنے فی کس مزدوری ملتی ہے۔ ان کی ڈھلائی (گاڑیوں کے ذریعہ) آٹھ آنے سے ایک روپیہ تک ہوتی ہے۔ جسقدر زیادہ فاصلہ پر کارخانہ ہوتا ہے اسی قدر ڈھلائی کی مزدوری بھی زیادہ ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک گاڑی میں بارہ سو سے سولہ سو پونڈ تک پتیاں لادی جا سکتی ہیں سانچوں یا مشینوں سے بچی ہوئی خراب پتیاں خشک کرنے کے بعد ایندھن کے کام آتی ہیں۔ اکثر مفت ہی لوگ اٹھا کرلے جاتے ہیں اور کبھی قیمت بھی دینا پڑتی ہے۔

جس مقام پر یہ سانچے لگا کر کارخانہ قایم کیا جاتا ہے۔ مالک کارخانہ اس زمین کا دس روپیہ سالانہ کرایہ سرکار کو ادا کرتا ہے۔

ایک سانچے کی لاگت اسکے تمام لوازمات اور ضروری سامان کو شامل کرکے ایک سو بیس روپیہ کے قریب ہوتی ہے، اور بیس تولہ تیل کی تیاری کا خرچ حسب ذیل ہے۔

	روپیہ	آنہ	پائی
۶۰ پونڈ پتیاں۔	۰	۱۴	۰
پتیوں کے بٹورنے کی مزدوری	۱	۱۴	۰
گاڑی کا کرایہ۔	-	۸	۰
ایک مزدور کی ایک دن کی مزدوری	۱	۰	۰
تین خالی بوتلیں۔	۰	۶	۰
آمدنی کا سود۔	۰	-	۶
متفرق مصارف۔	۰	۱	۶
کل	۲	۱۰	۰

یہ لاگت کا اندازہ ہے، اب اسکی آمدنی دیکھنا چاہئے۔ ایک تولہ تیل کی قیمت ۱۲؍ سے دو روپیہ تک ہے، اب تین بوتلوں کی قیمت چھ روپیہ تک ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ اس تیل کی تجارت کسقدر نفع بخش ہے، اور مزدور پیشہ لوگوں کا پیٹ بھی اس کی بدولت پلتا ہے (ماخوذ)

اہل علم کی مشکلات دور ہوگئیں

"کتابیں جوانی میں ذریعۂ نشو و نما ہیں، پیری میں راحت، خوشحالی میں زینت، مصیبت میں پناہ و تسکین، گھر کے اندر مسرت اور باہر تفریح" (سسرو)

حقیقت یہ ہے کہ کتابیں انسان کی رہبری اور اصلاح کی اس حد تک ضامن ہیں کہ ان کو کوئی خاموش دوست یا انیس نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ ہر کتاب اس کلیہ کے ماتحت نہیں ہو سکتی اور بعض کتابیں اس قسم کی بھی موجود ہیں جو اسکے برعکس صد درجہ مضرت رساں ہیں، یہ مضرت رساں کتابیں واقعی طور پر کتاب کے مقدس نام کو بدنام ہی نہیں کرتیں، بلکہ وہ کتاب کہلانے کی مستحق ہی نہیں، "کتاب" اصل میں وہ شے کامل ہے جو مندرجہ بالا تعریف میں واجب ہو ورنہ کاغذ پر لکیریں بنا دینے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ آجکل عوام الناس کی کم سوادی اور علم تاجران کتب کی بے علمی کے ساتھ لالچ نے اس قسم کی بیشمار کتابیں بازار میں بھر دی ہیں جو کبھی کتاب کے مبارک نام سے موسوم کرنے کے قابل نہیں،

اس ذلیل لٹریچر نے ملک کا مذاق صد درجہ بگاڑ رکھا ہے اور سمجھدار لوگ اب عام تاجروں کی اشتہارات سے اس درجہ بدظن ہوگئے ہیں کہ وہ کسی اچھی کتاب کے اشتہار کو بھی انھیں فضولیات میں شمار کرتے ہیں۔

حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ نے ان مشکلات کا اندازہ کرکے اس کا معقول انتظام کیا ہے کہ اپنے تجارتی کتبخانہ میں صرف بہترین اور قابل دید کتابوں کو ہی شامل کیا جائے اور ہر کتاب کی صحیح صحیح حقیقت اشتہار میں بغیر کسی طوالت اور فضول مقدمہ کے درج کردی جائے۔

کمپنی ہذا کے تجارتی کتبخانہ سے ملک کے تمام برگزیدہ ارباب علم و فضل اور اردو مصنفین کی کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں، اور ہر ذوق اور ہر فن کی اردو کتابیں کافی اطمینان کر لینے کے بعد فراہم کیجاتی ہیں۔

محصول ڈاک کی بہت کفایت رہیگی

اگر آپ الگ الگ جگہ سے کتابیں خرید ینگے، اور کمپنی ہذا میں چونکہ تمام مشاہیر ملک کی کتابیں مل سکتی ہیں… جب کبھی آپ کو اردو کے کسی مشہور مصنف کی کتاب کی ضرورت ہو تو فوراً کمپنی ہذا سے طلب فرمائیے… ان کی اس مشترکہ لمیٹڈ کمپنی کو ہر لحاظ سے کامیاب بنانا اور فروغ دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

نیازمندان، حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

تین بہترین مذہبی کتابیں

مذہب اسلام کے احکام کی حقیقت اور اصلیت کو جس قدر صاف اور سلیس طرز پر ان تین کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اسکی مثال اردو ادب میں آپکو کہیں نہ مل سکیگی، شگفتگی بیان کے لئے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ وہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب ایڈیٹر کامیابی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

اسلام اور عورت۔ قیمت ۱۰ آنے — اسلام اور عبادت قیمت ۸ آنے — اسلام اور مذہب قیمت ۱۲ آنے

ملنے کا پتہ، حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

"بالکل مفت!"

"کامیابی کے دفتر سے ایک علمی گلدستہ!"

ماہوار رسالہ "تبصرہ" جنوری ۱۹۳۰ء کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوگا۔ اسکے پہلے پرچہ میں علاوہ اور دلچسپ مضامین کے سنہ ۱۹۳۰ء کے لئے ایک نہایت مفید اور مکمل جنتری بھی ہوگی، جو ارباب ذوق مندرجہ ذیل عبارت فوراً لکھ کر ہمکو بھیجدینگے اُنکے نام یہ رسالہ بالکل مفت جاری کردیا جائیگا۔

"مجھ کو اچھی کتابیں پڑھنے اور خریدنے کا شوق ہے اس لئے اگر آپ اپنا ماہوار رسالہ تبصرہ میرے نام مفت جاری کردینگے تو یقیناً نقصان میں نہیں رہینگے۔" پورا نام اور پتہ ……………

المشتہر، منیجر رسالہ کامیابی و تبصرہ، دہلی

چمنستان امرتسر کا عدیم النظیر
سالنامہ ۱۹۳۰ء

بڑے سائز کے ڈیڑھ سو صفحات، دو درجن سہ رنگی رنگین تصاویر، دبیز کاغذ، اعلیٰ لکھائی چھپائی کے ساتھ تمام تازہ (غیر مطبوعہ)، دلکش گلکاری مضامین اپنے پُر وسعت دامن میں لئے نوری زینت آفرین گئی ہے ۱۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا۔ سالنامہ ملک کے نامور اور مسلم الثبوت فسانہ نگاروں، حساز ادیبوں، شہرۂ آفاق شاعروں کے لاجواب علمی، ادبی، اخلاقی، تاریخی، اور اصلاحی مضامین، بہترین افسانوں، کیف آور غزلوں، بصیرت افروز نظموں اور دلچسپ ڈراموں کا ایک سدا بہار گلدستہ ہوگا۔ قیمت برائے نام صرف ۸ر (آٹھ آنے)

چمنستان امرتسر سنہ ۱۹۳۰ء کے پورے پچاس صفحات پر باتصویر ماہوار شایع ہوتا ہے۔ ہر مہینے بلند پایہ شاہکار، دلکش افسانے، دلچسپ غزلیں، بہترین نظمیں اور قابل قدر علمی ادبی و اخلاقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ سالانہ چندہ صرف ۲ روپے، ششماہی ۱ روپیہ، نمونہ پرچہ ۳ر۔ سالانہ چندہ ۲ روپے مرحمت فرمانے والوں کو سالنامہ بالکل مفت ارسال ہوگا۔

پتہ۔ منیجر رسالہ "چمنستان"، چوک بجلی، امرتسر (پنجاب)

موسم سرما کی تکلیفیں اور اُن کے آسان علاج

۱۔ ہونٹ پھٹنا،

اس کے لئے آسان اور مفید ترین علاج یہ ہے کہ مندرجہ ذیل اجزاء کو حل کرکے عرق بنا لیا جائے اور روزانہ دن میں کئی بار ہونٹوں پر لگایا جائے۔

(۱) گلیسرین۔ ایک اونس،
(۲) عرق گلاب، " "
(۳) بورکس ایک ڈرام

۲۔ ہاتھوں اور پیروں کا پھٹنا۔

مندرجہ ذیل مرہم ہاتھوں اور پیروں کی اس کیفیت کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے جو سردی کے موسم میں بالعموم رونما ہو جاتی ہے۔

سفید ویسلین، ایک آونس، بورک ایسڈ، ایک ڈرام۔ حسب پسند کوئی خوشبو، چند قطرے چھری سے ان تینوں چیزوں کو کسی صاف پلیٹ میں باہم ملا کر مرہم بنالیں اور روزانہ صبح و شام پھٹے ہوئے مقامات پر لگا لیا کریں۔

کتابوں کی قیمتیں

ملک کے حل طلب اقتصادی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ اردو فارسی اور عربی کتابوں کی قیمتیں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں اور اس زیادتی قیمت سے نہ تو کتاب بیچنے والوں کو نفع پہونچتا ہے اور نہ کتاب خریدنے والوں کو۔ کتابوں کی قیمتیں بڑھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض تاجران کتب کی عجلت اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے دواؤں کی طرح کتابوں کے اشتہارات پر سے بھی پبلک کا اعتماد اٹھ گیا ہے اور پہلے اگر ایک روپیہ کی لاگت کے اشتہار سے دس روپیہ کی کتابیں آسانی سے بک جاتی تھیں تو اب دو روپیہ کی کتابیں بھی مشکل سے بکتی ہیں۔ یعنی ایک روپیہ کی ایک کتاب بیچنے کے لئے ہم کو مثلاً آٹھ آنے اس کے اشتہار پر خرچ کرنے پڑتے ہیں اور آٹھ آنہ فی روپیہ کی یہ کثیر رقم جو ہم کو خرچ کرنی پڑتی ہے وہ نہ تو ہماری جیب میں آتی ہے اور نہ اس سے ہمارے گاہکوں کو کچھ نفع پہونچتا ہے، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو مستقل گاہکوں کی ایک ایسی تعداد مل جائے کہ جو نئی اور مفید کتاب ہم شائع کریں وہ شائع ہوتے ہی کم از کم اتنی تعداد میں فروخت ہو جایا کریں جس سے ہماری لاگت نکل آئے اور ہم کو اس کے اشتہار پر تین یا چار آنے فی روپیہ سے زیادہ رقم خرچ نہ کرنی پڑے، ایسے مستقل گاہکوں کے لئے اپنی کتابوں کی قیمتوں میں سوا پانچ آنے فی روپیہ کی آسانی سے رعایت کر سکتے ہیں۔

لہٰذا جو صاحبان کتب بینی کے شائق ہوں اور اتنی استطاعت رکھتے ہوں کہ اوسطاً ایک یا دو روپئے ماہوار کی کتابیں خرید سکیں وہ براہ کرم ہمارے مستقل معاونین کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرالیں اور ایک روپیہ بطور امانت پیشگی جمع کرادیں، یہ روپیہ جب واپس طلب فرمائیں گے ان کو واپس کر دیا جائے گا۔

ایک روپیہ پیشگی بھیجنے والے مستقل معاونین کے لئے کمپنی کی خاص مطبوعات پر سوا پانچ آنے فی روپیہ اور دیگر مطبوعات پر دو آنہ فی روپیہ تک کی خاص رعایت کی جائے گی اس لئے کہ جو کتابیں مستقل معاونین خریدیں گے، اُن کے اشتہارات پر ہماری لاگت بہت کم آئے گی۔ امید ہے کہ جو حضرات کتابوں کی قیمت کی زیادتی کے شاکی ہیں وہ اقتصادی مصالح کے لحاظ سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مستقل معاون بنجانے کو ترجیح دیں گے،

اگر آپ کتابوں کی تجارت کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں

تو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی کتابیں ہم سے معقول کمیشن پر خرید لیجئے، ہندوستان کے کسی مشہور مصنف کی کتابیں اتنی نہیں نکلتیں جتنی کہ حضرت خواجہ صاحب کی [illegible] دیگر آپ معقول نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ مشہور و مستند مصنفین کی کتابوں سے خواجہ صاحب کی کتابوں کا تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ لکھائی چھپائی اچھی ہو۔ [illegible]

ہمارے اشتہارات

ہم نے اب تک بھی اس کا بہت لحاظ رکھا ہے اور آئندہ خصوصیت سے خیال رکھیں گے کہ ہماری کتابوں کے اشتہارات میں کوئی بات خلاف واقعہ یا مبالغہ آمیز تحریر نہ کی جائے اور کتاب کی تعریف میں ایسا پیرایۂ بیان استعمال نہ کیا جائے جس سے اشتہار پڑھنے والوں کو دھوکہ ہو۔ اس لئے آپ ہماری کتابوں کے اشتہارات پر پورا بھروسہ کر سکتے ہیں اور آپ کے اعتماد کے ذریعہ سے چند روز میں ہم کو اس کا موقع مل سکتا ہے کہ ہم اپنی کتابوں کی قیمتوں میں کمی کر دیں۔

سُرخ جیبی کتابیں

کمپنی کے زیر اہتمام جو سُرخ جیبی کتابوں کا سلسلہ شائع ہو رہا ہے اس میں اس وقت تک مندرجہ ذیل کتب تیار ہو چکی ہیں۔ اور ہر کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے دلچسپ، عام فہم، اور اختصار کے ساتھ جامع ہے، اور عنقریب یہ سلسلہ مکمل ہو جانے کے بعد ایک مستند اور جیبی اُردو انسائیکلوپیڈیا تیار ہو جائے گی۔ اس سلسلہ کی ترتیب میں ملک کے فاضل ادبا، باعلم و ادب کی گرانقدر خدمات شریک ہیں۔

(۱) شادی سے پہلے۔ مصنفہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی۔ اڈیٹر رسالہ کامیابی، (۲) شادی کے بعد، مصنفہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب، (۳) درازی عمر، مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب سالم، (۴) احکام اسلام کی پابندی، مصنفہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ (۵) [illegible] کا اثر اولاد پر، مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب سالم۔ (۶) عورت کے تشکر، مصنفہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید، بریلوی، (۷) رباعیات رشید، مصنفہ مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی۔ (۸) میر تقی میر، مصنفہ مولانا عارف صاحب ہسوی۔

(نیازمندان، حسن نظامی الیکٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی):

(شیخ احتشام حسین گرگ ڈائرکٹر حسن نظامی الیکٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی نے [illegible] کے مطبع [illegible] دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

[illegible] واقفیت ہو جائے گی۔ [illegible]
[illegible] تصویریں بھی دی ہوئی ہیں۔ قیمت [illegible]

[illegible] اس کتاب میں فن تعبیر کو نہایت تفصیل کے ساتھ صاف اور سلیس عبارت میں سمجھایا گیا ہے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کتاب کے مطالعہ سے خوابوں کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ قیمت ۸ر

مالی پریشانیوں کا علاج اس کتاب میں تجارت، ملازمت، صنعت و حرفت وغیرہ سے روپیہ کمانے کی بہترین تدابیر بتلائی گئی ہیں۔ تمام تدابیر نہایت آسان اور عملی ہیں۔ روپیہ کمانے اور محفوظ رکھنے کی کسی چھوٹی بڑی صورت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ہر شخص اس کتاب کے مطالعہ سے افلاس کی مصیبت سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ قیمت عہ

طبی کتابیں

حمل سے وضع حمل تک، مصنفہ ڈاکٹر سعید احمد بریلوی زنانہ اور مردانہ طبی معلومات کا ایک نہایت مفید سلسلہ، ڈاکٹر صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے جس میں حمل سے وضع حمل تک کے لئے تمام ضروری ہدایات اور معلومات درج ہیں قیمت ۸ر

پیدائش سے ۵ برس کی عمر تک:۔ یہ سلسلہ مذکور کا دوسرا حصہ ہے " " ۸ر

۵ سال کی عمر سے جوانی تک:۔ یہ سلسلہ مذکور کا تیسرا حصہ ہے " " ۸ر

دور جوانی۔ سلسلہ مذکور کا چوتھا حصہ قیمت ۸ر

عمر بڑھانے کے طریقے مصنفہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی، اس کتاب میں وہ طبی ہدایتیں درج کی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان اپنی عمر بڑھا سکتا ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

خزانۂ اسرار:۔ یعنی ۵۰ نہایت مجرب طبی نسخوں کا مجموعہ قیمت ۸ر

مفتاح الصحت مہاتما گاندھی کی کتاب شاہراہ تندرستی کے جواب میں لکھی گئی ہے اسمیں صحت قائم رکھنے کے ایسے مفید قاعدے بیان کئے ہیں جن کی پابندی سے آدمی سو سال تک جی سکتا ہے۔ قیمت عہ (ایک روپیہ)

مشاطہ:۔ مصنفہ جناب سیدہ بیگم صاحبہ، اس مفید کتاب میں عورتوں کی حیا، آرائش، لباس اور زیور کے صحیح استعمال اور تہذیب اور سلیقہ مندی کے متعلق وہ تمام باتیں بیان کردی گئی ہیں جن سے واقف ہونا ایک سلیقہ مند عورت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ قیمت عہ

مفید قصے کہانیاں اور ناول

طوفان زندگی:۔ یہ کتاب دس نہایت دلکش اخلاقی افسانوں کا مجموعہ ہے جو ادبی حیثیت سے نہایت بلند پایہ اور موثر اور اخلاقی حیثیت سے نہایت سبق آموز ہیں قیمت عہ (ایک روپیہ)

تصویر معاشرت:۔ یہ نہایت دلچسپ اخلاقی افسانوں کا مجموعہ ہے، ہر ایک افسانہ کو پڑھ کر عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ قیمت عہ

درس عبرت، گیارہ نتیجہ خیز اور عبرتناک افسانوں کا مجموعہ ہے جو عبارت آرائی اور دلچسپی کے لحاظ سے بھی نہایت قابل قدر ہیں۔ قیمت عہ (ایک روپیہ)

[illegible] شام۔ دس دلولہ انگیز اور عبرت خیز افسانوں کا مجموعہ ہے قیمت عہ

عروج زندگی۔ اس مجموعہ میں نو نہایت دردناک اور دلچسپ کہانیاں ہیں قیمت عہ

رہبر زندگی:۔ عشق و محبت کے گیارہ نہایت دلچسپ اور عبرتناک قصے۔ قیمت عہ

پتھر سے ہیرا مصنفہ ڈاکٹر سعید احمد بریلوی قصہ کے پیرایہ میں تبلیغ ہے نہایت موثر اور مفید ہے۔ قیمت ۱۴ر

شیطان کا طوطا حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی لکھی ہوئی ایک نہایت موثر کہانی جو اصلاح اخلاق کے لئے بہت مفید ہے۔ دو آنہ (۲ر)

جگ بیتی کہانیاں:۔ خواجہ صاحب کے لکھے ہوئے نہایت دلچسپ اور موثر قصوں کا مجموعہ، قیمت ۸ر

سورج چاند کی کہانی:۔ نئی روشنی والوں کے پڑھنے کے قابل ایک نہایت دلچسپ قصہ۔ قیمت ۳ر (تین آنے)

انجام یزید:۔ ایک دلچسپ ڈرامہ از منشی لائق حسین صاحب قومی، قیمت ۱۰ر

مجموعۂ کربلا جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے مشہور عربی ناول کا اردو ترجمہ از جناب مولنا سید ظہور احمد صاحب وحشی، قیمت عہ

قتل بہرام:۔ ایک پراسرار قتل کے حیرت انگیز حالات کا قصہ، از جناب حسن لکھنوی ۹ر

لیلائے نجد:۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی افسانہ قیمت عہ

دہ درویش۔ دس درویشوں کی نہایت دلچسپ سرگذشت مصنفہ مولنا سید ظہور احمد صاحب وحشی۔ قیمت ۱۲ر

رہبر زندگی:۔ مولنا سید ظہور احمد صاحب وحشی کے چار نہایت عبرت انگیز اور سبق آموز افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت عہ

مریخ کے سیاح کی ڈائری:۔ بہت دلچسپ چیز ہے اس لئے نہایت مقبول ہے ۸ر

عبرت کدہ:۔ پروفیسر اکبر حیدری صاحب کے ۱۰ اخلاقی افسانوں کا مجموعہ ۱۲ر

سیر خرابات:۔ حیدری صاحب کے لکھے ہوئے ظرافت آمیز قصے۔ قیمت ۶ر

رقاصہ:۔ دلچسپ قصہ از حیدری صاحب۔ ۸ر

عجیب الطرفین۔ " " ۱۴ر

عیاش کی ڈائری " " ۸ر

صنفی کتابیں

میاں بیوی۔ زن و شوہر کے تعلقات پر مفصل بحث کی گئی ہے از مولنا ظہور احمد صاحب وحشی۔ قیمت عہ (ایک روپیہ)

عیش و نشاط:۔ شادی شدہ حضرات کے لئے بہترین تجربوں کا مجموعہ ہے۔ از مفتی سید شوکت علی صاحب فہمی، قیمت عہ

دولہا دلہن:۔ شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے لئے رہنمائی کرنے والی کتاب، از مفتی سید شوکت علی صاحب فہمی عہ

مرد عورت:۔ صنفی تعلقات کے متعلق بہترین تجارب از مفتی سید شوکت علی صاحب عہ

زن و شوہر۔ مرد عورت کی فطرت سے واقفیت بہم پہونچانے والی کتاب از مفتی سید شوکت علی صاحب فہمی، قیمت عہ (ایک روپیہ)

دلہن کی ڈائری، بالتصویر۔ از منشی غلام احمد صاحب۔ قیمت عہ

لطف شباب، ایک مشہور عربی کتاب کا ترجمہ۔ حصہ اول ۸ر، حصہ دوم عہ

لذت النکاح معروف بہ عروس نوشاہ :- از جناب حسرت لکھنوی قیمت ۴ر

متفرق کتابیں

فقیر کی جھولی :- اسمیں کوئی تسلسل نہ کہانی لیکن ہر فقرہ میں ایسی لذت ہے کہ تمام عمر ہر فقرہ یادگار رہیگا اور ہر جگہ کام آئے گا۔ قیمت ۱ر

سعادۃ الکونین فی الفضائل الحسنین :- مولانا مفتی اکرام الدین صاحب نبیرہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی مشہور کتاب کا سلیس اردو ترجمہ جسمیں حضرت امام حسن و حسین کی ولادت سے لیکر شہادت تک کے واقعات اور شہادت کے بعد یزید اور اسکے خاندان کا حشر تمام واقعات بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ نہایت مستند اور بہت ہی پُر اثر کتاب ہے قیمت عہ (ایک روپیہ)

رداۃ الامہات :- اس کتاب میں وہ ۵۰ حدیثیں جمع کی گئی ہیں، جن کی روایت عورتوں سے شروع ہوئی ہو یا جو عورتوں ہی کے متعلق ہیں قیمت ۶ر

نظام عاشقی :- خدا اور رسول کے عشاق کے پڑھنے کی کتاب ہے۔ نظم و نثر سے آراستہ۔ قیمت چار آنے (۴ر)

رجبی شریف - یعنی حالات معراج سرور کائنات ۴ر

مساوات المسلمین :- اسلامی مساوات کا بیان۔ قیمت ۸ر

نافع دارین :- اسمیں مسلمانوں کے موجودہ افلاس کے اسباب اور اسکے دور کرنے کی تدابیر پر شرعی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے اور حلال روزی حاصل کرنے کے طریقے بتلائے گئے ہیں، قیمت ۱۲ر

یہ سلطۃ الر :- اسمیں ایک ایسی راز کی بات درج ہے جس کی عام تشریح مناسب نہیں ... صحنہ والے [illegible] ... کا ظہور کب ہوگا وہ کیسے

امام الزماں کی آمد :- اسمیں یہ بتایا گیا ہے [illegible] ہونگے اور کون ہونگے۔ مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قیمت دس آنے (۱۰ر)

انگریزوں کو دعوت اسلام - تبلیغی مشن کے لئے خواجہ صاحب نے لکھی اور بہت مقبول ہوئی۔ قیمت دو آنے (۲ر)

نادان وہابی - فرقہ بندی کی آگ بجھانے کے لئے خواجہ صاحب کا مشہور تبلیغی رسالہ۔ قیمت ۱ر (ایک آنہ)۔

حلال خور - تبلیغی رسالہ ہے اسمیں حلال خور قوم کے مفصل حالات ہیں جن کو پڑھکر حلال خور خود ہی مسلمان ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۸ر (آٹھ آنے)

ہندو مذہب کی معلومات :- یہ کتاب خواجہ صاحب نے اس غرض سے لکھی ہے کہ مسلمان ہندو قوم اور ہندو مذہب کو اچھی طرح سمجھ لیں اور کسی دھوکہ میں نہ آئیں۔ قیمت ۸ر

سادھو شکست - تبلیغی رسالہ ہے اسمیں سنتوں اور سادھوؤں کے متعلق مضامین ہیں۔ قیمت ایک آنہ (۱ر)

سکھ قوم - سکھوں کے مذہبی اور قومی حالات کا تبلیغی رسالہ قیمت ۱ر

گاندھی نامہ :- گاندھی جی کے متعلق خواجہ صاحب کے نہایت دلچسپ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

نظم الہام - حضرت اکبر الہ آبادی کی ایک دلکش نظم، قیمت ۲ر

تہجد کی مناجات :- جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری کی لکھی ہوئی ایک دلکش مناجات۔ قیمت دو آنے (۲ر)

جواز عکسی تصاویر :- تصویروں کے جواز کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک مدلل مضمون۔ قیمت چار آنے (۴ر)

حج کا ساتھی :- ہسٹری چراغ الدین صاحب کا نہایت مفید و دلچسپ سفرنامہ حج ۸ر

پکی قبروں اور قبوں کا جواز، مصنفہ مولانا نورالدین صاحب اجمیری ۴ر

ہندوؤں کے مذہب میں قربانی :- اسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ قدیم زمانہ کے ہندوؤں میں بھی قربانی کا رواج تھا۔ قیمت ۴ر

بیاض عاشقاں :- ڈاکٹر محمد قمرالدین صاحب قمر، ہلالی شاہ چشتی نظامی کا پُر اثر کلام قیمت عہ (ایک روپیہ آٹھ آنے)

اسلامی اکھاڑہ :- اسمیں پھری گتکے وغیرہ کے متعلق نظم و نثر مضامین جمع کئے گئے ہیں، قیمت چار آنے (۴ر)

ہاتھ دیکھنے کی کتاب باتصویر :- ہاتھ کی لکیروں سے انسان کے گذشتہ، موجودہ اور آئندہ حالات معلوم کرنے کی نہایت مستند علمی کتاب ہے۔ از جناب اشفاق احمد صاحب زیدی، قیمت ۱۲ر

برگزیدہ نبی کے برگزیدہ خصائل :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب اطوار و خصائل، معاشرت، لباس اور حلیہ مبارک وغیرہ کے متعلق نہایت دلکش مضامین از جناب مولانا محمد عظیم صاحب گکھڑی ۱۲ر

کربلا نامہ :- اسمیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے سچے واقعات نہایت تحقیق کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب کربلا کی نہایت درد انگیز تاریخ ہے جس کا ہر شعر و جملہ درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۸ر

رسالت نامہ :- یہ کتاب اسلامی تاریخ بھی ہے سیرت رسول بھی اور میلاد نامہ بھی زبان اسقدر صاف اور دلکش ہے کہ عورتیں اور بچے بھی اسکو پڑھ کر لطف حاصل کرتے ہیں۔ قیمت عہ

مذہبی معلومات :- اس کتاب میں اسلام کی تعلیم کا خلاصہ اس خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے کہ صرف ایک دن میں تمام ارکان و اعمال سے واقفیت ہو سکتی ہے زبان نہایت آسان ہے۔ قیمت عہ (ایک روپیہ)

غیبی اشارے :- غیب کی باتیں اور قسمت کا حال بتانے کی تعلیم دینے والی کتاب جس کے مطالعہ سے پیشین گوئی کرنے کی پوری مہارت حاصل ہو جاتی ہے عہ

دین کی باتیں :- حضرت ابن حجر عسقلانی کی مشہور کتاب منبہات کا سلیس اردو ترجمہ جسمیں بچوں اور عورتوں کے لئے حضرت سرور کائنات، صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی نصیحتیں ہیں۔ قیمت ۸ر

دہریت نامہ :- جسمیں دہریت کے خلاف نہایت مدلل بحث کی گئی ہے۔ نئی روشنی والوں کے لئے نہایت ضروری کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر (بارہ آنے)

مصور غم مولانا راشد الخیری کی کتابیں

شام زندگی :- یہ مولانا راشد الخیری کی سب سے بہتر تصنیف ہے ۱۲ ہزار بک چکی ہے اور ملک کا وہی حال ہے جو شروع میں تھا جو مرد چاہتے ہیں کہ ان کی بیویاں ان کے مزاج کے موافق ہو جائیں وہ شام زندگی کو انہیں پڑھواتے ہیں۔ اور جو عورتیں آرزو رکھتی ہیں

...عورتیں تجربات سے شام زندگی کو پہنچتی ہیں اور اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں [illegible] زندگی میں خصوصیت کے طور پر شادی سے لیکر مرنے کے وقت تک عورتوں کے لئے مفید ہدایات درج ہیں۔ شام زندگی کی ہر سطر آنکھوں کو پر نم کردیتی ہے۔ نہایت مفید دلچسپ اور پُر درد کتاب ہے۔ قیمت عہ

صبح زندگی یہ شام زندگی کا پہلا حصہ ہے جس میں لڑکیوں کے لئے وہ ہدایات درج ہیں جن کا تعلق شادی سے پہلے کی زندگی سے ہے۔ چودھواں ایڈیشن چھپا ہے۔ قیمت ۱؎ (ایک روپیہ آٹھ آنے)

شب زندگی صبح زندگی میں عورت کے بچپن اور جوانی کو دکھایا ہے اور شام زندگی میں اُسے آخر منزل تک پہنچایا ہے۔ یہ بھی نہایت ہی موثر مفید اور پُر درد کتاب ہے۔ قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم عہ

اُمت کی مائیں یعنی رسول اللہ کی تمام ازواج مطہرات کے سوانح زندگی یہ کتاب عورتوں کو دین و دنیا کا صحیح راستہ بتاتی ہے اور اُردو کی اعلیٰ انشاء پردازی کا نمونہ ہے۔ قیمت عہ (ایک روپیہ)

الزہرا مصور غم نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کے مقدس حالات کو اپنے مخصوص دلکش اور پُر تاثیر رنگ میں لکھا ہے۔ خاتمہ پر ایک مفصل بحث شہادت اہل بیت پر ہے اور میدان کربلا کے واقعات جس طرح ادا کئے گئے ہیں اُن کی بابت صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ محرم کا بیان اور مولانا کی زبان۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

منازل السائرہ یہ مولانا کی طرز تحریر کا ایک لاثانی نمونہ ہے جسمیں سائرہ کی زندگی کے حالات نہایت دلچسپ اور سبق آموز طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ حصہ اوّل عہ حصہ دوم عہ

بنت الوقت اس دردناک کتاب میں یورپ کی کورانہ تقلید اور نئے تمدن کی آزادی و خود بُردی کا عبرتناک انجام دکھایا ہے۔ قیمت ۸؍

سراب مغرب:۔ اس کتاب میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ تعلیم نسواں میں غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونا کہاں تک جائز ہے۔ قصہ اس قدر دردانگیز ہے کہ ہر ہر لفظ کلیجہ کے پار ہوجاتا ہے۔ قیمت ۸؍

سات رُوحوں کے اعمالنامے عالم ارواح کی سیر کرنی ہو یا پردہ موت کو ہٹا کر کچھ دیکھنا ہو تو، روحوں کے اعمالنامے پڑھیے جسمیں فاضل مصنف نے حیات و ممات کی دلکش تصویریں کھینچی ہیں۔ قیمت ۸؍

نوبت پنجروزہ:۔ اسمیں آخری تاجدار مغلیہ کی ۵ نوبتیں اسقدر دردانگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رُلوادیں گی، پانچویں نوبت، وہ ہے جب کہ انگریزوں نے بادشاہ کو رخصت کیا، غدر کے واقعات مجرموں کا ظلم مظلوموں کی حالت زار مردوں کی بربادی، عورتوں کی تباہی ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں۔ عہ

ستونتی عورت اگر تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ سچی مسلمان بھی ہو تو شوہر کے لئے وہ ایک بیش بہا نعمت ہے ایسی ایک شریف عورت کے امتحان وفا اور ایثار کا حال اس کتاب میں پڑھیے جو اپنے اعلیٰ کیرکٹر سے آپکو محو حیرت کردے گی ۸؍

نانی عشو۔ آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سنتے وقت آپکے پیٹ میں بل نہ پڑجائیں۔ قیمت ۱۰؍ (دس آنے)

رود اد قفس مولانا کی ان بیش بہا اور عبرت انگیز معاشرتی نظموں کا دل آویز مجموعہ جن میں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی حالت زار کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

محبوبۂ خداوند۔ حضرت عثمان غنی کے زمانہ کا اسلام مذہبی تعصب میں مسیحی علماء کی ریشہ کاریاں، نہایت دل آویز تاریخی ناول۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

موؤدہ:۔ شرع اسلام کے خلاف لڑکی کو ترکہ نہ دینے کی مخالفت میں انتہا کا دردانگیز سبق آموز افسانہ۔ قیمت ۸؍

نوحۂ زندگی بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق مولانا کی بے مثل تصنیف کتاب ہے۔ ایک جادو جس کا ہر لفظ ایک مرثیہ ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

اندلس کی شہزادی یا تائید غیبی مسلمانوں کو تباہ کن سرزمین اندلس پر کیا کرچکے ہیں، کس طرح وقت نے اُن کو معراج کمال تک پہنچایا اور کس طرح وہ اپنے اعمال سے فنا ہوئے۔ قیمت ۸؍

فسانۂ سعید:۔ اسمیں مولانا نے نہایت قابلیت سے نکاح ثانی کو بے سود ثابت کیا ہے۔ قیمت ۸؍ (آٹھ آنے)

جوہر عصمت:۔ یعنی مولانا راشد الخیری کے ۱۳ پُر درد سبق آموز افسانوں کا مجموعہ قیمت عہ

سیلاب اشک یا تصیرہ۔ مولانا کے دردانگیز افسانے، قیمت عہ

گلدستۂ عید:۔ عید کے متعلق ۱۴ سبق آموز افسانوں کا مجموعہ جن کی ہندوستان بھر میں دھوم مچ چکی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

دیدیا کی سرگذشت یورپین میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو نہایت دلچسپ اور پُرلطف قصہ۔ قیمت ۴؍ (چار آنے)

بچہ کا کرتا:۔ ماں کی محبت کا دردانگیز افسانہ۔ قیمت ۴؍

امین کا دم واپسیں ہارون رشید کے بیٹے امین الرشید کے دردناک قتل کا دردانگیز واقعہ۔ قیمت ۶؍ (چھ آنے)

منازل ترقی:۔ نئی روشنی کی ترقی کے مظالم۔ قیمت ۴؍

گوہر مقصود:۔ مولانا کے دو دلچسپ اور دردناک قصوں کا مجموعہ۔ قیمت ۶؍

لڑکیوں کی انشا اسمیں کنواری بچیوں کو خط نویسی سکھانے کے لئے ۵۰ کے قریب مختلف قسم کے خطوط ہیں۔ زبان ایسی پیاری ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

سوکن کا جلاپا نہایت پُر درد اور سبق آموز قصہ ہے جسمیں دوسری شادی کی خرابیاں دکھائی گئی ہیں۔ قیمت ۶؍

سنجوگ:۔ ایک مصیبت زدہ لڑکی کی پُر درد داستان ہے جس کا نکاح والدین نے بے سوچے سمجھے کردیا تھا۔ قیمت ۱۰؍

طوفان حیات:۔ شرک و بدعات کے بد نتائج کا بیان دل آویز قصے کے پیرایہ میں

دُرِ شاہوار:۔ ایک ایران کی شہزادی کے حسن و عشق کے واقعات کا دلچسپ ناول ۱۰؍

قطرات اشک	عہ	جوہر قدامت	عہ
یاسمین	عہ	شمع کمال	عہ
سرنا کا چاند	عہ	عروس کربلا	عہ

ماہ عجم عہ

تائید غیبی	۸؍	انگوٹھی کا راز	۸؍
شاہین و دراج	۸؍	قلب حزیں	۸؍

تصانیف جناب قاری سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی

طوائف کی پُر اسرار زندگی کے فریب سے خبردار کرنے والے نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب اخلاقی ناول

شاہد رعنا :- آٹھواں ایڈیشن - ایک ڈیرہ دار طوائف کی خود نوشت سوانح عمری کمسنی سے بڑھاپے تک کے عبرت انگیز حالات نہایت دلچسپ مفید اور قابل دید ہے

سعید :- اسمیں ایک تعلیم یافتہ نوجوان مسلمان اور ایک پاتر کے جذبات کا دلی خاکہ کھینچا گیا ہے حسن و عشق کے معاملات پر نہایت پُر لطف بحث کی گئی ہے اور انجام اخلاقی فلاح پر کیا گیا ہے - قیمت ۸ر

سعادت :- دہلی کی ایک تعلیم یافتہ سلیقہ مند طوائف کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے تاج رنگ حسن و عشق وصال و فراق کا دلچسپ نقشہ کھینچا گیا ہے - عاشق و معشوق کی پُر لطف خط و کتابت، قیمت ۸ر

سزائے عیش | فلسفہ حسن و عشق اور تفریحات عام پر بحث کی گئی ہے، ایک شریف گھر اور طوائف کے کوٹھے کا دن رات کا ٹائم ٹیبل درج ہے قیمت ۱۰ر

انجام عیش :- پاکیزہ زندگی اور بدکاری و آوارگی کی زندگی کے مختلف پہلو نہایت خوبصورتی سے دکھائے گئے ہیں اور ان پر جدید علمی اور سائنٹیفک اصول کے لحاظ سے نہایت عالمانہ بحث کی گئی ہے - نہایت مفید اور سبق آموز کتاب ہے - قیمت ۱۱ر

سرائے عیش | اسمیں طوائف سے نکاح کرکے اُن کو بہو بیٹیوں میں بلا کر بٹھانے کے نتائج پر دلچسپ روشنی ڈالی گئی ہے - اور ایک بڈھی نائکہ کے حالات کا خاکہ کھینچا گیا ہے - قیمت ۱۰ر

بہار عیش | ایک ڈیرہ دار طوائف کا اور جھگڑوں کو چھوڑ کر موسیقی کا ترقی دینا - قیمت ۸ر (آٹھ آنے)

ان ساتوں ناولوں کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ نوجوان لڑکے ان کو پڑھ کر چوکنے ہو جائیں اور انکے بزرگ ان کتابوں کے مطالعہ سے اپنی بے راہ رو اولادوں کی آسانی سے اصلاح کر سکیں اور بیویاں خاوندوں کی بے توجہی کے اسباب سمجھ جائیں اور طوائف اپنے ناپاک پیشے کی رذالت اور معصیت سے آگاہ ہو کر نیکی کی طرف مائل ہو جائیں

احیائے ملت :- مسلمانوں کی اصلاح معاملات کے متعلق قاری صاحب موصوف کے لکھے ہوئے نہایت مفید اور مجتہدانہ مضامین - قیمت ۸ر

انیس الغربا - مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے بیشمار آسان تدبیریں - ۶ر

فغان قاری :- فضیلت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق خاص خیالات - قیمت ۴ر

دل کا عجائب خانہ :- قاری صاحب کے ادبی مضامین کا مجموعہ - قیمت ۶ر

ادبستان :- متعدد دلچسپ اور مفید مضامین کا مجموعہ، قیمت ۴ر

لطف زندگی :- قاری صاحب کے سحر نگار قلم کا ایک مختصر مگر دلچسپ قصہ قیمت ۲ر

اقل قلیل اسلام :- اسلام کے مختلف فرقوں میں اتحاد پیدا کرنے کی نہایت ضروری اور مفید تجاویز - قیمت ۲ر (دو آنے)

فضائل اسلام | جدید علوم عقلیہ اور جدید طرز استدلال کی رُو سے ثابت کیا ہے کہ اسلام ساری دنیا اور ہر وقت کے واسطے دنیوی اور اُخروی تباہی سے بچانے کا واحد ذریعہ ہے اور اسکی تعلیم مطابق فطرت ہے - قیمت ۸ر

ہندو مذہب اور اسلام | نہایت سنجیدگی اور تحقیق کے ساتھ دلچسپ پیرایہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کو ہندو مذہب پر فضیلت ہے منصف مزاج ہندو بھی اس کتاب کی تعریف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں - قیمت ۸ر

تصانیف مرزا غالب مرحوم

اُردوئے معلی	۱۲ر	عود ہندی	۱۲ر
دیوان غالب (جرمنی ایڈیشن)	للعہ	دیوان غالب (نسخہ حمیدیہ)	للعہ
دیوان غالب (جامعہ ایڈیشن)	۸ر	شرح دیوان غالب طباطبائی	۱۲ر
شرح دیوان غالب مولنٰا حسرت	عہ	شرح دیوان غالب مطبوعہ نظامی پریس	۱۲ر
دیوان غالب (آسی)	۱۲ر	شرح دیوان غالب مولنٰا سُہا	۱۲ر

شرح دیوان غالب، بیخود دہلوی سے،

تصانیف سر سید مرحوم

خطبات احمدیہ	۴ر	قصہ اصحاب کہف	۸ر
اسباب بغاوت ہند	۱ر	مجموعہ لکچر	۴ر
خطوط سر سید	۱۲ر	احکام طعام	۶ر
نادان خدا پرست	۱ر	جواب امہات المومنین	۶ر

تصانیف نواب محسن الملک مرحوم

تقلید و عمل بالحدیث	۱۰ر	اسلام	۲ر
آیات بینات ۳ جلد	۱۰ر	کتاب المحبت والشوق	۱۰ر
مجموعہ لکچر	۴ر	مسلمانوں کی تہذیب	۶ر

تصانیف مولنٰا حالی مرحوم

سوانح سر سید مرحوم	للعہ	مقدمہ شعر و شاعری	۱۲ر
دیوان حالی	عہ	تحفۃ الاخوان	۴ر
شکوہ ہند	۲ر	کلمۃ الحق	۱ر
چہار گلزار حالی	۱ر	یادگار غالب	۴ر
حیات سعدی	۱۲ر	مسدس حالی	۸ر
رباعیات حالی	۲ر	مجموعہ نظم حالی	۱۲ر
بیوہ کی مناجات	۳ر	مرثیہ غالب	۱ر
تنگ خدمت	۱ر	تعصب و انصاف	۲ر

تصانیف ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم

جامع المصاحف :- (کلام پاک معہ ترجمہ بین السطور) ہدیہ بلا جلد ہے، مجلد ہے

غرائب القرآن :- (کلام پاک ایک صفحہ پر متن اور اس کے مقابل صفحہ پر ترجمہ) ہدیہ بلا جلد ہے - مجلد ہے

الحقوق والفرائض :- حصہ اول ہے، حصہ دوم ۱۲ر، حصہ سوم عہ

رویائے صادقہ	۱۲ر	مراۃ العروس عہ، توبۃ النصوح	۸

صرف صغیر عہ — ۶ر
مطالب القرآن (ناتمام تفسیر) عہ
ادعیۃ القرآن — ۱۰ر
اجتہاد
لکچروں کا مجموعہ عہ
موعظہ حکمت
ابن الوقت
نظم بے نظیر
محصنات
منتخب الحکایات — ۸ر
رسم الخط — ۶ر
الفینک فی الصرف ۳ر
دہ سورۃ — ۱۰ر

تصانیف مولوی بشیر الدین احمد صاحب مرحوم

اقبال دلہن
اصلاح معیشت
قصاید اشرف
انشاء ماعمر
عصائے پیری
جز طفلاں
لخت جگر
شمع ہدایت
مثنوی نغمۂ دل ۸ر
بچوں سے دو دو باتیں
دیوان بشیر
حکایات لطیفہ — ۱۰ر
فرامین سلاطین
واقعات دار الحکومت مجلد
حسن معاشرت
عزم بالجزم
انشائے بشیر
لطائف عجیبہ — ۱۰ر
واقعات مملکت بیجاپور مجلد
تمثال الامثال مجلد

تصانیف مولانا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم

دربار اکبری
نگارستان فارس
سیر ایران
دیوان ذوق
آب حیات
سخندان فارس
تنقید رسمی — ۱۰ر
مکتوبات آزاد
بیاض آزاد
ڈراما اکبر
نظم آزاد ۸ر
تاریخی مقول ۸ر
جانورستان ۱۰ر
لغت آزاد
تذکرۂ علما ۵ر
کائنات عرب ۱۰ر
نصیحت کا کرن پھول ۸ر
نیرنگ خیال حصۂ اول ۱۲ر حصۂ دوم ۱۲ر

تصانیف مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم

تاریخ ہندوستان:- جلد اول جلد دوم جلد سوم جلد چہارم
پنجم ششم ہفتم ہشتم نہم دہم
تاریخ ہند ۲ جلدیں ....

تصانیف مولانا شبلی نعمانی مرحوم

سیرۃ النبی:- حصۂ اول ، حصۂ دوم (تقطیع خورد) حصۂ سوم (تقطیع کلاں)

الفاروق ، معمولی ایڈیشن ، اعلیٰ
سیرۃ النعمان
رسائل شبلی
بیان خسرو ۸ر
مقالات شبلی
موازنۂ انیس و دبیر
الکلام
الانتقاد ۸ر
شعر العجم حصۂ اول ، حصۂ دوم ، حصۂ سوم ، چہارم ، پنجم .....
المامون
الغزالی
سفرنامہ روم و مصر و شام
اورنگ زیب عالمگیر
کلیات شبلی اردو
کلیات شبلی فارسی

تصانیف مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

ارض القرآن ، حصۂ اول ، حصۂ دوم
حیات امام مالک
سیرت عائشہ
لغات جدیدہ
خطبات مدراس
خلافت عثمانیہ
دنیائے اسلام اور خلافت ۶ر
رسالہ اہل سنت والجماعت ۸ر
بشری ۶ر
دروس الادب ، پہلی ریڈر ۲ر ، دوسری ۴ر

تصانیف مولانا عبد الحلیم شرر مرحوم

تاریخ:- مقدس قدیم
تاریخ خلافت ۴ر
سوانح:- ابوبکر شبلی
جنید بغدادی
حسن بن صباح ۶ر
خواجہ معین الدین ۶ر
مخدرات
افسانۂ قیس ۳ر
شیریں ملکۂ عجم ۴ر
صد پارۂ دل
قرۃ العین ۳ر
سکینہ بنت حسین ۶ر
ملکہ زنوبیہ ۳ر
ولادت سرور عالم ۸ر
تاریخی ناول:- الفانسو ۱۲ر
فتح اندلس
بابک خرمی
زوال بغداد
شوقین ملکہ
ایام عرب جلد اول
فردوس بریں
جلد دوم
قیس و لبنیٰ
لعبت چین
ملک العزیز ورجنا ۱۰ر
جویائے حق حصۂ اول ، حصۂ دوم
فلپانا
عزیزۂ مصر
رومۃ الکبریٰ
مفتوح فاتح
مقدس نازنین
منصور موہنا ۱۰ر
ماہ ملک
یوسف نجمہ کابل
طاہرہ
خیالی ناول:- آغا صادق کی شادی ۱۰ر
اسرار دربار حرام پور ، حصۂ اول ۵ر حصۂ دوم ۵ر
حسن کا ڈاکو ، حصۂ اول ۱۲ر ، حصۂ دوم ۱۲ر

لوفناک محبت ۔۔ عہ ۔۔ دلچسپ ۔۔ ۱۴ر
دلکش ۔۔ ۱۲ر ۔۔ غیب والی دلہن ۔۔ عہ
بدر آلنسا کی مصیبت، ۳ر

ڈرامے اور نظمیں:۔ اسیری بابل ۳ر ۔۔ زمانہ اور اسلام ۔۔ ۳ر
شب غم ۔۔ ار ۔۔ خوب صل ۔۔ ار
شہید وفا ۔۔ ۱۰ر ۔۔ میوۂ تلخ ۔۔ ۳ر

مضامین شرر:۔ مضامین شاعرانہ عاشقانہ حصۂ اول ۔۔ عہ
تاریخی واقعات پر خیال آرائی ۔۔ عہ ۔۔ " " حصۂ دوم ۔۔ عہ
سیر رجال ۔۔ ۱۰ر ۔۔ مشرقی تمدن کا آخری نمونہ ۔۔ عہ
مذہب و تحقیق مسائل ۔۔ عہ ۔۔ سیر نسواں حصۂ اول ۔۔ ۱۰ر
اصلاح قوم و ملت ۔۔ عہ ۔۔ " حصۂ دوم ۔۔ عہ
آغاز و اختتام سال .... عہ

تصانیف حکیم احمد حسین الہ آبادی

ترجمہ تاریخ ابن خلدون:۔ جلد اول عہ، جلد دوم عہ سوم عہ، چہارم عہ، پنجم ے، ششم عہ، ہفتم ے، ہشتم ے، نہم ے، دہم ے، یازدہم ے، دوازدہم عہ، سیزدہم ے

تصانیف قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری

رحمۃ اللعالمین۔ حصۂ اول عہ، حصۂ دوم للعہ
سبیل الرشاد۔ یعنی سفرنامہ حجاز ۔۔ عہ
غایت المرام ۔۔ ۸ر ۔۔ تائید الاسلام ۔۔ ۸ر
معراج المومنین ۔۔ ۸ر ۔۔ الصلوٰۃ والسلام ۔۔ عہ
اسلام بزور شمشیر ۔۔ ۳ر ۔۔ مہر نبوت ۔۔ ۳ر

تصانیف میر ولی اللہ، بی، اے

بندگی ۔۔ عہ ۔۔ کاس الکرام ۔۔ عہ
لسان الغیب یعنی شرح دیوان حافظ:۔ جلد اول ۔۔ عہ
جلد دوم عہ ۔ جلد سوم عہ ۔ جلد چہارم عہ

تصانیف پروفیسر الیاس برنی، ایم، اے

جذبات فطرت ۔۔ (یعنی مجموعہ نظم) ۔۔ ۴ حصے ۔۔ للعہ
معارف ملت ۔۔ " ۔۔ " ۔۔ للعہ
مناظر قدرت ۔۔ " ۔۔ " ۔۔ للعہ
علم المعیشت ۔۔ عہ

تصانیف سید سجاد حیدر، بی، اے

خیالستان ۔۔ عہ ۔۔ حکایات و احتساسات ۔۔ عہ
ثالث بالخیر ۔۔ عہ ۔۔ زہرہ ۔۔ ۱۳ر

جلال الدین خوارزم شاہ ۱۱ر

تصانیف جناب نیاز، فتحپوری

تلاش راز ۔۔ ۹ر ۔۔ کیتان جلی ۔۔ عہ
گہوارۂ تمدن ۔۔ عہ ۔۔ نگارستان ۔۔ عہ
صحابیات ۔۔ عہ ۔۔ تاریخ الدولتین ۔۔ عہ
مقالات نیاز ۔۔ ۴ر

تصانیف مسٹر ظفر عمر، بی، اے

چوروں کا کلب ۹ر، نیلی چھتری عہ ۔۔ بہرام کی گرفتاری عہ ۔ مستقبل اسلام عہ

تصانیف منشی سجاد حسین مرحوم

احمق الذین ۸ر، حاجی بغلول، ۸ر ۔ پیاری دنیا، ۸ر، کایا پلٹ، ۸ر
میٹھی چھری ۶ر، طرحدار لونڈی عہ ۔ طلسمی فانوس ۱۱ر

تصانیف پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار

سیر کہسار، عہ، خدائی فوجدار عہ ۔ جام سرشار عہ، کامنی عہ
بچھڑی دلہن ۶ر، فسانۂ آزاد عہ ۔ کڑم دھم ۶ر، پی کہاں ۶ر

تصانیف خواجہ عبد الحی صاحب، فاروقی

الخلافت الکبریٰ۔ یعنی سورۂ بقر کی مکمل و مبسوط تفسیر، للعہ مجلد ۔۔ عہ
الصراط المستقیم۔ یعنی سورۂ انفال و توبہ کی تفسیر ۔۔ عہ
بیان:۔ سورۂ آل عمران کی تفسیر ۱۲ر ۔ عبرت، سورۂ یوسف کی تفسیر ۔۔ عہ
سبیل الرشاد۔ سورۂ حجرات کی تفسیر ۱۰ر ۔ برہان:۔ سورۂ نور کی تفسیر ۔۔ عہ
بصائر۔ حالات حضرت موسیٰ اور فرعون ۶ر ۔ ذکریٰ، تیسویں پارہ کی تفسیر ے،
ہمارے رسول:۔ حالات رسول بچوں کے لئے ۔۔ ۸ر

تصانیف مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ الامت:۔ حصۂ اول عہ، حصۂ دوم عہ، سوم عہ، چہارم عہ، پنجم عہ، ششم عہ،
تاریخ نجد، عہ، حیات حافظ عہ ۔ حیات جامی ۸ر، سیرت عمرو بن عاص عہ
جواہر ملیہ، ۳ر، محجوب الارث ۸ر ۔ الوراثت فی الاسلام ۸ر
تاریخ قرآن ۔۔ عہ ۔۔ علوم عرب ۔۔ عہ

تصانیف ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب، ایم، اے، پی، ایچ ڈی

مبادی معاشیات ۔۔ عہ ۔۔ معاشیات قومی ۔۔ عہ

تصانیف ڈاکٹر عابد حسین صاحب، ایم، اے، پی، ایچ ڈی

تاریخ فلسفۂ اسلام ۔۔ عہ ۔۔ مسلمانوں کی تعلیم اور جامعہ ملیہ ۔۔ ۸ر
پردۂ غفلت ۔۔ عہ

تصانیف مولانا ابوالکلام آزاد

قول فیصل ۸ر، تذکرہ ۱۲ر، تفسیر سورۂ والتین ۸ر
اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان ۶ر، حقیقت الصلوٰۃ ۴ر، عزیمت و دعوت ۱۲ر
الجہاد ۸ر، الحرب فی القرآن ۱۰ر، ایلاء و تجہیز، خطبہ عید الضحیٰ ۳ر
فلسفۂ رمضان ۸ر، لمعات صدق ۳ر۔ مضامین ابوالکلام حصہ اول ۱۰ر
تازہ مضامین ۱۰ر، بیان ابوالکلام ۴ر، 〃 〃 〃 دوم ۱۲ر
دعوت عمل ۸ر، دعوت حق ۶ر، 〃 〃 〃 سوم ۱۲ر
صدائے حق ۸ر، جہاد اور اسلام ۶ر، 〃 〃 〃 چہارم ۱۲ر
الحریت فی الاسلام ۱۲ر، 〃 〃 〃 پنجم ۱۲ر
خطبات سیاسیہ ۸ر، حزب اللہ ۱۲ر، 〃 〃 〃 ششم ۱۲ر
خطبۂ صدارت تحریری ۶ر، خطبۂ صدارت تقریری ۶ر
خطبۂ صدارت جلسۂ آگرہ ۹ر، آخری پیغام ار، لیلۃ القدر ار
ذکریٰ ۸ر

انجمن ترقی اردو کی کتابیں

تذکرہ شعرائے اردو، مجلد ۱۲ر، انتخاب کلام میر ۱۲ر
مثنوی خواب و خیال ۱۲ر، دریائے لطافت ۱۲ر
قواعد اردو ۱۲ر، وضع اصطلاحات ۱۲ر، اصطلاحات علمیہ، مجلد ۱۲ر
مشاہیر یونان و روما جلد اول ۱۲ر، جلد دوم ۱۲ر، ملل قدیمہ ۱۲ر
تاریخ اخلاق یورپ، حصہ اول ۱۲ر، حصہ دوم ۱۲ر، نکات الشعرا، مجلد ۱۲ر
دیوان غالب، مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن۔ ۱۲ر
محاسن کلام غالب ۱۲ر، جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق ۱۲ر
مقدمات الطبیعیات ۱۲ر، طبقات الارض ۱۲ر، بجلی کے کرشمے ۱۲ر، القمر ۱۰ر
علم المعیشت، مجلد ۱۲ر، سرگذشت حیات ۱۲ر
تاریخ یونان قدیم مجلد ۱۲ر، فلسفۂ تعلیم ۱۲ر، رسالہ نباتات ۱۲ر
اسباق النحو حصہ اول ۱۲ر، حصہ دوم ۱۲ر، دیباچۂ صحت مجلد ۱۲ر
فلسفۂ جذبات مجلد ۱۲ر، امراء ہنود ۱۲ر، القول الاظہر ۸ر

تصانیف مولوی عبدالسلام صاحب ندوی

اسوۂ صحابہ، جلد اول ۱۲ر، جلد دوم ۱۲ر، سیرت عمر ابن عبدالعزیز ۱۲ر
الربیت الاستقلالیہ ۱۲ر، شعر الہند، حصہ اول ۱۲ر، دوم ۱۲ر
انقلاب الامم ۱۲ر، اسوۂ صحابیات ۱۲ر

تصانیف مولوی عبدالماجد صاحب بی، اے

مکالمات برکلے ۱۲ر، تصوف اسلام ۱۲ر، مثنوی سحر البیان ۱۲ر، فلسفیانہ مضامین ۱۲ر
فلسفۂ جذبات ۱۲ر، پیام امن ۱۲ر
ہم نوشیاں ۱۲ر

تصانیف مولوی عبدالباری صاحب ندوی

برکلے، ۱۲ر۔ مذہب و عقلیات ۸ر، مبادئ علم انسانی ۱۲ر

تصانیف مولوی سعید انصاری صاحب

سیر الصحابیات، ۱۲ر، تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی) ۱۲ر
سیر الانصار۔ حصہ اول ۱۲ر، حصہ دوم ۱۲ر

(تصانیف مولوی محمد یونس مرحوم، فرنگی محلی)

روح الاجتماع ۱۲ر، ابن رشد ۱۲ر

(تصانیف پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم اے)

معارج الدین، ۱۲ر، تاریخ صحف سماوی ۱۲ر، شمع سخن ۱۰ر، ہمارے نبی (بچوں کے لئے) ۴ر۔ تذکرۃ المصطفیٰ۔ ۱۲ر

(دار المصنفین کی دیگر تصانیف)

گل رعنا۔ (حکیم عبدالحی صاحب) ۱۲ر، مقالات روسو ۸ر، خلفائے راشدین ۱۲ر
رسول عربی (سردار گوربخش سنگھ) ۸ر، نیٹشے ۱۲ر، نفسیات ترغیب ۱۲ر

(تصانیف حکیم محمد علی خان صاحب)

مام پیاری ۸ر، حیرت کابل ۱۲ر، حسن پرور ۱۲ر، گوہرا ۱۲ر

تصانیف ڈاکٹر سر محمد اقبال

زبور عجم (فارسی) بلا جلد ۱۲ر، مجلد ۱۲ر، بانگ درا، اردو کلام کا مجموعہ ۱۲ر، مجلد ۱۲ر
پیام مشرق (فارسی) ۱۲ر، مجلد ۱۲ر، مثنوی اسرار خودی و رموز بیخودی (فارسی) ۱۲ر، مجلد ۱۲ر
شمع و شاعر ۴ر، نالۂ یتیم ۲ر
فریاد امت ۳ر، مکمل ترانہ ۲ر، اکبری اقبال ۳ر، شکوہ ۲ر
جواب شکوہ ۴ر، خضر راہ ۴ر، تصویر درد ۴ر

(تصانیف پروفیسر منہاج الدین، ایم، ایس، سی)

ہیئت جدید، حصہ اول ۱۲ر، حصہ دوم ۱۲ر، حصہ سوم ۱۲ر
زینت آسمان ۱۲ر، نظریۂ انانیت ۱۲ر

(تصانیف مولوی عبدالرحمن صاحب امرتسری)

کتاب التصرف ۱۲ر، کتاب النحو ۸ر، عربی بول چال حصہ اول ۱۲ر، حصہ دوم ۱۲ر
سیاحت نامہ، بلاد اسلامیہ ۱۲ر

(تصانیف مولوی ظفر علی خان صاحب)

روح معانی ۱۲ر، لطائف الادب ۱۲ر، اپریل فول ۶ر، میری عینک ۶ر
سنہری گھونگا ۸ر، حبسیات ۱۲ر، معاشرت ۶ر

(دار الاشاعت پنجاب کی کتابیں)

معلومات کی کتابیں:۔ نباتات اور نباتاتی خوراک، از پروفیسر موہن لال ہٹی ایم، اے، ۱۲ر۔ قدیم تہذیبیں، از جناب سالک بی اے ۱۲ر
ابداء باہمی۔ (از جناب سالک بی اے) ۱۲ر
آئین حکومت ہند۔ 〃 〃 ۱۲ر
دانایان فرنگ 〃 〃 ۱۲ر

ایجادات ۶ر، کاریگری ۱۲ر، سیاحوں کی کہانیاں ۸ر، سمندر کی کہانی ۳ر

پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن: — باغ و بہار یا چہار درویش (از پروفیسر مرزا محمد سعید ایم اے) ۱۲ر۔ فسانہ عجائب (ر) ۱۲ر، گل بکاؤلی ۱۲ر، اندرسبھا ۸ر

ہیبتناک افسانے: — خودکشی کی انجمن (تلج) ۸ر، راجہ کا ہیرا (تلج) ۸ر، قصر ساحل (تاج) ۸ر، تامیس (مولوی عنایت اللہ خاں) ۱۲ر، نیا چاند (سالک) ۸ر

خون کی پیاس ۱۲ر، بدنصیب ۱۲ر۔ بم کا نسخہ ۱۲ر۔

طبع زاد ناول: — چوگان ہستی (پریم چند) ۱۲ر، خواب ہستی (مرزا محمد سعید) ۱۲ر، یاسمین (ایضاً) ۱۲ر

ننھے بچوں کے لئے ۱۰ کتابوں کا سٹ، دوسرا درجہ ۱۲ر

〃 〃 تیسرا درجہ ۱۲ر

پانچ کتابوں کا سٹ........پہلا درجہ ۱ر

درسی کتابیں: — اردو کا قاعدہ (رنگین تصویریں) ۴ر، اردو کی پہلی (رنگین تصویریں) ۸ر، اردو کی دوسری (ایضاً) ۹ر، اردو کی تیسری (ر) ۱۰ر

(سید امتیاز علی تاج، بی اے، کی دیگر کتابیں)

پھولوں کی کلیاں حصہ اول ۶ر، حصہ دوم ۹ر، پھول باغ حصہ اول ۱۰ر، حصہ دوم ۵ر

دلچسپ کتابیں: — بچوں کی بہادری ۴ر، موت کا راگ ۳ر۔ سمندری شہزادی ۲ر، سپاہی اور درویش ۵ر، ابوالحسن ۶ر۔ چڑیا خانہ حصہ اول ۱۰ر، حصہ دوم ۱۲ر، گدگدی۔ حصہ اول ۸ر، حصہ دوم ۱۰ر، پرستان 〃 〃 ۸ر 〃 ۶ر

بادشاہوں کی کہانیاں۔ قیمت ۷ر

محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ کی تصانیف: — خانہ داری ۱۲ر، رفیق عروس ۱۲ر۔ آداب ملاقات ۸ر، نعمت خانہ ۱۲ر، حیات اشرف ۶ر۔ صفیہ بیگم ۱۰ر، آجکل ۹ر، خواب راحت ۴ر، سگھڑ بیٹی ۸ر، شریف بیٹی ۷ر، چندن ہار ۳ر، پان کی گلوری ۱ر، سچے موتی ۴ر، انمول موتی ۲ر، امتیاز بچپن ۷ر، تلج گیت ۳ر، تاج پھول ۵ر، ریل پھول ۸ر، دلچسپ کہانیاں ۹ر، دلپسند کہانیاں ۹ر، تین بہنوں کی کہانی ۶ر۔ علی بابا چالیس چور ۴ر۔ انگریزی گرامر ۲ر، چوہے بلی نامہ ۲ر

بچوں کے لئے نئی کتابیں: — کن کٹا قاضی ۸ر، نرالی دنیا ۵ر، تغلا ۶ر، بگلا بھگت ۵ر، کھیل بتیسی ۶ر، چاند کی بیٹی ۶ر، جادو کا نقطہ ۵ر، ثریا کی گڑیا ۵ر، پھول مالا ۱۲ر، گڑیا کا گھر حصہ اول ۱۲ر، حصہ دوم ۱۲ر، یار غار ۹ر۔ بحر جنوبی کا سفر ۶ر، قصر صحرا حصہ اول ۸ر، حصہ دوم ۱۲ر، حصہ سوم ۱۲ر، جادوگر ۸ر، بیگن سندری ۹ر، اندھا اور بہرا ۷ر، سند باد جہازی ۱۰ر، سوداگر کی کہانی ۵ر، بدر بادشاہ اور جوہر شہزادی ۱۰ر۔ ماہی گیر کی کہانی ۶ر۔ عمرو عیار حصہ اول ۸ر، حصہ دوم ۸ر، ہندوستان ہمارا ۱۲ر، بہار کے پھول ۸ر، نٹ کھٹ پانڈے ۱۲ر، گدھے کی آپ بیتی ۷ر، زنعی، حصہ اول ۷ر، حصہ دوم ۹ر، بن باسی رستم ۶ر، بیٹو نوجوان ۴ر، تین بھائیوں کی کہانی ۴ر، عزم بالجزم ۴ر، سلیم کی کہانی ۴ر، پھولوں کا ہار ۵ر، سپاہی زادہ ۲ر، پھولوں کا گلدستہ ۷ر، منتخب الحکایات ۸ر، چندیند ۸ر، پھلجھڑی ۷ر، ملکہ بیگم اور بدمزاج شوہر ۷ر، مرزا پھویا ۷ر، تل کے لڈو ۷ر، اسلامی کہانیاں ۴ر۔ پانچ باقرخانیاں ۴ر، عطر حنا ۴ر، بچوں کا حساب ۷ر، صبح ملال و شام غم ۱۲ر، الماس ۱۲ر۔

خان بہادر شیخ نور الٰہی کی کتابیں

نواب شیر خاں اور ان کی بلی ۴ر، چین چین ۵ر، احمد نجومی ۴ر، شہزادہ گدڑیا ۶ر، جنگی

شہزادی ۶ر، میاں کوشش ۵ر۔ غفر قوی ۵ر، چند آنسو ۱۰ر، گلگوں ۷ر، رہائے میر ۶ر، میاؤں میاؤں ۸ر، آپ بیتی ۷ر، ۱۱ر، رفیق زمیندار ۴ر

دینیات و تاریخ و سیرت

قرآن مجید مع ترجمہ فتح الحمید ۸ر، ملاحدہ ۷ر، تذکرۃ الانبیا (مولوی ممتاز علی صاحب) ۱۲ر۔ سیرت فاطمہ زہرا ۱۲ر، انتخاب صحاح ستہ ۱۲ر

دواوین و کلیات شعرا

کلیات اسمٰعیل ۷ر، روح نظیر اکبر آبادی ۱۲ر، کلیات ظفر کامل للعہ، گل کدہ عزیز لکھنوی ۸ر، مینائے سخن (امیر مینائی) ۱۲ر، انتخاب زریں (راس مسعود) ۱۲ر، دیوان جان صاحب ۱۲ر، بانگ درا (اقبال) ۱۲ر، کلیات سودا ۱۲ر، دیوان زندہ دل، دیوان رنگین وانشا ۸ر، دیوان امیر حسن ۸ر، کلیات مومن ۱۲ر، دیوان شاہ حاتم ۸ر، دیوان حالی ۱۲ر، کلیات اکبر مکمل ۸ر، کلیات وحشی ۸ر، دیوان مجروح ۱۲ر، کلیات نظا ۱۲ر، فریاد داغ ۸ر، گلزار داغ ۱۲ر، آفتاب داغ ۸ر، دیوان داغ ۸ر، دیوان ذوق، دیوان شیفتہ ۸ر، کلیات آتش ۱۲ر۔ اثرستان ۸ر، انتخابات دواوین از حسرت موہانی ۸ر، دیوان حسرت ۷ر، تخمیس (محسن کاکوروی) ۸ر، کلام شاد ۱۲ر، انتخاب غزلیات ذوق ۱۲ر۔ دیوان شیدا (مسیح الملک) ۱۲ر۔ باقیات فانی ۷ر، قصائد ذوق ۱۲ر، کلیات ولی ۸ر، نالۂ مشیر ۸ر۔ تاثر مشیر ۸ر، کلام مشیر ۸ر

دیگر قابل دید کتابیں

ناموس المشاہیر۔ مشاہیر ہندوستان کے حالات، دو جلد ۱۲ر

تواریخ ہند۔ مولوی عبد الکریم بی اے، ۸ر، تاریخ ہند، سید ہاشمی	۱ر
وقار حیات: — سوانح عمری نواب وقار الملک مرحوم	۸ر
حیات النذیر: — سوانح عمری ڈپٹی نذیر احمد مرحوم	۱ر
حیات کامل، 〃 مصطفیٰ کمال پاشا	۱۲ر
حقائق اسلام (مفتی انوار الحق، ایم اے)	۱۲ر
حقیقت اسلام (سر امین جنگ)	۸ر
المدینۃ والاسلام۔ ترجمہ فرید وجدی	۱۲ر
الفوز الکبیر۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ	۸ر
مستقبل اسلام	۱۲ر
کشاف الہدیٰ۔ تفسیر کتاب الہدیٰ کا مقدمہ	۱۲ر
عربوں کا تمدن	۱۲ر

نئی کتاب

غازی امان اللہ خاں کی الم انگیز داستان

بچہ سقہ کی بغاوت سے کابل میں جو عبرتناک انقلابات ہوئے ہیں ان کی صحیح اور مفصل کیفیت، امیر امان اللہ خاں کی تخت سے دستبرداری اور ہزیمت کی دردناک کہانی۔ [illegible]

ملنے کا پتہ، مینجر تجارتی کتبخانہ دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی

جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

جلد ۲، نمبر ۱

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز حیات جاوداں اندر ستیز است (اقبال)

مسلمانوں کی علمی، ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنے والا اور ان کو ترقی و کامیابی کے بہترین طریقے بتانے والا ماہوار رسالہ

کامیابی

جو حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کی ملکیت میں ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو دہلی سے شائع ہوتا ہے،

سالانہ قیمت معہ محصولڈاک سے، ششماہی قیمت معہ محصولڈاک عبر/ا

فہرست مضامین جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

شذرات

نیا سال ہم اور آپ سب سال گذشتہ کی بہ نسبت آج ایک برس اور بڑے ہوگئے، ہماری عمروں میں ۱۹۲۹ء نے ایک سال کی ترقی کر دی۔ لیکن کیا حقیقت بھی یہی ہے؟ کیا یہ کہنا اور خیال کرنا ٹھیک ہے کہ ہماری عمروں میں ایک سال کا اضافہ ہوگیا؟ کہا یہی جاتا ہے اور لکھا جو پڑھا بھی یوں جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے واقعات اسکے بالکل خلاف ہیں۔ اصلیت یہ ہے کہ ہماری عمروں میں سے ایک سال اور کم ہوگیا ہے، دنیا میں رہنے اور کام کرنے کی جو فرصت اور مہلت ہم کو حاصل تھی وہ بقدر ایک سال کے اب اور کم ہوگئی ہے، اور ہر آئندہ یکم جنوری کے روز اسی طرح ایک ایک سال گھٹتا چلا جائے گا۔ ہر سال کا پہلا دن ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے آتا ہے تاکہ ہم اس تھوڑے سے وقت کو جو باقی رہ گیا ہے اور جس کے متعلق یہ بھی نہیں معلوم کہ کتنا ہے، بہتر اور مفید تر مشاغل میں گذاریں اور دیکھ کر فرصت کے لمحوں میں برابر کمی ہوتی چلی جا رہی ہے اپنی رفتار ترقی کو اور بھی تیز کر دیں۔

ہمنے اپنی عمروں میں ترقی بھی کی ہے، اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء کی بہ نسبت آج ہماری عمر بقدر ایک سال کے زیادہ ہے لیکن ہمارے لئے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آیا ہمنے اپنی صحت جسمانی میں، اپنی تربیت دماغی میں، اپنے علم و فضل میں اپنے اخلاق جلیلہ میں اور اپنی انسانیت میں جو دنیائے مخلوق کے اندر ہمیں حاصل تھی ایک سال کے لائق کوئی ترقی کی ہے اگر ان تمام باتوں کے لحاظ سے آج بھی ہم ٹھیک اسی طرح دامن کوہ میں کھڑے ہوئے حسرت اور خوف کی نگاہوں سے پہاڑ کی سربفلک چوٹیوں کی طرف دیکھ رہے ہیں تو یقین کیجئے کہ گو وقت اپنی معمولی رفتار سے چلکر ایک سال ضرور آگے نکل گیا ہے لیکن ہماری عمروں میں ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اگر صحت، علم، عقل، اور اخلاق میں ترقی نہ ہو تو وہ عمر کی ترقی نہیں بلکہ تنزل ہے۔ جوانی میں بھی اگر ہماری حرکات طفلانہ رہیں، یا بڑھاپے میں بھی اگر ہماری خواہشیں اور ہمارے جذبات جوانانہ ہی ہوں تو ظاہر ہے کہ ہماری عمر میں قطعاً کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ عمر کی ترقی کے صرف یہ معنی ہیں کہ ہم اس عمر کی مناسبت سے پیشتر کی بہ نسبت بہتر انسان ہوں

وائسرائے اور بم اگر کسی بے وقوف شخص کا یہ خیال ہے کہ اس طرح بم پھینک کر یا ریل کی پٹریاں اکھاڑ اکھاڑ کر ہم سوراج حاصل کر لینگے تو وہ ضرور اس قابل ہے کہ اسے جلد سے جلد کسی پاگل خانے میں پہونچا دیا جائے، اور اگر یہ خیال نہیں ہے اور پھر بھی اسی طرح خواہ مخواہ حکمران جماعت کے بعض افراد پر حملے کئے جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اسے ایک فعل عبث اور تضیع اوقات سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ مقام مسرت ہے کہ ہز اکسلنسی اور انکے تمام ہمراہی بالکل محفوظ رہے، اور کسی کو کوئی نقصان نہ پہونچا لیکن بفرض محال اگر ایک بم سے پوری کی پوری گاڑی بھی اڑ جاتی تب بھی کیا ہوتا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہ لارڈ ارون کی بجائے کوئی دوسرا شخص ان کی کرسی پر بیٹھ کر کاغذات پر دستخط کرنے لگتا۔

نہ اس طرح سوراج مل سکتا ہے اور نہ اس طرح خود اپنے اندر کوئی طاقت پیدا ہو سکتی ہے سوراج صرف اسی وقت ملے گا کہ جب ہم میں اسکے لے لینے کی اہلیت پیدا ہو جائے، اور وہ اہلیت کبھی کسی قوم میں دو چار بموں کے ذریعے سے نہیں پیدا ہوئی ہے۔ اس قسم کی تمام حرکتیں بالکل احمقانہ ہیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

چوالیسویں کانگریس ۱۹۲۹ء کو کانگریس کی تاریخ میں کئی وجوہ سے ایک خاص امتیاز حاصل رہے گا۔ اس سال کانگریس کے اجلاس کی باگ پرانے اور تجربہ کار ہاتھ سے نکالکر ایک بیدار مغز اور جوشیلے نوجوان کے ہاتھوں میں دی گئی تھی، باراں دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ رہنمایان ملک کے مشورے اور تجربے مشعل راہ ہونگے، اور جوانی کا جوش اور ہمت سیاسی گاڑی کو کھینچکر منزل مقصود پر پہونچا دے گی۔

اسی سال مہاتما گاندھی کی یہ تجویز بھی کانگریس نے منظور کی ہے کہ کانگریس کا نصب العین کامل آزادی ہے جس کی بنا پر پنڈت موتی لال نہرو اور انکے رفقاء کار کا مرتب کیا ہوا وہ دستور اساسی بھی مسترد ہوگیا جو ملک میں نہرو رپورٹ کے نام سے کافی شہرت یا بدنامی حاصل کر چکا تھا اور جس کی بنا پر بعض ایسے مسلمان بھی مایوس ہو کر کانگریس سے علحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے تھے جو آزادی وطن کی خاطر بہت بڑی بڑی قربانیاں کر چکے ہیں۔

خطبۂ صدارت اس سال خطبۂ صدارت کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ اہم خوبی یہ تھی کہ وہ انگریزی کی بجائے نہایت صحیح اور فصیح اردو میں تھا، اور نوجوان صدر نے اسے اردو ہی میں حاضرین کو سنایا۔ اس سے پہلے بھی کانگریس کے اندر اردو زبان میں خطبہ ہائے صدارت پڑھے جا چکے ہیں لیکن انکے لکھنے والے مولنا ابوالکلام آزاد اور مسیح الملک مرحوم تھے جنھیں انگریزی زبان سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ موجودہ صدر کے لئے یہ ناممکن نہ تھا کہ وہ انگریزی میں اردو سے بھی شاید کچھ بہتر خطبہ تیار کر لیتے لیکن انھوں نے بالقصد اردو زبان کو غیر زبان پر ترجیح دی، اور یہ جذبہ یقیناً لائق صد تحسین ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے خطبۂ صدارت میں نہ ہمیں عالمانہ اور محققانہ باریکیوں کی تلاش تھی اور نہ وہ اسمیں ہیں۔ وہاں تو عشق آزادی اور حب وطن کا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے، اور جابجا علمی نظریئے، اور کتابی اور درسی اصول تباہ شدہ جہازوں کی طرح ان موجوں کے ساتھ بلند ہوتے اور گرتے نظر آ رہے ہیں۔ جوشیلے اور نوجوان صدر کو نہ اس سے مطلب ہے کہ اسپنسر اور مل کیا کہتے ہیں اور نہ اس سے کہ گلیڈ اسٹون اور مانٹیگو کی کیا رائے ہے، وہ صرف ایک بات جانتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کے لئے غلامی سے بڑھ کر کوئی لعنت نہیں ہے۔ وہ دنیا

ملک کے عوام بانے حکومت پر تبصرہ نہیں کرتا، اور نہ اس جھگڑے میں پڑتا ہے کہ وفاقی حکومت اچھی ہوگی یا بُری، وہ تو صرف یہی جانتا ہے اور یہی سب کو کہنا چاہتا ہے کہ ہر ملک پر صرف اسی ملک کے باشندوں کی حکومت ہونی چاہیے۔ اہل ملک کے سامنے وہ ملک کا سب سے اہم مسئلہ پیش کرکے دلوانا چاہتا ہے۔

... کانگریس کیا کرےگی؟ تعاون کی شرطیں پوری نہیں ہوئیں جب تک اس بات کی کوئی صورت نہ نکالی جائے کہ ہمیں حقیقی آزادی مل جائیگی، اس وقت تک کیا ہم تعاون کر سکتے ہیں؟ جب ... ساتھی جیل خانوں میں پڑے ہیں، اور جب تک جبر و تشدد کا دور جاری ہے کیا ہم تعاون کر سکتے ہیں؟ جب تک یہ یقین نہ دلایا جائے کہ فریب اور چالبازی کے ذریعہ سے فائدہ نہیں اٹھایا جائیگا، اگر حقیقی صلح مطلوب ہے اس وقت تک کیا ہم تعاون کر سکتے ہیں؟ توپ و تفنگ کی نوک سے صلح نہیں ہو سکتی، اگر ہمیں غیر قوم کا محکوم رہنا ہے تب بھی ہم اس امر پر رضامند ... کا عزم نہیں کرینگے۔

ہمارا نوجوان صدر تشدد کا حامی نہیں ہے اور اسے غلط طریق کار خیال کرتا ہے لیکن اس کا عزم اور نوجوانی اس کی زبان سے یہ بھی نکلوا ہی دیتا ہے کہ

میں مانتا ہوں کہ ہم میں سے اکثر لوگ کسی فعل کو بھی اخلاقی نہیں بلکہ عملی نقطۂ نگاہ سے دیکھا کرتے ہیں لہذا ہم تشدد کے طریقہ کو اسی لئے ترک کرتے ہیں کہ ہمیں اس میں کامیابی کی امید نہیں ہے لیکن اگر آئندہ کسی موقع پر کانگریس یا ملک اس نتیجہ پر پہونچے کہ تشدد کا طریقۂ کار ہی اس غلامی سے نجات دلا سکتا ہے تو کانگریس اسی پر عمل کرے گی۔ تشدد بری چیز ہے لیکن غلامی اس سے بھی بدتر ہے۔"

اقلیت اور اکثریت

صدر کانگریس کے خیال میں ملک میں تین مسئلے ایسے ہیں جو فوری توجہ کے محتاج ہیں اور ان تینوں میں بھی اکثریت و اقلیت کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، تفصیلات سے الگ رکھ کر انھوں نے چند اصولی باتیں بیان کی ہیں اور وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ ہر شخص ان پر ٹھنڈے دل سے غور کرے، آپنے فرمایا ہے

اصل میں حقیقی اختلافات میں سے اکثر دور ہو چکے ہیں، لیکن خوف اور باہمی بداعتمادی اب تک موجود ہے ... ... خوف اور بداعتمادی دور کرنے کے لئے دلیل اور خالص عقل سے کام نہیں چل سکتا۔ بھروسا اور فیاضی ہی اثر ڈال سکتے ہیں ... ... اگر ہم سب ایک غلام ملک میں غلام ہیں تو اس سے ہمیں یا ہمارے فرقہ کو کیا فائدہ پہونچے گا ......

کوئی اکثریت کسی مستقل مزاج اقلیت کو دبا نہیں سکتی، اور مجالس آئین سازی میں چند نشستوں کے اضافہ سے کسی اقلیت کی کافی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ ....

میں ہندو لیڈروں کو یہ مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں کہ انھیں فیاضانہ رویہ اختیار کرکے مثال قائم کرنی چاہیے۔ فیاضی نہ صرف اعلیٰ اخلاقی وصف ہے بلکہ اکثر یہی صحیح پالیٹکس اور مصلحت بھی ہوا کرتی ہے۔ میرے لئے یہ خیال کرنا مشکل ہے کہ آزاد ہندوستان میں کبھی ہندو بے اختیار بھی ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں مسلمان اور سکھ دوستوں سے درخواست کروں گا کہ وہ جو چاہیں لیں۔"

فاضل صدر نے اپنے خطبۂ صدارت میں اور بھی بہت سی باتیں بیان کی ہیں لیکن چونکہ روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں کے ذریعہ سے یہ خطبہ ملک کے ہر گوشہ میں پہونچ چکا ہے اس لئے ان کالموں میں پھر اسے نقل کرانا تحصیل حاصل ہے، لیکن یہ مناسب ہوگا اگر ملک کے اہم ترین مسئلہ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

ہندو مسلم اتحاد

گذشتہ چھ سات سال کے عرصہ میں جس مسئلہ نے سب سے زیادہ رہنمایان ملک کو پریشان کر رکھا ہے وہ ہندو مسلم اختلافات ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اگر یہ لعنت اور مصیبت رونما نہ ہوئی ہوتی تو ہندوستان حصول آزادی کی راہ میں اس سے منزلوں آگے ہوتا کہ جہاں وہ آج نظر آرہا ہے۔ یہ اختلافات کیوں رونما ہوئے، ابتدا کسنے کی، اور زیادتیاں کس کی جانب سے ہوئیں ہم ان چیزوں سے کوئی بحث نہ کرینگے، لیکن اس حقیقت سے کسی طرح چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ عوام کے دلوں میں اس قسم کے مخالفانہ جذبات ہرگز موجود نہ تھے، اور جہاں تک عام ہندوؤں اور عام مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ۱۹۲۱ء میں ایک دوسرے سے اس قدر قریب آگئے تھے کہ ہر قسم کا فرق و امتیاز قریباً اٹھ گیا تھا، اور دونوں فرقے ایک دوسرے کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑنے کو تیار تھے۔ انھیں نہ اپنے حقوق کی خبر تھی اور نہ انکے تحفظ کا خیال، اور وہ نہ اقلیت کا مطلب سمجھتے تھے اور نہ اکثریت کا۔ وہ صرف ایک ہی حق سے واقف تھے اور وہ وہی تھا کہ جو ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر ہوتا ہے۔

حقوق طلبی، اور تحفظ حقوق کے خیالات انکے ناآشنائے سیاست دماغوں میں ٹھونسے گئے، اور خود غرضی اور نفس پرستی کا سبق انھیں بڑی کوشش کے ساتھ پڑھایا گیا۔ یہ سبق پڑھانے والے اکثر و بیشتر یا تو ہمارے ملک کے اپنے تھے یا ہمارے اخبارات، خود ساختہ لیڈروں کو تو یہ خوف تھا کہ قوم اگر صحیح راستہ پر پڑ گئی تو پھر اسے کسی راہ بتانے والے کی ضرورت ہی کیا رہے گی، اور اخبارات نے یہ دیکھا کہ جب خوب جلی سرخیوں کے ساتھ خونیں داستانیں دہرائی جاتی ہیں تو آمدنی کافی ہو جاتی ہے۔ بہرحال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ لیڈری کے آرزومندوں کی بھی خوب مرادیں بر آئیں، اور اخباروں نے بھی نئی مشینیں اور نئے پریس خرید لئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اب بھی وہ وقت آیا ہے یا نہیں کہ جب ہم ذرا ٹھنڈے دل سے اپنی ان حماقتوں پر غور کر لیں جو گذشتہ چند سال میں ہم سے سرزد ہوتی رہی ہیں؟

ہم اپنے ہندو بھائیوں سے اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے جو انہی کے ہم مذہب صدر کانگریس نے کہا ہے۔ وہ مسلمانوں کو خواہ کتنی بھی مراعات کیوں نہ دیدیں پھر بھی یہ ناممکن ہے کہ ان کی اکثریت کبھی اور کسی حال میں اقلیت میں تبدیل ہو جائے۔ انھیں اگر ہندوستان کی ایک غیر مسلح، غیر منظم، اور غیر ترقی یافتہ اقلیت سے ڈر معلوم ہوتا ہے تو پھر وطن کو آزاد کرانے کے دعوے، اور ارادے سب بیکار ہیں۔ بہتر ہے کہ اس خیال ہی کو دل سے نکال دیا جائے۔

مسلمانوں سے ہمیں سب کچھ کہنے کا حق ہے اور ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ حقیقتاً اس قدر کمزور اور ڈرپوک ہو گئے ہیں کہ انھیں یہ اندیشہ ہے کہ ہندو انھیں ہندوستان سے نکال دینگے؟ کیا آج اسلام کے نام لیواؤں کا بھروسا تائید ایزدی اور اپنی حق پرستی کی بجائے

دونسل کی چند کرسیوں پر پچیس فیصدی اور تینتیس فیصدی کے تناسب اعداد پر رہ گیا ہے؟ کیا مسلمان اس بات کو بھول گئے ہیں کہ قوموں کے زندہ رہنے میں ان کی مردم شماری کسی کام نہیں آیا کرتی؟ زندہ رہنے کی اہلیت جس قوم میں ہوتی ہے وہ ضرور زندہ رہتی ہے خواہ اس کی تعداد کتنی ہی کم ہو۔ اسمبلی کے اندر پہونچکر تینتیس یا بفرض محال پچاس مسلمان بھی کیا کرسکتے ہیں جبکہ ہم اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ اسی اسمبلی میں ہم ہندوستانیوں کی اکثریت کبھی اس غیر ملکی اقلیت پر غالب آسکی جو ہم پر حکمراں ہے، اور آج تک تیس کروڑ انسانوں کی آبادی بدستور غلام بنی ہوئی ہے۔ اگر کثرت تعداد ہی اصل چیز ہوتی ہے تو کیوں ہم آج تک اپنے آپ کو آزاد نہ کراسکے؟ مسلمان اگر اپنے اندر وہ قابلیت نہیں پیدا کرسکتے جو دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے تو قانون الٰہی انکے لئے بدل نہیں سکتا اور وہ خواہ چھیانوے فیصدی نشستیں حاصل کرلیں پھر بھی وہ انکے کسی کام نہ آئیں گی، لیکن اگر وہ اپنے آپ کو زندگی کا اہل بنالیں تو تمام دنیا کی اکثریت بھی انکے خلاف ہوکر انکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہماری روزانہ آمدنی کا اوسط چھ پیسے فی کس پر پہونچ چکا ہے، ہماری تعلیم یافتہ آبادی کا اوسط بمشکل تین فیصدی ہے، ہماری صنعتیں سب تباہ ہوچکیں، زمین ہمارے لئے اپنے خزانے اگلتی ہے لیکن وہ ہمیں نہیں ملتے، بھیک مانگنے والوں کی تعداد کا ہم میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، ہمارے کروڑوں بھائیوں کو ایک سے دوسرے وقت روٹی میسر نہیں آتی، . . . . ہمارے کروڑوں بچے ننگے اور بھوک کے مارے پھر رہے ہیں، پھر بھی کیا ہمیں یہی زیبا ہے کہ ہم کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہیں، اور اپنے وطن کو غیروں کی فرماں برداری سے نجات دلانے کی کوئی کوشش نہ کریں؟

دریاؤں کے کنارے جنگلوں میں جب سیلاب آتا ہے تو شیر بھیڑیے ریچھ اور ہرن سب ساتھ ساتھ اونچے ٹیلوں کی جانب بھاگنے لگتے ہیں۔ نہ شیر کو ہرن پر حملہ کرنے کا خیال آتا ہے اور نہ ہرن کو شیر سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کیا ہم ان جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں کہ پانی سر سے اونچا ہوتا چلا جارہا ہے اور ہم آپس ہی میں لاٹھی اور سنگ چلانے میں مصروف ہیں؟

استنجے کا ڈھیلا | لاہور خلافت کانفرنس کے جلسہ میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب نے ان مسلمانوں سے جو "زندہ باد انقلاب" کے نعرے لگا رہے تھے فرمایا کہ "مسلمانوں کے لئے تو ملک استنجے کا ڈھیلا ہے" کل تک ان کانوں نے اسی مقدس زبان سے اسی "استنجے کے ڈھیلے" کا نام مادر وطن اور بھارت ماتا سنا تھا۔ مولنا کو اپنے متعلق پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ جس خاک سے پیدا ہوئے ہیں اسے "استنجے کے ڈھیلے" کی خاک سمجھیں لیکن وہ ہمیں معاف کریں اگر ہم ان سے یہ کہیں کہ اس عقیدہ میں مسلمان ہرگز ان سے متفق نہیں۔ مسلمانوں کو انکے سب سے بڑے ہادی نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ

"حب الوطن من الایمان" (وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے) اور مسلمان اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے وطن کی خاک کو اگر وہ حقیقتاً استنجے کے ڈھیلے کی خاک ہو تب بھی سر اور آنکھوں پر جگہ دیں۔ مولنا کے لئے بس وہی مناسب تھا کہ نہرو رپورٹ کو، اور شاردا ایکٹ کو گالیاں دیتے رہتے آخر یہ خواہ مخواہ غریب ہندوستان پر کیوں برس پڑے؟

جذبۂ وفاداری | پاداش بخیر اس مرتبہ کانگریس میں ہمارے دیرینہ کرم فرما پنڈت مدن موہن مالویہ کا جذبۂ وفاداری پھر بہت کچھ جوش میں آگیا تھا۔ آپنے بڑے بڑے زور لگائے کہ "مکمل آزادی" کی تجویز کسی طرح کانگریس میں پاس نہ ہو مگر شومی قسمت کہ ناکام رہے۔ آپکی ناکامیاں آپکی قوت اختراع و ایجاد کو اکثر تحریک پہونچایا کرتی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اب پھر کسی نئے قسم کا سنگٹھن تصنیف فرمادیا جائے۔

دہلی میں "نیرنگ" | صوبۂ متحدہ کا مشہور اور ممتاز ادبی پرچہ "نیرنگ" اب تک رامپور سے شائع ہوا کرتا تھا لیکن غالباً کتابت و طباعت کی مشکلات نے جو دہلی کی بہ نسبت یقیناً رامپور میں بہت زیادہ ہیں، کارکنوں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ پرچہ کو دہلی لے آئیں "نیرنگ" ایک بہت ہی سنجیدہ اور متین پرچہ ہے اور نہایت خاموشی کے ساتھ ادب اردو کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہے۔ ہمیں یہ معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی ہے کہ "نیرنگ" کو دہلی کی خاک پاک سے حصول برکت کا، اور خود خاک پاک دہلی کو "نیرنگ" کے وجود پر فخر کرنے کا موقع ہم پہونچگیا۔ خدا کرے یہ انتقال مکانی "نیرنگ" کو پورے طور پر راس آئے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ پھلے پھولے۔

عبد الحئی بل | یہ دیکھ کر دل کو حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ بالآخر ہمارے دراز کی تغافل شعار بلکہ بد مسلمانوں کو بھی اس غریب اور بیکس طبقہ کے حقوق کا کچھ خیال آہی گیا جسے طبقہ نسواں کہا جاتا ہے۔ پنجاب میں ابھی تک مسلمانوں کی بچیاں اپنے اس جائز حق سے بھی محروم رہتی تھیں جو انھیں خدا اور رسول کی طرف سے عطا ہوچکا ہے، اور وہاں باپ کے ترکہ میں غریب لڑکی کا کوئی حق اور کوئی حصہ تسلیم نہ کیا جاتا تھا۔ علامہ راشد الخیری کئی سال سے مسلسل اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ پنجاب کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائیں، اور ہم انھیں اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں کہ اب جناب عبد الحئی صاحب کی طرف سے ایک مسودہ قانون اس مضمون کا پیش کیا جانے والا ہے جس کا مقصد حقوق نسواں کا تحفظ ہے۔ اس مسودہ قانون کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اگر وہ صرف ترکۂ پدری کی تقسیم ہی تک محدود رہتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔ بصورت موجودہ ممکن ہے کہ اسکے پاس ہونے میں کچھ دقتیں پیش آئیں۔

صوبۂ متحدہ کا "چاند" | پنجاب نے متعدد دیدہ زیب اور باتصویر ماہانہ رسالے نکالکر زبان اردو کی ترقی کو چار چاند لگادیئے تھے، صوبۂ متحدہ کو زبان کی خدمت میں پنجاب سے پیچھے رہ جانا گوارا نہ ہوا، اور ہندی زبان کے ایک ماہوار رسالے کے کارکنوں نے اردو کی خدمت بھی اپنے سر لے کر نہایت اعلیٰ پیمانے پر ایک ماہوار رسالہ نکالنے کے انتظامات مکمل کرلئے۔ ہندی رسالہ کا نام چاند تھا وہی نام اردو کے رسالے کے لئے بھی پسند کیا گیا ہے۔ ابھی تک ہماری نظر سے صرف اسکا ایک نمبر گذرا ہے۔ جہاں تک ظاہری حسن کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپ ہی اپنا نظیر ہے۔ مضامین بھی دلچسپ کارآمد اور مفید ہیں لیکن ابھی انکا معیار اس قدر بلند نہیں ہے کہ جس بلندی پر پہونچانے کی تمنا "چاند" کے ایڈیٹر کو ہوگی، اور اس خامی کا باعث صرف پرچہ کا نیا ہونا ہے۔ ملک کے مستند اور قابل ادیبوں کو اس پرچہ کی جانب خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ پرچہ جلد سے جلد ترقی کرکے یہ ثابت کرسکے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ صوبۂ متحدہ کے ہندوؤں کی مادری زبان بھی اردو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہم آسمان اردو کے اس چاند کا سچے دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور ہماری دلی دعا ہے کہ وہ اسم بامسمّٰی ثابت ہو۔

کیا مذہب کا دَور ختم ہوچکا؟

از ایڈیٹر

گذشتہ نومبر کے "کامیابی" میں "حق پسند" صاحب کا ایک مضمون "مذہب کا دور ختم ہوچکا" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس کا مدلل اور معقول جواب دینے کی درخواست "کامیابی" نے علمائے کرام سے کی تھی۔ خیال تھا کہ دسمبر کے پرچہ میں ضرور کوئی نہ کوئی اہل علم بزرگ اس طرف توجہ فرمائینگے لیکن افسوس کے ساتھ دیکھا یہ گیا کہ کوئی ایک مضمون بھی اسکے جواب میں ایسا نہ آیا جو "کامیابی" میں اشاعت کے قابل سمجھا جاتا۔ ممکن ہے کہ اس کا یہ باعث ہو کہ ہمارے علمائے کرام آجکل گوناگوں مصروفیتوں میں پھنسے ہوئے ہیں کہیں شاردا ایکٹ [illegible] مداخلت فی الدین" کے خلاف جدوجہد ہو رہی ہے کہیں "کرسی صدارت" کے متعلق جنگ و پیکار، پھر یہ کہ ایسی "فضول اور لایعنی" باتیں جو سرے سے اسلام کی بنیاد ہی کو ہلائے ڈالتی ہیں شاید اس قابل بھی نہیں کہ قوم کی مقدس اور متبرک ہستیاں ان کی جانب توجہ کریں۔ علما کے کرنے کے اور بہت سے کام ہیں، جب ہم بے علموں ہی کو کرنے پڑتے ہیں تو بدرجہ مجبوری ایک یہ بھی سہی، اس خیال نے مجھے ہمت دلائی اور جو کچھ سمجھ میں آیا میں نے لکھا، اگر "حق پسند" صاحب اس سے مطمئن ہوجائیں اور میری یہ سعی مشکوری کا درجہ حاصل کرے۔ حق پسند صاحب کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا اور اسکے رسولوں کے منکر نہیں ہیں اور اس حد تک مسلمان ضرور ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہوں انھیں مسلمان سمجھ کر کہوں۔ اور میرے لئے یہ بھی ایک بہت بڑی آسانی ہے۔

حق پسند صاحب! مجھے یہ دیکھ کر بیحد مسرت ہوئی کہ گو آپ مذہب سے بیزار نظر آتے ہیں پھر بھی آپکے دلمیں اسقدر تو ایمان موجود ہے کہ آپنے بے کم و کاست نہایت سچائی کے ساتھ جو کچھ آپکے خیالات تھے انھیں ظاہر کردیا ورنہ آج تو یہ حالت ہے کہ بالعموم وہ لوگ کہ جنھیں مذہب یا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کے لئے بھی تیار ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کی صفوں کے آگے کھڑی ہونے والی ہستیوں میں آج کتنے ایسے ہیں جو یہ بھی سمجھتے ہوں کہ اسلام کیا چیز ہے اور وہ ہمیں کیا سکھانے اور کیا چیز بنانے آیا تھا؟ ہماری مذہبی اور سیاسی رہنمائی کرنے والوں میں ایسے متبرک نفوس کتنے ہیں جنکے دلوں میں مذہب اسلام کی یا پیروان اسلام کی محبت نام کے لئے بھی موجود ہو، اور جو ہمارے لئے کوئی تکلیف اُٹھانی تو درکنار، اپنا ایک وقت کا قورمہ اور بریانی بھی چھوڑنا گوارا کرلیں؟ میں ہرگز ہرگز یہ کہنا نہیں چاہتا کہ سچے اور پکے مسلمان بالکل معدوم ہیں، لیکن یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وہ شاذ کا حکم رکھتے ہیں اور شاذ کو معدوم کہنا بالکل صحیح ہے۔ مستثنیات ہمیشہ اس بات کا ثبوت ہوتے ہیں کہ جو قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہ کلیہ نہ رہا ہے اور ہماری حد تک اس قاعدہ کو ہم یہاں پر آج نہ ماہی کا کام کرنے کی [illegible] ضرورت ہے [illegible]۔

[illegible] ہو کہ میری اس توضیح [illegible] آپ پانچ دے کا ایک ثبوت خیال فرمائیں اور یہ کہیں کہ [illegible] تو بھی کتنا ہوں کہ اب دنیا میں مذہب کے معاودہ کرنے کی ابتدا ہو چکی ہے، اور یہ حالت اسی وجہ سے رونما ہوئی ہے لیکن ابھی نتیجہ نکالنے میں آپ جلدی کیجئے کیا آپ کو معلوم ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں، اُن ملکوں میں بھی کہ جو آپکے خیال کے مطابق سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، ہر قسم کے جرائم کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے؟ قتل کے واقعات یورپ اور امریکہ میں اب گذشتہ صدی کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں، ڈاکے اب پہلے سے بہت زیادہ پڑتے ہیں، چوریوں کی کثرت حیرت انگیز ہے، [illegible] اس حد تک عام ہو گیا ہے کہ اب بہ مشکل یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں بدکاروں کو مجرم کہا جائے یا چند "بے وقوف" پرہیزگاروں کو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں لیکن میرے اس بیان پر اگر آپ کو کچھ شبہ ہو تو امریکہ اور یورپ کے اخبارات کا چند روز کے لئے مطالعہ کرنا آپ کو یقین دلانے کے لئے کافی ہوگا۔

اب اگر نتیجے اخذ کرنے کے لئے میں بھی آپ ہی کا [illegible] استعمال کروں کہ جو آپ نے فرمایا ہے تو کیا مجبور ہوکر مجھے اور آپ کو یہ بات تسلیم نہ کرنی پڑے گی کہ اب قانون سے فائدہ اُٹھانے کی استعداد لوگوں میں باقی نہیں رہی ہے، اور اگر یہ نتیجہ صحیح ہے تو کیا آپ یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ اب قانون اور آئین کا دور رخصت ہوچکا اور اب نسل انسانی [illegible] ارتقاء کے اس دور میں آچکی ہے کہ اسے کسی قسم کے قانون کی ضرورت نہیں [illegible] قدم قدم پر پولیس کے سپاہیوں کا [illegible] ایک "ڈنڈے" کے کھڑا رہنا اور ان کی مدد کے لئے چھاؤنیوں میں بڑی بڑی فوجوں کا ہر وقت [illegible] رہنا [illegible] جیل خانوں کی تکلیف دہ زندگی کا خیال، اور پھانسیوں کی رسّی اور تختے کا خوف بھی لوگوں کو اس بات پر آمادہ نہیں کرتا کہ وہ قانون کا پورا پورا احترام کریں، اور آج ایک بھی ایسا انسان ملنا دشوار ہے جو کامل طور پر پابند قانون ہو تو پھر اسکے کیا معنی ہیں کہ آپ قانون کو غیر ضروری خیال کرتے اور اسے نوع انسان کے عہد وحشت و جہالت کی یادگار تصور فرمانے سے گریز کرتے ہیں۔

نسل انسانی کی تاریخ کا اگر ہم ذرا غور کے ساتھ مطالعہ کریں تو اسمیں [illegible] ہی نمایاں نظر آتی ہیں۔ ہر قوم پر ایک ایسا دَور گذرا ہے کہ جب اسنے [illegible] اختیار کیا اور نہایت سچے دل سے اس مذہب کے اصولوں کی پابندی کرتی رہی اور پھر

دوسرا دور ایسا آیا ہے کہ اسی قوم کے افراد نے بہت سی لغویات اور فضولیات کو مذہب میں داخل کرکے مذہب کے اصولوں سے تو چشم پوشی کرلی، اور بعض فروعی باتوں کی پابندی انتہائی شغف اور انہماک کے ساتھ کرنے لگے۔ مختلف قوموں کی تاریخ میں ہم انہی دو کیفیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی دیکھیں گے کہ جس وقت تک وہ قوم اپنے مذہب کے اصولوں کو سمجھتی تھی اور ان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں کام میں لیتی تھی اسوقت تک اسکے اخلاق و عادات بھی پسندیدہ رہتے تھے، اور اسمیں اچھی انسانیت بھی پیدا ہو جاتی تھی، لیکن جب وہ مذہب کو ایک قسم کا بُت بناکر اسکی پرستش شروع کردیتی تھی۔ اور مذہبی اصولوں سے اپنی روزمرہ کی زندگی میں کوئی کام نہ لیتی تھی تو اسکے اخلاق بھی پست ہو جاتے تھے اور آہستہ آہستہ وہ انسانیت کے عروج سے مائل بہ زوال ہو جاتی تھی۔

ان واقعات سے ہم اگر چاہیں تو بہت ہی مفید نتیجے نکال سکتے ہیں، ہندوؤں کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہندو مذہب قبول کرنے کے بعد انھوں نے بے انتہا ترقی کی حتیٰ کہ بعض علوم و فنون کی ایجاد کا سہرا انکے سر ہے، لیکن ایک مدت گذرنے کے بعد انکا مذہبی جوش کم ہوا، مذہب کے اصولوں کے ساتھ وہ سچا شغف باقی نہ رہا اور خود غرض اور نفس پرست لوگوں کو موقع ملا کہ وہ لغویات کو مذہب کے نام سے رواج دیدیں اور مذہبی علم کو اپنے لئے مخصوص کرلیں تاکہ عوام اگر کوشش بھی کریں تب بھی صحیح مذہب سے آشنا نہ ہوسکیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام ترقیاں خاک میں مل گئیں، اخوت اور مساوات اس حد تک معدوم ہوئی کہ اپنے ہی جیسے انسانوں کو ناپاک اور نجس سمجھنے لگے اور مدتہائے دراز کے لئے دوسروں کے غلام بنگئے یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی اسی قسم کے دور گذرے ہیں، اور سترہویں صدی عیسوی میں مذہب عیسوی کا پادری کسی طرح بھی ہندو مذہب کے برہمن سے کم نہ تھا۔ اس کا ظاہر تو یہ تھا کہ وہ دنیا کی تمام لذتوں کو چھوڑ چکا ہے اور عبادت الٰہی کے سوا دنیا میں اس کی زندگی کا کچھ اور مقصد ہی نہیں ہے، لیکن اس کی خلوت کی زندگی ایسی ایسی سیاہ کاریوں سے بھری ہوئی ہے جن کا ذکر سنکر بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی شرم آجائے گی۔ ہندوؤں کی طرح عیسائی بھی پستی اور زوال کی جانب مائل ہو چکی تھیں اور انکے ملکوں پر ایک ایک کرکے مسلمانوں کا قبضہ ہوتا چلا جارہا تھا کہ یکایک انکے عوام کو ہوش آگیا اور انھوں نے محسوس کرلیا کہ ہمارے مذہبی پیشوا جس چیز کو ہمارے سامنے مذہب کے نام سے پیش کررہے ہیں وہ مذہب نہیں ہے انھوں نے جلد سے جلد پادریوں کا جوا اپنے کندھوں سے اُتار کر پھینکدیا، اور مسلمانوں سے تعلقات بڑھاکر انہی کے اخلاق و عادات بھی سیکھے اور اسی کے علوم و فنون بھی حاصل کرنے شروع کردئیے اور اس طرح اپنے آپکو تباہی کے غار میں جانے سے بچالیا۔ آپ ضرور اب کہنا چاہتے ہونگے کہ عیسائیوں نے جب مذہب کو چھوڑا اور عقل سے کام لیا تو ترقی کی۔ میں آپکے اس اعتراض کا جواب اس قصہ کو ختم کرنے کے بعد دینا چاہتا ہوں کیونکہ یہاں اس کا ذکر کسی قدر ناموزوں ہوگا، بہرحال آپ مطمئن رہیں ابھی چند سطروں کے بعد اسکا جواب بھی آیا جاتا ہے۔

عیسائیوں کے بعد مسلمانوں کا نمبر آتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر یہ بھی آندھی کی طرح اٹھے اور آدھی دنیا پر چھاگئے۔ جس سرزمین پر جانکلے وہیں کے باشندوں کو اپنا گرویدہ بنالیا، جس قوم سے واسطہ پڑا وہی ان کی ہم مسلک اور ہم مشرب بن گئی، ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کی، نئی نئی باتیں تحقیق کیں اور قدرت کے بہت سے سربستہ رازوں کی گرہ کشائی کرکے عجیب غریب ایجادات سے دنیا کو ترقی کی کئی منزلیں طے کرادیں، لیکن بدقسمتی سے یہ بھی نکلے تو تھے دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرانے مگر جابجا اپنی حکومتیں قائم کرکے بیٹھ گئے۔ تاج و تخت کی ہوس نے انکے دلوں سے یہ سبق محو کردیا کہ جماعت جسے منتخب کرکے اپنا امیر بنالے وہی حکمران ہونا چاہئے اور اب سلطنت باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملنے لگی، قوم کا سردار اب قوم کا خادم نہ رہا بلکہ مخدوم بن گیا، اور مختلف قوموں اور ملکوں پر انکے حملے اس غرض سے ہونے لگے کہ بادشاہ کے خزانے مال و دولت سے بھرجائیں۔ اسلامی اخوت غائب ہوگئی، اسلامی انصاف رخصت ہوگیا، اور اسلامی مساوات سے کوئی واسطہ نہ رہا، اور برہمنوں اور پادریوں کی طرح انکے اندر بھی ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی جسنے مذہبی تعلیم کا اپنے آپ کو ٹھیکہ دار بنالیا، اور مذہب کے اصولوں کو چھوڑکر صرف چند فروعات کا نام مذہب رکھدیا۔ نئی نئی بدعتیں رواج پانے لگیں، اور صدہا قسم کی لغویات اور خرافات جزو مذہب بنکر مذہب کے پاک نام سے پکاری جانے لگیں، زبان پر توحید کے دعوے رہے لیکن گور پرستی، تعزیہ پرستی، پیر پرستی، غرضکہ خدا پرستی کے سوا ہر قسم کی مخلوق پرستی عام ہوگئی۔ چند مقررہ الفاظ طوطے کی طرح رٹ کر زبان سے دہرا دینے کا نام عبادت رہ گیا، اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ سے قوم کی قوم متصف نظر آنے لگی۔ نتیجہ جو کچھ نکلا وہ میری اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، آپ بھی روئیے اور میں بھی آنسو بہاؤں۔ انگلستان اور فرانس میں تو ہماری مسجدیں بھی ہیں لیکن اندلسیہ میں جہاں ہمنے مدتوں حکومت کی تھی کہیں مسلمانوں کا کوئی بچہ تک نظر نہیں آتا۔ عرب کے حصے بخرے ہو چکے، ایران محض اس جنگ عظیم کی بدولت بچ گیا ورنہ ریچھ اور شیر اسے مدتوں کا ہضم کرچکے ہوتے، ترکی اپنے تمام مقبوضات سے محروم ہوکر ایک ایسا درخت بنکر رہ گیا ہے جس کے پتے اور شاخیں سب نوچ لی گئی ہوں، اور ہندوستان میں دو چار دس بیس نہیں، بلکہ پورے سات کروڑ مسلمان ایک اجنبی قوم کی غلامی کررہے ہیں۔

ان تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ مذہب میں کوئی ایسی طاقت کوئی ایسی تحریک، یا کوئی ایسی برقی لہر ضرور موجود ہوتی ہے جو انسان کے دل کو جوش عمل سے بھر دیتی ہے اور اسے پستی سے ابھار کر ترقی اور عروج پر پہونچا دیتی ہے۔ ہم یہ بھی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ جب یہ تحریک یا برقی لہر ختم یا کمزور ہو جاتی ہے تو انسان پھر ترقیوں سے محروم ہوکر تنزل کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کا مطالعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مذہب کے نام میں انسانی روح کے لئے کوئی ایسی کشش بھی ضرور موجود ہے کہ اسکے نام پر وہ اپنی جان تک قربان کردینے میں دریغ نہیں کرتا خواہ جو چیز اسکے سامنے اس نام سے پیش کی گئی ہے وہ بالکل لغو اور فضول ہی کیوں نہ ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا آپس میں گائے اور باجے کے پیچھے ایک دوسرے کا خون بہانا اس کا بین ثبوت ہے۔

مذہب کے متعلق یہ معلوم کرلینے کے بعد کہ وہ کوئی ایسی قوت ہے کہ جو انسان کو ہمیشہ بلندی اور [illegible] کی طرف مائل رکھتی ہے، اور اسکے بغیر انسان ترقیوں سے محروم ہوکر زوال پذیر ہونے لگتا ہے، نیز یہ کہ انسانی طبیعتوں کے لئے اسکے نام میں کوئی خاص دلکشی بھی ایسی موجود ہے جو انھیں آنکھیں بند کرکے اسکی پیروی پر آمادہ کردیتی ہے، آئیے اب ہم دور عقل کے متعلق بھی تحقیقات کرکے دیکھیں کہ وہ کیا کیا کرسکتی ہے، اور کیا کیا کرتی رہی ہے۔ ایسی سب سے بڑی جماعت جسنے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر صرف عقل کو اپنا ہادی اور رہنما بنالیا ہے ہمیں مبلغ عیسوی ہی میں مل سکتی ہے۔ میں اوپر عرض کرچکا ہوں کہ یورپ کے عیسائی اس دور میں پہونچ چکے تھے کہ جب پادریوں کے احکام انکے لئے فرمان الٰہی تھے اور صحیح اور سچے مذہب سے انھیں کوئی واسطہ نہ رہا تھا۔ ایسی حالت میں ہمارے مسلمہ قاعدہ کے مطابق انھیں پستی کے غار میں گر جانا چاہیے تھا، لیکن وہ نہ گرے اور ان کی عقل نے انھیں بچا لیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عقل انسان کی رہبری ہر سمت کو کرسکتی ہے، وہ اسے بھلائی کی طرف بھی لیجا سکتی ہے اور برائی کی طرف بھی۔ آج جو عجیب غریب اور سائنٹفک طریقوں پر چوریاں کیجاتی ہیں وہ عقل کی بری سمت کو رہبری کی بہترین مثالیں ہیں۔ جبوقت تک عیسائیوں کی عقل ان کی غلط رہبری کرتی رہی وہ اپنے پادریوں کے غلام بنے رہے اور بار بار مسلمانوں سے ٹکراتے رہے۔ ایک بربر ترقی قوم سے ٹکرانا پہاڑ سے سر ٹکرانے کا ہم معنی ہوتا ہے اسی لئے ہر مرتبہ مسلمانوں سے متصادم ہونے کے بعد عیسائی قوموں کو اپنے شکستہ سر و بازو پر ماتم کرنا پڑا۔ اسے حسن اتفاق کہیے یا خوبی تقدیر کہ انھیں اپنی غلط روی کا بہت جلد احساس ہوگیا اور انھوں نے ایک طرف تو اس مصیبت سے نجات حاصل کی جو مذہب کے نام سے انکے سر پر مسلط تھی اور دوسری طرف مسلمانوں سے تمام وہ باتیں سیکھ لیں جو انکے مذہب نے انھیں سکھائی تھیں اور اس طرح جہاں تک کہ دنیاوی زندگی بسر کرنے کا تعلق تھا وہ پابند اسلام بن گئے، انھوں نے اپنا نام مسلمان نہ رکھا، انھوں نے ہر ایک مذہب کی پابندی کو اپنے لئے عار سمجھا، لیکن اسکے باوجود انھوں نے معاشرت کے طریقے سارے کے سارے وہی سیکھ لئے جو ایک مکمل مذہب نے اپنے پیروؤں کو سکھلائے تھے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ جس تمدن کو یورپ اپنی عقل کی ایجاد کے نام سے ہمارے سامنے پیش کررہا ہے وہ فی الحقیقت اسکی عقل کی اختراع نہیں بلکہ تعلیم اسلام کی کسی قدر مسخ شدہ صورت ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عقل کے پتلوں کے بنائے ہوئے تمام قوانین انہی کاموں کو خطا اور جرم قرار دیتے ہیں کہ جنھیں مذہب گناہ کے نام سے نامزد کرچکا تھا؟ اور کیا یہ بھی واقعہ نہیں ہے کہ جن کاموں کی مذہب نے اجازت دی تھی لیکن یورپ کے عیسائیوں کی عقل انھیں برا خیال کرتی تھی اور انھیں قانوناً اپنے ملکوں میں ممنوع کر رکھا تھا انکی خوبیوں کا اب اسی سرکش عقل کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور طلاق اور تعدد ازدواج اب ایک یورپین لامذہب کی نگاہ میں ایسی مہیب اور خوفناک چیزیں نہیں رہی ہیں۔ طلاق کی ضرورت کو تو عملاً تسلیم کیا جاچکا، اور گذشتہ جنگ عظیم کے بعد جب مردوں کی آبادی بہت ہی کم ہوگئی تھی تو اس کمی کو پورا کرنے اور عورتوں کو آوارگی سے بچانے کے لئے ایک سے زیادہ بیاہ کی

پر یہ تجویز بھی آچکی کہ تعدد ازدواج کو رواج دیا جائے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض چیزوں کو مذہب نے ممنوع قرار دیا تھا اور انسانی عقل نے انھیں جائز رکھا لیکن بالآخر عقل کو ہار ماننی پڑی اور مذہب ہی کا فیصلہ زیادہ صحیح ثابت ہوا۔ مثلاً شراب کی حرمت، عقلاً اسکا جواز، اور بالآخر امریکہ کا قانون انسداد شراب نوشی اسکی بہت ہی واضح مثال ہے۔ مذہب نے بالکل کھلے اور واضح الفاظ میں یہ حکم دیئے تھے کہ "کان الناس امۃ واحدۃ" یعنی سب انسان ایک ہی کنبہ کے افراد ہیں، اور "والذین یکنزون الذہب والفضۃ فبشرہم بعذاب الیم" یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے خزانوں میں بھر کر رکھتے ہیں انھیں دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔" عقل نے ان حکموں کا مذاق اڑایا لیکن آج تمام دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ یا تو رنگ اور نسل کے امتیاز کی وجہ سے لڑائیاں اور جھگڑے برپا ہیں، یا سرمایہ داروں کے مظالم کے خلاف مزدوروں کی آستینیں چڑھی ہوئی ہیں۔ مذہب غیر مرد اور عورت کے غیر ضروری میل جول اور یکجائی کا مخالف تھا، عقل نے اسکے اس خیال کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ لاکھوں مجہول النسب بچے، کروڑوں عزت باختہ خاتونیں اور بالآخر مرد و عورت کی باہمی منافرت اور جنگ و جدال۔

یہ تمام باتیں تو معاشرت سے متعلق تھیں انھیں جانے دیجئے، علوم و فنون کی دنیا میں آئیے جن پر عقل کو سب سے زیادہ ناز ہے۔ عقل ہمیں آج تیرہ سو برس کے بعد یہ بتلانے آئی ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے بلکہ ایک خاص سمت کو جارہا ہے، لیکن مذہب ہمیں اسی وقت بتا چکا تھا کہ "والشمس تجری لمستقر لہا" یعنی سورج اپنے مستقر کی طرف چلا رہا ہے۔ عقل آج ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند ڈاکٹر بوس کی زبان سے یہ کہہ رہی ہے کہ نباتات میں بھی نر و مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں، لیکن مذہب ہمیں اسوقت کہ جب دنیا میں ان علوم و فنون کا نام و نشان بھی نہ تھا یہ سنا چکا ہے کہ "وانبتنا فیہا من کل زوج بہیج" یعنی ہم نے زمین میں نباتات کے جوڑے اگائے۔" ہم ان حقائق سے کیوں آگاہ نہ تھے اسکا جواب تو وہ علمائے کرام دینگے جو در مختار کے سوا کسی اور مذہبی کتاب کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ قدرت کے اسرار کا بھی مذہب نے ہمیں عقل سے پہلے اور عقل سے بہتر علم بخشا ہے۔

ابھی عقل کے کچھ کارنامے اور بھی باقی ہیں، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر مذہب نے اپنے عروج و ترقی کے زمانے میں انسان کو پستی سے اٹھا کر بلندی پر پہونچایا اور اسمیں اعلیٰ ترین انسانی صفات پیدا کردیں لیکن عقل نے اپنی ترقی اور عروج کے دوران میں کیا کیا؟ اسنے بھی انسان کو اونچا اٹھایا لیکن کس طرح؟ ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے تاکہ وہ اپنے ہی بھائیوں پر بم برسا سکے اور لاکھوں بے گناہوں کا خون بہا سکے، اسنے ہمیں اس لئے کرۂ ہوا میں پہونچایا کہ وہاں سے ہم عروس البلاد یعنی دمشق جیسے قدیم اور تاریخی شہر کو آن واحد میں اینٹ اور مٹی کا ڈھیر بنا رکھ اور کوئلوں کا انبار بنا دیں، شہر کی غیر جنگجو اور غیر مسلح آبادی کے چیتھڑے اڑا دیں اور ہزارہا قابل دید عمارتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں، اسنے ہمیں ترقی کے راستہ

ضرور ڈالا، لیکن وہ ترقی ایسی تھی کہ ہم من حیث الانسان ترقی کرکے اپنے اندر اعلیٰ ترین انسانی صفات پیدا کرتے، بلکہ ایسی ترقی تھی کہ ہم دولت کو اپنا مقصود، اور مقصود ہی نہیں بلکہ معبود سمجھنے لگے، اسکے حصول کی خاطر ہر ناجائز اور ناروا کارروائی جائز ہوگئی، طاقتور اور صاحب ثروت انسان کمزوروں اور ناداروں کا خون چوسنے لگے، کوئی کمزور قوم آزاد نہ رہی اور اپنے ہی جیسے انسانوں کی غلامی کرنے پر مجبور کردی گئی، طرح طرح کے لالچ اور فریب دیکر ماتحت قوموں کو ایسی معاشرت کا عادی بنایا گیا کہ جس کی وجہ سے وہ "عقلمند" قوموں کی صنعتیں خریدنے پر مجبور ہوں، اور جو کچھ اپنی محنت اور اپنے قوت بازو سے وہ اللہ کے خزانوں میں سے نکالیں وہ تقریباً سب کا سب ان "عقلمندوں" کے خزانے میں پہنچ جائے، اور اس سے وہ رات دن بہتر سے بہتر شرابیں پئیں، جوئے کھیلیں، تھیٹر دیکھیں، موٹروں اور ہوائی جہازوں میں چڑھے پھریں اور کبھی بھولکر بھی ان غریبوں کا خیال اپنے دل میں نہ لائیں جن کی محنت سے وہ اپنی عیاریوں اور جفاکاریوں کی بدولت فائدہ اٹھا رہے ہیں، عقل نے انسان کی حالت کو کسی قدر بہتر ضرور بنایا ہے لیکن کیا انسانی دنیا صرف ان دس فیصدی امیروں کے سرمایہ داروں کا نام ہے جو باقی نوّے فیصدی انسانوں کو انسان سمجھنا بھی گناہ خیال کرتے ہیں؟ کیا مختلف قوموں کی آئے دن کی لڑائیاں ہماری ممدوحہ عقل ہی کی کارروائیاں نہیں ہیں، کیا گذشتہ جنگ عظیم جسنے دنیائے انسانی کے ایک قابل لحاظ حصہ کو صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا، اور جس کی بربادیوں کی آجتک بھی تلافی نہیں ہو سکی ہے عقل کے سوا کسی اور طاقت کا کارنامہ تھا؟ اور کیا آج پھر ہمارے عقل کے پتلے اس سے بھی زیادہ خونریزی اور خونخواری کے لئے تیار نہیں ہیں؟

میں مانتا ہوں اور سچے دل سے مانتا ہوں کہ انسان کے جذبۂ خونریزی کو مذہب بھی فنا نہ کرسکا تھا، اور مذہب کی سخت ممانعت کے باوجود جنگجو اور گرگ خو انسان ایک دوسرے کو ہلاک کرنے، ایک دوسرے کا ملک چھیننے، اور ایک دوسرے کی جائداد پر قبضہ کرنے سے باز نہ رہے لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود ایسا کبھی نہ ہوا کہ دوسروں کو دغا اور فریب دیکر انھیں لوٹنا اور دوسروں کو نقصان پہونچا کر خود فائدہ اٹھانا قابل تعریف سمجھا جائے اور غلط بازی کی بجائے "حسن تدبیر" نام پائے۔ مذہب کے دور میں بھی ہونے کو ہوا سب کچھ، لیکن اس کثرت کے ساتھ کبھی نہ ہوا، اور برائی کا نام ہمیشہ برائی ہی رہا خواہ اسکی پشت پر کوئی بڑی سے بڑی سلطنت ہی کیوں نہ موجود ہو۔ آج عقل نے ہمیں دنیاوی ترقی کی بعض بلندیوں پر پہنچا کر ہمارے اخلاق کو اس درجہ پست کر دیا ہے کہ اب بہت سی برائیاں حقیقتاً ہماری نگاہوں سے بھلائیاں بن گئی ہیں اور ہم علی الاعلان اپنے ان عیوب پر فخر کیا کرتے ہیں۔ مذہب کے دور میں کم از کم یہ حالت کبھی نہ پیدا ہوئی تھی اور نہ شاید کبھی پیدا ہوسکتی ہے بجز اس صورت کے کہ جن پیشوا پرانے زمانے کے برہمن یا دو سو برس پہلے کے پادری بنے رہیں اور [illegible] مذہب خواہ اس سے لوگ کتنے ہی بے پروا کیوں نہ ہو جائیں پھر بھی ایک ایسی ذہنیت ضرور پیدا کر دیتا ہے کہ ہم ہر برائی کے ارتکاب کے وقت ایک نامعلوم خوف سے کانپ جاتے ہیں اور جب کبھی خدا کا واسطہ دیکر ہم سے کسی کام کے لئے کہا جاتا ہے تو ہمارے سر ایک مرتبہ ضرور ہی جھک جاتے ہیں اور ہماری اس ذہنیت سے ہمارے پیشوا اور ہمارے راہنما اگر چاہیں تو ہماری اصلاح کے متعلق بہت کچھ مدد لے سکتے ہیں لیکن عقل کے ذریعہ ہماری جو ذہنیت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم کسی مافوق الانسان ہستی کا کبھی بھولکر بھی دل میں خیال نہ لائیں اور اپنی عقل اور اپنی ذات پر اس درجہ ناز اور غرور پیدا ہو جائے کہ ہر اس فعل کو جائز خیال کرنے لگیں جس کے کرنے کا مشورہ کسی ضرورت کی بنا پر ہماری عقل ہمیں دے رہی ہے اور اس طرح گویا "پڑھے جن" بنجائیں جن کا اتارنا کسی ملّا اور سیانے کو نہیں آتا۔

عقل پر مذہب کی فوقیت بہت ہی بدیہی طور پر یوں بھی ظاہر ہو سکتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عقل نے ہمیں زیادہ سے زیادہ یہ سکھایا ہے کہ قدرت کی بے شمار نعمتوں اور قوتوں میں سے بعض کو ہم اپنے حسب منشا استعمال کر لینے کے قابل ہو گئے ہیں اگرچہ آج تک کسی ایک قوت کے متعلق بھی یہ جان نہ سکے کہ اسکی اصلیت کیا ہے۔ اتنا کام تو بہت سے جانور صرف اس عقل حیوانی ہی کی بدولت کر لیا کرتے ہیں جو قدرت نے انھیں ودیعت کی ہے۔ کتے، اور بلیاں اپنے زخموں کا اور اپنے معدہ اور جگر وغیرہ کی خرابیوں کا علاج کسی ارسطو یا جالینوس کے پاس جائے بغیر نہایت آسانی سے کر لیا کرتے ہیں اور بلا کسی حکیم یا ڈاکٹر کی مدد کے اس گھاس کو پہچان کر صحیح مقدار میں کھا لیتے ہیں کہ جو انکے لئے مفید ہے لیکن مذہب جب ہماری دستگیری کرتا ہے تو اتنی نیچی سطح پر ہمیں نہیں چھوڑتا۔ وہ ان دنیاوی ترقیوں کو ہماری قوت عقل اور قوت بازو کے لئے چھوڑتا ہے اور ہمارے اخلاق کو اسقدر بلند کر دیتا ہے کہ کوئی دوسرا حیوان اس جگہ تک پہونچنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ عقل بھی جب ہمیں اخلاقیات کا سبق دینے بیٹھتی ہے تو اس کام کے لئے اسے بھی مجبور ہوکر مذہب ہی کی کتاب کھولنی پڑتی ہے، اور باایں ہمہ علم و فضل عقل کا آج تک اخلاقیات میں کوئی نئی ایجاد نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ اسکے کرنے کا کام نہیں ہے۔ مذہب کا دور نہ ختم ہوا ہے اور نہ کبھی ختم ہوگا۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان مذہب کا معتقد ہو اور عقل سے کام لے۔ بہت سی خرابیاں جو ہمیں آج نظر آ رہی ہیں اور جنکی وجہ سے آپکو یہ شبہ ہوا ہے کہ اب مذہب کا دور ختم ہو چکا، محض اس وجہ سے ہیں کہ جو لوگ مذہبی علوم کی جانب توجہ کرتے ہیں وہ اکثر عقل کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں حالانکہ انسان اس ہستی کا نام ہے جس میں مذہب بھی ہو اور عقل بھی، اور جو اپنی عقل کے ذریعہ سے رموز و نکات قدرت کی گرہ کشائی کرکے اس ازلی قوت و طاقت کے آگے سر نیاز جھکا دیا کرے جس کی قدرت کے گوناگوں کرشمے عقل نے اسکے سامنے پیش کئے تھے۔

نامناسب ہوگا اگر مذہب کے متعلق میں عقل کے پتلوں میں سے ایک بہت مشہور ہستی یعنی ہربرٹ اسپنسر کی رائے بھی آپکو سنا دوں، وہ کہتا ہے کہ "نسل انسانی کبھی اتنی ترقی نہیں کر سکتی کہ مذہبی جذبہ اسکے دور ہو جائے۔ اسکی شکل ممکن ہے کہ بدل جائے لیکن اسکی اصلیت لازوال اور غیر فانی ہے۔" مضمون بہت طویل ہو گیا، کامیابی کی گنجائش اسی کی بمشکل متحمل ہو سکے گی اس لئے مجبوراً آپکی دوسری دلیل کا جواب جس میں ختم نبوت سے بحث کی گئی پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھتا ہوں،

مذہب ہی اصل زندگی ہے

ہم تو جیسا کہ ہم نے اپنے مضمون میں ظاہر کیا ہے مایوس ہو کر خود ہی حق پسند صاحب کو جواب دینے کی کوشش کر چکے تھے لیکن مقام مسرت ہے کہ بالآخر مذہب کے حلقہ بگوشوں نے حق پسند صاحب کی تسکین قلب کی جانب توجہ کی۔ حق گو صاحب کا یہ مضمون امید ہے کہ حق پسند صاحب کی اپنی ایک مستقل رائے قائم کرنے میں بہت مدد دے گا۔ (اڈیٹر)

تخلیل کی اشاعت بیکم دسمبر ۱۹۲۹ء میں ایک مضمون "مذہب کا دور ختم ہو چکا ہے" کے عنوان سے رسالہ کامیابی سے نقل کیا گیا ہے جس کے جواب کے لئے حضرات علمائے کرام کو متوجہ بھی کیا گیا ہے ممکن ہے یہ حضرات جواب کی طرف ملتفت ہوں، لیکن یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے خیالات کو وہ درخور اعتنا نہ سمجھیں۔

جناب حق پسند صاحب کا انداز تحریر متمردانہ و مخالفت مذہب پر اصرار نہیں معلوم ہوتا بلکہ وہ مذہب کے متعلق پریشانی میں مبتلا ہو کر موجودہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، بیشک یہ مسئلہ بھی ایسا ہی مہتم بالشان ہے کہ اس پر علمائے ملت کو خاص توجہ کی ضرورت ہے تاکہ یہ سیلاب تمرد و طغیان جو امڈا چلا آ رہا ہے کچھ رُکے اور اسی لئے اس قسم کے مضامین کی اشاعت کرنے میں مدیران اخبار ایک حد تک حق بجانب بھی ہیں۔ لیکن اگر ان کے جواب اور مضمون نگار اصحاب کے اطمینان کی طرف توجہ نہ کی گئی تو واقعی ایسے مفاسد کی نشر و اشاعت خطرناک نتائج پر منتج ہوگی۔ مجھے ایک کم علم و بے بضاعت مزدور پیشہ عامی کی حیثیت میں کوئی حق نہیں کہ ایسے وسیع مسئلہ پر قلم اٹھاؤں لیکن جس طریقہ و سادگی سے حق پسند صاحب نے یہ مضمون لکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے میری ہمت ہوئی کہ کم از کم انکے سامنے اپنا مافی الضمیر پیش کر کے درخواست کروں کہ وہ اس پر توجہ فرما کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی فرمائیں۔ میرے مضمون سے اثر ثابت ہو جائے گا کہ میں علم سے بے بہرہ ہوں۔ قرآن شریف وغیرہ پڑھنے سننے سے جو معلومات مجھے ہوئیں وہ پیش کرتا ہوں۔

حق پسند صاحب نے معلوم نہیں مذہب کے متعلق کیا خیالات قائم کر رکھے ہیں اور ایک ہولناک ہیولی انکے ذہن میں مذہب کا قائم ہے جس کی وجہ سے اُن کو مذہب کے متعلق یہ سخت رائے قائم کرنی پڑی۔

قبل اسکے کہ میں اس بارہ میں کچھ عرض کروں اسقدر گذارش ضروری ہے کہ کسی مفید چیز کے وجود سے اگر فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اسکے فائدہ و وجود سے انکار نہیں کیا جائے گا مثلاً الکٹرک پاور سے اگر ہم فائدہ نہ اٹھا دیں تو الکٹرک پاور کا قصور نہیں ہے۔ مذہب میرے خیال میں باعتبار اپنی کیفیت ذاتی کے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اچھے معاملات عمدہ معاشرتی اصول و عمدہ اخلاق کی ترویج و اشاعت ہی ہر مذہب کا مقصود ہے۔ ہاں اپنی خصوصیات کے قیام اور اپنے روایات کے قیام کے لئے چند مخصوص احکام عموماً علیحدہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب جب اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اسوقت کے معیار اخلاق کی اصلاح کے لئے۔ جیسا کہ کلام پاک کے مضامین سے ظاہر ہے، قزاقی، کم تولنا، بد معاملگی، افعال خلاف فطرۃ۔ وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے لئے الگ الگ پیغمبر آئے اور اصلاح فرمانے کی کوشش کی، اور جب بھی ضرورت ہوئی اس قسم کی برائیوں کی اصلاح کے لئے قوانین الٰہی صادر ہوئے اور جہاں تک میرا خیال ہے بد اخلاقیوں کے استیصال اور اعلیٰ اخلاق کی ترویج کے لئے شریعتیں جاری ہوئی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ہمکو مذہب کا کوئی علیحدہ وجود قائم کر کے اس سے خوفزدہ ہونا مناسب نہیں، اب رہا اعمال کا معاملہ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ، اسکے متعلق میں بعد کو عرض کرونگا۔ دوسری آپکی دلیل میں آپکے فرمانے کے مطابق ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے اقتضائے حالی کے اعتبار سے اس کی اصلاح کے لئے رسول بھیجے اور یہی طریق تدریجی عقلاً درست ہے۔ کیونکہ انسان فطرتاً تدریجی ترقی و اصلاح کا عادی ہے جیسا کہ کتب تواریخ وغیرہ سے ثابت ہے کہ جسمانی و عمرانی ترقی بھی اُسنے تدریجاً کی ہے لہذا اخلاقی اصلاح بھی تدریجاً ہوئی چنانچہ پیغمبروں کی بعثت ایک ایک دو دو اصلاحات کے لئے ہوتی رہی جس قدر زمانہ گزرتا گیا لوگوں میں مادہ قبول بڑھتا گیا۔ اور اصلاح اخلاق و معاشرت کے قوانین وسعت کے ساتھ جاری ہونے لگے (جیسے کہ ہندوستان میں پہلے پہلے قوانین ہلکے تھے جوں جوں استعداد علم بڑھتا گیا۔ گورنمنٹ کے قوانین میں اضافہ ہو رہا ہے) حتیٰ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمامی اصلاحات کے قبول کا مادہ لوگوں میں پیدا ہو چکا تھا اور آپکے ذریعہ سے تلقین اخلاق شروع کر دی۔ چنانچہ حضور نے "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" اور کلام مجید میں ہے "انک لعلیٰ خلق عظیم" چنانچہ آنحضرت کو مثل اور پیغمبروں کے صرف دو ایک برائیوں کا مصلح نہیں بنایا۔ بلکہ قیامت تک جسقدر اخلاق و معاملات وغیرہ ہو سکتی ہیں سب کی اصلاح کا علمبردار بنا دیا۔ چنانچہ کلام اللہ کے تیسوں پارے بہترین اخلاق و عادات و معاملات کی تعلیم اور بدترین اخلاق سے پرہیز کی تلقین میں بھرے ہوئے ہیں (اور یہ عجیب بات بھی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی دنیا، دنیا کے حوائج۔ تعلقات پیدا کرتا، اور اسکے لئے کوئی ہدایت جاری نہ کرتا۔ صرف تسبیح و تہلیل و عبادت کے وعظ کے لئے پیغمبر بھیج دیتا) اب ہمکو دو باتیں دیکھنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ جن اخلاق و معاملات کی تعلیم رسول اللہ کے ذریعہ

قرآن سے ہوئی ہے، اُن سے اسوا کوئی نئے اخلاق و معاملات پیدا نہیں ہوئے، مثلاً سچائی، وعدہ وفائی، حسنِ ظن، احسان، ایثار، ہمدردیٔ بنی نوع، سلامت روی، کفایت شعاری حق ہمسایہ و والدین و اقربا، و اہل شہر، تدبیر منزل وغیرہ وغیرہ بھلائیاں ہیں اور ہمیشہ بھلائیاں رہیں گی اور جھوٹ، غیبت، بدگوئی، دشنام دہی، بہتان، غبن، بدچالگی بدکاری وغیرہ وغیرہ معائب ہیں اور ہمیشہ رہینگے۔ انکے علاوہ کوئی نیا اخلاق پیدا نہ ہوگا اور دوسرے یہ کہ ہر قوم و ملت میں اگرچہ اُن کا رسم و رواج قانون و طریقہ جُداگانہ ہو لیکن ان اخلاق و معاملات کی بُرائیاں و بھلائیاں بدستور مانی جائیں گی جن کی تعلیم آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل ہم کو دیدی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں، اور جس قدر اخلاقی، عمرانی، معاشرتی تعلیم کی دنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضرورت ہو سکتی ہے سب خاتم المصلحین کے ذریعہ ہوگئی، اب اگر مادہ قبول لوگوں میں نہیں رہا تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو فنا کرکے دوسری قوم پیدا فرمائے، نہ کہ کسی نئے رسول کو۔ جبکہ سب نیکی بدی دنیا کے سامنے پیش ہو چکی ہے، اسی لئے اتممت علیکم نعمتی فرمایا ہے کہ فی الواقع اصلاح کے جملہ مراحل طے ہو چکے (ممکن ہے کہ میں اپنی کم علمی کی وجہ سے صراحت نہ کر سکا ہوں، آپ خود زیادہ غور فرمائینگے تو وضاحت خود ہو جائے گی) چنانچہ تمام اصلاحات کے قبول کا مادہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تیار تھا۔ پہلے پیغمبر دنیٰ چند اخلاق کی اصلاح کی پھر بھی کم لوگوں نے مانا۔ اور رسول اللہ صلعم کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ اخلاق و معاملات کا کوئی جزو ایسا باقی نہ رہا جسے لوگوں نے قبول نہ کیا ہو جسکو آج بطور تمثیل پیش کیا جا سکتا ہے، اللہ کے وعدہ کے مطابق جب تک مسلمان اُس اصلاح پر قائم رہے دنیا میں انتہائی منزلت حاصل کی، اور اب کہ دنیا اس تعلیم کے نتائج دیکھ چکی ہے از سر نو تحصیل حاصل کے لئے پیغمبر کی کیا ضرورت ہے۔

اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ کسی شخص کو کوئی بات منوانے کے لئے دو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں، لالچ اور دباؤ اسکے بغیر کسی طرح اثر اندازی نہیں ہو سکتی، جب تک وہ اثر اور دباؤ باقی رہتا ہے عمل بھی رہتا ہے۔ ورنہ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے بھی دونوں طریقے استعمال کئے۔ ترغیب و ترہیب، کلام اللہ میں بعد ممات کی ترغیب و ترہیب کافی طور پر کی گئی ہے اور بعد ممات کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ اسکے متعلق جب تک رسول اللہ جیسا مدعی من اللہ پیدا نہ ہوتا انسان کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتا تھا۔ زمانہ کی اتنی ترقیات و علوم کے باوجود بعد مرگ کے متعلق بجز قیاسات کے کوئی علم نہیں ہے۔ آں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد، کا معاملہ ہے۔ کم از کم اسلام نے اس بارہ میں ہمکو ایک راستہ پر ڈالکر اسکے ذریعہ سے ایسا عظیم الشان کام لیا ہے جو دنیا کی کسی طاقت سے ممکن نہ تھا۔ یعنی اصلاح انسانیت و تعمیر زندگی کی تعلیم میں ترہیب کا یہ پہلو ایسا کارگر ہوا کہ قرن اولیٰ کے مسلمانوں کی روایات اس کی بہترین نظیر ہیں۔ یہ صورت ترغیب ترہیب کی حالت غیر اختیاری میں تھی بعد حکومت قوانین بھی مرتب کئے گئے یہ بات قابل لحاظ ہے کہ تعلیم اسلام اصلاح اخلاق و معاملات کے لئے خاص تھی کہ تعزیرات دنیوی صرف اخلاق و معاملات میں قائم ہوئیں عبادات کے متعلق کوئی دنیاوی تعزیر قائم نہیں کی گئی حتیٰ کہ توحید جو ابتدائے آفرینش سے آجتک تمامی پیغمبروں کی تعلیمات کا خمدالا ینفک رہا ہے، اسلام نے اسکے لئے بھی باوجود اسکی شدید ترین اہمیت کے کوئی تعزیر قائم نہیں کی۔ جوں جوں زمانہ کی رفتار اور اپنی کجروی سے ہمارے فرماں روا علماء و مشائخ تعلیم اسلام سے دُور ہوتے گئے اور صرف نماز روزہ کے مسائل کے حل میں اپنی تمام قوتیں صرف کرکے اخلاقیات و معاشرت سے اتنے دُور ہوگئے کہ آج ابتدائے آفرینش سے ابتک کے کل معائب کا مخزن مسلمان ہیں تو قعر ذلت میں گرتے گئے، یہ واقعہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے زعمائے ملت نمائش و ریاکاری کا ایک لفافہ ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذہب ایک غیر ضروری چیز ہے۔ نہیں میرے خیال میں اعلیٰ اخلاق و عادات و معاشرتی ترقیاں ہی مذہب ہے۔ اور یہی اسلام کا بھی مقصد ہے۔ (صرف نماز روزہ حج زکوٰۃ بغیر حسن اخلاق، و معاشرت کے کسی دلیل سے سبب نجات نہیں) اگرچہ ہماری قوم اسکو پیمانہ کرتے ہوئے صرف نماز روزہ کو ہی مذہب سمجھ لے۔ البتہ نماز روزہ وغیرہ جداگانہ ارکان اعمال ہیں جن کی بابت میں عرض کروں گا۔ اعلیٰ اخلاق جب تک ہم میں نہ ہونگے ہم کسی سوسائٹی میں شامل ہونے کے اہل نہیں، اگر ہم میں اعلیٰ اخلاق بالفاظ ہیں تو ذاتی وجاہت و عزت ہمکو حاصل ہوگی۔ اگر من حیث القوم ہیں تو یقیناً ہم اعلیٰ ترین مدارج مسلمان رہ کر حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں غور کیجئے کہ مذہب کی پابندی ہماری ذلت کا سبب نہیں ہے بلکہ عدم پابندی سبب ہے۔ دنیا کی اعلیٰ ترقیوں کے لئے جن اخلاق کی ضرورت ہے اُن کے حصول کے لئے قرآن شریف نے اصرار سے ہدایات کی ہیں، دُنیا کی جو قومیں اس تعلیم کے اکثر حصہ پر عامل ہیں کیسی کچھ ترقی کر رہی ہیں، اگرچہ ترقی یافتہ قومیں بتمامہ تعلیم قرآن پر عامل نہیں (باعتبار اخلاق و عادات، نماز روزہ کا ابھی ذکر نہیں) ویسے ہی نقائص اُن میں باقی ہیں اور ترقی میں حارج۔ بدمعاملگی، بے اعتباری اور سوءِ ظنی کی وجہ سے یورپ والے آپس میں لڑ بیٹھے اور دنیا کے امن کو خطرہ میں ڈالا۔ بہت سی معاشرتی خرابیاں جاری کا ہیں جن کے بُرے نتائج کا رونا رویا جاتا ہے اب بھی امن کی طرف سے خطرہ ہے۔ اس حالت میں اگر ہم مذہب کو چھوڑ کر جس سچے انسان بننے کی کوشش کرینگے وہی اصل مذہب ہوگا۔ مسلمان من حیث القوم مذہب سے دُور ہیں، تو میں اگر مذہب کو چھوڑ دوں تو کوئی قوم مجھے بحیثیت قوم اپنے اندر شامل نہیں کرے گی، تو پھر کیوں نہ مسلمان رہ کر میں ترقی کی دوڑ میں سب کے ساتھ شامل ہوں۔ اسلام آج اسلام نہیں رہا کیونکہ اُس کی مسخ شدہ صورت ہمارے سامنے ہے اور اسی لئے اس نازک دور میں اسکے لئے نازک الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں، لیکن قرآنی تعلیم سے بہتر اگر کسی قوم یا جماعت کی تعلیم ہے تو ہمکو اُسکے ساتھ شامل ہو کر ترقی کرنی چاہئے، یا قرآن کی تعلیم اخلاق و معاملات کوئی عمدہ تعلیم نہیں ہے تب اسکو چھوڑا جا سکتا ہے اور لامذہب ہو کر ترقی کی جا سکتی ہے، اور اگر تعلیم قرآن ایک صحیح شاہراہ ترقی و انسانیت پیش کرتی ہے تو اگرچہ ہم اسلام کو چھوڑ کر ایک سچا انسان بننا چاہیں گے۔ لیکن جسوقت ہم سچے انسان بنجائینگے وہی اسلام ہوگا، (فرق اتنا ہوگا کہ اُسوقت ہماری انفرادی حیثیت ہوگی کوئی ہماری مجموعی حیثیت و وقار نہ ہوگا، کیونکہ جماعتی تفریق قیامت تک رہنا لازم ہے، اور ہر جماعت اپنے وجود کے وقار

اثبات سے دنیا میں اچھی مرتبت حاصل کر سکتی ہے ؟ اور یہی مقصد رسول اللہ اور قرآن کا ہے۔ قرآن کو غور اور تدبر سے پڑھا جائے تو یہ عقدہ بآسانی حل ہو سکتا ہے۔ مذہب کو چھوڑ کر انسان بننے کی بجائے مذہب پر عامل ہو کر ہم انسان ہو سکتے ہیں۔ دور موجودہ کے مسلمان مسلمان نہیں بلکہ ننگ اسلام ہیں اور باعتبار اخلاق و حسن معاشرت و معاملت کے اسلام سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مُوت برحق ہے مگر ہمسایہ کے لئے، اسی طرح احکام اسلام پر عمل فرض ہے مگر ہمسایہ پر۔

اب سوال فرائض کا رہ گیا۔ نماز۔ روزہ وغیرہ۔ یہ احکام ایسے ہیں کہ بعض کا تعلق بعد ممات سے ہے مثلاً توحید، نماز، روزہ، اور بعض کا معاد کے ساتھ ہی معاشرت سے مثلاً حج و زکوٰۃ سب احکام اولی محض آپکی ذات سے متعلق ہیں جو آپکی درستی معاد کے لئے اپنی انتہائی شفقت سے آپکی بھلائی کے لئے اللہ نے نازل کئے ہیں کیونکہ بعد ممات کا معاملہ بالکل تاریکی میں ہے۔ اگر آپ چاہیں اُن پر عمل کر کے اپنا بھلا کریں۔ ہر انسان پیچھے کے لئے کچھ جمع کرتا ہی ہے اور اگر آپ نہیں چاہتے تو اللہ اور اسلام آپکے ان اعمال سے بے نیاز ہے، دنیا کا دستور ہے کہ آخر کے لئے کچھ ذخیرہ جمع کرتے ہیں، لیکن بہت ایسے بھی ہیں جو نہیں بھی جمع کرتے اور اواخر عمر میں تکلیف اُٹھاتے ہیں، اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے ملازمان سے کہدے کہ یہ تنخواہ تو تمھارے کام کے معاوضہ میں ہے اسکے علاوہ اگر فلاں وقت تم لوگ روزانہ میرے پاس آیا کرو یا فلاں کام اپنے مفوضہ کام سے زائد کرتے رہو تو ریٹائر ہونے کے بعد میں تم کو اپنا مقرب بنا لونگا اور یہ معاوضہ اور علیحدہ دوں گا۔ اب جو چاہے اس حکم سے فائدہ اُٹھائے جو چاہے نہ اُٹھا

"فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا" چنانچہ دنیا میں یکھ لیجئے اپنی کمزوری اور بڑھاپے کے وقت کے لئے دو فیصدی آدمی کچھ ذخیرہ جمع کرتے ہیں باقی موجودہ وقت کا گزر کرتے ہیں، اور بڑھاپے میں دوسروں کے دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ اس حالت میں لوگ معاد کے لئے اگر بالکل بے فکر ہوتے جاتے ہیں تو کیا عجب ہے۔ رہا زکوٰۃ، اور حج، یہ قومی حیات، اور شیرازہ بندی کو مدنظر رکھتے ہوئے رکھے گئے ہیں، دنیا کی ہر جماعت، ہر قوم، اپنے وجود کو محسوس و ممتاز کرانا اُسکے علامات قائم رکھنا نہایت ضروری سمجھتی ہے۔ اگر فی الحقیقت رسول اللہ صلعم کی تعلیم بہترین اخلاق پر قائم ہوئی ہے اور کلام مجید نے ہم کو بہترین انسان اور اعلیٰ ترقی یافتہ قوم بنانے میں دنیا میں سب سے پہلے اقدام کیا ہے تو کیا ہم پر اُن کا اتنا بھی حق نہیں کہ اُسکے جتھے میں شامل ہو کر اپنے علامات قائم رکھیں اور اپنا ایک محکم وجود ثابت کردیں۔

نماز روزہ ہمکو سب سے علیحدہ ممتاز بنا دیتا ہے، اور معاد جس کے لئے کسی مذہب نے کوئی راہ عمل پیش نہیں کی (قطع نظر اہل کتاب کہ وہ بھی سلسلۂ اسلام ہے) اور جب کو "ما ہی الا حیاتنا الدنیا" "وما یہلکنا الا الدھر" کہکر دنیا کو ایک گروہ ضلالت میں پھنسا دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے۔ اگر یہ معقولات ہے تو خیر۔ اگر درست نہیں تو پھر بڑی مشکل ہے اُس وقت کے لئے کچھ تیاری کرلیں تو کیا بُرا ہے۔ یہ چیز فی الجملہ کسی ترقی میں مانع نہیں، دیکھنا چاہئے کہ دنیا کی بعض قومیں اپنی روایات ماضیہ کو قائم رکھتے ہوئے اعلیٰ مدارج ترقی پر ہیں۔ ہمارے پیش روؤں نے اعمال کو ہمارے لئے مشکل تر بنا دیا ہے۔ ورنہ ہر قسم کی آسانیاں قرآن و رسول نے ہمکو دیدی ہیں۔ زکوٰۃ ایک اعلیٰ ترین جذبۂ امداد قومی پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں مختلف طریقوں سے خیرات ہوتی ہے۔ اسلام نے اسکو ایک باقاعدہ اور منظم شکل میں پیش کردیا ہے، آپ ہر سال سیکڑوں روپیہ خرچ کرکے انجمنوں میں شامل ہوتے ہیں ایک مرتبہ اگر اپنی اسلامی انجمن میں مکہ معظمہ جاکر شریک ہوجائیں اور دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی طرح اپنی قومی روایات کو تازہ کرلیں تو کیا حرج ہے۔ میں ایک نہایت معمولی آدمی ہوں دنیا میں موجودہ مسلمانوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے آپکی طرح اسلام سے بیزار ہونے کو جی چاہتا ہے لیکن جب قرآن اور اسلام کی تعلیم کو دیکھتا ہوں تو اسلام سے نکلکر جو زندگی میں حاصل کرنا چاہتا ہوں وہی اسلام ہے۔ جو قوم جس قدر اسلامی تعلیم پر عامل ہے (خواہ وہ مذہباً مسلمان نہ ہو) اُسی قدر خوشحال و ترقی یافتہ ہے۔ اسلامی تعلیم اسکو میں اس لئے کہتا ہوں کہ تزکیہ اخلاق و معاشرت کی اسقدر مکمل تعلیم قرآن سے پہلے پیش نہیں ہوئی۔ ہماری قوم میں کوئی جزو بھی تعلیم اسلامی کا باقی نہ رہا۔ اسی لئے سب سے زیادہ فلاکت و مصیبت ہے۔ اب اگر من حیث القوم ہم حقیقی درجۂ انسانیت نہیں حاصل کرسکتے تو مجبوراً مسرداً ہم کو ایک سچا مسلمان رہکر زندہ رہنا چاہئے اور بجائے اسکے کہ مذہب چھوڑنے کے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں حقیقی انسانیت کا صحیح نقشہ اور اپنے کو نمونہ بنا کر پیش کرنا زیادہ اچھا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ قرآن پر اور جو تعلیم اخلاق و معاملات اُسنے دنیا کے سامنے پیش کی ہے اُسپر آپکو اعتراض ہے تو پھر صورت حال بالکل جاتی ہے اور اُسکے جواب کے لئے ارباب علم کی توجہ کی ضرورت ہوگی۔ ۔ ۔ ۔

(نیاز مند "حق گو")

مصروفیتوں میں ردّوبدل

میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہندوستان میں ہم اسقدر جلد کیوں بڈھے ہوجاتے ہیں، میرے خیال میں اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم زندگی کو غیر معمولی اہمیت دینے کے علاوہ اسمیں کوئی جدت پیدا نہیں کرتے، پیدائش سے موت تک ہم ایک ہی ماحول پر رہتے ہیں، وہیں پرورش پائی، وہیں بڈھے اور وہیں مرگئے۔ کسی چیز سے پوری طرح بہت اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسکے مختلف پہلوؤں سے تمام امکانی حظ حاصل کرنے کی کوشش کیجائے، طالبعلم اگر صبح سے شام تک کتابوں میں سر کھپائے اور کھیل کو دحرام کرلے تو مطالعہ کا مقصد فوت ہوگیا۔ وکیل اگر گھر سے کچہری اور کچہری سے گھر تک ہی زندگی محدود کرلے ایک طرف اگر دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلے تشخیص امراض و معاینہ مریض تک ہی اپنے تئیں وقف کردے تو اُسنے زندگی کا صرف ایک پہلو دیکھا اور باقی پہلوؤں کے لئے وہ اندھا ہے۔ ایک ہی قسم کے ذائقہ سے طبیعت جلد سیر ہوجاتی ہے مصروفیتوں میں ردّوبدل لانے ہوگئے تو دنیا کی اشیا زیادہ خوبصورت اور جاذب توجہ ثابت ہوں گی۔ کبھی "فقیروں کا بھیس بنا کر" تماشائے اہل کرم" دیکھو تو کبھی اہل کرم بنکر فقیروں کا تماشا دیکھو۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے۔

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالبؔ   چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہوجانا

(ماخوذ، از ہمایوں لاہور)

بامِ عروج کی تین سیڑھیاں

شجاعت، شرافت، اور خلوص

ہماری کمزوریوں اور بداخلاقیوں کی بدولت آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی زبان سے یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں کہ "یہ تو چودھویں صدی ہے، اس صدی میں تو سچوں اور ایمانداروں کا کہیں ٹھکانہ ہی نہیں ہے، اب تو ترقی اور عروج صرف انہی لوگوں کا حصہ ہے جو جھوٹے فریبی کمینے اور بُزدل ہوں، سچی باتیں سننے کے لئے آج کوئی تیار نہیں ہے اور ایماندار آدمی کو اس زمانہ میں پیٹ بھر روٹی بھی نہیں مل سکتی۔"

ممکن ہے کہ ان الفاظ میں کسی قدر مبالغہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اب اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ اس کلجگ میں حق اور انصاف کی کامیابی محال ہے۔ یہ خیال صرف غلط ہی نہیں بلکہ سخت مُضر بھی ہے۔ حق و انصاف اگر وہ حق اور انصاف ہی ہے تو اسے کبھی زوال نہیں ہو سکتا، دُنیا کی کوئی طاقت آج تک حق پر غالب نہیں آسکی ہے، اور نہ آئندہ کبھی آسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص جھوٹ بولکر، یا چوری کرکے، یا رشوت لے کر تھوڑا سا روپیہ کما لیتا ہے تو اسکے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہوگیا۔ یہ صحیح ہے کہ اسے دو چار لقمے ہم سے زیادہ یا ہم سے بہتر ملجاتے ہیں، اور اپنے نفس کی بعض خواہشوں کو جن کے پورا کرنے کی ہم مقدرت نہیں رکھتے وہ پورا کر سکتا ہے، لیکن معدہ اور زبان کو اس طرح آزار پہونچا کر کیا وہ اپنے دماغ کے لئے بھی وہی سکون اور آرام مہیا کر سکتا ہے جو ہمیں حاصل ہے؟ کیا رات کو سوتے سوتے وہ اکثر ڈر کر چونک نہیں پڑتا ہے کہ پولیس اسے پکڑنے کے لئے آگئی ہے؟ اور کیا کبھی کسی شخص سے وہ کبھی سچے اور ایماندار انسان کی طرح آنکھ ملا کر بات کر سکتا ہے؟ خوف اور شرم کی وجہ سے کسی سے آنکھ چار نہ کر سکنا، اور رات کے کئی کئی گھنٹے بستر پر لوٹ لوٹ کر بسر کرنے پر مجبور ہونا کیا فاقہ کشی سے کچھ کم مصیبتیں ہیں؟ بھوک کی بیتابی میں جو کچھ بھی کھانے کو ملجائے اسی سے معدہ کی تسکین ہو جاتی ہے، لیکن کیا کسی غذا، کسی دوا اور کسی تفریح کے ذریعہ سے ایک مجرم ضمیر کو سکون و اطمینان میسر آسکتا ہے؟ بھوک کی تکلیف سے بیتاب ہو کر ممکن ہے کہ کوئی فاقہ کش انسان اپنی زندگی کو اس مجرم کی زندگی سے بدلنے پر آمادہ ہو جائے، لیکن کیا صحت عقل اور درستی حواس کی حالت میں بھی کوئی شخص اس تبادلہ کو پسند یا گوارا کرے گا؟ کیا اس زندگی کو کسی طرح بھی کامیاب کہا جا سکتا ہے؟

کوئی ایسی زندگی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو جھوٹ، فریب، بزدلی، اور کمینہ پن کی حرکتوں سے ملوث ہو، بہادری، بے خوفی، سچائی اور شرافت کامیاب زندگی کی پہلی شرطیں ہیں جنکے بغیر کامیاب زندگی تو بڑی چیز ہے، زندگی کو انسانی زندگی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہمیں اپنے بہت سے ایسے بدنصیب بھائیوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے جو آنکھ ملانا تو درکنار، منہ سامنے کرکے بھی بات کرنے کے متحمل نہیں ہوتے۔ مجرم دل اندر سے ٹھوکے مار مار کر بار بار انکا سر نیچا کر دیتا ہے، کسی کے سر پر لال پگڑی دیکھتے ہی انکی نبض کی رفتار میں فرق پڑ جاتا ہے، کسی کی زبان سے قانون کا نام سنتے ہی انہیں اختلاج کا دورہ پڑنے لگتا ہے، اور کوتوالی یا جیل خانے کے سامنے سے گذرنے کا اتفاق ہو تو غش تک بھی نوبت پہونچ جاتی ہے، اور یہ سب کچھ صرف اسوجہ سے ہوتا ہے کہ ان کا ضمیر جرم اور گناہ کی آلودگیوں سے پاک نہیں ہے۔ انکے دل کو دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا جھوٹ کھل نہ جائے، وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کی چوری کہیں ظاہر نہ ہو جائے، اور انھیں اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں ان کی رشوت ستانی کا راز افشا نہ ہو جائے۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے برابر انکا دماغ ایک ایسی تکلیف محسوس کرتا رہتا ہے کہ جیسے کوئی اسے گرم لوہے سے داغ رہا ہو اور اس اذیت کی وجہ سے نہ انھیں اس مرغن غذا میں کوئی مزہ ملتا ہے جو ان کی فریب کاری نے حاصل کی ہے، اور نہ اس ریشمی لباس سے کوئی خوشی یا آرام محسوس ہوتا ہے جو رشوت کے روپئے سے مہیا کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کامیاب صرف انہی زندگیوں کو کہا جا سکتا ہے جنمیں جسم کی ضرورتیں اور خواہشیں بھی پوری ہوتی رہیں، اور جن میں ضمیر کو بھی امن و سکون میسر آسکے۔ انسان اپنی خواہشوں کا یا سونے چاندی کے ٹکڑوں کا غلام نہ ہو، بلکہ ان سب کو اپنے حسب منشا کام میں لائے۔ غصہ سے مغلوب ہونا بہادری نہیں ہے بلکہ اپنے غصہ پر غالب رہنا بہادری اور شجاعت ہے۔ بھوک سے یا اپنی کسی اور خواہش سے بیتاب ہو کر جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز اٹھا دینا بہادر اور شریف انسانوں کا کام نہیں ہے۔ اپنے جسم کے اعلیٰ حصّہ کو ادنیٰ حصّہ کا غلام بنا دینا انتہائی بزدلی اور کمینہ پن ہے۔ بیکس اور کمزور ہستیوں کو ستانا، حق اور انصاف کے خلاف تلوار اٹھانا، اور دوسروں کو محض اپنی بہیمانہ طاقت سے ڈرا کر انکے حقوق غصب کر لینا یا اپنی ذات کو کچھ فائدہ پہونچانا یہ سب کمینہ پن کے کام اور بزدلی کی علامتیں ہیں۔ سچی بہادری اور مردانگی یہ ہے کہ ہمارے دل میں خدا کے سوا کسی اور کا خوف کبھی نہ آنے پائے، اور یہ حالت صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ جب ہم اپنے جذبات کو اپنے قابو میں رکھیں، اپنی خواہشوں کے محکوم نہیں بلکہ حاکم ہوں، اور دوسروں کے حقوق کا پورا پورا احترام کریں۔ جو لوگ خوشی سے دوسروں کے تمام حقوق دیدیتے ہیں انھیں کبھی اپنے حقوق طلب کرنے کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔ ہمارے تمام حقوق خود بخود محفوظ ہو جاتے ہیں اگر ہم دوسروں کے حقوق میں دست اندازی نہ کریں اور انھیں محفوظ رہنے دیں۔

شرافت کا مطلب بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھا کرتے ہیں کہ انسان اسقدر نرمی اختیار کرلے کہ موم کی ناک ہوجائے کہ جسنے جدھر کو چاہا پھیر دیا۔ اس قسم کی نرمی ہرگز شرافت نہیں ہو بلکہ شرافت یہ ہو کہ ہم اچھی طرح سوچ سمجھ کر جن اصولوں کو اپنی زندگی کے لئے اختیار کرلیں انکی پوری پابندی کریں، اور اپنے ہم جنس نوع کی خدمت کے لئے ہروقت آمادہ رہیں۔ ہم اگر شراب کو برا سمجھتے ہیں تو اپنے عزیز ترین دوست کی خاطر بھی کبھی اس کا پینا گوارا نہ کریں، لیکن اگر کوئی ہمارا دشمن بھی صرف اسوجہ سے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو کہ اسے شراب نہیں ملی ہو تو ہمیں اسے شراب مہیا کردینے میں ذرا سا بھی تامل نہ ہو۔

بہادری شرافت اور سچائی کی وقعت ہر دل میں موجود ہو اور اگر ہمنے اپنے اندر یہ صفات پیدا کرلیں تو ممکن نہیں کہ ہر شخص ہماری عزت پر مجبور نہ ہو۔ مہاتما گاندھی کی تعلیم کے آگے ہر شخص کا سر جھک جاتا ہو اور اسکی بات انکا خلوص اور ایمانداری ہو، انسان کی سب سے زیادہ تسلی اس بات میں محسوس ہوتی ہو کہ لوگ اپنی مصیبت یا اپنی ضرورت کے وقت اسپر بھروسا کریں، اور بھروسا صرف انہی لوگوں پر کیا جاتا ہو جو سچے اور بہادر ہوں۔ ہم میں اگر یہ خوبیاں موجود ہوں تو ہماری زندگی کبھی ناکام نہیں ہو سکتی اور اگر آج ہر شخص اپنے آپ کو بہادر اور مخلص بنالے تو دنیا میں ناکام زندگیاں ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکیں گی۔

بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ جب دوسرے ہمارے ساتھ دغا اور فریب کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ کریں، یہ خیال کسی طرح بھی صحیح اور قابل قبول نہیں ہو۔ ایک شخص بڑا ہی گنہگار ہو، اور خطا کار ہو، اگر ہم بھی وہی سب کچھ کرنے لگے جو وہ کررہا ہو تو ظاہر ہو کہ ہم بھی ویسے ہی گنہگار بن گئے اور اسی کی طرح ہماری زندگی بھی خراب اور ناکام ہوگئی لیکن اگر اسکی برائیوں کے عوض میں بھی ہماری طرف سے بہادرانہ اور منصفانہ سلوک ہوتا رہا تو چند ہی روز میں اسے اپنے کرتوت پر شرم آئے گی اور وہ بھی ہم جیسا بن جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اسقدر متحمل مزاج نہ ہوتے اور اسقدر رواداری کا برتاؤ نہ کرتے تو آج شاید اسلام کا کہیں نام ونشان بھی نہ ہوتا آپ کی اسی سچی بہادری اور سچی شرافت نے کہ آپ برائیوں کا بدلہ بھلائیوں سے دیتے تھے چند ہی روز میں آدھی دنیا کو آپکے مذہب کا حلقہ بگوش بنادیا

ہم اپنی زندگی میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے اگر ہم میں بہادری شرافت اور خلوص نہیں ہو، اور بہادری اپنے نفس پر حکومت کرنے کا نام ہو، اور شرافت دوسروں کی خدمت کرنے کا، اور خلوص ایسی راستبازی کا کہ جسکا اثر صرف ہماری زبان تک محدود نہ ہو، بلکہ ہمارا دل بھی سچا ہوجائے۔

(سعید احمد)

کامیابی کے زرّیں مقولے

۱۔ کامیابی ایک فیصدی قسمت سے اور ننانوے فیصدی محنت ومشقت سے حاصل ہوتی ہو (نامعلوم)

۲۔ اگر تمنے ہوا میں قلعے بنائے (خیالی پلاؤ پکا رکھے) ہیں تو ان کو توڑو نہیں۔ ویسے ہی رہنے دو جیسے کہ وہ ہیں۔ اب صرف انکے نیچے بنیادیں قائم کردو۔ (تھوریو)

۳۔ میں زندگی کو روح کی قوت آزمانے کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں۔ (براؤننگ)

۴۔ انسانوں کے معاملات زندگی میں ایک ایسا جوار بھاٹا آتا ہو جس کی طغیانی ہو مددگار انسان ایکدم پستی سے بلندی پر پہنچ جاتا ہو۔ (شیکسپیر)

۵۔ انسان کی بہترین کامیابیاں انکی ناامیدیوں کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ (ڈبلیو۔ بیچر)

۶۔ مشکلات ہی سے انسان کی اصلی حقیقت ظاہر ہوتی ہو۔ (نامعلوم)

۷۔ زندگی کا مقصد کام ہو ورنہ اس کا کوئی مقصد نہیں۔ (لوتھر)

۸۔ "ابھی۔ ابھی" "بہت جلد" "کبھی نہیں" میں تبدیل ہوجاتا ہو۔ (")

۹۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے خواب سچے ہوجائیں تو تمھیں فوراً بیدار ہوجانا چاہئے۔

۱۰۔ انسان کو اپنے ذرائع کی وسعت سے اتنی آزادی حاصل نہیں ہوتی جتنی کہ ضروریات کے محدود ہونے سے حاصل ہوتی ہو۔

۱۱۔ کسی ایسی حالت کا نہ ہونا جو ہونی چاہئے تھی اتنا افسوسناک نہیں ہو جتنا کہ کسی ایسی حالت کا ہونا جو نہ ہونی چاہئے تھی۔ (ترجمہ)

ہمت اور مقدر کا مقابلہ

(از جناب حکیم آغا انصاری، برائے رسالہ ہمایوں، لاہور)۔

کسی جوانمرد کا مقدر بُری طرح اُس سے پیش آیا … بُری طرح اور حد سے بڑھ کر بُری طرح اُس سے پیش آیا
وہ شر اُٹھایا کہ اُس کو بالکل تباہ و برباد کر کے چھوڑا … وہ قہر ڈھایا کہ اُس کو بالکل تباہ و برباد کر کے چھوڑا
اگرچہ ہمت نے دشمنی کی مگر وہ خاطر میں بھی نہ لایا … اگرچہ طالع نے زک پہ زک دی مگر وہ خاطر میں بھی نہ لایا
اگرچہ بےحال ہو چکا تھا مگر وہ شاکی ہوا نہ بے دل … اگرچہ پامال ہو چکا تھا مگر وہ شاکی ہوا نہ بے دل
ہزار صدمے اُٹھائے لیکن ذرا جبیں پر شکن نہ آئی … ہزار آزار پائے لیکن ذرا جبیں پر شکن نہ آئی

مگر جب اس پر بھی حسب سابق نصیب کو گرم جور دیکھا … اُسی طرح اپنے ناموافق نصیب کو گرم جور دیکھا
تو وہ جوانمرد سر اُٹھا کر یہ چند الفاظ لب پہ لایا … نڈر نظر سے نظر ملا کر یہ چند الفاظ لب پہ لایا
بلا سبب شر اُٹھانے والے ستانے اچھی طرح ستالے … بلا سبب قہر ڈھانے والے ستانے اچھی طرح ستالے
مگر تجھے او کمینہ پرور! خبر بھی ہے کس سے چھیڑ کی ہے … جفا کے عادی ستم کے خوگر! خبر بھی ہے کس سے چھیڑ لی ہے
زمانہ بھر اس کو جانتا ہے کہ میں اپاہج نہ پست ہمت … یقین ہے تو بھی مانتا ہے کہ میں اپاہج نہ پست ہمت
سما کی رفعت سے تا سمک میں کسی سے دیکر نہیں کا ہوں … تمام عالم میں آجتک میں کسی سے دیکر نہیں کا ہوں
ہر اس بالکل فضول جب تک دفاع بے داد کی سکت ہے … مجھے خبر ہے کہ مجھ میں اب تک طویل تاب مقاومت ہے
خدا نے چاہا تو وہ عوض لوں کہ خود ترا دل اٹھے سہم سا … خدا نے چاہا تو وہ زکیں دوں کہ عاجز آ کے صلح چاہے
جو ٹھان لوں کہ سما سے بھی ستم کا پیشہ چھڑا کے دم لوں … تری حقیقت ہی کیا، اُسے بھی غلام خدمت بنا کے دم لوں
یہ کہہ کے مردانہ وار فوراً وغا کے میدان میں در آیا … بگڑ کے دیوانہ وار فوراً وغا کے میدان میں در آیا
وغا کے میدان میں در آ کر عمل کی تیغ دو دم سنبھالی … وغا کی خاطر قدم جما کر عمل کی تیغ دو دم سنبھالی
عمل میں ہر نئج شکست سہہ کر عمل کی رفتار تیز کر دی … عمل میں ناکامیاب رہ کر عمل کی رفتار تیز کر دی

یہ رنگ دیکھا تو خود مقدر گزارش عفو کو لپکا … اور اُس کے ہمراہ لطف داد و سفارش عفو لے
ادھر سے دُنیائے کامرانی نثار ہونے کی خاطر آئی … اُدھر سے توفیق آسماں سامنے نثار ہونے کی خاطر
ادھر تجلی مسرت آئی سکون جاوید ساتھ لے کر … اُدھر سے غیبی حمایت آئی اُدھر سے خدا کی تائید ساتھ
ادھر سے اقبال کی نہایت ہدیہ دادلے کے پہنچی … اُدھر سے اللہ کی عنایت پیام امداد لے کے پہنچی
یہ طاقتیں مل ملا کے اُسکو مدد کا مژدہ سنانے دوڑیں … مدد کا حق دار پا کے اُسکو مدد کا مژدہ سنانے دوڑیں
تمام غیبی اعانتوں کے ہجوم نے اُس کو آن گھیرا … تمام عالم کی طاقتوں کے ہجوم نے اُس کو آن گھیرا

یہ بھیڑ دیکھی تو اُسنے ٹوکا، فضول یہ اجتماع کیوں ہے … فضول حرکت سے کیا نتیجہ فضول یہ اجتماع کیوں ہے
احاطہ کار میں در آنا صریح بےجا مداخلت ہے … خیال اہل عمل بٹانا صریح بےجا مداخلت ہے
کسی کا یوں ہیچ کار کرنا کہاں روا ہے کہیں نہیں ہے … یہ کار جبر اختیار کرنا کہاں روا ہے کہیں نہیں ہے
ہجوم بےجا سے فائدہ کیا۔ اُدھر ہٹو اپنی راہ پکڑو … یہاں نہ میلا نہ کچھ تماشا۔ بڑھو بڑھو، اپنی راہ پکڑو

یہ سُن کے وہ سب ادب سے بولیں معاف کرنا معاف کرنا … بصد لجاجت زبانیں کھولیں، معاف کرنا، معاف کرنا
تکدر طبع تو بجا ہے، مگر ہمارا تو عذر سُنئے … ملال بھی غصہ بھی روا ہے مگر ہمارا تو عذر سُنئے
زمانے کے اتنے ظلم سہنا، یہ کام انسان کا نہیں ہے … اور آپ اس طرح زندہ رہنا، یہ کام انسان کا نہیں ہے
یقیں ہے ایسی کڑی مصیبت پہاڑ کو پاش پاش کر دے … ضعیف انساں کی کیا حقیقت پہاڑ کو پاش پاش کر دے

"ہمیں فقط اس قدر بتا دو کہ تم میں یہ بل کہاں سے آیا"
"یہ غیر مفتوح جوش ہمت یہ عزم فاتح کہاں سے آیا!"

استقلال کی حیرت انگیز مثال

(از جناب سلیم اللہ صاحب (ایم اے))

"برنارڈ پلیسے" سنہ ۱۵۱۰ء میں جنوبی فرانس کے ایک معمولی گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا غریب باپ کانچ کا کام کیا کرتا تھا غربت کی سبب سے وہ اپنے لڑکے کے اخراجات تعلیم برداشت نہ کر سکا، مگر اس لڑکے نے علاوہ اپنے آبائی پیشہ کے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا، جب اسکی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو شیشہ کے کام کی کوئی وقعت باقی نہ رہی تھی۔ اس سبب سے اسکے باپ کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ لڑکے نے اپنے اخراجات کا بار اپنے باپ پر ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور خود ملازمت کی تلاش میں گھر سے نکل گیا، دس برس تک آوارہ پھرتا رہا مگر قسمت نے کہیں بھی ساتھ نہ دیا۔ بائیس سال کی عمر میں اسنے شادی کی اور ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی جس قدر اس کی اولاد زیادہ ہوتی جاتی تھی اسی قدر وہ افلاس غربت سے زیادہ پریشان ہوتا جاتا۔ شیشہ کے کام سے اس کو فائدہ نہ ہوتا، اس لئے اسنے ارادہ کر لیا کہ اس کام کو چھوڑ کر کوئی اور پیشہ اختیار کرے، اتفاقاً اٹلی کا بنا ہوا ایک پیالہ اسنے کہیں دیکھ لیا، اسکی خوبصورتی کو دیکھ کر پلیسے کو خیال ہوا کہ اسی قسم کے برتن بنانے چاہئیں مگر ایسا خوبصورت روغن کا مصالحہ اسکو بنانا نہ آتا تھا، خیال کیا کہ اٹلی جا کر روغن بنانے کی ترکیب سیکھے لیکن افلاس نے مجبور کیا۔ آخر اسنے فیصلہ کیا کہ مختلف قسم کے اجزا کو استعمال کر کے روغن کی ساخت کا پتہ لگائے، اسنے تجربات کئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کونسا مصالحہ اس قسم کے روغن تیار کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہوگا۔ اسنے ایک مصالحہ تیار کیا۔ اور مٹی کے برتنوں پر لگا کر آنچ دینی شروع کی۔ مگر بہت سی لکڑیاں جلانے کے بعد بھی کسی برتن پر روغن نہ چڑھا۔

پلیسے مستقل مزاج آدمی تھا، ناکامیوں کے باوجود اسنے اپنے تجربات جاری رکھے، مگر اسکی بیوی اس کی سخت مخالف ہو گئی، اسے اپنے بچوں کا خیال تھا، وہ نہ چاہتی تھی کہ میاں اپنا تمام وقت تجربات میں صرف کرے، مگر پلیسے کب کسی کی سننے والا تھا۔ اسنے اور مصالحہ تیار کیا۔ اور مٹی کے برتن پر لگا کر بھٹی میں آنچ دینے کے لئے رکھ دئے۔ مگر اس مرتبہ بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ اسی طرح کئی مہینے تک تجربات کرتا رہا۔ آخر کار ایک دن اس کی بھٹی ٹوٹ گئی۔ بیوی کی شکوہ و فریاد سے پلیسے کا قیمتی وقت خراب ہوا کرتا تھا۔ اس لئے گھر سے کچھ فاصلہ پر اسنے بھٹی بنائی۔ اور مہینوں تجربات کرتا رہا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ معاش کے لئے اسنے اپنا پیشہ بھی ترک کر رکھا تھا جس سے اسکے گھر کے اخراجات مشکل سے پورے ہوتے، بھٹی کا خرچ چلنا کچھ آسان نہ تھا۔ اس لئے گاؤں سے کچھ فاصلہ پر کمہاروں کے ایک آوے پر جا کر اپنے تجربات شروع کئے، وہ ٹھیکریوں پر مصالحہ لگا کر آوے میں رکھ دیتا تھا، اور مناسب اوقات پر جا کر نکال لاتا تھا۔ اگرچہ پلیسے کو یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی، مگر اسنے ہمت نہ ہاری، اگر ایک دفعہ اس کی کوشش بیکار جاتی تو وہ دوسری مرتبہ اور مصالحہ تیار کر کے تجربات کرتا۔

خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں گورنمنٹ فرانس نے حکم دیا کہ موضع سینٹز کے قریب دلدلوں کی پیمائش کی جائے۔ پلیسے بہت ہوشیار تھا، اور نقشہ کشی سے بھی کچھ واقف تھا، اس لئے اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ اس کام میں پلیسے نے خاطر خواہ نفع حاصل کیا جس سے روغن کے تجربات میں بہت کچھ مدد ملی۔ پیمائش کا کام ختم کرتے ہی اسنے نئے اجزا سے روغن تیار کیا۔ اور تین درجن برتنوں پر لگا کر بھٹی میں رکھ دئے، اس مرتبہ مصالحہ پگھل گیا، اور ٹھیکریوں پر کچھ روغن چڑھ گیا، اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اسنے اپنی کامیابی کو قریب دیکھا۔ برتنوں کو بھٹی سے نکالا اور تلاش شروع کی کہ کسی برتن پر سفید روغن بھی ہوا ہو۔ مگر کوئی ایسا برتن نظر نہ آیا جس پر سفید روغن چڑھا ہو۔ اسنے دوبارہ تجربہ کرنے کا اہتمام کیا، اور دو برس تک اسی کوشش میں لگا رہا، اور جو کچھ پیمائش کے کام سے روپیہ حاصل ہوا تھا تمام صرف ہو گیا۔ آخری مرتبہ اسنے ارادہ کیا کہ ایک بڑے پیمانہ پر تجربہ کرے، اگر پھر بھی کامیابی نہ ہو تو یہ خیال ہی چھوڑ دے۔ اس مرتبہ تین سو ٹھیکریوں پر مختلف مرکب لگا کر بھٹی میں رکھ دئے، اور چار گھنٹے تک آگ جلتی رہی آخر میں بھٹی کھولکر دیکھی تو تین سو برتنوں میں سے صرف ایک برتن پر مصالحہ پگھلا ہوا نظر آیا اسکو ٹھنڈا کیا، اور دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا کہ اس پر سفید رنگ ہو گیا تھا۔

پلیسے نے خود بھٹی تیار کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ خود اینٹیں اٹھا کر لاتا، آپ گارا بناتا اور خود معمار کا کام کرتا، آٹھ مہینے میں اس سے یہ بھٹی تیار ہوئی پہلی مرتبہ "پلیسے نے" ساری رات چند برتنوں کو آنچ دیتا رہا مگر روغن نہ چڑھا۔ برتن اتنی دیر تک بھٹی میں رہ کر بالکل خراب ہو گئے تھے، اور اس قابل نہ رہے تھے کہ ان پر دوبارہ تجربہ کیا جائے۔ اب اسے برتن مہیا کرنے کا خیال دامنگیر ہوا کیونکہ ایک پیسہ بھی اسکے پاس بچا نہ تھا، اور گاؤں کے لوگ اسے پاگل سمجھتے تھے، اس لئے کہیں سے قرض ملنے کی بھی امید نہ تھی، بڑی مشکل سے اسنے کچھ ایندھن خریدا اور کچھ برتن مہیا کئے، اور ایک نیا مصالحہ لگا کر بھٹی میں رکھ دیا، خوب آگ جلا دی، سارا ایندھن ختم ہو گیا، مگر مرکب نہ پگھلا۔ پلیسے نے جھونپڑی کے سامنے کا جنگلہ بھٹی میں جھونک دیا، سارا جنگلہ جل گیا، پھر بھی مرکب نہ پگھلا۔ گھر کی بنچ اسٹول میز کرسی سب توڑ ڈالی، اور بھٹی میں لگا دی، بیوی نے یہ حال چیخنا شروع کیا، بچے ماں کو روتا ہوا دیکھ کر شور مچانے لگے۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ مگر پلیسے نے ان باتوں پر کوئی توجہ نہ کی، اور ظاہری سب اسباب توڑا جاتا تھا، گھر کا تمام سامان جلا کر بیٹھ رہا۔ صبح کے وقت بھٹی کو کھولکر دیکھا تو برتنوں پر چمکدار سفید روغن چڑھ گیا تھا۔ خدا کا شکر ادا کیا، اب تمام تکالیف بے عزتی، قرض، فاقہ کشی اور بے سروسامانی کی اسکی نظر میں کوئی حقیقت نہ رہی تھی

جب پلیسے کو روغن ایجاد کرنے میں کامیابی ہوئی تو اسے خیال پیدا ہوا کہ ایک بڑے پیمانہ پر کام

شروع کرے، اور برتنوں پر روغن کرنے کے لئے فروخت کے لئے مختلف مقامات پر پہونچے۔ ایک کمہار کو برتن بنانے کے لئے ملازم رکھا۔ مگر روغن کے اجزا، خریدنے کے لئے ایک پائی بھی نہ تھی۔ کمہار کو اُسنے اپنے گھر کا اور کچھ دوسرا سامان دیکر رخصت کیا اور خود روپیہ کی فکر میں مصروف ہوگیا۔

گاؤں میں قرض ملنا مشکل تھا۔ تمام لوگ اسکو دیوانہ سمجھتے تھے مگر کسی خدا ترس نے اس شرط پر چھ مہینے تک بھٹی کے اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا کہ برتن فروخت ہونے پر سب سے پہلے اسکا روپیہ ادا کیا جائے۔ "پلے" تسے اُسنے منظور کرلیا، اور ایک اعلیٰ درجہ کی بھٹی تیار کی جسمیں پہلی بھٹیوں کی بہ نسبت بہت زیادہ کام ہوسکتا تھا۔ بھٹی میں غلطی سے بعض ایسے پتھر استعمال کئے گئے تھے جو آگ جلانے کے بعد پھٹ گئے جس کے سبب سے کچھ برتن ٹوٹ گئے اور بعضوں کی شکل بگڑ گئی۔ مگر ان پر روغن نہایت چمکدار ہوگیا تھا۔ بعض لوگوں نے ان برتنوں کو خریدنا چاہا مگر پلے تسے نے انکار کردیا۔ کہ ناقص برتن بیچنے سے میری بدنامی ہوگی، اور میرے متعلق بری رائے قائم کرینگے۔

اُسنے پھر مستقل مزاجی سے کام شروع کیا۔ یہ اسکی غیر معمولی ہمت تھی کہ باوجود ہزارہا زحمتوں کے اُسنے اپنا ارادہ ترک نہ کیا لوگ مذاق اُڑاتے تھے۔ گھر میں بیوی بچوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی کوئی مددگار نہ تھا۔ مگر یہ اپنی دھن میں لگا رہتا تھا۔ وسط یورپ میں سردی بہت ہوتی ہے۔ مگر یہ برہنہ اپنی بھٹی کے پاس کام کرتا رہتا تھا۔ اسے بارش کی پرواہ نہ تھی۔ آندھی اور ٹھنڈی ہوائیں اسپر اثر نہ کرتی تھیں کبھی ایسا ہوا کہ بارش اور آندھی کے سبب سے یہ ٹھٹھر گیا۔ گھر میں چولہا ٹھنڈا تھا۔ اُدھر بیوی نے شور مچا رکھا تھا اور ایک طرف بچے چین نہ لینے دیتے تھے، ان واقعات کو وہ خود بیان کرکے کہتا ہو کہ "میں حیران ہوں اس قسم کی تکالیف کے بعد میں کیونکر زندہ رہا"۔ فرضکہ سولہ برس کے بعد وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوا۔ اور اسکے بنائے ہوئے برتن گراں بہا قیمت پر فروخت ہونے لگے اور کچھ دنوں میں یہ ایک دولتمند شخص بن گیا۔ اور اسکے بدنصیب بچے آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔

کامیابی کے بعد بھی اُسنے اپنی کوشش جاری رکھیں، اور ہمیشہ اپنے ہنر میں ترقی کرنے کی فکر میں لگا رہا، اور آخرکار اسقدر کمال حاصل کرلیا کہ تمام یورپ کو اسکے کمالات کا اعتراف کرنا پڑا۔ اسکے بنائے ہوئے برتن یورپ کے بادشاہ استعمال کرتے تھے، اسکے بنائے ہوئے برتنوں کی قیمت اسقدر بڑھ گئی کہ ایک رکابی جسکا قطر بارہ انچ تھا، اور جسکے وسط میں اُسنے ایک چھپکلی کی شکل بنائی تھی لندن میں ایک ہزار چار سو روپیہ پر فروخت ہوئی

شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ

(از مسٹر شہنشاہ حسین رضوی ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) ایم آر اے، ایس (لندن) ایڈوکیٹ لکھنؤ)

(۲)

معاہدہ الہ آباد بہرکیف نتیجہ اس ملاقات کا یہ ہوا کہ ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو طرفین کے مابین الہ آباد میں ایک معاہدہ ہوا جسکے شرائط حسب ذیل تھے :۔

(۱) یہ کہ اضلاع کڑا و الہ آباد نواب وزیر سے لیکر شاہ عالم کو دیئے جائیں (۲) یہ کہ نواب شجاع الدولہ اپنی قلمرو میں کارخانے کھولنے اور آزادانہ تجارت کرنے کی اجازت دے (۳) یہ کہ نواب شجاع الدولہ انگریزوں کو پچاس لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرے؛

معاہدہ تکمیل پا گیا۔ فریقین کے دستاویز پر دستخط بھی ہوگئے اور مہریں بھی۔ شجاع الدولہ کے لئے صرف شرط سوم کا ایفا ہنوز باقی تھا جو اسکے لئے سوہان روح تھا۔ جنرل کارنک نے ۱۸ جولائی ۱۷۶۵ء کو بورڈ کے نام ایک مراسلہ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسوقت نواب کے پاس صرف دس لاکھ روپیہ نقد موجود تھا۔ لیکن بقیہ چالیس لاکھ کہاں سے آتا؟ مصنف سیر المتاخرین لکھتا ہے کہ اس بے دست و پائی کے عالم میں،

"نواب نے اپنے رفقاء و ملازمین سے انکے حسب مقدرت روپیہ کی امداد چاہی۔ اور اپنی ماں، بیگم، سالوں وغیرہ دوسرے اعزا سے روپیہ مانگا۔ اور کہلا بھیجا کہ میری گلوخلاصی تاوان کی ادائی پر منحصر ہے۔ لیکن اسکو بہت جلد تجربہ ہوگیا کہ اسکے اُن رفقا نے جو وفاداری کا دم بھرتے تھے روپیہ کو آقا سے زیادہ عزیز کیا، اور جو مستطیع بھی تھے اور اپنے محسن کے زیادہ احسانمند تھے انھوں نے بمشکل نصف و ربع رقم پیش کی۔ مگر بہو بیگم نواب کی باوفا ہمسر نشین اس موقع پر بڑا کام کرگئی اور اُسنے دنیا کو ثابت کردیا کہ مصیبت میں باوفا عفت دار بیوی سے زیادہ کوئی نعمت نہیں"۔ بہو بیگم نے نہ صرف اپنا تمام نقد و جواہر حتیٰ یہ کہ اپنی ناک کی کیل بھی بلکہ محل کی تمام عورتوں کا زیور سب شجاع الدولہ کے حضور میں پیش کردیا۔ جن لوگوں نے بیگم کو منع کیا تھا انکو وہ دنداں شکن جواب دیا کہ پھر کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

"میرے پاس جو کچھ ہے وہ میرے کام کا اسوقت تک ہے جبتک میرے شوہر کو کوئی آنچ نہیں پہونچتی لیکن جسوقت خدانخواستہ میرا شوہر نہ رہا اسوقت یہ زر و جواہر میرے کس مصرف کا؟ کیا وہ اس کے بعد بھی کام آسکتا ہے؟" [۱]

کپتان جے بیلی رزیڈنٹ لکھنؤ اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۸۱۳ء میں جو بورڈ کے نام تحریر کیا گیا ہے نواب بہو بیگم کی اس گرانقدر مدد کا تذکرہ کرتا ہے۔ دوسرا خط لارڈ کلایو کا ہے جو سو سونے ۱۱ جون ۱۷۶۶ء کو چھپرا سے بورڈ کو لکھا ہے۔ اس کا ضروری اقتباس حسب ذیل ہے۔

"شجاع الدولہ چھپرے میں ۸ ماہ رواں کو پہنچ گئے تھے اور آج ۱۱ جون کو حسب شرائط معاہدہ الہ آباد مورخہ ۱۶ اگست ۱۷۶۵ء انھوں نے بقیہ مطالبہ تاوان کل و جزو نہایت عزت کے ساتھ ادا کردیا، لہذا اس موقع پر میں شجاع الدولہ کے ایفاء عہد پر آپ کو مبارکباد دونگا اور عرض کرونگا کہ یہ نواب کی انصاف پروری، نیک نیتی کا بین ثبوت ہے اور ہم بلاشبہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شجاع الدولہ ایک ایسی قوت ہے جسپر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور جو نہ صرف کمپنی کی عزت کریگا بلکہ آئندہ اسکی حقیقی خدمت بھی کریگا" [۲]

بورڈ نے جواب میں لارڈ کلایو کی رائے سے کامل اتفاق کیا۔

بہو بیگم کا اثر نواب پر نواب شجاع الدولہ نے بہو بیگم کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسدن سے اسکے دل میں بہو بیگم کی عزت بہت زیادہ ہوگئی اور اس کی وفاداری کی بہت قدر و منزلت کرنے لگا۔ بیگم بھی نواب کی اسقدر معتمد ہوگئی تھی کہ جو روپیہ اسکے ہاتھ میں آتا یا تحائف پیش کئے جاتے سب براہ راست بیگم کے پاس جاتے۔ آخر میں سلطنت کی مہریں بھی بیگم کے پاس رہنے لگی تھیں، نواب نے ضلع گونڈہ میں بیگم کو مزید وسیع جاگیریں عطا کی تھیں، اب تو نواب پر بیگم کا اسقدر اثر ہوگیا تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اسکے سامنے دوسرے محلات یا سوائے بیگم کے فرزند نواب آصف الدولہ کے کسی اور لڑکے کا نام لیتا۔ اپنے عصر میں بہو بیگم ہی ایک ایسی خاتون ہے جسکی ہمسر سلطنت دہلی کے

---

[۱] سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۵۸۵۔ بہو بیگم کا نام امۃ الزہرا تھا، اور وہ نواب معتمد الدولہ محمد اسحاق خاں کی جو عہد محمد شاہ میں دیوان خالصہ تھے دختر تھی، بہو بیگم کی شادی شجاع الدولہ کیساتھ ۱۱۵۹ھ میں مطابق غالباً ۱۷۴۶ء میں ہوئی تھی، یہ شادی بھی دہلی کے دور آخر میں یادگار تھی کیونکہ خود بادشاہ نے بنفس نفیس اسمیں نمایاں حصہ لیا تھا، دلہن کو جو جہیز ملا تھا اسمیں ایکہزار صرف چاندی کے پیالے یا جام تھے۔ بہو بیگم نے نو لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کی ایک جاگیر بھی پائی تھی، اس شادی کے مصارف کا تخمینہ ۴ کرور روپیہ کیا جاتا ہے۔ بہو بیگم نے ۱۸۱۶ء میں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا

[۲] مراسلہ مورخہ ۲۴ جون ۱۷۶۶ء بمقام فورٹ ولیم۔

ستیں صوبوں میں باعتبار اُس قار، وجاہت اور شان و شوکت کے کوئی عورت نہ تھی۔

نواب شجاع الدولہ اور یورپین تجار

جون ۱۷۶۵ء میں نواب شجاع الدولہ اور لارڈ کلایو کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اسکے شرائط کی رُو سے بہت یورپین تجار اور ملازمان ایسٹ انڈیا کمپنی قلمرو صوبہ اودھ میں تجارت کیا کرتے تھے۔ ان میں ایک شخص مسمّی جیمس نکل بورڈ کو گورکھپور سے ۲۶ جنوری ۱۷۶۶ء کو ایک مراسلہ بھیجا ہے جسمیں استدعا ہے کہ اسکو نواب کی ریاست میں تجارت کی اجازت دیجائے۔ اس دوران میں کمپنی کے گماشتے بھی تجارت کیا کرتے تھے لیکن اُن کا طرز عمل نواب کے لئے اس قدر ناقابل برداشت ہوگیا تھا کہ آخرکار کمپنی نے ان کو طلب کرلیا اور دریائے کرمناسا کے اُس پار تجارت سے منع کردیا۔ نتیجہ اس حکم امتناعی کا یہ ہوا کہ ۱۷۶۸ء میں کمپنی نے لوہے، تانبے، سیسہ اور کپڑے میں جو انگلستان سے منگایا تھا اسمیں سخت نقصان ہوا اور نواب ریاست کے صدود میں تجارت کی بندش سے نفع جاتا رہا۔ کمپنی نے اسکے بعد نواب سے پھر سلسلہ جنبانی شروع کی، اور تجارت کا حسب معمول اجراء چاہا۔ اور یہاں تک آمادہ ہوگئی کہ نواب جسقدر بھی جی چاہے اشیائے درآمد پر ٹیکس عائد کرے لیکن جیسا کہ وارن ہیسٹنگز کی رپورٹ مورخہ ۴ اکتوبر ۱۷۷۳ء سے جو بورڈ میں پیش کی گئی ہے مترشح ہوتا ہے نواب نے کسی صورت سے کمپنی کی استدعا کو منظور نہیں کیا۔ ذیل کا اقتباس مذکورۂ بالا رپورٹ سے ہم اور صورت حالات پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

"میں نے نواب وزیر سے تجارت کے اجراء کے متعلق خاطر خواہ گفتگو کی اور جن اصول پر ہمنے حال میں چنگی اپنے حدود مقبوضات میں قائم کی ہے اُن ہی اصول پر نواب کو بھی چنگی کے قیام کے متعلق سفارش کی اور تحریری وضاحت کی لیکن میرے امکان میں نہیں کہ میں چنگی یا تجارت کی ضرورت اور انکے فوائد کو نواب کے ذہن نشین کراسکوں، شجاع الدولہ کا راسخ عقیدہ ہے کہ تجارت کی آزادی کے ساتھ ملک کا روپیہ کھنچ جائے گا۔ اور اگر انگریزی گماشتوں کو قیام کی اجازت دیدی گئی تو باوجود ہمارے قواعد و قوانین نافذ کرنے کے وہ اپنا اقتدار پیدا کرینگے جو اسکے محاصل ملک کے لئے منافی ثابت ہوگا۔ اور اس کشمکش سے وہ گتھیاں پڑیں گی کہ آخرکار کمپنی اور نواب کے تعلقات کو پیچیدہ کردینگی۔ بیشتر یہ بھی کہا کہ کسی انگریز کو قیام کی اجازت نہ دیجاویگی۔ نہ میں گماشتوں اور نواب کی رعایا کے باہمی اختلافات میں کبھی دخل دونگا، اور نواب ہی کے عمال پر تصفیہ کے لئے چھوڑ دونگا اور مجاز کردونگا کہ وہ مثل اپنی رعایا کے ان پر اپنے اختیارات استعمال کریں، لیکن چونکہ میں نواب کو ہموار نہیں کرسکتا نیز مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مرزاپور ایک ایسا مرکز ہے جس سے نکل کا مال نہ صرف اودھ میں بلکہ تمام ہندوستان میں جاتا ہے لہذا میں نے نواب کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہا اور راجہ چیت سنگھ والئی بنارس سے جس کی ریاست میں مرزاپور شامل ہے اقرار لینا تجویز کیا ہے۔ میں نے راجہ سے کپڑے، سیسہ اور تانبے کے متعلق طے کرلیا ہے کہ وہ بغیر کسی چنگی کے اسکی حدود سے مرزاپور بھی جاسکے"

عہد نامۂ بنارس

۷ ستمبر ۱۷۷۳ء کو بنارس میں شجاع الدولہ نے کمپنی سے دوسرا معاہدہ کیا۔ جو لارڈ کلایو اور نواب کی ملاقات کا نتیجہ تھا۔ اس عہدنامہ کی رو سے کمپنی کی اس سپاہ کے جو نواب کے کمک کے لئے مخصوص تھی ماہانہ مصارف اکیس ہزار روپیہ مقرر ہوگئے اور اضلاع کڑا و الہ آباد جو شہنشاہ شاہ عالم کو دیئے گئے تھے نواب کو پچاس لاکھ روپیہ کمپنی کو ادا کرنے پر واپس مل گئے، اس رقم میں بیس لاکھ اسی وقت واجب الادا قرار دیا گیا جو نواب نے فی الفور ادا کردیا باقی تیس لاکھ کے متعلق یہ طے پایا کہ پندرہ لاکھ بعد ایکسال اور پندرہ لاکھ بعد دو سال ادا کیا جائے۔

جنگ روہیلا

شجاع الدولہ کی زندگی کا آخری زمانہ جنگ روہیلا تھی۔ دفتر خارجیہ کے دستاویزات جو (امپیریل رکارڈ آفس) سرکاری محافظخانہ میں محفوظ ہیں جنگ کا مفصل منظر پیش کرتے ہیں، لہذا اُن سے حسب ذیل نکات کر اخذ کیا جاتا ہے۔

"معاہدہ بنارس کی تکمیل کے بعد نواب نے کمپنی سے روہیلکھنڈ کی تسخیر کی خواہش ظاہر کی اور امداد چاہی۔ روہیلکھنڈ اودھ کے شمال میں گنگا اور کوہستان تبت کے آغوش میں واقع ہے، کمپنی کی اس خدمت کے صلہ میں نواب نے جنگ کے اختتام کے بعد چالیس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ روہیلوں سے چھیڑ کا بہانہ یہ ڈھونڈھا گیا کہ انھوں نے مرہٹوں کے مقابلہ میں نواب سے امداد چاہی تھی اور چالیس لاکھ بطور معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب مرہٹے بمصداق، رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت، سر پر سے ہٹ گئے تو روہیلے بدعہدی اور نواب کو روپیہ دینے سے انکار کرگئے۔ الزام درحقیقت یہ تھا۔ بہرکیف کمپنی نے نواب کی استدعا کو قبول کیا اور کرنل چمپین کی زیر کمان سپاہ کو کوچ کا حکم دیا گیا، ادھر شجاع الدولہ معہ اپنے عساکر کے آملا۔ دونوں لشکر ۱۷ اپریل ۱۷۷۴ء کو قلمرو غنیم میں داخل ہوئے اور اسی ماہ کی ۲۳ تاریخ حافظ رحمت خاں نے جو روہیلوں کا سردار تھا رن پڑا تین گھنٹہ کی گھمسان قتال کے بعد حافظ توپ کے گولہ سے میدان کارزار میں کام آگیا اور لڑائی سر ہوگئی۔ حافظ کی موت فیصلہ کن تھی، بے سری فوج کے پھر قدم کیا جمتے؟ شجاع الدولہ کا روہیلوں کے ملک کے بیشتر حصہ پر تسلط ہوگیا اور بیشمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس جنگ میں کمپنی کی سپاہ نے بہت مستعدی اور جرأت سے کام کیا لیکن نواب نے وارن ہیسٹنگز سے شکایت کی کہ انگریزی سپاہ نے پیلی بھیت میں دست درازیاں کیں، دستاویز زیر بحث سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزی فوج پیلی بھیت میں داخل ہوئی اور اسنے باشندگان پر تشدد کیا شجاع الدولہ کی شکایت پر کرنل چمپین نے جواب دیا کہ شہر میں چار کروڑ روپیہ تھا، اسکی سپاہ اسمیں حصہ چاہتی تھی۔ اگر ان کو روکا جاتا تو وہ تمام روہیلکھنڈ کو تاراج کردیتی۔ ان حالات میں شجاع الدولہ کو سوائے شکایت کرنے کے اور کچھ بن نہ پڑی اور اُسنے کمپنی سے مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے بعد کمپنی کے سپاہ کا یہ طرز عمل کسقدر منصفانہ تھا، کرنل نواب کے اس بیان کو "سفید جھوٹ" سے تعبیر کرتا ہے اس موقع پر ڈائرکٹران (جنرل جے کلیورنگ، کرنل جی مانسن، اور مسٹر پی فرانسس) کے مراسلہ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۷۷۴ء کا اقتباس درج ہے

"اس ملک میں غنائم کی توقع پر آتش جنگ میں پھاندنے کے نتائج بہت بار دیکھے جا چکے ہیں۔ جنگ روہیلا میں ہماری شرکت اس غرض سے خالی نہ تھی، اور جو مراسلت کہ ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف گورنمنٹ بلکہ سپاہ کی نظریں آغاز جنگ سے غنائم ہی پر لگی ہوئی تھیں ہم ان بعید اثرات کو جو اس سے سپاہ کے طرز عمل پر پڑتے ہیں شرح نہیں کرنا چاہتے۔ ہم گورنمنٹ کو مورد الزام قرار دیتے ہیں جو ایسے کاموں کے لئے مخصوص سپاہ فراہم کرتی ہے جس سے مستقل فوج کی توقعات کا خون ہوتا ہے"

یہ امر دلچسپ ہے کہ اس مراسلہ کے لکھنے والے وارن ہیسٹنگز کو انصاف کشی کا مجسمہ تصور کرتے تھے اور اسکی مخالفت کرنا اور اسکو قابل الزام قرار دینا اپنا فرض قرار دیتے تھے۔

دوسری دستاویزوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان کے مقامی ڈائرکٹران نے بھی جنگ روہیلا میں انگریزی مداخلت کو بری نظروں سے دیکھا، اور انھوں نے اپنے مراسلہ مورخہ مارچ ۱۷۷۵ء میں غضبناک لہجہ اختیار کیا۔

"ان مالی فوائد سے قطع نظر کر کے جو جنگ روہیلا میں حاصل ہوئے ہمکو صرف اس سے سروکار ہے کہ ہماری سپاہ فتح روہیلکھنڈ میں استعمال کی گئی۔ ہم سیاسی نقطۂ نظر سے شجاع الدولہ کے ساتھ معاہدات کو قابل استثنا نہیں قرار دیتے، اور ہم گورنمنٹ کو منع کرتے ہیں کہ وہ آئندہ کسی غرض سے کبھی بھی ایسی مہمات میں فوج کو استعمال نہ کرے۔"

یہ الفاظ بہ نسبت اس تقریر کے جو لارڈ نے اپنے مراسلہ مارچ ۱۷۷۴ء میں کی زیادہ ترش تر نہیں؛

"ہم کمپنی کی اس تدبیر کو ناعاقبت اندیشانہ سمجھتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ کمپنی کی فوج فوراً بلا لی جائے، آئندہ ہم اپنے مقبوضات کے حدود کے باہر کبھی اپنی سپاہ کو جانے نہ دینگے البتہ ہمارے رفقا کے لئے سپاہ بھیجی جا سکے گی، کیونکہ ان کی مدافعت جس وقت ان پر یورش ہو از روئے عہدنامہ جات ہم پر واجب ہے۔"

اس لہجہ کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے جنگ روہیلا میں کمپنی کا طرز عمل پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا گیا؟۔

اس فتح کے بعد نواب شجاع الدولہ نے روہیلکھنڈ کے مفتوحہ علاقہ کی اصلاح پر اپنی تمام توجہ مبذول کر دی اور اپنی موروثی ریاست اور مقبوضات جدید کو ایک سلک سے منسلک کرنا چاہا لیکن افسوس اس کا جام عمر لبریز ہو چکا تھا کیونکہ فتح روہیلکھنڈ کے چند ماہ بعد ہی اسنے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ہندوستان کے سیاسی اسٹیج سے اپنے کارناموں کا ناتمام ڈرامہ چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔

شجاع الدولہ کی زندگی کے آخری لمحات، مرض الموت اور وفات

سیر المتاخرین میں شجاع الدولہ کی آخری زندگی، مرض الموت اور پھر وفات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ اقتباس حسب ذیل ہے۔

"شجاع الدولہ ہنوز جنگ روہیلا کے بعد اپنے جدید مقبوضات کے استحکامات میں مصروف تھا کہ جسم پر ایک پھوڑا نمودار ہوا ابتدا میں اسنے اسکی کچھ اعتنا نہ کی اور وہ نہ پلٹا گیا۔ آخر کار اسنے وہ خوفناک صورت اختیار کر لی کہ اطبا و جراحوں کی تمام کوششیں بے سود ہو گئیں۔ نواب روز بروز مضمحل ہوتا گیا اور آخر کار قہراً و جبراً اسکو فیض آباد واپس آنا پڑا۔ بجائے تبدیل آب ہوا کے فیض آباد میں اس کی حالت سقیم تر ہو گئی۔ یہاں اسنے انگریز ڈاکٹروں کی امداد چاہی جو باوجود اپنی تمام امکانی کوششوں کے علاج سے کوئی اصلاح پیدا نہ کر سکے۔ مرنے سے چند گھنٹے قبل اسکو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ اور حالت نزاع میں ماں، بیوی اور اقربا و اعزا کو طلب کر کے اسنے اپنے عفا، کا بخلوص قلب اظہار کیا اور ہر شخص سے فرداً فرداً کہا سنا معاف کرایا۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء یوم پنجشنبہ کو پو پھٹنے سے پہلے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد کرنل پی گیلیز نے بورڈ کو بذریعۂ خط نواب کے انتقال کی اطلاع کی۔ یہ خط ۵ فروری کو پہونچا اور اسی وقت ممبران بورڈ میں گشت کرا دیا گیا۔

خط کا اقتباس اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس سے نواب کی وفات کے بعد کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔

ترجمہ خط

ایک گھنٹہ گزرا ہے کہ نواب وزیر نے رحلت کی ہے۔ یہ ایسا واقعہ ہے جس کا انتہائی تعلق آپ سے ہے اس وجہ سے آپکو اطلاع دے رہا ہوں۔ مسٹر کمپبل اور کپتان اسٹوارٹ مرتے وقت تک تیمارداری کرتے رہے لیکن دو روز سے اسنے کوئی دوا نہیں کھائی تھی، نواب کی والدہ اور خاندان کے دوسرے ارکان خارجی علاج کو اپنی پریشانی میں منع کرتے تھے، اور جو کچھ بھی معالجہ ہوا ان ہی کے ہدایات کے مطابق ہوا۔ مرحوم کا بڑا لڑکا مرزا امانی المعروف بہ نواب آصف الدولہ نے مجھ سے امداد کی خواہش کی ہے اور کہا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں سپاہ سے اعانت کروں۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے اور اطمینان دلا دیا ہے۔ لیکن میں آپ حضرات کے حکم و ہدایات کا منتظر ہوں۔ لہذا میں یہاں مقیم رہونگا اور جو امداد ممکن ہوگی اس سے نواب کے خاندان کی حفاظت کے لئے دریغ نہ کرونگا

میں ہوں آپکا خادم اور تابعدار (دستخط) پی گیلیز۔ فیض آباد: ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء وقت ۷ بجے صبح

لہ فیض آباد نے شجاع الدولہ کے عہد میں بڑی ترقی پائی، اور شوکت و شکوہ میں شک دہلی ہو گیا۔ ایران، چین، و یورپ کے تجار آآ کر آباد ہوتے تھے، شہر اسقدر آسودہ تھا کہ گویا من برس رہا تھا۔ آبادی دن دونی رات چوگنی بڑھ رہی تھی، اور شہر پناہ کے باہر تک دور تک امرا کے فلک رفعت قصور کا سلسلہ نظر آتا تھا۔ شہر کے مغرب میں رونا ہی تک آبادی ہی آبادی تھی لیکن شجاع الدولہ کی آنکھ بند ہوتے ہی الو بول گیا اور شہر ویران و سنسان ہو گیا۔

(فیض آباد گزیٹیر، مرتبہ ایچ آر نیول آئی سی ایس)

شجاع الدولہ کی موت سے شہر بھر میں ماتم برپا ہوگیا۔ حافظ رحمت خاں کا لڑکا محابت خاں جس کے خاندان کا نام و نشان تک نواب نے مٹا دیا تھا۔ جنازہ کو دیکھ کر ضبط نہ کرسکا اور بے اختیار رو دیا۔ شہر کے در و دیوار سے صدائے آہ و بکا بلند تھی اور کوئی متنفس ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی نہ جاری ہو۔ میجر لے پولیر نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، لہٰذا شہر کے رنج و الم سے جو اثرات اسنے لئے تھے انکو اپنے مراسلہ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء میں جو گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے نام ہے یوں قلمبند کرتا ہے۔

"الفاظ میسر نہیں ہوسکتے جن سے اہل شہر کے غم و اندوہ کا اظہار کیا جاسکے باوجود نواب مرحوم کے معائب اور کمزوریوں کے اس کو ہم بغیر تسلیم کئے نہیں رہ سکتے کہ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ مرزا علی خاں اور نواب سالار جنگ وزیر ریاست کے تمام اکابر امرا و عمائدین حکومت نے کندھا دیا، اور دوش بدوش سپاہ، گھوڑے، ہاتھی خلائق کے ایک عظیم جلوس کے ساتھ گلاب باغ[۱] میں میت کو لائے اور سپرد کردیا۔

وفات کے بعد ۲۲ مارچ ۱۷۷۵ء کو نواب بہو بیگم نے وارن ہیسٹنگز کو ایک خط لکھا جسمیں نواب مرحوم کی وصیت کے مطابق انکی لاش کو کربلا بھیجنے میں مدد چاہی، اس خط میں بیگم نے اپنے دشمنوں کی مشہور کی ہوئی افواہ کی تردید کی ہے کہ وہ اپنی تمام دولت لیکر زیارت کے بہانہ سے ہندوستان سے چلی جانا چاہتی ہے، اس امر کا بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ بکسر کی ہزیمت کے بعد بیگم نے اپنے شوہر کی اپنے تمام سرمایہ سے مدد کی تھی؟

گورنر جنرل نے مدد کا وعدہ کیا لیکن بیگم کو آگاہ بھی کردیا کہ راستہ کی بیشمار صعوبات اور دشواریوں کے سبب سے اسوقت سفر پرخطر تھا"

اسکے بعد کی مراسلت سے پتہ چلتا ہے کہ بیگم نے کربلا کا ارادہ فسخ کردیا، وقت گیا بات گئی۔

تاریخ فرح بخش[۲] مصنفہ محمد فیض بخش میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہوا ہے۔

"جب بہو بیگم کی نزع کا وقت قریب آیا (۱۸۱۶ء) اور زندگی کی آخری گھڑیاں شمار ہونے لگیں تو اُسنے عالم رویا میں نواب شجاع الدولہ کو اپنی بالیں پر کھڑے ہوئے دیکھا اور کئی بار میاں داراب علی خاں خواجہ سرا سے کہا کہ "دارآب دیکھو نواب مجھے لینے آئے ہیں"

خاتمہ یہ تھی اٹھارہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی ایک عظیم شخصیت کی مختصر سرگذشت۔ اجمال تفصیل طلب ہے لیکن اس امر سے قطعاً انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان واقعات سے شجاع الدولہ کی اولوالعزمی، سیاست، تدبر اور غیر معمولی قابلیت و ذہانت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

[۱] گلاب باغ فیض آباد سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ [۲] تاریخ فرح بخش مصنفہ محمد فیض بخش و ترجمہ ولیم ہوئی بزبان انگریزی۔

مزدور حسینہ

ہندوستان کے افلاس کا دردناک منظر

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

ایک دوشیزہ سڑک پر دھوپ میں ہے بیقرار
چوڑیاں بجتی ہیں کنکر کوٹنے میں بار بار

چوڑیوں کے ساز میں یہ درد کیسا ہے بھرا
آنکھوں میں آنسو بنی جاتی ہے جسکی ہر صدا

گرد ہے رخسار پر زلفیں اٹی ہیں خاک میں
نازکی سوئی ہوئی ہے دیدۂ نمناک میں

کاکل شبرنگ اور انشان خس و خاشاک کی
روئے زیبا اور نقاب افسوس جلتی خاک کی

اُف یہ ناداری مری سینہ پھٹا جاتا ہے ہوا
آہ اے افلاس کے مارے ہوئے ہندوستان

حسن ہو مجبور کنکر توڑنے کے واسطے
دست نازک اور پتھر پھوڑنے کے واسطے

بھیک میں وہ ہاتھ اٹھیں التجا کے واسطے
جس کو قدرت نے بنایا ہو حنا کے واسطے

ترخشکی سے وہ لب ہیں تکلم کے لئے
جن کو فطرت نے تراشا ہو تبسم کے لئے

نازنینوں کا یہ عالم مادر ہند آہ آہ
کس کی چالوں نے یہ کردی ہے تری حالت تباہ

کیوں ترا گلزار دوزخ کا نمونہ ہوگیا
آہ کیوں تیرا یہ زر جسم سونا ہوگیا

اے شب تاریک تیری بزم اختر کیا ہوئی
سر برہنہ کیوں ہے؟ وہ پھولوں کی چادر کیا ہوئی

آپ ذرے جگمگاتے تھے کبھی تیرے کلس
تیری آنکھوں سے ٹپکتا تھا کبھی عشرت کا رس

برکتیں تھیں سایہ افگن تیری ارض پاک پر
مَن برستا تھا کبھی اے ہند تیری خاک پر

اے خدا ہندوستان پر یہ فلاکت تابکجا
ہمپہ آخر جہل و نکبت کی حکومت تابکجا

گردن حق پر خراش تیغ باطل تابکے
بیکسوں کے واسطے طوق و سلاسل تابکے

دست نازک کو رسن سے اب چھڑانا چاہیے
اس کلائی میں تو کنگن جگمگانا چاہیے

(باقی آئندہ)

فسانہ

زمین کی دولت

(از جناب مولوی نورالرحمٰن صاحب، بی۔ اے)

قاسم اپنے گاؤں کے مدرسہ میں پڑھنے تو جاتا تھا لیکن وہ کبھی پابندی کے ساتھ چار پانچ مہینے کی حاضری بھی پوری نہ کرسکا۔ مہینہ بیس روز کے بعد اس کو اپنے ضعیف باپ کی معذوری اور نمبرداری کے احکام کی تعمیل میں باہر جانا پڑتا اور جب کبھی یہ ضرورت نہ ہوتی تو کھیت پر آب پاشی کا کام اور زراعت کی دوسری مصروفیتوں میں اس کا وقت صرف ہوجاتا جس قدر اسنے پڑھ لیا تھا وہ اسے یاد تھا لیکن ان حالات میں اردو مڈل کی سند حاصل کرنا نہایت دشوار معلوم ہوتا تھا اور وہ صبح شام اسی الجھن میں مبتلا تھا کہ آخر وہ کیا کرے؟ اگر تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوتا ہے تو صرف وہی ذریعہ معاش باقی رہجاتا ہے جو اس کے ضعیف باپ کو میسر ہے اور اگر سلسلہ تعلیم کی تکمیل میں وہ دوسری ضروریات سے قطع نظر کرتا ہے تو والد کی ضعیفی و معذوری کی حالت میں یہ بھی توقع نہیں کہ گزر اوقات کی موجودہ صورت بھی باقی رہے۔

ایک روز وہ اسی فکر میں بیٹھا اپنی گائے بھینسوں کو کھول رہا تھا کہ اسکے باپ نے اندر سے آواز دے کر بلایا۔

بڑے میاں۔ قاسم، تم اگر پڑھنے لکھنے کے پیچھے پڑے ہو تو بلا سے اسی کو پورا کرلو۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر باپ دادا کی زمین اور مکھیا کا نام کیسے باقی رہے گا۔ اب تو یہ ہے کہ تھانہ دار صاحب سے لے کر ڈپٹی صاحب تک سب اسی گھر کو پوچھتے ہیں اور کبھی کبھی یہاں دم بھی لے لیتے ہیں۔ ہماری عزت ہوجاتی ہے اور اُن کو شکار کا آرام رہتا ہے۔ آس پاس کے گاؤں کی کوئی تحقیقات ہو، معاملہ آپڑے، تو اس کا کھوج ملجاتا ہے لیکن اگر زمین بٹ ہوجائے اور مویشی آدھے رہ جائیں تو کوئی میرے گھر کو کیوں پوچھنے لگا؟ ہرنام سنگھ مجھ سے زیادہ دولتمند ہے، اس کی زمین دور دور پھیلا ہوا ہے، کریم اب کریم خاں کہلاتا ہے! پھر مجھے کون پوچھے گا؟ لیکن میں منع نہیں کرتا۔ تم پڑھتے ہو تو زمین کا انتظام سوچ لو۔ میں تو اپنی عمر بے پڑھے لکھے ختم کرچکا، آگے جو کچھ کرنا ہے تم کو ہی کرنا ہے۔

قاسم نے یہ تمام تقریر کھڑے کھڑے سنی اور پھر چارپائی پر خاموش بیٹھ گیا۔ اسکے پاس کوئی جواب نہ تھا، صرف اس لئے کہ اب تک وہ کوئی فیصلہ نہ کرسکا تھا۔ بڑے میاں حقہ پیتے رہے اور کبھی نگاہ اٹھاکر اپنے بیٹے کی طرف دیکھ لیتے اور پھر حقہ کو منہ سے لگالیتے۔ جب دیر ہونے لگی تو قاسم خود ہی اُٹھا اور باہر نکلکر جن گائے بھینسوں کو کھلا چھوڑ آیا تھا ان کو ہانکتا ہوا پانی پلانے لے گیا۔

شام ہوچلی تھی اور گاؤں کے تمام مویشی جنگل سے واپس جارہے تھے مگر قاسم تالاب کے کنارے اپنے خیالات میں محو تھا اور بار بار سوچتا تھا کہ اگر وہ تعلیم ختم کئے دیتا ہے تو اسی سنسان مقام پر اور ان ہی جانوروں کی خدمت اور خبرگیری میں تمام عمر گزر جائے گی۔ مکھیا بھی سہی، اور کچھ پڑھنا آگیا ہے تو کبھی گاؤں کے منصف بھی ہوئے تو کیا؟ شہر کے لوگ تو گنوار اور کسان ہی سمجھیں گے!

. . . .

. . . .

خیالات کے اس مدوجزر میں وہ بڑھتی ہوئی تاریکی اور ہوا کی تیزی کو بھی محسوس نہ کرسکا اور نہ اس کو یہ معلوم ہوا کہ کوئی اسکے قریب ہی کھڑا ہوا کچھ دریافت کرتا ہے۔

نووارد شکاری تھا جو ایک ہاتھ میں چند پرند لٹکائے اور دوسرے سے بندوق سنبھالے وہاں پانی سے نکلکر پہنچا تھا اور جس کے آدھے کپڑے پانی میں بھیگے ہوئے اور ان پر سیاہ مٹی کی تہ جمی ہوئی تھی۔

نووارد۔ لڑکے! میری مرغابی ادھر آئی تھی؟

قاسم۔ مجھے کیا معلوم! میں تو ابھی آکر بیٹھا ہوں۔

نووارد۔ میری بندوق بھی ابھی چلی تھی۔

قاسم۔ میں نے نہیں سنی۔

نووارد۔ نہیں سنی! تم کیا کررہے تھے؟

قاسم۔ میں سوچ رہا تھا۔

نووارد۔ خوب! کیا سوچ رہے تھے؟

قاسم۔ (اٹھ کر) جی، کچھ نہیں۔

قاسم کھڑا تو ہوگیا لیکن اسکا قدم آگے نہ بڑھتا تھا اور ہوا کے جن سرد جھونکوں کو اب تک اسنے محسوس بھی نہ کیا تھا اب اس شدت کے ساتھ اسکو تھپیڑے دے رہے تھے کہ وہ فوراً ہی

سردی کے اثر سے کانپنے لگا اور اپنی اس حالت پر سخت متعجب ہوا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ نووارد اس کو بغور دیکھ رہا تھا اور غالباً اس کی کیفیت مزاج کو اس سے بہتر سمجھتا تھا اس لئے کہ اسنے دفعتہ اپنی برقی مشعل سے ایک تیز روشنی اس پر ڈالی جس سے قاسم تو خوفزدہ ہوگیا لیکن نووارد کو نظر آگیا کہ اُسکی پنڈلی سے کچھ خون بہ چکا ہے۔ قاسم نے بھی اس حادثہ کو دیکھا لیکن وہ بالکل نہ سمجھ سکا کہ اس کی وجہ کیا ہے۔

نووارد نے فوراً بندوق کندھے پر ڈالکر قاسم کو گود میں اُٹھا لیا اور نہایت اخلاق سے اس کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ تالاب کے دوسرے کنارے پر آم کے چند درخت تھے جن کے متصل دو مختصر ڈیرے نصب تھے، نووارد قاسم کو لئے وہاں پہونچا اور فوراً اپنے پلنگ پر اسکو بٹھا کر اور بندوق علٰحدہ رکھ کر اپنی برقی مشعل کی روشنی میں اس کی پنڈلی کو دیکھنے لگا۔

بندوق تالاب کے کنارے پر چلی تھی اور قاسم اسکے مقابل دوسرے کنارہ پر بیٹھا تھا۔ چھرے کے دانے پانی کی سطح پر جس تیزی سے اُڑتے ہیں یہ اسی کا اثر تھا کہ دو دانے قاسم کی پنڈلی میں پیوند ہوگئے تھے۔ نووارد نے فوراً ان کو چاقو کی نوک سے نکالکر تیز گرم پانی مہیا کیا اسمیں کپڑا بھگو کر دیر تک زخم کو دھویا اور پھر ٹنچر لگا کر پٹی باندھ دی، اس تمام کام میں بمشکل دس منٹ صرف ہوئے ہونگے اور قاسم کو اب کوئی تکلیف باقی نہیں رہی تھی۔

نووارد کا اصرار تھا کہ قاسم رات کو خیمہ ہی میں آرام کرے اور وہ اسکو اخلاقاً کچھ نقد بھی دینا چاہتا تھا لیکن اسنے دونوں باتوں سے نہایت ادب کے ساتھ انکار کر دیا اور اپنی بچھڑی ہوئی مویشی کی تلاش میں نکلا، اور رات کو کسی قدر دیر سے گھر پہونچا۔

—:(۲):—

صبح ہوئی لیکن گانوں کی صبح، جہاں روشنی سے پہلے دن نکل آتا ہے اور دھندلکے میں لوگ اپنی ابتدائی ضروریات سے فارغ ہوجاتے ہیں۔ لیکن خلاف معمول قاسم ابھی پلنگ سے نہیں اُٹھا تھا اور گو وہ سوتا بھی نہ تھا لیکن بیداری و خواب کی درمیانی کیفیت میں غافل اپنے خواب خیال میں مصروف مُنہ ڈھکے لیٹا ہوا تھا کہ باہر سے کسی نے اس کا نام لے کر پکارا "قاسم"

قاسم سمجھ گیا کہ رات کا نووارد شکاری ہے اور فوراً اُٹھ کر باہر آیا۔ سلام کیا اور اندر آنے کی درخواست کی، نووارد ابھی اندر پہنچکر بیٹھا بھی نہ تھا کہ بڑے میاں باہر سے آگئے اور فوراً تعارف و سلسلۂ کلام شروع ہوگیا۔

بڑے میاں - حضور نے یہاں تک کیوں تکلیف کی، قاسم ڈیرے ہی پر حاضر ہوجاتا۔ یوں تو خدا کے فضل سے یہاں بھی حکام کبھی کبھی آنکلتے ہیں لیکن سرکار ہماری موجودگی میں حضور کو تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔

نووارد - بڑے میاں، مجھے تکلیف نہیں ہوئی، تکلیف تو قاسم کو تھی، میں اس کو پوچھنے آیا تھا

اسکے بعد شام کا واقعہ اور قاسم کے پانوں میں خراش آجانا بیان کیا گیا، بڑے میاں کا چہرہ تو متغیر ہوا مگر وہ خاموش رہے اور جب معلوم ہوگیا کہ اب کوئی اثر باقی نہیں ہے تو کہنے لگے

بڑے میاں - حضور، یہ جنگل کے بسنے والے ہیں۔ یہاں تو کھیل کھیل میں چوٹ کھوٹ لگا ہی کرتی ہے۔ اس کا کوئی خیال بھی نہیں لاتا۔ اور قاسم تو اپنے گانوں میں بڑا جرتیلا اور بہت دلاور ہے۔ مگر صاحب آجکل کے لڑکے دیکھنے ہی کے ہوتے ہیں یا زبانی باتیں بنالیتے ہیں......

قاسم (بات کاٹ کر) آپ کو شکار کو دیر ہورہی ہے اور مجھے ابھی مویشی کو جنگل پہونچانا ہے، آپ اتنے پانی میں اتریںگے اتنے میں بھی پہنچ جاؤں گا۔

بڑے میاں - ہاں، حضور، ٹھیک ہے۔ شکاری کو راستہ کھوٹا کرنا پاپ سے بھی زیادہ اکھرتا ہے۔ مگر ایک عرض میری بھی ہے کہ لوٹ کر اسی جھونپڑے میں تشریف لادیں اور میری نئی بھینس کے دودھ کو ذرا ملاحظہ کریں۔ حضور بڑے آدمی ہیں، بھلا حضور نے گرم رس کب چکھا ہوگا۔ آج حضور ملاحظہ کریں کہ آپکی چاء اور بسکٹ سے اچھا ہوتا ہے یا نہیں۔

....

شکار ہوا اور اسکے بعد حسب وعدہ نووارد شکاری قاسم کے گھر پہونچا اور بڑے میاں کی مسلسل گفتگو کے لطف اور مزہ کے ساتھ ساتھ گرم رس نئی بھینس کے نہایت عمدہ دودھ میں ملا کر پیا گیا۔ یہ ایک بڑے گلاس میں لبالب بھرا ہوا تھا اور نووارد اگرچہ شکار کے بعد کھانے کی طرف مائل بھی تھا لیکن اس قدح کو بہ دشواری ہلکے ہلکے گھونٹ لے کر پی رہا تھا، اور بڑے میاں اپنی بیوی (قاسم کی ماں) کا ذکر حسرت و افسوس کے ساتھ کر رہے تھے کہ گھر کے کام کا اب کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا اور باہر کے مہمانوں کو اکثر تکلیف ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ سلسلۂ کلام خود قاسم کی تعلیم اور آیندہ کام کے متعلق شروع ہوگیا اور نووارد نے جو محکمۂ زراعت کا ایک نیکنام افسر اور نہایت شریف انسان تھے قاسم کے باپ کو سمجھایا کہ "اگر تھوڑی سی مدد آپ بھی کرنا چاہیں تو قاسم پڑھ بھی سکتا ہے اور زراعت کا کام بھی پہلے سے بہتر کرے گا۔ لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ آپ خود تھوڑا سا کام کرنے پر آمادہ ہوں۔ یعنی اسوقت گھر کا اور کھیتی کا جو کام ہے وہ مزدوروں کی مدد سے خود کیجئے اور قاسم کو باہر بھیجدیجئے۔ میں اسکے لئے انتظام کر دونگا کہ وہ پڑھتا بھی رہے اور کھیتی کا کام بھی سیکھ لے۔ وہاں رہنے کے لئے خرچ اخراجات کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔"

بڑے میاں - یہ کیسے؟

نووارد - قاسم خود کمائے گا۔ میں اسے کام دلوا دونگا۔

بالآخر نووارد تو رخصت ہوا اور بڑے میاں نے قاسم کو سمجھایا کہ

"بیٹا، شہر والے ہمیشہ گانوں کے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں اور اگر کوئی اُن کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو پھر لُٹے دام وصول کرتے ہیں اور اُس بیچارہ کو جانور سمجھ کر طرح طرح کی خدمت لیتے ہیں، ان میاں نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک جانو تو پٹواری سے مشورہ کر لو۔ کریم چچا سے پوچھ لو۔ اور سوچ سمجھ کر رائے قائم کرو۔"

قاسم - جی نہیں پٹواری سے تو میں ہرگز نہیں پوچھوں گا، اور نہ آپ اُس سے ذکر کریں، کریم چچا بھی اُلٹی ہی کہیں گے۔ میں خود شہر جاؤں گا اور سب کھوج نکال لاؤں گا۔ آخر مقدمہ کا بھی تو پتہ لانے جاتا ہوں۔ یہ تو صاف بات ہے۔

قاسم شہر پہونچا اور اپنے طور پر تمام حالات کی تحقیق کی، یہ معلوم ہوگیا کہ نو وارد کا بیان صحیح تھا۔ وہ واقعی بڑا افسر ہے اور زراعت کا ایک بڑا کاروبار ہے جسمیں کئی قسم کی عجیب غریب طیار فصلیں نہایت قوی اور تندرست مویشی، اور مختلف مکانات اور بہت سے انجن اور کلیں ہیں لیکن وہ یہ بالکل نہ سمجھ سکا کہ ان عمارتوں اور کلوں کا زراعت سے کیا تعلق ہے اور نہ یہ اسکی سمجھ میں آیا کہ گیہوں اور کپاس کے کھیت ایسے گنجان، اسقدر بلند اور ہموار کس ترکیب سے ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی چاہتا تھا کہ اپنے اس سفر کو جو جاسوسی کی نیت سے کیا گیا تھا اگر پوشیدہ ہی رکھے تو بہتر ہو اسی لئے اسکو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان کھیتوں یا عالیشان عمارات کے قریب تک جائے اور کچھ اور معلوم کرے۔ بالآخر وہ کسی قدر مایوس اور غیر مطمئن حالت میں وہاں سے لوٹا اور خاموش سڑک پر جا رہا تھا۔ موٹر کی آواز قریب سے آئی اور وہ اسے دیکھکر راستہ چھوڑنے کے لئے بچا تو موٹر والے کو اچھی طرح پہچان لیا جو وہی نو وارد تھا جس کے تفتیش حالات میں قاسم یہاں پہونچا تھا۔ موٹر آہستہ ہوا اور رک گیا اور بالآخر قاسم کو لے کر غائب ہوگیا۔

—۱(۳)۱—

قاسم گاؤں اور اسکی دلچسپیوں سے رخصت ہوکر اور اپنے ضعیف باپ کو سلام کرکے چلا آیا۔ اور اب شہر کے گاؤں یعنی زراعتی فارم کی ایک کوٹھری میں مقیم ہے مسٹر فشر (سپرنٹنڈنٹ کی بیوی) نے اپنا ذاتی مرغی خانہ قائم کر رکھا ہے اسکی نگرانی کا کام قاسم کی سپرد ہے۔ صبح کو اول وقت سے آٹھ بجے دن تک اور پھر ایک گھنٹہ کے لئے ۱۲ اور ایک کے درمیان اور پھر شام کو دو گھنٹہ اسے کام کرنا ہوتا ہے اور اس کا معاوضہ بارہ روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ درمیانی اوقات میں کچھ کام کھیتوں کی دیکھ بھال اور محنت مزدوری کا اپنے مربی کی عنایت سے کرلیتا اور رات کے وقت زراعت کے متعلق کتابیں پڑھتا تھا۔

قاسم کو اپنے کام کے اوقات میں اگر کوئی دشواری نظر آتی تھی تو وہ مرغی خانہ کی دیکھ بھال تھی اس لئے کہ مسز فشر دن میں صرف دو تین مرتبہ اور وہ بھی نہایت تھوڑی دیر کے لئے آتی تھیں اور چونکہ قاسم کی سمجھ اور محنت و دیانت کا اُن پر بہت اچھا اثر تھا اس لئے روز بروز یہ اوقات بھی غیر مستقل اور مختصر ہوتے جاتے تھے، لیکن اُنکے چلے جانیکے بعد بالعموم دوپہر کے وقت اُن کی لڑکی اپنی کم عمری کی شوخی و شرارت کے لئے مرغی خانہ کے دلچسپ فضا کو انتخاب کرتی اور یہاں پہنچکر گھنٹوں مرغیوں کو پکڑ پکڑ کر دربوں کو کھولنے بند کرنے اور اڑنے والے مرغوں کو یکجا جمع کرنے میں مصروف رہتی۔ مس فشر کی یہ حرکات اور اسکے والہانہ قہقہے اور بیتابانہ کود پھاند ہر شخص کو مسرور کرسکتی تھی مگر قاسم کے لئے وہ مسرت نہیں بلکہ مصروفیت اور مصیبت تھی، اس لئے کہ ایڈنا (مس فشر) کی آورد وہ بے ترتیبی کو دوبارہ درست کرنا اسی کا کام تھا۔ وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ مسز فشر تک اُن کی صاحبزادی کی شکایت پہنچے اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ خود اسکی شکایت وہ بھی صاحبزادی کی زبانی کی جائے اس لئے ایڈنا کو خوش رکھنے، اسکے ساتھ کھیل میں شریک ہونے اور پھر مرغیوں کو اپنی جگہ پہنچا دینے کا کام ایسا تھا جسمیں قاسم کے کئی کئی گھنٹے ضایع ہوجاتے اور وہ وقت پر کھیتوں کے

کام کے لئے نہ پہنچ سکتا۔

قاسم کی ظاہری شکل و صورت میں بھی نمایاں تبدیلی ہوگئی تھی، بجائے کرتہ اور دھوتی کے وہ کام کے اوقات میں خاکی قمیص اور نیکر پہنے ہوتا تھا اور گولوٹ اور موزہ ابھی اختیار نہ کیا تھا اور برہنہ پائی ہنوز موجود تھی لیکن قمیص پر کبھی کبھی واسکٹ اور اگر سردی زیادہ ہو تو ایک خاکی کوٹ بھی نظر آجاتا تھا۔ سر پر بڑے بال تھے اور ہمیشہ صاف رہتے تھے، انگریزی کے الفاظ تو بہت یاد ہوگئے تھے اور نہایت شوق سے یاد کئے گئے تھے لیکن کچھ تھوڑی بہت لکھنے اور پڑھنے کی مشق بھی جاری تھی جس میں کبھی کبھی ایڈنا کی مدد بھی شامل ہوجاتی تھی۔

تقریباً ایک سال ان ہی مشاغل میں نہایت مصروفیت، خاموشی اور انہماک سے گزر گیا۔

. . . .

انسان کے وجود کی طرح زمانہ کی رفتار بھی زیادہ عرصہ تک یکساں اور ہموار نہیں رہتی، دریا کا مد و جزر بھی کسی وقت کا پابند نہیں اسی طرح آفات و حوادث بھی بغیر وہم و گمان آتے ہیں اور زندگی کی کشتی کو اس طرح متزلزل کردیتے ہیں کہ عجز بشریت بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ کہ

رَو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

زراعتی فارم کی متوازن اور پُرسکون زندگی میں تمدن و معاشرت جدید کے آلام و افکار بالعموم ظاہر نہیں ہوتے تھے لیکن جس رات کو مسٹر فشر کی موٹر ریل گاڑی سے ٹکرائی ہے اور اس حادثہ کے تقریباً تین چار گھنٹہ بعد وہ، ان کی بیوی اور ان کی لڑکی مشن ہسپتال کی ایمبولینس کار (زخمیوں کی موٹر) میں اپنے بنگلہ پر واپس لائے گئے ہیں وہ وقت زراعتی فارم کے رہنے والوں اور بالخصوص قاسم کی یاد سے کبھی محو نہیں ہوسکتا۔

قاسم صبح اول وقت جب مرغی خانہ کی طرف گیا ہے تو اسکو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی اور دن نکلتے نکلتے ڈاکٹروں، انگریزوں، اور میموں کی کثرت آمد و رفت سے تمام بنگلہ بھر گیا۔ دس بجے تک یہ معلوم ہوگیا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ان کی بیوی کی حالت نازک ہے، ایڈنا بھی بے ہوش ہے مگر زبان سے کچھ الفاظ بھی نکلتے ہیں۔ بالآخر ایک ڈاکٹر اور دو نرسیں بنگلہ میں اسکے پاس ہیں اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ان کی بیوی کو شفاخانہ پہونچا دیا گیا لیکن مغرب تک معلوم ہوگیا کہ وہ دونوں ختم ہوگئے۔ اب ہر شخص کی نظر ایڈنا کی طرف لگی ہوئی تھی جس کی حالت امید و بیم کا مرقع تھی۔ وقت گزرتا جاتا تھا اور تشویش بڑھتی جاتی تھی۔ بنگلہ کے قریب تک کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ رفتہ رفتہ دن گزرنے لگے اور بالآخر پورے گیارہ روز کے بعد معلوم ہوا کہ اب کوئی خطرہ نہیں۔ چار روز سے ایڈنا کو ہوش ہوگیا ہے اور آہستہ آہستہ حواس و خیالات بھی مجتمع ہوتے جاتے ہیں۔ قوت برداشت بھی پیدا ہورہی ہے زخم اب بالکل اچھے ہیں لیکن دماغی حالت ہنوز قابل اطمینان نہیں۔

قاسم مرغی خانہ کی خدمت تنہا انجام دیتا تھا۔ نہ اب مسز فشر کی مفید دکار آمد ہدایت موجود تھی اور نہ ایڈنا کی شرارت۔ کام بھی اس کو معمول سے زیادہ کرنا پڑتا تھا کبھی دوسرا صاحب آکر کچھ دریافت کرلیتا تھا اور قاسم خاموش اپنے کام میں مصروف رہتا۔ دو ہفتہ کے

[redacted]

بعد ایڈنا وہاں سے بند موٹر میں ڈاکٹروں کی معیت میں چلی گئی اور یہ صحیح نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں اور کس غرض سے گئی ہو۔ اطلاع کا واحد ذریعہ خود ماسی کا وجود تھا اس لئے اب اسکی توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ بنگلہ کا کچھ حال معلوم ہو سکے گا۔

. . . .

پانچ مہینے گزر گئے۔ برسات اب ختم ہو چکی تھی اور کھیتی کا کام پھر شروع ہونے والا تھا، فارم کے رہنے والے نئے کاموں کا ذکر کرنے لگے تھے، مویشی کو اگلی فصل کے کاموں کے لئے طیار کیا جا رہا تھا۔ گوداموں اور کھلیانوں کی صفائی ہو رہی تھی، گھاس کھودنے اور مرمت و درستی کا کام بڑھ گیا تھا۔ مرغی خانہ کی پوری صفائی کی گئی تھی اور قاسم بدستور اپنے کام میں مصروف تھا۔ اب اس کو کسی کی مدد اور اعانت کا خیال نہ آتا تھا کہ دفعتہً اسنے دیکھا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے بنگلہ کے دروازے حسب معمول قدیم کھولے گئے ہیں اور وہاں ایک غیر آدمی اور دو قدیم ملازم ادہر اُدہر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، قاسم کو معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ ایڈنا آگئی اور اس تصور کے ساتھ ہی اسکو ایسی خوشی ہوئی جیسے بچوں کو اپنے گم شدہ کھلونے کو اتفاقاً پالینے سے ہوتی ہو۔ وہ بیحد مسرور تھا لیکن یہ نہیں سوچتا تھا کہ آخر اس مسرت کی غایت کیا ہو۔ مرغی خانہ کے کام سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے کھیت پر پہونچا تو معلوم ہوا کہ نئے سپرنٹنڈنٹ صاحب آگئے ہیں اور اسی بنگلہ میں قیام کرینگے، قاسم کچھ سوچکر ہنسا اور خاموش ہو گیا۔

بہرحال وقت گزرتا گیا اور رفتہ رفتہ ایک مہینہ اور ختم ہوا۔ دوپہر کو قاسم حسب معمول مرغی خانہ سے اپنی کوٹھری کی طرف جا رہا تھا کہ سامنے سے سپرنٹنڈنٹ صاحب آتے ہوئے نظر پڑے، اسنے سلام کیا، صاحب رک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔

"قاسم، تم پولٹری میں کام کرتا ہو؟"

"جی حضور، ابھی دن کا دانہ دے کر آ رہا ہوں"

"اچھا، تم کل صبح اول وقت (ہاتھ کے اشارہ سے) اس بنگلہ میں جانا اور وہاں مس صاحب آئیں گی اس کو رپورٹ کرنا۔ پھر وہ جس طرح کام بتلائے تم پولٹری کا کام کرنا۔ اب مس رابرٹ پولٹری کا افسر ہو"

"بہت اچھا، حضور"

قاسم حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہو اور چاہتا تھا کہ کسی سے دریافت کرے مگر پتہ نہ چلا، شام ہو گئی۔ رات بھی اسی ادہیڑبن میں گزری اور صبح اول وقت وہ طیار ہو کر اس چھوٹے بنگلہ کی طرف چلا جو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے بتا دیا تھا۔ یہ بنگلہ صرف تین کمرہ کا چھوٹا مکان تھا اب چھ مہینے ہوئے کہ اسکی مرمت صفائی اور کچھ اضافہ بھی ہوا ہو۔ لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم کہ یہ مس رابرٹ کون ہیں اور مسز فشر کے ذاتی مرغی خانہ سے سرکاری فارم کو کیا تعلق ہو اور اگر نہیں ہو تو مس رابرٹ کو بھی سرکاری فارم سے کوئی علاقہ ہو یا نہیں؟

قاسم بنگلہ کے سامنے پہونچا تو کیا دیکھتا ہو کہ ایڈنا برآمدہ میں اس انداز سے کھڑی ہو گویا وہ اسی کی منتظر ہو۔ قاسم خاموش اور متحیر تھا کہ خود ایڈنا نے گفتگو شروع کی۔

"کہو قاسم، تمھاری مرغیاں کیسی ہیں؟"

"ایڈنا، میری مرغیاں!"

لیکن اسنے محسوس کیا کہ ایڈنا کو یہ طرز تکلم پسند نہیں ہوا اور وہ اپنا نام سنکر کچھ پریشان و سراسیمہ ہو گئی۔

"میرا مطلب یہ ہو کہ وہ مرغیاں اب فارم کی ملکیت ہیں ... کہو تم خوش ہو"

"خوش تو نہیں تھا مگر اب بیشک خوش ہوں (لہجہ بدلکر) آپ اتنے دنوں تک کہاں ہیں"

"میں پہاڑ پر تھی۔ اب یہاں آگئی ہوں۔ مس رابرٹ۔ تمھاری منتظر ہوں گی"

یہ کہکر ایڈنا غائب ہو گئی اور ایک پست قد، قوی ہیکل ضعیف العمر خاتون کوٹ پہنے ہوئے باہر آئیں۔ قاسم نے سلام کیا۔

"تمھارا نام قاسم ہو۔ تم پولٹری کیپر ہو۔ میں تمھارے ساتھ مرغی دیکھنے چلوں"

"چلئے تشریف لائیے"

راستہ میں اور پھر مرغی خانہ کے دوران معائنہ میں اور اسکے بعد پھر بنگلہ پر آکر قاسم اور مس رابرٹ سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ بہت سی ہدایات اس کو دی گئیں۔ اکثر معاملات قاسم نے سمجھائے اور اثنا گفتگو میں یہ راز بھی کھل گیا کہ اب مرغی خانہ گورنمنٹ نے خرید کر فارم میں شامل کر لیا ہو۔ مس رابرٹ دو سال کے لئے منیجر بنائی گئی ہیں اور مس فشر (ایڈنا) انکی اسسٹنٹ ہوں گی اور یہ تمام اسکیم مرحوم منیجر کی خدمات کا صلہ ہو۔ دو سال بعد مس فشر کو پورا کام مل جائے گا۔ قاسم بدستور اپنے کام پر رہے گا۔

قاسم کی خدمات وہی تھیں مگر کام کے اوقات میں بعض تبدیلیاں بھی نظر آتی تھیں بہت سا کام ایڈنا بھی اپنے ہاتھ سے کرتی تھی اور دن کے اکثر اوقات میں وہ مرغی خانہ میں آتی جاتی تھی۔ لیکن اسکی یہ آمد و رفت اس "دخل در معقولات" سے بالکل مختلف تھی جس کی وہ قبل عادی تھی اور جس کے باعث قاسم کو اکثر تکلیف و دشواری پیدا ہوتی تھی، اس طرح وہ اسقدر بدل گئی تھی کہ قاسم کے لئے بعض اوقات اپنے قدیم تخیل کی ایڈنا کا تصور کرنا بھی دشوار ہوتا تھا، وہ اب خاموش، کارگزار، محنت پسند اور مستقل مزاج تھی، شوخی و شرارت تو درکنار ظرافت اور تفریح بھی بمشکل اسے یاد آتی تھی، قاسم کے لئے گویا یہ نیا دور تھا جدید انتظام کے ساتھ اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا اور اب وہ بیس روپیہ ماہوار پانے لگا اسکی حیثیت بھی کسی قدر تبدیل ہو گئی لیکن باایں ہمہ وہ متردد اور افسردہ رہنے لگا۔

-:(۴):-

اپنے والد کی علالت کی اطلاع ملنے پر قاسم نے ایک ہفتہ کی رخصت لی اور اپنے گانوں کو چلا گیا۔ وہاں چار روز بھی نہ گزرے تھے کہ بڑے میاں نے انتقال کیا اور قاسم کو بالکل جدید حالات سے مقابلہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ گانوں کے تمام لوگ عزیز و اقارب اپنا و بیگانہ اس محبت سے اسکی ہمدردی کے لئے بڑھے اور اس عوے سے اسکے انتظامات کو ہاتھ میں لینے کے لئے آمادہ ہوئے کہ قاسم کو خود بخود ایک تکلیف محسوس ہوئی اور وہ بار بار سوچنے لگا کہ کل تک ان میں سے کسی ایک کو میرے باپ سے ہمدردی نہ ہوئی حالانکہ

وہ بھی دنیا میں تنہا تھے، ضعیف تھے، کاروبار کے لئے اعانت کے آرزومند تھے اور اپنی عزت و آبرو میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ لیکن آج یہ سب میری ہمدردی کر رہے ہیں، آخر یہ کیا ماجرا ہے؟

کاروبار کے متعلق مشورہ تو بعد کو ہوتا سر دست برادری کا کھانا، عزیزوں کی مہمانی اور تقریب تعزیت کی مراسم نوازی کے متعلق ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ لہجہ اور جدا جدا اصول پر مشورے دئے اور ہر شخص بجائے خود منتظر تھا کہ اسکے ہی مشورہ پر سب سے اول عمل کیا جائے۔ قاسم خاموش تھا اور جو کچھ ہوتا جاتا تھا اسکو دیکھتا رہتا تھا۔ تیسرے روز صبح سویرے وہ بغیر اطلاع چل دیا اور سیدھا شہر کے زراعتی فارم میں پہونچکر اپنے قدیم مربی کے بنگلہ پر آیا اور کہا کہ "اب تک میں آپکے مشورہ اور حکم سے کام کر رہا تھا اور جو آپنے فرمایا وہی کیا۔ اب میں یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ مجھے اب بھی اسی طرح فارم پر کام کرنا چاہئے یا گھر جاؤں اور اپنے باپ کی جگہ کسان بنوں، وہاں آجکل بہت لوگ تعزیت کی وجہ سے موجود ہیں اس لئے میں بڑے میاں کی پونجی اپنے ساتھ ہی لیتا آیا ہوں کہ یہاں آپکے پاس رکھ دونگا" اور یہ کہکر اسنے دو ٹین کے چھوٹے چھوٹے زنگ آلود بکس اور ایک کپڑے میں بندھی ہوئی ہانڈی اور ایک گزی کی تھیلی جس کے اوپر کثرت سے مٹی تھوپ کر ایک گول پیپر بنا دی گئی تھی کمرہ کے فرش پر رکھ دیں، یہ سب ایک چادر میں بندھی ہوئی تھیں۔

قاسم کے دوست اور ہمارے قدیم "نووارد" افسر نے فوراً آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور ان میں سے ایک ایک چیز کو اٹھا کر میز پر خالی کرنا شروع کیا۔ اشرفی، روپیہ، اٹھنیاں، نوٹ، طلائی کڑے، ایک پچلڑا اور دو چار چاندی کے زیور تھے۔ زر نقد معہ ریزگاری تقریباً تین ہزار سات سو چالیس روپے کی ہوئی۔ زیور کے دو عدد نہایت وزنی اور اچھے سونے کے تھے۔ باقی کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا دشوار تھا اس لئے کہ گرد و غبار اور مٹی کی آمیزش سے انکا وجود ہی لائق امتیاز نہ رہا تھا۔ اس کام میں تقریباً آدھ گھنٹہ صرف ہوا اور پھر آدھ گھنٹہ تک قاسم سے نہایت تفصیل سے اسکی آئندہ زندگی کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر وہ دونوں موٹر میں بیٹھ کر بنک پہنچے اور زر نقد کو قاسم نے اپنے نام سے جمع کر دیا اور بنک کے داخلہ و خارجہ کے اصول اچھی طرح ذہن نشین کرلئے۔ زیور بھی دو روز بعد صاف ہو کر فروخت ہوگیا اور اس طرح پانچہزار روپیہ کی مجموعی رقم بنک میں داخل ہوگئی۔ اب قاسم نے ایک مہینہ کی رخصت حاصل کی اور چوتھے روز اپنے گھر پہنچ گیا

قاسم نے سب سے پہلے اپنے چچا، پٹواری، اور گانوں کے چند سربرآوردہ لوگوں کو علیحدہ بلا کر ان سے کہا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ بڑے میاں کی دولت کی شہرت گانوں گانوں پہنچ چکی تھی اور اپنے گانوں میں تو ہر شخص ان کو بڑا روپیہ والا جانتا تھا۔ مجھے آجتک پتہ نہیں کہ روپیہ کے یہ افسانے فرضی تھے یا واقعی۔ آپ سب صاحب عنایت کرکے مجھے بتائیں کہ میں اس خزانہ کو کہاں اور کس طرح تلاش کروں"، اس گفتگو کا اثر دوسروں پر جو کچھ ہوا ہو لیکن پٹواری نے نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور ہر قسم کی اعانت کی ذمہ داری کی اور

شام تک سب نے مشورہ کرکے تمام مکان کی تلاشی لی وہ دو تین موقعے بھی نظر آئے جہاں روپیہ دفن کیا گیا تھا اور اب وہاں موجود نہ تھا۔ یہاں پہونچکر ہر شخص کی ہمت ٹوٹ گئی اور سب کو نظر آگیا کہ کھیا جی کی دولت غائب ہوگئی!

اطلاع تو چند خاص آدمیوں کو تھی لیکن گانوں کے ناقابل فہم اصول کے مطابق تمام علاقہ میں اس چوری کی خبر مشہور ہوگئی اور ہر شخص کی زبان پر رہا کرتا تھا کہ اتنی اشرفیاں اور ہزاروں نوٹ اور خدا جانے کس قدر زیور دفن تھا جو غائب ہوگیا اور کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ اس شہرت کے ساتھ ہی ساتھ ہمدردوں اور عزیزوں کی تعداد کم بھی ہونے لگی اور چند ہی روز میں قاسم تنہا اپنے مکان میں بیٹھا رہ گیا۔ اب آنکھ کھلتے ہی وہ اپنی تنہائی کا تصور کرنے لگا اور پھر پہلے اور دیگرے کل واقعات نظر کے سامنے آگئے اور وہ سوچنے لگا کہ دیکھئے دولت کے غائب ہوتے ہی ہمدردی کس طرح رخصت ہوگئی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ بے اختیار ہنس پڑا اور اٹھ کر نئے عزم و استقلال کے ساتھ اپنے کاموں میں مشغول ہوگیا۔

ایک مہینہ کی مسلسل کوشش اور پیہم جانفشانی کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر آبائی زمینوں اور آبائی پیشہ پر قناعت کی جائے تو اسوقت دو سو روپیہ سال سے زائد نہیں مل سکتا۔ چند ملازم اور ایک شریک کاشت ضروری ہے۔ لیکن اسکے علاوہ مویشی سے بھی کچھ فائدہ کی توقع ہے اور اس طرح وہ صرف دیہاتی زندگی گزارنے کے لئے کسی کا محتاج نہ رہے گا۔ بعض وقت وہ سوچتا تھا کہ اس قناعت کی زندگی کو اختیار کرکے الجھن اور زر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد ہی نہ کہوں؟

رخصت ختم ہوچکی تھی، بالآخر وہ پیشہ کے زراعتی فارم میں پہونچا، مختصر رپورٹ کر لی کیا، مرغی خانہ کو دیکھا اور پھر اپنے قدیم محسن ہمارے "نووارد" افسر کے پاس آیا اور دیر تک ان سے گفتگو کرتا رہا۔ بالآخر فیصلہ ہوگیا اور اگلے روز اسنے اپنی ملازمت سے استعفا دیدیا۔ مس رابرٹ سے رخصت ہوا اور اپنا اسباب جمع کرکے گھر جانے کی طیاری میں مصروف تھا کہ ایڈنا اسکے پاس آئی اور چند مختصر الفاظ کے بعد رخصت ہوگئی، قاسم کی گاڑی جب دروازہ سے نکل گیا تھا اور وہ آئندہ زندگی کی دشواریوں پر خاموشی کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ درختوں کے قریب سے ایڈنا گزرتی ہوئی نظر آئی اور ہاتھ کے اشارہ سے رخصت کرکے آگے بڑھ گئی۔

-(۵)-

قاسم نے گھر کی زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی کرلی اور باقی کام پرانے ڈھنگ پر بدستور قائم رہا۔ صرف دو کھیت جو سب سے چھوٹے تھے اسنے مخصوص اپنے لئے رکھے اور انکے قریب آبپاشی کے لئے دو کچے کنویں طیار کرائے، ان دونوں کھیتوں کی خدمت وہ اپنے ہاتھ سے کرتا تھا اور ان میں جدید طریق کاشت پر کام ہوتا تھا۔ مکان کے پشت پر ایک احاطہ کھینچا اور مرغی خانہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ان جدید تجربوں کے متعلق گانوں میں جس قدر چہ میگوئیاں ہوئیں اور قرب و جوار میں جو کچھ انکے متعلق کہا جاتا تھا وہ بجائے خود ایک داستان ہے

طرح اس کام کو کامیاب بنانے میں قاسم کو جو دقتواریاں پیدا ہوئیں اور جن حالات کا مقابلہ کرنا پڑا وہ تذکرہ بھی نہایت پُرلطف و سبق آموز ہو لیکن ہم صرف نتائج ہی سے بحث کرسکتے ہیں اور وہ دوہی سال کے بعد نظر آنے لگے۔ قاسم کو اپنے کھیتوں کی نئی قیمتی فصلوں سے دو ہزار روپیہ نقد ملا اور دودھ، گھی، مرغی خانہ، اور مویشی کا منافع بھی اس دو سال میں ہزار روپیہ سے زائد ہوگیا۔ قاسم کی کامیابی کا اصل راز اخراجات کی کمی، اور سامان زراعت کا پہلے سے موجود ہونا تھا وہ اس کام سے بھی واقف تھا جو ہمیشہ سے اُسکے یہاں ہوتا آیا تھا اور نئے اصول کاشت کا بھی تجربہ رکھتا تھا۔

قاسم نے اب پھر شہر کا سفر کیا۔ بنک کا حساب دیکھا اور سمجھا اور تقریبًا ایک ہفتہ اپنے قدیم مربی کے پاس فارم میں مہمان رہا اور اس تربیہ ایک جدید اسکیم اور نئے ولولے کے ساتھ واپس آیا۔ گھر پہنچکر اسکو خیال آیا کہ اس موقع پر بھی اسے ایڈنا سے ملنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی لیکن ان دونوں کی حیثیت میں اب بھی زمین و آسمان کا فرق تھا اور اس امتیاز کو کمسنی کی رخصت نے جسقدر کم کردیا تھا وہ اب مفقود ہوچکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا لیکن مایوسی کی تکلیف اور بے مروتی کی خلش پھر بھی اسکو ملامت کررہی تھی،

....

دو سال اور گزرگئے اور اب قاسم کے پاس نہایت عمدہ پختہ کنواں موجود تھا چھوٹی مشینیں کام کررہی تھیں نئے ہل اور نئی فصلوں نے اسکے کھیتوں کو اچھا خاصہ زراعتی فارم بنادیا تھا۔ مرغی خانہ کی توسیع ہوگئی تھی۔ محکمۂ زراعت سے اس کا تعلق قائم ہوچکا تھا اسنے متعدد ضرورتوں کے لئے وہاں سے قرضہ بھی لیا اور اب اسکی حالت اپنے گاؤں میں وہ نہ تھی جو "پدھان کے قاسم" کی ہونی چاہئے تھی بلکہ وہ ایسی حیثیت میں تھا جیسے کوئی اجنبی شخص باہر سے آئے اور اپنی قوت بازو سے اثر و اقتدار حاصل کرلے، اسکی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ صبح سے شام تک بجز دوپہر کے دو گھنٹوں کے جن میں وہ کچھ لکھتا پڑھتا تھا حسابات بناتا تھا سارا وقت گھر سے باہر ہی گزرتا تھا۔

ایک روز حسب معمول وہ دوپہر کو واپس آرہا تھا اور مکان میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ اسے کچھ آہٹ محسوس ہوئی اور فوراً ہی دوسری جانب چارپائی پر دو مہمان نظر آئے۔ قاسم حیرت زدہ رہ گیا اور سلام و کلام بھی بھول گیا، اُسکے مہمان ایڈنا اور نو وارد افسر زراعت تھے۔

دونوں دیر تک ہنستے رہے، اُسکی بدحواسی، انکسار اور حیرت کا مذاق اُڑاتے رہے اور کچھ دیر کے بعد اس ملاقات کے مقاصد کھلے۔

ایڈنا۔ (نو وارد سے) اب کہئے، اگر قاسم منظور کریں۔

نو وارد۔ بہت اچھا، لیکن مجھے تامل یہ ہو کہ قاسم کے کام اور حسابات کی نگرانی کا طریقہ کیا ہوگا؟

ایڈنا۔ یہ بعد کو سوچ لینگے۔

نو وارد۔ قاسم! ہم دونوں ایک ضرورت سے آئے ہیں، تمھیں فرصت ہو تو کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

قاسم۔ (مسکراکر) فرصت! گاؤں میں تو سب کاشتکاروں کو فرصت ہی رہتی ہو۔

نو وارد۔ مس رابرٹ دو مہینے ہوئے کہ مرغی خانہ سے چلی گئیں اور اب مس فشر مستقل کام کررہی ہیں۔ مرغی خانہ گورنمنٹ کی ملکیت ہو لیکن کمیشن کے طریقہ پر منافع کا دو فیصدی مس فشر کا حق قرار دیا گیا ہو۔ مس فشر اب تنہا ہیں اور اگرچہ اُنکے والد کی پنشن وغیرہ اور مرغی خانہ کی قیمت کا تقریبًا پچیس ہزار روپیہ اُن کو مل چکا ہو لیکن یہ ایسی آمدنی نہیں جسپر وہ عمر گزار دیں اور یوں بھی تنہا اس فارم پر رہنا اب دشوار ہو۔ وہ چاہتی ہیں کہ ولایت چلی جائیں اور اپنے عزیزوں میں رہیں لیکن اس سرمایہ کو وہ اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتیں بلکہ خیال یہ ہو کہ یہاں کچھ تھوڑا بہت کام کریں اور اسکا منافع بھی یہاں کے بنک سے منگاتی رہیں۔

قاسم۔ منافع تو منگاتی رہیں مگر کام یہاں کیسے کریں، کیا ولایت میں بیٹھکر........

نو وارد۔ (بات کاٹ کر) جی، یہی تو ہمارے سفر کی غرض ہو۔

قاسم۔ میں مطلق نہ سمجھا۔

نو وارد۔ مطلب یہ ہو کہ وہ یہاں کسی موقع پر تھوڑا سا روپیہ زراعتی کاموں میں لگا دیں۔

ایڈنا۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک چھوٹا مرغی خانہ کسی گاؤں میں قائم کردوں۔

قاسم۔ بڑی خوشی سے۔ اسمیں مشورہ کی کیا بات ہو۔ آپ سے بہتر اس کام کو کون کرسکتا ہو؟

ایڈنا۔ مشورہ یہ ہو کہ میں کام نہیں کرسکتی۔

قاسم۔ یہ کیا؟

نو وارد نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے کہ "بات یہ ہو کہ تم اگر اپنے انتظام اور اپنی نگرانی میں اس کام کو اپنے ہی گاؤں میں کرنے لگو تو کیا ہرج ہو"؟

قاسم۔ (کچھ دیر سوچکر) تعمیل حکم کے لئے میں حاضر ہوں لیکن صورت معاملہ میری سمجھ میں نہ آئی۔

نو وارد۔ مس فشر کو جو دو فیصدی منافع دیا گیا ہو اسکو اگر یہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کردیں تو ان کو تقریبًا پانچ ہزار روپیہ مل سکتا ہو۔ لیکن یہ رقم یکمشت ہاتھ آنے والی نہیں، صرف پانچسو روپیہ نقد اور باقی ۵۰، ۶۰ روپیہ ماہوار کی قسطوں پر ملے گا اور کئی سال میں ادا ہوگا۔ مس فشر کو اب ولایت جانا ہو۔ اس رقم کو وہ چاہتی ہیں کہ بجائے بنک میں دینے کے اسی قسم کے کسی کام میں لگا دیں۔

ایڈنا۔ قاسم۔ میں اگرچہ اب دنیا میں تنہا ہوں اور ہندوستان میں میرا کوئی تعلق بھی باقی نہیں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ولایت کیسی جگہ ہو اور وہاں کے عزیزوں کے متعلق بعد میں مجھے کیا رائے قائم کرنی پڑے، ہندوستان غیر جگہ ہو مگر میں نے اُسی کو دیکھا ہو، اس لئے میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں اس ملک سے بالکل اجنبی ہوجاؤں۔

نو وارد۔ مجھ سے خود مس فشر سے اس معاملہ میں دیر تک گفتگو ہوئی۔ خلاصہ یہ ہو کہ وہ ابھی ہندوستان کو بھولنا نہیں چاہتی ہیں۔ یہ ظاہر ہو کہ اپنے وطن اور عزیزوں میں پہونچکر یہ خیال باقی نہ رہیگا۔

مزید تفصیلات کے بعد گفتگو ختم ہوئی اور ایڈنا قاسم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوکر روانہ ہوگئی قاسم اس واقعہ سے اسقدر متاثر ہوا کہ دو تین روز تک وہ اپنے معمولی فرائض بھی پوری طرح

انجام نہ دے سکا۔ لیکن اُس کے دل پر جو کچھ بھی گزر رہا ہو بظاہر وہ ایک نہایت معقول زرعی خانہ کامیابی سے چلا رہا تھا اور اپنی کثرت مصروفیت کے خیال سے ایک عمدہ گھوڑا بھی خرید لیا تھا۔

—:(۶):—

قاسم کو اپنے کاروبار میں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اُس کی کھیتی جواب بہترین زراعتی فارم کی حیثیت میں تبدیل ہو گئی تھی عام کاشتکاروں کے لئے ایک نمونہ تھی اور اسکی محنت و دلچسپی دوسروں کے لئے قابل تقلید مثال۔ سال کے آخر میں وہ اپنا کل حساب کتاب مرتب کرتا تھا اور ہر سال ایک معقول رقم بنک میں داخل کر دیتا تھا، وہ اگرچہ زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھا لیکن چونکہ اسکی تمام تعلیم سرتاسر مفید و کار آمد تھی اور اس کی زندگی کے ہر قدم پر اس کا فائدہ نظر آتا تھا اس لئے وہ ہر شخص کے نزدیک تعلیم یافتہ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ دو سال ختم ہو چکے تھے اور قاسم اپنے حسابات مرتب کر رہا تھا کئی روز میں یہ کام ختم ہوا اور آخر دن اسکو کاغذات صاف کرنے میں اسقدر دیر ہو گئی کہ وہ رات کو بھی بہت دیر تک بیٹھا رہا اور اسی لئے اُسنے اگلے روز کا بل تعطیل منانے کا قصد کر لیا۔

قاسم صبح کو بہت دیر سے اُٹھا اور اگرچہ اب کسی قسم کا کسل و تکان باقی نہ تھا لیکن وہ تعطیل کے تصور میں بہت دیر تک پلنگ پر پڑا رہا۔ اور پھر جب اُٹھا تو کپڑے بدلکر گھوڑے پر سوار ہوا اور سیر کرنے نکل گیا۔ گانوں کی آبادی سے دُور اسکو ایک مجمع نظر آیا جس کی بے ترتیبی اور غل شور دیکھ کر وہ بھی اسی طرف مڑ رہا اور سوچنے لگا کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیوں جمع ہیں۔ قریب پہنچکر اسنے دیکھا کہ زیادہ تر اسی کے گانوں کے لوگ ہیں اور بڑے تعجب اور جوش و خروش کے ساتھ کسی نئے واقعہ پر گفتگو کر رہے ہیں۔ کسی قدر دشواری سے قاسم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اُسکے گانوں کے برابر جو دوسرا موضع ہے وہ دو مہینہ ہوئے کسی بابو صاحب نے خرید لیا ہے اور اب اُن کا قبضہ بھی ہو گیا اور دو ہفتے ہوئے انھوں نے نوٹس دیدیا کہ وہ کاشتکار جو قاسم کے گانوں میں رہتے ہیں اور اس دوسرے گانوں کی زمین لگان پر لیتے ہیں ان کو آئندہ سے اس گانوں میں زمین نہیں دی جائے گی، البتہ وہ چالیس پچاس آدمی جو اسی گانوں میں آباد ہیں بدستور کاشتکار رہینگے۔ قاسم کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس کو بھی ناگوار ہوا اور حب الوطنی کے جذبہ نے اُسکو اُبھارا کہ وہ بھی اپنے ہم وطن کاشتکاروں کی کچھ امداد کرے، اُن کو تو قاسم نے سمجھا دیا کہ" یہاں بیٹھ کر باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ جاؤ اپنے کام کی فکر کرو جس مالک نے تھوڑے دھرتی دی ہے وہی زیادہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ میرے پاس تو تم سے بھی کم زمین ہے اور اگر زمینوں کو لینا ہی چاہتے ہو تو اسکے متعلق نئے مالک سے گفتگو کرو۔ میں بھی معلوم کروں گا" لوگوں نے کہا کہ" وہ مالک تو گفتگو ہی نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ گانوں پٹ رکھنا ہے"

جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو قاسم بھی آگے بڑھا اور اُسکے گانوں کے لوگوں کے پاس پہنچکر تفتیش حال شروع کیا۔ یہاں کے کاشتکار بھی کچھ واقف نہ تھے، صرف اسقدر جانتے تھے کہ گانوں کے ڈیرے کی مرمت ہوئی ہے اور مُکھیا کی چوپال بھی اسمیں شامل کر لی گئی ہے اور اب کچھ اسباب بھی باہر سے آیا ہے۔ قاسم مکان کی طرف گیا تو دو ایک کرسیاں، پلنگ، چند میزیں کچھ برتن نظر پڑے۔ مکان کچا تھا مگر نئی مرمت کے بعد نہایت خوشنما اور آرام دہ معلوم ہوتا تھا یہاں بھی کچھ پتہ نہ چلا اور قاسم مایوس گھر کو واپس ہوا۔

صبح قاسم کو شہر جانا تھا اور اپنے ہموطن کاشتکاروں کے لئے بھی مزید معلومات فراہم کرنے کا خیال تھا۔ وہ اپنے کاموں کی ہدایات دیکر روانہ ہوا۔ قریب کے گانوں سے گزر رہا تھا کہ مقابل سے ایک سوار نظر آیا جو قریب آکر خود ہی مخاطب ہوا۔" قاسم"

قاسم مطلق نہیں پہچان سکا کہ بظاہر ایک انگریز صورت اجنبی اس کا شناسا ہو سکتا ہے اور وہ خاموش گھوڑا روکے منتظر تھا کہ ایک قہقہہ کے ساتھ،

" قاسم، تم مجھے نہیں پہچانتے" کی آواز آئی اور ساتھ ہی دبی ہوئی آگ پھر بھڑکی اور بھولے ہوئے واقعات دفعتہ سامنے آگئے۔ ع

شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

وہ ایڈنا تھی، اور باوجودیکہ مردانہ دار لباس اور زین سواری کی اس نشست میں وہ ایڈنا کو مطلق نہ پہچان سکتا تھا اور گو آواز نے صورت بھی یاد دلائی تھی لیکن پھر بھی وہ حیران تھا کہ یا اللہ، اسقدر تبدیلی! کیا انسان دو سال میں دوسرا جنم لے لیتا ہے" لیکن اس سے زیادہ پُرلطف بات یہ تھی کہ خود ایڈنا کے نزدیک قاسم اب اپنی شکل و صورت سے بوڑھی کیپر یا دیہاتی کاشتکار نہیں بلکہ ہندوستانی اسکوائر نظر آتا تھا۔ ایک عرصہ کی تکلیف دہ خاموشی کے بعد سلسلۂ کلام شروع ہوا اور معلوم ہوا کہ ایڈنا ولایت سے اس خیال سے واپس آئی ہے کہ اب وہ ہندوستان میں قیام کرے، اور یہ گانوں اُسی نے خریدا ہے۔

قاسم۔ میں نے تو سُنا تھا کسی بابو صاحب نے لیا ہے۔

ایڈنا۔ وہ بابو تو بنک کا کلرک ہے۔ میرے ہی لئے خریداری کی تھی۔

قاسم۔ مگر ہمارے گانوں کے لوگوں کی زمینیں بھی اُسنے ہی نکالی ہیں یا آپ کا حکم ہے؟

ایڈنا۔ بیشک میرا حکم ہے۔ کیا تم کو کچھ ناگوار ہوا۔ قاسم، میری تجویز کچھ اور ہے۔ اب تم میرے ہمسایہ زمیندار ہو اگر مجھے تم سے مدد ملی تو یقیناً میں اپنی اسکیم کو کامیاب بنا سکتی ہوں

قاسم۔ کیا واقعی اب یہاں مستقل قیام کا ارادہ ہے؟

ایڈنا۔ (زور سے قہقہہ لگاکر) قاسم، تمھیں جھوٹ بولنے کی علت پڑ گئی ہے۔ میری باتوں کا خیال نہ کرو، (کچھ سوچکر) میں تو تمھارے ہی پاس جا رہی تھی مگر اب تم میرے گھر چلو۔

قاسم۔ تمھیں ہندوستان میں قیام کرنے کا خیال کیسے پیدا ہوا؟

ایڈنا۔ کیا پوچھتے ہو؟ انگلستان نہایت عمدہ ملک ہے، لوگ بھی اچھے ہیں لیکن بے یار و مددگار بیکس انسان کے لئے وہاں راحت نہیں۔ جدید تمدن اور معاشرت کی چمک تم نے نہیں دیکھی اسکی تیز روشنی نظر کو خیرہ ہی نہیں کرتی وہ بعض اوقات اندھا بھی بنا دیتی ہے۔

قاسم۔ تو یہاں کیسی زندگی ہوگی۔

ایڈنا۔ قاسم۔ میں یہاں کام کرنا چاہتی ہوں امداد باہمی کے اصول پر زراعت کا نمونہ قائم کرکے ان ہی کاشتکاروں کو جن کی آج زمینیں نکالی ہیں میں شریک کاشت بنا سکتی ہوں

[redacted]

تھوڑی بہت کوشش سے تعلیم کا خیال پیدا کیا جا سکتا ہے اور تجارت ہو کر زراعت میں ترقی کی بہت گنجائش ہے۔ کیا یہ کام نہیں ہے؟

قاسم۔ مگر تمھاری زندگی ...؟

ایڈنا۔ اور تمھاری زندگی؟

قاسم۔ میں اپنے لئے کام کرتا ہوں۔

ایڈنا۔ تم دوسروں کے لئے بھی کر سکتے ہو اور دونوں مقصد ایک بھی ہو سکتے ہیں!

قاسم۔ مگر میں تمھاری شرکت میں کام نہیں کر سکتا۔

ایڈنا۔ مجھے مدد تو دے سکتے ہو؟

قاسم۔ (خاموشی کے بعد) شاید!۔

ایڈنا نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور اب وہ اسکے مکان پر پہنچ گئے تھے۔

ایک کامیاب باپ کا خط بیٹے کے نام

(مترجمہ جناب تقی سمیع الدین صاحب نیر ہیڈ ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

برخوردار،

ابھی ابھی خزانچی نے تمھارے اس مہینے کے اخراجات کی تفصیل میرے سامنے پیش کی تو میں تو دیکھتے ہی پریشان ہو گیا۔ ایک دفعہ جب میں نے پوری فیاضی اور دریا دلی کے ساتھ تمھیں تعلیم دلانے کی خواہش ظاہر کی تھی تو میرا یہ مطلب نہ تھا کہ اتنا روپیہ خرچ کیا جائے گا جتنے میں پوری ایک تعلیم گاہ خریدی جا سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمھارے اخراجات کے ان ملوں سے میں تو غریب نہیں ہونگا لیکن اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو یہ تمھاری تباہی کا پیش خیمہ ضرور ہونگے۔

میں دو سال سے برابر دیکھ رہا ہوں کہ ہر مہینے تمھارے اخراجات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ میں نے تمھیں کسی خاص قسم کے امتیاز حاصل کرنے میں ترقی کرتے ہوئے نہیں پایا۔ اگر اسی قسم کے مصارف کے ساتھ ساتھ تم ترقی بھی کرتے رہتے تو یہ ناگوار نہ گزرتے لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے میں تمھارے اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہوں۔ اس سے قبل اس بارے میں میں نے تم سے متعلق کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ مجھے تمھاری عقل و فہم پر بھروسہ تھا کہ تم اُن احمق نوجوانوں کی طرح نہ ہوگے جو بغیر محنت و کوشش دولت پا کر اس کی کچھ قدر نہیں کرتے۔ اگرچہ میں ابتک خاموش رہا۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے دماغ سے یہ خیال نکال ڈالو کہ بڈھا مالدار ہے۔ وہ اس قسم کے مصارف کو برداشت کر سکتا ہے کیونکہ میں اس قسم کے مصارف کو تمھاری تعلیم ختم ہو جانے کے بعد برداشت نہیں کرونگا۔ اسواسطے جس قدر جلد تم اپنے اخراجات کو اپنی آئندہ آمدنی کی سطح پر لے آؤ، اُسی قدر ان اخراجات کا نباہ تمھارے ساتھ ہو سکے گا۔

دولتمند بننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ یا تو وہ بطور عطیہ ملے یا بطور ورثہ۔ تم ان میں سے کسی ایک طرح بھی دولتمند نہیں ہو سکتے، جبتک کہ کارخانے کے کسی ذمہ دار عہدے کا اپنے آپ کو اہل ثابت نہ کر دو۔ تم کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر تم کمپنی میں کسی ایسے عہدے پر پہنچے سے پہلے دفتری کی حقیر خدمت انجام دینی پڑتی ہے اور یہ خدمت ہر شخص کو خواہ وہ امیر ہو خواہ غریب انجام دینی پڑتی ہے، اور دفتری کا یہ کام دفتر کے ایک سرے پر جوتیوں میں بیٹھ کر انجام دینا پڑیگا۔ اور اس کا معاوضہ صرف آٹھ ڈالر فی ہفتہ ہوگا۔

میں کوئی گھڑی گھڑائی کامیابی تمھارے حوالے نہیں کر سکتا۔ بفرض محال اگر میں ایسا کروں بھی تو اس سے تمھیں کیا فائدہ ہوگا ہاں کاروبار کو نقصان پہنچ جائے گا۔ اس دفتر میں ترقی کرنے کے مواقع تو بکثرت ہیں، مگر کوئی ایسا آلہ موجود نہیں ہے جو تم کو ترقی کرا دے، ہاں چونکہ تم تعلیم یافتہ ہو اس لئے جو بھی کام شروع کروگے کسی جاہل کے مقابلہ میں تمھاری کامیابی کا جلد امکان ہے۔ لیکن کارخانے میں کام کی ابتدا ایسے درجے سے ہوتی ہے جہاں ڈاک کا کام کرنے والے دوسرے لڑکے تمھاری نسبت زیادہ پھرتی سے لفافے چسپاں کرینگے۔ ممکن ہے تم یہ کہو کہ آخر اس قسم کے حقیر کام لینے کی ضرورت ہی کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو لفافے چسپاں کرنے بھی نہ آتے ہوں وہ بھلا خط و کتابت کیا خاک کریگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس موقع پر موٹر کار بھیٹپھانا، یا مختلف قسم کے کھانوں سے واقفیت کچھ مفید نہ ہوگی بلکہ کام میں مشق اور مہارت ہی فائدہ پہونچائے گی۔

میں نے ان امور کا محض اس لئے تذکرہ کیا ہے کہ مشرق میں تعلیم پانے کے بعد گھر پہنچنے پر کہیں اپنے درجے کے متعلق تم نے غلط توقعات نہ قائم کر لی ہوں۔ جب تم یہاں پہونچوگے تو میں تمھیں کسی کام پر تو ضرور لگا دوں گا، لیکن آئندہ ترقی کرنا تمھارا اپنا کام ہوگا اور انسان کے لئے بس اتنا ہی سہارا کافی بھی ہونا چاہئے، اگر کسی نا قابل آدمی کو کام شروع کرنے کے لئے قابلیت اور لیاقت کسی رومال میں لپیٹ کر دیدی جائے تو وہ سونے کی اینٹ کے لالچ میں اُس کو کھو دیگا یعنی اگر کسی انسان میں گرہ کی عقل نہ ہو تو معمولی فائدہ اُسے کسی بتائے ہوئے مناسب راستے سے ہٹا دے گا۔ لیکن جو لوگ خود لائق و قابل ہونگے تو خواہ اُنھیں خالی رومال دیدیا جائے یعنی خواہ اُن کے پاس سرمایہ ہو خواہ نہ ہو پھر بھی محض اپنی قابلیت کی مدد سے وہ دوسرے لوگوں کی لیاقت سے فائدہ اُٹھا لینگے۔

مجھے اس امر کے باور کرانے میں ایک قسم کا فخر محسوس ہوتا ہے کہ تم میں صحیح قسم کا مادّہ موجود ہے

تاہم میں چاہتا ہوں کہ تم اس خداداد مادے سے کچھ فائدہ بھی اُٹھاؤ۔ تم اپنے آپکو کبھی ایک کامیاب کاروباری نہیں بنا سکتے جب تک کہ تم خدا کے بتلائے ہوئے طریقوں کی پیروی نہ کرو، یعنی یہ کہ کمانے سے پہلے خرچ کرنا سیکھو۔ فضول خرچ کے لئے تنخواہ ملنے کا دن ہمیشہ ایک ماہ دور ہوتا ہے۔ اور کبھی وہ سو روپیہ میں ساٹھ سے زیادہ وصول نہیں کرتا لیکن ایک سمجھدار کاروباری آدمی سو کے ایک سو چھ کر لیتا ہے، وہ ایک ایک روپیہ بچاتا ہے۔ کاروبار میں صرف اُسی شخص کو دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے جو اپنے اخراجات کم سے کم رکھ کر زیادہ سے زیادہ رقم پس انداز کرے۔ اگر تمھارے اخراجات کی تفصیل درست ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ درست نہ ہو۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی تم میں کمی ہے۔

مجھے ایسے بہت سے نوجوانوں کا حال معلوم ہے کہ جب وہ با اختیار ہو جاتے ہیں تو روپیہ خرچ کرنے کو بلند حوصلگی اور روپیہ بچانے کو سفلہ پن سے تعبیر کرتے ہیں، کالج کی تعلیم کا یہی پہلو قابل افرت خیال کیا جاتا ہے، اور اسی سبب سے دس میں سے نو کاروباری آدمی اپنے لڑکوں کو علم حاصل کرنے کے لئے کسی تعلیم گاہ میں داخل کرتے ہوئے پس و پیش کرتے ہیں، تاہم یہی ایک جگہ بھی ہے جہاں کسی نوجوان کو یہ ثابت کرنے کا موقع ملتا ہے، کہ وہ نادان نہیں ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ بہت سے لوگوں کے لئے میری کفایت شعاری ایک معمہ ہے، اُن کا خیال ہے کہ میرے کارخانے میں پیک کئے ہوئے گوشت کے ٹکڑے میں زیادہ چربی ہوتی ہے اور میرے ہاں کا گوشت خدا کے بنائے ہوئے گوشت سے بھی کچھ بہتر ہوتا ہے۔ بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ قدرت نے جس جانور کو دو رانیں عطا کی ہیں۔ میرے ہاں اُن میں دو کا اور اضافہ ہو جاتا ہے اس سے بظاہر اُن کا مطلب یہی ہے کہ میرے ہاں کفایت شعاری کا حد درجے خیال رکھا جاتا ہے لیکن تم اُن لوگوں کے مقابلے میں میری زندگی سے زیادہ واقف ہو تم کو اس حقیقت کا پورے طور پر علم ہے کہ اگرچہ اخراجات میں پوری احتیاط مدنظر ہوتی ہے تاہم ضرورت کے وقت میرا ہاتھ ہمیشہ جیب کی طرف جاتا ہے یعنی ضرورت کے وقت خرچ کرنے میں میں مطلق دریغ نہیں کرتا۔

اب میں صاف صاف تم کو بتائے دیتا ہوں کہ زندہ افراد میں سب سے زیادہ کمظرف وہ ہے جو اس رقم کو جسکے کمانے میں اُسنے محنت نہیں کی دریادلی کے ساتھ خرچ کرتا ہے، یاد رکھو کہ جو نوجوان دوسروں کی کمائی پر چھیلا بنا پھرتا ہے وہ کبھی اوّل درجے کا کمانیوالا نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے سادہ لوح لوگ میرے دفتر میں دوسرے درجے کے محرروں کی حیثیت سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ دوسرے ہی درجے پر رہینگے۔ تمھیں ایک سال تک ایسے ہی لوگوں کے ساتھ کام کرنا پڑیگا۔ پس اگر تمھاری یہی خواہش ہوئی کہ ہفتہ بھر نیچی نگاہ کئے اور کمر جھکائے ڈسک سے لگے بیٹھے رہو۔ اور ایک ہفتے کے بعد دوستوں کے ساتھ مزے اُڑانے کے لئے آٹھ ڈالر ملجایا کریں تو اس حالت میں اس قسم کے خرچ کو تم مناسب ثابت کروگے۔ کیونکہ میں سمجھ لوں گا کہ خدائے تعالیٰ نے تمھیں اپنی ذات کے لئے کام اور مفید بنانے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ تمھیں علم ہے کہ میں نے اپنی زندگی کس طرح شروع کی۔ زمانے کی ایک ٹھوکر سے میری زندگی کا آغاز ہوا۔ یہی ٹھوکر میری ترقی کا باعث ہوئی، اور اس قسم کی تمام ٹھوکروں نے مجھے آگے ہی بڑھایا۔ ابتدا میں میری آمدنی صرف دو ڈالر فی ہفتہ تھی اور نہایت سخت زمین پر سونا پڑتا تھا۔ اُس زمانے میں مجھے صرف اسی قدر معلوم تھا کہ ایک ڈالر میں کے آنے ہوتے ہیں اور زمین کا فرش کس قدر سخت ہوتا ہے۔ یہی وہ زندگی ہے جسکا عملی تجربہ تم کو بھی ہونا چاہئے۔

جس زمانے میں میں لیکز میں تھا مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہمارا چھوٹا سا جہاز نقلو مقام پر پل میں ہو کر گزرا اُسوقت میں نے بل رگز نامی کو دیکھا کہ میرے بالکل اوپر پل کے ایک سرے پر کھڑا ہے۔ اور اُس کی ٹوکری میں گوشت کا ایک بڑا سا بھنا ہوا ٹکڑا رکھا ہے۔ چونکہ ہمارے جہاز میں ذرا چھوٹے ٹکڑے ملتے تھے اور گوشت کی کچھ کمی بھی تھی، اس لئے اُس سے میں نے ایک ٹکڑا مانگا اُسنے ایک ٹکڑا نیچے میرے پاس پھینک دیا۔ میں نے اُسکی قیمت دریافت کی تو اُسنے چلا کر ایک ڈالر بتلائی۔ وہ ٹکڑا بہت بڑا تھا، اور واپسی میں جب ہم پھر نقلو مقام پر ذرا ٹھہرے تو میں نے چاہا کہ گوشت کا ایک ٹکڑا اور لے لوں۔ اس لئے میں بل رگز کی دوکان پر خود چلا گیا اور پہلی قسم کا ایک ٹکڑا مانگا، مگر اس دفعہ اُسنے نسبتاً چھوٹا اور سخت ٹکڑا دیا۔ اور جب میں نے اُس کی قیمت پوچھی تو اب بھی اُسنے ایک ہی ڈالر بتلائی، بہر حال اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی شئے کی قیمت مقرر کرنے کا مادہ اُسمیں مطلق نہ تھا۔ حالانکہ کسی دوکاندار میں اس مادہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ بل رگز اگرچہ مضبوط اور محنتی آدمی تھا تاہم آج وہ بہت غریب ہے۔

یہ نہ سمجھنا کہ یہ ایک ہی مثال ہے، نہیں، ایسے ہی بہت سے نوجوان میرے دفتر میں موجود ہیں۔ ان کی ہمتیں کچھ اسقدر پست ہیں کہ منشی گری کے سوا کسی اور اعلیٰ انتظامی عہدے کے حاصل کرنے کا خیال تک اُن کے دماغ میں نہیں آسکتا لیکن یہی لوگ اگر ذرا بھی اپنی ترقی کے بارے میں غور کریں تو بہت جلد میں ان سے مشورہ لینے پر مجبور ہو جاؤں، اور اس طرح یہی نہیں کہ ان کی تنخواہیں ہی بہت جلد دگنی ہو جائیں بلکہ خود میری آمدنی میں بھی معتدبہ اضافہ ہو جائے۔

شاید یہ بات ٹھیک طور سے تمھاری سمجھ میں نہ آئے اور تم یہ کہو کہ میں بھی کرتا ہوں جو میرے دوسرے ساتھی کرتے ہیں اور شاید یہ بھی کہہ بیٹھو کہ "آپکے بچپن اور آجکل کے زمانے میں زمین آسمان کا فرق ہے"، لیکن تمھارا یہ خیال درست نہیں ایک آدمی کے بیوقوف بننے کے لئے دنیا میں بہت سے طریقے موجود ہیں، کالج کی زندگی اُن میں صرف ایک طریقہ ہے، جو نوجوان کسی کام کو فقط دوسروں کی دیکھا دیکھی کریگا وہ ہمیشہ اپنے بزرگوں کا دست نگر رہیگا۔ عقلمند نوجوان وہ ہے جو بازار اُکھڑنے سے ایک دن پہلے سودا خرید لے۔ اس صورت میں سو روپے کا مال اُسے ستّا نوے روپیہ ہی میں مل جائے گا۔ ممکن ہے اس قسم کی خرید و فروخت کو لوگ گنوارپن سے تعبیر کریں۔ لیکن ایسا گنوار بھی اُس شہری سے اچھا ہے جو اپنی عقل سے فائدہ نہ اُٹھائے۔ کیونکہ اس نوجوان میں اپنی رائے پر عمل کرنے کی جرأت ہے یہی شخص اس سستی چیز کو اُسوقت زیادہ کافی نفع لے کر فروخت کر سکتا ہے جبکہ وہ چیز مہنگی ہو جائے یا اُس کی مانگ بڑھ جائے۔ یہی شخص ہے جو چالیس سال کی عمر میں کسی کمپنی کے ڈائرکٹروں کے طبقے

میں شدہ دیتا ہوا نظر آئے گا۔ لیکن ایسے نقالوں کی آجکل کمی نہیں ہے ہمیشہ دس بارہ نوجوانوں کے گروہ میں ایک نہ ایک نقال بھی ہوتا ہے اگر تم اپنے ساتھیوں کو اُس کی پیروی کرتے ہوئے دیکھو تو اپنے آپ کو اُس کے اثر سے بچانے کی کوشش کرو بعض وقت تمہاری ہی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ ہوشیار رہو۔ اپنی سمجھ سے کام لو اور اپنے ضمیر کا کہا مانو۔ ان باتوں کا تم خیال رکھا تو تم کو بہت فائدہ پہونچائے گی لیکن یہ باتیں نوجوانی ہی میں کوشش کرکے حاصل کیجاتی ہیں، آپ سے آپ پیدا نہیں ہوتیں۔

اگر تم میں یہ باتیں پیدا ہونی شروع ہوجائیں تو مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے پیدا ہونے کا اثر تمہارے آئندہ اخراجات میں صاف نظر آئے گا۔ لو خدا حافظ! انسان کی مختصر زندگی میں ایسے لمبے چوڑے خطوط لکھنے کی مہلت نہیں مل سکتی، اور تمھیں معلوم ہے کہ مجھے اپنا کام ہی کیا کم ہے جو فرصت ملے۔ (والد عا)

دُنیا کا سب سے بڑا دولتمند

"ہنری فورڈ"

(از قلم چودہری تارا چند صاحب ہشانڈیہ ا اچھرہ)

اپنے کام کو متواتر جفاکشی اور محنت کے ساتھ کرنے سے انسان کس درجہ ترقی کرسکتا ہے اسکی ایک تازہ مثال مشہور امریکن موٹر کمپنی کا مالک ہنری فورڈ ہے ۱۸۶۳ء میں جب وہ ایک غریب دیہاتی کسان کے جھونپڑے میں پیدا ہوا تھا تب کسی کو معلوم تھا کہ ایک دن یہی کاشتکار زادہ امریکہ میں قارون ثانی بن جائے گا۔ بچپن ہی میں جب ہنری کل پرزوں کے بنانے سدھارنے میں دن کا بیشتر حصہ صرف کرتا تھا تو اُس کی والدہ کہا کرتی تھی کہ میرا ہنری پیدائشی مستری ہے۔ بعد میں اُس کی والدہ کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ لڑکپن میں ہی ہنری بہت سے منصوبے سوچا کرتا تھا۔ ایک دن اُسنے کہا کہ مویشیوں کے ذریعہ کاشت کا کام کرنے میں بہت زیادہ وقت فضول خرچ ہوتا ہے اس لئے میں ایک ایسی مشین ایجاد کرونگا جس سے کاشت کا کام بغیر مویشیوں سے کام لئے ہی بہ آسانی اور جلد ہوسکے۔ لوگ ہنری کی یہ بات سُنکر بے تحاشا ہنس پڑے، مگر ہنری صرف خیالی پلاؤ پکانے والا ہی نہ تھا وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے والا شخص تھا آج امریکہ کے اندر اُسی کی بدولت ٹریکٹر، اور کچھ ٹن تیل کے ذریعہ کھیت جوا بویا جاتا ہے اور کاشت کے جملہ کام مزے میں ہوتے ہیں۔

ہنری کا یہ مقولہ ہے کہ تم ترقی کرنے کے لئے سال کے ۳۶۵ ایام میں سے صرف ۶۵ دن ہی محنت سے کام کرنا کافی ہے باقی ۳۰۰ دن ہر ایک انسان کو خلق خدا کی ترقی اور بہبودی میں صرف کرنے چاہئیں۔

ایک دن ہنری اپنے والد کے ساتھ گاؤں سے شہر کی طرف جا رہا تھا راستہ میں اُسکو ایک انجن دکھلائی دیا۔ انجن کو دیکھتے ہی وہ بہت متعجب ہوا اُسنے اس سے پیشتر کبھی انجن نہیں دیکھا تھا، اُسی وقت سے وہ انجن کے متعلق معلومات کرنے لگا۔ اس انجن کو دیکھکر اسکے دل میں بغیر گھوڑوں کے تیز رفتار موٹر بنانے کا خیال پیدا ہوا اور اُس کا یہ منصوبہ ہی اُسکی زندگی میں کامیابی کا پیش خیمہ تھا۔ ہنری کا وہ موٹر بنانے کا منصوبہ اُس کی متواتر جفاکشی اور زبردست استقلال کی بدولت کس کامیابی کے ساتھ اُسکی زندگی میں پورا ہوا ذیل کی چند سطور میں اسی کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

شروع میں ہنری نے کچھ عرصہ تک مشہور عالم گراموفون کمپنی کے مالک مسٹر ایڈیسن کے کارخانہ میں ملازمت کی اس کے بعد سستی گھڑی بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار کیا مگر آخر میں سب چھوڑ دیا کیونکہ یہ سب کام موٹر جیسے سود مند نہ تھے۔

مسٹر ایڈیسن اور فورڈ ایک سائینسداں کی حیثیت سے بہت زیادہ مشہور نہیں ہیں؛ انھوں نے اپنا وقت سائنس کے اصولوں کے ذریعہ تحقیقات میں صرف نہیں کیا مگر ان دونوں کامل ہستیوں نے سائنس کی مشہور ایجادات کو نوع انسان کے مختلف کاموں میں استعمال کرنے کی کوشش کی ہے اسی لئے ان کی زیادہ شہرت ایک میکینکل انجینیر کی حیثیت سے ہے۔ تجارت کو سائنس کے اصولوں پر کس طرح ترقی دینا چاہئے اس بات کو شاید دنیا میں مسٹر فورڈ کے مانند بہت کم لوگ جانتے ہوں۔ فورڈ کو اپنے موٹر والے منصوبے کو پورا ثابت کرنے کے لئے جس جفاکشی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُس کا بیان کرنا بھی مشکل ہے اکثر اُسکے سامنے زندگی اور موت کا سوال موجود رہا بے شمار راتیں بیداری میں گذارنی پڑیں اور متعدد بار اپنے ارادے میں ناکامیابی کا سامنا ہوا لیکن جفاکش انسان ہمت کے ساتھ مشکلات اور ناکامیوں کا مقابلہ کرکے آگے بڑھتے ہیں اور آخر میں شاندار کامیابی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ اُنکے ایک مشہور شاعر نے فرمایا ہے۔

جو جسکو ملا جان کھپانے سے ملا ہے
بے رنج میسر نہیں آتا ہے کبھی گنج

اسی طرح آخر میں ہنری بھی بائیسکل کا پہیہ لگا کر موٹر گاڑی تیار کرنے میں کامیاب ہوا، ...

ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ ایک نہ ایک پاگل پن کا ہی کام کرتا رہتا ہو اس کی ایجاد کردہ گاڑی کے سڑک پر چلنے سے ایک آدمی کو اس کے آگے آگے سرخ جھنڈی لیکر دوڑنا پڑے گا، اور اس کام کے لئے کثیر سرمایہ چاہیئے وہ کہاں سے دستیاب ہوگا۔ روپیہ کہاں سے آدیگا؟ اس سوال کے جواب میں فورڈ نے جو کچھ کہا وہ ذہن نشین کرنے کے قابل ہے "ترقی کا دارو مدار انسان کی مسلسل جانفشانی اور محنت پر مبنی ہو محنت اور استقلال ہی ہر ایک کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے اول ہی روپیہ کا فکر کرنے سے انسان کے دل پر ناکامیابی کا خوف طاری ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور انسان پست ہمت ہو کر بیٹھ رہتا ہے"

مولم کی اس تمسخر آمیز نکتہ چینی پر کوئی توجہ نہ کرکے ہنری ابتدائی سرمایہ کی فکر میں گھومنے نکلنے لگے آخر میں ایک صاحب اُن کو اس کام کے لئے اس شرط پر روپیہ دینے کے لئے تیار ہوئے کہ اُن کا نام بالکل پوشیدہ رکھا جاوے کیونکہ وہ بھی خیال کرتے تھے کہ ہنری کی یہ اسکیم کامیاب نہیں ہو سکتی بلا واسطے اس بیوقوف کے ساتھ میرا بھی مذاق اور بدنامی ہوگی۔ مگر اس کے بعد کیا ہوا اسکو دنیا جانتی ہو سنہ ۱۹۰۳ء کے بعد بیس سال کے اندر ساٹھ لاکھ موٹریں فروخت کرکے ہنری قارون ثانی بن گیا۔ اور اخبارات اُس کی کامیابی کا شور مچا کر اُس کی مدح میں کالم کے کالم سیاہ کرنے لگے۔ ابھی کچھ سال پیشتر ہنری کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ تھی، اور اُس کے پاس پانچ کروڑ پونڈ سرمایہ نقد موجود تھا۔

ناظرین خیال فرمائینگے کہ اتنے دولتمند فورڈ صاحب اب تو بڑی شان و شوکت سے رہتے ہونگے مگر ہمارا یہ قیاس بالکل غلط ہو اصلیت اس کے بالکل خلاف ہو کیونکہ ہمارے ملک کے امیر طبقہ میں یہ عیب موجود ہو اسی وجہ سے ہم لوگوں کے دلمیں دوسروں کے لئے بھی ایسا ہی خیال پیدا ہوتا ہو۔ فورڈ صاحب روزانہ اپنے کارخانہ میں جاکر معمولی مزدوروں کے ساتھ کام کرتے ہیں، ناظرین کو شاید اسپر یقین کرنے کا احساس بھی نہ ہوگا کیونکہ ہمارے ملک کے امیر طبقے کے لوگوں کا طرز ہی کچھ اور ہو اُن کی شان دنیا سے نرالی ہو، فورڈ ایک سیدھے سادے اور سادہ مزاج شخص ہیں حتی کہ اُن کو کھانے پینے کے علاوہ اور کسی قسم کا شوق نہیں ہو۔ مغربی ممالک میں سگرٹ و تمباکو پینا ایک معمولی بات ہو مگر ہنری فورڈ اس سے بھی بَری ہیں۔ ناظرین خیال فرمادینگے کہ فورڈ صاحب شان و شوکت اور اپنے ذاتی استعمال میں کبھی کثیر رقم صرف نہیں کرتے تو کیا اپنی پیدا کردہ اس بے شمار دولت کو زمین میں دفن کرتے جاتے ہیں مگر واقعہ یہ نہیں ہو ہمارے دلمیں یہ خیال بھی اپنے بدقسمت ملک کے سرمایہ داروں کی حالت دیکھ کر ہی پیدا ہوتی ہو۔

اُردو کے مشہور شاعر حضرت مہر نے فرمایا ہو۔

توفیق عطا کرے گر تجھ کو خدا　　اوروں کو کھلا بیٹھکے اور خود بھی کھا
چلتی پھرتی ہو چھائیں دولت اے مہر　　جب تک ہو پاس اس سے کچھ نفع کما

میرے خیال میں مندرجہ بالا رُباعی کے مفہوم کو سات سمندر پار رہنے والے فورڈ صاحب اور مسٹر کارنیگی نے ہی اچھی طرح سمجھا ہو ہمارے ملک کے تو دو چار سرمایہ داروں نے لبوں پر شاعرانہ داد دینے ہی پر اپنی توجہ کیوں کی ہو اکثر نے اسکو کسی فقیر کی صدا خیال کرکے ہی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہوگا اور خیال کیا ہوگا کہ مہر کوئی بازار میں صدا لگا کر مانگنے والا فقیر ہو۔ بدقسمتی اسی کو کہتے ہیں جس ملک کے اندر خدا نے ایسے ایسے عالم پیدا کئے ہوں جنکا ایک ایک رُباعی کسی واعظ کے سالہا سال تک کئے ہوئے وعظ سے زیادہ موثر اور سود مند ہو اور ہم لوگ اسکو ایک فقیر کے مانگنے کی صدا خیال کریں کاش خدا ہمکو طاقت اور عقل عطا کرے کہ ہم ان جواہر ریزوں کی قدر و قیمت سمجھیں۔

فورڈ صاحب کے کارخانہ میں چالیس ہزار ملازم کام کرتے ہیں وہ ملازمان کے آرام، اور خوشنودی کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ فورڈ صاحب کو یہ اچھی طرح یاد ہو کہ وہ خود بھی چند سال پیشتر دوسرے کے ملازم تھے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ مزدوروں کے کیا مطالبات ہوتے ہیں اور وہ کیا مراعات چاہتے ہیں' اپنے ملازمان کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا سلوک کرکے فورڈ صاحب نے یہ واقفیت پیدا کی ہو کہ مزدور چاہتے ہیں اُنھیں مزدوری کافی ملے اور اُنکے کام کا وقت کم ہو اور اُن کی ملازمت مستقل ہو۔ فورڈ صاحب کے ملازمان کو مندرجہ بالا مراعات حاصل ہیں اُنکے کارخانہ کے ملازمان کو اور سب جگہ سے زیادہ تنخواہ ملتی ہو اور اُن کی ملازمت بھی مستقل ہوتی ہو۔ فورڈ صاحب کا قول ہو کہ ملازم کے دل میں اُس کی ملازمت کے مستقل ہونے کا یقین پیدا کرنا ضروری ہو ایسی حالت میں ہی وہ دل سے کام کرتا ہو۔ مزدوروں کے لئے فورڈ صاحب نے اپنے صرفے سے ایک عالیشان اسپتال قائم کیا ہو جہاں پر اُنکے کارخانہ کے ہر مزدور کے بیمار ہو جانے پر اُس کا مفت علاج ہوتا ہو اور بیماری کے ایام میں غیر حاضری کی تنخواہ بھی باقاعدہ ادا کی جاتی ہو علاوہ اسکے کوڑھیوں کے واسطے ایک سینیٹوریم بھی آپنے تعمیر کرایا ہو۔ دولت کا ایسا جائز استعمال بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ یہ عرض کرنا بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ بالشوزم کی نسبت فورڈ صاحب کے کیا خیالات ہیں۔ آپ یہ نہیں مانتے کہ سب انسان یکساں ہیں، آپ کا کہنا ہو کہ ہمارے کارخانہ میں جو گاڑیاں تیار ہوتی ہیں حتی الوسع اُن کو ایک ہی طرح کی بنانے کی کوشش کی جاتی ہو مگر آجتک ٹھیک ایک ہی طرح کی دو گاڑیاں دیکھنے میں نہیں آئیں آپکے کارخانہ کے ہر ایک ملازم کو اپنی ذاتی ترقی کرنے کی پوری آسانیاں میسر ہیں، فورڈ دل سے چاہتے ہیں کہ اُنکے کارخانہ کا ہر ایک ملازم ترقی کرکے اُنکے جیسا ہی درجہ حاصل کرے اوپر بیان کیا جا چکا ہو کہ وقت کی فضول خرچی اور بے قدری فورڈ صاحب کو سخت ناگوار ہو مگر اُن کے کارخانہ کی اس کمال ترقی کا راز تلاش کرنے سے صرف وقت کی ہی نہیں سب باتوں ہی کی فضول خرچی بند کرکے طاقت، وقت، اور عقل کو ٹھیک طریقہ پر استعمال کرنے کا راز اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہو۔

موٹر تیار کرنے میں لکڑی کی ضرورت پڑتی تھی اسلئے ایک لکڑی کے محکمہ کی ضرورت درپیش ہوئی مگر سالم درخت تو کام میں نہیں آسکتا پھر شاخیں اور پتے فضول کیوں برباد کئے جاویں اسلئے ان چیزوں سے ایک قسم کی گاد تیار کی جاتی ہو جو کارڈ بورڈ تیار کرنے کے کام آتی ہو، یہ کام

بھی کچھ کم منافع کا نہیں ہے۔ آپنے اس کے لئے بھی ایک جداگانہ محکمہ قائم کیا ہے۔ کوئلہ، لوہا لکڑی وغیرہ بہت سی چیزوں کا کام فورڈ کے کارخانہ میں ہے۔ کانوں سے کوئلہ اور لوہا نکلکر چھ یوم میں ایک گاڑی کے کل پرزے، تیار ہوتے ہیں اور سات سکنڈ میں۔ تمام کل پرزے ملاکر ایک گاڑی تیار ہو جاتی ہے بغیر آنکھ سے دیکھے ان باتوں پر یقین کرنا بھی مشکل ہوگا۔ مسٹر فورڈ صاحب نے اندلیل شدہ کارخانہ کو دوبارہ جاری کردینے کا کمال دکھایا ہے اسکے متعلق آپکا خیال سنکر تعجب آتا ہے کہ ذلیل شدہ کارخانوں کو دوبارہ جاری کرنے کے لئے شروع میں اسکا خرچ اتنا کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر فورڈ صاحب کا خیال ہے کہ ایسا کرنا زبردست غلطی ہے۔ آپ ایسے موقع پر ملازمان کی تنخواہوں میں اضافہ کرکے انکے اندر کام کرنے کا نیا جوش جوش اور خواہش پیدا کرتے ہیں، آپکا مقولہ ہے کہ اگر ملازم کو کام کرنے میں دلی رغبت نہ ہوگی تو وہ کام ہی کیا کریگا۔ ملازم کی خوشنودی، آرام اور بہبودی ہی کارخانہ کی کامیابی کا باعث ہے یہ ایسی بات ہے جسکو تجربہ کے بعد مخالف بھی تسلیم کرینگے۔ عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے پر انسان بوڑھا ہو جاتا ہے فورڈ صاحب یہ بات سنکر ہنستے ہیں آپکا کہنا ہے کہ زندگی کے شروع کے چالیس سال تو زبردست محنت اور جانفشانی میں صرف ہوتے ہیں ورنہ انسان کوئی بڑا کام کر ہی نہیں سکتا۔ آپکی زندگی سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے ۱۸۹۳ء میں یعنی چالیس سال کی عمر میں آپنے سب سے پہلی موٹر گاڑی تیار کی تھی اسکے بعد ۲۹ سال میں آپ کیا سے کیا ہوگئے اسکو دنیا جانتی ہے، آپکا یہ بھی مقولہ ہے کہ انسان اگر مستقل مزاجی کیساتھ اپنا کام کرتا رہے اور زندگی کا ایک پیسہ بھی فضول خرچ نہ کرے تو اسکی ترقی لازمی ہے اسکی قسمت کا ستارہ چمکے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

بھارت ماتا کا خطاب

اپنی گود کے گراں مایہ لال پنڈت جواہر لال نہرو سے

(از سعید بریلوی)

کانگریس کے صدر! یہ کرسی مبارک ہو تجھے — یہ نوائے "کامل آزادی" مبارک ہو تجھے
ماں کی آزادی کی خاطر کسقدر کوشاں ہے تو — سچ تو یہ ہے لاکھ انسانوں میں اک انساں ہے تو
آفتیں سر پر ہزاروں آئیں مگر اُف تک نہ کی — لکھنؤ میں لاٹھیاں کھائیں مگر اُف تک نہ کی
تو جگر گوشہ ہے میرا، تو مرا دلبند ہے — فخر مادر، مایۂ ناز پدر فرزند ہے
تو اٹھا ہے مجھکو آزادی دلانے کے لئے — میری خاطر جان تک اپنی گنوانے کے لئے
ماں ترے صدقے اگر لغزش قدم میں آ نہ جائے — نت نئی دشواریوں سے دل کہیں گھبرا نہ جائے
ٹوٹ کر پھر یہ حباب جوش باقی ہو نہ جائے — حال کا یہ عزم ماضی کی کہانی ہو نہ جائے
اتحاد ہندو و مسلم ہے آزادی مری — ان کے لڑنے سے ہوا کرتی ہے بربادی مری
یہ سمجھتے ہیں الگ رہنے میں ہے میری نجات — تو بس اتنا کر کہ سمجھا دے انھیں راز حیات
ہندو و مسلم یہ دو ہیرے ہیں ترے تاج میں — بھائی بھائی کاش پھر مل جائیں تیرے راج میں

یہ سمجھ لے یوں سپوت اپنا نہ مانوں گی تجھے
لاج میرے دودھ کی رکھ لی تو جانوں گی تجھے

(رتیج)

عورتوں کے چند صفحے

پدر بزرگوار کا خط

(نوشتہ محمد شفیع الدین نیر، ٹیچر موڈرن ہائی اسکول، دہلی)

نورِ چشمی سلمہا،

بعد دعا کے معلوم کرو کہ آج کی ڈاک سے میاں نسیم کا ایک خط مجھے ملا ہے اس سے تمھاری خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ مگر اُنکے خط سے پڑھ کر یہ مجھے سخت تعجب ہوا کہ مکان کی تنہائی تمھاری پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے اور میاں نسیم تمھاری وجہ سے اگر کبھی دیر ہو جائے تو اپنے دفتر میں اطمینان سے کام نہیں کر سکتے۔ میرے تعجب کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ یہاں تو تم اپنی بہنوں اور بھائیوں میں نڈر سمجھی جاتی تھیں، تمھیں وہاں جا کر یکایک کیا ہو گیا کہ ڈرپوک اور کم ہمت بن گئیں، آگے چلکر اسی خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو گھر وہاں تم نے کرائے پر لیا ہے، پڑوس کی عورتوں نے اسکے متعلق تمھارے دل میں شک پیدا کر دیا ہے اور یہ کہکر کہ اس میں کوئی آسیب رہتا ہے تمھیں ڈرا دیا ہے۔ معاف کرنا یہ پڑھ کر تو مجھکو ایک ہنسی آگئی اور جب تمھاری والدہ اور بہنوں کے سامنے یہ خط پڑھا گیا تو ہنسی کے مارے اُنکے بھی پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ میری طرح اُن سب کو زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ اتنی سمجھدار ہو کر تم نے وہاں والیوں کا اثر کیسے قبول کر لیا اور تمھیں یہ بات کیوں یاد نہیں رہی کہ بھوت پریت اور آسیب کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

میاں نسیم کے خط سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مکان صاف ستھرا اور شریف پڑوس میں ہے اور بہت سے لوگ اسکو کرائے پر لینے کی خواہش رکھتے تھے، اور چونکہ انھیں نہیں مل سکا اس لئے انھوں نے تمھارے سامنے ایسی ایسی حکایتیں بیان کیں کہ تمھیں بھی اس میں آسیب ہونے کا یقین آگیا، میرا بھی یہی خیال ہے کہ مکان لینے کی خاطر دوسروں نے تمھیں بھگانے کی کوشش کی ہے تاکہ تم میاں نسیم پر زور دیکر مکان بدل دالو اور وہ مکان اُنکے ہاتھ آجائے تم اس بات پر تعجب نہ کرنا۔ غرض انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور بہت دفعہ وہ ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو لوگوں کی نظر میں اچھے نہیں سمجھے جاتے۔ تمھیں ... حال معلوم ہے کیسی نیک اور سلیقہ مند لڑکی ہے۔ صورت شکل بھی بُری نہیں۔ لیکن نند نے شادی ہوتے ہی ایسا بَیر باندھا کہ بھائی کو دوسری شادی پر آمادہ ہی کر دیا۔ اور جب اُس غریب میں کوئی اور خرابی نہ نکال سکے تو یہ مشہور کر دیا کہ اُسکے سر پر تو آسیب ہے۔ یہ اس لئے کہ اگر برادری کنبے والے ایسی اچھی اور نیک لڑکی کو چھوڑنے کی وجہ پوچھیں تو اُن سے یہ بات بتا دی جائے۔

میاں بچپن میں نے تم کو بہت دفعہ سمجھایا ہے اور اب میں پھر تم کو بتلاتا ہوں کہ بھوت پریت یا آسیب کوئی چیز نہیں۔ گھر، لباس، جسم اور گھر کی چیزیں صاف نہ رکھنے کی وجہ سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، اور بجائے اسکے کہ گھر لباس اور جسم وغیرہ کو صاف رکھا جائے اور بیماری کا کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر سے علاج کرایا جائے، جاہل اور اَن پڑھ عورتیں سمجھ لیتی ہیں کہ کسی مُلّا یا کسی سیانے کو بلا لیتی ہیں۔ مُلّا اور سیانوں کو کسی اور تعویذ پر تو ضرورت پڑتی نہیں اسلئے یہی اُن کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ اور ایسی ایسی باتیں بناتے ہیں کہ آسیب کا یقین ہو جاتا ہے اور بیمار مرض سے خواہ کسی طرح شفا پائے کچھ نہ کچھ رقم مُلّا جی کی بھینٹ ہو جاتی ہے۔

حال ہی میں میرے ایک دوست نے ایک نہایت عجیب قصہ مجھ سے بیان کیا، تم بھی سنو گی تو ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ گی۔ کچھ بھوت پریت ہی کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپ نے کہا اصل میں یہ کچھ نہیں ہے، اور جاہل مُلّانے وہمی لوگوں کو بہکا کر اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا یہ بالکل ٹھیک ہے اور انھوں نے سنایا نہیں بلکہ ایک ایسا واقعہ بھی بیان کیا جو خود اُن پر گزر چکا تھا۔

انھوں نے کہا کہ میری عمر کوئی تیرہ برس کی ہوگی کہ کسی وجہ سے میں یکایک بیہوش ہو گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ پہلے ایک ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا انھوں نے لوبسن لگا رہنے کی تاکید کی اور ہوش آنے کے بعد ایک دوا دینے کی ہدایت کی۔ میری والدہ ڈرا رہی ہیں۔ پاس پڑوس کی عورتوں نے جب اُن سے کہا کہ کہیں اس پر کچھ خلل نہ ہو تو انھیں فوراً شبہ ہوا اور بہت جلد محلے کی مسجد کے ایک مُلّا جی کو بُلا لیا۔

مُلّا جی کچھ پڑھے لکھے نہ تھے، اذان اور چند سورتوں کے علاوہ انھیں اور کچھ نہ آتا تھا، مفت کا کھانا کھا کر کافی موٹے تازے ہو گئے تھے۔ انھوں نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے اور جاہل عورتوں کو تعویذ گنڈے دیکر پیسے مار کافی ... کما لیتے تھے، چہرہ سُرخ سفید تھا، اور کیوں نہ ہو جب بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے دونو وقت اچھی اچھی غذائیں ملیں گی تو آدمی کا رنگ روپ کہاں تک نکلے گا۔

قصہ مختصر یہ مُلّا جی آئے اور مجھے بغیر دیکھے فوراً رائے ظاہر کر دی کہ اسپر ضرور کوئی آسیب ہے اور میں ابھی اسکو دور کئے دیتا ہوں۔ اب مجھے بیہوش ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور ہوش آنے ہی والا تھا کہ مُلّا جی نے ایک گھٹنا میرے سینے پر رکھ دیا اور پوچھنے لگے سچ بتلا تو کون ہے! شاید کمزوری کی وجہ سے میں کچھ دیر اور چُپ چاپ پڑا رہتا لیکن یکایک میں نے سینے پر اتنا بھاری بوجھ محسوس کیا۔ جی میں آیا الٰہی یہ کیا آفت آئی۔ اب جو آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کے مُلّا جی ایک مُلا کی طرح مجھ پر سوار ہیں، اور انھوں نے اپنی مرتبہ ایسی بنا رکھی تھی کہ

جسکو دیکھو ہر وقت حاضر ہوتے تھا۔ میں نے فوراً کہا "ہیں ہیں۔ یہ کیا کرتے ہو مجھ پر کیوں خفا ہو رہے آتے ہو؟"

بس میرا یہ کہنا تھا کہ اب وہ بڑی مدھی کی قائل ہو گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ دیکھو آخر ملا جی نے آسیب کو قابو کر ہی لیا۔ میں پرچیاں حال ان سے معلوم کیا کرتی اور وہ گھنٹہ آتے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ جب مجھ سے اس کا بوجھ سہار نہ سکا تو میں نے کہا کہ میرے سینے پر کھسا کیوں، کیا میرا سکو بنا!"

"اب ملا جی اور بھی خوش ہوئے اور پوچھنے لگے" کہ اپنا نام ٹھیک ٹھیک بتلاؤ، ورنہ ابھی جلا دوں گا۔ خاک کر دونگا، خاک کر دوں گا۔" میں نے سوچا کہ الٰہی یہ مجھے کیوں جلا رہا ہے۔ میں نے اسکی کیا خطا کی ہے۔ بہرحال اس بلا سے چھٹکارا پانے کے لئے میں نے جھٹ اپنا نام بتلایا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ نہیں تیرا یہ نام نہیں ہے تو مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک کہدے لیکن اب تو میری پریشانی اب انتہا تک بڑھ گئی تھی کہ چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جو کچھ مجھ سے کہلوایا گیا میں نے سب کچھ کہہ دیا۔ میں نے کہا کہ ہاں میں آسیب ہوں آپ نے کہا اچھا اب کبھی نہ آؤں گا میں نے سادگی سے کہا اب کبھی نہیں آؤنگا۔ کہنے لگا کہو اب اس لڑکے کو کبھی نہ ستاؤں گا۔ میں نے فوراً کہا کہ اب میں اس لڑکے کبھی نہ ستاؤں گا۔ اُسنے کہا کہو اب جاتا ہوں۔ میں نے اُسی وقت کہا اب جاتا ہوں، یہ سنکر خدا خدا کرکے اُسنے

اپنا گھٹنا میرے سینے پر سے اُٹھایا۔ اب کیا تھا ملا جی نے کہا کہ اس لڑکے پر بہت بڑا آسیب تھا، اگر مجھے نہ بلایا جاتا۔ تو بچے کی جان کا خطرہ تھا۔

والدہ یہ سنکر کہ اُسنے میری جان بچائی ہے اُس کی بہت شکرگزار ہوئیں اور فوراً ایک بکری کا کپڑا اور سوا روپیہ نقد اور کچھ مٹھائی اُن کو دی گئی، اور سارے محلے میں ملا جی کے آسیب اُتارنے کی دھاک بیٹھ گئی۔

جب والد شام کو دفتر سے آئے تو میں نے سارا حال بیان کیا۔ خدا کے فضل سے وہ ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال آدمی ہیں۔ فوراً ملا جی کی چالاکی کو سمجھ گئے اور والدہ کو سمجھایا کہ بھوت پریت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ جاہل ملا اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے عورتوں کو اُلو بناتے ہیں۔

اس واقعہ سے تمھیں آسیب کی حقیقت معلوم ہو گئی ہوگی۔ میں اس خط کو زیادہ لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ بتلائے دیتا ہوں کہ محنت سے کام لو۔ مکان کو صاف ستھرا رکھو۔ اپنے تمام کاموں کو ٹھیک طرح انجام دیتی رہو۔ میاں نسیم ویسے ہی دفتر کے کاموں سے تھک جاتے ہیں تمھارا خوف اُن کی طبیعت کو اور زیادہ پریشان کرے گا۔

اُمید ہے کہ تم اس قسم کے وہموں کو اپنے دل سے نکال دوگی اور آئندہ اس قسم کی شکایت سُننے کا مجھے موقع نہ ملے گا۔ تمھاری والدہ تم کو دعا کہتی ہیں:۔

خیر طلب "

بی ہمسائی

حمیدہ :۔ آپا کیا کچھ خفا ہو گئی ہو کہ اب کھڑکی میں کھڑا ہونا تک چھوڑ دیا؟

فہمیدہ :۔ نہیں بہن خفا میں کیوں ہونے لگی تھی۔ اصل میں ان مردوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ذرا دیر کو ہم کھڑکی میں کھڑے ہو کے بات چیت کر لیتے ہیں تو وہ بھی ناگوار ہے۔ کسی نے "مکالی" کے ایڈیٹر صاحب سے جا کے لگا دی اور انھوں نے اپنے پرچہ میں لکھ مارا۔

حمیدہ :۔ اے ہے! کیا لکھ مارا؟

فہمیدہ :۔ یہی کہ عورتیں دن بھر کھڑکی میں باتیں کرتی رہتی ہیں اور فضول اپنا وقت ضائع کیا کرتی ہیں

حمیدہ :۔ آپا میں سچ کہتی ہوں کہ ان مردوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا مگر ہماری آنکھ کا تنکا خوب دیکھ لیتے ہیں۔ بھلا غضب خدا کا! اپنے آپ چار چار چھ چھ گھنٹے تاش کھیلیں ٹینس کھیلیں باغوں میں سیر کرتے پھریں، تماشوں میں جائیں، تو انہیں تو وقت ضائع نہیں ہوتا اور ہم اگر ذرا دیر کو کھڑے ہو کے آپس میں دو باتیں کر لیں تو وہ اخباروں میں چھاپ دی جاتی ہیں

فہمیدہ :۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم جو کھیلتے کودتے ہیں یا سیر کرتے پھرتے ہیں تو اسے وقت کا ضائع ہونا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس سے ہماری تندرستی کو نفع پہونچتا ہے۔ دن بھر دفتر کے کمروں میں گھٹے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں، پھیپھڑوں کو صاف ہوا نہیں ملتی، خون اچھی طرح صاف نہیں ہونے پاتا، اور دماغی کام کرتے رہنے کی وجہ سے معدہ اور آنتوں کا فعل درست نہیں رہتا، اس لئے جب ہم کھلی ہوا میں دوڑتے بھاگتے یا چلتے پھرتے ہیں تو ایک طرف تو صاف اور تازہ ہوا کثرت سے پھیپھڑوں میں جاتی اور خون کو صاف کرتی ہے اور دوسری طرف ہاتھ پاؤں کی حرکت کی وجہ سے معدہ اور آنتیں بھی اپنا کام کرنے لگتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم روزانہ تھوڑی دیر کے لئے ورزش اور تفریح نہ کریں تو بیمار پڑ جائینگے۔

حمیدہ :۔ بیمار پڑ جانے کی دھمکی انھیں خوب دینی آتی ہے، جانتے ہیں کہ کمانے والے تو ہمیں ہیں اگر ہمنے اپنی بیماری کا نام لیا تو عورتیں ڈر جائیں گی کہ یہ بیمار پڑ گئے تو پھر خدا جانے کیا ہو، اور جو کچھ ہم کہیں گے اسے مان لیں گی، کیوں آپا! میں پوچھتی ہوں کہ ہم کمبختوں کے بدن میں کیا پھیپھڑے اور خون ہوتا ہی نہیں ہے کہ جسے صاف اور کھلی ہوئی ہوا کی ضرورت ہو؟ وہ تو دفتر کے کمرہ میں بہت سے بہت چھ گھنٹے ہی بیٹھتے ہیں، اور وہ کمرے بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سب طرف سے ہوا آتی ہے، ہمیں تو دن رات کے چوبیسوں گھنٹے انہی بند مکانوں میں گذارنے پڑتے ہیں اور پانچ پانچ اور دس دس برس تک بھی کبھی صاف ہوا میں ایک سانس لینے کا موقع نہیں ملتا پھر ہمارے خون کی کیا حالت ہوگی؟

نفیسہ :- اس کا تو نتیجہ ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس برس کی لڑکیاں بھی اچھی خاصی بوڑھیاں معلوم ہوتی ہیں۔ کسی ایک کے چہرہ پر بھی دو بوند بھی خون کی نظر نہیں آتی، جسے دیکھو ہلدی کی طرح پیلی پڑی جاتی ہے، ہاتھ پاؤں دیکھو تو وہ سوکھے اور ڈھیلے، بدن دیکھو تو اس پر کہیں گوشت کا نام نہیں، ہنستی بھی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیمار زبردستی مسکرا رہا ہے، نہ دل میں کوئی امنگ باقی رہتی ہے نہ طبیعت میں جوش اور ولولہ۔ خدا کے پیدا کئے ہوئے جیسے اور لاکھوں کیڑے مکوڑے ہیں ویسے ہی ہم بھی ہیں۔ قدرت ہمیں پیدا کر دیتی ہے دنیا میں آجاتے ہیں، جب تک شادی نہیں ہوتی باپ اور بھائیوں کی خدمت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں، اور جب شادی ہو جاتی ہے تو جس کے پلے بندھ گئی اس کی خدمت کے بدلے میں دو روٹیاں اور تن ڈھکنے کو کپڑا میسر آجاتا ہے۔ دس بیس پچاس برس جب تک بدن میں جان باقی ہے اور سانس لئے جاتا ہے اسی طرح بسر کر کے کتے بلیوں کی طرح مرجاتے ہیں اور اپنی یادگار اگر دنیا میں کچھ چھوڑتے بھی ہیں تو دو چار کمزور اور مریض بچے جن کا پلنا اور بڑھنا ان کے حق اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ خدا کا مقصد ہمارے پیدا کرنے سے جو کچھ بھی ہو مگر بہن اب تو دنیا میں ہماری زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ پیٹ کی خاطر دوسروں کی خدمت کرنا بھی کوئی مقصد ہو سکتا ہے، اور اگر ہو سکتا ہے تو ایک گدھے میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی بیچارہ گھاس کی خاطر دن بھر اینٹیں اور مٹی اپنی پیٹھ پر لادے لادے پھرتا ہے، اور ہم بھی دو روٹیوں کے لئے دن بھر روٹی پکاتے، برتن مانجھتے اور جھاڑو بہارو کرتے رہتے ہیں۔

حمیدہ :- بہن تم بالکل سچ کہتی ہو۔ ان مردوں نے ہم پر بڑے بڑے ظلم کئے ہیں اور ہمیں کسی دین کا نہیں رکھا ہے

نفیسہ :- یہ تمھارا خیال غلط ہے۔ مردوں کا بھی اس میں قصور ہے ضرور لیکن اتنا زیادہ نہیں ہے کہ سارا الزام انہی کے سر تھوپ دو۔ اصل یہ ہے کہ اس میں بہت زیادہ خطا ہماری اپنی ہے۔

حمیدہ :- بہن واہ خوب! کہو ہماری اس میں کیا خطا ہے؟ جیسے ہاتھ پاؤں توڑ کے ہمیں ڈال دیا جاتا ہے ہم پڑے رہتے ہیں۔ بھلا کوئی اپنی خوشی سے اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے؟

نفیسہ :- مردوں نے ہمارے ہاتھ پاؤں توڑ کے ضرور ہمیں ڈال دیا ہے لیکن ہمارے دماغ تو ہم سے نہیں چھین لئے ہیں؟ اگر ہم میں عقل اور سلیقہ ہو تو کوئی برے سے برا مرد بھی ہمیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ مرد ظالم بھی ہوتے ہیں، غصہ ناک بھی ہوتے ہیں، ہٹ دھرم اور ضدی بھی ہوتے ہیں، مگر بہن تم بھی خوب جانتی ہو کہ جس طرح ہم انھیں نچائیں اسی طرح ناچنے پر وہ مجبور بھی ہوتے ہیں۔ مست ہاتھیوں اور شیروں کو خاطر میں نہ لانے والے، اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر رستے بنانے والے مرد اگر دنیا میں کسی چیز سے دبتے اور ڈرتے ہیں تو وہ یہی کمزور، ناطاقت، نازک عورت ہے بشرطیکہ وہ عورت ہو۔ مصیبت تو یہ ہے کہ بہن آج ہم عورتیں ہی عورت نہیں رہی ہیں۔ ہم میں آج وہ خوبیاں ہی کہاں ہیں جو ایک مرد کو ہمارا غلام بنا دیا کرتی تھیں، وہ سچی محبت، وہ اپنا سب کچھ مرد کے لئے قربان کر ڈالنے کا جذبہ، گھر کے کام کاج سے وہ صحیح واقفیت، اولاد کو تربیت دیکر انسان بنانے کا وہ گر، گھروں کو بہشت بنا دینے کا وہ سلیقہ اور اپنی ایک مسکراہٹ سے مرد کا تمام غم اور غصہ دور کر دینے کا وہ ... افسوس اب ہمارے پاس کہاں ہے؟ ہماری تو اپنی حالت آج یہ ہے کہ نہ گھر بار سے مطلب ہے نہ اولاد سے، نہ خاوند کی پروا ہے نہ ساس سسرے کی، اور خواہش یہ ہے کہ سارا گھر ہمارا غلام بن جائے۔ اب ہمیں نہ سلیقہ پر، اپنی ہنرمندی پر اپنی نیک اور اچھی عادت پر ناز نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی صورت پر، اپنے انگریزی وضع کے کپڑوں پر، اپنے ترشے ہوئے بالوں پر، اور اپنے بوٹ کی اونچی اونچی ایڑیوں پر ناز ہوتا ہے۔ بیشک مرد کے رجھانے کے لئے ان چیزوں کی بھی ضرورت ہے، اور اچھی صورت اور اچھا لباس بھی بڑی نعمتیں ہیں، لیکن ان کا اثر مرد کے دل پر جتنی جلدی سے ہوتا ہے ویسی ہی جلدی سے جاتا بھی رہتا ہے۔ جو چیز اسے ہر وقت غلام بنائے رکھ سکتی ہے اور جس جال کے اثر سے وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتا وہ ہماری عادت اور خصائل کی خوبیاں ہیں۔ بے شک مرد ہماری طرف توجہ نہیں کرتے اور ہماری ترقی کی انھیں کوئی پروا نہیں ہے، مگر میری بہن تم یہ بھی تو دیکھو کہ انھیں خود اپنی ہی کونسی پروا ہے۔ انصاف سے دیکھو اور پھر مجھے بتاؤ کہ انھوں نے خود ہی کونسی ترقی کر لی ہے۔ جس غار میں ہم پڑے ہوئے ہیں اسی میں وہ بھی پڑے لوٹ رہے ہیں، ہمارا دن رات ان کی غلامی کرتے گذرتا ہے، اور وہ دوسروں کی غلامی کر کے اپنے اور ہمارے دونوں کے پیٹ میں ٹکڑا ڈالا کرتے ہیں۔ میں مانتی ہوں کہ مردوں کی نگاہ میں آج ہماری کوئی عزت نہیں ہے مگر میری بہن! آخر پلتے تو یہ سارے مرد ہماری ہی گودوں میں ہیں پھر اگر ان کے دل میں ہم عورت کی عزت نہیں پیدا کر سکے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ میں نے ان باتوں پر بہت غور کیا ہے اور مدتوں تک سوچتے رہنے کے بعد میری سمجھ میں تو یہ بات آئی ہے کہ یہ وقت شکوہ اور شکایت کا نہیں ہے، نہ الگ الگ اپنے اپنے حق مانگنے کا۔ ہم اور ہمارے مرد، دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، ایک مرد اور ایک عورت سے مل کر ایک مکمل انسان بنتا ہے، اور جب ہم اور وہ دو دو نہیں ہیں تو پھر حق اور حقوق کیسے؟ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ہم وہ ہنر سیکھیں کہ جس سے ہم اس سے بہتر مرد پیدا کر سکیں۔ پہلے ہم اچھے مرد پیدا کر کے مردوں کو ترقی دینگے، تب وہ اس قابل ہونگے کہ عورت کا مرتبہ پہچانیں اور اس کی خدمت کے لئے آمادہ ہوں۔

حمیدہ :- لے ہے آپا خوشبو آ رہی ہے، میں جانوں نگوڑی ہانڈی جل گئی ۔ ۔ ۔

(سعیدہ احمد)

امتحان کی تیاری

کس قدر مسرت ہوتی ہے جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ہماری پیاری بچّی اپنے سالانہ امتحان میں پاس ہوگئی اور اچھے نمبروں سے پاس ہوئی، اور مائیں یہ دیکھ کر کہ ان کی ذرا ذرا سی لڑکیاں اب اچھی خاصی روانی کے ساتھ ہارمونیم کے پردوں پر انگلیاں چلانے اور اسکے سُروں کے ساتھ آواز ملانے لگی ہیں انتہائی فخر و غرور کے ساتھ خاوندوں کی طرف دیکھتی ہیں۔ لڑکیاں خود بھی اپنی کامیابی پر خوشی سے پھولی نہیں سماتیں کبھی ماں سے انعام مانگتی ہیں اور کبھی نئی ساری کی فرمائش کرنے کے لئے باپ کی گود میں چڑھ جاتی ہیں۔ غرضکہ لڑکیوں کے امتحان کا نتیجہ معلوم ہوتے ہی سارے گھر میں چہل پہل سی ہوجاتی ہے۔

ماؤں کا فخر و ناز بالکل بجا، اور باپ کی مسرت و شادمانی بالکل جائز لیکن ماں باپوں میں سے کوئی کبھی یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے کہ بچّی نے کیا پڑھا تھا، امتحان میں اس سے کیا کیا پوچھا گیا، اور اسنے کیا جواب دئے؟ اگر یہ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کیجائے تو لڑکی یہ کہے گی کہ وہ اُردو کی چوتھی یا پانچویں کتاب پڑھتی ہے، انگریزی کی پہلی یا دوسری کتاب پڑھتی ہے، اُردو کی قواعد اور انگریزی کی گرامر پڑھتی ہے جغرافیہ پڑھتی ہے، حساب سیکھتی ہے تصویر کشی سیکھتی ہے، اور اگر کسی اونچے درجے میں ہوئی تو اقلیدس مساحت اور جبر مقابلہ بھی پڑھتی اور سیکھتی ہے۔ امتحان کے سوالات میں وہ بتائے گی کہ یہ پوچھا گیا تھا کہ پنجاب اور بلوچستان میں بارش کیوں کم ہوتی ہے، یہ پوچھا گیا تھا کہ ایک کتّا ہرن کے پیچھے دوڑا، ہرن کتّے سے بیس گز آگے تھا، ہرن کی رفتار فی گھنٹہ تیس میل اور کتّے کی فی گھنٹہ بتیس میل ہے تو بتاؤ کہ کتا ہرن کو کتنے فاصلہ پر پہونچکر پکڑے گا، یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ اُردو میں صیغہ جمع مونث حاضر بحث اثبات فعل ماضی معروف کیسے بنتا ہے، ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر کسی مکان کی دیوار سطح زمین سے بیالیس فیٹ بلند ہے، اور تم دیوار سے تیس فیٹ کے فاصلہ پر کھڑے ہوکر اسپر چڑھنے کے لئے سیڑھی لگانی چاہتی ہو تو تمھیں کتنی اونچی سیڑھی کی ضرورت ہوگی، اور یہ بھی دریافت کیا گیا تھا کہ مندرجہ ذیل اشخاص کے متعلق تم کیا جانتی ہو:- نپولین بوناپارٹ، نیلسن، گلیڈاسٹون، اور نگ زیب اور سیواجی، ان سوالوں کے جواب بچّی نے ٹھیک ہی دئے ہونگے ورنہ وہ پاس کیسے ہوتی لیکن اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ معلومات کے اس گراں قدر ذخیرہ سے ہماری بچّیاں آخر فائدہ کیا اُٹھاتی ہیں، اور کیا اُٹھا سکتی ہیں، حساب جغرافیہ، تاریخ اور قواعد اپنی اپنی جگہ پر سب نہایت ہی مفید اور کارآمد علوم ہیں، لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک علم بھی ہماری لڑکیوں کو اس زندگی کے لئے کسی حد تک تیار کر دیتا ہے جو انھیں آگے چلکر گذارنی ہے؟

ہماری لڑکیوں کو عام طور پر نہ انجینئر بننا ہوتا ہے نہ ڈاکٹر، نہ انھیں بنک کی منیجری کی تمنا ہوتی ہے اور نہ عدالتوں کی محرری کی اس لئے ایسے علم سے وہ بڑے سے بڑا فائدہ، اور وہ بھی اس صورت میں کہ شادی بیاہ اور اولاد ہو چکنے کے بعد بھی پچھلا پڑھا ہوا کچھ یاد رہجائے، یہ اُٹھا سکتی ہیں کہ رات کو جب ننھا سوال نکالنے یا اسکول میں پڑھا ہوا کوئی سبق یاد کرنے بیٹھا، اور اسکی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی تو "تعلیم یافتہ" اماں جان نے بڑے غور و خوض کے بعد کچھ اُلٹا سیدھا مطلب سمجھایا، درسگاہ کے امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد ہماری بچیوں کو ایک اور امتحان دینا پڑتا ہے اور وہاں اس سے نہ کوئی مقسوم علیہ اعظم پوچھتا ہے نہ جمع مذکر غائب، وہاں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ ننھے کے کرتے میں کتنا کپڑہ لگے گا، اور ننھے کے اّبا کے پاجامے میں کتنا؟ وہاں تو یہ بتانا پڑتا ہے کہ اگر میاں کی آمدنی چالیس روپئے مہینے کی ہے اور گھر میں ماشاءاللہ پانچ آدمی کھانے والے ہیں، آئے گئے کی خاطر مدارات بھی کرنی پڑتی ہے، ننھے کے لئے دوائیاں بھی آیا کرتی ہیں، اور اماں جان دونوں وقت دلئے اور حلوے کے سوا اور کچھ کھا ہی نہیں سکتیں تو کس طرح انتظام کروگی؟ کبھی کبھی وہاں یہ سوال بھی درپیش ہوجاتا ہے کہ رات کے گیارہ بجے ہیں، بازار بند ہوچکے، اور پورے پانچ عدد مہمان یکایک بلا اطلاع آدھمکے۔ انھیں کیا کھلاؤگی اور کہاں سلاؤگی؟ یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر یا حکیم کی فیس ادا کرنے کی مقدرت نہیں ہے، رات کا وقت ہے، بچہ کسی تکلیف کی وجہ سے بیتاب ہے اور چیخ رہا ہے ایسی صورت میں تم کیا کروگی، وہاں کر غائب اور مونث حاضر کے صیغے کوئی نہیں پوچھتا، وہاں تو سچ مچ کے مذکر اور مونث حاضر کردئیے جاتے ہیں کہ لو انھیں بہتر سے بہتر انسان بناؤ اگر بنا سکتی ہو۔ وہاں تحریری اور تقریری امتحان نہیں ہوتے، وہاں تو ہر ایک جواب عملی دینا پڑتا ہے اور ان تمام امتحانوں میں سب سے زیادہ مشکل پرچہ یہ ہوتا ہے کہ ایک اپنے سے عمر میں بڑا، قد و قامت میں بڑا، زور و طاقت میں بڑا، دوسرے کی گود کا پلا ہوا انسان دیدیا جاتا ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ امتحان دینے والی لڑکی میری لونڈی اور میری خادمہ ہے، اور اب غریب لڑکی سے کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ہنر یاد ہے تو اسے اپنا غلام بنا کر دکھاؤ۔

کیا تمام ملک میں آج ایک بھی اسکول ایسا موجود ہے جو ہماری لڑکیوں کو ان امتحانات کے لئے تیار کرتا ہو؟ کیا کسی درسگاہ میں کوئی نصاب تعلیم ایسا موجود ہے جو لڑکیوں کو کھانا پکانا کپڑے سینا، گھر کو گھر بنانا، آمدنی کو دیکھ کر خرچ کرنا، بچّوں کی اور اپنی صحت کو درست رکھنا اور بچّوں کو "انسان کے بچے" اور خاوند کو اپنا زرخرید غلام بنانا سکھاتا ہو؟

لیکن یہ سوال ہم کس سے کررہے ہیں؟ اپنے مسلمان بھائیوں سے جن کے ہاں خیر سے لڑکیوں کا کوئی اسکول ہی نہیں ہے، اور جن کی بچیاں عیسائیوں کے مشن اسکولوں میں تعلیم پانے پر مجبور ہیں!!...............

(سعید احمد)

حفظانِ صحت و علاجِ امراض

ہماری غذائیں

غذاؤں کے اثرات کے متعلق ہمارے ملک میں عجیب غریب خیالات موجود ہیں، اور یہ واقعہ ہے کہ اگر کسی طرح ان تمام روایات کو جمع کیا جاسکے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب بنجائے گی، بہت سی صورتوں میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ پھلوں اور ترکاریوں وغیرہ کی ظاہری صورت کی مناسبت اور رنگت سے انکے اثرات بھی مرتب کرلئے گئے ہیں شلاً ایسے تمام پھل اور ترکاریاں اپنے اثر کے لحاظ سے سرد خیال کی جاتی ہیں کہ جن میں رس یا پانی کی مقدار بہ کثرت موجود ہو، اور اگر رس ہو تو وہ پانی کی طرح پتلا ہو گاڑھا نہ ہو۔ نارنگی، سنگترہ، انار، سیب، تربوز، ککڑی، کھیرا، گنا، کدو، وغیرہ سب ٹھنڈی چیزیں ہیں اس لئے نہیں کہ کسی نے فی الحقیقت انکے اثرات مشاہدہ کرنے کی تکلیف گوارا کی بلکہ صرف اس لئے کہ ہماری نگاہیں ان کی طراوت محسوس کرتی ہیں، اور ہمارے لئے کوئی کلیہ یا کوئی نظریہ قائم کرلینے کے لئے بس اتنا ہی کافی بھی ہے۔ ایسی چیزوں کو بھی اکثر ٹھنڈا کہا جاتا ہے کہ جن سے قلب کو کسی قدر فرحت پہونچے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ ایک گرم ملک کے باشندہ کے دلکو جس چیز سے فرحت ہوگی وہ ضرور ہی ٹھنڈی ہونی چاہئے، برف اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ اگرچہ فی الحقیقت صرف جما ہوا پانی ہی ہوتی ہے لیکن اسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا اثر گرم ہے۔

تقریباً تمام ایسے پھل جن کا رس یا گودا خوب گاڑھا یا جما ہوا ہو، اور تمام خشک میوے گرم خیال کئے جاتے ہیں۔ خوشبودار مصالحے جنھیں منہ میں رکھنے سے کسی قدر گرمی اور جلن محسوس ہوتی ہے گرم خیال کئے جاتے ہیں، لیکن ان میں بھی سرخ الائچی اور سیاہ مرچ مستثنیات میں سے ہیں، شاید اس لئے کہ الائچی اور مرچ دونوں کی دو دو قسمیں موجود ہیں اور عدل یا توازن کا مقتضا یہی تھا کہ ایک قسم کو گرم کہا جائے اور ایک کو سرد۔ دودھ بہت سرد غذا ہے اور انڈا بیحد گرم حالانکہ جہاں تک حرارت پیدا کرنے کا تعلق ہے دودھ انڈے سے کچھ یونہی برائے نام سا کم ہے۔ دودھ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ بلغم پیدا کرتا ہے اور یہ خیال شاید اس بنا پر قائم ہوا ہے کہ دودھ بالائی کی صورت میں تبدیل ہوجایا کرتا ہے اور بالائی کی صورت اگر جسم کی رطوبتوں میں کسی سے مشابہت رکھتی ہے تو وہ بلغم ہی ہے۔

بیر اور نارنگیاں چونکہ جاڑوں ہی کے موسم میں ہوتی ہیں اور بچوں کو کھانسی زکام بھی عام طور پر اسی موسم میں بہت ہوتا ہے اس لئے ارسطو فطرت ماؤں نے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ ان دونوں چیزوں کے کھانے سے کھانسی پیدا ہوجاتی ہے اور بہت سے خاندانوں کے بچے زندگی ان نعمتوں سے اپنی کم عمری کے زمانے میں محروم رہتے ہیں۔

کوئی میٹھی چیز عموماً، اور ایسی مٹھائیاں جن میں گھی پڑا ہو خصوصاً کھانسی کا باعث خیال کیجاتی ہیں اگر انھیں کھانے کے بعد پانی پی لیا جائے، لیکن ان کا یہ مضر صحت اثر اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ مٹھائی کے بعد روکھی روٹی کا صرف ایک نوالہ کھالیا جائے۔ اب خواہ مشکوں پانی پی لیا جائے پھر بھی کچھ خرابی واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ شاید روٹی کا ایک ذرا سا ٹکڑا مانع آب کپڑے کی طرح، مٹھائی پر ڈھک جاتا ہے اور پانی کو مٹھائی کے ساتھ ملنے سے باز رکھتا ہے۔

غلوں میں چاول ٹھنڈے سمجھے جاتے ہیں اور ان کی صورت ہی بتاتی ہے کہ انھیں ٹھنڈا ہونا چاہئے۔ بہت سے لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ اگر وہ چاولوں کو صرف ہاتھ لگادیں تو انھیں نزلہ ہوجائے گا۔ دودھ یا گنے کے رس کے ساتھ بلکہ یہ اور بھی سمِ قاتل ہوجاتے ہیں اور انھیں کھانا کسی بھلے مانس کا کام نہیں ہے۔

بہت سی چیزوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اگر وہ تنہا کھائی جائیں تو کوئی خرابی نہیں ہے لیکن بعض دوسری غذاؤں کے ساتھ ملکر وہ زہر بنجاتی ہیں اور ان کا استعمال کسی طرح جائز نہیں ہے جلیبیاں تنہا چاہے جتنی کھائیے کچھ حرج نہیں ہے لیکن اگر کہیں کسی غلطی کی وجہ سے انکے ساتھ ذرا سا بھی دہی شامل ہوگیا تو اب وہ ایسا زہر بنجاتی ہیں کہ جس کا کوئی فادزہر ہی نہیں ہے۔ مچھلی اور دودھ کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کی روایتیں ہیں، اور انھیں کسی حد تک مذہبی اہمیت بھی دیدی گئی ہے۔

غذاؤں کے مخصوص اثرات سے ہمیں انکار نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہر انسان کے لئے صرف چند غذائیں مفید اور بیشتر مضر ہیں تو انسان کھائے کیا؟ اور ہر عامی وجاہل یہ کیسے معلوم کرے کہ اسکے لئے کونسی چیز اچھی ہے اور کونسی بری؟ معدنیات اور نباتات میں ایسے ایسے قاتل زہر پیدا کردینے کے بعد جب قدرت نے ہماری غذاؤں میں بھی اتنے بہت سے زہر پیدا کردئے ہیں تو کیا قدرت کا منشا ہمیں پالنا نہیں بلکہ ہمیں ہلاک کرنا تھا؟ عمدہ سے عمدہ پھل نفیس سے نفیس میوے، لذیذ سے لذیذ ترکاریاں، دودھ، انڈا، گوشت، گھی، تیل، غرضکہ ہر چیز میں جب ایک مضرت پنہاں ہے تو یہ غریب ضعیف البنیان انسان آخر کہاں جا کر رہے، اور اپنے پیٹ میں کیا ڈالے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام باتیں لغویت اور حماقت سے زیادہ کوئی درجہ نہیں رکھتیں، خدانے جتنی

بنکر نقصان اُٹھاتے رہنا نہ قربانی ہے نہ ایثار۔ کوئی شخص اگر تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہو تو خواہ اس سے ہماری کسی قسم کی شناسائی تک نہ ہو ہمیں یہی چاہئے کہ اس کی تکلیف رفع کرنے میں مدد کریں، اور یہی مدد اگر اپنا نقصان کرکے یا اپنے آپ کو خطرات میں ڈالکر کی جائے تو وہ ایثار نفس کی ایک نہایت صحیح مثال ہوگی، لیکن آج مروت جس چیز کا نام ہے اور جس کی تعریف بھی کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ رات کے گیارہ بجے چار یا چھ یا دس شخص بلا پہلے سے اطلاع دیئے ہوئے باہر سے ہمارے گھر آموجود ہوئے اور اگرچہ وہ کسی سرائے یا ہوٹل میں قیام کرسکتے تھے لیکن اپنے تھوڑے سے پیسے بچانے کے لئے ہمیں اس زحمت میں مبتلا کردیا کہ ایسے ناوقت ان کے کھانے پینے کا اور انکے رہنے کا بندوبست کریں۔ مروت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ہمارے کسی دوست کا بھائی یا لڑکا کسی جرم میں ماخوذ ہوگیا ہے تو اب ہم سے درخواست ہوتی ہے کہ ہم عدالت میں جاکر اور حلف اُٹھاکر یہ جھوٹی گواہی دیں کہ وہ وقوع جرم کے وقت ہمارے گھر تھا۔ اگر شہر کے کلکٹر یا کمشنر سے ہماری ملاقات ہے اور ہم اپنے ہر ملاقاتی کے لڑکے کو "صاحب" کے پاس لیجاکر ملازمت کے لئے سفارش کردیا کریں تو ہمارا یہ فعل بھی مروت میں داخل ہوگا، اور اگر ہمیں تامل ہو تو ہم یقیناً بے مروت ہیں۔ قرض دیکر طلب نہ کرنا بھی مروت کی ایک علامت ہے، اور اگر کبھی اتفاق سے ہم مانگ بیٹھیں تو گناہ گار ہیں۔

مختصر یہ کہ بلا وجہ بے وقوف بنکر اپنا نقصان کرتے رہنا، اور بالکل بے ضرورت ہر وقت اپنے احباب کی خدمت کے لئے کمربستہ ہونا مروت کی علامات ہیں اور وہ احباب جو اس طرح ہماری حماقت سے فائدہ اُٹھائیں اور مزے اُڑائیں ان پر کسی قسم کا کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ کیا ایسی مروت کو خوش اخلاقی سے تعبیر کیاجاسکتا ہے، اور کیا یہ عادت اس قابل ہے کہ اسے ہم جاری رکھیں؟

(سعید احمد)

تصانیف ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی ایڈیٹر رسالہ کامیابی

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد میاں بیوی کی زندگی کو ہر لحاظ سے خوشگوار اور مطمئن بنانے کے لئے یہ بہترین کتابیں ہیں جن کو پڑھ کر ہر خاوند اچھا خاوند اور ہر بیوی اچھی بیوی بن سکتی ہے۔ قیمت دونوں کتابوں کی علاوہ محصول صرف آٹھ آنے ہے (۸؍)

عورت کے سو کام عورت کی مصیبت کے وقت دستگیری کرنے اور انکو محتاجی اور گداگری کی ذلت سے بچانے کے لئے بہترین کتاب ہے قیمت علاوہ محصول چار آنے (۴؍)

اسلام اور عورت اسلام نے عورت کا کیا درجہ رکھا ہے اور مرد پر عورت کے کیا حقوق ہیں عورت کے متعلق اتنی دینی معلومات اور کسی کتاب میں نہیں ہیں، قیمت دس آنے (۱۰؍)

اسلام اور عبادات نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ کے اصلی مقاصد اور اس کا ثبوت کہ عبادت الٰہی کے ان سے بہتر طریقے نہیں ہوسکتے، قیمت آٹھ آنے (۸؍) علاوہ محصول

اسلام اور مذہب:- انسانی تمدن و معاشرت کے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات کا بیان جس کے پڑھنے سے اسلام کی عظمت دلنشیں ہوتی ہے۔ قیمت علاوہ محصول ایکروپیہ چار آنے (عہ؍)

حمل سے وضع حمل تک کا زمانہ عورت کے لئے نہایت نازک اور احتیاط کا زمانہ ہوتا ہے اس مفید کتاب میں اُن تمام طبی ہدایات کو جمع کردیا ہے جن کے پیش نظر رکھنے سے عورتیں اس نازک زمانہ کے تمام خطرات سے محفوظ رہ سکتی ہیں قیمت آٹھ آنے، علاوہ محصول،

پیدائش سے چار برس کی عمر تک چھوٹے بچوں کی پرورش اور غذا و علاج وغیرہ کے متعلق جن باتوں کا جاننا ماؤں کے لئے ضروری ہے وہ اس کتاب میں درج ہیں، قیمت آٹھ آنے (۸؍) علاوہ محصول۔

پانچ سال کی عمر سے جوانی تک، اس زمانہ کے لئے جن طبعی تعلیمی اور اخلاقی ہدایات کی ضرورت ہے وہ سب اس کتاب میں ملے گی قیمت آٹھ آنے (۸؍) علاوہ محصول،

دورِ جوانی:- نوجوانوں کو جوانی کے خطرات سے آگاہ کرنے والی مفید کتاب قیمت ۸؍ علاوہ محصول،

دو تاریخی کتابیں

خان جہان لودی۔ خان جہاں لودی عہد جہانگیری میں ایک بہت بڑا سردار تھا جس کا شمار ہندوستان کے مشہور سپہ سالاروں اور دنیا کے مشہور بہادروں میں ہوتا ہے۔ عہد شاہجہانی میں یہ بہادر سردار بڑی بیدردی سے قتل کیا گیا۔ اُس کی زندگی نہایت عبرت آموز اور بصیرت افروز ہے مشہور اسلامی مورخ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے اُسکے سوانح حیات بہت کوشش سے فراہم کرکے سلیس اردو اور دلچسپ پیرایہ میں تحریر کئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جھوٹے قصوں اور فرضی افسانوں کی بجائے اس قسم کی دلچسپ اور مفید تاریخی کتابوں کو خود بھی پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں اور اپنے قومی بہادروں کے تاریخی حالات اور کارناموں سے واقف ہونگے قیمت ۱۲؍

(ملنے کا پتہ، منیجر تجارتی کتبخانہ حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی)

خواص خاں ولی:- یہ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی بالکل نئی تاریخی تصنیف ہے جس میں ہندوستان کے مشہور شہنشاہ شیر شاہ اعظم کے نامور سپہ سالار اور ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند خواص خاں ولی کے سوانح حیات سلیس عام فہم اردو میں بہت دلچسپ طریقہ سے تحریر کئے گئے ہیں، یہ کتاب بھی تمام تاریخی دلچسپیاں رکھنے کے علاوہ نہایت سبق آموز اور بصیرت افروز ہے۔ مسلمان بچوں کو شروع ہی سے ایسی کتابیں پڑھنی چاہئیں تاکہ ان کو اپنی قومی تاریخ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو اور وہ اپنے قومی مشاہیر کے حالات معلوم کرکے اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اسی قسم کی بصیرت افروز تاریخی کتابوں سے قوم میں زندگی اور بیداری پیدا ہوسکتی ہے۔ قیمت آٹھ آنے

(ملنے کا پتہ، منیجر تجارتی کتبخانہ حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی)

ادب اور انشائے لطیف

ہمارے شاعروں کی پابندیاں

معزز معاصر "نیرنگ" پاکپتن نے جون ۱۹۲۸ء میں اپنا "تنقید نمبر" شائع کیا تھا اور اسمیں نوجوان اقبال صاحب حیدری کا ایک مضمون "اظہار واقعات" کے عنوان سے نکلا تھا، اس مضمون میں جناب اکبر نے اہل ملک کو اردو شاعری کی قیود قافیہ و ردیف کی جانب توجہ دلائی تھی، اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ پابندیاں فی الحقیقت شاعر کی جولانی طبع کی راہ میں کانٹے ہیں۔ اسی مضمون کے دوران میں کچھ ذکر دہلی اور لکھنؤ کا بھی آگیا تھا اور حضرت اکبر نے کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا کہ دہلی اور لکھنؤ اب اسکے مستحق نہیں رہے ہیں کہ انھیں زبان اردو کا مرکز تسلیم کیا جائے۔

دسمبر ۱۹۲۸ء کے "نیرنگ" ہی میں اس مضمون کا جواب بھی نظر سے گذرا جو حضرت سراج لکھنوی کے قلم سے نکلا ہے، اور ہم دلی مسرت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرنے کے لئے تیار ہیں کہ جہاں تک زبان اردو کی خدمت کا تعلق ہے دونوں مضمون بہت اچھے ہیں اور جس لب و لہجہ میں وہ لکھے گئے ہیں وہ بہت کچھ قابل تعریف ہے۔ زبان اور ادب کے متعلق اگر اسی قسم کے مضامین بکثرت نکلتے رہیں تو یقیناً اردو کو اس سے بہت کچھ فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ "کامیابی" کے محدود چند صفحات میں اتنی گنجائش تو کہاں ہے کہ ان دونوں مضمونوں کو نقل کیا جا سکے البتہ یہ ممکن ہے کہ ان مسائل کے متعلق ہم اپنے خیالات بھی "ناخواندہ مہمان" کے طور پر پیش کر دیں۔

ردیف اور قافیے کی قید

حضرت اکبر کے خیال میں اگر ردیف اور قافیہ ناخوشگوار قیود کے ہم معنی ہیں تو بالکل بجا ہے، اور جناب سراج اگر ان بیڑیوں کو زیور گل تصور فرماتے ہیں تو وہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اس سے تو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ قیود ہیں، اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قید بہرحال و بہرصورت آزادی کے مقابلہ میں ناخوشگوار اور تکلیف دہ ہی ہوتی ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ امریکہ کے اس حبشی غلام کی طرح جب اسکے مالک نے آزاد کر دیا تو اسقدر صدمہ ہوا کہ دروازہ پر بیٹھ کر گھنٹوں روتا رہا، ہم بھی ان پابندیوں سے کچھ اسقدر مانوس ہو چکے ہیں کہ اگر قافیہ نہ ہو تو شعر شعر ہی نہیں معلوم ہوتا، اور بہتر سے بہتر خیالات بھی غیر مقفیٰ نظم کی صورت میں کچھ مزہ نہیں دیتے، اسی کے ساتھ ساتھ جب ہماری نگاہ اس نئی زبان کی شاعری پر پڑتی ہے جس کے سحر سے ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان اکثر مسحور ہیں، تو وہاں یہ دیکھ کر اس قسم کی پابندیوں سے شاعر کو ایک بڑی حد تک آزاد رکھا گیا ہے، ہماری آسان پسندی اور بھی رنگ لاتی ہے، اور خواہ مخواہ بھی جی چاہنے لگتا ہے کہ ہماری زبان میں بھی اگر یہ پابندیاں نہ ہوتیں تو کیا اچھا ہوتا۔ حضرت اکبر کے اس خیال سے کہ قافیہ و ردیف شاعری کے لازمی جزو نہیں ہیں ہمیں کامل اتفاق ہے۔ عرصہ شعر کے ان شہسواروں نے بھی اکثر و بیشتر اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے جنھیں آج "سلف صالحین" کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔ علامہ شبلی مرحوم نے اپنی مستند اور مشہور کتاب "شعر العجم" میں تحریر فرمایا ہے کہ "قدما کے کلام میں بھی اسکے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہیں کہ شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہیں ہے" اس کے بعد علامہ مرحوم نے حضرت حسان بن ثابت کا یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ انکے بچے کو بھڑ نے کاٹ کھایا، وہ اس کا نام نہ جانتا تھا، باپ کے پوچھنے پر اسنے اس جانور کا ذکر ان لفظوں میں کیا کہ "ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دھاریدار چادروں میں لپٹا ہوا ہے" بھڑ کے جسم پر چونکہ دھاریاں پڑی ہوتی ہیں اس لئے اس تشبیہ کو سنکر حضرت حسان نے بڑی خوشی کے ساتھ چلا کر کہا کہ "واللہ میرا بیٹا شاعر ہو گیا"۔ ردیف و قافیہ کا تو ذکر ہی کیا، یہ فقرہ تو موزوں بھی نہ تھا لیکن عمدگی تشبیہ کی بنا پر اسے شعر تصور کر لیا گیا۔

علامہ شبلی ہی نے ابن رشیق قیروانی کا بھی ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ اسنے "عرب کی شعر و شاعری پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اسمیں شعرا اور علمائے ادب کے جو اقوال نقل کئے ہیں ان سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے"۔

علامہ شبلی نے مشہور انگریزی ادیب مل کے خیالات بھی نقل فرمائے ہیں اور ان کا ماحصل یہ ہے کہ "جو کلام اس قسم کا ہو کہ اس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہوں، اور اس کا مخاطب حاضرین نہ ہوں بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو اس کا نام شاعری ہے"۔ مل کی اس تعریف سے مولانا مطمئن نہیں ہیں اور وہ شاعری کے دائرہ کو اس قدر محدود کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ انکے اپنے خیال میں "شعر الفاظ، وزن، نغمہ، اور رقص کے مجموعہ کا نام ہے"۔ شعر کی یہ تعریف کر چکنے کے بعد علامہ مرحوم یہ بھی فرماتے ہیں کہ "ہر شعر میں ان تمام چیزوں کا پایا جانا ضروری نہیں تاہم کوئی شعر راگ سے خالی نہیں ہو سکتا"۔

شعر کے لئے الفاظ کی، وزن کی، نغمہ کی، عمدہ اور پاکیزہ خیالات کی، اور مصوری کی شرطیں عام طور پر لگائی گئی ہیں لیکن قافیہ اور ردیف کی قید کسی ادیب یا کسی شاعر نے نہیں لگائی ہے۔ اور اس سے ہم کم سے کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی نکال سکتے ہیں کہ شعر کے لئے اور بہت سی چیزیں گو

لازمی ہوں لیکن قافیہ و ردیف ہرگز لازمی نہیں ہیں۔

یہ سب کچھ سہی لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ہمارے کانوں کو اب قافیہ کے بغیر چین بھی نہیں پڑتا اور اسکی غلامی کی قید سے آزاد ہونے کے لئے ہم اپنے آپ کو کسی طرح تیار نہیں پاتے بشعر کی ایک نہایت صحیح اور تقریباً بہترین تعریف یہ کی گئی ہے کہ اسے سنکر سامع کے دل پر بھی وہی جذبات طاری ہو جائیں جو شعر کہنے والے کے دل پر طاری تھے، اگر یہ تعریف صحیح ہے تو اردو اور فارسی کی شاعری کے لئے قافیہ سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ قافیہ کے بغیر جو نظم بھی ہمیں سنائی جائے گی اسکا ہمارے دل پر اثر ہونا تو الگ رہا، ہم میں سے اکثر تو اسے سنا ہی گوارا نہ کرینگے اور بہت ممکن ہے کانوں کو بند کرلیں۔

ردیف و قافیہ شعر کے لئے بالکل غیر ضروری چیز بھی ہے، اور اردو شاعری کی جان بھی، ایسی حالت میں اگر ہم اپنے شاعر کے راستہ کے روڑے دور کرنے کے لئے اٹھیں بھی تو کیا کریں؟ ردیف و قافیہ کو ترک کر دینا یقیناً موجودہ حالات میں ترقی نہیں بلکہ تنزل کا ہم معنی ہوگا لیکن کیا اگر قافیہ کے متعلق بعض آسانیاں ہم پہونچا دی جائیں تو وہ بھی اسی حد تک ناقابل برداشت ہوں گی؟

قافیہ درحقیقت کس چیز کا نام ہے، اور اسمیں وہ کونسی قوت پوشیدہ ہے جس نے ہمیں اس کا اسقدر گرویدہ بنا دیا ہے؟ ہمیں جس طرح یہ چیز اچھی معلوم ہوتی ہے کہ دو لفظوں یا دو فقروں کے اجزا برابر کے ہوں اور ان میں حرکات کی یکسانیت موجود ہو اسی طرح یہ بھی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دو لفظ یا دو فقرے جس آواز پر ختم ہوں وہ یکساں ہو۔ مثلاً "گوری عورت" کے مقابلہ میں ہمارے کانوں کے لئے "ٹوٹی پھوٹی" کا جملہ سنا زیادہ فرحت بخش ہوتا ہے۔ مصرعوں کے اجزا اور حرکات کا یکساں ہونا مصرعوں کا ہموزن ہونا ہے، اور مصرعوں کے خاتمہ پر جو آوازیں ہمارے منہ سے نکلیں ان کی یکسانیت مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا کہلاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم فی الحقیقت یکسانیت کے شیدائی ہیں خواہ وہ ایک فوج کی وردی کی صورت میں ہماری نگاہوں کے سامنے آئے، یا ہموزن اور ہم قافیہ اشعار کی شکل میں ہمارے کانوں کو مسرت پہونچائے۔ ایسی حالت میں جبکہ قافیہ سے ہمارا مقصد صرف اسقدر ہے کہ ہر مصرع یا ہر شعر کے اختتام پر ہم گانے کے سم کی طرح بار بار وہی ایک آواز سنتے رہیں تو ہمیں ہرگز ہرگز اس بات پر ضد نہ کرنی چاہئے کہ "زے" کی آواز کان میں آئی یا "ضاد" کی یا "ذال" کی یا "ظوئے" کی۔ ان چاروں حرفوں کا املا یقیناً مختلف ہے اور جس زبان کے یہ حروف ہیں اس زبان میں ان سب کا اپنا اپنا الگ تلفظ بھی موجود ہے لیکن کیا ہماری اردو کے کانوں کو بھی "ظالم، ضامن، ذاکر، اور زاہد" میں "ذ، ز، ض اور ظ" کی آواز میں کسی قسم کا کوئی فرق کبھی محسوس ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر "رزم" کا قافیہ "نظم" اور "قاضی" کا قافیہ "بازی" اور "ثبوت" کا قافیہ "مضبوط" اور "الغیاث" کا قافیہ "عیاس" نظم کرنے میں کیا نقصان اور کیا خرابی ہے؟ سامعین کے کانوں کا حظ اور لطف بدستور قائم رہتا ہے اور شاعر کو اپنا کوئی اچھوتا اور دلپسند خیال بادل ناخواستہ صرف اس لئے نہیں چھوڑنا پڑتا کہ نظم کے قافئے کہاں سے لائے۔

آج اپنے شاعر کے لئے اتنی آزادی ہم پہونچا دیں، کل کو ہماری آئندہ نسلیں اگر مناسب اور ضروری خیال کریں گی تو ردیف و قافیہ کو بالکل ہی اٹھا دیں گی یا اگر انکے کان بھی ہمارے کانوں کی قسم کے ہوئے تو اسی حال پر قائم رکھیں گی۔ قافیہ کا تعلق چونکہ صرف آواز سے ہے اور ہماری زبان میں آکر عربی حروف اپنی اصلی اور صحیح آوازوں سے محروم ہو چکے ہیں اس لئے اسمیں کچھ بھی حرج نہیں ہے کہ ہم ایسے ہم آواز حرفوں کو ہم قافیہ تصور کرلیں جن کا املا مختلف ہے۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم "نظم" کو "نزم" اور "قاضی" کو "قازی" لکھنا بھی شروع [illegible] کوئی ضرورت ہے اور نہ ایسا کرنا چاہئے۔ قافیہ کو املا سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ ہوتا ہی [illegible]

دہلی اور لکھنؤ کی مرکزیت

یہ مسئلہ بدقسمتی سے بہت پیچیدہ ہو گیا ہے، اور ان پیچیدگیوں کا تمام تر باعث یہ ہے کہ اردو کی لطافت اور شیرینی اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہی، بلکہ یہ لشکر زادی کسی ایک شہر تو کیا معنی ایک صوبہ میں بھی محدود نہ رہ سکی۔ پنجاب تو مدتوں سے اس کا شیدائی تھا ہی، اب مدراس اور بمبئی اور بہار جیسے دور افتادہ صوبے بھی اپنا نام اسکے حلقہ بگوشوں کی فہرست میں لکھانے کے لئے تیار اسکی خدمت پر کمربستہ و آمادہ نظر آرہے ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ کو اس خوش نصیبی پر جسقدر فخر بھی ہو کم ہے کہ ان کی ساختہ و پرداختہ زبان آج رنگ روپ نکالکر اس قابل ہو گئی ہے کہ سارا ملک فریفتہ ہے اور وہ دن کچھ بہت دور نہیں ہے کہ اسے ملک کی مشترکہ زبان بنجانے کا فخر حاصل ہو جائے لیکن اگر ان کا یہ خیال ہے کہ اردو کو آج سنہ ۱۹۳۲ء کی اردو انھوں نے بنایا ہے تو یقیناً غلط ہے، جہاں تک بچہ کو پالنے اور پرورش کرنے کا تعلق ہے دہلی اور لکھنؤ کے تمام حقوق ہر صاحب انصاف کو تسلیم کرنے پڑینگے، لیکن اس حقیقت سے اہل دہلی اور اہل لکھنؤ بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے کہ اس کی تربیت و تہذیب بہت کچھ ایسے ہی استادوں کے ہاتھوں ہوئی ہے جو نہ دہلی کے تھے نہ لکھنؤ کے، اور آج بھی اسکے خدام کی فوج میں زیادہ تر باہر ہی کے نوجوان بھرتی ہیں۔ "زندہ دلان" پنجاب اور دریا دلان حیدرآباد اس کی تہذیب ترقی کی خاطر اب اپنی عمر صرف کر چکے ہیں اور اگر کبھی کبھی دبی زبان سے کوئی منچلا پنجابی یا حیدرآبادی اپنے ان احسانات کی جانب اشارہ کرے تو ہمارے خیال میں دہلی اور لکھنؤ کو برا ماننے یا تیوری میں بل ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام بچے مدرسوں اور اسکولوں ہی میں تہذیب و تربیت حاصل کیا کرتے ہیں لیکن استادوں کی انتہائی شفقتوں کے باوجود ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہ رہے اور استاد کا ہو جائے۔

پنجاب اردو کو ترقی دے یا حیدرآباد، دہلی اور لکھنؤ کے اسپر جو پدرانہ یا مادرانہ حقوق ہیں وہ کسی طرح زائل نہیں ہو سکتے۔ اردو، دہلی اور لکھنؤ کی تھی، دہلی اور لکھنؤ کی ہے، اور دہلی اور لکھنؤ ہی کی رہے گی اگر ماں باپ نے اسے گھر سے نکال نہ دیا۔ لیکن کیا اہل دہلی اور اہل لکھنؤ کے لئے کسی طرح یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ جس بچہ کو اس قدر لاڈ اور پیار سے پالا تھا اسے اب لاوارث بناکر چھوڑ دیں؟ کیا یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ ہم خود تو اپنے بچہ کی ضروریات زندگی کی جانب سے بے پرواہ ہیں، اور جب کوئی دوسرا اسکے سر پر ہاتھ رکھے تو اس سے لڑنے کو آمادہ ہو جائیں؟

دہلی کی معذوریت تسلیم! لکھنؤ کی مرکزیت سر آنکھوں پر! لیکن خدا کے لئے یہ بھی تو بتائیے کہ جب

رہ جاتا ہے گان مدراس کو زبان یا محاورہ کے متعلق کوئی دقت درپیش ہو تو رجوع کس کی طرف کریں، لال قلعہ کے دروازہ پر پہرا دینے والے گوروں سے اگر استصواب کیا جائے تو وہ سنگین لیکر دوڑتا ہے اور امین آباد پارک کے مالی کو گھاس کھودنے کے سوا اور کوئی کام نہیں آتا۔ کیا دہلی اور لکھنؤ نے اپنی مرکزیت کے قیام و استحکام کی خاطر کوئی دار الادب کوئی اکادمی یا اسی قسم کا کوئی اور ادارہ قائم کر رکھا ہے؟ کیا دہلی اور لکھنؤ نے کبھی گرہان پنجاب کی ہدایت کی غرض سے کوئی لغت کوئی فرہنگ، کوئی کتاب، کوئی رسالہ یا کوئی اخبار ایسا نکالا رہتا ہو جو مشعل راہ کا کام دے؟

اگر نہیں تو پھر یہیں یہ آغاخانی مذہب قبول کرنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہز ہائینس خواہ کہیں رہیں، کچھ کریں، اور مریدوں سے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو لیکن بہرحال د بہر صورت ہر مرید مجبور ہو کہ اپنی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ اس مرکز کی جانب منتقل کرتا رہے۔

حضرت سراج ہوں یا جناب اکبر دونوں صاحبان حسن ہیں اور لغورشن ہیں کہ اُردو کو دہلی اور لکھنؤ سے جو نسبت ہے وہ تا قیام قیامت نہیں ہٹ سکتی۔ لیکن اگر دہلی اور لکھنؤ اپنی جگہ گوشہ کی جانب ایسے ہی بے پروا رہیں تو یقیناً جو انکے بیر پر ہاتھ رکھیگا وہ صرف اپنے حقوق جتاتا کا۔ اور وہ وقت آجائیگا کہ لکھنؤ اور دہلی بھی ان حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے۔

(سعید احمد)

بخیزا! بخیزا!

(جناب اختر انصاری دہلوی از نیرنگ خیال)

لیلےٰ گذر چکی ہو اے ہاتھ ملنے والے! … محمل کی گرد کو ہی اب رہنما بنالے
کر ذوقِ قیس پیدا ہو جا نثارِ محمل … خود اپنا راہبر ہو بن کر غبارِ منزل

ساحل کی قید کیسی، گرداب میں رواں ہو،
طوفاں کی موج بنجا اور شورشوں کی جاں ہو

خاموش آنسوؤں سے ہوگا نہ کچھ بھی حاصل … کنجِ نہاں میں برپا ہو کر نہ شورِ منزل
شیون کے طرز میں ہو ایجاد کی ضرورت … شورِ نشور جیسی فریاد کی ضرورت

او دردِ غم کے مارے! شکوہ طراز بن جا
ہو ہمصفیرِ بلبل، نالوں کا ساز بن جا

افکارِ رعنا

ملتے ہی آنکھ جامِ محبت پلا دیا، … یہ تم نے اک نظر میں مجھے کیا دکھا دیا
جاں کیا تھی جان ڈالدی تم نے خیال نے … دل کیا تھا آرزو نے اُسے دل بنا دیا
کس دل سے دوں دعائیں نثارِ خیال کو … دنیا کو میرے واسطے جنت بنا دیا
قدرت کی بخششوں کا بھلا کیا شمار ہو … سب کچھ دیا کر اک دلِ بے مدعا دیا
یوں رنگ لائی میری پشیمانیٔ گناہ … رکھ دی جہاں جبیں وہیں کعبہ بنا دیا

اظہارِ دردِ دل سے سوا دردِ دل رہا
رعنا غضب کیا کہ یہ پردہ اُٹھا دیا

(ملک سلطانہ رعنا از ہمایوں)

تجارتی حساب کتاب

(از شیخ احسان الحق مینجنگ ڈائرکٹر دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے کامیابی بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء)

روزنامچہ نقدی معہ خانہ رعایت (کٹوتی)

رعایت یا کٹوتی:- بڑے تجارتی کاروباروں میں دستور ہو کہ جب کسی گاہک کے ہاتھ مال اُدھار (قرض) فروخت کیا جاتا ہو تو ایک تاریخ معینہ تک مال کی قیمت نقد ادا کر دینے کی صورت میں خریدار کو کچھ **رعایت یا کٹوتی** دی جاتی ہو یعنی واجب الادا رقم میں سے بشرح فیصدی کچھ کم کر کے مطالبہ بیباق کر دیا جاتا ہو۔ اس رعایت کا مقصد یہ ہوتا ہو کہ قرضداروں سے رقم جلد از جلد وصول ہو جائے اور حصول رعایت قرضہ جات کی جلد از جلد ادائگی میں قرضداروں کے لئے باعث ترغیب ہو۔ اس رعایت کو تجارتی اصطلاح میں **رعایت نقد** کہتے ہیں۔

ایک اور رعایت بھی تجارتی دنیا میں خریداروں کے ساتھ عام طور پر کی جاتی ہو جسکو **رعایت تجارتی** کہتے ہیں، اسکی شکل یہ ہوتی ہو کہ تجارتی دفاتر سے اکثر فہرستیں شائع ہوتی ہیں جن میں اموال تجارتی کی تفصیل اور ان کی قیمتیں درج ہوتی ہیں۔ ان مقررہ یعنی مندرجہ فہرست قیمتوں میں ایسے گاہکوں کے لئے جو زیادہ رقم کا مال خریدیں فیصدی کچھ رعایت کا اعلان کر دیا جاتا ہو یا فہرست میں قیمتیں ایسی درج کی جاتی ہیں کہ ان کو محض رعایت فیصدی کی شرح کے کم و بیش کرنے سے، بازاری نرخ کے مطابق کر لیا جائے اور محض قیمتوں میں کمی یا زیادتی ہو جانے کی وجہ سے فہرستوں کو دوبارہ چھپوانے کی ضرورت نہ پڑے، مندرجہ فہرست قیمتوں میں کمی کر دینے کی اس رعایت کو **رعایت تجارتی** کہتے ہیں۔

رعایت نقد اور **رعایت تجارتی** کا مذکورہ بالا فرق بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے کیونکہ سیاہہ نویسی میں ان دونوں رعایتوں کا بالکل جداگانہ طریقہ پر علدرآمد کیا جاتا ہو۔ **رعایت تجارتی** مال تجارت کی مندرجہ فہرست قیمتوں میں سے منہا کر دیجاتی ہو یعنی قرض خریدنے والے خریدار کو خرید کردہ مال کی مندرجہ فہرست قیمتوں میں رعایت تجارتی کی رقم کو منہا کر کے قرضدار بنایا جاتا ہو اور اُن سے تجارتی کاروبار کو صرف وہی رقم وصول کرنے کا حق حاصل ہوتا ہو جو مندرجہ فہرست قیمتوں میں رعایت تجارتی منہا کر کے اُنکے ذمہ برآمد ہوتی ہو۔ برخلاف اسکے **رعایت نقد** کی صورت میں خریدار کے ذمہ پوری رقم لکھی جاتی ہو لیکن تاریخ معینہ تک ادائگی ہو جانے کی صورت میں رعایت نقد کی رقم مطالبہ میں سے کم کر کے بقیہ رقم بیباقی مطالبہ میں قبول کر لی جاتی ہو۔

مثال:- تم نے پچیس کتابیں جن کی قیمت بروئے فہرست پچاس روپئے ہوتی ہو دس فیصدی **تجارتی رعایت** کے ساتھ احمد کے ہاتھ ایک مہینہ کے وعدہ پر قرض فروخت کیں اور اندرون میعاد روپیہ وصول ہونے پر پانچ فیصدی **رعایت نقد** دینے کا وعدہ کیا۔ اس معاملہ کا علدرآمد کھاتے حسابات میں اس طرح ہوگا کہ تم اُس تاریخ کو جبکہ تم نے کتابیں احمد کے ہاتھ قرض فروخت کی ہیں احمد کو کل قیمت کتب یعنی پچاس روپئے میں سے دس فیصدی کی **رعایت تجارتی** یعنی پانچ روپئے منہا کر کے (۴۵ روپیہ) کا قرضدار بناؤ گے اور اگر احمد حسب وعدہ ایک مہینہ کے اندر تمہارا مطالبہ ادا کر دے گا تو ادائگی کے وقت بجائے ۴۵ روپیہ لینے کے تم پانچ فیصدی کی **رعایت نقد** دیکر یعنی ۲/۴/- روپیہ مطالبہ واجب میں سے کم وصول کر کے احمد کو اپنے قرضے سے سبکدوش کر دوگے۔

اس مثال میں تم کو یہ امر خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ **رعایت نقد** اُس مطالبہ پر پھیلائی گئی ہو جو بعد منہائی **رعایت تجارتی** احمد کے ذمہ واجب ہوا تھا یعنی -/۴۵ روپیہ پر نہ کہ اُس مطالبہ پر جو بروئے قیمت ہائے مندرجہ فہرست کتب برآمد ہوتا تھا۔ لہذا جب کبھی قرض خرید فروخت کا کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جسمیں **تجارتی رعایت** بھی دی گئی ہو اور **رعایت نقد** بھی تو تمھیں ہمیشہ **رعایت نقد** اُس رقم کے حساب سے نکالنی چاہئے جو بعد منہائی **رعایت تجارتی** خریدار کے ذمہ واجب ہوتی ہو۔

نقد اور تجارتی رعایتیں جس طرح دوسروں کو دی جاتی ہیں اسی طرح دوسروں سے حاصل بھی ہوتی ہیں، ایک خوردہ فروش تاجر اپنے گاہکوں کو نقد اور تجارتی رعایتیں دیتا ہو۔ اسی طرح وہ تھوک فروش تاجروں اور آڑھتیوں سے اُس مال پر جو وہ خود خریدتا ہو **تجارتی رعایتیں** اور نقد رعایتیں حاصل کرتا ہو۔ جو **رعایتیں** دوسروں کو دیجاتی یا دوسروں کے لئے کی جاتی ہیں انکو سیاہہ نویسی کی اصطلاح میں **رعایت مقبولہ** کہتے ہیں اور جو رعایتیں دوسروں سے حاصل ہوتی یعنی جو دوسرے ہمکو دیتے یا ہمارے لئے کرتے ہیں وہ **رعایت موصولہ** کہلاتی ہیں۔

جن کاروباروں میں **نقد رعایتیں** بہت کثرت سے دی لی جاتی ہیں اُنکے روزنامچہ ہائے نقدی میں نام اور جمع کی طرف **نقد رعایتوں کی یادداشت** لکھنے کے لئے ایک ایک خانہ اور بڑھانے کی ضرورت پڑتی ہو یعنی ایسے کاروباروں کے روزنامچہ ہائے نقدی میں نام اور جمع کی طرف نقد اور بنک کے دو خانہ ہائے رقم کے علاوہ ایک تیسرا خانہ رقم اور ہوتا ہو جسمیں **نقد رعایات موصولہ** اور **نقد رعایات مقبولہ** کی یادداشتیں تحریر کی جاتی ہیں، اور ایسے روزنامچہ نقدی کو **تین خانوں کا روزنامچہ نقدی** کہتے ہیں۔

پاکیزہ خیالات

دُنیائے انسانی کی تین تحریکیں

اس وقت دنیا میں تین زبردست تحریکیں عمل میں آرہی ہیں۔ علوم و فنون کی تحریک، آزادیوں کی تحریک، امداد باہمی کی تحریک، اور یہ تینوں تحریکیں زندگی کے ہر شعبے میں یکساں قوت اثر انداز معلوم ہوتی ہیں۔

یہ علوم کے کرشمے ہیں کہ ہوا باز گھنٹے میں ۲۵۰ میل چل سکتا ہے اور نیویارک سے فرانسسکو تک کے ۲۲۰۰ میل ۲۹ گھنٹوں میں اور انگلستان سے ہندوستان تک کی ۴۱۳۰ میل کی مسافت بلا توقف ۵۰ گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے۔ یہ اُن لوگوں کے کارنامے ہیں جن کے ہاں ایک مسٹر کیمبرج یونیورسٹی میں کیمیا وغیرہ کی ترقی کے لئے اپنی جیب سے دو لاکھ پونڈ کا عطیہ پیش کر سکتا ہے اور برطانوی حکومت قوم کے لئے تین تصویریں تقریباً ڈھائی لاکھ میں خرید کر خوش ہوتی ہے اور فرانسیسی اکادمی کے ارکان ”غیر فانی“ پکارے جاتے ہیں!

یہ آزادیوں کے کرشمے ہیں کہ اس وقت برطانوی دارالعوام میں ۱۴ عورتیں ارکان ہیں اور اُن میں سے ایک عہدہ وزارت پر متمکن۔ جنوبی افریقہ کے قطعی کالے لوگوں کی قومی کانگرس اور ... حقوق کی لیگ اپنے مطالبات پیش کرتی ہیں۔ دول متحدہ امریکہ میں اب ”حبشی تاریخ“ پڑھائی جاتی ہے اور وہاں کی یونیورسٹیوں سے ہر سال دس ہزار حبشی تعلیم پا کر نکلتے ہیں اور مغرور امریکیوں کی سفید کانگرس میں ایک حبشی رکن بھی ہے! چین میں عورتیں تعلیم اور طب و سیاست کے محکموں میں حصہ لے رہی ہیں اور یہ کیا ہندوستان میں شریف ہندو عورتیں ہزاروں کی تعداد میں خوشنما لباس پہنے سیوں مفید کام کرنے کو نکل رہی ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے چند مسلمان خواتین بھی اپنی بھولی بھٹکی قوم کی چیخ و پکار کے باوجود کچھ نیم پردے میں کچھ پردے سے باہر نہ صرف خدا کی دی ہوئی ہوا اور روشنی سے حظ اُٹھاتی ہیں بلکہ گاہے گاہے انسانیت کے لئے اپنی بھی ناچیز خدمات بھی پیش کر رہی ہیں!

یہ امداد باہمی کے کرشمے ہیں کہ انجمن اقوام ابھی قائم ہے اور کچھ کام کر رہی ہے۔ ڈاکٹر برناڈو کے یتیم خانے سے جو دنیا کا سب سے بڑا کنبہ کہلاتا ہے ایک لاکھ سے زائد بچے مفید شہری بن کر نکلے ہیں اور اس کے دروازے ہمیشہ ہر بچے کے لئے کھلے ہیں۔ لندن میں سکاؤٹ لڑکوں کا پچاس ہزار کا مجمع منعقد ہوتا ہے جس میں ۴۳ ملکوں کے نمائندے شریک ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے دوستی کے تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح گائڈ لڑکیوں کی ملکر کام کرنے کی انجمنیں اپنا کام کرتی ہیں۔ لندن کا لارڈ میئر مصیبت زدہ کان کنوں کی امداد کے لئے جو فنڈ کھولتا ہے اس میں پونے نو لاکھ پونڈ جمع ہو جاتے ہیں، اسکے علاوہ ایک لندن کی خیراتی انجمنوں کی فہرست اٹھا کر دیکھئے کہ رعشہ زدوں کی انجمن اور غریب اندھوں کے خبر لینے والوں کی انجمن اور بچوں کو والدین کے مظالم سے بچانے والی انجمن اور پھر سپاہیوں کی اور جہاز رانوں کی، اور خدا ان پر کبھی رحم نہ کرے اور رحم و تعلیم و مشورت کی بنا پر امدادی انجمنیں کہ جن کا بیان بھی ہم جیسے نہ کرنے والوں کے لئے موجبِ رنج ہے!

اسکے بعد کون کہے گا کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دنیا ترقی پر نہیں! کہا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا میں تین کروڑ مسلح آدمی موجود ہیں پھر صلح و آشتی کا ذکر کیا حاصل ہے! بیشک یہ تین کروڑ تیر تفنگ توپیں ہیں اور ضرور ہیں بلکہ انکے ساتھ ارتھ پڑھ اور بیابان و اجہل اور لوگ بھی ہیں لیکن یہی تیر اور توپیں ہی جہل اور تعصب توہین جنکے اندر سے، خود انھیں کے قلع قمع کرنے کے لئے انکے سامنے جو قومی خروش کو مناسب بہت شجاعت میں بدلنے کے لئے کیلاگ اور ہوور اور میکڈانلڈ اور مصطفیٰ کمال اور ٹیگور اور گاندھی پیدا ہوئے اور یہ کشمکش ہمیشہ سے جاری تھی اور ہے اور رہے گی اور خدا کرے زیادہ ہی زیادہ ہو۔ ہاں یہ ہو کہ جہاں یہ لڑائیاں ہاتھ پاؤں کی تھیں، خاک خون کی تھیں جسم و جان کی تھیں وہاں یہ لڑائیاں محض دل و دماغ کی ہوں، روح و اصول کی ہوں، جہاں یہ جھگڑے ملکیت کے تھے وہاں یہ اختلافات محض محبت و معاونت کے ہوں جس سے ہر ایک فرد چند قدم اور سب انسان مل جلکر ہزاروں کوس میدان زندگی میں بڑھیں اور بڑھتے چلے جائیں!! (ہمایوں)

طفلانہ علاج

ایک روز شام کے وقت، تمام دن قیصر ہند اور ملزم کے تنازعات میں سر مار چکنے کے بعد میں اپنے بنگلہ کے سامنے والے چبوترے پر، آرام کرسی پر دراز حقہ سے لطف حاصل کرنے میں مصروف تھا، اور سوچ رہا تھا کہ چاروں طرف نظر آنے والے بلند درخت بھی اگر جاندار سمجھ لئے جائیں تو یہ ایک ایسی مخلوق قرار پائے گی جو یک پایہ ہو۔ کہ۔ ایک صاحب معہ اپنے پنج سالہ صاحبزادہ کے دفعتاً نازل

نازل ہوئے اور ایک کرسی آگے بڑھا کر جلوہ افروز ہو گئے۔ مجھے اپنے مشغلۂ تخیل سے بادل ناخواستہ دست کش ہونا پڑا۔ اور اُن کی مہمل گفتگو میں وقت ضائع کرنا پڑا۔ اُن کی گفتگو کا شباب تھا کہ آندھی آگئی اور ہم سب کو پوری عزت کے ساتھ برآمدہ میں پسپا ہونا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ بچہ اپنی پھول سی ٹوپی کو ہوا سے بچانے میں مصروف تھا اور ہوا کا ہر جھکڑ ٹوپی اُڑائے جانے میں زور آزمائی کر رہا تھا، بالآخر اس کشمکش مسلسل سے عاجز آکر بچے نے اپنے بزرگوار سے کہا

"ابا یہ ہوا مانتی نہیں"

"لاؤ ٹوپی مجھے دے دو" بزرگوار نے جواب دیا۔

جس قدر سوال کا بھولا پن مزہ دار تھا اُسی قدر جواب کا خرانٹ پن قابل تنفر تھا، سادہ لوح بچے نے محض ہوا کی دست درازی کی شکایت کی تھی اور ٹوپی کے متعلق کسی امداد کی خواہش نہیں کی تھی۔ مگر گرگ باران دیدہ نے ہوا کا معاملہ قطعی نظر انداز کر دیا اور ٹوپی کو اپنی نگرانی میں لے لینے کا مسئلہ چھیڑ دیا، مجھے اس سوال وجواب میں یہی لطف آرہا تھا جو ایک معاملہ فہم کو دو مختلف ممالک کے باہمی نامہ وپیام میں آتا ہے۔ بچے کا ننھا سا دل اپنی ٹوپی سے دست بردار ہونے پر مائل نہیں ہوا۔ تاہم۔ ہوا سے پریشان ہو کر اب اُسنے مجھ سے خطاب کیا

"تم ہوا کو یہاں کیوں چلنے دیتے ہو؟"

"ہوا کو روکنا مجھے نہیں آتا" میں نے اُس کے بساط کے موافق جواب دیا۔

"ان درختوں کو ہٹا دو، پھر ہوا نہیں چلے گی" اُسنے بے ساختہ تدبیر بتائی۔

وہ آندھی اتر گئی، وہ صحبت گذر گئی۔ مگر۔ اُس معصوم ہستی کی بظاہر لائق تبسم تدبیر میرے حافظہ میں باقی رہ گئی۔ میں نے بارہا اُسپر غور کیا اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ دنیا کے تمام ذی فہم مدبر اور طاقتور حکمران اسی تدبیر پر کاربند نظر آتے ہیں۔

ہوا اور درخت کے مسئلہ میں، درخت اُس جزو کو ظاہر کرتے ہیں جو مرئی ہو اور ہوا اُس کو جو غیر مرئی ہو ہوا ایک نظر نہ آنے والی قوت ہو جو طبعی ہو اور درخت مادی شے ہو جس پر اس قوت کا اثر ہوتا ہو ہوا بمنزلہ مذہب فلسفہ اور انقلاب کے ہو اور درخت بمنزلہ شہر معاشرت اور انسان کے ہیں، ہوا کا اثر درختوں پر ہوتا ہو اور انقلاب کا اثر انسانوں پر۔ آپ ہوا کو دیکھ سکتے ہیں نہ فی نفسہٖ انقلاب کو درختوں کی جنبش، گرد وغبار کی سرگردانی، ابر کے ٹکڑوں کی دوڑ، یہ سب ہوا کے کرشمے ہیں، بذاتِ خود ہوا نہیں ہیں۔ اسی طرح۔ بازاروں کی ہڑتال، پولیٹیکل جلسوں کی بھرمار، اخباروں کی زبان درازی، اور شہروں کی شورش، سب انقلاب کے نتائج ہیں، فی نفسہٖ انقلاب نہیں ہیں، مشاہدہ کرنے والا نظر آنے والے نتائج سے نظر نہ آنے والے اسباب پر رائے لگا دیتا ہو۔

ہر انقلاب وشورش کے موقع پر ایسے بھاری بھرکم افراد کا استیصال کیا جاتا ہو جو انقلاب وشورش سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ اور اس اعتماد پر کیا جاتا ہو کہ اُنکا استیصال سے انقلاب وشورش رفع ہو جائے گی۔ گویا آندھی کے موقع پر بڑے بڑے درخت، جو زیادہ ہلتے ہوں اس امید پر کاٹ ڈالے جائیں کہ آندھی جاتی رہے گی۔ ان دونوں تدابیر میں بظاہر کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا اور اس اعتبار سے میں کمسن بچے کی تدبیر اور مدبرین ملک کے عمل کو یکساں طور پر غلط فہمی پر مبنی پاتا ہوں

(ہمایوں)

ہمارے فرائض

ہمارے فرائض بے حد ہیں۔ میں چند موٹی موٹی باتیں عرض کروں گی جن کے اوپر ہماری خانگی خوشی ومسرت کا دار ومدار ہے۔ سب سے پہلا فرض ہمارا مرد کی رفاقت ہے اگر ہم ایک اچھے رفیق کی طرح حق رفاقت ادا کریں تو سینکڑوں خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے اصل رفاقت کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے رفیق زندگی کے آرام کو اپنا آرام سمجھیں اور اُسکی تکلیف کو اپنی تکلیف، اسکی ذمہ داریوں کو کم کرنے کی کوشش کریں اُسکے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوئی آمدنی کا ایک ایک پیسہ ہم ایسی اسکو گھر کی فکر سے سبکدوش کریں تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام دھندے میں لگے۔

بہنوں میں یہ کہنے کی اجازت چاہتی ہوں کہ اس فرض کی ادائگی میں ہم سے اکثر غفلت ہوتی ہے۔ ہماری اپنی فرمائشیں اسقدر ہوتی ہیں کہ مرد پوری کرتے کرتے تھک جاتے ہیں پھر بھی وہ پوری نہیں ہوتیں۔ ہمنے سمجھا ہے کہ مرد کمانے کے لئے ہے اور ہم خرچ کرنے کے لئے، اسکی وجہ یہ ہے کہ اکثر مردوں کا اطمینان قلب خاک میں ملجاتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے کو ایک سچی شریک زندگی ثابت کریں۔

۲۔ دوسرا فرض ہمارا اپنے بچوں کی تربیت ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سی بہنیں اس فرض سے غافل ہیں۔ انھیں اپنے بننے اور سنورنے کا تو بہت خیال ہے مگر اپنے بچوں کی صحت اور تعلیم وتربیت کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں۔ بچے نے ہوش سنبھالا تو مدرسہ میں داخل کر دیا اور اگر بیمار ہوا (جو اکثر ہوتا رہتا ہے) تو ڈاکٹر صاحب یا حکیم صاحب کو بلا بھیجا۔ اب بھلا بتلائیے کہ یہ بچے آئندہ جاکر حقوق نسواں کی محافظ کیسے بنیں گے؟ بہت سی یورپین لیڈیز میری دوست ہیں۔ میں نے ان کو کسی فرض کی ادائگی میں اتنا باقاعدہ اور محتاط نہیں پایا، جتنا اپنے بچوں کی صحت اور تعلیم کے معاملہ میں وہ اپنے دس خرچوں کو کم کریں گی مگر یہ کبھی گوارا نہ کریں گی کہ انکے بچوں کی تعلیم میں کوئی خلل آئے، جسکا نتیجہ آپ دیکھ رہی ہیں، ان میں سے ہر شخص نسوانی حقوق کی علمبرداری کا دعویدار ہے۔

وہ مائیں جو اپنے زیوروں پر ہزاروں خرچ کر ڈالیں اور اپنے لاڈلوں کی تعلیم پر سینکڑوں خرچ کرتی رہیں تو کیونکر اس بات کی متمنی ہو سکتی ہیں کہ انکے بچے آئندہ چلکر نسوانی عزت کے پاسبان ہونگے؟

بہنو! خدا کے لئے اس فرض کی طرف سے غافل مت ہو جئے، قوم کی ترقی کا دار ومدار انھیں بچوں پر ہے جو آپکی آغوش تربیت میں پل رہے ہیں، ان میں وہ روح پھونکئے کہ یہ دنیا میں کسی قابل ہوں، اپنی قوم اور وطن کے وفادار سپاہی بنیں اور نسوانی عزت کے محافظ۔ (خطبۂ صدارت بیگم صاحبہ حاجی عبداللہ ہارون)

معاونین کامیابی کی ضروریات و مشکلات

پہلے سوالوں کے جوابات

جواب نمبر ۲۵ ۔ تفسیر بیضاوی، تفسیر مرتبہ علامہ سید رشید رضا مصری اور تفسیر روح البیان کا اُردو میں ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ (عبداللہ سلفی عمر پوری از دہلی)

جواب نمبر ۲۶ ۔ مریض صاحب کو چاہئے کہ ناظم دار الشفاء رحمانی پیر اول شہر میرٹھ سے خط و کتابت کریں، اس دار الشفاء کے نگران طبیب ایک مخلص اور سچے مسلمان ہیں اشتہاری طبیب نہیں (عبداللہ سلفی)

جواب نمبر ۲۷ ۔ سوتہ آشوب اُردو علمی ادبی رسائل میں مندرجۂ ذیل بلند پایہ اور مستند شمار کئے جا سکتے ہیں (۱) رسالہ اُردو (سہ ماہی) انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن (۲) ماہوار رسالہ مخزن لاہور (۳) اشرف لٹریچر کمپنی دہلی کا ماہوار رسالہ "کامیابی" (۴) دار المصنفین اعظم گڈھ کا ماہوار رسالہ معارف (عبداللہ سلفی دہلی)

بلند پایہ ادبی رسائل میں حسب ذیل ناموں کا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے، اور کامیابی کا بلند پایہ ادبی رسائل کی صف میں شامل کرنا انصافاً صحیح نہیں ہے۔ (اڈیٹر)

نگار	ماہوار	لکھنؤ
مکتبہ	"	حیدرآباد (دکن)
ترجمان	"	رامپور
ہمایوں	"	لاہور
نیرنگ خیال	"	"
ادبی دنیا	"	"
ادب	"	لکھنؤ
صحیفہ	(سہ ماہی)	مدراس
زمانہ	ماہوار	کانپور
عالمگیر	"	لاہور
شباب اردو	"	"

نئے سوالات

سوال نمبر ۳۷ ۔ اُردو کی ایک ایسی مکمل "لغت" کے نام اور پتہ کی ضرورت ہے جس میں کافی الفاظ کا ایسا ذخیرہ موجود ہو جو عام طور پر تحریر و تقریر اور اخبارات میں مستعمل ہیں۔ (ایک خریدار کامیابی)

سوال نمبر ۳۸ ۔ کتاب "کلید اخبار بینی انگلش" جو اُردو میں طبع ہوئی تھی اور جس سے انگریزی اخبار کے مطالعہ میں آسانی ہوتی تھی، کہاں سے مل سکتی ہے۔ (ایک خریدار)

سوال نمبر ۳۹ ۔ ایک نہایت مجرب اور آزمودہ نسخہ کی ضرورت ہے جس سے بلو بلیک روشنائی بنائی جا سکے کہ معاہدہ کی تیار ہو سکے، صحیح ثابت ہونے کی صورت میں بلغ عشرہ روپیہ صاحب کو پیش کیا جائے گا۔ (فصیح محمد الدین از امرتسر)

سوال نمبر ۴۰ ۔ مجھے پیچک (ڈور کا گولا) بنانے کی مشین کی ضرورت ہے۔ نئی ہو یا پرانی۔ جن صاحب کو معلوم ہو براہ کرم قیمت اور پتہ سے مطلع فرمائیں (امیر احمد خاں از رامپور)

جواب ۔ اوریئنٹل مشینری سپلائی ایجنسی نمبر ۲۔ ۱۵ بانا اسٹریٹ کلکتہ سے خط و کتابت کیجئے (کامیابی)

سوال نمبر ۴۱ ۔ عرصہ سے میرا معدہ خراب ہے۔ اکثر قبض رہتا ہے۔ ہاضمہ درست نہیں، کوئی صاحب مہربانی فرما کر ایسا علاج بتائیں کہ صحت و آرام نصیب ہو۔ (عبدالمجید نوری از کوٹ بخشش)

سوال نمبر ۴۲ ۔ میں کسی ایسے معتبر بینک کا نام اور پتہ دریافت کرنا چاہتا ہوں جو زیادہ میعاد کے لئے امانتیں لیتا ہو مثلاً سو دو سو سال کے لئے، اور مقررہ میعاد کے اندر میں بھی اگر صاحب امانت چاہے تو کسی کار خیر میں صرف کرنے کے لئے حسب ضرورت روپیہ لے سکے (عصمت اللہ از ڈن تحصیل سلیمی)

سوال نمبر ۴۳ ۔ ٹین پر لکھنے اور چھاپنے کے لئے بہترین رنگوں اور مفید مشوروں کی ضرورت ہے کسی صاحب کو اس قسم کی کمپنی کا پتہ معلوم ہو تو مہربانی فرما کر مطلع کریں۔ (احمد رضا از چندوسی)

جواب ۔ "انڈین کلر پرنٹنگ ورکس نمبر 3/4 12 اپر سرکلر روڈ سے اس قسم کی مفید معلومات مل سکتی ہیں۔ (کامیابی)

سوال نمبر ۴۴ ۔ میں دیاسلائی کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر کرنا چاہتا ہوں، اسکے لئے ولائتی کمپنیوں کے نام اور پتے مطلوب ہیں جن سے اس کاروبار میں مدد مل سکے۔ (محمد نعیم از الٰہ آباد)

سوال نمبر ۴۵ ۔ میرا لڑکا جس کی عمر بارہ سال کی ہے۔ پیدائشی گونگا اور بہرا ہے۔ اسکی تعلیم کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ کوئی صاحب عنداللہ مجھے اپنی رائے سے مستفید فرمائیں میں اس حالت میں اس کی تعلیم اعلیٰ چاہتا ہوں۔ (عنایت احمد از گوجرانوالہ)

جواب ۔ آپ مندرجۂ ذیل پتہ سے خط و کتابت کر کے اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکتے ہیں، یہ اسکول گونگے بہروں کے لئے مخصوص ہے "ڈیف اینڈ ڈمب" اسکول 293، اپر سرکلر روڈ کلکتہ۔ (کامیابی)

سوال نمبر ۴۶ ۔ آجکل منفی کتابوں کی اشاعت کی گرم بازاری ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ متعدد شائع شدہ کتب میں سے واقعی طور پر کارآمد اور مفید کونسی کتاب ہے۔ (احمد حسین از پٹنہ)

سوال نمبر ۴۷ ۔ "قرآن حکیم" کی ایک ایسی تفسیر مطلوب ہے جو عام فہم اور سلیس ہونے کے ساتھ مستند ہو۔ (شاہ محمد، از شاہ آباد)

سوال نمبر ۴۸ ۔ فارسی زبان کے ایک ماہوار رسالہ کا نام پتہ اور قیمت دریافت طلب ہے، جو اپنے علمی ادبی مقالات کے لحاظ سے معتبر اور دلچسپ ہو (عبدالکریم، از بہرائچ)

سوال نمبر ۴۹۔ مجھے اُردو کی چند کتابیں درکار ہیں جن سے تجارتی کاروبار، اور حساب کتاب میں خاص مدد ملسکے لیکن عام بازاری اور اشتہاری کتابوں کا اعتبار نہیں۔ (شیام لال، از کانپور)

سوال نمبر ۵۰۔ علامہ شیخ محمد عبدہٗ مصری کی عربی تفسیر مرتبہ علامہ سید رشید رضا مصری مطبوعہ "المنار پریس" مکمل جلدیں مطلوب ہیں۔ کوئی صاحب براہ کرم مطلع فرمائیں کہ وہ قیمتاً کہاں سے مل سکتی ہیں، اور اگر قیمتاً نہ مل سکتی ہوں تو کیا کوئی صاحب چند روز کے لئے اُن کو مستعار عنایت فرما سکتے ہیں۔ (احسان الحق، منیجنگ ڈائرکٹر ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی)

سوال نمبر ۵۱۔ میں اپنے لڑکے کو تجارتی "صنعتی تعلیم" دلانا چاہتا ہوں براہ عنایت صوبہ جات متحدہ کے ایسے پتوں سے مطلع کریں جہاں صنعتی اور تجارتی تعلیم دیجاتی ہو (اسمٰعیل احمد خاں از مراد آباد)

جواب:۔ صوبہ متحدہ کی گذشتہ کونسل میں ایک ممبر صاحب کے سوال کے جواب میں صوبہ مذکور کے تمام صنعتی مدارس کی ایک فہرست گورنمنٹ کی طرف سے پیش کی گئی تھی جسے ہم سوال مذکور کے جواب میں رسالہ "سودمند" بدایوں سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ (کامیابی)

نمبر شمار	نام تعلیم گاہ معہ نام مقام	مضامین جو سکھائے جاتے ہیں	نام ضلع جس میں صنعتی پیداوار واقع ہیں	سال جس میں قائم ہوا
۱	۲	۳	۴	۵
۱	گورنمنٹ کاٹن پرنٹنگ اسکول متھرا	سوتی کپڑے کی چھپائی	متھرا	سنہ ۱۹۲۷ء
۲	کاذیٹری اسکول نینی تال	بڑھئی کا کام	نینی تال	سنہ ۱۹۲۹ء
۳	" " فیض آباد	"	فیض آباد	سنہ ۱۹۲۶ء
۴	" " اعظم گڈھ	"	"	سنہ ۱۹۱۴ء
۵	" " ڈیرہ دون	"	ڈیرہ دون	سنہ ۱۹۲۷ء
۶	ڈیل انڈسٹریل اسکول نگینہ	دستی ڈرائنگ نقشہ کشی جالتیری وغیرہ ونیچرسازی وکڑی پر کھودائی کا کام	بجنور	سنہ ۱۹۲۴ء
۷	لیدر ورکنگ اسکول آگرہ	مختلف سامان چمڑے کا کرنا	آگرہ	سنہ ۱۹۲۵ء
۸	" میرٹھ	" "	میرٹھ	سنہ ۱۹۲۵ء
۹	میٹل ورکنگ اسکول علیگڈھ	پیتل کی ڈھلائی کا کام قفل وغیرہ بنانا	علیگڈھ	سنہ ۱۹۲۵ء
۱۰	بالمک پرشاد کھتری انڈسٹریل انسٹیٹیوٹ بنارس	پیتل کے برتن بنانا	بنارس	سنہ ۱۹۲۵ء
۱۱	گورنمنٹ ٹیننگ اسکول فتحپور	چمڑہ پکانا	فتحپور	سنہ ۱۹۲۷ء
۱۲	ماڈل ویونگ اسکول نجیب آباد	پارچہ بافی	بجنور	سنہ ۱۹۲۵ء
۱۳	" " سہارنپور	"	سہارنپور	"
۱۴	" " الموڑہ	"	الموڑہ	"
۱۵	" " سندیلہ	"	ہردوئی	"
۱۶	" " شاہجہانپور	پارچہ بافی دموزہ سازی	شاہجہانپور	"
۱۷	" " مئو	پارچہ بافی	اعظم گڈھ	"
۱۸	" " آگرہ	"	آگرہ	سنہ ۱۹۲۴ء
۱۹	ماڈل ویونگ اسکول مظفرنگر	"	مظفرنگر	"
۲۰	زنانہ ویونگ کلاس مئو	"	اعظم گڈھ	"
۲۱	ویونگ اینڈ کاٹن پرنٹنگ اسکول بلندشہر	پارچہ بافی وکپڑے پر چھپائی کا کام	بلندشہر	سنہ ۱۹۲۶ء
۲۲	ماڈل ویونگ اسکول خیرآباد	پارچہ بافی	سیتاپور	سنہ ۱۹۲۸ء

نوٹ:۔ تعلیم گاہ جو تمام صوبہ کے لئے کام کرتی ہیں مثلاً ہارکورٹ بٹلر ٹیکنولاجیکل انسٹیٹیوٹ کانپور اور اسکول آرٹس اینڈ کریفٹ لکھنؤ اس نقشہ میں شامل نہیں ہیں۔

(شیخ احسان الحق منیجنگ ڈائرکٹر حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی پرنٹر و پبلشر نے مرزا محبوب بیگ کے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)



عدالتِ الٰہیہ کا منصفانہ فیصلہ

"انگریزوں کو ہندوستان کو آزاد کر دینا چاہیئے"

(از جناب سید یامین صاحب ہاشمی ایم-اے-ایل ایل-بی)

کمرۂ عدالت میں خاموشی طاری ہے، ہر شخص دم بخود فیصلہ کا منتظر ہے۔ آج وہ دن ہے جب ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے، وہ مقدمہ جو اہلیانِ ہند نے انگریزوں کے خلاف دائر کیا تھا اُس کا فیصلہ عدالت الٰہی سے آج سُنایا جائیگا، ہر شخص دم بخود ہے، اگر کسی نے گفتگو بھی کی تو اشاروں ہی اشاروں میں۔ فریقین اپنی اپنی جگہ پر دست بستہ کھڑے ہیں۔ وکلاء و مشیرانِ قانونی کرسیوں پر جلوہ افروز ہیں، عدالت کی کُرسی خالی ہے پیشکار و عمالِ عدالت دست بستہ کسی کی آمد کے منتظر ہیں۔ ذرا سے کھٹکے پر ہر شخص کی نگاہیں عدالت کے اُس دروازہ پر جالگتی ہیں جس سے ایک ملحق کمرہ بائیں جانب ہے اُس دروازہ پر سبز رنگ کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

پردہ ہٹا اور ایک نہایت ہی مُعمّر و بزرگ صُورت شخص ملحق کمرہ سے برآمد ہوکر عدالت کے چبوترہ پر چڑھا ہر شخص نے سرو قد کھڑے ہوکر تعظیم دی جسکا جواب اُس نے نہایت ہی خندہ پیشانی سے دیا۔ اس شخص کے داہنے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے جنہیں اُس نے میز پر رکھدیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

بزرگ:- کیا فریقین حاضرِ عدالت ہیں؟

پیشکار:- (ایک نظر عدالت کے کمرہ پر ڈالکر) جی ہاں۔

بزرگ:- (وکلاءِ فریقین کی جانب مخاطب ہوکر) آج مجھے اس امر کا فخر حاصل ہے کہ میں آپ کے مقدمہ کی تجویز پڑھکر آپ لوگوں کو سُناؤں، خداوندی عدالت سے یہ اہم ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس منصفانہ فیصلہ سے راضی ہوں گے۔ یہ کہکر اُس بزرگ نے تجویز پڑھنی شروع کی جس کو بغور ہر شخص نے سُنا۔

تجویز

مدعیان (جنہوں نے یہ مقدمہ بطور نمائندگانِ ہندوستان دائر کیا ہے) کا یہ مقدمہ ہے کہ وہ اب ہندوستان کی حکومت کے اہل ہیں، اس لیئے وہ اپنی اہلیت کے استقرار کے ساتھ اس دادرسی کے مستدعی ہیں کہ اُنہیں حاکمانہ دخل کی ڈگری ہندوستان پر عطا کی جائے اور انگریزوں کو بذریعہ حکم امتناعی یہ حکم دیا جائے کہ وہ ہندوستانیوں کے جائز حقوق حکومت میں مخل نہ ہوں۔ مدعیان اس امر کے بھی مستدعی ہیں کہ یہ یا اس کے علاوہ جو بھی دادرسی قرینِ انصاف ہو وہ عطا کی جائے۔

مدعا علیہ (انگریز) نے بیانِ تحریری داخل کیا، اُن کا بیان ہے کہ نوعیت مقد

مقدمہ ہذا ناقابلِ سماعتِ عدالتِ ہذا ہے۔ دوسرا عذر اُن کا یہ ہے کہ مقدمہ قبل از وقت ہے اور مدعیان حکومت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تیسرا عذر اُن کا یہ ہے کہ مسلمان حکومت کے نااہل ہیں اس لیئے مقدمہ میں نقصِ اشتمال فریقِ غیر ضروری عارض ہے۔

عرضی دعوے و بیان تحریری کے مطالعہ کے بعد حسب ذیل تنقیحات قائم کی گئیں:۔

(۱) کیا عدالت ہذا مجاز سماعتِ مقدمۂ ہذا ہے، یعنی کیا آزادی جو نفسِ مقدمہ ہے وہ بذریعہ مقدمہ طلب کی جاسکتی ہے؟

(۲) کیا مقدمہ قبل از وقت ہے اور کیا ہندوستانی حکومت کی اہلیت نہیں رکھتے؟

(۳) کیا مقدمہ میں بوجہ شمول مسلمانانِ ہند نقصِ اشتمالِ فریقِ غیر ضروری عارض ہے؟

(۴) مدعیان کس دادرسی کے مستحق ہیں؟

فیصلہ

تنقیح نمبر ا:۔ فریقین کے وکلا نے اس تنقیح پر نہایت عالمانہ بحث کی بجانب مدعا علیہ یہ بحث کی گئی ہے کہ آزادی طلب کرنے سے نہیں ملتی، یہ کوئی شے نہیں ہے بلکہ وہبی ہے، وہ آزادی جو عطا کی جائے وہ آزادی نہیں وہ تو ایک خوشنما غلامی ہے آزادی اندرونی صلاحیت کی تربیت و ترتیب کا نتیجہ ہوتی ہے جب قوم سے یہ مفقود ہے تو وہ کسی کے آزاد کرنے سے آزاد نہیں ہوسکتی، اور اگر یہ بات کسی قوم میں موجود ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوم اُسے غلام نہیں بناسکتی۔ قوموں کی حالت کا انقلاب و تغیر خود اُنہی قوموں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ جب قوم اپنی حالت میں بہتر تبدیلی پیدا کرنا چاہتی ہے تو اُس کی اس کوشش میں کوئی حارج نہیں ہوسکتا، اور جب قوم خود اپنی حالت سے بے خبر رہتی ہے تو دوسری قومیں اُس پر "مسلط" کر کے حکمران بنادی جاتی ہیں۔

وکیلِ مدعا علیہ نے خود اینجانب کے فرمان واجب الاذعان کا حوالہ دیا کہ

"خدا اُس وقت تک کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جبتک کہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدلے (قرآن)

اور اس کی تشریح میں دنیا کی دیگر اقوام کی مثالیں پیش کیں۔ لائق وکیل کا خیال ہے کہ کوئی قوم آزادی کے لیئے دست نگر ہو کر آزادی حاصل نہیں کرسکتی۔ نظام قدرت نے اس دنیا کا دارومدار تنازع للبقا پر رکھ چھوڑا ہے۔ اگر اسی طرح ہر کمزور اپنی اعانت کے لیئے کسی زبردست کو مدعو کرنے تو پھر نظام حیات میں فرق آجائیگا۔ ہندوستانی اگر کمزور ہیں، اگر اُن میں اخلاقی و سیاسی نقائص موجود ہیں تو دوسروں کی اعانت کبھی بھی اُنہیں آزاد نہیں کرسکتی۔ اور اگر اُن میں صلاحیتِ حکومت موجود ہے تو پھر مدعا علیہ کا قیام چند دنوں بھی محال ہوجائیگا۔ بطور مثال وکیل مدعا علیہ نے ایران کے گزشتہ واقعات کا ذکر کیا۔ بذریعہ صلحنامہ ۱۹۰۷ء درمیان مدعا علیہ و حکومت روس ایک گونہ مملکتِ ایران تقسیم ہوچکی تھی لیکن خود مدعا علیہ کو اُس ملک میں اپنے اثر سے دست بردار ہونا پڑا، لیکن یہ اثر بیرونی نہ تھا بلکہ خود ایرانیوں کی خودداری نے اُسے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا۔ وکیل مدعا علیہ نے ترکوں کی مثال حاضرہ پر بہت زور دیا قبل از جنگ سارا ٹرکی اغیار کے حلقۂ اقتدار میں تھا لیکن اُنہوں نے اپنے دست و بازو سے آزادی حاصل کی کسی کی دریوزہ گری نہیں کی۔ متعدد تاریخی مثالوں سے وکیل مدعا علیہ کا یہ خیال ہے کہ چونکہ آزادی طلب نہیں کی جاسکتی بلکہ حاصل کی جاتی ہے اسلیئے عدالت ہذا اس میں دخیل نہیں ہوسکتی۔

وکیل مدعیان نے سب سے پہلے تو عدالت ہذا کے وسیع اختیارات کی جانب میری توجہ مبذول کرائی۔ اُس کے بعد بطور جواب بحث مدعا علیہ پر کہا کہ آزادی بلاشبہ طلب نہیں کی جاسکتی لیکن جب "زبردست و زیردست" کا مقابلہ ہوتا ہے اور سوائے بیکسی "زیردست" کا کوئی ہمدم و مونس نہیں ہوتا اُس وقت ع

قدرت خود اُٹھکے ثالثی کرتی ہے (اکبر)

وکیل مدعیان نے اس تنقیح پر بحث کرتے ہوئے ہندوستان کی اہلیتِ حکومت پر بہت زور دیا اور دکھایا کہ ہندوستانیوں کی اہلیت تسلیم کرتے ہوئے انگریزوں کا قیام ہندوستان میں مناسب نہیں۔ اس تنقیح کا فیصلہ میں اس تنقیح کے سلسلہ میں نہیں کرنا چاہتا۔ دوران بحث میں مدعیان کے لائق وکیل نے میری توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ ایک خاص مقدمہ (Special case) سمجھا جائے اور اس میں عدالت اپنے وسیع اختیارات کو عمل میں لائے۔

آیا اس مقدمہ کی نوعیت ایسی مخصوص ہے یا نہیں کہ میں اپنے اختیاراتِ

منشیٔ ری کو عمل میں لائیں۔ یہ ایک سوال ہے جس پر میں آخر میں غور کرونگا، مگر جہانتک پہلی تنقیح کا قانونی پہلو ہے اُس حد تک مجھے وکیلِ مدعیان کی بحث پسند نہیں۔ بلاشبہ میں نے جو قانونِ فطرت، دنیاوی نظم ونسق کے لیئے بنا رکھے ہیں وہ اسی کے مقتضی ہیں کہ ہر قوم اپنی آزادی کے لیئے خود ساعی ہو۔

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

میری توفیق انسانی سعی کے بعد کارگر ہوتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہندوستانی آزادی میں ساعی ہیں یا نہیں، اور اگر ہیں تو کیا اُن کی کوششیں ایسی ہیں کہ توفیق ایزدی اُن کے شاملِ حال ہو کر اُن کی کامیابی میں معین ہو۔ ہندوستان کی بیشتر آبادی جاہل و بے حس ہے جس کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ آزادی کیا شے ہے اور اُس کے حصول کے کیا ذرائع ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بحیثیتِ ولی رعایا، انگریزوں کا یہ فرض تھا کہ وہ ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت میں کافی کوشش کریں، اور موجودہ ہندوستانیوں کی جہالت و بےحسی کے قطعاً وہی ذمہ دار ہیں، مگر اس وقت جو سوال میرے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ آیا ہندوستانی اپنی حریت میں ساعی ہیں یا نہیں۔ ہندوستانیوں کی جہالت و بےحسی کا ذمہ دار انگریزی حکومت کو قرار دیتے ہوئے ہندوستانیوں کی عدم سعی یقیناً قابلِ معافی ہے، اس لیئے کہ طبیب جب خود مریض کو اچھا کرنا نہ چاہے تب اس صورت میں مریض کا اقدام خودکشی قابلِ معافی ہے اور اُس کا ذمہ دار بھی طبیب ہی قرار دیا جائیگا۔ بایں ہمہ ہندوستانیوں کی سعی قابلِ تعریف ہے، اوّل تو ایک غلام قوم کی "سعیِ حریت" ہی کیا، اور وہ بھی ایسی غلام قوم جس کی بیکسی بجائے اس کے کہ لوگوں کے دلوں میں رحم کے جذبات پیدا کرے، اُس سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ ایک قوم جبریہ دوسری قوم کو غلام بنانے کی کوشش کر رہی ہے یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں بحیثیت رب العالمین کمزور کا ساتھ دوں اور اُسے زبردست کے پنجۂ اقتدار سے چھڑاؤں۔ مقدمہ ہذا کے واقعات ضرور خصوصی ہیں، ایران و ترکی کے واقعات کا اس سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایران سے مدعا علیہ کی رخصت ایرانیوں کے باعث نہیں تھی بلکہ بالشویکوں سے تصادم کا خوف تھا جس کے سبب سے انہوں نے ایران کو خیرباد کہی۔ ترکی کی حالت بھی ہندوستان کی حالت سے مختلف تھی۔ ہندوستانی بے دست و پا ہیں، اور ترکی بے دست و پا نہ تھا۔ ترکی ایک مختصر سا ملک تھا جسکے باشندوں کو ایک جھنڈے کے نیچے آسانی سے لایا جاسکتا تھا۔ ہندوستان ایک برِ اعظم ہے۔ ہزارہا سال کی غلامی نے اس کے جذباتِ حُرّیت پامال کر دیے ہیں۔ اسلامی حکومت میں بھی ہندوستان کو غلامی ہی نصیب رہی۔ اوّل تو مسلمانوں کی تعداد محدود رہی، دوسرے اسلامی نظامِ حکومت نے کچھ ایسے خود غرضانہ و جارحانہ طرزِ سلطنت اختیار کر رکھے تھے کہ اُن کی حکومت بھی ملکی حکومت نہیں کہی جاسکتی اتنے زمانے کی "غلامیِ پیہم" کے بعد جو ذہنیت ایک قوم کی ہوسکتی ہے وہ ظاہر ہے ہندوستان خود کو کسی طرح اس سے مستثنےٰ نہیں کرسکتا۔ ذہنیت کا یہ عالم اُس پر طرّہ یہ کہ انگریزوں کی غیر ہمدرد سلطنت، پھر اگر ان کا "خدا حافظ" ہو تو کون ہو؟

مذکورۂ بالا واقعات کو مدّنظر رکھکر میں اس مقدمہ کو مخصوص تصور کر کے یہ تجویز کرتا ہوں کہ مدعیان کو اس امر کا حق حاصل ہے کہ اپنے مقدمہ کو اینجانب کی عدالت میں رجوع کریں۔ اس تنقیح کا فیصلہ بحق مدعیان کیا جاتا ہے۔

تنقیح نمبر ۲ ۔ یہ تنقیح نہایت اہم ہے، اور بوجہ اہمیت میں اس کی دوبارہ تحلیل بہتر سمجھتا ہوں۔

(الف) کیا ہندوستان حکومت خود اختیاری کا اہل ہے؟

(ب) اگر اس کا فیصلہ نفی میں ہو تو کیا اُن کی نااہلیت اس امر کی مقتضی ہے کہ مدعا علیہ اُن پر حکمرانی کرے؟

(ج) کیا ہندوستان کی نااہلیت کی تمامتر ذمہ داری مدعا علیہ پر عائد ہوتی ہے؟

(الف) افراد ہوں یا اقوام میں نے دنیا میں سب کو فطرتاً آزاد بنایا ہے، اور میں اُن کی آزادی کا اُس وقت تک ضامن ہوں جب تک وہ خود اپنی گردنوں میں اپنی بداعمالی کے باعث غلامی کا جوا نہ ڈال لیں۔ لیکن میں نے افراد و اقوام کی بداعمالیو

اختلاف رکھتا ہے۔ کچھ ضرور نہیں کہ جو بداعمالیاں افراد کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافی ہوں، وہی قوم کو من حیث القوم برباد کرنے کے لیے پوری بھی جائیں۔ افراد و اقوام کے معیارِ حیات میں بعید فرق ہے۔ اسی طرح ہیں نے انسان کی اُخروی و دنیاوی زندگی کے اصول بالکل مختلف بنائے ہیں۔ ایک متوکل و مظلوم و کاہل آخرت میں اپنی نیکیوں کا صلہ پا سکتا ہے لیکن دنیا میں اُس کی فلاح و بہبود کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ دنیاوی زندگی کا راز قوتِ عمل میں مضمر ہے، اگر یہ کسی قوم سے مفقود ہے تو وہ اگر آج آزاد بھی ہے تو کل غلام ہو جائیگی اور ایسی ہی قوم حکومت کے لیے نااہل سمجھی جا سکتی ہے۔

مدعیان نے بہت سے گواہان بہ ثبوت اہلیت حکومت پیش کیے، لیکن خود ان معزز گواہان کو اس امر کا برملا اعتراف کرنا پڑا کہ لائق و قابل افراد جو حکومت کے مناصب کا بار برداشت کر سکیں وہ کم ہیں۔ منجانب مدعیان یہ بحث کی گئی ہے کہ ہندوستان کے تمام ادنیٰ مناصب پر ہندوستانی فائز رکھے گئے ہیں وہ بخوبی فرائض انجام دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں۔ وہ چند اعلیٰ مناصب جن پر انگریز فائز ہیں، وہ صرف بیکار ہیں۔

منجانب مدعا علیہ ایک طویل فہرست بہ ثبوت نااہلیت داخل کی گئی ہے جس میں قابلِ توجہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) ہندو اور مسلمان بوجہ تعصب مذہبی ہمیشہ جنگ آزما رہتے ہیں۔ یہ جنگیں نہ صرف مار پیٹ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں بلکہ تمامی دفاتر و محکمہ جات میں تعصب کی گرم بازاری ہے، ہندوؤں کو موقع ملتا ہے تو وہ مسلمانوں کو ستاتے ہیں اور مسلمانوں کو جب موقع ملتا ہے تو وہ ہندوؤں کو پریشان کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک تیسری طاقت کی ضرورت ہے جو ہر دو میں صلح کرا سکے اور جنگ و جدل میں حائل ہو۔

(۲) ہندوستانی سوائے دفاتر کی کلرکی کے اور کچھ نہیں جانتے، نہ ان میں جدت پسندی ہے اور نہ عقل۔

(۳) ہندوستانیوں میں اتنی بھی اہلیت نہیں کہ وہ بیرونی دشمن کا مقابلہ کرکے ملک کو محفوظ و مصئون کر سکیں ایسی صورت میں مدعا علیہ کا قیام بغرض حفاظت ملک نہایت ضروری ہے۔

مذکورۂ بالا واقعات کے ثبوت میں منجانب مدعا علیہ ایک نقشہ داخل کیا گیا ہے جس کے دیکھنے سے اُس کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

منجانب مدعیان یہ واقعات تسلیم کیے گئے، لیکن وکیل مدعیان نے نہایت وضاحت کے ساتھ ان کی توجیہ بیان کی جو قابلِ لحاظ ہے۔ اُن کی بحث کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) ہندو و مسلمان ضرور برسرِ پیکار ہیں لیکن اوّل تو یہ جنگ آزمائی صرف بوجہ غلامی پیدا ہے۔ انسان اپنی روزمرّہ زندگی میں یہ دیکھتا ہے کہ ملازمین و غلام ہمیشہ لڑتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کی شکایت کرکے اپنی سرخروئی کا خواہشمند ہوتا ہے لیکن اُنہی کو آزاد کر دیجیے پھر دیکھیے کہ اُن کے یہ جذبات کس طرح فنا ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت ہندو مسلمانوں کی ہے۔ غلامانہ ذہنیت نے اُن کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے، لیکن آزادی کے بعد یہ جنگ و جدل ختم ہو جائیگی۔

دوسری بحث مدعیان کی یہ ہے کہ مانا کہ وہ آپس میں جنگ آزما ہیں لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اُن کی جنگ سے فائدہ اُٹھا کر مدعا علیہ اُن کے ملک پر حکومت کرے۔ اگر ایک مکان میں دو بھائی رہتے ہیں اور دونوں ہمیشہ لڑتے ہیں تو کسی ہمسایہ کو یہ حق کبھی حاصل نہیں ہے کہ اُن کے مکان پر قابض ہو کر اُس کا نظم و نسق شروع کر دے۔ لائق وکیل کا خیال ہے کہ آزادی کے بعد پہلے تو یہ جنگ و جدل باقی نہ رہیگا، اور اگر رہا بھی تو وہ معمولی جنگ، آئندہ کے لیے ہمیشہ امن و امان کی ضامن ہو گی۔ تیسری بحث مدعیان کی یہ ہے کہ اُن کی تعلیم، اُنکا ماحول، اُن کا گرد و پیش جو تمامتر انگریزی تمدن کا نتیجہ ہے وہ فساد انگیز ہے اور وہی اصلی سبب ہر دو قوموں کے درمیان نفاق کا ہے۔

(۲) و (۳) ہر دو اعتراضات کا جواب منجانب مدعیان دیا گیا ہے کہ ان سب خرابیوں کا سبب خود مدعا علیہ ہے۔ افغانستان ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کو آج سے دس سال پیشتر کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی لیکن آزادی کے بعد اس سات سال کی مدت میں اُس نے وہ کر دکھایا جو ہندوستان گزشتہ دو سو سال میں بھی نہ کر سکا۔ مدعیان نے دبے الفاظ میں اپنی نااہلیت ان معاملات میں تسلیم کی لیکن یہ عذر پیش کیا ہے کہ اس نااہلیت کا ذمہ دار مدعا علیہ ہے مدعیان نہیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ مدعا علیہ اگر فی الوقت ہندوستان چھوڑ دے تو کیا ہندوستانی اپنے کو دوسرے ممالک کے حملوں سے محفوظ رکھ سکیں گے۔ دوران بحث میں وکیل مدعیان نے اپنی

نااہلیت اس امر میں تسلیم کی، اس لیۓ اس مسئلہ پر کسی فیصلہ کی ضرورت نہیں۔

ان سارے واقعات کو ملحوظ رکھکر میں اس تنقیح کے جزو اول کا فیصلہ خلاف مدعیان

کرتا ہوں۔

اب لیکن اس جزو کے فیصلہ سے نفس مقدمہ پر کوئی اثر نہیں اس لیۓ کہ یہ سوال بھی رہ جاتا ہے کہ آیا با ایں ہمہ نااہلیت کیا مدعا علیہ اس کا مستحق ہے کہ وہ جبر یہ مدعیان پر حکومت کرے۔

دنیا میں ہر قوم و ہر فرد آزاد پیدا کیا گیا ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو غلام بنائے، آزادی ایک فطری حق ہے اور کسی قوم کی نااہلیت حکومت کبھی بھی اسکی مستحق نہیں کہ اسکی آزادی سلب کر لی جائے۔ ہندوستانی اگر ان خطرات کو برداشت کرنے کے لیۓ آمادہ ہیں جو مدعا علیہ کے چلے جانے کے بعد ہندوستان میں رونما ہونگے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیۓ، صرف یہ خیال کبھی بھی اس کا مقتضی نہیں ہے کہ مدعا علیہ صدائی فوجدار بنکر ملک پر مسلط رہیں۔ منجانب مدعیان یہ بحث کی گئی ہے اور اس کی تائید میں خود مدعا علیہ کے ہم قوموں کے اقوال پیش کیۓ گۓ ہیں کہ مدعا علیہ کا اصلی مقصد حکومت جلب منفعت ہے، باقی سب بہانے ہیں۔ منجانب مدعا علیہ اسکی تردید کی گئی ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ اس دوسو سال میں ہندوستانیوں کو انہوں نے متمدن بنا دیا ورنہ یہ ایک نیم وحشی قوم تھی۔ منجانب مدعیان اس سے انکار کیا گیا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کا موجودہ تمدن انگریزوں کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ اقتضائے فطرت ہے، دنیا کی موجودہ کشمکش تمدن نے ہمہ تن وحشی اقوام کو بیدار کر دیا۔ ہندوستان تو پھر بھی ایک تاریخی روایت و تمدن رکھتا تھا۔

ان سب صورتوں کو ملحوظ رکھکر یہ ماننا پڑے گا کہ موجودہ ہندوستانی "نیم بیداری" یا تمدنی احساس انگریزوں کا ممنون منت نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہندوستان کی حالت جو بھی رہی ہو، یا اس وقت جو بھی ہو، یا آئندہ ہونے والی ہو، کیا انگریز اس امر کے مستحق ہیں کہ وہ ہندوستان پر زبردستی حکمران رہیں۔ قوانین فطرت اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں، اس لیۓ اس جزو تنقیح کا فیصلہ خلاف مدعا علیہ کیا جاتا ہے۔

(ج) اس تنقیح کا تیسرا جزو مذکورہ بالا فیصلوں کے بعد کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا لیکن رفع نزاع آئندہ کے لیۓ اس کا فیصلہ ضروری ہے۔

حاکم و محکوم کے تعلقات بالکل ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے ولی و نابالغ کے۔ اگر نابالغ بد اطوار ہے، خراب و خستہ حالت میں ہے، گو اس کے پاس کافی جائداد موجود ہے مگر پھر بھی اسکی تعلیم و صحت کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا تو اس کا ذمہ دار کلیتاً ولی قرار دیا جائیگا۔ چنانچہ دنیاوی قانون کے اعتبار سے بھی ایسا ولی قابل برطرفی ہے، اور عدالت کوئی دوسرا ولی مقرر کرے گی۔ مدعا علیہ نے جو طویل فہرست نااہلیت مدعیان کی داخل کی ہے اس کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر ہندوستانیوں کی تربیت و تعلیم پر ہندوستان کے محاصل تمام تر صرف کۓ جاتے تو آج ہندوستان مغرب سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہوتا، لیکن یہاں تو صورت مختلف ہے، ہندوستان کے محاصل کا کثیر حصہ فوجی مصارف میں صرف کیا جاتا ہے جس کا منشا مدعا علیہ کی شاہنشاہیت کا برقرار رکھنا ہے، خود مدعیان کو اس سے معقول فائدہ نہیں ہے۔ منجانب مدعا علیہ یہ بحث کی گئی ہے کہ فوجی مصارف بھی ہندوستانی مفاد کے لیۓ ہیں اس لیۓ کہ یہ ملک کو بیرونی حملوں سے مصئون و محفوظ رکھتے ہیں۔ اسکی مثال تو بالکل اس ولی و نابالغ کی ہے، جو اپنے نابالغ کی جائداد کی حفاظت کے لیۓ تو مقدمہ لڑتا ہے اور ہزار ہا روپیہ صرف کرتا ہے، لیکن اگر نابالغ مہلک عارضہ میں مبتلا ہو تو اس کے علاج و معالجہ میں ایک حبہ بھی خرچ نہیں کرتا۔ اگر اس کی یہ منطق مان بھی لی جائے کہ اسکی مقدمہ بازی نابالغ کے مفاد کے لیۓ ہے تو اسکی غفلت جو نابالغ کی جان کی طرف سے ہے وہ کبھی بھی قابل معافی نہیں۔ اگر وہ مر گیا تو جائداد اس کے کس کام آئیگی۔ ہندوستان کی موجودہ حالت اس مریض کے مانند ہے جو غفلت و افلاس ایسے خطرناک و مہلک مرض میں مبتلا ہے، اگر اس کا معقول علاج نہ کیا گیا تو اس کی موت لازمی ہے۔

منجانب مدعا علیہ ایک نہایت ہی فلسفیانہ بحث پیش کی گئی ہے جس کے پس پردہ تنازع للبقا کا پرانا راگ ہے، وکیل مدعا علیہ کا خیال ہے کہ "بیرونی شہنشاہیت" کا طرز حکومت ہمیشہ سے یہی رہا۔ انگلستان میں جب اہل روما حکمران تھے تو بھی

حال تھا۔ ہالینڈ، پرتگال، فرانس و ہسپانیہ کی جب حکومت تھی تو یہی رنگ تھا۔ وسط ایشیا پر جب مغل برسرِ اقتدار تھے تو یہی عالم تھا۔ جنوبی یورپ اور شمالی افریقہ پر مسلمانوں کا جب تسلط تھا تو یہی صورت تھی۔ غرض یہ طرزِ حکومت اپنے ساتھ قدیم روایات رکھتا ہے۔ یہ سارا قصور شہنشاہیت کا نہیں ہے اس لیے کہ یہ تو اُس کی فطرت میں داخل ہے، یہ قصور محکوم اقوام کا ہے جن کے افراد شاہنشاہیت سے صرف اس لیے موالات وتعاون کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں کہ اُن کے چند پیٹ سیدھے ہوتے ہیں۔ وہ معمولی معمولی مناصب وعہدوں کے لالچ میں قوم کو بیچ دینے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ معمولی چند حرفی خطابات اُن کے ایمان کی قیمت ہے۔ کیا ان صورتوں میں شاہنشاہیت قابلِ الزام قرار دی جاسکتی ہے، کانٹے تلووں میں تو چبھ جاتے ہیں اس لیے کہ وہ نرم ہوتا ہے لیکن جب ہڈیوں میں گھسنا چاہتے ہیں تو ٹوٹ جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ تلوے کمزور ہیں اور ہڈی مضبوط، اگر پاؤں کے تلوے کانٹوں سے شکایت کریں تو اُن کی شکایت بیجا ہے، اس لیے کہ قانونِ قدرت نے اُن میں "خلش" پیدا کی ہے۔

استخواں اپنی صلابت سے ہے محفوظِ خلش
اور تو نرمی سے اپنی صیدِ صد آزار ہے (خود)

ایسی صورت میں الزام مدعا علیہ کے سر کبھی بھی عائد نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستانی خود اپنی نکبت کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ساری مصیبتیں اُن کی "خودکردہ" ہیں۔ جب تک اُن میں فتنہ وفساد، تعصب وجنگ، جہل وایمان فروشی، غفلت وقوم فروشی موجود ہے اُس وقت تک شاہنشاہیت کو یہ فطری حق حاصل ہے کہ وہ اُن پر حکومت کرے منجانب مدعا علیہ ایک طویل فہرست اُن لوگوں کی داخل کی گئی ہے جو قوم فروشی کے مرتکب کہے جاسکتے ہیں۔

اس مسکت بحث کا مدعیان کے پاس کوئی جواب نہیں، جب یہ بحث منجانب مدعا علیہ کی گئی تو وکیل مدعیان نے شرم سے اپنا منہ چھپالیا اور اُنہیں اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرنا پڑا۔

ان تمام صورتوں کو ملحوظ رکھکر میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ہندوستانی نکبت کی تمامتر ذمہ داری مدعا علیہ پر عائد نہیں کی جاسکتی۔ اُصولِ حکومت کا جہاں تک تعلق ہے، مدعا علیہ ہندوستان کی نااہلیت کا ضرور ذمہ دار ہے، لیکن قانونِ فطرت کے مطابق مدعیان خود اپنی مصیبت کے بانی ہیں۔ چونکہ قانونِ فطرت اُصولِ حکومت سے بالاتر ہے اس لیے میں اس جزو تنقیح کا فیصلہ خلافِ مدعیان کرتا ہوں۔

تنقیح نمبر ۳ ۔ منجانب مدعا علیہ یہ بحث کی گئی ہے کہ مدعیان میں مسلمانوں کا اشتمال غیر ضروری ہے، اس لیے کہ ہندوؤں کی حالت اگر رو بہ ترقی مان بھی لی جائے تو مسلمانوں کی حالت تو روز بروز بد سے بدتر ہو رہی ہے، اور یہ تو کسی طرح بھی حکومت خود اختیاری کے مستحق نہیں ہیں

علم ہے نے عشق ہے، نے درد، نے شوقِ حرب
روح بے حس جسم میں، پہلو میں قلبِ مردہ ہے

جس قوم کا یہ عالم ہو کہ اُس کی زندگی اُس کی موت سے بدتر ہے وہ بھلا حکومتِ خود اختیاری کیا لیگی۔ دنیا کا کونسا شعبۂ حیات ہے جس میں مسلمانوں کی حالت قابلِ اشک شوئی بھی ہو۔ غدر میں اگر سو فیصدی زمینداریاں مسلمانوں کے پاس تھیں تو آج دس فیصدی بھی نہیں، تجارت کا یہ عالم ہے کہ اُس کے تمام شعبہ جات ان کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے پاس پہنچ گئے۔ علم کا یہ عالم کہ اگر کسی کو جاہل دیکھئے اور اُس کا مذہب نہ معلوم ہو تو اُسے مسلمان سمجھئے۔ عمل کا یہ حال کہ اگر آپ کسی کو بے روزگار دیکھیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ مسلمان ہے۔ افلاس کا یہ حال کہ ملی تو روزی نہیں تو روزہ۔ ان سب معائب کے بعد بھی اگر اُن کے خصائل کا یہ عالم ہو کہ وہ ایماندار و صاحبِ متانت ہوں تو آنسو تو پچھ جاتے ہیں، مگر مصیبت کی یہی بس انتہا نہیں، با اینہمہ افلاس و جہالت اگر غرور و نخوت کا مجسمہ آپ کو دیکھنا ہے تو وہ مسلمان کو دیکھ لیجئے۔ ایک ہی سوال کا جواب ہندو دوسری طرح دیگا، لیکن مسلمان دوسری طرح۔ افلاس کا یہ حال اُس پر پاؤں ہمیشہ چادر سے باہر پھیلانے کی عادت عیش پرستی و تنعم پروری میں تمام جائدادیں، روپیہ صرف۔ بھلا جس قوم کی حالت من حیث القوم یہ ہو۔ اُس کی بابت ع

کس طرح سمجھوں کہ وہ بھی کوئی جسم زندہ ہے؟

دنیا کے مسلمان جاگ اُٹھے، مراکش حریت کے لیے جنگ آزما ہے، ٹیونس، الجیریا، طرابلس برسرِ پیکار ہیں۔ مصر و سوڈان آزادی میں ساعی ہیں۔ ترک علمبردارِ حریت ہے۔ جزیرۃ العرب کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں استقلالِ حکومت کی خواہشمند ہیں۔ ایران بھی نیند سے اُٹھا۔ افغانستان نے اپنی ہفت سالہ زندگی میں وہ کر دکھایا جو دوسری قومیں صدیوں میں نہ کر سکیں۔ مگر اس کمبخت قوم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ع

کچھ ایسے سونے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

مدعا علیہ نے بطور مثال یہ بحث کی ہے کہ جب اس قوم سے ایک یونیورسٹی نہ چل سکی تو یہ حکومت کا بارِ عظیم کیونکر سنبھال سکے گی۔ یونیورسٹی کا تخیل اس قوم میں ہندوؤں سے پہلے پیدا ہوا لیکن اُسے حاصل کیا سب کے بعد۔ اب اُس کے نظم و نسق کا یہ عالم ہے کہ روز بروز آپس میں جھگڑے، جنگ و جدل، جس شخص کا کسی محکمۂ تعلیم میں گزر نہ ہو وہ اعلیٰ تنخواہ لیکر علی گڑھ یونیورسٹی میں چلا جائے۔ ہندو یونیورسٹی کا حال دیکھئے نہایت قابل و عالم اشخاص صرف مایحتاج پر زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ ہے زندہ قوم کی دلیل۔ مسلمانوں میں نہ ایثار رہے نہ قربانی کا شوق۔ خود غرضی نے اُن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔

منجانب مدعیان اس کی تردید تو نہیں کی گئی لیکن یہ ضرور کہا گیا کہ بغیر شمول ان کے حکومتِ خود اختیاری مکمل نہیں ہو سکتی، دوسرا جواب مدعیان کی جانب سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ بھی مدعا علیہ کی ہوشیاری ہے اس لیئے کہ اس طرح وہ مدعیان میں تفریق ڈالکر یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ بدون اتحاد مدعیان حکومتِ خود اختیاری نہیں عطا کیجا سکتی اور چونکہ ملک منقسم نہیں ہے اس لیئے کبھی بھی حکومت خود اختیاری نہیں عطا کیجا سکیگی۔

مسلمانوں کی خراب حالت تسلیم، لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مدعا علیہ کو صرف اس بنا پر کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ہندوستان پر حکومت کرے جب خود قوم کی یہ حالت ہے کہ اُس کا ملک بیرونی اثر سے محفوظ رکھا جائے تو پھر مدعا علیہ کو تخلیۂ ہند میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اس تنقیح کا فیصلہ خلافِ مدعا علیہ کیا جاتا ہے۔

مدعیان کی نااہلیت کے ساتھ ساتھ مدعا علیہ کا عدم استحقاق حکومت بھی مسلمات میں سے ہے، ان دو متضاد صورتوں میں درمیانی راہ صرف یہ ہے کہ فی الوقت انگریز ہندوستانیوں کو کامل اندرونی آزادی بطرزِ نوآبادیات دیدیں۔ صرف بحری جنگی بیڑوں کا انتظام بغرضِ حفاظتِ ساحل اپنے ذمہ رکھیں۔

لہٰذا

(۱) بذریعہ ڈگری عدالتِ ہٰذا اس امر کا استقرار کیا جاتا ہے کہ ہندوستانی اندرونی حکومت اختیاری کے اہل ہیں۔

(۲) انگریزوں (مدعا علیہ) کو بذریعہ حکم امتناعی یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تا یکم جنوری ۱۹۲۹ء ہندوستان کا کامل تخلیہ کر دیں، اور صرف جنگی بحری اور ہوائی بیڑوں کا انتظام و انصرام اپنے ذمہ دس سال تک یعنی ۱۹۳۹ء تک رکھیں اور درمیان میں ہندوستانیوں کی اس سلسلہ میں بھی تعلیم و تربیت جاری رکھیں +

راستبازی اور صداقت

دنیا میں ایسی بھی مثالیں ہیں ضرور جن میں بعض لوگوں نے ایمانداری اور راستبازی کے راستہ سے ہٹ کر اپنے پیشہ میں یا اپنی تجارت میں کامیابی حاصل کی ہے، اور ایسے لوگوں کی کامیابی سے اکثر لوگوں کو یہ دھوکا بھی ہو گیا ہے کہ شاید دنیا میں کامیاب ہونے کا ایک ذریعہ بے ایمانی اور مکر و فریب بھی ہو۔ لیکن اس قسم کی کامیابیاں کبھی پائیدار اور مستقل نہیں ہوتیں۔ عارضی طور پر بے ایمانی کے ذریعہ سے کسی شخص کے کامیاب ہو جانے کو کامیابی نہیں کہا جا سکتا۔ کامیابی وہی ہے جو پائیدار اور مستقل ہو حقیقت

یہ ہے کہ کامیابی کوئی ایسی حقیر اور ذلیل چیز نہیں ہے جسے مُفت میں ذرا سا جھوٹ بول کر خریدا جاسکے۔

جو لوگ دوسروں کو اپنا شکار سمجھکر پھانسنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ اپنی تباہی کے سامان خود ہی مہیا کر لیتے ہیں اور کامیابی ایسے لوگوں کے مقدر میں نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیائے عیسوی میں عام طور پر (نعوذ باللہ) فریب کار اور دغا باز خیال کیا جاتا تھا لیکن کارلائل نے اپنے ہم مذہبوں کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ "کیا کبھی کوئی جعل ساز بھی کسی مذہب کا بانی ہوسکتا ہے؟ ایک جعل ساز تو اتنا بھی نہیں کرسکتا کہ اینٹوں کا مکان ہی بنالے" کارلائل کا خیال صحیح ہے، کوئی فریب کار انسان اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا جھوٹ اور فریب تخریب کے آلات ہیں اور ان کے ذریعہ سے کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اپنی زندگی میں ہمیں قدم قدم پر راستبازی اور خلوص کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اگر راستبازی کے ساتھ ہم اپنی قوتِ عمل کا استعمال کریں تو پھر ہماری کامیابی میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ راستباز انسان کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا اور اس کی مثال ایک ایسے تناور درخت کی سی ہے جس کی جڑیں زمین میں دور تک پھیلتی چلی گئی ہوں اور جسے کوئی طوفان بھی جڑ سے نہ اُکھاڑ سکے۔

دنیا کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ایک شخص نے انتہائی خلوص اور ایمانداری کیساتھ اپنا کام شروع کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد کسی لالچ یا دباؤ میں آکر اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور صرف ایک لغزش کی بدولت جسے وہ بادی النظر میں اپنی کامیابی سمجھا تھا ہمیشہ کیلئے اس نعمت سے محروم ہوگیا۔ عارضی فائدوں کا لالچ اکثر نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے اور لوگ یہ سمجھکر کہ صرف ایک مرتبہ اتنی ذرا سی بے ایمانی کر لینے سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اپنی جڑوں کو کھوکھلا کر لیتے ہیں اور اب یہ درخت اس قابل نہیں رہتا کہ تند اور تیز ہواؤں کا مقابلہ کرسکے۔

ملازمت پیشہ لوگوں میں بہت سے ایسے لوگ ملینگے جو اپنے آقا یا بالا دست حاکم کی موجودگی میں تو نہایت جانفشانی اور تندہی سے کام کرتے رہتے ہیں لیکن اسکی نگاہ بچتے ہی وہ کام چھوڑ کر آرام کرنے یا باتیں بنانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کامیابی اس قسم کا کام کرنیوالوں کا حصہ نہیں ہے، وہ صرف اُن لوگوں کا حصہ ہے جو آقا اور بالا دست حاکم کی غیر موجودگی میں بھی اسکا کام اسی قدر محنت سے انجام دیں۔

عام طور پر کہا بھی جاتا ہے کہ دنیا ایماندار کی جگہ نہیں ہے، اور دوسروں کی خاطر اپنی جان پر تکلیفیں اُٹھانیوالے یا سچائی اور ایمانداری کی خاطر اپنے منافع کو قربان کر دینے والے لوگ ہمیشہ ذلیل و خوار رہتے ہیں لیکن یہ واقعہ نہیں ہے۔ اس دنیا میں سچائی اور ایمانداری کبھی ذلیل نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔ ایمانداری کی خاطر تکلیفیں اُٹھانے ہی کا جذبہ اس دنیا میں ہمارے راستہ کو منور کیا کرتا ہے، اور یہی تو ہمیں دوسروں سے ممتاز اور صف میں سب سے زیادہ نمایاں کر دیا کرتا ہے۔

تجارت پیشہ اصحاب کی زبان سے اکثر یہ سُننے میں آتا ہے کہ اس کشاکشی اور باہمی مقابلہ کے دور میں تجارت اس وقت تک کامیاب ہی نہیں سکتی جبتک کہ خشک سچائی میں تھوڑے سے جھوٹ کی چاشنی نہ ملائی جائے لیکن ان لوگوں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپکو سچائی کی کامیابی اور ناکامی کا کیا حال معلوم ہوسکتا ہے جبکہ آپ سچائی پر ایمان نہیں رکھتے اور کبھی اسکا تجربہ ہی آپنے نہیں کیا ہے؟ ایک بڑے ہوشیار تاجر صاحب نے علی الاعلان ایک جلسہ میں فرمایا تھا کہ "تجارت پیشہ شخص کیلئے ناممکن ہے کہ وہ کامل طور پر ایماندار رہ سکے، بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہم قریب قریب بالکل ایماندار رہیں" بالکل ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے خیال میں یہ تمام تاجروں کی حالت بیان کی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اُنہوں نے اپنی ذاتی حالت بیان کی تھی۔ وہ خود بے ایمان تھے اور تمام دُنیا کو بے ایمان سمجھتے تھے "قریب قریب ایماندار" ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اسکا مطلب اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہی کہ انسان بے ایمان ہو۔

حق پسندی اور راستبازی کی تعریف یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے حقوق ہر معاملہ میں پہچانے اور ادا کرے، اور جب تک کسی شخص میں ایمانداری اور راستبازی کا یہ جذبہ پیدا ہو جائے اُسے زندگی کے شعبہ میں بھی کامیاب ہونیکی توقع نہ کرنی چاہیئے۔ جس وقت تک ہمیں اس خیال سے خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہمنے کسی دوسرے کا کوئی حق غصب کرلیا اس وقت تک ہم ایماندار اور راستباز نہیں ہیں اور جبتک کسی کام میں بھی ہماری یہ نیت ہو کہ دوسروں کو دھوکا دیکر یا جھوٹ بولکر تھوڑا سا نفع حاصل کرلیں اس وقت تک ناممکن ہے کہ ہماری کامیابی کو پائداری اور استقلال حاصل ہوجائے۔

(سعید احمد)



کامیاب جستجو

(نمبر ۲)

رنگون کوئی چھوٹا سا گاؤں یا قصبہ نہ تھا کہ جہاں نواب شیر افگن خاں یا اسد علی کا پتہ لگا لینا آسان ہوتا بالخصوص ایسی حالت میں کہ رشید کو اپنے وقت کے چند گھنٹے اپنے پیٹ کی خاطر کچھ کمانے کی نذر بھی کرنے پڑتے تھے، اس بات کی اسے مطلق پروانہ تھی کہ وہ کسی کا خط یا عرضی اور درخواست لکھ کر تھوڑے سے پیسے پیدا کرتا ہو، یا کسی کا اسباب سر پر لاد کر اسکے گھر پہونچانے کے ذریعہ سے، وہ روز مرہ تھوڑی سی محنت مشقت کر کے بس اتنا کما لیتا کہ دو روٹیاں پیٹ میں پڑ جائیں اور باقی تمام وقت اسد علی کی تلاش میں گذارتا۔

دن دن بھر آوارہ و ناکام پھرنے کے بعد کبھی کبھی اس کا دل اس محنت اور تکلیف سے گھبرا اٹھتا، اور وہ یہ ارادہ کر لیتا کہ "بس اب میں کافی پریشان ہو لیا، اب مجھے کلکتہ واپس جانا چاہئے"، لیکن شام کا کھانا کھا کر بستر پر لیٹنے کے بعد اسکی آنکھوں کے سامنے ایک بے گناہ نواب اور ایک شیدہ وفا نواب زادی کی تصویریں آ جاتیں جنھیں وہ انتہائی خستہ حالی اور پریشانی میں بھیک مانگ مانگ کر اپنا پیٹ بھرتے ہوئے دیکھتا اور بے اختیار اسکی آنکھوں میں آنسو آ جاتے، وہ اپنی تھوڑی دیر پہلے کی کمزوری پر نفرین بھیجتا اور دوسرے دن سے اور زیادہ محنت کے ساتھ تلاش جاری رکھنے کا عزم کر کے سو جاتا۔

دو مہینے کی چھٹی ختم ہونے کے قریب آ پہونچی مگر اسد علی کا کہیں پتہ ملنا تھا نہ ملا۔ رشید کے لئے اب سخت مشکل کا سامنا تھا۔ اگر وہ اپنی تلاش کو جاری رکھتا ہو تو ایک اچھی خاصی معقول تنخواہ کی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہو، اور پھر ہندوستان میں نوکریوں کی کمی اور نوکروں کی افراط کو دیکھ کر یہ امید بھی نہیں باندھی جا سکتی تھی کہ جانے دو اگر یہ نوکری نہ رہے گی تو اور مل جائے گی، ادھر اس کا دردمند اور غیور دل اس بات کو بھی گوارا نہ کرتا تھا کہ اتنی مدت تک تلاش و جستجو میں ناکام رہ کر وہ وطن کو واپس جائے کئی مرتبہ اس خیال نے اسے واپس جانے پر آمادہ کر دیا کہ جب اتنے عرصہ میں وہ اسد علی کا کوئی پتہ نہ لگا سکا تو آئندہ بھی کیا امید ہو سکتی ہو اور ایک موہوم امید کی خاطر اپنا لگا لگایا روزگار ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے، لیکن پھر وہ سوچتا کہ آخر مجھے ملازمت کا کرنا کیا ہو۔ دو روٹیاں، دو چار کپڑے، چند گلاس پانی اور تھوڑی سی ہوا۔ یہی میری زندگی کی ضرورتیں ہیں اور یہ مجھے برابر مل رہی ہیں اور ہر جگہ ملتی رہیں گی۔ پھر مجھے تکلیف ہی کیا ہو اور کیوں میں اپنے اس مقصد سے ہاتھ اٹھا لوں جس کی خاطر میں اتنی دور آیا ہوں اور جس کے لئے میں اپنی اتنی مدت ضائع کر چکا ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ پھر ارادہ کر لیتا کہ "بس اب تو خواہ کچھ بھی ہو یا تو اس خاتون کا پتہ لگاؤں گا جو بے سبب تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو یا اسی کوشش میں اپنی جان گنواؤں گا۔"

رشید کو اسکی خبر نہ تھی، لیکن چونکہ وہ رنگون میں ایک اجنبی تھا اور بظاہر کوئی معقول وجہ معاش بھی نہ رکھتا تھا اس لئے رنگون کی پولیس خفیہ طور پر برابر اسکی حرکات سکنات پر نگاہ رکھتی تھی، اور اسد علی کی تلاش میں اس کی آوارہ گردی نے اسے پولیس کی نظروں میں بہت کچھ مشتبہ بنا دیا تھا ایک روز جب ایک دولتمند برمی کے یہاں چوری ہوئی اور چوروں کا کچھ پتہ نہ چل سکا تو پولیس نے رشید کو بھی شبہ میں گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا۔ رشید کے لئے یہ صورت حال بہت ہی ناخوشگوار اور ہمت شکن تھی، اور پولیس کی

اس حرکت پر اسے اسقدر غصہ آیا کہ وہ اپنا دماغی توازن قائم نہ رکھ سکا اور اسنے پولیس انسپکٹر کو بہت کچھ سخت سست کہا، اس بے موقع درشت مزاجی کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولیس نے انتہائی کوشش کر کے اسکے خلاف کسی نہ کسی طرح ثبوت فراہم کر ہی لیا اور عدالت نے اسے چھ مہینے کی قید با مشقت کی سزا دے دی۔

جیل خانے میں رشید کو تکلیف تو بے انتہا ہوئی، لیکن اسکی یہ دیرینہ آرزو کسی حد تک پوری ہوگئی کہ جرائم پیشہ لوگوں کا بغور مطالعہ کرے۔ یہاں اسکے چاروں طرف چور بھی تھے اور ڈاکو بھی اور ہر وقت انہی کے ساتھ ہم صحبت رہ کر اسنے اچھی طرح اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین کر لی، انہی مجرموں میں اسے بعض ایسے لوگ بھی ملے جو کافی تعلیم یافتہ تھے اور جو اچھی طرح نیک و بد میں تمیز کر سکتے تھے، لیکن محض اسوجہ سے کہ کسی خاص موقع پر وہ اپنی کسی خواہش سے مغلوب ہوگئے تھے یا کسی لالچ نے تھوڑی سی دیر کے لئے ان کی آنکھیں بند کر دی تھیں وہ بھی تکلیفیں اور مصیبتیں بھگت رہے تھے۔ چند ہی روز میں رشید اپنے ہم صحبتوں کے حلقہ میں ہر دلعزیز ہوگیا، اور اسکی خندہ مزاجی، تکالیف سے بے پروائی، اور ہر حال میں خوش و خرم رہنے کی عادت نے تمام قیدیوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا۔ ایک روز حسب معمول جب وہ قیدیوں کے گروہ کے ہمراہ کچھ زمین کھودنے کے لئے جیل سے باہر نکلا تو اسنے دیکھا کہ اسکی جماعت میں ایک نیا قیدی بھی شامل ہے۔ شکل و صورت کے لحاظ سے اس قیدی میں کوئی خاص بات نہ تھی، لیکن اسکا رکھ رکھاؤ اور انداز کچھ ایسا تھا کہ جس سے انتہا درجہ کی بے خوفی ظاہر ہوتی تھی اس نئے قیدی کی عمر تیس سال کے قریب تھی لیکن وہ کمزور بہت تھا اور اسکی کمزوری کی وجہ سے اسکی عمر کچھ زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ رشید نے اسے اور اسنے رشید کو غور سے دیکھا، اور اسکے بعد نئے قیدی نے کسی قدر مسکرا کر کہا۔ "اب تو چوری کا پیشہ بہت ہی مقبول ہوتا جاتا ہے"



رشید:۔ کیوں؟

نیا قیدی:۔ آپ جیسے شریف آدمی بھی اسے اختیار کرنے لگے،

رشید کا چہرہ سرخ ہوگیا، وہ چلتے چلتے رکا، اپنا بیلچہ زمین پر ٹیک کر بالکل سیدھا کھڑا ہوا، اور کڑک کر بولا۔ "میں چور نہیں ہوں، میں نے کبھی چوری نہیں کی"

نئے قیدی نے غور سے پھر اسپر ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔

وہ چلتے چلتے رکا، اپنا بیلچہ زمین پر ٹیک کر بالکل سیدھا کھڑا ہوا، اور کڑک کر بولا،

"تو پھر کیا آپ کو نماز پڑھنے کے جرم میں سزا ملی ہے، برما کے قانون میں تو عبادت کرنا جرم نہیں ہے؟"

رشید:- (غصہ سے) آپکو دوسروں کے حالات معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

نیا شخص: آخر آپ اسقدر بگڑتے کیوں ہیں؟ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہاں صرف وہی لوگ آتے ہیں جن کی نظر میں قانون کی کوئی وقعت نہ ہو۔

رشید: میری نظر میں تو قانون کی بہت بڑی وقعت ہے۔

نیا شخص: پھر یہاں آپکا کیا کام؟ جاکر کسی عدالت کی کرسی پر بیٹھئے۔

رشید: غلطیاں ہر شخص سے ہوسکتی ہیں۔

نیا شخص: تو میں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ غلطی کئے بغیر یہاں کوئی نہیں آتا۔

رشید: (مسکرا کر) میں اپنی غلطی کی وجہ سے یہاں نہیں آیا ہوں۔

نیا شخص: پھر کس کی غلطی کی وجہ سے آئے۔

رشید: عدالت کی۔

نئے شخص نے پھر غور سے رشید کو دیکھا، اور پھر اسکے مفصل حالات سنکر بہت متاثر ہوا۔

"واقعی آپ بہت ہی شریف اور بہادر شخص ہیں، ایک زمانہ میں میں بھی آپ ہی کی طرح شریف تھا، گناہ کے خیال سے مجھے نفرت ہوتی تھی۔ وہ پورن جسکا آپنے ذکر کیا میرا بچپن کا دوست ہے، اسے خدا جانے کیوں ہمیشہ سے لوٹ مار اور قتل سے رغبت ہے۔ میں اسکی بہادری پر عاشق تھا، اور اسی نے مجبور کرکے مجھے بھی اپنے گروہ میں شامل کرلیا۔ میں اس کے ساتھ کئی ڈاکوں میں شریک رہا، لیکن میرا دل کبھی ان ہنگاموں سے خوش نہ ہوتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ عین وقت پر پولیس آگئی، پورن تو کسی طرح نکل گیا مگر میں اور دو شخص اور پکڑ لئے گئے اور اسی جرم کی سزا میں بھگت رہا ہوں۔ میں عرصے بیمار تھا اور کئی مہینے کے بعد اب تندرست ہوکر اسپتال سے آیا ہوں اسی لئے آپنے مجھے اس سے پہلے نہ دیکھا، جن نواب صاحب کی آپ کو تلاش ہے انھیں میں جانتا تو ہوں لیکن وہ اب رنگون میں نہیں ہیں کئی سال ہوئے کہ وہ یہاں سے چلے گئے اور اب خدا جانے کہاں ہوں۔ میرے خیال میں آپنے انکے لئے اب حد سے زیادہ تکلیف اٹھائی ہے اس لئے اب مناسب یہی ہے کہ آپ وطن کو واپس جائیے اور ان کا خیال چھوڑیئے۔"

اس گفتگو کے دوسرے روز جیل میں یہ خبر آئی کہ بعض سیاسی قیدی ہندوستان سے رنگون کے جیل میں رکھے جانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اس لئے یہ لازمی ہوا کہ چند قیدیوں کو رنگون جیل سے کسی دوسرے مقام پر بھیجدیا جائے، اس تجویز کے ماتحت رشید اور بعض اور قیدی دوسرے ہی دن تھاٹ ہو بھیجدیئے گئے تاکہ وہاں اپنی قید کی میعاد پوری کریں۔ تھاٹ ہیو کے جیلخانے میں رشید کو تقریباً تین مہینے گذارنے پڑے، اور اس مدت کے بعد جب وہ رہا ہوا تو اسے دنیا اور دنیا کی چیزیں کچھ ایسی عجیب معلوم ہوئیں، اور اپنی بےکسی اور تنہائی سے وہ کچھ ایسا ڈرا کہ بے اختیار اسکا یہی جی چاہا کہ پھر جیل میں گھس جائے۔

جیل سے نکلکر رشید کو اپنے لئے کپڑے مہیا کرنے میں بڑی دقت پیش آئی اور بڑی دشواریوں کے بعد اتنا ہوسکا کہ وہ بالکل معمولی سا لباس اپنے لئے فراہم کرے، رشید ابتدا ہی سے انگریزی وضع و لباس میں رہا کرتا تھا اس لئے اب بھی اسنے اپنی وہی وضع رکھی، اور ایک کم قیمت سا کپڑا لیکر اس کا کوٹ پتلون سلوا لیا۔ اسی طرح ظاہری حیثیت کو کسی حد تک درست کر لینے کے بعد اسنے پہلے تو اس مسئلہ پر غور کیا کہ آیا وہ برما ہی میں اپنے قیام کو جاری رکھے یا وطن کو واپس چلا جائے، اور جب کامل غور و فکر کے بعد اسکے

دل نے یہ فیصلہ کیا کہ اب ملازمت نہ جانے کب ملے پھر وطن اور پردیس میں کیا فرق ہے، تو اسنے کوشش شروع کی کہ وہیں کسی دفتر میں کوئی جگہ ہاتھ آجائے تو معاش کی جانب سے بےفکر ہو کر آمد علی کی تلاش جاری رکھے۔ رنگون کی طرح ہماٹ بھی کوئی بڑی جگہ نہ تھی کہ جہاں اسے آسانی سے کوئی کام مل جاتا۔ وہ دن کا بیشتر حصہ اسی جستجو میں گذارتا، اور باقی حصہ میں کچھ نہ کچھ محنت مزدوری کرکے پیٹ کی خدمت کرتا۔ کئی روز اسی حالت میں گذر گئے اور اسے کہیں کوئی ملازمت نہ ملی تو اسنے ارادہ کیا کہ پھر رنگون چلا جائے اور وہیں کسی جگہ نوکری کرے۔ کچھ اسی قسم کے خیالات میں غرق وہ اس سڑک پر چلا جا رہا تھا جو دریائے اراودی کے کنارے کنارے دور تک چلی گئی ہے۔ شام کا وقت تھا اور ڈوبتے سورج کا عکس دریا میں کچھ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ وہ اس نظارہ میں بالکل محو ہو گیا۔ وہ اسی طرح دریا کی طرف منہ کئے سڑک کے بالکل کنارے کنارے چلا جا رہا تھا کہ یکایک ایک موٹر بہت ہی تیزی کے ساتھ اسکے بالکل قریب سے گذری اور وہ صدمے سے بال بال بچ گیا۔ گھبرا کر اسنے دیکھا تو اسے صرف ایک جھلک سی نظر آئی اور معلوم ہوا کہ کوئی عورت موٹر چلا رہی ہے۔ موٹر سیدھی سڑک پر چلنے کی بجائے کسی قدر ترچھی جا رہی تھی اور اس کا رخ دریا کی جانب تھا۔ ایک نگاہ ہی میں رشید نے محسوس کر لیا کہ ضرور موٹر میں کچھ خرابی ہو گئی ہے، اور اس کا دردناک انجام اسے صاف نظر آنے لگا۔ موٹر اسی تیز رفتاری سے دریا کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ رشید نے گھبرا کر ایک چیخ ماری، اور موٹر کنارہ پر پہونچکر سیدھی دریا میں جا پڑی۔ پریشان اور حواس باختہ ہو کر رشید دوڑا کنارے پر پہونچکر اسنے دو انسانی لاشوں کو پانی سے ابھرتے دیکھا، اور بے اختیار انھیں بچانے کے لئے وہ بھی اسی طرح پانی میں کود پڑا۔ انتہائی تیزی کے ساتھ تیر کر وہ اس جگہ پہونچا کہ جہاں لاش نظر آئی تھی، اور پھر غوطہ مار کر بڑی تلاش کے بعد وہ ایک عورت کی لاش کو بدشواری تمام نکالکر باہر لایا، اور اسے مصنوعی طور پر تنفس دلانے کی کوششیں کرنے لگا۔ تقریباً بیس منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد اس لاش میں زندگی کے آثار ظاہر ہوئے، اور رشید کے پریشان چہرہ پر مسرت و اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اب پہلی مرتبہ اسنے دیکھا کہ جس بظاہر بے جان لاش کو زندہ کرنے کی وہ کوشش کر رہا ہے وہ ایک ایسی حسینہ کی لاش ہے کہ جس کے لئے مرجانا عین زندگی ہے۔ خوب کھلتا ہوا گیہواں رنگ، بیحد دلکش اور نازک ناک نقشہ، اور حد سے زیادہ متناسب اعضا، یہ سب چیزیں ایسی تھیں کہ جن کی وجہ سے اس لڑکی کا شمار معمولی حسینوں میں نہیں، بلکہ اچھے حسینوں میں ہو سکتا تھا۔

رشید ابھی اس حسن کی کتاب کے مطالعہ میں محو تھا کہ یکایک اسنے آنکھ کھولی اور گھبرا کر اپنے چاروں طرف دیکھا، رشید نے اسے اطمینان دلایا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے اور اسے تھوڑی دیر تک خاموش لیٹے رہنے کی ہدایت کی۔

لڑکی :- مجھے دریا سے



رشید ابھی اس حسن کی کتاب کے مطالعہ میں محو تھا کہ یکایک اسنے آنکھ کھولی۔

آپنے نکالا ہو؟

رشید: - اتفاق سے یہاں میرے سوا اور کوئی نہ تھا، اور آپکی خدمت کا فخر مجھی کو حاصل ہو سکا۔

لڑکی: - (انتہائی احسانمندی کے انداز میں) میں کسی طرح بھی آپکے اس احسان کا شکریہ نہیں ادا کر سکتی، میری موٹر کا اسٹیرنگ راڈ (وہ ڈنڈا جس سے موٹر چلانے کا پہیہ لگا ہوا ہو) ٹوٹ گیا تھا اور موٹر بالکل ہمارے قابو سے باہر ہو چکی تھی، ہاں، میرا ڈرائیور کہاں ہو؟ میں کس قدر خود غرض ہوں کہ ابھی تک اسکا خیال ہی نہ آیا۔

رشید: - میں نے ایک دوسری لاش دریا میں دیکھی ضرور تھی، لیکن اگر میں اسے تلاش کرتا تو شاید آپکو نکال لینا بھی بیکار ہی ثابت ہوتا کیونکہ جتنی زیادہ دیر تک آپ پانی میں رہتیں آپکے لئے خطرات بڑھتے ہی چلے جاتے۔ آپکو کنارہ پر لانے کے بعد اگر میں دیکھتا کہ آپ میں زندگی کی علامتیں موجود ہیں تو میں پھر اسکی تلاش کے لئے ضرور جاتا لیکن آپکو مصنوعی تنفس دلاکر زندہ کرلینے کی امید تھی، اور اس لاش کا مردہ حالت میں بھی مل جانا یقینی نہ تھا اس لئے میں نے اسکا خیال چھوڑ دیا۔

لڑکی (آبدیدہ ہوکر) افسوس بڈھا برانا اور بیحد نیک ملازم تھا۔ میری وجہ سے اس غریب کی جان گئی، اگر وہ خود موٹر چلا رہا ہوتا تو شاید راڈ نہ ٹوٹتا۔

اس کے بعد لڑکی نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی، اور اپنے بھیگے ہوئے کپڑے درست کرنے لگی۔

"آپنے بیحد تکلیف اٹھائی ہو، آپکے کپڑے سب بھیگ گئے ہیں اور نہ معلوم آپکا مکان کتنی دور ہو جہاں آپ انھیں بدل سکیں۔"

رشید کو مکان اور کپڑوں کا نام سنکر ہنسی سی آئی، کیونکہ نہ اس کا کوئی مکان تھا اور نہ کپڑوں کا دوسرا جوڑا۔

"مجھے ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہوئی ہو، آپ اطمینان رکھیں، بھیگے ہوئے کپڑوں سے بھی مجھے کوئی ضرر نہ پہونچے گا۔ آپ کو البتہ جلد سے جلد خشک لباس کی ضرورت ہو لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا انتظام کروں۔ آپ خود تو ابھی چل بھی نہ سکیں گی اور نہ آپ کو ایسی کوشش کرنی چاہئے اور دوسری صورت صرف یہی ہوسکتی ہو کہ میں آپکو اسی جگہ چھوڑ کر جاؤں اور کرایہ کی موٹر لے آؤں۔"

لڑکی: - آپ میرے متعلق کچھ فکر نہ کریں میری طبیعت اب بالکل اچھی ہو اور میں اپنے گھر تک پیدل بھی جا سکوں گی، راستہ بھی مجھے بخوبی معلوم ہو۔

رشید: - مجھے تو کسی طرح یہی گوارا نہیں ہوسکتا کہ آپ ابھی پیدل چلیں کہ آپ تنہا جانا چاہتی ہیں۔ میرے خیال میں آپ یہیں لیٹی یا بیٹھی رہئے اور میں موٹر لئے آتا ہوں۔

لڑکی: - اچھا تو پھر ایسا کیجئے کہ موٹر تک میں آپکے ساتھ چلی چلوں، مجھ سے یہاں اکیلے نہ بیٹھا جائے گا۔

رشید: - اگر طبیعت بالکل اچھی معلوم ہوتی ہو تو خیر ایسا ہی کیجئے۔ میرے خیال میں یہ ضروری ہو کہ میں اپنا نام آپکو بتا دوں۔ میرا نام رشید ہو، یہاں آئے ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں۔

لڑکی، (شرماکر) آپنے مجھے میرا فرض یاد دلا دیا۔ سب سے پہلے مجھے چاہئے تھا کہ اپنے محسن کو اپنا نام اور پتہ بتاتی۔ میرا نام بلقیس ہو اور میرے والد نادر علی خاں صاحب ہیں، ہندوستان سے یہاں آئے، انھیں بہت عرصہ ہوگیا۔ یہاں وہ بہت سے باغات کے مالک ہیں اور دریا کے اس پار یہ جتنے باغ آپکو نظر آتے ہیں سب انہی کے ہیں۔ میں روزانہ اسی طرح سیر کے لئے جایا کرتی تھی، اور گو مرحوم منور علی، افسوس غریب بے موت مارا گیا، وہ اگرچہ ساتھ ہوتا تھا لیکن عام طور پر میں ہی موٹر چلایا کرتی تھی۔ آج خدا ہی جانے کیا اتفاق ہوا کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ منور علی کی طرح میں بھی مرچکی تھی اگر آپ اسقدر ہمت نہ کرتے۔

رشید۔ میری اسمیں کیا خصوصیت ہو۔ اس موقع پر جو کوئی بھی ہوتا وہ آپکے مدد کے لئے دوڑتا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ یہ موقع مجھے ملا۔

بلقیس۔ یہاں آپ محض سیر و تفریح کی خاطر آئے ہیں یا کوئی خاص غرض ہو؟

رشید :۔ (مسکراکر) کیا بتاؤں کہ کیوں آیا ہوں۔

بلقیس :۔ مجھے اس قسم کا سوال شاید کرنا بھی نہ چاہئے تھا، اور اب میں اس کے جواب کے لئے اصرار کرنا بھی نہیں چاہتی۔

رشید :۔ میرے یہاں آنے کا باعث میرا کوئی راز نہیں ہے، اور میں ابھی ظاہر کئے دیتا ہوں، صرف چونکہ اسمیں کسی قدر میری حماقت کو دخل ہے اس لئے مجھے ہنسی آ گئی تھی، اصل یہ ہے کہ میں یہاں شیر افگن خاں نامی ایک صاحب کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، اور انکے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ بس وہ شیر افگن خاں ہیں اور چند سال پیشتر ان کا قیام رنگون میں تھا۔

بلقیس :۔ اس طرح بھلا کیا پتہ چل سکے گا جبکہ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کس شہر میں بستے ہیں برما میں سیکڑوں شہر ہیں، آپ کہاں کہاں انھیں ڈھونڈتے پھرینگے،

رشید :۔ کیا عرض کروں۔ کئی مرتبہ پریشان ہو کر دلیں واپس چلے جانے کا خیال آیا لیکن خدا جانے وہ کیا چیز ہے جو ہر مرتبہ مجھے روک لیتی ہے۔

بلقیس :۔ برما کے متعلق تو مشہور ہے کہ یہ بہت دلچسپ جگہ ہے اور یہاں سے واپس جانے کو کسی کا دل نہیں چاہا کرتا۔

رشید :۔ آج سے پیشتر مجھے اسکی دلچسپیوں کا مطلقاً کوئی علم نہ تھا (ایک ایسی نگاہ سے بلقیس کو دیکھا کہ جس سے دلی محبت کا اظہار ہوتا تھا)

بلقیس نے کسی قدر شرما کر نگاہ نیچی کر لی)

باتیں کرتے ہوئے وہ اب موٹروں کے قریب پہنچ چکے تھے، رشید نے ایک موٹر والے کو آواز دی، اور بلقیس کو آرام سے بٹھا کر اسنے کہا۔

"آپکے لئے میں ابھی تک ایک اجنبی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ اسے کہاں تک پسند کریں گی کہ میں آپکے مکان تک آپکو پہونچانے چلا چلوں، لیکن میرا اپنا دل یہی چاہتا ہے کہ آپ کو تنہا نہ جانے دوں، اور آپ سے درخواست کروں کہ آپ مجھے اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت دیں"

بلقیس :۔ ابا جان آپ کو دیکھ کر بیحد خوش ہونگے، مجھے تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ آپ کو میرے ساتھ چلنے میں کچھ تامل ہوگا۔ البتہ آپکے بھیگے ہوئے کپڑے کچھ آپ کو نقصان نہ پہونچائیں۔

رشید :۔ کپڑے کسی قدر تو خشک ہو چلے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو مجھے ان سے کچھ نقصان نہ پہونچیگا۔

یہ کہہ کر رشید بھی موٹر میں بیٹھ گیا۔ بلقیس نے ڈرائیور کو پتہ بتایا اور کوئی دس منٹ میں موٹر ایک عالیشان کوٹھی کے دروازہ پر جا کر رک گئی۔ بلقیس اپنے انہی بھیگے ہوئے کپڑوں میں جا کر باپ سے لپٹ گئی اور حادثہ کے متعلق تمام حالات سنائے، موٹر اور منور علی کے ڈوبنے کی کیفیت سنکر نادر علی خاں اور ان کی بیوی دونوں رونے لگے، اور اسکے بعد بلقیس کی والدہ نے پوچھا :

"وہ کون صاحب ہیں جنھوں نے اس قدر بہادری اور ہمت سے تمھاری جان بچائی؟ کیا وہ تمھارے ساتھ نہیں آئے ہیں؟

بلقیس :۔ میں بھلا انھیں چھوڑ آتی، مجھے تو باتیں کرنی بھی نہیں آتیں جو ڈھنگ سے ان کا شکریہ ادا کرتی، اسی لئے انھیں لانا اور بھی ضروری تھا کہ آپ اور ابا جان، اچھی طرح انکا شکریہ تو ادا کر دیں۔

نادر علیخاں :۔ وہ ہیں کہاں؟ اور کون صاحب ہیں؟ کوئی برمی ہیں؟

بلقیس :۔ جی نہیں ہندوستانی ہیں، نہایت اچھی اردو بولتے ہیں، یہاں آئے ابھی صرف چند روز ہوئے ہیں۔ شیر افگن خاں کوئی شخص ہیں انھیں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ "کسے؟ تمنے کیا نام لیا کسے تلاش کر رہے ہیں" نادر علیخاں نے بات کاٹ کر کہا۔

بلقیس (باپ کی گھبراہٹ کو تعجب سے دیکھ کر) کوئی شخص شیرافگن خاں ہیں جو پہلے رنگون میں رہتے تھے ان کی تلاش ہے۔

نادر علیخاں :۔ (کچھ سوچکر) خیر کچھ حرج نہیں! تم انھیں بلالو۔ کیا موٹر ہی میں بیٹھے ہیں؟

بلقیس بھاگتی ہوئی باہر آئی، اور رشید کو اپنے ساتھ لے کر چلی، آگے بڑھ کر خود ہی دروازہ کھولا، اور رشید سے ماں اور باپ کا تعارف کرایا۔ بلقیس کی والدہ نے یہ دیکھ کر شید ایک نوجوان لڑکا ہے، دونوں ہاتھوں سے چٹ چٹ اسکی بلائیں لیں، اور صدہا دعائیں دیں، نادر علی خاں نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں خوب زور سے دبایا اور اسکی ئی اور شجاعت کی سچے دل سے داد دی، لیکن برابر اسے کسی قدر مشتبہ نظروں سے دیکھتے رہے۔

بلقیس کپڑے بدلنے چلی گئی، اور نادر علیخاں نے رشید کو بھی مجبور کیا کہ تھوڑی دیر کے لئے جب تک کہ اسکے کپڑوں کو دھو کر خشک کیا جائے ان کا ایک جوڑا پہن لے، تبدیلی س کے بعد چار آئی۔ بلقیس نے چار بنانی شروع کی اور نادر علیخاں نے رشید کو اپنی طرف متوجہ کرکے پوچھا۔

"بلقیس کہتی تھی کہ آپ کسی صاحب کی تلاش میں یہاں آئے ہوئے ہیں وہ کون بزرگ ہیں۔

رشید۔ اگر آپ یہ وعدہ کرلیں کہ میری حماقتوں پر ہنسیں گے نہیں تو میں سارا قصہ بیان کردوں۔

نادر علیخاں ۔ اس تمہید کی قطعًا ضرورت نہیں ہے۔ آپ بلا تکلف کہئے۔

رشید نے ابتدا سے اپنے تمام حالات، مجرموں کی زندگی کے مطالعہ کا شوق، ڈاکوؤں کی زبان سے شیرافگن خاں اور ان کی بیوی کا ذکر سُننا، اور پھر ان کی خدمت لئے بیقرار ہوکر گھر سے نکلنا، جہاز سے چھپکر بھاگنا، رنگون میں قید ہونا جیل میں ایک قیدی سے یہ معلوم ہونا کہ شیرافگن خاں عرف اسد علی نے رنگون چھوڑ دیا سب تفصیل کے ساتھ کہہ سنایا، نادر علیخاں اور ان کی بیوی ہمہ تن گوش تھے اور بلقیس بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ سُن رہی تھی۔

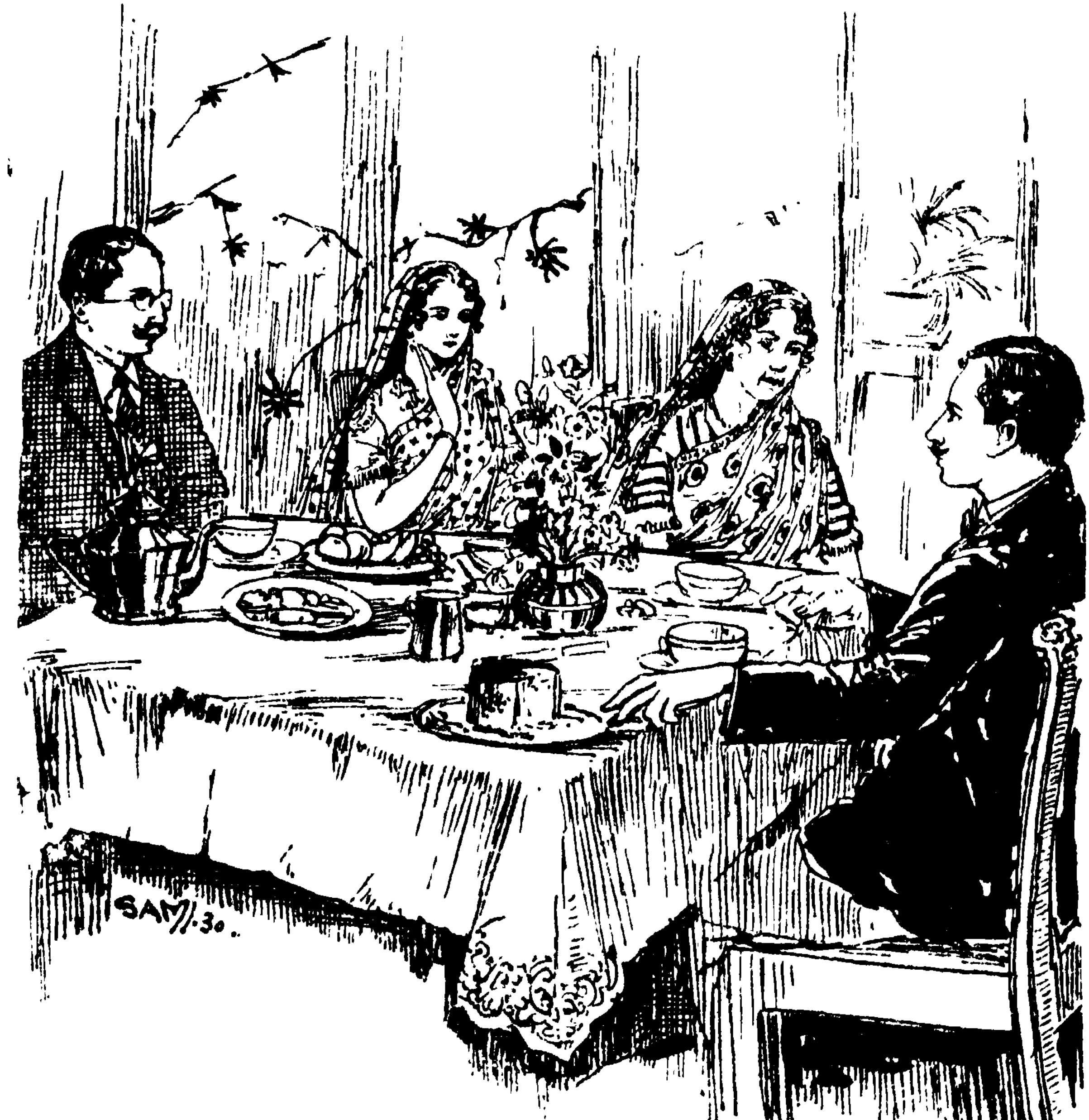
"تو بیٹا تم نے یہ ساری مصیبتیں صرف اس لئے اٹھائیں کہ اپنے ایک بھائی کی خدمت کرو"؟ بلقیس کی والدہ نے بڑے اشتیاق کے لہجہ میں پوچھا۔

رشید:۔ جی ہاں، بھائی سے زیادہ مجھے اپنی اس بہن کا زیادہ خیال تھا جسنے محبت اور وفاداری کی خاطر اپنی زندگی کو تباہ کرلیا۔

نادر علیخاں :۔ (کھڑے ہوکر) آؤ بھائی رشید میں تم سے گلے مل لوں۔ تم یقینًا شریف بھی ہو اور بہادر بھی۔ (گلے ملکر) اب میں تمھیں یہ بھی بتا دوں کہ جس سوختہ بخت ڑ ہونڈتے پھر رہے ہو وہ شیرافگن میں ہی ہوں۔ میں ہی رنگون میں اسد علی تھا اور اب یہاں نادر علیخاں ہوں۔ (بیوی کی طرف اشارہ کرکے) یہی میری بیوی نہیں جن کی محبت نے اس دنیا کے خارزار کو میرے لئے بہشت بنا دیا، اور یہ بلقیس جس کی تم نے آج جان بچائی ہمارے نخل محبت کا شگفتہ پھول ہے۔ رنگون میں بھی ملس نہ تھا جیسا کہ پورن نے بیان کیا لیکن میں جانتا تھا کہ پورن مجھے گرفتار نہیں کرا سکتا اس لئے میں نے اسے کچھ نہ دیا اور یہی کہدیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، راب تو خدا کے فضل و کرم سے میں ایک بہت بڑی جائداد کا مالک ہوں۔ اگر میری حالت سقیم ہوتی تو میں اس اطلاع سے جو آج تم نے مجھے دی ہے ضرور فائدہ اٹھاتا موجودہ حالات میں تو مجھے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی اس آرام اور سکون کی زندگی کو چھوڑ کر پھر رامپور جاؤں اور اس جائداد پر قبضہ کروں جس کا بہت سا ہمارے بھائی صاحب کھا اُڑا بھی چکے ہونگے، یہاں جو کچھ میرے پاس ہے وہ میرا اپنا پیدا کیا ہوا ہے، اور انسان کو سچی مسرت اسی دولت سے حاصل ہوتی ہے اسنے قوت بازو سے پیدا کی ہو۔ مجھے اگر کچھ فکر تھی تو بلقیس کے متعلق تھی، لیکن اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو تمھیں یہاں بھیجکر خدا نے اس دشواری کا حل بھی بتا دیا۔ بلقیس اسی ماں کی بیٹی ہے جس کی محبت اور وفاداری نے تمھارے دل پر اس قدر گہرا اثر کیا تھا اور وہ بھی اپنی ماں سے کبھی کم نہ ثابت ہوگی، میں نے اندازہ لیا ہے کہ تمھیں بلقیس سے اُلفت ہوگئی ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ تم سے زیادہ شریف اور بہادر نوجوان اسے کوئی اور بھی کہیں مل سکتا ہے۔ تم اب میرے ہو، یہ سب جائداد

تمھاری ہو، اور ہم دونوں کے لئے یہ کافی ہو کہ تمھیں سرسبز اور خوشحال دیکھیں۔

رشید نے بہت چاہا کہ کچھ کہے لیکن اس کا حلق خشک ہو چکا تھا اور اسے لفظ نہ ملتے تھے، آخر بدقت تمام اسنے صرف اتنا کہا اور بلقیس کی طرف دیکھنے لگا کہ ”کسے خبر تھی کہ میں آگ لینے جاؤں گا اور پیمبری مل جائے گی؟“



آخر بدقت تمام اسنے صرف اتنا کہا اور بلقیس کی طرف دیکھنے لگا کہ ”کسے خبر تھی کہ میں آگ لینے جاؤنگا اور پیمبری ملجائے گی“



"ادبی دُنیا" کے تبصرہ پر تبصرہ

جناب برقؔ دہلوی کی دیوان "مطلع انوار"

حسنِ اتفاق تھا یا سوءِ اتفاق، بہرحال کسی نہ کسی قسم کا اتفاق ضرور تھا کہ ہماری نظر جنوری سنہ ۳۸ء کے رسالہ "ادبی دنیا" پر پڑی اور اسے کھولتے ہی سب سے پہلے جو مضمون نگاہ سے گذرا وہ جناب برقؔ دہلوی کی نظموں کے مجموعہ پر ایک تبصرہ تھا۔ حضرت برقؔ کی نظموں کے اس مجموعہ کا نام "مطلع انوار" ہے جسے شائع ہوئے ابھی تھوڑا ہی سا عرصہ گذرا ہے۔ برقؔ صاحب کی نظمیں اکثر مختلف ادبی رسائل میں نظر سے گذرتی رہی تھیں اور انکے کلام کے متعلق وہ ایک "سرسری سی" رائے جیسی کہ ہر ایک رسالوں کا پڑھنے والا ہر ادیب اور ہر شاعر کے متعلق قائم کر لیا کرتا ہے، جو ہمنے قائم کی تھی وہ یہ تھی کہ اس ہمہ رسیابی میں جبکہ ظاہری چمک دمک ہی حسن و خوبی کا معیار بن گئی ہے انکا کلام بہت دلکش اور دلآویز ہوتا ہے۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ "ع" صاحب نے (یہ ان تبصرہ نویس صاحب کا "نام" ہے جنہوں نے مطلع انوار پر تبصرہ لکھا ہے) کس حد تک ہماری رائے سے اتفاق کیا ہے ہمنے اس تبصرہ کو بغور پڑھا تو آنکھیں کھل گئیں! "ع" صاحب کی وسعت معلومات اور ذوق سلیم نے حق یہ ہے کہ ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔ اللہ، اللہ! "ع" صاحب کو یہ راز درون پردہ بھی معلوم ہے کہ صوفیانہ عقیدہ کے بُنیادی اُصول یہ ہیں کہ "کائنات کے تمام مظاہر ایک ہی نور ازلی کا پرتو ہیں اور خالق اور تخلیق کے درمیان نہ ختم ہونے والی کڑیاں قائم ہیں" حالانکہ یہ اصول اب تک تصوف کا ایک نہایت ہی سربستہ راز تھا، حافظؔ اور خیامؔ جیسے رندانِ بادہ نوش بھی کم از کم اس حقیقت سے تو ہرگز واقف نہ تھے کہ دُنیا میں کوئی ایسی کڑی بھی ہوسکتی ہے جو اگر یہ ہو تو دو چیزوں کے درمیان گویا اسکے دونوں سرے موجود نہ ہوں پھر بھی وہ ہو "کبھی ختم نہ ہونے والی"، اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت "ع" کو اس جدید ترین تحقیقات کے لئے داد نہ دی جائے۔

اسی تبصرہ کو پڑھکر ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دیوان حافظ پر تبصرہ لکھتے وقت اگر صرف اتنا لکھ دیا جائے کہ صوفیانہ عقیدہ کے بُنیادی اصول تو یہ ہیں' اور یہ عقائد اور یہ فلسفہ فارسی زبان میں بھی ہے اور دید دں میں بھی، کیونکہ جناب پروفیسر نکلسن صاحب بہادر ایسا فرما چکے ہیں' اور اسقدر لکھنے کے بعد یہ کہہ دیا جائے کہ حافظ کی غزلوں میں بھی یہی فلسفہ ہے خواہ وہ فارسی سے لیا ہو یا وید مقدس سے تو بس تبصرہ کا حق ادا ہوگیا۔ کیونکہ تصوف کے رازہائے سربستہ کے متعلق اس سے زیادہ اور کہا بھی کیا جاسکتا ہے۔ نہ یہ باتیں عوام کی سمجھ میں آنے کی ہیں اور نہ کوئی تبصرہ نویس انھیں سمجھا ہی سکتا ہے۔ خود خواجہ حافظ فرما گئے ہیں کہ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز — ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

یہ ممکن ہے کہ ان رازوں کو پوشیدہ رکھنے میں رندوں کی مصلحت کچھ اور ہو اور تبصرہ

نویسوں کی نیچر ہو۔ بہرحال اپنی اپنی خصلت ہو۔

صوفیانہ نظموں کا قصہ تو یوں ختم ہوا، اب لیجئے منظریہ شاعری "ع" صاحب فرماتے ہیں کہ جہاں تک برق صاحب کی منظریہ شاعری کا تعلق ہو مجھے اصغر صاحب سے اس معاملے میں اختلاف ہو کہ برق صاحب نے بجائے "عکاسی" کے تخلیق سے کام لیا ہو اور فطرت کی بیجان اشیاء کو اپنے زور صنعت سے زندگی بخش کر معارف و اسرار کے خزائن پیش کئے ہیں۔ میں دیر سے اصغر صاحب کے ان شعروں کا مداح ہوں (کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ "دیر سے" کا یہ مطلب ہو کہ "ع" صاحب صرف کئی گھنٹے سے اصغر صاحب کے مداح تھے، بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چند سال سے انھیں اصغر صاحب کا مذاق شاعری پسند تھا۔ سعید) اور ان کا دیباچہ پڑھنے کے بعد میں نے ان نظموں کو غور سے پڑھا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان نظموں میں صرف استعارات و تشبیہات کی بہتات ہو اور اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"

اصغر صاحب نے بھی تو غضب ہی کر دیا تھا۔ بھلا برق سے اور تخلیق اشیاء سے تعلق؟ "ع" صاحب بالکل حق بجانب ہیں اگر وہ اصغر صاحب سے اتفاق رائے نہیں رکھتے۔ بھلا کوئی کیسے مان لے کہ گنگا اور جمنا برق صاحب کی پیدا کی ہوئی ہیں یا کوہ ہمالہ علامہ اقبال نے پیدا کیا تھا؟ عکاسی! بس عکاسی، اور صرف عکاسی شاعر کا کام ہو اور یہی ہر ایک شاعر کیا کرتا ہو پھر برق صاحب کی خصوصیت کیا؟ تشبیہات و استعارات اور پھر ان کی بھی بہتات! توبہ! توبہ! نظمیں تو بالکل ہی واہیات اور خرافات ہو گئی ہوں گی! نہ اصغر صاحب ان نظموں کی تعریف کرتے اور نہ سرمہ کی طرح "ع" صاحب کی آنکھوں میں سما جانے کے بعد آج آنسو کی طرح گرائے جاتے، ادبیت اور شعریت کی اس بارگاہ عالی سے مردود و راندہ ہو جانے کے بعد اب اصغر صاحب کا بھی کہیں ٹھکانا نہ رہا۔

ہمیں شاعروں کی جوتیاں سیدھی کرتے برسیں گذر چکی تھیں لیکن حق یہ ہو کہ یہ عجیب و غریب نکتہ آج تک کسی سے بھی معلوم نہیں ہوا تھا جو "ع" صاحب نے اس تبصرہ میں صرف دو لفظوں کے ذریعے ظاہر کر دیا ہو۔ نہایت غصہ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ نہایت افسوس کا مقام ہو کہ استعارات و تشبیہات کو محض آرائش کلام کے لئے استعمال کیا جاتا ہو۔ کس قدر حیرت کا مقام ہو کہ سلف سے لے کر آج تک چھوٹے بڑے اچھے سے اچھے کسی شاعر کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ استعارات و تشبیہات کو محض آرائش کلام کے کام میں نہ لائیں بلکہ اس سے کلام کی تخریب کا کام بھی لیا کریں۔ "ع" صاحب کی یہ تحقیقات شعراء کے لئے زمانۂ مستقبل میں مشعل راہ کا کام دے گی۔

"ع" صاحب نے بعض کم لیاقت تبصرہ نویسوں کی طرح صرف اعتراض کر کے چھوڑ دینے سے کام نہیں لیا ہو، بلکہ استعارات و تشبیہات کے صحیح استعمال کا طریقہ بھی بتا دیا ہو۔ فرماتے ہیں کہ "شاعر کے لئے فطرت کی ہر جمیل شے ایک درخشاں جوہر ہو جسکے پہلو تراشے ہوئے ہیں (کوئی صاحب غلطی سے "ترشے ہوئے" نہ پڑھ لیں۔ سعید) روشنی کم و بیش ان پہلوؤں میں مختلف رنگ اور مختلف دلآویزیاں پیدا کرتی ہو۔ ان مختلف نوعیتوں کو واضح کرنے کے لئے شاعر کو الفاظ کا معمولی استعمال ناکافی معلوم ہوتا ہو اور وہ تشبیہات و استعارات کام میں لاتا ہو۔ یہ وہ تجلیاں ہیں جو صنعت کی فضاء کو روشن کرتی ہیں۔"

ہماری دلی استدعا ہو کہ کوئی صاحب اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ "صنعت کی فضاء کا روشن ہو جانا ہی صنعت کی آرائش ہو" ورنہ اندیشہ ہو کہ اصغر صاحب کی طرح وہ بھی راندۂ درگاہ ہو جائینگے۔

"ع" صاحب نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہو کہ "برق صاحب کی تشبیہات نہ تو مناظر کا کوئی نیا پہلو واضح کرتی ہیں اور نہ اچھوتی اور نادر ہیں صرف یہ ہو کہ آپکے پاس تشبیہات اور استعارات کا ایک نامحدود ذخیرہ ہو جسے وہ (کلام نہیں، سعید) نہایت فراخدلی سے استعمال کرتے ہیں۔"

حقیقت بھی یہی ہو کہ برق صاحب نے اگر درختوں کا ذکر کیا ہو تو صرف انکے پتوں، پھولوں اور شاخوں کا ذکر کیا ہو، حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایک نیا پہلو واضح کرنے کے لئے وہ ان کی جڑوں کا ذکر کرتے کہ کس طرح زمین کے نیچے ہی نیچے انکا ایک جال سا پھیلا ہوا ہو۔ یا تاج گنج کے میناروں کا حال لکھتے وقت وہ انکی بلندی اور ظاہری خوشنمائی بیان کرنے کی بجائے ان کا ایک دوسرا پہلو یہ دکھلاتے کہ اگر انھیں الٹ کر زمین میں گاڑ دیا جائے تو بڑے سے بڑا کنواں بھی گہرائی میں ان کا

مقابلہ کر سکے گا۔ برق صاحب کی نگاہ ان گہرائیوں تک نہ پہونچی اور ان کی یہ کم نگاہی کسی طرح بھی قابل معافی نہیں ہے،

یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ برق صاحب کے پاس تشبیہات و استعارات کا ایک محدود ذخیرہ ہے اور اسی کو وہ فراخدلی سے استعمال کیا کرتے ہیں، حالانکہ ایک اچھا شاعر ہونے کے لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ "ع" صاحب کی طرح انکے وسائل بالکل محدود ہوتے، اور ایک پکے بنیے کی طرح وہ ایک ایک تشبیہ اور ایک ایک استعارہ کو خرچ کرنا گناہ عظیم خیال کرتے، خدائے سخن میر انیس مرحوم و مغفور کے متعلق بھی یہی تو ہے۔ انکے پاس الفاظ کا، تشبیہات کا، اور استعارات کا ایک غیر محدود خزانہ تھا اور وہ بھی انھیں بے دریغ خرچ کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے اسی عیب کی وجہ وہ صرف خدائے سخن رہ گئے ہوں ورنہ "عین" سخن بنجاتے۔

"ادبی دنیا" میں برق صاحب کے متعلق یہ سب کچھ پڑھکر اور اپنی مدنون تاثر کی سوئی سائے کی "اس طرح" دھجیاں اُڑتی دیکھ کر جی نہ مانا اور ہم نے "مطلع انوار" منگا کر شروع سے آخر تک اسے دیکھا اور خاصی اچھی طرح دیکھا۔ تماشے کی بات یہ ہے کہ ہمیں ان کی قریب قریب ہر نظم میں تشبیہات و استعارات کے علاوہ بھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ملی کہ جو دل پر اثر کرتی ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برق صاحب مٹی کے بت نہیں ہیں جیسا کہ "ع" صاحب نے انھیں تصور کیا ہے بلکہ سچ مچ کے انسان ہیں اور سینہ کے اندر ایک ایسا دل رکھتے ہیں جو حسن مناظر سے بھی متاثر ہوتا ہے اور جس میں صحیح اور سچے جذبات بھی موجزن رہتے ہیں،

مثال کے طور پر ان کی نظم "تاج" ہی کو لے لیجئے۔ اس بے نظیر عمارت کی تعریف وہ کون ہے جو نہیں کرتا۔ برق صاحب بھی اسکے حسن ظاہر سے متاثر ہوتے ہیں اور پہلے تو تشبیہات و استعارات کا خزانہ اس طرح لٹاتے ہیں:

عروس ناز تبسم پیکر حسیں ہے تو　　ادائے نور میں ملبوس نازنیں ہے تو
مرقع کشش حسن دلنشیں ہے تو　　بہار خلد کی تصویر بالیقیں ہے تو
فروغ دیدۂ دل جنت نظارہ ہے
ضیافشاں کرۂ ارض پر ستارہ ہے

عجائبات زمانہ میں انتخاب ہے تو　　زمیں پہ منزل خورشید کا جواب ہے تو
سپہر حسن ہے یا برج ماہتاب ہے تو　　نگار خانۂ صنعت کنا آب ہے تو
یہ تیرا عکس ہے سیلاب کی روانی میں
کہ اک سفینۂ زریں پڑا ہے پانی میں،

روضۂ تاج محل کے حسن ظاہری کی ایسی بقدر کمال فن کے ساتھ "عکاسی" کرچکنے کے بعد وہ اس اثر کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں جو انکے دل نے قبول کیا ہے اور جسنے انھیں مجبور کرکے ان سے یہ نظم لکھوائی ہے:-

نہاں ہے گوہر نایاب تیرے دامن میں　　خموشی شمع فروزاں ہے کنج مدفن میں،
بہار حسن ہے خوابیدہ صحن گلشن میں　　سکون پذیر ہے ممتاز اپنے مسکن میں
حریم خاک میں ہیں حسن و عشق ہم آغوش
ہیں محو خواب عدم تاج و تاجدار خموش

کیا مٹی اور پتھر کے بتوں میں بھی کبھی یہ گرمی پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا "صحن گلشن میں خوابیدہ بہار حسن"، کسی معمولی شاعر کی آنکھوں کو بھی نظر آ سکتی ہے؟ مگر نہیں، توبہ! توبہ! ہم یہ کیا کہہ گئے! "ع" صاحب ناراض ہو جائینگے۔

مٹی کے چراغ کو دیکھ کر برق صاحب کے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

کیا سرور انگیز اس کا جلوہ مستانہ ہے　　بیخود صہبائے آتش خیز ہر پروانہ ہے
سرخی افسانۂ شب، زینت کاشانہ ہے　　میں سیہ قسمت ہوں یہ میرا چراغ خانہ ہے
شام غم اسکے فروغ رخ سے نورانی ہوئی
تیرگی میں نور پھیلا جلوہ سامانی ہوئی

اسکے شب افروز جلوہ سے فضا معمور ہے　　دیدۂ نظارہ جو روشن ہے دل مسرور ہے
شعلۂ عریاں میں پنہاں رنگ برق طور ہے　　شمع کافوری بھی اسکے سامنے بے نور ہے
دیکھنا اک پارۂ گل کی ذرا اوقات کو
نور کے سانچے میں ڈھالا ہے اسی نے رات کو

اس ظاہری پہلو کے بعد باطنی پہلو بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

رات بھر سوزد دل گھلتا ہے گرم سوز دنیا　　خرمن جاں پھونکتی ہے برق عشق دلگداز

اسکی نمائش ہو ان روشن شبوں میں بعد نو   تاب گویائی ہو کم، افسانۂ الفت دراز

کتنی زحمت ہو رہی ہے صبر کے واسطے

گل بداماں ہے یہ خورشید سحر کے واسطے

برسات کی اندھیری راتوں میں جگنو کی چمک کا نظارہ اسقدر عام ہوکر آج کوئی حسن تلاش کرنا تو کجا، اس کی طرف صرف دیکھ لینے کا خیال بھی عام دلوں میں نہیں آتا لیکن "ع" صاحب کا غیر حساس شاعر اسکی چمک میں بھی نور ازل کی جھلک دیکھ لیتا ہے اور جگنو کی بہت کچھ ثنا و صفت کرنے کے بعد کہتا ہے کہ

برق ایمن کو جو سمجھے ہو دکھائی اپنی نمود   ڈھل گیا نور کے سانچے میں ترا نقش وجود

حسن میں تیرے عجب ناز دل آرائی ہے   تیرا جلوہ کبھی پنہاں کبھی پیدائی ہے

شفق کی سرخی پھیلی تو ہر آنکھ نگاہ کو معلوم ہوتی ہے لیکن ایسے دیکھنے والے کتنے ہیں جو اسے دیکھ کر اپنی آنکھ سے یہ کہیں کہ

دیکھ لے چشم تماشا جو یہ جلوہ دیکھ لے   کلک صناع حقیقی کا کرشمہ دیکھ لے

شفق کے مختصر قیام سے بھی برق صاحب کا دل عبرت حاصل کرتا ہے اور وہ بے اختیار ہوکر آفتاب کے جلوۂ آخر کی مٹتی ہوئی تصویر کو مخاطب کرکے یہ کہتے ہیں:-

محو ہو جاتے ہیں دم بھر میں ترے نقش و نگار   ہو یونہی وقت خزاں عمر دو روزہ کی بہار

جلوۂ گل تو ہو مشتاق تماشا کے لئے

منظر عبرت نما ہو چشم بینا کے لئے

مضمون بہت طویل ہوتا جا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ رسالہ "کامیابی" کی محدود گنجائش اس کی متحمل نہ ہو سکے گی ورنہ جی تو چاہتا تھا کہ جناب برق کی چند اور نظموں کے اقتباسات بھی یہاں درج کئے جاتے۔ کرشمۂ قدرت، گنگا جی، بانسری، ماہ تاباں، ہندوستان جنت نشان، سبزۂ بیگانہ، شمع کشتہ، کار خیر، کشتی بان، گرو نانک، بچے کی گلابی مسکراہٹ، عروس کوہسار، سب ایسی پاکیزہ نظمیں ہیں کہ جن پر اردو شاعری بجا طور پر ناز کرے گی۔ جناب "ع" جس طرح حضرت صغر سے ناراض ہو گئے ہیں اسی طرح غالباً ہم سے بھی ناراض ہو جائینگے لیکن اب یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ جو چیز ہمیں اچھی معلوم ہو رہی ہے اسے صرف اس لئے برا کہدیں کہ وہ جناب "ع" کو پسند نہیں ہے۔ "مطلع انوار" کی قیمت ایک روپیہ ہے اور آریہ بک ڈپو نئی سڑک دہلی سے مل سکتی ہے۔ (سعید احمد)

مظاہر ذہنیات

یا

مشعل کامیابی

(از جناب فضل الرحمٰن صاحب ہاؤس سرجن ہارڈنگ اسپتال تبا سی آئی)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ہاؤس سرجن ہارڈنگ اسپتال دتیانے از راہ کرم مندرجۂ ذیل مضمون "کامیابی کے لئے" عنایت فرمایا ہو یہ اس سلسلۂ مضامین کی پہلی قسط ہو جسکا آپ نے وعدہ کیا ہو اور جو ذہنیات پر اپنی نوعیت کے بہترین مضامین ہونگے۔ اگر یہ صحیح ہو کہ معرفت نفس فی الحقیقت معرفت الٰہی ہو تو حقیقت نفس کے دریافت کرنے کے متعلق جس پہلو سے بھی کوشش کیجائے وہ سزاوار صد تحسین ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مفید اور عالمانہ مضمون ہمیں امید ہو کہ پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اپنی واقفیت اور علم میں اضافہ کے خواہشمند اصحاب اسکی وہی قدر کرینگے کہ جس کا وہ مستحق ہو۔ (ایڈیٹر)

حقیقت نفس (Soul)

منجملہ ان چیزوں کے جنہیں ہم دیکھ سکتے اور چھو سکتے ہیں دنیا میں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں جنہیں نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں مثلاً الیکٹرون (Electrons) ایتھر (Ether) وغیرہ۔ ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ہمارا نفس ہو۔ یہ ایک ایسی عدیم المثال حقیقت ہو جسے باوجود سالہا سال کی کوشش کے آجتک کوئی دریافت نہ کر سکا اور نہ آئندہ یہ توقع کی جا سکتی ہو کہ کسی شخص کی جدت فکر نفس کی حقیقت اور ماہیت تک رسائی کر سکے گی۔ ہر شئے کا اغلباً امتحان ممکن ہو اور ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اسکے اجزائے ترکیبی کیا ہیں لیکن اگر ہمارے جسم کے کسی حصہ شلاً ہمارے ہاتھ کا اس کو جسم سے علٰحدہ کرنے کے بعد بذریعہ آلہ خوردبین کیمیاوی ذرائع یا اور کسی ترکیب سے امتحان کیا جائے تو اسمیں محسوس کرنے والی چیز یعنی نفس جیسی حقیقت نہیں ملے گی نہ ہمارے ہاتھ کے ضایع ہو جانے سے ہمارے نفس پر بجز اسکے اور کوئی اثر نہیں پڑتا کہ وہ آلہ جس کے ذریعے سے وہ محسوس کیا کرتا تھا اس سے وہ محروم ہو جاتا ہو۔ اسی طرح دل اور دماغ بھی جنھیں لوگ عموماً نفس سے تعبیر کرتے ہیں دراصل نفس نہیں ہیں بلکہ وہ بھی مثل دیگر جسمانی اعضاء کے ایسے آلات ہیں جن کے ذریعہ سے نفس اپنے مخصوص افعال کی انجام دہی کرتا ہو۔ اس سے ظاہر ہو کہ نفس ہماری جسمانی ترکیب میں شامل نہیں ہو۔ نفس دراصل ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہو اور ایک ایسا سربستہ راز ہو جس سے بجز اس رب العزت کے اور کوئی واقف نہیں۔ حکمائے نفس کے متفرق کاموں کے اعتبار سے اس کی دو ہیئتیں (Phases) یا کیفیتیں مقرر کی ہیں، ان میں سے ایک ہیئت (Phase) وہ ہو جس کے افعال سے ہم باخبر رہتے ہیں اور دوسری ہیئت وہ ہو جس کے افعال سے ہم لاعلم رہتے ہیں۔ چنانچہ نفس کی اول الذکر ہیئت کو شعور (Consciousness) اور موخر الذکر ہیئت کو تحت الشعور (Subconsciousness) کہتے ہیں۔

انسان ایک واحد زندہ ذرّہ کی بے انتہا نسلوں کا مجموعہ ہو

انسان کی بنا ایک واحد زندہ ذرّہ (خلیہ) (Cell) سے شروع ہوتی ہو، وہ اس قدر باریک ہوتا ہو کہ عُریاں آنکھ سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اس کے اندر وہ قوّت موجود ہوتی ہو جسے ہم زندگی کہتے ہیں اس کے لئے یہ کہا جا سکتا ہو کہ اسے اگر اپنے نشو و نما کے لئے کافی طور سے موقع ملجائے تو تا ابد موت نہیں ہو یعنی وہ انسان پیدا کر سکتا اور اپنی اولاد کے ذریعے سے بے انتہا نسلوں تک قائم رہ سکتا ہو،

غرض جس وقت اس ذرہ کو رحم میں جگہ مل جاتی ہے وہ ایک خاص حد تک بڑھتا ہے۔ اس حد وسط میں ست دوبارہ ہو کر دو زندہ ذرے بنجاتے ہیں۔ ذرات کے اپنی تقسیم کا بھی سلسلہ برابر قائم رہتا ہے یہاں تک کہ اس ایک واحد زندہ ذرہ سے کروڑہا زندہ ذرات کا ایک باقاعدہ نظام قائم ہوجاتا ہے۔ لہذا اگر ہم ایک زندہ انسان کو ایک واحد زندہ ذرہ کی بے انتہا نسلوں کا مجموعہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا

جسمانی ذرات کے کاموں کی تفریق

انسانی جسم کے ذرے (خلایا) (cells) گو ایک ہی واحد ذرہ (خلیہ) کی اولاد ہیں لیکن تاہم انکے کام انسان کی نشوونما کی غرض سے بٹے ہوئے ہیں۔ جگر کے ذرات کے ذریعہ آواز سنائی نہیں دے سکتی۔ آنکھ کے خلایا سے دودھ پیدا نہیں ہوسکتا اعصاب کے ذرات غذا ہضم نہیں کر سکتے۔ غرض جو ذرہ جس کام کے واسطے مخصوص ہے وہ بجز اس کام کے اور کسی دوسرے قسم کا کام انجام نہیں دے سکتا۔

اس اعتبار سے انسان کی جسمانی ترتیب میں خلایا کی متعدد قسمیں موجود ہیں جن میں سے ہر ایک کے افعال مختلف ہیں۔ غدود کے ذرے خون میں سے ان اجزا کو منتخب کرتے ہیں جو عمل ہضم کے واسطے ضروری ہیں۔ خون کے ذرات میں سے بعض کا یہ کام ہے کہ بیماری کے کیڑے جو کسی طریقہ سے جسم کے اندر داخل ہوجاتے ہیں انکا مقابلہ کرنے اور ان کو شکست دینے کے لئے ہر وقت تیار رہیں اور بعضوں کا یہ فعل ہے کہ وہ جسمانی پرورش کے لئے غذا کا اہتمام کریں۔ جگر کے ذرات اس قسم کا عرق تیار کرتے ہیں جو ہاضمہ کے واسطے لازمی ہے۔ پھیپھڑوں کے ذرات خون کی کثافت دور کرنے میں مشغول بکار رہتے ہیں۔ عصبی ذرات ایک مقام سے دوسرے مقام تک خبر لانے اور لیجانے میں منہمک رہتے ہیں۔ دماغی ذرات کے ذریعہ سے عقل و ادراک کے افعال ظاہر ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہر ذرہ طبعی طور پر اپنے کام سے واقف اور اس کی انجام دہی وہ خود بخود اپنی ذہنیت سے کرتا رہتا ہے۔ ان میں سے کوئی ذرہ معمار ہے تو کوئی عطار کوئی سپاہی ہے تو کوئی محافظ، کوئی خبر رساں ہے تو کوئی پیغامبر۔ غرض جو ذرہ جس کام کے واسطے موزوں ہے اس کی تفویض میں اسی قسم کا کام کیا ہے۔ یہ زندہ ادراکی ہستیاں ہمارے شعور و علم کے بغیر اپنے افعال مخصوصہ کی تکمیل کرتی رہتی ہیں ہمارے جسمانی ذرات کے یہ وہ اہم ترین افعال ہیں جن کا ہمارے شعور سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کا عمل درآمد تحت الشعور کے ماتحت وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

نفس حکومت کے لئے جسمانی ذرات کا انتخاب

جسمانی ذرات کی اس بے انتہا مخلوق کے کاموں میں باضابطگی اور ربط قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری امر تھا کہ ان میں سے ایسے ذرات منتخب کئے جاتے جن کے ذریعہ سے نفس جسم کے کل ذرات کو اپنے ضابطہ میں رکھ سکتا۔ اس غرض کے لئے ان ذرات کا انتخاب کیا گیا جن سے دماغ، حرام مغز، اور سفید تاگوں جیسے وہ تار بنے ہیں جو جسم میں ہر جگہ اور ہر مقام پر پھیلے ہوئے ہیں، ان خاص قسم کے ذرات کو عصبی ذرات (Nervous Cells) یا عصبی خلایا کہتے ہیں اور ان ذرات کی باہمی ترتیب کا نام نظام اعصاب (Nervous System) ہے۔

نفس نظام اعصاب کے ذریعہ سے کل جسم پر حکمرانی کرتا ہے

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے نفس کی دو بالکل متفرق ہستیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک کو شعور اور دوسری کو تحت الشعور کہتے ہیں۔ شعور کے ذریعہ سے ہم اپنی خواہش خیال اور ارادہ کا اظہار کرتے ہیں۔ تحت الشعور کے ذریعہ سے ہمارے جسم کے کل افعال انجام پذیر ہوتے ہیں۔

نظام اعصاب کا ایک نہایت مختصر حصہ شعور کے ارادہ، خواہش اور خیال کے اظہار کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور باقی اس کا کل حصہ تحت الشعور کے عمل کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

نظام اعصاب میں دماغ اور حرام مغز شامل ہیں۔ دماغ تین حصوں میں منقسم ہوتا ہے دماغ کا پہلا حصہ شعوری حکومت کا مرکزی آلہ ہے۔ شعور دماغ کے اس حصہ کے ذریعہ سے اپنے ارادہ، عقل و دانش اور قوت فیصلہ کا اظہار کرتا ہے۔ دماغ کے باقی دو حصے اور حرام مغز تحت الشعور کے ماتحت ہوتے ہیں۔ تحت الشعور ان ہی کے ذریعہ ہمارے کل جسمانی اعمال کی تکمیل کیا کرتا ہے۔

جسم کے تحت الشعوری افعال دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو براہ راست ہمارے شعور کی خواہش کے ماتحت ہوتے ہیں، مثلاً ہم لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں ہمارا ہاتھ ہمارے

خیالات کی متابعت میں حرکت کرنے لگتا ہے، دوسرے وہ جو براہ راست ہمارے شعور کی خواہش کے تحت نہیں ہوتے اور غیر شعوری ہوتے ہیں مثلاً دل، جگر، معدہ، اور پھیپھڑوں کی حرکتیں وغیرہ۔ جسم کے ان ہر دو مختلف افعال کے مطابق تحت الشعوری نظام اعصاب کی بھی دو مختلف قسمیں ہوتی ہیں جن میں سے اول الذکر کو دماغی نخاعی نظام (Cerebro Spinal System) اور ثانی الذکر کو تائیدی نظام (Sympathetic System) کہتے ہیں۔

دماغی نخاعی نظام تحت الشعور کا وہ آلہ ہے جسکے ذریعہ سے وہ ایک طرف تو شعور کو دنیاوی امور اور جسمانی کیفیتوں کی خبریں پہونچاتا ہے اور دوسری طرف وہ شعور کے براہ راست ارادہ کے ماتحت جسمانی اعضاء کو حرکت میں لاتا ہے۔ اس غرض کے لئے دماغ اور حرام مغز میں سے عصبی تار جاری ہوئے ہیں جو کل جسم میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اعصاب جو خبر رسانی کے کام پر مامور ہیں انھیں اعصاب حسیہ (Sensory Nerves) کہتے ہیں یا بہ الفاظ دیگر وہ ہمارے حواس خمسہ کے اعصاب ہیں، اور وہ اعصاب جو جسمانی اعضاء کو حرکت میں لاتے ہیں انھیں اعصاب محرکہ (Motor Nerves) کہتے ہیں۔

تائیدی نظام کے تار دماغ سے جاری ہو کر خاص خاص مرکزوں میں سے گذرتے ہوئے کل جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے جسم کے نہایت اہم اندرونی افعال مثلاً دل، جگر، معدہ پھیپھڑوں، آنتوں، غددوں اور خون کی نالیوں (شریان) وغیرہ کی حرکتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ جسم کے یہ وہ پوشیدہ افعال ہیں جن کی شعور کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں تحت الشعور کا یہ نظام براہ راست ہمارے ارادہ کے ماتحت نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ہم چاہیں کہ ہمارے دل یا پھیپھڑوں کی حرکت موقوف ہو جائے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

نفس کی شعوری کیفیت

شعور ہم اپنی اس ذہنی حالت کو کہتے ہیں جبکہ ہم بیدار ہوتے ہیں، اسکے ذریعہ سے ہمیں اپنی گرد و پیش کی چیزوں کا وقوف ہوتا ہے۔ اس کتاب کو ہم اپنے شعور کے ذریعہ سے لکھ رہے ہیں، شعور عقل و ادراک، قوت فیصلہ، خواہش، خیال اور ارادہ کا مخزن ہے، وہ ایک چیز کو دوسری سے تمیز کرتا ہے، شعور کا ایک مختصر حصہ چند موجودہ تجربات اور اس کا بیشتر حصہ سابقہ تجربات سے بلحاظ ترکیب پایا جاتا ہے۔

شعور کو دنیاوی امور کا علم کیونکر حاصل ہوتا ہے

دنیاوی علم کے حصول کے لئے ہمیں حواس خمسہ (باصرہ، ذائقہ، سامعہ، شامہ، لامسہ) جنھیں حواس اولیہ (Primary Senses) بھی کہتے ہیں عنایت کئے گئے ہیں۔ حواس اولیہ میں ہماری کل احساس پذیر سطح جسمانی یعنی آنکھ، ناک، کان، زبان، اور جسم کے کل جلد کے اعصاب حسیہ شامل ہیں۔ ان عصبی تاروں کا یہ کام ہے کہ جو کچھ خبریں انھیں سطح جسمانی سے ایتھر اور ہوا کے توسل سے وصول ہوں وہ ان کی اطلاع دماغ کے پہلے حصہ تک جو شعوری کیفیت کا مرکز ہے پہونچا دیں تاکہ شعور کو ان کا علم ہو جائے۔

آنکھ، ناک، کان، زبان، اور جسم کی جلد کے اعصاب حسیہ کے ذریعہ سے جو خبریں دماغ کے پہلے حصہ تک پہونچتی ہیں انھیں ادراکات حسیہ (Sensations) احساسی نقوش (Sensory Impressions) احساسی تجربات (Sensory Experiences) یا احساسی تصاویر (Sensory Images) وغیرہ کہتے ہیں۔

ہوا کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک آواز کی حرکت کا ذریعہ سمجھا گیا ہے آواز ہوا کے ذرات کے ذریعہ سے بحساب ...۱۱ فٹ فی سکنڈ (ثانیہ) سفر کرتی ہے، ہوا کے ذرات دائمی حرکت اور باہمی تصادم کے باعث ہر وقت تھرتھراتے رہتے ہیں، اس ہیجانی کیفیت اور طلاطم کے باعث ہوا کے ذرات کی لہروں کی رو قایم ہو جاتی ہے، پس ان ہوائی ذرات کی لہروں کی رو کے ساتھ ساتھ کسی شئے کی آواز کے صدمات یا نقوش ایک ذرہ میں سے دوسرے ذرہ میں گذرتے ہوئے ہماری سطح جسمانی (Sense organs) تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

ایتھر وہ مادہ لطیف ہے جو فضا کے بسیط میں ہر جگہ اور ہر مقام پر پھیلا ہوا ہے ایتھر کے ذرات کا خاصہ بھی بجنسہ مثل ہوا کے ہے۔ اسکے ذرات کی لہروں کے ذریعہ سے کسی شے کی روشنی (روشنی سے کسی شے کی شکل و صورت کی احساسی تصویر بھی مراد ہے)

یا حرارت سطحِ جسمانی تک قربت حاصل کرتی ہو، ایتھر کی لہروں کے ذریعہ سے روشنی یا حرارت بحساب ۱۸۶۰۰۰ میل فی سکنڈ مسافت طے کرتی ہو۔

جس وقت ایتھر یا ہَوا کی مرتعش لہریں کسی شے کی احساسی تصویر یا اس کی آواز کے نقوش کو سطحِ جسمانی سے لا کر ٹکراتی ہیں ہمارے اعصاب حسیہ کے ذرّات اس احساسی پیغام کو دماغ کے مرکزی حصّہ تک لے جاتے ہیں تب کہیں جا کر شعور کو اس کی صورت و شکل یا اس کی آواز کا ادراک یا وقوف ہوتا ہو اور اس سے قبل ہرگز نہیں ہوتا۔

اعصاب حسیہ کے ذرّات کا یہ عمل ایتھر یا ہَوا کے ذرّات کے عمل کے خلاف جو محض مادّی ہوتا ہو ذہنیت پر دلالت کرتا ہو۔ یعنی اعصاب حسیہ کے ذرّہ ذرّہ میں یہ قدرت اور ذہنیت موجود ہوتی ہو کہ وہ ہر احساس کے نقش کو قبول کرے اور اسے دوسرے متصل ذرّہ کے سپرد کرے۔ دوسرا ذرّہ اس احساسی پیغام کو لے کر تیسرے متصل ذرّہ میں منتقل کرے، اسی طرح تیسرا چوتھے کو اور چوتھا پانچویں کو وقس علیٰ ہٰذا یہاں تک کہ یہ احساسی نقش تمام متعلق اعصاب حسیہ کے ذرّہ ذرّہ میں منتقل ہوتا ہوا دماغ کے مرکزی حصّہ تک پہنچ جاتا ہو اور اس طریقہ پر شعور کو اس احساسی پیغام کی اطلاع ہو جاتی ہو

اوپر کے بیان سے ہم پر یہ بخوبی روشن ہو گیا کہ دنیا کی کوئی شے بھی ہمارے نفس کے شعوری حصّہ تک براہ راست نہیں پہنچ سکتی اور نہ ان درمیانی ذرائع کے بغیر ہمارے شعور کی اس چیز تک رسائی ممکن ہو۔ بلکہ ایتھر، ہوا، اور اعصاب حسیہ کے واسطے ہمارے شعور کو اس چیز کے محض احساسی نقوش، احساسی تصویر یا اس کی صفتوں کی اطلاع ہوا کرتی ہو۔ فرض کرو کسی قسم کی مادّی چیز کا ہمیں علم ہوا۔ اب وہ مادی شئے اور اس کی صورت و شکل کی احساسی تصویر جو بذریعۂ ایتھر اور اعصاب حسیہ ہمارے شعور تک پہنچی بالکل دو مختلف چیزیں ہوئیں یعنی ایک تو ان میں سے مادّی ہو اور دوسری محض احساسی تصویر یا ذہنی کیفیت پر دلالت کرتی ہو اس سے ظاہر ہو کہ ہمارے شعور کو جو علم ہوا اس مادّی شئے کا نہیں ہوا بلکہ اس کے محض احساسی نقوش کا علم ہوا جو بذریعۂ ایتھر اور اعصاب حسیہ ہمارے شعور تک پہنچے یا بہ الفاظ دیگر ہمیں جو اس کا علم ہوا وہ براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہوا۔ علاوہ بریں اس سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوا کہ ہم مادّہ کی حقیقی اصلیت سے ہرگز ہرگز واقف نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے پاس ایسے ذرائع موجود نہیں ہیں کہ ہم اس کی نسبت براہ راست علم حاصل کر سکیں۔ پس وہ دُنیا جسے ہم مادی دنیا سمجھتے ہیں وہ اس کے صرف احساسی نقوش کا ذخیرہ ہو جو بذریعۂ ایتھر، ہوا، اور اعصاب حسیہ ہمارے اذہان میں مرتسم ہوتا رہتا ہو اور مادّی وجود سے بالکل مبرا اور معرا ہو۔ چنانچہ تمام اہل فن اس امر پر متفق ہوئے ہیں کہ دنیاوی علم تمامہ بذریعۂ ایتھر، ہوا، اور قوائے حسیہ ہمیں حاصل ہوتا ہو اور کسی شئے کے متعلق براہ راست علم حاصل کرنا قطعی ناممکن ہو۔ مطلب یہ ہو کہ ہمارا دنیاوی علم خواہ صداقت پر مبنی ہو یا عدم صداقت پر۔ خواہ اس کی عمارت حقیقی علم کی بنا پر استوار کی گئی ہو یا محض غلط فہمی پر اس کا نشو و ارتقا ان ہی ذرائع کا محتاج ہو۔ مختصر یہ کہ ہم بجز اپنے قوائے حسیہ کے احساسات کے دنیا کی نسبت اور کچھ بھی نہیں جانتے۔ لہٰذا ہماری دنیا جو ہو وہ ہمارے نفس ہی میں موجود ہوتی ہو اور اس کا وجود جیسا کہ عوام کا اس کی نسبت گمان ہو ہمارے جسم سے باہر نہیں ہوتا۔

ہماری خود ساختہ دُنیا

مادی دنیا کے احساسی نقوش کا ذخیرہ جسے ہم نے اپنی دنیا بنا رکھا ہو کثیر التعداد احساسی نقوش میں سے جو بطور مہیجات ایتھر اور ہوا کے ذریعہ سے ہماری احساس پذیر سطحِ جسمانی پر ہر وقت عمل کرتے رہتے ہیں خالصتاً ہمارا اپنا ذاتی انتخاب ہو، جو ہماری اپنی ہی دلچسپی اور رجحان طبیعت کی مطابقت میں ہمارے ذہنوں میں مترتب ہوتا رہتا ہو۔ یعنی جس قسم کے احساسی نقوش یا بہ الفاظ دیگر جس قسم کے دُنیاوی امور کی طرف ہم متوجہ رہتے ہیں اسی نوعیت کی دنیا ہم اپنے ذہن میں قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کی ذہنی دنیا بہ لحاظ اس کی توجہ، رغبت اور دلچسپی کے جو اس کو خارجی یا دنیاوی اشیاء کے ساتھ ہوتی ہو جداگانہ ہیئت اور صورت اختیار کرتی رہتی ہو۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہر شخص کا تجربہ کسی ایک شے کے متعلق بھی مختلف صورت اختیار کر لیتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہو کہ ہر شخص کے عصبی ذرّات دوسرے شخصوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ نیز ایتھر کے ذرّات کی درمیانی رَو جو کسی ایک خاص شے اور دو یا متعدد اشخاص کے مابین احساسی لہروں کا تسلسل قائم کرتی ہو اسی قسم کی دوسری رَو کے مقابلہ میں مختلف ہیجانی کیفیت پیدا کرتی ہو، علاوہ بریں ہر شخص کا

دلچسپیاں جو اس کو دنیاوی اشیا کے ساتھ ہوتی ہیں ہر دوسرے شخص کی دلچسپیوں سے اختلاف رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی سبزہ زار کو دیکھ کر جس قسم کے امور کی طرف ہم غور کرینگے کسی دوسرے شخص کے تجربات اس کی نسبت بالکل دگرگوں ہونگے، لہذا اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہر شخص کی دنیا ہر دوسرے شخص سے ہر حالت میں بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ نیز وہ دنیا جسے ہم دنیا کہتے ہیں ہماری خود ساختہ دنیا ہوتی ہے۔

ہمیں اپنے جسم کے اندرونی اعضاء اور عضلات کی
کیفیتوں کا کیونکر علم حاصل ہوتا ہے!

اس غرض کے لئے جسم میں حواسِ ثانویہ (Secondary Senses) کے اعصاب حسیہ یا عصبی تار موجود ہوتے ہیں ان کا فعل یہ ہے کہ وہ جسم کے اندرونی اعضا مثلاً دل، جگر، معدہ، عضلات، اور جوڑوں وغیرہ کی حرکتوں، کیفیتوں، انکے گرمی سردی اور درد وغیرہ کے احساسات کی اطلاع دماغ کے مرکزی حصہ کو پہونچائیں۔ حواسِ ثانویہ کے اعصاب حسیہ کی اطلاعیں جو شعور کو پہونچتی ہیں وہ لا محدود اور مبہم سی ہوتی ہیں مثلاً جس وقت ہمارے شکم میں درد ہوتا ہے تو وہ محدود نہیں ہوتا بلکہ پھیلا ہوا ہوتا ہے، علاوہ ازیں اس درد میں وہ خاص قسم کی تیزی اور شدت بھی موجود نہیں ہوتی جیسی کہ ہمارے سطح جسمانی کے درد میں کسی چوٹ، ورم یا زخم کی موجودگی کے باعث ہوتی ہے اور جس کا تعلق حواسِ خمسہ کے اعصاب حسیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس قسم کے درد کو میٹھا میٹھا درد کہتے ہیں۔

ہماری خوشی کا دارومدار ہمارے جسم کے اندر اور باہر کے احساسات پر منحصر ہوتا ہے لیکن اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہماری مسرتیں زیادہ تر ہمارے جسم کے اندرونی احساسات پر منحصر ہوتی ہیں۔ ایک لکھ پتی کا جو دائمی قبض میں مبتلا رہتا ہے ایک مفلس دیہاتی لڑکے کے ساتھ جو تندرستی کے باعث کھیتوں میں ترنگیں بھرتا پھرتا ہے مقابلہ کرکے دیکھو تو خود معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے کون زیادہ خوش اور صاحب نصیب معلوم ہوتا ہے۔ دراصل ایک تندرست شخص یہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ آیا اس کے جگر اور معدہ ہے بھی یا نہیں

تخلیقِ شعر و شاعری

(از جناب پروفیسر محمد اکبر خاں صاحب اکبر حیدری)

پروفیسر اکبر خاں صاحب اکبر حیدری آسمان ادب کے ان چند درخشاں تاروں میں سے ہیں جن کی ضیا پاشی ہر ادبی پرچہ کے لئے عام ہے اور اردو کا شاید ہی کوئی بد نصیب ادبی پرچہ ایسا ہوگا جس کے صفحات کی زینت آپکے کلام سے نہ ہوتی ہو۔ چند روز پیشتر تک جناب اکبر زیادہ تر غزلیں ہی کہا کرتے تھے اور عام طور پر وہی مختلف ادبی پرچوں میں شائع ہو کر لوگوں کی نگاہوں سے گذرا کرتی تھیں، لیکن اب آپنے شاعری کی ایک دوسری صنف کی جانب توجہ فرمائی ہے، اور اب آپ کی کامیاب نظموں کو دیکھ کر مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ فی الحقیقت آپ اسی دنیا کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ "تخلیق شعر و شاعری" ایک بہت ہی اچھوتا خیال ہے جسے ذیل کی نظم میں ادا کیا گیا ہے، اور کچھ ایسی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ تو ہر پڑھنے والے کے دل میں یہ بات ضرور ہی جم جائے گی کہ شاعری ضرور اسی طرح پیدا ہوئی ہوگی۔ نظم کی خوبیاں خود بیان کرنے سے ہم اسے زیادہ اچھا سمجھتے ہیں کہ آپ خود پڑھ کر انھیں معلوم کریں اور محظوظ ہوں۔ ہم تو اگر کچھ کہہ سکتے ہیں، اور کہنا چاہتے ہیں تو وہ صرف یہی ہے کہ اردو زبان کے شعراء اگر گل و بلبل کے فرسودہ و پامال مضامین کو چھوڑ کر، اور زلف و گیسو کی بال کی کھال نکالنے سے منہ موڑ کر حسن و عشق ہی کی دنیا میں ایسے نئے نئے سمندروں کی غواصی شروع کردیں تو چند ہی روز میں اردو کا دامن ہزارہا گہرہائے آبدار سے پر ہو سکتا ہے۔ تغزل یقیناً شاعری کی ایک صنف ہے اور نہایت ہی دلچسپ اور دلآویز صنف ہے، لیکن یہ خیال غلط اور سراپا غلط ہے کہ بس تغزل ہی شاعری ہے، اور تغزل بھی وہ کہ جسمیں میر د

سودا کے زمانے سے لے کر آج تک نہ خیالات بدلے ہوں نہ الفاظ اور طرزِ ادا، اور جس میں کسی نئی تشبیہ یا نئے استعارہ سے کام لینا گناہ کے مترادف ہو۔ (ایڈیٹر)

تخیل نے اٹھائے جب حریمِ ناز کے پردے جوانی جلوہ گاہِ قدس سے باہر نکل آئی
اِدھر بیتاب ہو کر عشق اٹھا خوابِ راحت سے اُدھر لی حسنِ خوابیدہ نے اک ہلکی سی انگڑائی

جہاں عشق پہ حسنِ ازل کی حکمرانی تھی
عروسِ دنیائے ہستی میں جوانی ہی جوانی تھی

اِدھر عشق ایک قرصِ آتشیں بن کر نظر آیا! زمانے میں ہوئی یوں آفرینش مہرِ سوزاں کی
اُدھر حسن اپنے پہلو سے لے کے دنیا میں اتر آیا ہوئی تخلیق ان جلووں سے آخر ماہِ تاباں کی

مگر یہ لطف ہے خورشید میں جو نورِ عریاں تھا!
وہی مہتابِ عالمتاب کے جلووں میں پنہاں تھا!

اِدھر دنیائے آب و گل سے عشقِ آتشیں پیکر گلِ آتش بکف بن کر گلستاں میں نظر آیا!
اُدھر حسنِ محبت جو شمیمِ دلربا بن کر گلِ رنگیں ادا کے قلبِ سوزاں میں اتر آیا!

یہ حسن و عشق کی ریشہ دوانی تھی گلِ تر میں!
شرابِ رنگ و بو پنہاں تھی آب و گل کے ساغر میں!

اِدھر دنیا و مافیہا کے ہنگامہ سے تنگ آ کر صدف بن کر چھپا عشق تہِ آغوشِ دریا میں
اُدھر قطراتِ نیساں میں سمایا حسن جانِ ہر دو یہ قطرے جذب ہو کر رہ گئے خاموش دریا میں

مگر اہلِ نظر نے جب صدف کو چیر کر دیکھا
درِ شہوار میں حسنِ ازل کو جلوہ گر دیکھا

اِدھر عشق و محبت نے پناہیں لیں مرے دل میں اُدھر حسن آ کے دزدیدہ نظروں میں اتر آیا
مگر وہ آرزوئیں بھی نہاں تھیں قلبِ بسمل میں جہاں حسنِ حجاب آگیں نے دیکھا، اور شرمایا

محبت اس سے پہلے آرزو لیکر نہ آئی تھی!
یہ پہلا واقعہ ہے حسن نے جب کج ادائی کی!

محبت نے جو دیکھی کس مپرسی آرزو کی بہت چیں بر جبیں ہو کر دلِ محزوں میں جا بیٹھی
یہ محرومی یہ ناکامی حقیقت میں وہ نشتر تھی جو سینے میں سمائی اور دلِ پرخوں میں جا بیٹھی

سرشکِ خوں آلودہ تہِ مژگاں نظر آیا

دلِ مایوس لبریزِ تمنا تھا ہی۔ بھر آیا!

نہ قابو میں رہے جس وقت جذباتِ دلِ مضطر — محبت نے شکستِ ضبط سے کی شاعری پیدا
محبت کے ادب پرور تخیل میں تھے وہ منظر — جنھیں خوابِ خیالِ حسن نے اب تک نہ دیکھا تھا

شکستِ حسن پنہاں تھی محبت کے فسانے میں
حریفِ حسن بنکر شاعری آئی زمانے میں

محبت کی تمناؤں کی یہ ہنگامہ آرائی — رہی اس دہر میں آخر حیاتِ جاوداں ہو کر
دلِ پرخوں سے نخلِ شعر نے نشو و نما پائی — پھلا پھولا زمانے میں گلستاں بوستاں ہو کر

نظامِ شاعری تھا درحقیقت مضمرِ ہستی میں
ہوئی تخلیقِ شعر و شاعری یوں بزمِ ہستی میں

ضبط سے بیگانگی

(از جناب عشرت رحمانی مدیر "نیرنگ" دہلی)

ملک کے نوجوان شعراء کی بزم میں جناب عشرت رحمانی نے اپنے لئے ایک ممتاز جگہ نکال لی ہے، اور کون کہہ سکتا ہے کہ آگے چل کر یہ ہونہار پودا کیسے کیسے کچھ گل بوٹے نہ کھلائے گا (ایڈیٹر)

در پئے آزارِ ہمت ضبط سے بیگانہ ہم — تا بہ کے آخر نہ کہتے عشق کا افسانہ ہم
دلربائی کی ضرورت ہے نگاہِ جانستاں — تیری بزمِ ناز میں لائے ہیں اک دیوانہ ہم
چشمِ انجم منتظر ہے دم بخود ہے کائنات — دیکھ کس کس کو سناتے ہیں ترا افسانہ ہم
ہوش کا معیار کیا ہے کیا ہے نظمِ بیخودی — جانتے ہیں اپنی مدہوشی کا ہر پیمانہ ہم
چشمِ ساقی نے کبھی ڈالی تھی دزدیدہ نظر — جب سے آنکھوں میں لئے پھرتے ہیں اک میخانہ ہم
اشکِ خوں آلود نے عنوان قائم کر دیا — ختم کرتے ہیں حیاتِ درد کا افسانہ ہم

فطرتِ غم دوست عشرت ہے مسرت کی حریف
اشکِ تر سے رکھتے ہیں بنیادِ عشرت خانہ ہم

مطائبات آزاد

(از جناب ابوالاحسان حکیم الطاف احمد صاحب آزاد، انصاری)

"ہونے کو اپنے جی میں سبھی کچھ ہے، کیا نہیں؟"

اے ابرِ نوبہار! تری کچھ خطا نہیں — اپنا چمن ہی قابلِ نشو و نما نہیں
اِس طرزِ التفات سے لِلّٰہ درگزر — ظالم! مجھے ضرورتِ پاسِ وفا نہیں
اے کاش! کوئی لطف سے پرسانِ حال ہو — ہونے کو اپنے جی میں سبھی کچھ ہے کیا نہیں
میں اک نیاز مند ہوں، تو بے نیاز ہے — آخر مجھے تو ہے جو تجھے واسطا نہیں
تو اب مِلا تو اس ترے ملنے کی کیا خوشی — اب اپنی جستجو ہے کہ اپنا پتا نہیں

آزاد! ایک جرعۂ مے سے یہ اجتناب،
تم کچھ ولی نہیں ہو کوئی پارسا نہیں

"دل میں باقی نہ رہی حسرتِ دنیا کوئی"

کیا توقع کہ توجہ سے سنے گا کوئی — کیا نتیجہ جو کرے عرضِ تمنا کوئی
رحم فرماؤ تو کیوں شکوہ زباں تک آئے — حال سن لو تو نہ قصہ ہے نہ جھگڑا کوئی
آس کہتی ہے کہ درماں سے شفا ممکن ہے — یاس کہتی ہے کہ امید نہ رکھنا کوئی
کچھ یہ ارمان نہیں ہے کہ تمنا نکلے — اتنی حسرت ہے کہ دے جائے دلاسا کوئی
ہائے! مجھ سے مرے ارماں بھی دل کے سو کے — وہ بھی دن ہونگے کہ ارمان نہ ہوگا کوئی
ہم نے جس روز سے دنیا کو بہ عبرت دیکھا — دل میں باقی نہ رہی حسرتِ دنیا کوئی



مرد زیادہ دلیر ہیں یا عورتیں؟

کیا مرد عورتوں سے زیادہ بہادر ہوتے ہیں؟ مجھے تو اسمیں شبہ ہے۔ مردوں کو بہادری دکھانے کے موقعے زیادہ حاصل ہیں، عورت فطرتاً خطرات کو پسند کرنے والی ہوتی ہے۔ شبہ ہے کہ جسمانی دلیری مردوں کا حصہ ہے، اور اخلاقی جرأت عورتوں کا، لیکن درد اور تکلیف کی برداشت کو ان دونوں میں سے کس قسم کی جرأت میں داخل کیا جائے گا؟

میرا تو یہ خیال ہے کہ عورتیں صرف درد ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی بے آرامی کو مردوں سے زیادہ برداشت کر لیتی ہیں اور مجھے اس سیاح عورت کے مقولہ سے پورا پورا اتفاق ہے جس سے جب یہ پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اس خوفناک جنگل میں تمہارا شوہر بھی تھا، تو اسنے نہایت بے تکلفی سے کہا کہ "تو بہ کرو! وہ جگہ کہیں مردوں کے جانے کی ہے" حقیقت یہی ہے کہ عورتوں کی بہ نسبت مرد زیادہ نازک مزاج ہوتے ہیں اور جنگل میں جائیں تب بھی انھیں اپنا نہانے کا ٹب ضرور یاد آتا ہے۔

ایک عورت جس حد تک مصیبت اور تکلیف برداشت کر لیتی ہے اسکی کوئی حد نہیں ہے، اور اسقدر صبر کے ساتھ برداشت کرتی ہے کہ اسے شجاعت ہی سے تعبیر کرنا پڑیگا مرد کی بہ نسبت وہ خطرات کو دور سے اکثر نہیں دیکھ سکتی، اسی لئے وہ انکا پہلے سے انتظام نہیں کرتی۔ میں نے جب پہلی مرتبہ دنیا کے گرداگرد سفر کیا تھا اور نہایت ردی جہازوں میں، سامان لادنے کی کشتیوں میں، اور لکڑیوں کے تختوں پر بیٹھ بیٹھ کر دریاؤں اور سمندروں کو عبور کیا، اور خشکی پر بھی ہاتھی سے لے کر بھینس تک ہر قسم کے چوپاؤں کی سواری کی تو اسوقت میری ہمسفر ایک عورت ہی تھی اور اسکی یہ حالت تھی کہ جہاں کہیں جانے کے متعلق سرکاری حکام یہ کہتے کہ "وہاں پہونچنا تو ناممکن ہے" تو وہ فوراً یہی کہتی کہ "اچھا! ایسی صورت ہے! تو پھر ہم وہاں جانے کے لئے کس وقت روانہ ہوں"!

جب ہم چین سے بلا اجازت کے گذر رہے تھے، اور گذرنا بھی دو مخالف فوجوں کے درمیان سے پڑا تھا تو ہمیں جنوبی فوج والوں نے گرفتار کر لیا، اور ہمارے راہنما کو جاسوسی کے الزام میں قتل کر ڈالا، اور جب ہمنے ایک روز چپکے سے بھاگنے کی کوشش کی تو ہمیں جیلخانے میں ڈال دیا گیا۔ ہم جیلخانے میں تھے کہ ایک روز رات کے وقت چند سپاہی آئے اور میری ہمراہی عورت کو اپنے ساتھ بلا لے گئے۔ کاغذ کی قندیلوں کی روشنی میں وہ اسے دیہاپا شہر میں لے گئے اور وہاں ایک میلے سے مکان میں لیجا کر حکم دیا گیا کہ جو زخمی وہاں پڑا تھا اسکی مرہم پٹی کرے اور دو سپاہی اپنی سنگینیں تان کر اسکے سر پر کھڑے ہو گئے۔ میری ہمسفر نے زخم کو دیکھا، اسمیں گولی موجود تھی اسے نکالا اگرچہ ہر مرتبہ جب تکلیف کی وجہ سے وہ شخص کراہتا تھا تو سنگینیں میری ہمسفر کے سینہ کے بالکل قریب آجاتی تھیں، اسنے اس قدر بے خوفی کے ساتھ مرہم پٹی کی کہ

سب لوگ حیرت میں رہ گئے اور اسکے بعد ہمیں کچھ عرصہ تک برابر یہی کام کرنا پڑا۔

دس سال ہوئے میں شمالی آسٹریلیا میں ایک مویشی پالنے والے کی مہمان تھی۔ وہاں قریب میں کوئی اور آبادی نہ تھی اور میرے میزبان کو کسی سخت ضرورت کی وجہ سے کہیں جانا تھا اسنے اپنی بیوی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "سلویا تم ڈرو گی تو نہیں؟" سلویا نے جس کی عمر صرف تیس سال کی تھی، مسکرا کے جواب دیا کہ "نہیں ڈر کس بات کا ہے، گھر میں کہیں نہ کہیں ایک پستول پڑا ہی ہے بس وہ کافی ہے۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔"

سلویا اور میں دونوں کپڑے دھونے میں مصروف تھے، کہ یکایک خدا جانے کہاں سے ایک ڈاکو آگیا، اور نہایت نرمی کے ساتھ سلویا سے کہنے لگا کہ "مجھے معلوم ہے تم گھر میں بالکل اکیلی ہو، میں تمھیں ستانا نہیں چاہتا، صرف اتنا کرو کہ چابیاں مجھے دیدو۔" اچھا کہہ کر سلویا آہستہ سے اٹھی اور میز کی دراز اس طرح کھولی کہ گویا وہاں سے چابی نکال رہی ہے، لیکن چابی کی بجائے اسنے یکایک پستول نکالکر ڈاکو کے سر کا نشانہ لے لیا اور اس سے کہا کہ "مجھے پستول چلانا خوب آتا ہے، تم اپنے ہاتھ فوراً اوپر کو اٹھا دو ورنہ ابھی فائر کردوں گی" ڈاکو مجبور تھا کیا کرتا، اپنے ہاتھ اونچے کرکے چپکا کھڑا ہوگیا۔ اسکے بعد سلویا نے ڈاکو پر سے نظر ہٹائے بغیر مجھ سے کہا کہ پولیس کو بلالو، میری عمر اسوقت انیس سال کی تھی اور جنگلوں میں گھوڑا دوڑانے کی اسوقت تک عادت بھی نہ پڑی تھی، میں گئی اور کوئی دس منٹ کے بعد مجھے دو سوار آتے دکھائی دئے۔ میں انھیں اپنے ساتھ لے کر آئی اور دیکھا کہ اسوقت تک سلویا اسی طرح پستول ڈاکو کے سر پر لئے کھڑی تھی۔ ہمارے پہنچنے پر ڈاکو کو کچھ موقع ملا اور اسنے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ہم سب نے چلاکر سلویا سے کہا کہ "فیر کردو"، لیکن سلویا کی بجائے ڈاکو نے فیر کیا جس سے سلویا بال بال بچی، ڈاکو نے دو تین فیر اور کئے اور ایک سوار کو زخمی کرکے صاف بھاگ گیا۔ ہم سب نے حیرت سے سلویا سے پوچھا کہ تم نے پستول کیوں نہ چلایا تو اسنے کہا کہ "پستول تو بالکل خالی تھا اسمیں گولیاں ہی کہاں تھیں؟"

مجھے ہندوستان کا بھی ایک قصہ یاد ہے۔ وہاں بھی ایک عورت نے چور کے ساتھ بہت ہی مناسب سلوک کیا تھا، وہ بالکل نوجوان تھی اور اپنے بالوں کی خوبصورتی کے لئے مشہور تھی۔ جس چھاؤنی میں اس کا خاوند تھا وہاں ایک چور نے تہلکہ مچا رکھا تھا، اور اسکے بے پناہ چھرے نے سب لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کردیا تھا، کمرہ میں یہ عورت بالکل اکیلی تھی، نوکر چاکر کھانا کھانے گئے ہوئے تھے، صرف ایک کمزور سی آیا چٹائی پر پڑی سو رہی تھی، کرنل صاحب جن کی وہ بیوی تھی ابھی تک کلب سے نہیں آئے تھے، کھڑکی کے قریب کمبلوں کا ایک بہت بڑا بنڈل لپٹا ہوا پڑا تھا جو کرنل صاحب کے ملاحظہ کے لئے کسی سوداگر نے بھیجے تھے، اتفاقاً عورت کی نظر اس بنڈل پر پڑی اور اسنے دیکھا کہ کسی شخص کے پاؤں کا پنجہ ان کمبلوں میں سے بس برائے نام باہر کو نکلا ہوا ہے۔ وہ نہ ڈری اور نہ گھبرائی، بلکہ بالکل معمولی طریقہ پر آیا سے کہا کہ "دیکھو آیا! ہماری کتاب یہیں لادو۔" کتاب آگئی تو پھر اسنے کہا کہ "ذرا چاقو اٹھا دو اسکے ورق نہیں کٹے ہیں" آیا نے کرنل صاحب کا شکاری چاقو اٹھا دیا، عورت نہایت اطمینان کے ساتھ کمبلوں کی گٹھری پر چڑھ کر بیٹھ گئی اور کتاب پڑھنے لگی، اور اسوقت تک اسی طرح پڑھتی رہی کہ جب تک کرنل صاحب کلب سے واپس آگئے، انکے آنے پر چور کو پکڑ لیا گیا۔ وہ گھنٹہ بھر تک دو من کے قریب وزن اپنے سینہ پر اٹھائے اٹھائے بالکل بیحال ہوگیا تھا۔

عام طور پر مشرق کی عورتیں حیرت انگیز حد تک بہادر ہوتی ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں جب ہماری فوجیں عراق عرب میں مصروف جنگ تھیں تو برطانوی محاذ جنگ پر جو سب سے زیادہ خوفناک حملہ ہوا تھا وہ عربوں کے بے قاعدہ رسالہ کا تھا، حملہ جب پسپا کردیا گیا تو یہ دیکھا گیا کہ عربوں کے مقتولین میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی تھی، یہ خود ایک برطانوی افسر نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ بعض قبیلوں میں آٹھویں صدی عیسوی سے کہ جب حضرت عائشہ مسلمان فوجوں کو لے کر لڑنے کے لئے نکلی تھیں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ کسی بڑے خاندان کی ایک دوشیزہ کو سفید اونٹ پر سوار کرکے فوج کے آگے آگے لے چلتے ہیں، اگر وہ قتل ہوجائے یا گرفتار کرلیجائے تو انکا اعتقاد ہے کہ انھیں شکست ہوجائے گی،

گذشتہ جاڑوں میں میں حبش میں تھی، صبح کا وقت تھا، قہوہ کی پیالی میری ران پر رکھی ہوئی تھی اور میں ناشتہ کرنے میں مصروف تھی کہ یکایک گانوں کا مقدم

آیا اور کہنے لگا کہ "ایک عورت کا ہاتھ زخمی ہوگیا ہے کیا آپ اسکے دوا لگا دیں گی" میں نے کہا کہ "ہاں ہاں ضرور، تم اسے ادہر بلالو" لڑکی اندر آئی، اس کا ہاتھ کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں یہ سمجھ کر کہ شاید ذرا سا ٹنکچر آیوڈین لگا دینے کی ضرورت ہے، اسکی طرف دیکھ کر مسکرائی، لڑکی نے یکایک اپنا زخمی ہاتھ باہر نکالا اور میرے سامنے ڈالدیا میری قہوہ کی پیالی کہیں گری، انڈے کہیں گئے، اور چاولوں کی پلیٹ میز سے گر کر ٹوٹ گئی۔ میرا کلیجہ منہ کو آگیا اور میرے ہوش جاتے رہے، اس زخم کی حالت کا بیان میرے امکان سے باہر ہے۔ اس کے خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں لیکن جس کا ہاتھ تھا اسے پروا بھی نہ تھی، میں گھبرا کر چلائی "ارے یہ کیا ہوا؟ ایسا زخم کیسے لگا؟" میری اسقدر پریشانی پر بھی اُدہر سے نہایت اطمینان قلب کے لہجہ میں یہ جواب ملا کہ "اتفاقیہ طور پر چوٹ لگ گئی ہے"

جاپان میں میرے پاس روپیہ نہیں رہا تھا، ملک کے جنوبی حصہ سے شمال تک مجھے پیدل سفر کرنا پڑا۔ میرے ساتھ ایک لڑکی اور تھی اور وہ بھی میری طرح خطرات میں گھسنے والی تھی اور ایک جاپانی عورت ہماری رہنمائی کے لئے بطانوی سفیر نے ہمارے ساتھ کردی تھی۔ یہ عورت پیدل چلنے سے معذور تھی اس لئے ہمنے اسکے لئے ایک گھوڑا کرایہ پر لے لیا۔ تیئس میل تک تو بغیر کچھ کہے وہ پہلے دن سوار ہوکر گئی۔ غریب کو گھوڑے کی سواری کی عادت نہ تھی اور شام کے قریب اسکے چہرہ کا رنگ بالکل نیلا نظر آنے لگا۔ میں نے پوچھا کہ "ٹوکو (یہ اسکا نام تھا) کیا تھک گئیں؟" اسنے کہا کہ "نہیں کچھ نہیں ذرا بدن کسی قدر اکڑ گیا ہے" مغرب کے قریب ہمیں بانسوں کے بنے ہوئے کچھ مکانات نظر پڑے اور میں نے ٹوکو کو خوش کرنے کے لئے کہا کہ "لو اب ہم منزل پر آپہونچے" مگر میں دیکھتی کیا ہوں کہ ٹوکو کے دونوں موزوں سے خون کی بوندیں ٹپ ٹپ گر رہی ہیں۔ گھبرا کر میں نے سوال کیا کہ "یہ کیا ہوگیا؟" اسنے بے پروائی سے کہا "کچھ نہیں پھیروں کے تسمے ذرا تنگ تھے وہ کسی قدر گڑ گئے ہیں"۔ میں نے دیکھا تو صرف تسمے ہی نہیں گڑ گئے تھے بلکہ کمبسوئے گوشت کے اندر کافی گہرائی تک گھس گئے تھے اور خون کی دھاریں بہ رہی تھیں، میں ڈر گئی اور میں نے کسی قدر سختی کے ساتھ پوچھا کہ "آخر تم نے مجھ سے پہلے سے کیوں نہ کہا؟" ٹوکو نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ "میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے"

خدا ہی جانے کہ احساس فرض، محبت، حب وطن، اور پابندی مذہب ان چاروں میں سے وہ کونسا جذبہ ہے جو انسان کی شجاعت کے اسقدر اعلیٰ جوہر ظاہر کردیا کرتا ہے اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ جیمس اول کی ملکہ کی ایک سہیلی نے بادشاہ کو اسکے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر محل کا دروازہ بند کرکے تلی لگانی چاہی مگر دیکھا تو تلی کی لکڑی ندارد تھی صرف اسکے خانے موجود تھے، دشمن بالکل قریب پہنچ چکے تھے، اور بادشاہ کو چور دروازہ سے بھاگنے کے لئے چند منٹ ملنے ضروری تھے اس لئے اسنے اپنا ہاتھ لکڑی کی بجائے تلی کے خانوں میں اڑا دیا، دروازہ توڑنے والوں کے دھکوں سے ہڈیاں چورا چورا ہوگئیں اور گوشت کے چیتھڑے ہوگئے لیکن بادشاہ بچ گیا، ادائے فرض کی اس سے اعلیٰ کوئی اور مثال کیا ہوسکتی ہے؟۔

عورت کے لئے شجاعت اور جرأت اس کا فطری جذبہ ہے۔ مرد کی بہادری معقولیت پر مبنی ہوتی ہے۔ عورت واقعات سے نتیجے اخذ نہیں کیا کرتی ہے۔ اسے ان مقامات پر بھی اُمید کی جھلک نظر آیا کرتی ہے کہ جہاں کامل مایوسی ہو۔ بعض عورتوں میں بھی خطرات ہیجان پیدا کرتے ہیں، لیکن مرد بالعموم خطرہ میں پھنسکر اپنی ذمہ داری محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے میرا تو یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی خطرہ میں گھسنا پڑے تو اسوقت تو میں اپنے ساتھ کسی عورت ہی کو لونگی، لیکن خطرہ میں اچھی طرح گھر جانے کے بعد میری یہی تمنا ہوگی کہ کوئی مرد میرے ساتھ ہوتا۔

خدا ہی جانے یہ دلیری اور شجاعت حقیقتاً کس چیز کا نام ہے۔ ہندوستان میں میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ ایک سپاہی پاگل ہوگیا اور اپنی بندوق لیکر ایک پہاڑی پر جا بیٹھا، دو آدمیوں کو اسنے زخمی کردیا اور باقیماندہ کو قتل کرنے کی دہمکی دینے لگا، پوری ایک کمپنی اس کی گرفتاری کے لئے کمر باندھے کھڑی تھی مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھتا۔ ایک تپلا دبلا افسر صف سے نکلا جسے ساری پلٹن "بزدل" کہا کرتی تھی کیونکہ وہ ہر چیز سے ڈر جایا کرتا تھا۔ اس موقع پر یہ افسر نہایت بے تکلفی کے ساتھ

آگے بڑھا چلا گیا اور جا کر پاگل سپاہی سے بندوق چھین لی۔

ہندوستان ہی میں میں نے ایک دیسی سپاہی کو دیکھا کہ اسنے برچھے سے بلا تکلف شیر کو تو مار ڈالا مگر جب اتفاق سے اس کا ڈیرا ایک قبرستان کے قریب لگا دیا گیا تو وہ ڈر کے مارے وہاں نہ سو سکا۔

میرا خیال ہو کہ شجاعت ہر ملک میں موجود ہو، اور مردوں میں بھی ہوتی ہو اور عورتوں میں بھی۔ لیکن پلہ کسی قدر عورتوں کی طرف جھکا ہوا ہو کیونکہ انھیں مدت العمر حادثوں اور مصیبتوں سے، اور تمام ان آفتوں سے کہ جو حضرت حوا سے ورثہ میں ملی ہیں مقابلہ کرنا پڑتا ہو۔ (روزلیٹا فاربس، مدنسر میگزین) (سعید احمد)

بی ہمسائی

نمیدہ (بڑی خوشی کے لہجہ میں) بھئی آپا تم نے وہ بیگم ہاشمی والا مضمون بھی پڑھا؟

فہمیدہ۔ کون بیگم ہاشمی؟

حمیدہ۔ لے لو بھلا یہ تجھے کیا خبر۔ "نسوانی دنیا" میں انکے نام سے ایک مضمون چھپا ہو،

فہمیدہ۔ اچھا! تم اس مضمون کو کہہ رہی ہو جس میں انھوں نے لکھا ہو کہ اگر میں بادشاہ ہوجاؤں تو مردوں کو ان تکلیفیں پہونچاؤں، یوں سزائیں دوں اور اسقدر دق کروں کہ ان کی عقل درست ہو جائے۔

حمیدہ۔ ہاں ہاں! وہی، وہی!

فہمیدہ، مگر بہن مرد اگر ہم سے الگ کوئی چیز ہوتے تو ضرور ہمیں یہی کرنا چاہئے تھا، لیکن انسان درحقیقت ایک مرد اور ایک عورت کا نام ہو اور جس طرح آدمی کے بدن میں ایک دل ہوتا ہو اور ایک معدہ، بالکل اسی طرح مکمل انسان کا معدہ مرد ہو اور دل عورت، ہمارا معدہ رات دن اسی کام میں مصروف رہتا ہو کہ باہر سے غذا حاصل کرے اور اسے ہضم کرکے اور خون کے ساتھ شامل ہونے کے قابل بنا کر دل کو دیدے، اور دل کا آٹھوں پہر یہ شغلہ ہو کہ اس خون کو حصہ رسد تمام جسم میں پہونچاتا ہو۔ مکمل انسان کو اگر ہم ایک جسم مان لیں تو ہمیں بھی یہی ہوتا ہو کہ مرد کہیں نہ کہیں سے خوراک پیدا کرکے لاتا ہو، اور عورت اسے سارے گھر پر حصہ رسد تقسیم کیا کرتی ہو۔ ہماری تندرستی اور ہماری زندگی اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہو کہ معدہ اپنا کام پورے طور پر ادا کرے اور دل اپنا فرض ٹھیک طریقہ پر انجام دے۔ مکمل انسانی زندگی بھی صرف اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہو کہ مرد اپنے حصہ کا کام اچھی طرح کیا کرے اور عورت اپنے حصہ کا۔ دونوں اگر اپنے اپنے حق کے لئے لڑنا یا اپنی خدمات پر اکڑنا اور فخر کرنا شروع کردیں تو نتیجہ ظاہر ہو۔ مرد اور عورت دونوں کا مقصد ایک ہی ہوتا ہو یعنی خاندان کی خوشحالی اور بچوں کی تندرستی اور مناسب تعلیم و تربیت۔ جب دو شخصوں کا مقصد ایک ہی ہو اور وہ آپس میں لڑائی جھگڑا شروع کردیں تو تم خود سمجھ سکتی ہو کہ دونوں میں سے ایک کا بھی مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ جب میں اور تم دونوں اس مکان کو صاف کرنے کے لئے اٹھیں اور میری جھاڑو تم پر اور تمھاری جھاڑو مجھ پر چلنے لگے تو مکان کسی طرح بھی صاف نہیں ہوسکتا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے نہیں بلکہ خود اپنے دشمن ہیں۔ اس تمام قصہ سے میرا مطلب یہ ہو کہ مردوں کے دلمیں عورتوں کی اور عورتوں کے دلمیں مردوں کی طرف سے اگر نفرت پیدا ہوگئی تو اس کا نتیجہ قوم کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

حمیدہ۔ تو اس سے اور اس مضمون سے کیا تعلق ہو؟

فہمیدہ۔ تم اب بھی نہیں سمجھیں؟ بہن ! جن تحریروں سے عورتوں کے دلمیں مردوں کے خلاف اشتعال پیدا ہو، یا جن کے پڑھنے سے مرد عورتوں سے بدظن اور متنفر ہوجائیں وہ مردوں اور عورتوں کیلئے بری ہیں۔

حمیدہ۔ مگر آپا تم یہ سوچو کہ جب ہمیں مردوں کی شکایتیں ہیں تو انکا ذکر کرنے میں کیا برائی ہو؟

فہمیدہ۔ اول تو آپسمیں شکایتیں کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ میں تم سے یہ کہوں کہ "حمیدہ اگر مجھے کسی دن کسی طرح تم پر اختیار حاصل ہوجائے تو میں تمھارے سبکے سب بل نکالدوں" میری زبان سے اس قسم کا فقرہ سنکر تم میری شکایت پر غور نہیں کروگی بلکہ تمھارے تن بدن میں آگ لگ جائیگی اور بالکل ممکن ہو کہ پہلے سے بھی زیادہ مجھے ستانے لگو۔ دوسرے میری بہن! تم ذرا اس بات پر بھی تو غور کرو کہ کیا ہم عورتیں بالکل بے قصور ہیں اور ہم مردوں کے ستانے میں کوئی کسر اٹھا رکھتی ہیں؟



نمائشی اور زبانی اسلام

اپنی ٹانگیں آپ ہی کھولنا اور آپ ہی لاچوں مرنا ہمیں خواہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ معلوم ہو لیکن واقعات بہرحال واقعات رہتے ہیں اور حقیقتوں پر پردہ ڈالنے، یا خوف کی وجہ سے ان پر نگاہ نہ کرنے سے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ حقیقتیں ہی بدلجائیں۔ مسلمان ہوکر یہ کہتے ہوئے ضرور ہمارا دل دکھے گا کہ آج بدقسمتی سے ہم وہ چیز نہیں ہیں جو اسلام ہمیں بنانا چاہتا تھا، لیکن ہم زبان سے کہیں یا نہ کہیں یہ واقعہ اپنی جگہ پر قائم ہو۔

اس حقیقت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اپنے آپکو مسلمان کہنے والوں میں سے آج بیشتر ایسے ہی ہیں جن کی صرف زبان مسلمان ہو اور جن کے دل کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہو۔ ہم میں یہ افسوسناک تبدیلی کس طرح واقع ہوئی اس کی تو خبر نہیں لیکن یہ بالکل صحیح ہو کہ اسلام نے جو چیز ہمیں دی تھی اسے ہم ضرور کھو بیٹھے ہیں اور اب زیادہ سے زیادہ جو کچھ باقی رہ گیا ہو وہ یہ ہو کہ پُرانی لکیر کو بیٹھے ہوئے پٹیا کریں اور اپنے کارناموں پر نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کے کارناموں پر فخر کیا کریں کہ وہ ایسے تھے اور ایسے تھے اور انھوں نے یہ کیا اور یہ کیا۔

ہمارا اسلام محض زبانی اور نمائشی اسلام ہو - عربی کے چند جملوں کو جن کا مطلب بھی ہم نہیں سمجھتے محض ایک منتر کی طرح زبان سے دُہرا دینے کا نام اب ہمنے اسلام رکھ لیا ہو، اور آج ہماری نگاہوں میں وہ شخص بہت متقی اور پرہیزگار سمجھا جاتا ہو جس کے ہاتھ میں ہر وقت ایک تسبیح رہتی ہو، اور جو اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت سبحان اللہ، الحمدللہ، استغفراللہ یا اسی قسم کے اور جملے بلا یہ سمجھے ہوئے زبان سے نکالتا رہتا ہو کہ انکا کیا مطلب ہو۔ ہم "بسم اللہ" یا "الحمدللہ" اس لئے نہیں کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد خدا کی تعظیم یا تحمید ہوتا ہو، بلکہ صرف اس لئے کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہو کہ زبان سے ہر کام میں ان جملوں کو ادا کر دینے سے ہمارے کام میں برکت ہوگی اور ہمیں فائدہ پہونچیگا خدا کی تعریف اور تعظیم کا جذبہ ہماری زبان سے نعوذ باللہ یا استغفراللہ نہیں نکلوا بلکہ اپنے ذاتی فائدے یا نقصان کے خیال سے ہم ایسا کہدینے کے عادی ہوگئے ہیں کسی چیز کے گم یا ضائع ہو جانے پر ہم انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ضرور ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ ہم اس کا کچھ مطلب سمجھتے ہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ ہمنے سن رکھا ہو کہ انا للہ پڑھنے سے کھوئی ہوئی چیزیں مل جاتی ہیں - ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن جو کچھ ہم اپنی زبان سے کہتے ہیں اس کا مفہوم ہمیں خود ہی نہیں معلوم ہوتا، اور نماز کی زحمت بالعموم ہم صرف اس لئے گوارا کرتے ہیں کہ دوسرے ہمیں ایک اچھا مسلمان خیال کریں اور بے نمازی سمجھ کر ہم سے نفرت نہ کرنے لگیں، نماز کے لئے مسجد کو جاتے اور نماز پڑھکر مسجد سے واپس آتے وقت ہم کوشش کرکے راستہ میں لوگوں پر یہ ظاہر کیا کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھنے جارہے ہیں یا گئے تھے۔ کسی سے گفتگو کریں اور کسی موضوع پر گفتگو کریں، لیکن یہ ناممکن ہو کہ کبھی نہ کسی طرح ہم بالکل بلاضرورت اور

خلاف موقع بھی یہ ظاہر نہ کردیں کہ ہمنے نماز پڑھی ہو۔ اور ایسا کرنے میں ہمپر کوئی الزام بھی عائد نہ ہونا چاہئے کیونکہ جب ہمیں یہ خبر ہی نہیں ہو کہ ہمنے اپنی زبان سے کیا کیا کچھ کہا تھا تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ ہمنے خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر دعا مانگی تھی، اور جب ہم کچھ سمجھتے ہی نہیں تو پھر اپنے اس کام سے اگر ہم یہ دُنیاوی فائدہ اُٹھالیں کہ دوسروں کی نگاہ میں تھوڑی سی عزت قائم کرلیں تو کیا برائی ہو۔

ہم روزہ رکھتے ہیں لیکن کس طرح؟ اس طرح کہ بات بات پر ہر شخص سے لڑنے کو تیار رہیں، اُٹھتے بیٹھتے بیوی اور بچّوں کو گالیاں دیتے ہیں، اور خواہ مخواہ بھی ہر شخص کی گردن پر احسان رکھ دیتے ہیں کہ ہمنے روزہ رکھا ہو۔ روزہ رکھ کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمنے کوئی بہت ہی بڑا کارنمایاں کیا ہو اور اب ہر مسلم اور غیر مسلم کا فرض ہو کہ ہمارا اور ہمارے روزہ کا احترام کرے، خود ہی تو بالکل شام کے وقت سودا خریدنے جائینگے لیکن اگر دکاندار سودا دینے میں ذرا سی بھی دیر لگائے تو ہم اسپر خفا ہوتے ہیں کہ "دیکھتے نہیں ہو کہ ہمارا روزہ ہو اور اذان اب ہوا ہی چاہتی ہو" گویا دوکاندار کا یہ فرض تھا کہ افطار کا سامان خود ہمارے گھر پہونچا دیتا۔

ہم خیرات بھی کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ ہم اپنے بیکس اور معذور بھائیوں کی خدمت کرنی چاہتے ہیں بلکہ اس لئے کہ ہمیں بتایا گیا ہو کہ خیرات کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہو، اور جس مال کی زکوٰۃ نکل جائے وہ ضائع نہیں ہوتا، خیرات کرنے کا ایک دوسرا محرک یہ جذبہ بھی ہوتا ہو کہ لوگ جان جائیں کہ ہم بڑے امیر کبیر ہیں اور یہ بھی جان جائیں کہ ہم بڑے مخیّر بھی ہیں۔

کلام الٰہی اوامر و نواہی کا مجموعہ ہو، گویا وہ اک قانون کی کتاب ہو جسمیں ہمیں بتایا گیا ہو کہ دنیا میں رہکر ہمیں فلاں فلاں کام کرنے ہیں اور فلاں فلاں کاموں سے بچنا ہو ہم اس قانون کی کتاب کو پڑھتے بھی ہیں اور حفظ بھی کرلیتے ہیں، لیکن ہمیں مطلقاً اس بات کی خبر نہیں ہوتی، کہ خدائے پاک نے ہمیں کیا حکم دیا ہو اور کس چیز سے منع فرمایا؟ ہمارا اعتقاد صرف اس حد تک محدود ہو کہ کلام مجید کی تلاوت نزول برکات کا موجب ہوتی ہو۔ ہمیں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ "تعزیرات ہند" یا "مجموعہ قوانین فوجداری" کو صرف پڑھ لینا ہمارے کسی کام نہیں آسکتا، اور ہم جرم و خطا سے صرف اسی صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں کہ جب اس کی دفعات کا مطلب سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔ کلام پاک میں رات دن "لعنت اللہ علی الکاذبین" پڑھتے رہنا ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا جب تک کہ ہم اس کا مطلب سمجھیں اور جھوٹ سے کامل پرہیز نہ اختیار کریں۔

جہاں تک ہمارے دنیاوی کاموں کا تعلق ہو ہمنے ان میں بھی نمود و نمائش کو حد سے زیادہ دخل دیدیا ہو اور ایک بڑی حد تک مصنوعی زندگیاں بسر کرنے لگے ہیں، لیکن یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہو کہ ہماری دینی زندگی بھی اب تصنّعات، تکلفات اور نمود بے بود کا ایک طلسم بن گئی ہو۔ اسلام چاہتا تھا کہ ہم اپنے دلوں کو خدا کے حضور میں جھکا دیں، ہمنے اپنے سر بھی جھکائے اور اپنی زبانیں بھی جھکائیں لیکن اپنے دلوں کو بالکل آزاد چھوڑدیا کہ وہ خواہ دولت کو اپنا معبود بنالیں یا حسن کو، ہمارے ہاتھ پاؤں سر غرضکہ ظاہری جسم سب مسلمان ہیں، ہم اپنے آپ کو کہتے بھی مسلمان ہی ہیں، لیکن ہمارے دلوں کو اسلام سے اگر کوئی واسطہ باقی رہ گیا ہو تو وہ برائے نام ہی سا ہو۔ اس کے باوجود ہمیں حیرت ہوتی ہو کہ خدائے پاک کا یہ وعدہ کہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین (اگر تم ایماندار ہو تو تمھیں سب پر فائق رہو گے) کیوں پورا نہیں ہوتا۔

(سعید احمد)



ہمارے باورچی خانے

انگریزی باورچی خانوں کے متعلق ایک انگریز نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "ہمارے کھانے اسی وقت تک اچھے اور خوش ذائقہ معلوم ہوتے ہیں کہ جب تک ہم انھیں پکتے ہوئے نہ دیکھیں" گویا ان کھانوں کو اگر پکتے ہوئے دیکھ لیا جائے اور باورچی خانے کی غلاظتیں پیش نظر ہوں تو کسی طرح انھیں کھانے کو جی نہ چاہے گا۔ خدا جانے یہ صرف مذاق تھا یا فی الحقیقت انکے باورچی خانوں کی یہی حالت ہوتی ہو لیکن ان کی یہ حالت ہو یا نہ ہو ہمارے باورچی خانوں کی سوتر تو یقیناً ایسی ہی مکردہ ہوتی ہو کہ بعض حالات میں صفائی کے لحاظ سے پاخانے ان سے بہتر معلوم ہوا کرتے ہیں۔ خاص خاص گھروں کا تو ذکر نہیں عام طور پر جو بات دیکھنے میں آتی ہو وہ یہی ہو کہ مکان کا سب سے زیادہ غلیظ حصہ وہی ہوتا ہو جہاں کھانا پکتا ہو۔

وہ کمرہ، وہ کوٹھری، یا وہ صحنچی جس کی شومی قسمت اسے باورچی خانہ بنا دے مدت العمر کے لئے دھوئیں کے اثر سے روسیاہ ہو جاتی ہو۔ اور گھر کے نفیس مزاج رہنے والوں کو جب کبھی مکان میں سفیدی کرنے کا خیال آتا ہو تب بھی اکثر اس غریب کو چونے کے دو پچاروں سے محروم ہی رہنا پڑتا ہو، اور صاحب خانہ یہ سوچکر اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ برسوں کی جمی ہوئی کالک سفیدی کے اثر سے دور نہیں ہو سکتی، اور اگر کسی قدر دور بھی ہو جائے تب بھی صرف دس روز کا دھواں اسے پھر ویسا ہی کر دیگا۔

دالان، نشست گاہ، اور خوابگاہ کا ایک ایک کونا خواہ روز جھاڑا جائے میزیں کرسیاں اور الماریاں خواہ باقاعدہ روز پونچھی جائیں لیکن باورچی خانے کے جالوں پر کسی کی نگاہ کبھی نہیں پہونچتی اور وہ ہمیشہ ریشم کے پھندنوں کی طرح سے چھت میں اور دیواروں کے کونوں میں لٹکتے رہتے ہیں۔ چالاک اور ہوشیار ماما اس بات سے اچھی طرح واقف ہو کہ سیاہ رنگ کی دیوار یا چھت کے جالے بیگم صاحبہ کو صرف اسی حالت میں نظر آسکتے ہیں کہ جب وہ خاص طور سے خوب غور کرکے جالوں ہی کو دیکھنے کی کوشش کریں، اور اس قسم کی کوئی کوشش کرنے کی بیگم صاحبہ کو کوئی ضرورت نہیں ہو کیونکہ وہ انکے اپنے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہو۔

نمود اور نمائش کا شوق مردوں کی بہ نسبت عورتوں میں کسی قدر زیادہ ہوتا ہو زیور اور گوٹے پٹھے سے انکا شغف اس بات کا بدیہی ثبوت ہو۔ غالباً اسی شوق نمائش ہی کا یہ بھی اثر ہو کہ باورچی خانے میں اس سرے سے اس سرے تک ہر قسم کے چھوٹے، بڑے، دھلے، بے دھلے، قلعی کئے ہوئے اور بے قلعی برتن انتہائی بے ترتیبی کے ساتھ پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان میں سے جو برتن محض کسی اتفاق کی بدولت بے دھلے ہوں ان پر مکھیوں کا ہجوم ایک ایسا منظر پیش کر دیتا ہو کہ اسکے بعد کھانا کھانے کی مطلقاً ضرورت یا خواہش باقی نہیں رہ سکتی۔

طرح طرح کی بیماریوں کے جراثیم کوڑے کے انبار، اور پاخانے کے قدمچوں

سے لاکر باورچی خانے کے برتنوں تک ۔ اور نہ صرف برتنوں تک بلکہ ہمارے کھانے پینے کی چیزوں تک بحفاظت تمام پہونچا دینے میں مکھیوں کی نوج اگر کوئی کسر چھوڑ دیتی ہے تو اس کمی کو نہایت اچھی طرح کھانا پکانے والیوں کے ہاتھ اور کپڑے پورا کرتے ہیں۔ اس طبقہ کی عورتوں کا غالباً یہ خیال ہے کہ اگر انکے کپڑے صاف ستھرے ہوئے تو بیگم صاحبہ یہ سمجھ کر کہ ایسی نفیس طبع عورتوں سے محنت مشقت کا کام نہ ہوسکیگا انھیں کہیں برخاست ہی نہ کردیں اور ہاتھ دھونے کی بدولت نوکری ہی سے ہاتھ نہ دھونے پڑجائیں، اس لئے وہ بڑی احتیاط سے کپڑوں کو میلا اور غلیظ رکھتی ہیں، اور ہاتھوں کی ظاہری صورت سے بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیتیں کہ ان پر پانی کا کوئی قطرہ کبھی پڑا ہے۔

باورچی خانہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی چیز کی کوئی جگہ مقرر نہیں ہوتی، اور ہر چیز ہر جگہ پڑی رہ سکتی ہے۔ توا، چمٹا، چھلنی، لکڑی، اپلے، کوئلے، راکھ، مصالحہ پیسنے کی سل، آٹے کا کونڈا سب پاس پاس زمین پر پڑے رہتے ہیں اور جب چمٹے سے کوئی اپلا چولھے میں رکھنے کے لئے توڑا جاتا ہے تو اسکے باریک باریک ذرّے تھوڑے سے تو آٹے کے کونڈے میں پڑجاتے ہیں اور باقی مصالحہ کی سل پر، اور اس طرح اپلے کا جتنا چورا جلنے کے کام میں نہیں آسکتا وہ بھی بیکار نہیں جاتا اور کھانا کھانے والوں کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے بعض زیادہ "سلیقہ مند" عورتوں کا پاندان بھی چولھے کے پاس آجایا کرتا ہے تاکہ پان کھانے کے لئے انھیں بار بار اٹھکر دالان تک نہ جانا پڑے اور اس طرح کوئلے، راکھ، اور گوبر کی مدد سے کتھے چونے میں بھی کسی قدر اضافہ ہوجاتا ہے

باورچی خانوں کی زینت وآرائش کی تکمیل پانی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ صاف پانی بھی گھڑے سے انڈیلتے وقت بہت کافی مقدار میں گرتا رہتا ہے اور زمین کی مٹی، چولھے کی راکھ، اور جوتوں سے پسے ہوئے کوئلوں کا سفوف اسکے ساتھ ملکر بہت ہی خوشنما، مٹیالے سیاہ رنگ کی کیچڑ تیار کردیا کرتا ہے لیکن اگر صاف پانی نہ بھی گرے یا راکھ اور کوئلوں کا سفوف موجود نہ ہو تب بھی میلے برتنوں کا دھوون جو نہایت فیاضی کے ساتھ باورچخانے کی زمین پر پھینکا جاتا ہے اس خدمت کو بطرز احسن انجام دیدیا کرتا ہے۔ مئی جون کے گرم اور خشک مہینوں میں بھی کہ جب زمین عام طور پر اس قدر خشک ہوتی ہے کہ اس کی طرف نگاہ نہیں کی جاتی، ہمارے باورچی خانوں میں برسات کا منظر رہتا ہے اور اس سے کھانا پکانے والیوں کی نگاہوں کو ٹھنڈک پہونچتی رہتی ہے۔ فرش کی زینت کے لئے عام طور پر پیاز کے گلابی، لہسن کے سفید اور مختلف ترکاریوں کے سبز، زرد، اور سنہرے چھلکے استعمال کئے جاتے ہیں اور میلی کیچڑ میں یہ مختلف رنگوں کے چھلکے بکھرے ہوئے بالکل ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے پھولوں کی کسی کیاری میں خوب پانی بھر دیا جائے، اس گلکاری کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے اگر کھانا پکانے والی ماماپان کھانے اور پیک تھوکنے کی عادی ہو۔ ماماؤں، اور اصیلوں کے لئے اگالدان کہاں سے آئیں، اور روٹی پکاتے سے ماما صرف پیک تھوکنے کی خاطر بار بار کہاں تک جائے، بحالت مجبوری وہ یہی فیصلہ کرتی ہے کہ جہاں غلاظت کے اتنے انبار لگے ہیں وہاں چند پیکوں کا اضافہ اور سہی، اور اسکے بعد منہ کو ذرا بچاکر وہ حسب ضرورت کم ازکم بیس مرتبہ فی گھنٹہ کی رفتار سے پیکیں تھوکتی رہتی ہے،

انسانی جسم کے متعلق بہت سے ڈاکٹروں کی اب یہ رائے ہے کہ غسل کے بعد لت پونچھ کر خشک نہ کرنا چاہیے، اور چونکہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہمیشہ یہی طریقہ تھا کہ غسل کے بعد جسم اطہر کو پونچھا نہ کرتے تھے اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ طریقہ مسنون بھی ہے۔ کھانا پکانے والی عورتوں نے بھی یہ سُن رکھا ہے، اور اسپر اس حد تک عامل ہیں کہ برتنوں کو بھی دھونے کے بعد کبھی پونچھ کر یا خشک کرکے نہیں رکھتیں اور اس طرح بہت سی مکھیوں کو پانی پینے کی غرض سے باورچی خانہ سے باہر جانے کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی۔ اپنے باورچی خانوں کی یہ تمام آرائش وزیبائش دیکھ لینے کے بعد اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہمارے باورچی خانے زیادہ غلیظ رہتے ہیں یا انگریزوں کے لیکن بہرصورت اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس مقابلہ میں ہم ان سے زیادہ نمبر نہ بھی حاصل کرسکیں تب بھی غالباً ان سے کم تو ہرگز نہ رہینگے۔

ایسے باورچی خانوں، اور ایسے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا روزمرہ ہم اور ہمارے بچے کھایا کرتے ہیں، اور اسکے بعد بھی ہمیں تعجب ہوا کرتا ہے کہ بیماریاں ہمارے گھر کی مستقل مہمان کیوں بن گئی ہیں، اور آئے دن ننھے کو دست، ننھی کو پیچش، دونوں کی ماں کو ضعف معدہ اور خود ہمیں درد قولنج کیوں لاحق رہتا ہے (سعید احمد)

صَفائی

(از جناب عشرت رحمانی، دہلی)

جہاں تک "صحت و زندگی" کا تعلق ہے۔ صفائی، جزو مشترک ہے۔ جس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحت، ہی اصل زندگی ہے، اور صحت، کی طرف سے جہاں فراغت حاصل ہے، وہاں زندگی کا ہر لمحہ اطمینان سکون اور خوشگواری سے بسر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم بلا خوف تردید یہ بھی کہتے ہیں کہ "صفائی" ہی اصل صحت، ہے، اور جہاں صفائی قابل اطمینان نہیں، صحت بڑی حد تک غیر مطمئن اور ناخوشگوار ہوتی ہے، اور ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں ہم اہلِ مغرب کے چند "نظریے" اور اصول بیان کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں جن کو انھوں نے لائحہ عمل بناکر صحت و زندگی، کی خوشگواری کے راز پالئے اور اس نعمت، سے متمتع ہوئے اور ہو رہے ہیں:-

صحت کا قانونِ اوّلین

مشہور پروفیسر اے بوشاک بل لکھتا ہے، "اگر ہم اس مسئلہ پر یقین رکھتے ہیں کہ "صحت و تندرستی" کے بغیر زندگی کی حقیقی مسرتیں حاصل نہیں کرسکتے تو سب سے پہلے اس "کلیہ" پر دھیان رکھنا فرض ہے کہ "صحت کا اوّلین قانون" "کامل صفائی" ہے، اس اصول پر کاربند ہونے کے بعد ہم رفتہ رفتہ ایسی سطح پر پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں کل امراض کا قلع قمع ہو۔ اور ایسی خوشگوار و مطمئن فضا میں سانس لیتے ہیں کہ صحت و تندرستی کا ہی دَور دَورہ ہے"

پرورشِ اطفال

مسز جے بالفورڈ کا قول ہے: "پرورشِ اطفال کے سلسلہ میں جو فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں اور بچوں کی نگہداشت کے لئے جو تدابیر ہمیں اختیار کرنا لابدی ہیں ان سے عہدہ برا ہونے کا سب سے پہلا اور آسان علاج یہ ہے کہ ہم "صفائی" کو پرورشِ اطفال کا سب سے پہلا اور ضروری قانون سمجھ لیں۔ اس عمل سے زندگی میں سچی خوشی کی افراط نظر آتی ہے"

اسی سلسلہ میں نامور خاتون مس مارگریٹ میکملین لکھتی ہیں کہ

"یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بچہ وہی کام سیکھتا ہے جو دوسروں کو کرتے دیکھتا ہے اب خواہ صفائی کی عادت، اسی طرح اُس کی فطرت کا دوسرا نام ہو سکتی ہے جس طرح گندے اور میلے رہنے کی، اس کا لحاظ کرتے ہمیں چاہئے کہ "بچہ" کو جوانی، کا دور شروع ہونے سے بھی پہلے اُس وقت سے جبکہ وہ ہمارے افعال کو دیکھنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے "صفائی" کے ضروری اور زرّیں اصول اپنے عمل سے سکھانا چاہئے"۔

گھر کی صَفائی

غلیظ اور گندے ماحول پر صفائی کا غالب آجانا ممکن تو ہے مگر ایک کشمکش عظیم اور زمانۂ بعید کے بعد، اور اسی امتیاز صحت و تندرستی کا! لیکن ہوادار کمرے، پرفضا مقام اور صاف سامان کی موجودگی (جو صفائی کے بہترین نمونے ہیں) دل خوش کن صحت اور اطمینان بخش تندرستی کے اسباب ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں ہمارا لازم ہے کہ گھروں میں "غلاظت اور گندگی" کو ابتدا سے داخل ہی نہ ہونے دیں کہ انکے دور کرنے کے لئے کشمکش اور وقت سے مقابلہ ہو۔ اپنے گھر کا ہر گوشہ صاف رکھیں یعنی "تندرستی کا آئینہ"! (مسز ایم، اے کلاڈ ڈسلے بریٹن)

صنعتی صَفائی

دن ڈھلتے ہی ہر شخص کاریگروں کے غول کے غول اپنے اپنے گھروں کی طرف جاتے دیکھتا ہے۔ جو سرتاپا میلے کچیلے لباس میں لپٹے غلاظت کا مجسّم نمونہ بنے ہوتے ہیں، اور ان کی نسبت بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ معدودے چند ہی گھر پہنچکر غسل کرتے اور غلاظت و نجاست سے پاک ہونے کے عادی ہوتے ہیں۔ ورنہ کثرت

اُسی حال میں رہنا گوارا کرتی ہے۔

دراصل یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کانوں اور مشین کے کارخانوں میں کام کرتے ....
اور ناپاک غلیظ ماحول میں بسر کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے پیشہ کے لحاظ سے دن بھر ایسی فضا میں سانس لینے کے عادی ہو جاتے ہیں جس میں مشغول رہتے ہیں۔

لیکن اس نئی روشنی کے زمانہ میں اس امر پر سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے کہ ایک کثیر مخلوق کو اس ناپاک اور مضر صحت دور سے نکال کر تندرستی کے صحیح اصول سکھائے جائیں اور اُن پر عمل کرنے کے قابل انھیں بنایا جائے، کارخانوں کے مالکوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قریب ہی اس قسم کا کافی انتظام اور آسانیاں فراہم کریں جہاں یہ لوگ اپنے فرائض کی انجام دہی سے فراغت کر کے فوراً صفائی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور اس غلاظت و نجاست کو نہا دھو کر دور کر ڈالیں، جس میں پیشہ کی خاطر صبح سے شام تک آلودہ رہے ہیں کہ "صفائی ہی اصل صحت ہے"

ضمیر کی صفائی (جے مکنزی)

پروفیسر ایچ آر کینوڈ، 'صفائی' پر بحث کرتے ہوئے ضمیر کی صفائی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "لفظ صفائی کے معنی صرف یہیں تک ختم نہیں ہو جاتے کہ کسی مقام کو میلے اور ناپاکی و غلاظت سے صاف کر دیا جائے۔ بلکہ ضمیر کی ناپاکی اور گندگی کو دور کرنا بھی سب سے بڑی صفائی ہے اور جن لوگوں کی تربیت اس قسم کے ماحول میں ہوئی ہے جہاں انھیں ضمیر کو پاک و صاف رکھنا سکھایا گیا ہے، وہ اپنی عادات، و اطوار میں اس قسم کی صلاحیت پیدا کرنے میں کامیاب ہیں کہ غرور، تکبر، ظاہری نمود و نمائش اور بیجا شہرت طلبی جیسی ضمیر کو گندہ اور ناپاک کرنے والی بد عادات سے اپنے آپ کو صاف رکھتے اور خودداری و نیک طینتی اور پاک نفسی سے دل و دماغ کو مجلّٰی رکھتے ہیں اور اس طرح ایک مضبوط اور اعلیٰ کیرکٹر کے مالک بنتے ہیں۔

خوش خلق، خوددار، نیک نفس اور پاک باطن ہونا زندگی کی غیر مترقبہ نعمتیں ہیں، اور وہی انسان صحیح معنوں میں "زندہ" ہے جو ان خصائل کا مالک ہے۔ حقیقت میں ضمیر کو پاک و صاف اور بے لوث رکھنا ہی حقیقی زندگی ہے!

مذکورۂ بالا اقوال (جو ظاہر میں مغربی ارباب علم و تدبر کے ہیں) کا مطالعہ کر کے کسی ذی ہوش کو بھی شک نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں "صفائی" صحت و تندرستی کے لئے اور صحت و تندرستی، زندگی کے لئے ضروری اور لازمی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ غور سے ان اصول کو دیکھا جائے، عقل و تدبر کے یہ وہ اصول ہیں جن پر کاربند ہونے سے انسان ظاہری اور دنیوی زندگی کو ہی پاک صاف اور خوشگوار نہیں بنا سکتا بلکہ یقیناً اپنی زندگی بھی اطمینان بخش اور قابل تسکین بنائی جا سکتی ہے، کیونکہ "تزکیہ نفس" ہی نجات ابدی کا حقیقی ذریعہ ہے، اور "ضمیر کی صفائی" اس حقیقی مسرت کے حصول کی ضامن،

اب اگر انصاف کی نگاہیں ان اصول کو مغربی روشنی میں دیکھنے کے بعد اسلام کے اُن زرّیں اصول پر ایک نظر ڈالیں جو اس مادّی دور میں اہل اسلام نے فراموش کر دئیے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تمام اصول اسلامی تعلیمات، سے ہی اخذ کئے گئے ہیں اور اہل اسلام نے جن کو بھلا دیا، جن کی پیروی فعل عبث سمجھ کر ترک کر دی آج انھیں کو "زندگی" کی راہوں کے لئے "شمع فروزاں" بنا کر دوسری اقوام نے عروج و ارتقا کے منازل طے کرنا شروع کر دیئے اور کرلئے۔ کاش ان اصول کو اب "مغرب پرست" اہل مشرق "نئی روشنی" کے مغربی اصول ہی سمجھ کر قابل عمل تصور کر لیں!

ڈاکٹروں کے تجربات

(مترجمہ جان محمد صاحب عاطف سہارنپوری)

(۱) "علاج" سے بہتر "احتیاط" ہے،
(۲) دانت اور منہ کی صفائی "تندرستی" کی بنیاد ہے
(۳) "سوڈا واٹر" پینا مضر صحت ہے۔
(۴) تازہ پھل کھانے سے صحت کے علاوہ "حسن" بڑھتا ہے۔ پھلوں میں آکسیجن کا مادہ

زیادہ مقدار میں ہوتا ہے جو خون کو صاف کرتا ہے - زود ہضم اور مولد خون ہوتے ہیں۔

(۵) "تندرستی " پہلی دولت ہے - دولت سے بڑھکر صحت ہے۔ اگر انسان تندرست ہے بدن میں طاقت ہے تو وہ دولت بھی پیدا کرسکتا ہے اور اُس کا لطف بھی اُٹھا سکتا ہے برخلاف اسکے دولت ہونے پر بیمار کی زندگی بیکار ہے۔

(۶) شب کو جلد سو جانا اور جلد صبح اٹھنا انسان کو تندرست اور دولتمند بناتا ہے۔

(۷) "تمباکو" کھانا - پینا اور سونگھنا تینوں حالتوں میں مضر صحت ہے۔

دل، دماغ اور آنکھوں کو کمزور کرتا ہے - اعضائے رئیسہ پر اس کا خاص اثر پڑتا ہے، ہاضمہ کو خراب کرتا ہے، اسکے کھانے سے لعاب دہن جو معاون ہاضمہ ہے زہریلا ہو جاتا ہے جو نقصان پہونچاتا ہے۔

(۸) "تازہ ہوا" انسان کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ لیمپ کے لئے تیل، جیسے بغیر تیل کے لیمپ روشن نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر ہوا کے انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی۔

تازہ ہوا میں آکسیجن زیادہ ہوتی ہے جو خون کو صاف کرتی ہے۔

ہوا خوری صحت کے لئے بہت اچھی ہے۔

سہاگا

نوسادر اور سہاگے کے نام سے ہماری عورتیں تک واقف و آگاہ ہیں اور "دادی جان" اور "نانی اماں" کے "خانگی مطب" میں جتنے نسخے بھی ننھے یا منی کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں، تقریباً ان سب میں شہد، سہاگا، اور نوسادر ضرور شامل ہوتے ہیں اس قدر "قریبی تعلق" ہونے کے باوجود یہ امر کس قدر حیرت انگیز ہے کہ اس بے نظیر دوا کے خواص اور فوائد سے ہم لوگوں کو کافی واقفیت حاصل نہیں ہے اور بڑی بوڑھیوں کے چٹکلوں کے سوا اور کہیں کسی کام میں اس کا استعمال نہیں کیا جاتا۔

سہاگے کی سب سے بڑی خوبی اور بکار آمدی اسکے اس اثر میں پوشیدہ ہے کہ وہ جراثیم کو ہلاک کر دیتا ہے اور صرف اسی بنا پر یورپ میں اس کا استعمال روز بروز عام ہوتا جا رہا ہے - ناموزوں نہ ہوگا اگر اسکے موٹے موٹے چند فوائد سے قارئین "کامیابی" کو آگاہ کر دیا جائے۔

تقریباً چار ماشہ سہاگا اگر آدھی چھٹانک شہد یا گلیسرین میں حل کر کے کسی شیشی یا بوتل میں رکھ لیا جائے اور بوقت ضرورت منہ کے اندر کے زخموں پر لگایا جائے تو بہت فائدہ پہونچتا ہے - حل کرنے کے لئے اگر شہد یا گلیسرین کو گرم کر لیا جائے تو سہاگا بہ آسانی حل ہو جاتا ہے - زبان، ہونٹ اور منہ کے زخموں کے لئے جسے منہ کا آجانا کہتے ہیں لگانے کی دوا اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

سہاگے کو انگریزی میں بورکس (Borax) کہتے ہیں اور انگریزی دوا فروشوں سے نہایت عمدہ اور بالکل صاف سہاگا دستیاب ہو سکتا ہے، دودھ گوشت، مکھن، اور اسی قسم کی اور تمام حیوانی غذائیں جو عموماً ایک روز کے بعد سڑنے لگتی ہیں، بلکہ گرمی کے موسم میں تو چند گھنٹوں ہی کے بعد یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ان سب چیزوں میں اگر خفیف سی مقدار سہاگے کی شامل کر دیجائے تو وہ بہت زیادہ عرصہ تک اچھی رہ سکتی ہیں۔

کھاری پانی میں اگر سہاگا ملا دیا جائے تو اسکا کھاری پن بہت ہی کم ہو جاتا ہے اور پھر اگر صابون کے ساتھ یہ پانی استعمال کیا جائے تو صابون کے جھاگ خوب اچھی طرح نکلنے لگتے ہیں - سہاگا ملا ہوا پانی کپڑوں کے میل کو سجی یا سوڈے سے بھی زیادہ صاف کر دیتا ہے اور بیماریوں کے جراثیم کو بھی جو ان کپڑوں میں ہوں ہلاک کر دیتا ہے ننھے بچوں کے غسل کے پانی میں اس کا شامل کر دینا بہت مفید ہوتا ہے - زخموں پر اگر چھڑکا جائے تو انھیں بھی مندمل کر دیتا ہے، اور منجن کے طور پر اس کا استعمال انہوں اور مسوڑھوں کے لئے مفید ہے۔

کھڑکیوں کے شیشے یا آئینے اگر ایسے پانی سے صاف کئے جائیں جسے جوش دیکر اسمیں سہاگا ملا دیا گیا ہو اور پھر ٹھنڈا کر لیا گیا ہو تو شیشوں پر عجیب غریب چمک پیدا

ہوجاتی ہو۔ اسکے پانی سے فرش بھی دھوئے جاتے ہیں اور اس صورت میں وہ امراض کے جراثیم کو ہلاک کردیگا۔

سہاگا کیڑے مکوڑوں کا بھی دشمن ہو۔ جہاں کہیں کیڑے عموماً جمع رہتے ہوں وہاں اسکے چھڑکنے سے وہ بہت جلد غائب ہوجاتے ہیں۔ چائے کی پتیوں پر جوش کیا ہوا پانی ڈالنے سے قبل اگر ذرا سا سہاگا چھڑک دیا جائے تو اس کا ذائقہ اور خوشبو بہت بڑھ جاتی ہو۔ ککڑیاں اور گاجریں وغیرہ جنھیں کچی حالت میں کھانا مقصود ہو اگر تھوڑی دیر کے لئے سہاگے کے پانی میں بھگو دی جائیں تو بالکل تازہ اور خوش ذائقہ ہوجاتی ہیں گوشت، مکھن اور دودھ کی حفاظت کے لئے ذرا سا سہاگا ان چیزوں پر چھڑک دینا کافی ہو۔

کپڑے دھونے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہو کہ مٹی کے تیل کے ڈھائی کنستر کے قریب پانی میں پاؤ بھر سہاگا ملا دیا جائے اور کپڑے رات بھر اسمیں بھیگے رکھے جائیں اور پھر صبح کو انھیں جب پانی میں جوش دیا جائے اسمیں بھی تھوڑا سہاگا ملا دیا جائے اس ترکیب سے وہ خوب صاف ہوجائینگے اور صابون بہت کم خرچ ہوگا۔ فلالین اور قیمتی بیلیں اور لیسیں اگر اس ترکیب سے دھوئی جائیں تو پہلے سے بھی زیادہ خوشنما ہوجاتی ہیں۔ کلف میں اگر دس چھٹانک میں ایک چھوٹا چمچہ سہاگے کا شامل کردیا جائے تو استری کرنے پر بہت چمک آجائے گی۔

روزمرہ کے استعمال کے منجن میں اگر ذرا سا سہاگا ملا لیا جائے تو بہت مفید ثابت ہوگا۔ چار کا چمچہ بھر اسپرٹ کیمفر اور دو چمچے سنچر مر، دس چھٹانک کھولتے ہوئے پانی میں ملا کر پھر اسمیں آدھی چھٹانک سہاگا ملا دیا جائے تو یہ منہ اور دانتوں کی صفائی کے لئے بہت ہی مفید ہو۔ ترکیب استعمال یہ ہو کہ اس مرکب میں سے ایک چھٹانک عرق آدھے گلاس پانی میں ملا لیا جائے اور پھر اسمیں برش بھگو بھگو کر اس سے دانت صاف کئے جائیں اور اسی عرق سے کلیاں کی جائیں۔

نوزائیدہ بچوں کی جلد بھی بہت نازک اور نرم ہوتی ہو اور انکے سر پر بالعموم میل کے کھرنڈ سے جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ معمولی صابون ان کی جلد کے لئے بہت تیز ثابت ہوتا ہو اور ان کی نازک کھال اس کی جلن اور تیزی کو برداشت نہیں کرسکتی مگر سہاگے میں یہ خوبی ہو کہ جلد کو نقصان پہونچانے کی بجائے اس کی نرمی اور چمک کو زیادہ کردیتا ہو، اور اس کے اثر سے کھرنڈ بھی نرم پڑکر بہ آسانی چھوٹ جاتے ہیں، اس لئے بچوں کو نہلانے کے لئے ہمیشہ انکے پانی میں ذرا سا سہاگا ملا دینا چاہیے اور اگر اسی غسل کے پانی میں ایک تولہ بھر "اسپرٹ آف روزمیری" ملا دی جائے تو اثرات اور بھی خوشگوار ہوجاتے ہیں۔ اس پانی سے بچوں کو نہلانے میں ایک خاص فائدہ یہ بھی ہو کہ یہ بیماریوں کے جراثیم کو بھی ہلاک کردیتا ہو۔

انسانی دنیا کی خدمت سے فارغ ہوکر سہاگا نباتاتی دنیا کی بھی بہت کافی خدمت انجام دیتا ہو۔ سوا سیر کھولتے ہوئے پانی میں اگر ایک چھٹانک سہاگا شامل کردیا جائے اور پھر ٹھنڈا ہونے پر اسے درختوں کے اوپر چھڑکا جائے تو وہ سبز مکھیاں جو گلاب اور دوسرے پودوں کو نقصان پہونچایا کرتی ہیں مرجاتی ہیں، پھلوں کے درختوں کے تنہ پر اگر برش سے سہاگے کا پانی لگا دیا جایا کرے تو چھال میں اور چھال کے ارد گرد درخت کو نقصان پہونچانے والے جتنے کیڑے ہوتے ہیں وہ سب مرجاتے ہیں۔

کس قدر افسوس ہو کہ ایسی مفید اور کارآمد چیز کا استعمال اب ہمارے گھروں میں صرف بڑی بوڑھیوں کے نسخوں تک محدود رہ گیا ہو۔ اور بہ ظاہر حالات یہ نسخے بھی اب چراغ سحری ہی نظر آتے ہیں۔ جو کچھ موجودہ ماؤں کی مائیں جانتی تھیں وہ ان ماؤں کو نہیں معلوم ہو، اور جو کچھ انھیں معلوم ہو وہ کل انکی بیٹیوں کو نہ معلوم ہوگا۔ کہا جاتا ہو کہ دنیا برابر ترقی کررہی اور جہاں تک تہذیب تمدن کا تعلق ہو ہم اپنے اسلاف سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں، ممکن ہو کہ ایسا ہو، مگر ہماری آنکھیں تو یہ دیکھ رہی ہیں کہ زبانی جمع خرچ بہت بڑھ گیا ہو اور حقیقی ترقی کا کہیں بھی پتہ نہیں ہو، (سعید احمد)



مقالاتِ زرّیں

("حلقۂ وحدتِ دنیت" کے بانی جناب صوفی محمد عنایت خاں صاحب کے بعض اقوال کا ترجمہ)

"خدا شادمانی ہے، روح شادمانی ہے اور روحانیت شادمانی ہے، گویا خدائے تعالیٰ کی سلطنت میں غم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، جو چیز انسان کو شادمانی سے محروم کردیتی ہے وہ اسے خدا سے بھی محروم کردیتی ہے۔"

"وہ نور جو روح کی گہرائیوں سے نکلکر قلب کے راستہ سے ہوتا ہوا انسان کی مسکراہٹ میں نمودار ہوا کرتا ہے وہ فی الحقیقت آسمانی نور ہے۔ اس نور کی چمک ہزاروں پھولوں کو شگفتہ اور صدہا پھلوں کو رسیلا بنا دیتی ہے۔"

"دنیا میں جس پل کے ذریعہ سے دو روحیں باہم مربوط رہتی ہیں وہی بڑھکر طریق الی اللہ بن جاتا ہے اور خدا کے ساتھ رابطہ قائم کردیتا ہے۔"

"وہ شخص جو ایک روح کی دوسری روح کے ساتھ محبت کو سمجھتا ہے، اور اس رشتہ کی نزاکت، لطافت، اور نزہت سے کماحقہٗ واقف ہے وہ ایک زندہ انسان ہے، اور اسی ذریعہ سے وہ ایک روز خدا کے ساتھ بھی رابطہ پیدا کرلیگا۔"

"فطرتاً روح شادمان پیدا کی گئی ہے، بلکہ روح خود شادمانی ہے۔ اس دنیا میں جب کبھی اس کے قفسِ عنصری میں، اس کے آلۂ کار میں، اس کے مظہر میں کوئی خرابی ایسی پیدا ہوجاتی ہے کہ جو اسے دنیا کی تلخیوں کا مزہ چکھا دے تو وہ ناشاد اور غمگین ہوجاتی ہے۔ اس لیے جسم کی صحت و حفاظت مذہب کا پہلا اور سب سے زیادہ اہم اصول ہے۔"

"غرور اپنی جائز حدود کے اندر ایک بڑی نیکی ہے، لیکن حد سے تجاوز کرتے ہی وہ بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے۔"

"انسان نہ تو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ مجسمۂ روحانیت بن کر بالکل فرشتہ ہی ہوجائے، اور نہ اس کی خلقت دوسرے حیوانات کی طرح بالکل مادّی ہے۔ ان دونوں سروں کے درمیان میں وہ کروہ جب قدم بڑھاتا ہے تو وہ سیدھے منزلِ مقصود کی طرف کو اٹھتے ہیں۔"

"انسان کو نیک پیدا کیا گیا ہے۔ وہ مجسم نیکی اور بھلائی ہے، برائیاں صرف ایک بادل کی طرح ہوتی ہیں لیکن بادل ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے ہیں، کبھی یہاں ہیں تو کبھی وہاں، اور اگر ہم انسان کی نیکی پر بھروسہ کریں تو یہ سب چھٹ جائینگے ہمارا اعتقاد ہی انہیں دور کردیگا۔"

"سورج کی جاں بخش شعاعیں سب درختوں پر پڑتی ہیں، اور وہ درختوں میں کبھی فرق اور امتیاز نہیں کرتیں لیکن یہ ان کی اپنی استعداد پر منحصر ہے کہ کتنی شعاعیں وہ جذب کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔"

"جتنا جتنا ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہمارے لڑائی جھگڑے کم ہوتے چلے جائینگے آخر میں وہ اس حد تک پژمردہ ہوجاتے ہیں کہ ان میں کوئی رنگ ہی باقی نہیں رہتا اور جب رنگ بالکل ہی جاتا رہتا ہے تب وہ سفید اور صاف نور جلوہ نما ہوتا ہے جو نورِ ازل ہے۔"

"جو شخص اپنے بنی نوع کی خدمت میں مصروف ہے خواہ یہ خدمت کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو، وہ درحقیقت خدا کی خدمت میں مصروف ہے۔"

"گناہ کے اثرات کو مجازی الفاظ میں بیماری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جسمانی بیماری نہیں، بلکہ ذہنی، اور جس طرح ایک طبیب جسمانی امراض کا معالجہ کرتا ہے اسی طرح روحانی طبیب روح کی بیماریوں کو بھی دور کرسکتا ہے۔"

"فی الحقیقت روح پر نہ کسی گناہ کا نقش قائم رہ سکتا ہے، نہ صواب کا، یہ چیزیں روح کو صرف ڈھک سکتی ہیں۔"

ستیہ آگرہ کا صحیح مفہوم

(ہندوستان کے سچے ستیہ آگرہی مہاتما کے قلم سے)

مہاتما گاندھی اپنے اخبار نوجیون میں تحریر کرتے ہیں کہ آج سے ۲۱ سال پہلے میں نے اس سوال کا کہ ستیہ گرہی کون ہوسکتا ہے۔ جو جواب دیا تھا، آج بھی اُسی جواب کو دُہراتا ہوں۔ جس وقت میں نے یہ جواب دیا تھا اُس وقت جنوبی افریقہ کی جنگ جاری تھی، اُس وقت یہ بات کسی کو معلوم نہ تھی کہ یہ جنگ اس قدر طول پکڑ جائیگی کہ برابر آٹھ سال تک جاری رہ سکے۔ لیکن یہ جنگ جس قدر طول پکڑتی گئی اُتنا ہی ہمارے تجربے میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ہمارے تجربہ نے بتلا دیا کہ اس قسم کی جنگ میں شکست کبھی ہوتی ہی نہیں۔ اگر ستیہ آگرہ کرنے پر بھی مُدعا حاصل نہ ہو تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ستیہ آگرہ کرنے والے میں ہی کوئی کمی ہوگی۔ جس جگہ تیر و تفنگ سے لڑائی ہوتی ہے وہاں تو سپاہیوں کی کمزوری کی وجہ سے ہار جیت ہوا کرتی ہے۔ لیکن ستیہ آگرہ کی لڑائی میں طاقت اور ہتھیاروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ہمیں اس وقت یہ سوچنا ہے کہ جس جنگ میں ہمیشہ فتح ہی حاصل ہو۔ اس جنگ کو کون ہار سکتا ہے؟ اگر ستیہ آگرہ کے لفظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ دو الفاظ کا مرکب ہے یعنی ستیہ (صداقت) اور آگرہ (طاقت) یعنی جس شخص میں صداقت کی طاقت موجود ہو وہی شخص اس جنگ میں شامل ہونے کا اہل ہے۔ بعض لوگ کہدیتے ہیں کہ ستیہ آگرہ کی جنگ میں اس قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں جو جسمانی طور پر کمزور ہوں یا جو طاقت کے ذریعہ مخالف فوج کا مقابلہ نہ کرسکتے ہوں۔ لیکن ہم صاف طور پر بتلا دینا چاہتے ہیں کہ اس میں شمہ بھر بھی صداقت نہیں ہے۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ستیہ آگرہ کیا چیز ہے۔

ستیہ آگرہ کا اثر و اقتدار

جسمانی طاقت کے مقابلہ میں ستیہ آگرہ کا زور کہیں زیادہ ہے۔ ستیہ آگرہ کے مقابلہ میں جسمانی طاقت ایک تنکے کی مانند ہے۔ جسمانی لڑائی میں تو انسان اپنے جسم کی محبت کو چھوڑ کر میدانِ جنگ میں کود پڑتا ہے لیکن ستیہ آگرہ میں جسم کی کچھ قدر و منزلت ہے ہی نہیں۔ ستیہ آگرہی کے سامنے خوف آکر ٹھیکتا ہی نہیں۔ اسلئے وہ ظاہری ہتھیاروں سے اپنے جسم کو نہیں بچاتا اور موت کے خوف سے بالکل نڈر ہوکر آخر دم تک ڈٹا رہتا ہے۔ جب تک کسی شخص میں ستیہ آگرہ کی عظمت موجود نہ ہو وہ سچا ستیہ آگرہی بن ہی نہیں سکتا۔

ستیہ آگرہی کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دھن دولت کی جانب سے بالکل لاپروا ہوجائے۔ دولت اور سچائی میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اختلاف ہمیشہ قائم رہیگا۔ جو شخص دولت سے محبت کرتا ہے، وہ صداقت کی حفاظت نہیں کرسکتا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ستیہ آگرہی کے پاس دھن ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے پاس دولت ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ دھن دولت اُس کا خدا کبھی نہیں ہونا چاہیئے۔

صداقت کی حفاظت کرنے میں اگر دولت پاس رہے تو بہت ہی اچھا ورنہ اس کو ہاتھ کا میل سمجھ کر بھلا دینا چاہیئے اور ایسا کرتے وقت ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہئے۔ جس شخص نے اپنے دل کو اتنا مضبُوط نہ کرلیا ہو وہ کبھی ستیہ آگرہی نہیں ہوسکتا علاوہ اس کے جس ملک کی حکومت کے خلاف ستیہ آگرہ کرنا پڑتا ہے اس ملک میں تو ستیہ آگرہی کے پاس دولت ہونا ایک آفت ہے۔ حکومت کی طاقت انسان پر تو اثر نہیں کرتی لیکن اس کی دولت پر حکومت کا اثر ضرور پہنچ جاتا ہے۔ دولت کو لوٹ لینے یا جسمانی تکلیف دینے کی دھمکی دیکر حکومت اپنی رعایا سے من مانا کام کراسکتی ہے۔

یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے کہ ستیہ آگرہی کو بھوک، پیاس، سردی، گرمی سب سہنی پڑتی ہے۔ اپنے اہل وعیال کی محبت چھوڑنی پڑتی ہے، دھن دولت کو بھلا دینا پڑتا ہے۔ بوئروں نے جنگ میں یہ سب کچھ کیا تھا۔ لیکن اُن کے ستیہ آگرہ اور ہمارے ستیہ آگرہ میں فرق ہے۔ اُن کی بازی پانسوں کی بازی تھی۔ وہ اپنی جسمانی طاقت کے بھروسہ پر مغرور بھی ہوگئے تھے۔ ابھی ان کو نصف فتح بھی حاصل نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنی پہلی حالت کو بھول گئے۔ وہ ظالموں کے ساتھ ظالمانہ ہتھیار لے کر لڑے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ آجکل ہم پر بھی ظلم کررہے ہیں۔ ستیہ آگرہی جب لڑائی میں جاتا ہے تو اُس کی جیت کا نتیجہ اُس کے اور اُس کے دشمن کے لیئے اچھا ہی ہوتا ہے۔ صداقت کی حفاظت کرنے والا ستیہ آگرہی ہو ہی نہیں سکتا۔

اہل وعیال کی محبت سے مُنھ موڑنا

ہر ستیہ آگرہی کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خاندان کی محبت کو چھوڑدے

یہ کام بہت ٹیڑھا ہے لیکن سچا ستیہ آگرہ بھی آسان کام نہیں ہے، اس کو تلوار کی دھار کہا جا سکتا ہے۔ کسی خاص قسم کا دُکھ اُٹھاتے ہوئے دھن دولت کو کھوتے وقت یا جیل میں جاتے وقت اس بات کا غم یا شک نہ ہونا چاہیئے کہ میرے اہل و عیال کا کیا حال ہوگا۔ ستیہ آگرہی کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جس خدا نے دانت دیے ہیں وہی چبانے کو بھی دیگا جو سانپ بچھو شیر بھیڑیوں جیسے خونخوار جانوروں کو بھوکا نہیں رہنے دیتا وہ انسان کو بھی بھلا نہیں سکتا۔ آگے چل کر مہاتما جی تحریر کرتے ہیں کہ ستیہ آگرہی کو اپنے دھرم پر بھی پورا پورا اعتقاد ہونا چاہیئے "مکھ میں رام بغل میں چھری" ایسے نہ ہونا چاہیئے۔ دھرم کا نام لیکر اس دھرم کے خلاف کام کرنا یہ دھرم نہیں ہے۔ جو شخص اپنے دھرم کی خلوص کے ساتھ حفاظت کرتا ہے وہی ستیہ آگرہی ہو سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے بھروسہ پر سب کچھ ترک کر سکتا ہے اس کیلئے دنیا میں کبھی شکست نہیں ہوتی محض لوگوں کے یہ کہدینے سے کہ فلاں شخص کی شکست ہوئی ہے اس کو ہارا ہوا خیال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو تو جو جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ یہ ہے ستیہ آگرہ کا سچا سروپ۔ ستیہ آگرہ کی خاطر جس نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اُس نے سب کچھ پا لیا ہے۔ کیونکہ وہ اسی میں مسرور اور مطمئن رہتا ہے۔ حاصل ہوتا ہی سکھ ہے۔ باقی سب کچھ سراب کی مانند ہے، جتنا اس کی جانب بڑھتے جاؤ وہ دور ہوتا چلا جائیگا۔

مذکورۂ بالا تمام باتوں پر بخوبی غور و خوص کرنے کے بعد ہندوستانیوں کو ستیہ آگرہی بننا چاہیئے۔ اگر ہم نے اس ہتھیار کو چلانا سیکھ لیا تو ہم اپنے تمام دکھوں پر فتح حاصل کر لیں گے۔ یہ ہتھیار ہمارے ملک کے لیئے بہت کارگر ثابت ہوگا صرف اس کے سچے مفہوم کو ٹھیک طور پر سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اس کا سمجھنا مشکل بھی ہے اور آسان بھی، کیونکہ اوّل تو جسمانی طاقت رکھنے والے لوگ ہی کم ہیں۔ پھر ایسے لوگ کہ جن کے پاس حق و صداقت کی طاقت ہو ان کا تو ملنا بہت ہی مشکل ہے۔

ستیہ آگرہ کی لڑائی میں ہارنے یا پچھتانے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے اس لڑائی میں آدمی کی طاقت ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے اس میں اضمحلال پیدا ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر منزل پر طاقت میں اضافہ ہی ہوتا ہے اگر ہم لوگ سچے ہونگے تو اس سے بہت بہت کام گزرینگے، اور اپنے ناموس کی حفاظت کرینگے، اور اپنی شان کو برقرار رکھکر اسکو دوبالا کر دینگے ٭

ہندوستان حصولِ آزادی کیلئے تیار ہے

"امریکا کے اخبار "یونی" میں مسٹر کربی پیج کا ایک مراسلہ "گاندھی، نہرو اور انقلاب پسند ہندوستان" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو مسٹر پیج نے سابرمتی ہی میں لکھا تھا۔ پورے مراسلہ کے لیئے ان کالموں میں جگہ نہیں نکل سکتی اسلیئے صرف اس کے اقتباس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

"انڈین نیشنل کانگریس کا مذاق اُڑانا جیسا کہ انگریزی حلقہ کا اس ملک میں فیشن ہو گیا ہے، بہت آسان ہے اور یہ کہنا کچھ بھی دشوار نہیں ہے کہ ہندوستان کی تیس کروڑ کی آبادی میں سے کانگریس صرف ایک مٹھی بھر آدمیوں کا نام ہے درحالیکہ ہندوستان کے عوام کو سیاسیات سے کسی قسم کا کوئی مس ہی نہیں۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ برطانوی حکومت سے بیزاری ایک بہت ہی حقیر اقلیت تک محدود ہے فی الحقیقت اس مبحث سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتا۔ تمام دنیائے انسانی کی تاریخ میں ایسا کب ہوا ہے کہ کسی انقلابی تحریک کی حمایت تمام آبادی نے اس وقت سے پہلے کی ہو کہ جب تحریک تقریباً کامیاب ہو چکے؟ محکومی اور غلامی کے جوئے کبھی کسی جگہ تمام غلاموں اور محکوموں نے متحدہ قوت سے اُتار کر نہیں پھینکے ہیں۔ ہندوستانیوں کی وہ جماعت جو اپنی قوم کو آزاد کرانے کا بیڑا اُٹھا چکی ہے اتنی کافی بڑی اور طاقتور ہے کہ اگر اسے خود مختاری کی حکومت جلد نہ دیدی گئی تو برطانوی حکمرانوں کو زندگی دوبھر کر دیگی۔"

ہندوستان کی کامیابی عدم تشدد ہی میں ہے

مسٹر پیج نے اپنے اس مراسلہ میں عدم تشدد کے طریق کار پر بھی حسب ذیل رائے زنی کی ہے:-

"بظاہر حالات ہندوستان جنگ کر کے آزادی حاصل نہیں کر سکتا، لیکن اس کے پاس دوسرے ذرائع موجود ہیں سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۲۱ء میں مہاتما گاندھی کی ترک تعاون کی تحریک جس میں تشدد شامل نہ تھا، تقریباً کامیاب ہو چکی تھی، جس کا خود برطانوی حکام نے بعد کو اعتراف کیا ہے مایوس ہو کر اب پھر مہاتما جی پھر قوم کو ترک تعاون کی دعوت دے سکتے ہیں۔ گزشتہ موقع پر تیس ہزار سے بھی زیادہ ہندوستانی ہنستے کھیلتے جیلخانوں میں چلے گئے تھے اور اب ممکن ہے کہ اس سے بھی بڑی تعداد پابجولاں ہونا پسند کرے۔ اگر پھر کوئی جنرل ڈائر اپنی اس جنگی ذہنیت کے زعم میں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مگر امن اور قانون کی بہر صورت و بہر حالت حفاظت ہونی چاہیئے صدہا غیر مسلح ہندوستانیوں کو بندوق کا نشانہ بنوا دیگا جیسا کہ امرتسر میں کیا گیا تھا تو نہایت آسانی سے تحریک تمام ملک میں عام ہو کر حالات قابو سے باہر

ہو جائینگے۔ آخر تمام ہندوستان میں کل ایک لاکھ پینسٹھ ہزار ہی انگریز تو ہیں بتیس کروڑ انسانوں کی قوم پر ایسی حالت میں کہ جب اس کے جذبات مشتعل ہوں برطانوی سنگینوں کی نوک سے حکومت نہیں کی جا سکتی۔"

ہندوستان کی آزادی

نیویارک (امریکا) کے اخبار "نیشن" نے اپنی یکم جنوری کی اشاعت میں لکھا ہے کہ۔

"ہمارے خیال میں سمجھوتے اور مفاہمت کا یہ کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں آخری اور قطعی فیصلہ ہندوستانیوں کی طرف سے صادر ہونا چاہیئے کسی دوسرے کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ جس تاریخ سے یہ اخبار نکلا ہے اس نے نہایت مضبوطی کے ساتھ اس اصول کی حمایت کی ہے کہ کسی ملک پر غیر ملک کے حکام خواہ کتنی ہی اچھی اور قابلِ تعریف حکومت کیوں نہ کریں پھر بھی وہ اس ملک کے لیے اس حکومت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی؟ جو اس کے فرزندوں کے ہاتھوں سرانجام کو پہنچے۔ خواہ یہ حکومت کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو۔

× × × × × × × × × × × × × ×

اس لیئے ہم تو اس بات کے حامی ہیں کہ ہندوستان مہاتما گاندھی کے پُرامن ذرائع سے سوراج حاصل کرلے۔ اس کے علاوہ اور جو صورت بھی ہوگی وہ مصالحت کا دروازہ بند کردیگی، اور برطانوی شاہنشاہیت پسندوں کے لیئے وہ عذر مہیا کردیگی جس کی انہیں تلاش ہے تاکہ وہ اس تماشہ کا اعادہ کرسکیں جسے خود کاپڈینٹ نے ایشیا میں برطانوی فریب کاری، تشدد اور ناانصافی سے تعبیر کیا ہے لیکن مستقبل قریب میں حالات خواہ کوئی صورت بھی کیوں نہ اختیار کریں ہمارے قیاس کے مطابق یہ واقعہ ہے کہ ناترقی یافتہ اور غیر مہذب ممالک میں سفید رنگ کی قوموں کی بالا دستی کا زمانہ اب ختم کے قریب پہنچ چکا ہے، خواہ اس کا باعث مکاری جعلسازی اور قتل عام کے وہ سبق ہی کیوں نہوں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک ان بالادستوں نے اپنے زیردستوں کو پڑھائے ہیں۔"

ہندوستانی پارلیمنٹ پر انگریزی تبصرہ

مسٹر آرنلڈ وارڈ کا ایک مضمون "اسپیکٹیٹر" میں شائع ہوا ہے۔ آپ ایک انگریزی اخبار کے مراسلہ نگار کی حیثیت سے حال ہی میں ہندوستان آئے ہیں اور چونکہ خود آٹھ سال تک انگلستان کی پارلیمنٹ کے ممبر رہ چکے ہیں اسلیئے ہمارے ملک کی مجلسِ مقننہ کے متعلق جو رائے انہوں نے ظاہر کی ہے وہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ذیل میں ہم ان کی رائے کا ترجمہ نذرِ قارئین کرتے ہیں۔

"حکومت کی دوسری بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس کی کامیابی تمامتر سرکاری طور پر نامزد کیے ہوئے ممبروں کی رائے پر منحصر ہے، عملی طور پر سرکاری اور غیر سرکاری ممبروں کی رائے دہندگی کے اثرات کا فرق بہت ہی حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے جبکہ دونوں ایک ہی اجلاس میں رائے دیں۔ یہ فرق اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے جب رائے دینے والے ممبر غیر سرکاری تو ہوں لیکن ہوں حکومت کی جانب سے نامزد کیے ہوئے جنہیں گویا اصولاً اس بات کا پورا حق ہے کہ جس طرف چاہیں رائے دیں۔ عملاً رائے دیتے وقت یہ غریب ایک عجیب مخمصہ میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ اگر وہ حکومت کا ساتھ دیتے ہیں تو ان پر حکومت کی خوشامد اور غلامی کرنے کا شبہ کیا جاتا ہے، اور اگر حکومت کے خلاف جائیں تو آئندہ ممبری کی کوئی توقع نہیں رہتی۔ یورپین ممبروں کو چھوڑ کر صرف ایک مُٹھی بھر ایسے منتخب کیے ہوئے ممبر ہوتے ہیں جو حکومت کے حق میں رائے دیں۔ ایسی کوئی جماعت موجود نہیں ہے جو حکومت کی طرفدار ہو اور نہ ایسے اخبارات ہی کا ملک میں وجود ہے۔ ہندوستان کی قوم پرور جماعت پر اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انہوں نے تمام اخبارات پر قبضہ کر رکھا ہے لیکن میرے خیال میں تو یہ بہت ہی شاندار بات ہے کہ کسی جماعت کا اخبارات پر قبضہ ہو - - - - - - - - - - کسی جماعت کا اخبارات پر قبضہ ہونا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ اخبارات کسی جماعت پر قبضہ کرلیں خیر وہ تو جو کچھ ہے وہ ہے، لیکن دہلی کی جمعیتہ مقننہ کی بحث سنکر یہ ناممکن ہے کہ آپ کو حکومتِ ہند کی بیکسی پر حیرت نہ ہو جسے عوام کی جانب سے ذرا سی بھی حمایت حاصل نہیں ہے۔ اگر جیسا کہ قدامت پسند بزرگ کہا کرتے ہیں یہ سچ ہے کہ ہندوستان میں حکومت کی حمایت کرنیوالے بڑی کثیر تعداد میں موجود ہیں جنکی تعداد انقلاب پسندوں سے بہت زیادہ ہے اور جو جمہوری طرزِ حکومت سے بیزار اور برطانوی حکومت کے دلدادہ ہیں تو وہ کبھی نظر کیوں نہیں آتے اور ان کی آواز کبھی کانوں تک کیوں نہیں پہنچی؟ اگر وہ واقعی موجود ہیں تو ان سے بڑھکر بزدل اور کون ہو سکتا ہے؟"

جنگ کے دیوتا کا پجاری

مہذب دنیا" اس وقت محکمۂ جنگ پر ۹۰ کروڑ پونڈ (تقریباً ۱۲۰ ارب روپیہ) ہر سال صرف کر رہی ہے! ...... برطانیہ کے مصارف محکمۂ حرب فی یوم ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ ہیں! گویا فی منٹ ایک ہزار پونڈ (سوا تیرہ ہزار روپیہ)!

(تقریر مسٹر اسنوڈن، وزیر خزانۂ برطانیہ)

امداد آپ نے سب سے زیادہ معتبر راوی کی زبان سے سُن لیے۔ آپ کی عالی دماغ پرور سرکار برطانیہ، دورانِ جنگ میں نہیں اس وقت صلح و امن کی حالت میں اپنے محکمۂ جنگ پر، ہر مہینے نہیں، ہر ہفتہ نہیں، ہر روز نہیں، ہر گھنٹہ بھی نہیں ہر ہر منٹ سوا تیرہ ہزار روپیہ جھونک رہی ہے! آپ نے اب تک تاریخوں میں یہ پڑھا تھا، کہ چنگیز و ہلاکو، نیرو اور ہنیبال، یزید اور حجاج، ظلم و ستم، سفاکی و خونریزی میں اپنی مثال آپ گزرے ہیں۔ اب ایمان و دیانت سے کہیئے کہ اُن کے مصارفِ جنگ کو اس سے کوئی نسبت تھی؟

(سچ لکھنؤ)

ہندوستانی سرمایہ دار اور دیسی طریقۂ شکر سازی

یہ امر مسلمہ ہے کہ ملک کی ترقی کا دارو مدار ملک کی پیدا کردہ اشیاء کے فروغ دینے پر ہے۔ ملک کی بہبودی اور مرفع الحالی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ملک کی اپنی پیدا کردہ اشیاء کو ضرورتِ زمانہ کے موافق سستی اور بہترین تیار کر کے مقابلتاً پیش کیا جائے۔ فی زمانہ ہندوستان جس کو کسی زمانہ میں اپنی صنعت پر ناز اور اپنی دستکاری پر زعم تھا دوسرے ممالک سے رفتار ترقی میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم ہندوستانی ممالکِ غیر کی اشیاء کو خریدنے اور اپنے ملک کی پیداوار کو باہر بھیجنے کے محتاج ہیں، اس بیچارگی نے ہمارے دل و دماغ پر اس قدر تسلط کیا ہے کہ اگر روزانہ استعمال کی معمولی چیز یعنی سوئی بھی ممالکِ غیر سے ہمارے ملک میں مہیا نہ ہو سکے تو غالباً خیاطی کا کام ہندوستان میں مفقود ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ سوٹ، کالر، نکٹائی کا استعمال چھوڑ کر بحالتِ مجبوری چادروں سے اپنے جسم ڈھانکا کریں، یہ ایک ادنےٰ مثال ہے۔

بقیہ ضروریاتِ زندگی کے لیئے اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو یہ خیالات تاسف و ملال کا پہلو لیئے ہوئے طبیعت کو اندوہگیں اور پژمردہ کر دینگے۔ اُف

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

خدا کا شکر ہے کہ ملک اب بیدار ہو رہا ہے، مہاتما گاندھی نے اپنی انتہائی قربانی کے بعد ہندوستان میں یہ تحریک شروع کر دی ہے کہ بدیشی کپڑے و نیز دیگر اشیا کا بائیکاٹ کر کر اپنی ملکی صنعتوں کو فروغ دیا جائے، اگر اس تحریک پر ہم سب کے سب آمادہ اور کمربستہ ہو جائیں تو ہندوستان میں بہبودی اور فارغ البالی کے چار چاند لگ جائیں۔ ہمارے ہندوستانی بھائی جو اس وقت بیکار اور مفلس نظر آتے ہیں باکار اور صاحبِ ثروت نظر آئیں، علاوہ ازیں ایک دوسری مبارک تحریک

یعنی

چودہ کروڑ کی رقم کا معاملہ

قابلِ غور ہے جس پر ملک نے ابھی تک توجہ نہیں دی۔ ہندوستان ہمیشہ سے بہترین زراعتی ملک تصور کیا جاتا ہے اور یہاں کی ۹۰ فیصدی آبادی کا انحصار صرف کاشتکاری پر ہے۔ نیشکر کی کاشت اور شکر سازی کا رواج یہاں کئی ہزار سال قبل سے چلا آرہا ہے جس کا تذکرہ سکندر اعظم اور ابن بطوطہ نے اپنے اپنے سفرناموں میں نہایت استعجاب سے کیا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ملک نے اپنے اس قدیمی بہترین فن پر توجہ نہیں کی اور اب یہ فن چراغ سحری ہو رہا ہے اگر چندے اور خبر نہ لی گئی تو بادِ مخالف کا ایک جھونکا اس کو گل کر دے گا اور یہ فن بھی ہندوستان سے ناپید ہو جائیگا۔ ہمارے اس فن کی تکمیل بھی دوسرے ممالک کر چکے ہیں اور ہم مجبوراً ہر سال چودہ کروڑ کی کثیر رقم آنکھیں بند کر کے شکر کی خرید میں مدد دیتے ہیں اور خود اہل ہوتے ہوئے دوسروں کے دست نگر ہیں۔ فی الحقیقت اسکی چند وجوہ ہیں جو ذیل میں قابلِ ملاحظہ ہیں:۔

(۱) اقسامِ نیشکر جو عموماً زیرِ کاشت ہیں ان کی پیداوار بہت کم ہے اور ان سے شکر قلیل مقدار میں فراہم ہوتی ہے۔

(۲) مروجہ طریقۂ کاشت اُصول سائنس کے تحت میں قابلِ تنسیخ ہے۔

(۳) مروجہ طریقۂ راب و شکر سازی قطعاً قابلِ ترمیم ہے۔

نمبر ۱ کا علاج گورنمنٹ ہند نے اس طریقہ پر کیا ہے کہ کوئمبٹور میں ایک زراعتی فارم قائم کر دیا ہے جہاں ایسی اقسام نیشکر کی جو مختلف مقامات کی آب و ہوا کے لحاظ سے حقیقتاً مفید ہیں کاشت کی جاتی ہے اور جن کی پیداوار عام نیشکر کے مقابلہ میں بہت زائد ہوتی ہے ایسی اقسام بعد تجربات پبلک کے سامنے لائی جاتی ہیں۔ تاکہ ملک ان سے فائدہ اُٹھائے۔ یہ امر تسلیم ہو چکا ہے کہ اس وقت تک جو کام اس درسگاہ نے انجام دیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ تمیز ہے اور ملک کے شکریہ کے لائق ہے۔

نمبر ۲۔ پراونشل گورنمنٹ کے محکمہ جات زراعت برابر ترقی دادہ اصولِ کاشت کا اپنے ڈیمانسٹریشن فارموں پر پبلک کو مشاہدات کرا کر فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

نمبر ۳ کی طرف جو حقیقتاً سب سے زیادہ توجہ کا محتاج تھا گورنمنٹ کے کسی محکمہ زراعت نے اب تک توجہ نہیں دی۔ البتہ گورنمنٹ ہند نے اس پُرانی اندھیری [illegible] کا چراغ گل ہوتا دیکھ کر ۱۹۲۰ء میں ایک شوگر کمیٹی کا انعقاد فرمایا تھا کہ [illegible] مختلف حصص میں دورہ کرکے اپنی رائے پیش [illegible] اور بتلائے کہ ملک کی شکر کی پیداوار میں کس طرح اضافہ ہو سکتا ہے [illegible] آمد کس طریقہ سے بند کی جا سکتی ہے۔

۱۹۲۱ء میں کمیٹی نے [illegible] اپنی سفارشات ایک ضخیم رپورٹ کی شکل میں پیش کیں۔ مگر ایسے [illegible] رپورٹ کے پڑھنے اور کمیشن کی رائے [illegible] لیے مضطرب و بیتاب تھے مایوس ہوگئے کیونکہ جو علاج کمیٹی [illegible] فرمایا تھا وہ ان کے امکان سے بالکل باہر اور ناقابل [illegible] کے مروجہ طریقۂ شکر سازی کو لاعلاج تصور فرماتے ہوئے [illegible] اصول پر بڑے بڑے کارخانہ جات قائم کرنے کی سفارش فرمائی جس کے چھوٹے سے کارخانے کے لیے کم از کم [illegible] کا سرمایہ درکار ہوگا۔

مقام [illegible] ہندوستان کا وہ کاشتکار جو اپنے لیے ایک معمولی ترقی دادہ بیل بھی نہ خرید سکتا ہو کمیٹی کی تجویز پر کس طرح عمل پیرا ہو کر منفعت حاصل کر سکتا ہے؟

(سود مند)

(بقیہ مضمون بابت [illegible])

مندرجہ عنوان پر قابل لوگوں کے مضامین شائع ہونے کی ضرورت مجھے اس وجہ سے محسوس ہوئی ہے کہ جو سکون واطمینان ازدواجی زندگی میں آج سے سو پچاس برس قبل لوگوں کو حاصل ہوتا تھا میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس زمانہ میں حاصل نہیں ہے اور اسکی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہی ہے کہ پہلے زن و شوہر کا رشتہ خوردی بزرگی کا رشتہ سمجھا جاتا تھا اور آجکل وہ مساوات کا رشتہ سمجھا جاتا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ کامیابی کے قابل مضامین نگار صاحبان اس ضروری مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات ضرور ظاہر فرمائینگے۔

کامیابی: واقعی مولوی حیات احمد صاحب کا مجوزہ عنوان اسکا مستحق ہے کہ اسپر سنجیدگی سے اظہار خیال کیا جائے ہم ان مضامین کو نہایت خوشی سے کامیابی میں شائع کریں گے بشرطیکہ اُن میں اس مسئلہ پر معقولیت سے بحث کی گئی ہو اور محض لفاظی نہ ہو۔

مولوی عبداللہ صاحب سیفی عمرپوری بجواب سوالات مندرجہ کامیابی بابت جنوری ۱۹۳۰ء تحریر فرماتے ہیں:۔ سوال نمبر ۱ صنفی کتابوں سے کیا مراد ہے؟ اگر عورتوں کے متعلق مفید کتابیں مراد ہیں تو **اتالیق نسواں** اُن کیلئے نہایت مفید ہے جس کے دس حصے ہیں۔

سوال نمبر ۴۔ قرآن مجید کی عربی تفسیروں میں تفسیر حافظ ابن کثیرؒ اور اُردو تفاسیر میں احسن التفاسیر عام فہم اور قابل اعتبار ہیں۔

سوال نمبر ۵۔ شیخ عبدہٗ کی تفسیر رسالہ المنار (مصر) میں تھوڑی تھوڑی شائع ہوتی رہتی ہے۔ جب کافی مقدار ہو جاتی ہے تو اُسے ایک جلد کی صورت میں شائع کر دیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۶۔ فارسی ماہوار رسالوں کے واسطے "کاویانی پریس۔ برلن۔ جرمنی" کو لکھنا چاہیئے۔ وہاں سے کئی فارسی رسالے نکل چکے ہیں۔

غلام رسول صاحب کشتواڑ:۔ یورپ و امریکہ کی چند مشہور کمپنیوں کے نام اور پتے مطلوب ہیں جن کے ساتھ تجارت کی جا سکے نیز مذکورہ ممالک میں مال بھیجنے اور منگانے کے آسان ذرائع کیا ہیں اور خط و کتابت کس کس زبان میں کی جا سکتی ہے اور اُس کے متعلق ڈاکخانہ کے قواعد کیا ہیں؟

میر علی صاحب پنانگ ۔ ہندوستان میں کپڑے پر پیتل کے سانچوں سے پھول چھاپنے کے لیئے جو روغن سفیدہ میں ملا کر تیار کیا جاتا ہے اُس کے تیار کرنے کی مفصل اور صحیح ترکیب معلوم کرنی چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر درانی صاحب گوالیار۔ چاندی کے پُرانے سکے کس کے ہاتھ اور کونکر فروخت کیئے جا سکتے ہیں؟

عبدالحمید صاحب لاہور۔ شمالی ہندوستان کی چند غلہ کی منڈیوں کے دیانتدار آڑھتیوں کے نام اور پتے درکار ہیں۔ اگر کسی ڈائرکٹری میں درج ہوں تو اُس کا پتہ بتا دیا جائے؟

محمد انیس صاحب تیار پور۔ اورنگزیبی پھینسی کے لیے کسی مجرب دوا کی ضرورت۔

کامیابی:۔ کسی بڑے ڈاکٹر سے سونچ کرا لیجئے۔

عبدالعزیز صاحب ضلع گجرات۔ ایک مکان میں سیاہ رنگ کے کیڑے جن کو کوڑے کہتے ہیں بہت ہیں اُن کے دفع کرنے کی تدبیر معلوم کرنی چاہتا ہوں۔

غلام حسن صاحب شیرانی جھوک بودو۔ ایسے عربی و فارسی رسائل و اخبارات کے نام اور پتے مطلوب ہیں جو خاص عرب و ایران سے آسان اور سلیس زبان میں شائع ہوتے ہوں۔

حافظ محمد ذکریا صاحب۔ نارتھ ارکاٹ۔ ایسی فرموں کے پتے چاہیئے ہیں جن سے ان کو کیلنڈر مفت مل سکیں اور منہ کے داغ دھبے دور کرنے کی دوا کا نسخہ بھی۔



کامیابی میں نئی ترقیاں

معنوی خوبیوں کے لحاظ سے تو کامیابی شروع ہی سے ایک امتیازی شان سے نکالا جارہا ہے۔ ظاہری دلچسپیوں کے لحاظ سے بھی اس کو اُردو کے بہترین رسائل کا ہم پلہ کردیا گیا ہے۔ آئندہ کوشش یہ ہوگی کہ امریکہ اور یورپ کے رسالوں کی بہترین خصوصیات سے کامیابی کو مزین کیا جائے۔ لیکن اس مقصد کے قریب پہنچنا بغیر وسعت اشاعت کے ناممکن ہے۔

ایک اُردو سے دلچسپی رکھنے والے انگریز افسر یہ سنکر حیرت میں رہ گئے کہ کامیابی کی اشاعت اب تک پانچ ہزار بھی نہیں ہوئی۔ واقعی اُردو دان ہندوستانیوں کے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ان کی زبان کے ایک بہترین رسالہ کے پڑھنے والوں کی تعداد یورپ کے ذلیل ترین رسالوں کے خریداروں سے ایک اور سو کی نسبت بھی نہیں رکھتی۔ یہی چیزیں ہیں جن کو ہماری آزادی کے مخالف ہماری نااہلیت کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں جب تک ہم میں مفید پرچوں کے مطالعہ کا شوق اور ان کی اعانت کی ضرورت کا احساس پیدا نہیں ہوگا ہمارے اخبارات ورسائل اُسی ذلیل حالت میں رہیں گے جس میں کہ اب ہیں اور جبتک ہمارے اخبارات ورسائل بیرونی دنیا کی نظروں میں وقعت وعزت حاصل نہیں کرینگے اُس وقت تک ہم بھی بے وقعت رہیں گے۔

کیا آپ کے عزیزوں، دوستوں اور شناساؤں کے حلقہ میں چار شخص بھی ایسے نہیں ہیں جنہیں آپ کامیابی کی خریداری پر آمادہ کرسکیں؟ اگر ہیں اور ضرور ہونگے تو تھوڑی سی تکلیف گوارا کرکے ان کو کامیابی کا خریدار بنانے کی کوشش کیجئے اور آئندہ کے لیے اس کا عہد کرلیجیے کہ آپ اپنا کامیابی کسی ایسے شخص کو مفت پڑھنے کے لیے نہیں دینگے جو اُس کو خرید کر پڑھنے کی کافی استطاعت رکھتا ہے۔

توسیع اشاعت میں کوشش کرنیوالے معاونین

ہمارا اصول ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ ہم اپنے ناظرین کے مذہبی یا قومی جذبات سے اپیل کرنے کی بجائے اپنی خدمات کے ذریعہ ان کی اعانت وہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لیئے ہم نے اب تک اُن حضرات کے نام بھی کامیابی میں شائع نہیں کیے جن سے ہم کو کامیابی کی توسیع اشاعت میں مدد ملی ہے۔ لیکن ان معاونین کے نام شائع نہ ہونے سے ہمارے جذبۂ احسانمندی کو تکلیف پہنچتی ہے اس لیے آئندہ ہم توسیع اشاعت میں کوشش کرنیوالے معاونین کے اسمائے گرامی کامیابی میں شکریہ کے ساتھ شائع کرتے رہینگے۔

وی۔ پی واپس کرنیوالے مہربان

جب کسی خریدار کے چندہ کی میعاد ختم ہوتی ہے تو دفتر سے ایک مطبوعہ کارڈ یہ معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ خریداری منظور ہے یا نہیں۔ بعض لوگ جو اپنی اخلاقی کاروباری ذمہ داری محسوس نہیں کرتے ختم چندہ کے اطلاعی کارڈ کا تو کوئی جواب نہیں دیتے لیکن جب وی۔ پی بھیجا جاتا ہے تو بلا تامل واپس کردیتے ہیں۔ آجکل ایک وی۔ پی کے واپس آنے سے تقریباً تین آنے کا نقصان ہوجاتا ہے اور اس نقصان سے وی۔ پی واپس کرنے والوں کو ایک پائی کا بھی نفع نہیں پہنچتا۔ اس لیئے ہمیں امید ہے کہ کامیابی کے جو ناظرین ہم کو نفع نہیں پہنچا سکتے وہ آئندہ کم ازکم نقصان پہنچانے سے ضرور احتراز کرینگے۔

اشاعت اشتہارات کا انتظام

اب تک ہمارا خیال یہ تھا کہ کامیابی میں باہر کے اشتہارات جہاں تک ممکن ہو کم شائع کیے جائیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس احتیاط کی وجہ سے کامیابی کو ایک ایسے ذریعۂ آمدنی سے محروم ہونا پڑتا ہے جس پر بہت سے اخبارات ورسائل کی زندگی کا انحصار ہے۔ اس لیے ہم نے حصول اشتہارات کے لیئے خاص طور پر کوشش شروع کردی ہے اور اس کے لیئے ایک مستقل شعبۂ اشتہارات قائم کردیا ہے امید ہے کہ ناظرین کامیابی میں جو صاحبان خود اشتہار دیا کرتے ہیں وہ کامیابی کو بھی اپنے اشتہارات سے محروم نہیں رکھیں گے، اور جو صاحبان اپنے تعلقات کے ذریعہ سے کامیابی کے لیئے دوسروں سے اشتہار بھجوا سکتے ہیں وہ اشتہار بھجوانے کی کوشش کرینگے۔

کامیابی میں تصویریں

ناظرین کے اصرار سے کامیابی میں تصویروں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ زیادہ تر ایسی تصویریں شائع کریں جن سے صرف چند منٹ کی نظری تفریح ہی نہ ہو بلکہ کوئی مستقل نفع بھی حاصل ہو اس لیے ہم اُن معاونین کامیابی کے ممنون ہونگے جو ہم کو ایسے حضرات کے فوٹو اور مختصر حالات روانہ فرمائیں گے جو ادنےٰ حیثیت سے ترقی کر کے اعلیٰ مدارج تک پہنچے ہیں اور انگریزی، ہندی اخبارات و رسائل کے ایسے کٹنگس بھی جن میں کامیابی کے مقاصد کے مطابق کوئی مفید اور دلچسپ تصویر شائع ہوئی ہو۔ شائع شدہ تصاویر کے بلاکوں کا موصول ہونا اور زیادہ ہماری ممنونیت کا باعث ہوگا۔ جو صاحبان کامیابی کے مقاصد کے لحاظ سے بہترین تصویر خود بنا کر بھیجیں گے اُن کو مناسب معاوضہ بھی پیش کیا جا سکے گا۔

کامیابی کی قیمت

کامیابی کی عام سالانہ قیمت اب تین روپئے کر دی گئی ہے جس میں رعایت کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ اس لیئے سابقہ رعایتی اعلانات کو منسوخ سمجھا جائے اور آئندہ جو صاحب بھی کامیابی خریدنا چاہیں وہ سال بھر کے لیئے تین روپئے یا ششماہی کے لیے ایک روپیہ بارہ آنے پیشگی ارسال فرمادیں۔ موجودہ معاونین کو بھی اُن کی میعادِ خریداری ختم ہونے کے بعد سالانہ خریداری کے لیئے تین روپئے اور ششماہی خریداری کیلئے ایک روپیہ بارہ آنے ادا فرمانے ہوں گے۔

کامیابی کی اشاعت میں تاخیر

جنوری ۱۹۳۰ء میں مائل بیچ کے وقت پر تیار نہ ہو سکنے اور بعض دوسرے ناگزیر اسباب کی وجہ سے کامیابی کی اشاعت میں پندرہ بیس دن کی دیر ہو گئی تھی جس کا سلسلہ افسوس ہے کہ ابھی تک جاری ہے۔ لیکن انشاءاللہ اپریل کا کامیابی ٹھیک وقت پر شائع ہوجائیگا اور کوشش کیجائیگی کہ آئندہ ایسا انتظام کیا جائے کہ اتفاقی اسباب بھی کامیابی کے وقت پر شائع ہونے میں مخل نہ ہوسکیں۔

ناظرین کے منتخب خطوط

منشی پریم چند صاحب مشہور فسانہ نویس از لکھنؤ۔ آپ جس شان سے رسالہ نکال رہے ہیں اُس پر قیمت اور قامت والی مثل صادق آتی ہے۔ آپ کے ملفوظات مغلول کا تو میں زمانۂ قدیم سے ثنا خواں ہوں، مگر کامیابی کی کامیابی نے اور بھی گرویدہ کر لیا۔ میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے۔ میں تو ابھی کچھ رسالہ کی خدمت نہیں کر سکا مگر اُمید کرتا ہوں کہ آپ نے موقع دیا تو کچھ لکھوں گا۔ مولانا عارف ہسوی کا مضمون (پہلے ہندوستانی پھر اور کچھ) دیکھکر روح تازہ ہو گئی۔ پھر شکریہ اور مبارکباد۔

احقر پریم چند

محمد وحید الدین صاحب (اجمیر) نے کامیابی کی تعریف و توصیف میں زور قلم کا خط تحریر فرمایا ہے۔ موصوف کی اس قدر شناسی و حوصلہ افزائی کے ہم ممنون ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے آئندہ نوازشناموں میں ایک دو نئے خریداروں کے نام بھی ضرور ہوا کرینگے۔

سید محمود علی صاحب (رانی گاؤں) فرماتے ہیں کہ وہ کامیابی پر عاشق ہیں لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں یہ عشق ایسا تو نہیں ہے کہ وہ اپنے سوا اُس میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہ کرتے ہوں، کیونکہ اُن کے مکرمت نامہ میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ اتنے خریدار دیئے ہیں یا دینے کی کوشش کرینگے۔

اختر حسین صاحب (کلکتہ) کامیابی کو "اُردو کا بہترین رسالہ" ہونے کا سارٹیفکٹ عنایت فرماتے ہیں اور مشورہ دیتے ہیں کہ چندہ بجائے تین روپئے کے ۲ روپئے کر دیا جائے اور اشتہارات ضرور شائع کیئے جائیں۔ سارٹیفکٹ اور مشوروں کا شکریہ۔ اشتہارات حاصل کرنے کے لیئے باقاعدہ کوشش شروع کر دی گئی ہے۔ چندے میں ایک روپئے کے اضافہ کا اعلان ابھی کیا گیا ہے اس لیئے مزید اضافہ کا موقع نہیں ہے۔

نورجہاں صاحبہ (بدایوں) تحریر فرماتی ہیں" کامیابی کے مطالعہ سے مجھکو بچوں کی تربیت کے بارے میں ایسی مفید اور پُر از حکمت باتیں معلوم ہوئی ہیں جو انشاءاللہ میرے بچوں کی آئندہ زندگی کے لیئے بہت کارآمد ثابت ہونگی۔

اگر آپ بچوں کے لیئے بھی چار صفحے اپنے معزز رسالہ میں مخصوص کر دیں تو یقیناً اس سے بہت فائدہ پہنچے گا اور رسالہ کی اشاعت بھی بڑھیگی۔

میں چار خریداروں کے نام کامیابی جاری کرا چکی ہوں، انشاءاللہ بہت جلد اور نام بھیجوں گی۔"

تصویریں دینے کا ارادہ ہو تو ایسی تصویریں ہرگز نہ دیجئے گا جن کو عورتیں دیکھنا گوارا نہ کر سکیں۔"

کامیابی :- کامیابی کی ضخامت موجودہ عنوانات کے لیئے بھی ناکافی ثابت ہو رہی ہے اشاعت بڑھنے پر بچوں کے صفحات بڑھا دیے جائینگے۔ تصاویر کی اشاعت میں آپ کے قیمتی مشورہ کا خیال رکھا جائیگا۔

مولوی حیات احمد صاحب (ٹنڈا گڈھ) سے تحریر فرماتے ہیں" میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے بہترین مضمون نگار حسب ذیل عنوان پر کامیابی میں مضامین لکھیں :-

"زن و شوہر کا باہمی تعلق خوردی و بزرگی کا تعلق ہے یا مساوات کا"

یعنی زن و شوہر کے تعلقات اور اُن کی اُزدواجی زندگی میں خوشگواری خوردی و بزرگی احساس و معاملت سے پیدا ہو سکتی ہے یا خود مختاری و مساوات کے احساس و معاملت

(باقی مضمون صفحہ ۸۴ پر ملاحظہ فرمائیے)

سائنس کی حیرت انگیز ایجاد

مدت مدید سے ولایت کے ماہرین علم سائنس جوانی اور بڑھاپے کا راز معلوم کرنے میں سخت کوشش کرتے رہے لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ صرف جرمنی کے محکمہ حفظان صحت کے پروفیسر ایم موتن بیچر اس نتیجہ تک پہنچے کہ انسانی جسم میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں وہ مختلف قسم کے غدودوں کی وجہ سے ہوتی ہیں اگر ان غدودوں کی اصلاح کرلی جائے تو انسان بوڑھا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں **وارناف** نے بذریعہ آپریشن چند بوڑھے آدمیوں پر اس کا تجربہ کیا اور انکے غدود بدلکر علمی دنیا میں تہلکہ برپا کردیا اور ان کی جوانی کا عالم دوبارہ واپس آگیا، لیکن چونکہ آپریشن جیسے خطرناک کام کے لئے ہر شخص تیار نہیں ہوسکتا تھا اسوجہ سے اسوقت کے تجربات نامکمل رہے۔

آخر ہزارہا تجربات اور کوششوں کے بعد ڈاکٹر رچرڈ ویز جو علم جسم انسانی اور علم کیمیا میں بہترین ماہر مانے جاتے ہیں" نے ثابت کردیا کہ بغیر آپریشن کے بھی انسانی غدود کی اصلاح ممکن ہے اور انسان کے گم شدہ ہارمون جوانی کے قدرتی عرق پھر پیدا ہوسکتا ہے چنانچہ اس مطلب کے لئے ڈاکٹر موصوف نے جو جوہر دریافت کیا ہے اس کا نام ورلین VIRILINE رکھا ہے۔

ویرلین کا استعمال، ان جوانوں کو کرایا گیا جو اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے جوانی کی قوت برباد کرچکے تھے، وہ ازسر نو جوان بن گئے۔

ویرلین کا استعمال، ان بوڑھوں کو کرایا گیا جو واقعی بوڑھے ہوگئے تھے، ان میں مندرجہ ذیل تغیرات پیدا ہوگئے، ان کی رنگت میں سرخی اور آنکھوں میں رس آگیا، بینائی تیز کئی بال سیاہ ہونے لگے، خون کا دورہ تمام جسم میں اور اعضائے رئیسہ میں باقاعدہ ہونے لگا، قوت ارادہ اور یادداشت تیز ہوگئی اختلاج قلب اور بادی کا موٹاپا، نیند کا نہ آنا وغیرہ دور ہوگئے

غرض **ویرلین** وہ چیز ثابت ہوئی ہے جس کے استعمال سے جوان آدمی بڑھاپے کو مرتے دم تک روک سکتے ہیں، اور بوڑھے آدمی اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور جوانی کی سی خواہشات کو پورا کرسکتے ہیں۔

ویرلین کے موجد نے عورتوں کے لئے بھی ایک ایسا ہی جوہر دریافت کیا ہے جس کا نام **فرٹلین** FARTILENE رکھا ہے، عورتوں کے لئے یہ وہی چیز ہے جو مردوں کے لئے **ویرلین**، **فرٹلین** کا استعمال ہر گم کردہ شباب عورت کے لئے بہترین چیز ہے۔ معین .... حمل ہے بانجھ عورتوں کے لئے خاص کر مفید ہے۔ **ویرلین** کا ایک پیکٹ ۴۰ گولی کی قیمت **پانچ روپیہ** علاوہ محصول ڈاک، ڈبل پیکٹ (۸۰) گولی **نو روپے آٹھ آنے**، ۱۰۰ گولی **دس روپیہ**، محصول ڈاک معاف

فرٹلین (۴۰) گولی کی قیمت **چار روپیہ**، علاوہ محصول ڈاک **ڈبل پیکٹ** (۸۰) گولی **سات روپیہ آٹھ آنے**، ۱۰۰ گولی **نو روپے** محصول معاف

کیسے نووا کریم

Casanova Cream

یہ ایک قسم کا طلا ہے جو ڈاکٹر رچرڈ موصوف کا ایجاد ہے، لگانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتا، چند منٹ میں کئی حصہ قوت زیادہ کردیتا ہے۔ ممسک و لذیذ بھی ہے۔ تفریح پیدا کرتا ہے، قیمت فی ٹیوب جو ۲۰ مرتبہ کے لئے کافی ہے صرف **تین روپیہ** علاوہ محصول

سائنٹفک طلاء (Scientific Talla) عضو مخصوص کی جملہ خرابیوں کو خواہ وہ بوجہ ضعیفی ہوں یا بچپن کی غلط کاریوں کی وجہ سے ہوں بغیر کسی تکلیف کے ایک ہفتہ میں درست کرکے جوانی کا عالم دوبارہ پیدا کردیتا ہے، ایک مرتبہ استعمال فرمائیں اور عمر بھر کے لئے بے فکر ہوجائیں قیمت فی شیشی ۱۰ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ:- ایم این برادرس، کشمیری گیٹ، دہلی

واحدی صاحب کا منجن

اکسیر دنداں

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں مرحوم کے نسخہ سے بنایا ہوا

دانتوں اور مسوڑوں کی ہر تکلیف کو دور کرتا ہے حتیٰ کہ ہلتے دانتوں کو جوڑ دیتا ہے اور مسوڑوں کے خون اور پیپ کو روکتا ہے

یعنی

پائریا کا بہترین علاج

ہے

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب سے ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ اپنے تین چار دانت نکلوا دیجئے مگر انھوں نے اس مشورہ پر عمل کرنے سے پہلے واحدی صاحب کا منجن اکسیر دنداں ملنا شروع کیا الحمد للہ حضرت کو دانتوں کی اب کوئی تکلیف نہیں ہے

تعریف کے خطوط

منجن اکسیر دنداں کا اشتہار دیتے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے لیکن ساٹھ ساٹھ اور پینسٹھ پینسٹھ شیشیاں اس کی ایک ایک دن میں جانے لگی ہیں جو ایک دفعہ ایک شیشی منگا لیتا ہے وہ پھر چار چار اور چھ چھ اور بعض اوقات بارہ بارہ کی فرمائش بھیجتا ہے اور سیکڑوں خطوط منجن اکسیر دنداں کی تعریف کے میرے پاس جمع ہوگئے ہیں جنہیں سے چند درج ذیل کرتا ہوں۔

محمد افضل صاحب ای، اے سی فارسٹ ڈورانا لکھتے ہیں میں نے منجن اکسیر دنداں کو مفید پایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ اس کا استعمال کیا کروں"

مسز ایم، اے وحید اکز کٹو انجینیر ورک لکھتی ہیں "منجن اکسیر دنداں کی ایک شیشی منگا کر استعمال کر چکی ہوں جس سے کچھ فائدہ ہے دو شیشیاں اور ذریعہ وی پی جلد بھیجئے

ڈاکٹر ایم، اے بیگ صاحب انچارج اسٹیٹ ڈسپنسری سری مادھوپور لکھتے ہیں، ایک ہفتہ سے آپ کا منجن اکسیر دنداں استعمال کر رہا ہوں، جو مفید ثابت ہوا ہے، ایک شیشی اور بھیجئے،

محمد عبد الستار صاحب سرکل انسپکٹر پولس گونڈیا ضلع بھنڈارہ لکھتے ہیں "اکسیر دنداں کی دو شیشیاں میں نے منگائی تھیں مفید معلوم ہوئیں، میرا خیال ہے کہ میں ہمیشہ اسے استعمال میں رکھوں مگر منجن کا شیشیوں میں آنا منجن کو مہنگا کر دیتا ہے مجھے تو ایک روپے کا صرف منجن کسی ٹین کے ڈبہ میں بھر کر بھیج دیجئے۔

منجن اکسیر دنداں کی ایک شیشی ۸ر میں بھیجی جاتی ہے جس پر محصول ڈاک ۳ر لگتا ہے اور دو شیشیوں کا محصول ۵ر رہتا ہے (شیشیوں کی بجائے ٹین کے بکس میں منجن منگانے سے ضرور کفایت ہوگی لیکن اسوقت جبکہ کم از کم تین شیشیوں کا منجن منگایا جائے ایک شیشی یا دو شیشی کا منجن شیشیوں ہی میں منگانا چاہئے، محصول بذمہ خریدار، ملنے کا پتہ،

احمد مجتبیٰ، منیجر رسالہ نظام المشائخ نمبر ۱۲۳، کوچہ چیلان دہلی

اپریل سنہ ۱۹۳۰ء   جلد ۲، نمبر ۴

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا   نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز   حیات جاوداں اندر ستیز است
(اقبال)

مسلمانوں کی علمی ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنے والا اور ان کو ترقی و کامیابی کے بہترین طریقے بتانے والا ماہوار رسالہ

کامیابی

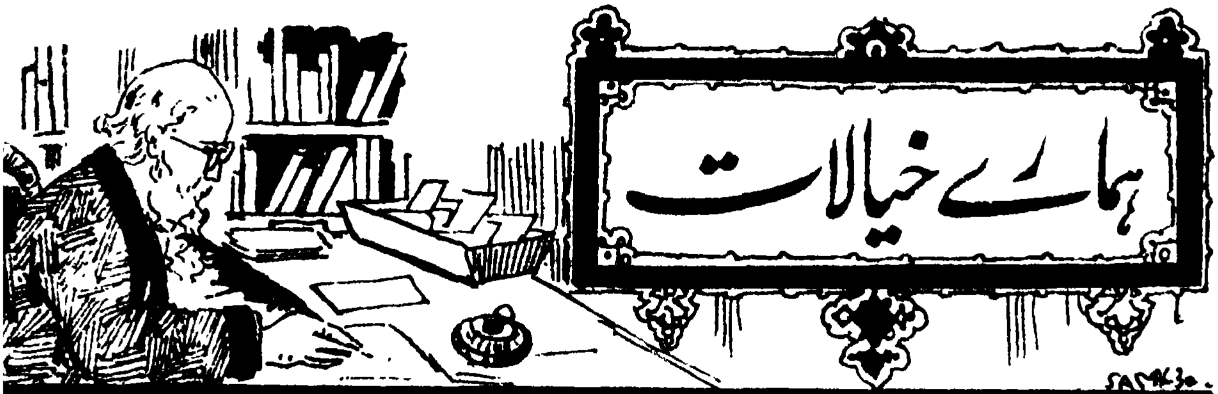
جو حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کی ملکیت میں ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو دہلی سے شایع ہوتا ہے

تصاویر:- فوٹو بلاک آٹھ صفحات

سالانہ قیمت معہ محصول ڈاک ۳ ششماہی معہ محصول ۱ ۱۲   سالانہ قیمت معہ محصول ڈاک ممالک غیر سے ۳ ۸

فہرست مضامین اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

سید علی عباس انجمن رقم تحریر نمود



کامیابی کے مضامین

"کامیابی" کی اتنک بھی یہی کوشش رہی ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گی کہ جہاں تک اور جس طرح بھی ممکن ہو ان مستقل عنوانات کے تحت میں کہ جو مقرر کئے جا چکے ہیں بہتر سے بہتر خیالات و افکار پیش کیا کرے اس پرچہ میں بھی ملک کے مشہور و لائق ادیب جناب اکبر حیدری کی ایک دلکش اور اچھوتی نظم ہے جس میں کمال خوبی کے ساتھ شعر، نغمہ، تصویر، اور ادب سب کو ناقص اور اپنی تکمیل کے لئے ایک عنوان کا محتاج ثابت کیا ہے اور پھر خود ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ مطلوب عنوان "عشق" ہے۔ جناب اکبر کی نظموں میں بالعموم صرف خیالات کی بلندی ہی نہیں ہوتی بلکہ ساتھ ساتھ حسن بیان، اور خوبی بندش بھی موجود ہوتی ہے اور اسی چیز نے انکی نظموں کو ایک اچھی خاصی امتیازی حیثیت دیدی ہے۔

مدعا ہر اد کامیابی کے ماتحت اس مرتبہ ایک مضمون مولنا عارف ہسوی صاحب کا ہے جو یقیناً بہت ہی کافی غور و خوض کے بعد لکھا گیا ہے، اور جس میں مولنا عارف نے نہایت ہی صحیح خیالات اپنی قوم کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہت سے لوگ خطرات سے ڈر جانے کا نام غلطی سے "احتیاط" رکھ دیا کرتے ہیں احتیاط یقیناً ایک اچھی چیز بھی ہے اور ضروری چیز بھی، لیکن وہ ڈرنے اور گھبرانے سے بالکل جدا ہے۔ احتیاط کا تقاضا صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم جب کسی خطرہ کو دیکھیں تو اس میں گھسیں تو ضرور لیکن معقول انتظام کرکے، شیر کا شکار کرنے ہم جائیں ضرور مگر پیڑ پر بیٹھ کر گولی چلائیں، اور ڈر جانے سے مراد یہ ہے کہ ہم شیر کے شکار کا خیال ہی دل میں نہ لائیں، احتیاط عقلمندی ہے اور خطرات سے ڈرنا بزدلی۔ مضمون کے آخر میں مولنا عارف نے سعدی کا یہ مشہور شعر کہ

بدریا در منافع بے شمار است　　　　دگر خواہی سلامت بر کنار است

نقل کیا ہے اور کچھ اس انداز سے نقل کیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا سعدی صاحب کا یہ مشورہ ہے کہ لوگ خطرات سے الگ ہی رہیں تو بہتر ہے۔ ہم نہایت ادب کے ساتھ اس رائے کے متعلق مولنا سے اختلاف کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ جناب سعدی نے اس قسم کا مشورہ ہرگز نہیں دیا ہے۔ وہ علی الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ "بے شمار منافع" تو دریا کے اندر گھسنے والوں ہی کا حصہ ہے، لیکن جنھیں اپنا آرام اور اپنی سلامتی صحت عزیز ہے انکے لئے کنارہ موجود ہے، پڑے رہیں اور خدا کی اور تمام جامد مخلوق کی طرح کھیلیں، کھائیں، سوئیں، اور مر جائیں!

"تقلید سے بے نیازی" ماسٹر شفیع الدین صاحب نیر کا مضمون ہے جو ایک انگریزی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ مضمون بہت اچھا ہے، نہایت صحیح اور قابل قدر خیالات پیش کئے گئے ہیں، اور اچھے ترجمہ نے اس کی شان اردو زبان میں بھی بگڑنے نہیں دی ہے، ماسٹر صاحب کے ترجمے اس سے پہلے بھی ہمنے دیکھے اور شائع کئے ہیں اور ہم یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں کہ آپ ایک اچھے مترجم ہیں اور اکثر و بیشتر آپکے ترجموں میں اصل مضمون کا زور قائم رہتا ہے۔

"مشعل کامیابی" ایک مسلسل مضمون ہے جو گذشتہ نمبر سے شروع ہوا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب علم النفس کے ایک مستند ماہر ہیں اور ذہنیات کے متعلق آپکا یہ مضمون بہت ہی عالمانہ ہے۔ خالص علمی مضامین بالعموم بہت ہی خشک ہوتے ہیں اور علمی اصطلاحات انھیں اور بھی ناقابل مطالعہ بنا دیا کرتی ہیں۔ اس مضمون میں بھی اگرچہ وہ علمی خشکی ایک

خامیاں موجود ہیں پھر بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے اسے کافی سلیس اور سریع الفہم بنا دیا ہے، جس کے لئے وہ یقیناً مستحق داد ہیں۔ ذہنیات انسانی کا علم چونکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کارآمد اور ہر قسم کی کامیابی کے لئے بہت ضروری ہے اس لئے اس کی خشکی با دل ناخواستہ برداشت کرلی گئی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ قارئین کرام بھی جب ان فوائد پر نگاہ ڈالینگے جو اس مضمون سے حاصل ہو سکتے ہیں تو انھیں بھی اسکی یبوست چنداں ناگوار نہ گذریگی۔

"نظمیں"۔ اکبر صاحب کی نظم کے علاوہ جناب آزاد انصاری، جناب بابو شیام موہن لال صاحب جگر، اور جناب بابو انند رنجیت صاحب شرما کے منظوم کلام سے بھی اس پرچہ کی زینت افزائی کی گئی ہے۔ حضرت آزاد ملک کی ان چند گنی چنی ہستیوں میں سے ہیں جن کا دم اس دور سیاہی میں بسا غنیمت ہے، اور جن کی غزلیں حق یہ ہے کہ دامن اردو کے بہت ہی گرانمایہ جواہر ہیں۔

جناب جگر بریلوی آج سے بہت پہلے ہمارے شعرائے باکمال کی صف میں ایک بہت ہی ممتاز جگہ اپنے لئے حاصل کر چکے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ جناب شرما صاحب کی نظم "قلب مضطر" خود ہی بتا رہی ہے کہ آپکے سینہ میں کس درجہ بے قرار دل ہے، اور اس دل میں کیسے کیسے بیتاب اور مضطرب جذبات بھرے پڑے ہیں۔ اردو کو اپنے ان صاحبان کمال پر بجا ناز ہے، اور ان کی ذات سے اسنے بہت کچھ توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔

رہیں غلام کے غلام

پانی میں قدم رکھے بغیر تیرنا نہیں آسکتا۔ زندگی کی کش مکش سے علیحدہ رہ کر کسی شخص میں زندہ رہنے کی قابلیت نہیں پیدا ہو سکتی، خطرات سے ڈر کر آنکھیں بند کر لینے سے خطرات کی شدت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جرأت و ہمت کر کے خطرات میں گھس جانا اور مردانہ وار سینہ سپر ہو کر انکا مقابلہ کرنا اکثر و بیشتر کامیابی اور فتحمندی کا باعث ہوتا ہے۔ گرم اور گداز بستروں کے اندر سو سو کر ہم کشاکش حیات کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ بریانی اور قورمہ سے معدوں کی تواضع کرتے ہوئے ہم میں وہ جوہر نہیں پیدا ہو سکتا جس کی بدولت اس دنیا میں زندہ رہنا ممکن ہو۔ گھر میں اگر آگ لگ چکی ہو تو بجھانے سے پہلے اپنے بھائی سے اسکا بٹوارہ کرانا انتہائی حماقت ہے، اور دشمن کے تیروں کی زد میں پہونچکر اپنے ساتھیوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ بصورت فتحمندی تم کیا لوگے اور ہمیں کیا دوگے ایک ایسی بیوقوفی ہے کہ جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں کے ساتھ شامل ہو کر کام کرنا ہمیں اچھا معلوم ہو یا برا۔ اور ہمارا تماجی کی قیادت ہمارے نازک مزاج رہنماؤں اور پیشواؤں کو پسند آئے یا نہ آئے حقیقت حال کسی طرح نہیں بدل سکتی کہ ہندوستان اپنی آزادی کی جد و جہد میں مصروف ہوچکا ہے اور ہم بھی ہندوستان کے اندر رہتے ہیں اور آیندہ رہنا چاہتے ہیں کلام الٰہی پر ہمارا ایمان ہے، اور اس کلام پاک میں بالکل صاف اور واضح الفاظ میں ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ جس چیز کے لئے انسان کوشش نہ کرے وہ اسے نہیں مل سکتی" تمام دنیا کے قانون بدلجائیں لیکن قانون الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور تمام دنیا خواہ جھوٹ بولے لیکن خدا کا کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے بعض رہنماؤں کا خیال ہے کہ اس جد و جہد میں مسلمانوں کو حصہ نہ لینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ انکا خیال درست ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہندوؤں نے اپنی کوشش سے سوراج یا سوراج سے قریب تر کوئی چیز حاصل کرلی، تو کیا قانون الٰہی کے خلاف ہمارے یہ "ہمدرد قوم" پیشوا ہمیں اسمیں کچھ حصہ دلا سکیں گے۔ کیا ہمارے لئے اللہ کا قانون بدلجائے گا، اور کوشش کئے بغیر ہی ہمیں آزادی جیسی نعمت ملجائے گی؟

خدا اور خدا کے قوانین پر ایمان نہ رکھنے والوں کو ممکن ہے کہ اس قسم کی کچھ امیدیں ہوں لیکن یہ یقینی ہے کہ مایوسی کے سوا اسوقت ہمیں اور کچھ بھی نہ مل سکے گا اور ہمارے پیشوا اگر وہ بیکر بھی ہوں تب بھی خدائی قانون کی خلاف ورزی نہ کر سکینگے، ہندوؤں نے اگر ہندوستان کو آزاد کرالیا تو مسلمان اس آزادی میں ذرا سا بھی حصہ نہ لے سکینگے۔ انھیں بدستور غلام رہنا پڑے گا۔ اور اگر انگریز آقا میسر آسکے تب بھی ہندوؤں کی غلامی کرنی پڑیگی۔

ہلاکت آفریں مشینیں

صرف ایک برطانیہ کے کارخانوں کی مقتول شماری سے معلوم ہوا ہے کہ پچھلے دس برس کے اندر دو چار یا دس بیس نہیں، پورے اٹھائیس ہزار انسان جن میں جنس کرخت اور جنس لطیف دونوں شامل تھیں مختلف مشینوں کی بھینٹ چڑھ گئے، اور تقریباً بیالیس لاکھ آدمی مضروب مجروح ہوئے دس سال کا ریکارڈ یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ مشینوں کی یہ آدم کشی روز بروز ترقی پر ہے، اور غالباً اب وہ زمانہ دور نہیں ہے کہ دور تہذیب و تمدن کی یہ "مرگ پاش" برکتیں قحط، وبا،

[redacted]

اور جنگ سے بازی لیجائیں اور ملک الموت کا دست راست ثابت ہوں۔ ان اعداد و شمار میں ریل، جہاز، موٹر اور ہوائی جہاز کے حادثے شامل نہیں ہیں ورنہ بالکل ممکن تھا کہ یہ تعداد بڑھائیں ہزار کی بجائے اٹھائیں لاکھ ہوتی۔ بوڑھی عورتوں کے چرخے اور جلاہوں کے کرگھے بدنما تھے، مستری تھے سست رفتار تھے، غرضکہ سب کچھ تھے لیکن کبھی کسی نے یہ نہ سنا تھا کہ کسی عورت کی انگلی میں چرخے سے پھانس بھی لگ گئی ہو یا کسی جلاہے کے بدن پر چھوٹی سی چھوٹی خراش بھی آگئی ہو۔

"مہذب دنیا کی دیکھا دیکھی ہندوستان میں بھی مانع حمل ترکیبوں سے اولادکشی کا جنون ترقی کر رہا ہے کیوں نہ ان مشینوں کو اس ملک میں عام کر دیا جائے تاکہ اولادکشی کی بجائے لوگ آدم کشی کی ضرورت محسوس کرنے لگیں؟

نس کی مانیں

شیخ الحدیث حضرت مولنا سید انور شاہ صاحب قبلہ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا ہے کہ آزادی وطن کی کوششوں میں حصہ لینا ہر مسلمان کا فرض ہے، اور نمک کے محصول کے خلاف کوشش کرنی تو ازبس ضروری ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین چیزوں پر کوئی محصول نہ ہونا چاہیئے اور وہ ہوا، پانی، اور نمک ہیں" لیڈیا اس مضمون کا ایک متفقہ اعلان بہار اور اڑیسہ کے علماء کرام کی جانب سے اخبارات میں شائع ہو چکا ہے، اور وہ بھی اسے پسند نہیں کرتے کہ مسلمان تحریک آزادی سے الگ تھلگ رہیں، جمعیۃ العلماء کا اخبار "الجمعیۃ" بھی برابر اس تحریک کی موافقت کر رہا ہے، اور مولنا حسرت موہانی بھی جو چند روز پیشتر تک کانگریس سے اس لئے ناراض تھے کہ وہ کامل آزادی کا مطالبہ نہیں کر رہی تھی، اب کانگریس کی طرف سے مکمل آزادی کا اعلان ہو جانے پر پھر کانگریس کے حامی بن گئے ہیں لیکن دوسری طرف مولنا محمد علی اور مولنا شوکت علی صاحبان نے جن میں ایک اپنی حریت نوازی کی بدولت رئیس الاحرار کا اور دوسرے اپنی دلیری اور بے جگری کی وجہ سے ضیغم اسلام کا خطاب حاصل کر چکے ہیں، اس موقع پر بہت ہی حیرت انگیز طرز عمل اختیار کیا ہے اور مسلمانوں کو یہ غلط مشورہ دینے پر آمادہ ہوئے ہیں کہ وہ اس جنگ آزادی میں حصہ نہ لیں، گھر کے اندر چوروں کے گھس آنے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے گھر کے مردوں کا آپس میں ایک دوسرے سے یہ شکایت کرنا کہ "تم نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا" "یا تم لوہے کی الماری کا قفل لگانا بھول گئے تھے" اگر حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

علی برادران کی سیاست دانی کا سچے دل سے اعتراف کرنے کے بعد ہمیں مجبوراً یہ سوال کرنا پڑتا ہے کہ آخر آپ مسلمانوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں، آپ مسلمانوں کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں، اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ آپ کا مطمح نظر ہونا تسلیم لیکن جس قوم کو آپ کشاکش حیات سے الگ کر لینا چاہتے ہیں کیا وہ کل کو اس قابل رہے گی، کہ اگر آپنے بھیک مانگ کر اپنے حق سے زیادہ آٹھ کرسیاں اسمبلی میں لے بھی لیں تو اپنی ان نشستوں پر قابض رہ سکے؟ کیا دنیا میں کبھی کوئی ایسی قوم زندہ رہی ہے جو تنازع بقا سے بھاگی ہو؟ آپ نہرو جی سے لڑیئے، مالوی جی سے دو دو ہاتھ کیجئے، اور آخر میں گاندھی جی کو بھی للکار دیجئے لیکن خدا کے لئے قوم کو تو اس راستہ سے ہٹانے کی کوشش نہ کیجئے جو اسکی زندگی اور بقاء کا راستہ ہے۔

اطمینان سوز بالادستی

اپنی بدنصیبی پر رونے والوں میں ہندوستان بالکل یکہ و تنہا نہیں ہے فلسطین کے متعلق جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے اسے یہودیوں کا وطن قرار دیا گیا ہے، اور غریب مسلمان باشندوں کے سر پر فتنۂ صیہونیت کی بلا مسلط کر دی گئی ہے اسوقت سے وہاں بھی سیکڑوں طرح کی مصیبتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ آئے دن یہودیوں اور مسلمانوں میں جنگ ہوتی رہتی ہے، اور دونوں قوموں میں سے کوئی سی ایک بھی حکومت برطانیہ کے نظم و نسق سے مطمئن اور خوش نہیں نظر آتی۔ معزز ہمعصر "ینگ ایج" نے مسٹر ولیم مارٹن کے ایک مضمون کا ترجمہ انگریزی میں شایع کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ارض مقدس کے باشندوں کی حالت کس قدر افسوسناک ہو گئی ہے۔

"عرب اور یہودی اگرچہ ہر ایک بات میں انتہائی اختلافات رکھتے ہیں تاہم وہ دونوں ایک بات پر متفق ہیں اور وہ بات انگلستان کو اپنی ہر خرابی کے متعلق الزام دینا ہے، عرب برطانیہ پر صرف یہی الزام نہیں لگاتے کہ یہ فتنۂ صیہونیت اسی کی ایجاد ہے بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ برطانیہ نے ایک مندوب حکمراں کی حیثیت سے اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہیں دئے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ برطانیہ ہر کام میں یہودیوں کی حمایت کرتا ہے

اور انھیں ہر قسم کی مراعات دیتا رہتا ہو۔ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے آنے سے ملک میں سرکاری طور پر تین زبانیں رائج ہوگئی ہیں، نیز یہ کہ جب کبھی زمین تقسیم کی جاتی ہو تو اس سے صرف یہودی فائدہ اُٹھاتے ہیں اور جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہو تو اس میں صرف عربوں کا حصہ ہوتا ہو۔

یہودیوں کا بیان ہو کہ برطانیہ کے انتظامات اس لئے قابل الزام ہیں کہ اوّل تو برطانیہ یہودیوں سے کینہ رکھتا ہو، پھر یہ کہ عربوں پر اسکی عنایتوں کی بارش ہوتی رہتی ہو، اسنے مزید یہودیوں کی آمد بھی روک دی ہو، اسنے یہودیوں کو وہ زمینیں بھی نہ دیں جن کے وہ حقدار تھے، وہ اس روپیہ کا زیادہ حصہ بھی عربوں ہی پر صرف کرتا ہو جو ملک کے محاصل سے حاصل ہوتا ہو، اور وہ عربوں کے مذہبی جنون سے بھی یہودیوں کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو۔

ان متضاد شکایات سے یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہو کہ برطانوی حکام ایمانداری کے ساتھ دونوں قوموں سے منصفانہ اور بے لاگ سلوک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کسی حد تک کامیاب بھی ہوجاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ برطانوی طرز حکومت بھی کسی تعریف کا مستحق ہو"

ہمارے خیال میں یہ عرب اور یہودی بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرح وحشی اور جھگڑالو لوگ ہیں جبھی تو حکام برطانیہ کی منصفانہ کوششوں کے باوجود انھیں کسی طرح اطمینان ہی نہیں ہوتا۔ یہودی اور عرب خواہ کسی قسم کے بھی لوگ ہوں لیکن یہ کیا مصیبت ہو کہ برطانوی حکومت جس ملک میں بھی قدم رکھتی ہو وہیں بے اطمینانی پیدا ہوجاتی ہو۔

مطلب سعدی

ہندوستان کی کپڑا بننے کی صنعت جاپان کے سستے کپڑے کی بدولت تباہ ہوئی جارہی تھی اس لئے "فیاض اور مہربان" حکومت ہند کو دیسی کارخانوں کے حال زار پر ترس آگیا، اور ایک تجویز اس مضمون کی جمعیتہ مقننہ میں پیش کردی کہ غیر ملکوں سے آنے والے کپڑے پر محصول زیادہ کردیا جائے تاکہ وہ اس قدر سستا نہ بک سکے اور ہندوستانی کارخانے بدیشی مال کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرلیں، یہاں تک تو یہ تجویز نہایت ہی معقول اور بہت ہی ضروری تھی لیکن اسکے ساتھ ایک بہت ہی ناقابل خیال "ساؔدم چھلا" یہ بھی لگا ہوا تھا کہ حکمران سلطنت کا مال اس زائد محصول سے مستثنیٰ رہے گا۔

ہندوستانی صنعت پارچہ بافی کی امداد کا بہانہ نہایت معقول تھا، اور واقعہ یہ ہو کہ اس نقاب نے حقیقت کو چھپانے کا کام خاصی اچھی طرح انجام دیا بھی، مگر پرانے اداشناسوں سے انداز قد نہ چھپایا جاسکا اور اسمبلی کے یاراں دیدہ گرگ اور سرد و گرم چشیدہ بزرگ فوراً تاڑ گئے کہ اس نوازش کے پردہ میں جو مقصد چھپا ہوا ہو وہ یہ ہو کہ ہندوستان سے اگر جاپان کے قدم اکھڑ جائیں اور اس کا کپڑا یہاں آنا بند ہوجائے تو پھر ہندوستان کے بازاروں پر مینچسٹر اور لنکاشائر کے کارخانوں کا بلا شرکت غیرے اور بے دغدغۂ رقیب قبضہ ہوجائے گا۔ شہنشاہی ترجیح کی بدولت برطانیہ کے مال پر تو محصول بڑھے گا ہی نہیں اس لئے غریب ہندوستانی کارخانے جس طرح اسکے مقابلہ سے عاجز ہیں اسی طرح اسوقت بھی عاجز رہینگے، اور جاپان جس کی وجہ سے برطانیہ کے متعدد کارخانے تاب مقابلہ نہ لاکر بند ہوچکے ہیں، درمیان سے نکل جائے گا۔ حیرت تھی کہ آخر یہ خود ہندوستان کے فائدہ کے قانون کی مخالفت خود ہندوستانی ممبروں نے ایسے زور شور کے ساتھ کیوں کی کہ ایک دم سے بیسیوں ممبر رائے دئے بغیر اسمبلی سے اٹھکر چلے آئے، اور بالآخر مالوی جی نے اور انکے چھ دوسرے ساتھیوں نے اسمبلی کی ممبری سے بھی استعفیٰ دیدیا اور پھر حکومت ہند کو اس سے ایسی کیا دلچسپی تھی کہ ایسی سخت مخالفت کے باوجود اسے پاس کرکے ہی چھوڑا، لیکن اب معلوم ہوا کہ "مطلب سعدی دیگر بود"

نمکین محصول

حکومت ہند نے نمک پر جو محصول لگا رکھا ہو اسکی مخالفت کچھ آج ہی نہیں شروع ہوئی ہو بلکہ اس سے پہلے بھی کی جاچکی ہو، نمک اشیار خوراک میں داخل ہو اور ہماری زندگی کی ضرورت ہو۔ اسکی ضرورت صرف امیروں تک محدود نہیں ہو بلکہ ہر غریب و امیر جو ایک پیسے کا بھی نمک خریدتا ہو اسے اس محصول کا ایک حصہ ادا کرنا پڑتا ہو۔ دنیا بھر کی حکومتیں صرف ان چیزوں پر محصول لگایا کرتی ہیں جو امیروں کے مصرف میں آئیں اور زندگی کی ضرورتوں پر محصول لگا کر انکی قیمت میں اضافہ کردینا ایک ایسا فعل ہو جس سے ہر مہذب حکومت کو لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہئے۔ بدقسمتی سے بعض حالات کی بنا پر حکومت ہند اس بات پر مجبور ہو کہ نمک پر بھی محصول لگائے اور اسقدر بڑی تعداد میں لگائے کہ وہی نمک جس کی تیاری پر صرف

سوا تین پیسہ فی من کی لاگت آتی ہو۔ ہم لوگوں کو ڈھائی روپیہ فی من کے نرخ سے ملے، وہ حالات جنھوں نے حکومت کو مجبور کر رکھا ہو یہ ہیں کہ بہت سے خالی جہاز جو ہندوستان سے ولایت کو مال لیجانے کے لئے ولایت سے آتے ہیں انھیں جہاز کا وزن صحیح رکھنے کے لئے بہت سا بوجھ ان میں لادنا پڑتا ہو تاکہ انکے پیندے کافی گہرائی تک پانی کے اندر ڈوبے رہیں۔ ولایت سے روانہ ہوتے وقت یہ جہاز بالکل خالی ہوتے ہیں اور ان کا وزن درست کرنے کے لئے پتھروں کی بجائے ان میں لورپول کا بنا ہوا نمک بھر لیا جاتا ہو جسے ہندوستان پہونچکر جہاز سے پھینکنا بھی ضروری ہوجاتا ہو تاکہ تجارتی سامان لادا جا سکے۔ اب اگر ہندوستان میں نمک پر کوئی محصول نہ ہو، اور اس کا نرخ بازار میں ایک آنہ یا دو آنے من ہو تو ظاہر ہو کہ لورپول سے آیا ہوا نمک کسی طرح بھی نہیں بک سکتا، اسی لئے حکومت نے نمک پر اتنا بہت سا محصول لگا رکھا ہو تاکہ لورپول سے جو نمک آتا رہتا ہو وہ یہاں فروخت ہوجایا کرے اور نفع کے ساتھ فروخت ہوجایا کرے۔

مہاتما گاندھی نے سول نافرمانی کے لئے سب سے پہلے نمک کے قانون کو اسی لئے منتخب کیا ہو کہ یہ ایک ایسا محصول ہو جو عقل، انصاف، مذہب، اور تہذیب سب کے خلاف ہو۔ نمک کا قانون اگر موجود نہ ہو تو سمندر کے کنارے کے لوگ بنا بنایا نمک سیکڑوں من کی تعداد میں یونہی اُٹھا لا سکتے ہیں، لیکن بحالات موجودہ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا اور حکومت اسے واپس سمندر میں پھکوا دیتی ہو۔

عالمگیر اخوت کے خواب برٹرینڈ رسل ایک بہت ہی مشہور مصنف ہیں اور بالعموم اپنے گرد وپیش کی ہر چیز پر ایک بہت ہی غائر اور فلسفیانہ نگاہ ڈالنے کے عادی ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے کہ انھوں نے اقوام عالم کے اتحاد کے متعلق اپنے خیالات پیش کئے ہیں انکا خیال ہو کہ ہماری موجودہ اقتصادی زندگی کا رجحان یہ بتا رہا ہو کہ کچھ عرصہ میں پہلے تو یورپ کی مختلف سلطنتوں کی کسی نہ کسی قسم کی ایک متحدہ سلطنت قائم ہوجائے گی، پھر اسی طرح شمالی اور جنوبی امریکہ کا باہم اتحاد عمل میں آئیگا جسکا ایک ابتدائی خاکہ سا "پین امریکن یونین" (عام امریکی اتحاد) کی صورت میں ظہور پذیر بھی ہوچکا ہو، اور پھر مشرقی اقوام بھی ضرور کسی نہ کسی صورت میں متحد ہوکر رہینگی جب تمام مختلف ریاستیں اس طرح کی تین قدرتی اور جغرافی جماعتوں کی صورت میں مجتمع ہوجائینگی تو پھر ان تینوں کا آپس میں ملکر ایک ہوجانا اور تمام دنیا کی ایک متحدہ سلطنت بنا لینا ترقی کے میدان میں صرف ایک قدم بڑھانے کا محتاج رہ جائے گا، بشرطیکہ اس وقت جو نسلیں موجود ہوں وہ مُردہ قدامت پرستی کے پنجے سے کامل طور پر رہائی پاکر ایک باقاعدہ اور معقولیت پر مبنی طرز زندگی اختیار کرچکی ہوں۔

مسٹر رسل کے خیالات نہایت پاکیزہ، اور ان کی توقعات بہت ہی بلند اور خوش آیند سب کچھ سہی، لیکن سوال یہ ہو کہ عالمگیر اخوت تو رہی درکنار، اس موجودہ دَور سرمایہ داری میں کیا کبھی یہ بھی ممکن ہو کہ صرف یورپ ہی کی چند ریاستیں باہم متحد ہوکر ایک ہو جائیں؟ مسٹر رسل کو موجودہ طرز زندگی کا رجحان ممکن ہو کسی بہتری کی جانب نظر آتا ہو، لیکن ہماری آنکھیں تو یہ تماشا دیکھ رہی ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام حکومت نے ہر قسم کی بلند خیالی اور ہمدردی بنی نوع ہمارے دلوں سے نکالکر ہمیں صرف ایک سبق سکھایا ہو اور وہ خود پرستی اور خود غرضی ہو جس ملک اور جس کو ہم نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں اسمیں ہمیں کسی نہ کسی صورت میں صرف یہی ایک جذبہ کارفرما نظر آتا ہو، اور کون نہیں جانتا کہ کوئی سی ایسی دو ہستیاں کبھی باہم متحد نہیں ہوسکتیں جنھیں اپنی ذات کے لئے فوائد حاصل کرتے وقت دوسروں کے مفاد کے تحفظ کا لحاظ نہ رہتا ہو، یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم اسی جذبہ کا ایک تباہی خیز مظاہرہ تھی، اور تخفیف اسلحہ کے مسئلہ پر آجتک اقوام مختلفہ کا متفق الرائے نہ ہوسکنا بھی اسی جذبہ کی ایک کارگذاری نظر آرہی ہو۔ عراق، شام، اور فلسطین پر غیر قوموں کا تسلط بھی بعض قوموں کی خود غرضی پر مبنی ہو، اور جرمنی کی سامان حرب سے محرومی بھی صاحب طاقت سلطنتوں کی خود طلبی اور خود پرستی کا ایک کارنامہ ہو

مسٹر رسل کے مضامین ہوں، یا مسٹر کیلاگ کا مسودہ، اس قسم کی کسی کوشش کا اسوقت تک کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا جب تک انانیت کے شیدائی اور فرعونیت کے مجسمے اس حقیقت پر ایمان نہ لے آئیں کہ "کان الناس امۃ واحدہ" یعنی تمام انسان ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی کنبہ ہیں، نہ کالے پر گورے کو تفوق حاصل ہے اور نہ سرمایہ دار مزدوروں کا خون چوسنے کی کوشش کرے، اور دنیا سے اس نظام کا خاتمہ ہوجائے کہ

.... جس کی بدولت ہر سو آدمیوں میں سے دس تو دن رات شرابیں پیتے ہیں، جوے کھیلتے ہیں، اور دولت کو اپنی عیاشیوں پر پانی کی طرح بہاتے

ہیں، اور باقی نوے بھائی سوکھے ٹکڑے چبا چبا کر اپنا پیٹ پالنے پر مجبور ہیں

تلاشِ عنوان

(از جناب پروفیسر محمد اکبر خاں صاحب حیدری)

ایک شاعر، ایک مغنّی اک مصوّر، اک ادیب   بارگاہِ حسن میں پہنچے بصد عجز و نیاز
اور اِن سب سے جُدا اک عاشقِ حرماں نصیب   جلوہ گاہِ ناز میں پہنچا بصد سوز و گداز

شاعرِ جادو بیاں نے حسن کی تعریف کی   اور وہ اک غیر فانی شعر کہکر رہ گیا
شعر تھا یا عشق کے جذبات کی آواز تھی   جو نہ کہنا چاہئے تھا حسن سے یہ کہہ گیا

اب مغنّی نے دکھایا اپنے نغمہ کا کمال   سوز سے لبریز گویا اک صدائے ساز تھی
دم بخود بیٹھی رہی خود دارئ حسن و جمال   درد میں ڈوبی ہوئی دلسوز اک آواز تھی

اب مصوّر نے بنائی ایک تصویرِ حسین   جسمیں خط و خال کی رعنائیاں تھیں جلوہ گر
حسن نے دیکھی جوانی کی یہ تفسیرِ حسیں   اور اُس پر بھی ہوا اپنی جوانی کا اثر

اب ادیبِ نکتہ رس نے بے تکلف لکھ دیا   سرگذشتِ عشق کا افسانۂ عنواں طلب
یہ فسانہ درحقیقت سحر تھا اعجاز تھا   ہو گئے مسحور جسکو سُن کے اربابِ ادب

حسن لیکن اپنے احساسات سے بیگانہ تھا   عشق کے جذبات بزمِ ناز میں تاراج تھے
شعر تھا نغمہ تھا، وہ تصویر تھی فسانہ تھا   حسن کی نظروں میں سب عنوان کے محتاج تھے

یک بیک کچھ سوچکر اُس عاشقِ ناشاد نے   دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر اک آہ کی
عشق کے جذبات کی اِس مختصر فریاد نے   آہ دنیا ہی بدل دی حسنِ حق آگاہ کی

آہ کا عنوان تھا اور داستانِ حسن و عشق   اِس سے بڑھ کر کون ہوتا ترجمانِ حسن و عشق



مسلمانوں کا صحیح نمائندہ وفد



خطرات اور کامیابی

(از جناب مولانا عارف ہسوی)

خطرہ اور خطرات یہ ایسے الفاظ ہیں جو اپنے اندر خوف کی ایک دنیا پوشیدہ رکھتے ہیں اور ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی خطرہ سے دوچار نہ ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ تو کوئی شخص خطرہ میں پڑنے سے بچ سکتا ہے اور نہ بغیر خطرات میں پڑے ہوئے کوئی بڑی اور نمایاں کامیابی حاصل کر سکتا ہے، اور وہی اشخاص و افراد کامیابی حاصل کرتے ہیں جو ہر وقت خطرات میں پڑنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

خطرہ ایک ایسی چیز ہے جو انسانی زندگی کے دوش بدوش رہتی ہے، ناممکن ہے کہ انسان کوئی قدم اٹھائے اور اسکو کوئی خطرہ نہ ہو، انسان گھر کے اندر ہو یا گھر کے باہر ہر جگہ کوئی نہ کوئی خطرہ ضرور ہوگا۔ گھر میں اور کچھ نہیں تو چوری ہی کا خطرہ ہوتا ہے اور باوجود حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کے چوریاں پھر بھی ہو جایا کرتی ہیں، مگر چوری کے خطرہ سے یہ نہیں ہوتا کہ لوگ راتوں کا سونا چھوڑ دیں، گھر سے باہر قدم قدم پر خطرات رہتے ہیں مثلاً سفر سراپا خطر ہوتا ہے اگر جانوروں کی سواری ہو تب بھی خطرہ سے خالی نہیں اور ریل موٹر جہاز کی سواری ہو تو اسمیں بھی خطرہ رہتا ہے مگر اس خوف سے کوئی ضروری سفر کو چھوڑتا نہیں خشکی اور تری دونوں قسم کے سفر خطرات سے پر ہوتے ہیں ریل اور موٹر میں تصادم کا اندیشہ جہاز میں ڈوبنے کا خطرہ اور ہوائی جہاز میں تو آدمی ہر وقت موت ہی کے منہ میں رہتا ہے۔ مگر ان خطرات کی وجہ سے ضروری کام ملتوی نہیں کئے جاتے،

حصول معاش کے اکثر ذرائع خطرات سے معمور ہوتے ہیں یہاں تک کہ بنیادی ذریعہ یعنی زراعت تک خطرہ سے خالی نہیں ہوتی، اگر بارش نہ ہو تو ساری محنت اکارت جاتی ہے زیادہ بارش ہو جائے تو سب کچھ برباد ہو جاتا ہے، وقت پر بارش نہ ہو تب بھی کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ پھر سیکڑوں قسم کی بیماریاں الگ زراعت کا ستیاناس کرنے کے لئے موجود رہتی ہیں اولوں کی زیادہ بارش ہو گئی تو زراعت کا صفایا ہو جاتا ہے۔ مگر اسکے باوجود لوگ زراعت سے دست بردار نہیں ہوتے اور ہر قسم کے خطرات کے باوصف زراعت کرتے ہیں اور دنیا کا کام چلتا ہے!

تجارت کو دیکھئے تو یہ بھی خطرہ سے معمور ہے ہر وقت نرخ کے گھٹ جانے اور خسارہ ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے، کوئی ایسی تجارت نہیں جس کے ساتھ گھاٹے اور خسارہ کا خطرہ نہ ہو، مگر خطرہ کے خوف سے دنیا نے تجارت کو ترک نہیں کیا۔

یہی حال صنعت کا ہے، اسمیں بھی ناکامی کا خطرہ رہتا ہے، اسکے بعد ہر اک پیشہ میں ناکامی کا خطرہ رہتا ہے مگر ان خطرات کے خوف سے انکو کوئی ترک نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو خطرات سے مفر نہیں یہاں تک کہ کھانے پینے میں بھی خطرات ہیں، آدھی سے زیادہ بیماریاں کھانے پینے ہی سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قدرت نے انسان کو بنایا ہی اس لئے ہے کہ خطرات میں پڑکر کامیاب

زندگی بسر کرے، اور اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں وہی لوگ زیادہ کامیاب ہیں جنھوں نے خطرات کی پرواہ نہیں کی اور بے خوف ہو کر دنیا کی جدوجہد میں حصہ لیا، دنیا کے جس طبقہ کو چاہو لے لو، ہر طبقہ کے ممتاز افراد وہی ہونگے جنھوں نے خطرات کی کبھی پرواہ نہیں کی اور خطرات سے بے پرواہ ہو کر میدان عمل میں کود پڑے،

فاتحین عالم کی فہرست پر نظر ڈالئے، سکندر، چنگیز، ہلاکو، تیمور، نادر، نپولین، خالد بن ولید، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، اور سیکڑوں اولوالعزم انسان آپکو ملینگے جو اپنے وقت میں کامیاب رہے مگر ان کی کامیابی اس امر کی رہین منت ہے کہ انھوں نے خطرات کی کبھی پرواہ نہیں کی اور بڑے سے بڑے خطرہ سے خائف نہیں ہوئے بلکہ جس قدر زیادہ خطرات ہوتے تھے ان کی ہمتیں اور بلند ہو جاتی تھیں۔ خود ہندوستان میں اکبر اعظم کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کیسے کیسے خطرات میں سے اپنے آپکو ڈالا۔ چنانچہ انکی زندگیوں کی کامیابیاں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں اور ہر شخص ان سے واقف ہو سکتا ہے

اسی طرح مخترعین و مکتشفین و متجسین کے گروہ کو دیکھئے، یہاں بھی بلند مرتبت وہی لوگ نظر آئینگے جنھوں نے خطرات کی کچھ پرواہ نہیں کی خواہ وہ ناکامی کا خطرہ ہو یا جان کا خطرہ

دُنیا کے مشہور دولتمند تاجروں کے حالات کا تجسس کرو تو معلوم ہوگا کہ دولت کی دیوی نے انھیں اشخاص کے قدموں کو بوسہ دیا ہے جنھوں نے خطرات سے بے نیاز ہو کر جدوجہد کی ہے،

غرض یہ کہ ہر طبقہ کے نامور اور ممتاز افراد وہی ملینگے جنھوں نے خطرات کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی اور ان میں پڑ کر کامیابی حاصل کی۔

آج بھی متعدد افراد موجود ہیں جنھوں نے اپنے لئے تاریخ کے صفحات میں نمایاں اور ممتاز جگہ حاصل کی ہے اور یہ امتیاز انکو اسی لئے حاصل ہوا کہ انھوں نے خطرات کی پرواہ نہیں کی۔ مثلاً غازی مصطفٰے کمال پاشا، غازی نادر خاں، یہاں تک کہ بچہ سقہ نے جو چند روزہ بادشاہت کا امتیاز حاصل کیا وہ بھی اسی صفت کا رہین منت ہے، اُسنے خطرات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی لینن جسکو مرے ہوئے بہت دن نہیں ہوئے تھے کس قدر کا نمایاں انجام دیا مگر اس کی زندگی کا مطالعہ کرو کہ کبھی خطرات سے نجات نہ ملی ساری عمر خطرات سے گھرا رہا۔

بانیانِ مذاہب کی حیاتِ طیبہ کو دیکھئے، کیسے کیسے خطرات میں مبتلا ہوئے اور کس طرح سخت خطرات میں اپنے آپ کو ڈالا، اسکے نتائج ہمارے سامنے ہیں کہ آجتک دنیا انکا کلمہ پڑھتی ہے۔

جس طرح شخصی و انفرادی ترقی و کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان خطرات کا خوف دل سے نکال ڈالے، اسی طرح اجتماعی یعنی قومی زندگی میں کامیابی و ترقی کا راز بھی اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ خطرات سے بے پرواہ اور بے نیاز ہو کر دنیا کی جدوجہد میں حصہ لے۔ جو قومیں خطرات میں پڑ کر دنیا کی جدوجہد میں حصہ لیتی ہیں وہی ہر قسم کی کامیابی حاصل کرتی ہیں، اور جو شخص اور جو قوم خطرات میں پڑنے سے بھاگتی اور جی چراتی ہے اُسکے حصہ میں ناکامی ہی آتی ہے۔

یورپین اقوام کو دیکھئے کہ شب و روز پُرخطر کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں اور ترقی پر ترقی اور کامیابی پر کامیابی حاصل کرتے چلے جاتے ہیں، ایک فضائی پرواز کی جدوجہد ہی کو لے لیجئے، گذشتہ دس سال کے اندر اس شعبہ میں یورپین اقوام نے کس قدر ترقی و کامیابی حاصل کی ہے، کیوں؟ محض اس لئے کہ خطرات کی پرواہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں کی اور خطرات سے بے نیاز ہو کر اور اُن کی طرف سے آنکھیں بند کر کے تجربات میں مشغول رہے۔ بیسیوں حادثات رونما ہوئے سیکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور سیکڑوں ہوائی جہاز تباہ و برباد ہوگئے مگر ان خطرات نے ان کی ہمتوں کو پست نہیں کیا اور برابر نئے نئے تجربوں کے لئے لوگ آگے بڑھتے رہے اور اب بھی برابر سخت سے سخت اور پُرخطر سے پُرخطر سفر کے لئے لوگ نکلتے رہتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہو کر رہیگا کہ یہ اقوام اس فن پر پُورا قابو حاصل کریں گی اور جس طرح خشکی و تری پر انکی حکومت کے جھنڈے لہرا رہے ہیں اسی طرح ہوا پر بھی انکا علم اور پرچم لہرائے گا۔

آج بہت سی چیزیں ہمکو مکمل نظر آتی ہیں مگر اُن کی ابتدائی حالت ایسی ہی خطرات سے معمور تھی جیسی کہ آج ہوائی پرواز پُرخطر نظر آرہی ہے، سمندر کی سطح اور اسکی تہ دونوں آج انسانی جدوجہد کی جولانگاہ بنی ہوئی ہیں اور ہموار سڑکوں کی طرح طوفانی سمندر کے اندر انسان دوڑا دوڑا پھرا کرتا ہے۔ یہ اسی ہمت مردانہ اور سعی مجاہدانہ کا نتیجہ ہے

ہو خطرات کی پرواہ نہیں کی گئی اور ہر قسم کے خطروں کی طرف سے بے پرواہ اور بےخوف ہوکر میدان عمل میں جانفروشی کے جوہر دکھلائے گئے۔

یورپین اقوام کی مجاہدانہ زندگی کے اعمال و اشغال پر نظر ڈالئے تو آپکو معلوم ہوگا کہ ان کی ذہنیت ہی یہ بن گئی ہو کہ خطرات کے سمندروں میں کود کر کامیابی و کامرانی کے موتی نکالیں قطب تک پہونچنے کی آرزو میں کتنی مہمیں تباہ اور کتنی قیمتی جانیں ضایع ہوئیں، ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھنے کی تمنا میں کتنی انسانی زندگیاں تلف ہوئیں مگر شوق تحقیق و ذوق جستجو ہو کہ برابر سرگرم عمل ہو اور ہمیشہ خطرات کا مقابلہ کرکے منزل مقصود تک پہونچنے کی کوشش جاری رہتی ہو نا کامیاں ہمت کو پست کرتی ہیں اور نہ جان کے اتلاف کا خطرہ ذوق جستجو اور شوق تحقیق و تلاش سے باز رکھتا ہو۔

انگلش چینل کے عبور کا ولولہ اور تیراکی کے مقابلہ کا جوش، موٹروں کی دوڑ کا مقابلہ، گھوڑ دوڑ میں شرکت، ہوائی پرواز میں سابقت کا جوش، دنیا کا پیدل اور بائیسکل وغیرہ پر سفر اور اسی قسم کے سیکڑوں اشغال و اعمال یورپین اقوام کی سرفروشانہ ذہنیت کے مظہر ہیں اور خطرات سے بے پرواہ ہوکر جدّ و جہد حیات میں مشغول رہنے کی ذہنیت ہی ہو جو یورپین اقوام کو ترقی اور کامیابی کے عرش اقبال پر پہونچا رہی ہو۔

اس داستان طویل کا مقصد صرف اس قدر ہو کہ مسلمانانِ ہند ان حقائق کی روشنی میں اپنے اعمال حیات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ترقی و کامیابی کا جو اصول قدرت نے مقرر کر دیا ہو وہ اس کی پیروی کرتے ہیں یا اسکے خلاف گامزن ہیں،

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہو کہ مسلمانانِ ہند نے جو روش اختیار کی ہو وہ اس اصول کے یکسر خلاف اور بالکل متضاد ہو، انکو چاروں طرف خطرات ہی خطرات نظر آ رہے ہیں اور ان خطرات سے ان کی روحیں لرز رہی ہیں اور خوف و ہراس نے اسقدر تسلط جا لیا ہو کہ ان خطرات سے محفوظ رہنے کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں اور ان کی یہ ہمت نہیں پڑتی کہ خطرات سے بے پرواہ اور ان کی طرف سے بے نیاز ہوکر زندگی کی جدّ و جہد اور حیات کش مکش میں کود پڑیں، بلکہ اسکے خلاف اُن کی ذہنیت یہ ہوگئی ہو کہ خطرات سے جہاں تک ہوسکے اپنا دامن بچائیں اور حفاظتی تدابیر کے سہارے زندگی بسر کریں؛

اسوقت سب سے اہم سوال مستقبل کا ہو، دنیا کی رفتار طبعی صاف الفاظ میں پیشین گوئی کر رہی ہو کہ ایک دن آنے والا ہو جبکہ ہندوستان غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوگا اور اُس کے فرزند اپنے اوپر آپ حکومت کرینگے، مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس قابل بناتے کہ ہندوستان کے شاندار مستقبل میں باعزت طریق پر برابر کے شریک و سہیم رہتے اور اپنی اہلیت و صلاحیت کی بنا پر رہوتے۔ مگر یہ کسقدر افسوسناک حقیقت ہو کہ بجائے اسکے کہ حیات انسانی کے اس انفرادی و اجتماعی عام اصول کے اتباع کے کہ خطرات کا مردانہ وار و سرفروشانہ مقابلہ کریں، مستقبل کی طرف سے لرزہ براندام ہیں اور جس طرح ایک ڈوبتا تنکے کا سہارا ڈھونڈھا کرتا ہو اسی طرح یہ غیر طبعی بلکہ مصنوعی حفاظتوں اور ضمانتوں کا سہارا تلاش کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر رہے ہیں۔

حقوق طلبی کا جو شور مسلمانوں نے برپا کر رکھا ہو یہ اسی پست ہمتی اور خوف و ہراس والی ذہنیت کا نتیجہ ہو۔ اکثریت و اقلیت کی صداؤں سے جو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور چھپن فیصدی و جداگانہ انتخاب و تعین نشست کا جو واویلا مسلمان شب و روز کرتے رہتے ہیں یہ سب کچھ اسی بزدلانہ ذہنیت کی پیداوار ہیں کہ اپنے اوپر کوئی اعتماد نہیں، اپنی طاقت کا کوئی احساس نہیں اور برادران وطن کی اکثریت اپنی کمزور طبیعت اور بزدلانہ فطرت سے ایک خوفناک اور مہیب دیو کی شکل میں منہ پھیلائے نظر آ رہا ہو اور ان کو اندیشہ ہو کہ اگر حفاظت کی کاغذی دیوار کھڑی نہ کی گئی تو بس یہ خونخوار دیو نگل ہی جائے گا، اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اصلی حفاظت تو بازو ہی سے ہوسکتی ہو، کاغذی معاہدے کی دیوار سے نہیں ہوسکتی اگر تمھارے اندر طاقت نہیں ہو اور تمھیں اپنے قوت بازو پر اعتماد نہیں ہو تو اس قسم کا ایک نہیں ہزار معاہدے بھی بیکار ہیں اور ان معاہدوں کی حیثیت ردّی کے پرزوں سے زیادہ مطلق نہیں؛

اگر مسلمانانِ ہند سات کروڑ ہونے کے باوجود اپنے آپکو اسقدر حقیر و ذلیل سمجھتے رہینگے کہ آزادی ملنے پر ہندو انکو فنا کر دینگے تو یقیناً ایسا ہی ہوگا کیونکہ جس قوم کی ذہنیت اسدرجہ بزدلانہ ہوگی اس کا انجام یہی ہوگا اور اگر ساری دنیا ملکر حفاظت کا

[redacted]

معاہدہ لکھدے اور مصنوعی و غیر طبعی ضمانت دیدے تب بھی اس قوم کو فنا کے گھاٹ اُترنے سے کوئی روک نہیں سکتا، جداگانہ انتخاب، جداگانہ نیابت اور ملازمتوں کی تقسیم یہ ایسی اڑواڑیں ہیں جو قصر ملت کی چھت کو گرنے سے روک نہیں سکتیں اور ان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بوسیدہ و کمزور نیو کے مکان کو پلاسٹر کرکے بظاہر قابل سکونت بنا دیا جائے مگر ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے مکان میں کوئی شخص بھی اطمینان کی نیند نہیں سو سکتا۔ ایک تیز آندھی اس کی بنیادیں ہلا سکتی، بھونچال کا ایک معمولی جھٹکا اسکے در و دیوار کو پیوند خاک کر سکتا ہے اور بارش کا ایک دونگڑا اسکی چھتوں کو چھلنی بنا سکتا اور اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصنوعی اور غیر فطری حفاظتوں اور ضمانتوں کے مہیا کرنے کا مطالبہ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے خود مسلمانوں کے لئے نہایت مہلک اور خودکشانہ مطالبہ ہے یہ مطالبات مسلمانوں کے اندر اپنے اوپر کبھی اعتماد نہ پیدا ہونے دینگے اور جو قوت حقوق کی محافظ ہوا کرتی ہے اسکے پیدا کرنے کا کبھی احساس بھی مسلمانوں میں پیدا نہ ہوگا کیونکہ ان کو کاغذی ضمانتوں اور حفاظتوں پر بھروسہ ہوگا، وہ اس بھروسہ پر کہ ہمارے حقوق تو متعین اور مشخص ہیں، جدوجہد کے ذریعہ ان کو حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہ کرینگے اور حقوق کا جو تعین و تشخص ہو جائے گا بس اسی پر قانع رہینگے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عزم و ارادہ کی قوت سے محروم ہو جائینگے،

یہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے محض قیاس نہیں ہے بلکہ ایسے حقائق ہیں جن کی تائید منطقی استدلال سے ہوتی ہے اور کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ایسا کاغذی معاہدہ جس کی پشت پر طاقت نہ ہو ردی کاغذ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، فرض کیجئے کہ مسلمان آج جو مطالبات کر رہے ہیں وہ سب ہندو مہاسبھا تسلیم کرلے اور ایک معاہدہ انکے قبول کرنے کا لکھدے لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ موجودہ اجنبی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اُن سے وہ پھر نہیں جائے گی، اگر انگریزوں کے چلے جانے کے بعد اس معاہدہ کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا تو اسوقت مسلمان کیا کرینگے، اس معاہدہ کا یہ نتیجہ تو نہیں نکل سکتا کہ برادران وطن کی وہ اکثریت فنا ہو جاتی ہے جس سے اسوقت مسلمان لرزہ براندام ہیں، اُن کی وہ اکثریت جس سے خوف زدہ ہو کر تقسیم حقوق کا مطالبہ مسلمان کر رہے ہیں آج کی طرح کل بھی بدستور باقی رہے گی اور جو خوف آج ہے وہ کل بھی ہوگا پھر کل معاہدے کی خلاف ورزی اور مفاہمت سے انحراف کی صورت میں مسلمان کیا کر سکتے ہیں ظاہر ہے کہ دو ہی صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ ہمت ہار کر صابر و شاکر ہو کر بیٹھ رہیں، اور دوسرے یہ کہ کفن سر سے باندھ کر میدان کارزار میں اُتر آئیں اور اپنی جدوجہد کوشش طاقت اور تنظیم سے مقابلہ کرکے اپنی زندگی کا ثبوت دیں اور اپنی اہمیت کا اعتراف کرالیں، یہی دوسری صورت حقیقتاً ہر ایک قوم کے حقوق کی ضامن اور متکفل ہوا کرتی ہے نہ کہ حقوق کا کاغذی تشخص و تعین، اور یہ صورت اسوقت تک ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی جب تک خطرات سے بے پرواہ اور بے نیاز ہو کر کشمکش حیات اور زندگی کی جدوجہد میں مردانہ وار حصہ نہیں لینگے، ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا — نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز — حیات جاوداں اندر ستیز است

ڈاکٹر اقبال نے اپنے حیات بخش شعروں میں اسی فلسفۂ حیات اور اسی اصول حیات افروز کو بیان کیا ہے کہ خطرات کی پرواہ نہ کرو اور زندگی کے طوفانی و متلاطم سمندر میں کود پڑو اور جدوجہد کرکے ساحل مقصود تک پہونچنے کی کوشش کرو کیونکہ حیات جاوداں کا راز جدوجہد ہی کے اندر مضمر اور پنہاں ہے۔ ساحل پر سادھوؤں کی طرح دھونی رمانے سے بھیک کے چند ٹکڑے تو مل سکتے ہیں جو آیندہ رندانہ ازراہ ترحم انکی جھولیوں اور انکے کاسۂ گدائی میں ڈالیں گے مگر یہ ناممکن ہے کہ بغیر دریا میں کودے اور غواصی کے خطرات برداشت کئے گہر ہائے آبدار سے کوئی اپنا دامن بھر سکے،

ایک اصول یہ بھی ہے کہ خطرہ سے الگ ہو جیسا کہ سعدیؒ کا شعر ہے

بدریا در منافع بے شمار است — اگر خواہی سلامت بر کنار است

لیکن یہ سلامتی حیات ایسی ہوگی کہ دامن مراد منافع حیات سے ہمیشہ خالی رہے گا اور گدایانہ زندگی بسر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا، لیکن اگر دریا کے خطرات کو برداشت کرکے منافع دریا کے حصول کی جدوجہد کی جائے تو گو خطرات کے امکانات ہیں مگر اسی امکان کی آغوش میں جواہر کے صدف بھی اپنی آب و تاب دکھا رہے ہیں۔

بہرحال مسلمانوں کی موجودہ پالیسی کو خیالی و وہمی خطرات کی بنا پر وہ جد وجہد سے علیحدگی اختیار کئے ہوئے ہیں خود کشانہ فعل ہو اور جو لوگ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ جب تک اُنکے مطالبات تسلیم نہ کئے جائیں اور مفاہمت کے ذریعہ حقوق کا تعین نہ کر دیا جائے اُس وقت تک آزادی کی جد وجہد سے مسلمان الگ رہیں میرے نزدیک ان سے زیادہ مسلمانوں کا کوئی دشمن نہیں ہو کیونکہ اس طرح وہ مسلمانوں کی ذہنیت کو بزدلانہ بنا رہے ہیں اور انکو اپنی قوت پر اعتماد کرنے کی تعلیم دینے کے بجائے یہ سکھاتے ہیں کہ صرف بھیک مانگنے سے حقوق مل سکتے ہیں جو اگر مل بھی جائیں تو ہر وقت چھین بھی سکتے ہیں، اگر مسلمانوں کی خواہش ہو کہ وہ اس ملک میں عزت کی زندگی بسر کریں تو اسکا راز "بدریا غلط و باموجش در آمیز" میں پوشیدہ ہو،

تقلید سے بے نیازی

(ترجمہ، از جناب ماسٹر محمد شفیع الدین صاحب نیر، ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

آجتک کسی ایسے شخص کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی جسنے اپنے آپ کو کوئی دوسرا شخص بنانے کی کوشش کی ہو۔ خواہ وہ دوسرا شخص کتنا ہی کامیاب... کیوں نہ ہو۔ کامیابی نقالی سے حاصل نہیں ہوتی، کامیابی کی نقل کامیابی سے کبھی حاصل نہیں کیجا سکتی، یہ ایک طبعزاد قوت ہو اور ہر شخص اس قوت کو اپنے اندر خود ہی پیدا کرتا ہو۔ وہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، جو اپنی طبعی قوتوں کی بجائے محض دوسروں کی تقلید پر اکتفا کرتا ہو۔ قوت کہیں باہر سے نہیں آتی بلکہ وہ ہماری اپنی ہی ذات میں موجود ہوتی ہو۔ اپنے آپ کو پہچانو، اپنے ضمیر کی آواز کو سنو، یاد رکھو کہ ہر پیشے، ہر تجارت اور ہر قسم کے کاروبار میں ترقی کی گنجائش ہو، دنیا آجکل ایسے لوگوں کو پسند کرتی ہو جو کسی کام کو نئے اور بہتر طریقے سے کر سکتے ہوں، اگر تمھارے خیال یا تجویز کے مطابق کوئی کام کسی نے اب تک نہ کیا ہو تو اس بات کی پرواہ نہ کرو۔ یہ بھی خیال اپنے دل سے نکال دو کہ چونکہ تم نوجوان اور ناتجربہ کار ہو اس لئے لوگ تمھاری رائے سے اتفاق نہ کرینگے، اگر کوئی شخص دنیا کے سامنے کوئی انوکھی اور کارآمد بات پیش کریگا تو دنیا والے اُس کو ضرور سنیں گے اور اُسپر عمل بھی کرینگے جس شخص کو اپنی قابلیتوں کا پورا احساس ہو جس شخص میں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے اور اپنے خاص طریقے سے کام کرنے کی جرات ہو۔ جو شخص اپنی شخصیت کو پیش پیش رکھنے میں نہیں جھجکتا، اور جو فقط دوسروں کی تقلید اور پیروی پسند نہیں کرتا، اُس کی لیاقت بہت جلد تسلیم کرلی جائیگی، یہی وہ شئے ہو جس سے تمام دنیا اور تمھارا نگران کار تمھاری جانب توجہ کرنے پر مجبور ہوگا اپنی شان آپ بڑھاؤ۔ اپنے لئے آپ راستہ تلاش کرو، اگر ایسا نہ کروگے تو تمھاری ذات کا اثر دنیا والے مطلق قبول نہ کرینگے "کل جدید لذیذ" کے مصداق لوگ ہمیشہ نئی شئے پر گرتے ہیں، یہ دنیا والے تو فقط اُسی کی تعریف کرتے ہیں جو اپنے آپکو عام سطح سے بلند کر دکھلائے۔ وہی شخص سرفرازی اور سربلندی حاصل کرتا ہو جسمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ ہو۔ اور جو اپنی شخصیت دوسروں سے منوالے، تقلید سے بے نیازی کی ضرورت آجکل سے زیادہ کسی زمانے میں محسوس نہیں کی گئی اور نہ کسی زمانے میں آجکل سے زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ جو شخص خود سوچ سکتا ہو دُنیا اُس کی بات ضرور سنتی ہو۔ جن لوگوں کے پاس کچھ اپنے خیالات ہوتے ہیں جن لوگوں میں تقلید سے بے نیاز ہو کر کسی کام کو کرنے کا مادّہ ہوتا ہو۔ جو لوگ نئے اور جدید طریقوں سے کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی پوری جماعت کی قوت کا سبب ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی ہر جگہ ضرورت ہو ایسے لوگوں کی ضرورت کہیں بھی نہیں جو مشین کیطرح بے سوچے سمجھے کام کرتے ہیں؛

دنیا ایسے مقلدوں، متعلموں، اور ادنیٰ درجے کے لوگوں سے بھری پڑی ہو جو پرانی لکیر کے فقیر ہیں اور جو اسی میں مگن رہتے ہیں کہ خود سوچنے کی ضرورت نہ پڑے، بلکہ یہ کام کوئی اور اُن کی بجائے کر دیا کرے، لیکن دُنیا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتی، وہ ایسے

لوگوں کو تلاش کرتی ہے جنمیں جدت کا مادہ ہو، اور جو پرانے فرسودہ راستے کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی نئی راہ نکالنے کی قابلیت رکھتے ہوں، جو ڈاکٹر قدیم طریقوں کی بجائے جدید طریقوں سے علاج کرتا ہو، جو وکیل پیروی مقدمات میں کسی عام طریقے کا پابند نہیں، جو معلم اپنے شاگردوں کو نئے طریقے سے تعلیم دیتا ہو، اور جو واعظ تبلیغ و اشاعت مذہب میں کوئی نئی روش اختیار کرتا ہو اور کتاب میں لکھے ہوئے طریقوں کی پرواہ نہیں کرتا، وہی کامیاب رہتا ہے دنیا کو آجکل ایسے واعظوں کی ضرورت ہے جو کسی کتاب کے مطالب کی بجائے انسانی زندگی کی غرض و غایت پر وعظ کہیں؛

دنیا میں ایسے تو ہزاروں ہیں کہ جس کام کے کرنے کو اُن سے کہا جائے اُسکو کردیں لیکن کسی نظام کو ترتیب دینے، اور اُس سے کام لینے والا ایک ہی ہوتا ہے۔ دنیا میں پیروی کرنے والے ہزاروں ہوتے ہیں مگر رہنما ایک سے زیادہ نہیں ہوتے، آجکل ایسے نوجوان شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں جنمیں ایجادی اور اجتہادی قوت موجود ہو اور کسی کام کو جدت سے کرسکنے کی اہلیت رکھتے ہوں؛

تم دنیا میں کچھ ہی کیوں نہ کررہے ہو۔ دوسروں کی پیروی نہ کرو۔ خواہ مخواہ دوسروں کی نقل نہ کرو، بلکہ ہر کام کو ایک انوکھے اور نرالے ڈھنگ سے کرو۔ ہر شخص ایک کام کو ایک خاص اور مقررہ طریقے پر کرسکتا ہے پھر اُسمیں تمھارا کیا کمال ہے۔ اگر تم میں کسی کام کا خاص ملکہ ہو تو کوشش کرو کہ لوگ اُس سے واقف ہوجائیں اور یہ بات لوگوں کے دلمیں بٹھادو کہ جو دوسرا شخص اس کام کو انجام دے رہا تھا وہ کسی طرح بھی تمھارا مدمقابل نہیں تھا۔ تم اس کام کو اپنے خاص طریقے سے کرسکتے ہو، دنیا میں تم خواہ کوئی بڑا کام کرو یا چھوٹا اس بات کا پکا ارادہ کرلو کہ اُسمیں ضرور کوئی جدت پیدا کردوگے، اپنی لیاقت کے اظہار کرنے میں کبھی نہ جھجکو۔ تقلید سے بے نیازی ایک طاقت ہے تقلید سے بے نیازی زندگی ہے، تقلید موت ہے، اپنی قابلیت کو ظاہر کرنے سے مت ڈرو، اور یاد رکھو کہ تمھاری ترقی جدت سے ہوگی نقالی سے نہیں۔ تمھاری ترقی رہبری سے ہوگی پیروی سے نہیں، اس بات کا پختہ ارادہ کرلو کہ تم ایسے اشخاص میں شمار ہونے کی کوشش کروگے جو غور و فکر کے عادی ہیں۔ ترقی کا خیال ہمیشہ تمھارے پیش نظر رہنا چاہئے۔ جدت پسند آدمی کے لئے ہمیشہ ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں خواہ وہ کوئی کام بھی کیوں نہ اختیار کرے۔

انسان کی قوت ایجاد کو تباہ کرنے والی اور اُس کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈالنے والی پرانے دستور کی پابندی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ میں ایسے بہت سے ترقی کرسکنے والے نوجوانوں سے واقف ہوں، جو ترقی نہ کرسکے، جو ایک لکیر کو پیٹتے رہتے اور جن کے دماغ سے ترقی کے سارے خیالات رفوچکر ہوگئے، اس کی وجہ محض یہ ہوئی کہ وہ اپنے والد کے کاروبار میں شریک ہوگئے یا کسی کارخانے میں چلے گئے جہاں ایک خاص طریقے سے کام ہوتا تھا۔ اور ہر کام میں ایک خاص دستور کی پابندی کیجاتی تھی، اُن کی نشو و نما خاک میں مل گئی۔ چونکہ انکے والد وغیرہ پرانی لکیر کے فقیر تھے اس لئے یہ بھی کوئی نئی راہ نہ نکال سکے، اور بالآخر ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔

ہمارے ہاں اکثر کارخانوں میں ابھی تک پرانے ہی دستور کے مطابق قدیم اوزاروں سے کام ہورہا ہے حالانکہ اب ایسی مشینیں موجود ہیں جن کی مدد سے کام بہت جلد، اور بآسانی ہوسکتا ہے۔ ان مشینوں سے جگہ بھی کم گھرتی ہے۔ وقت بھی کم ہوتا ہے لیکن لوگ ہیں کہ پرانے طریقوں کو چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتے،

یہی سبب ہے کہ بہت سی قدیم دستکاریاں اور صنعتیں جو پشتہا پشت سے قائم تھیں رفتہ رفتہ بر سر تنزل آنے لگی ہیں اور بعض تو بالکل برباد ہوگئیں، انکے مقابلے میں بعض بالکل نئے کاریگر برابر ترقی کررہے ہیں انکی ترقی کا سبب اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ نئے طریقے سے کام کرتے ہیں، اور اس شعر پر عمل پیرا ہیں۔

سدا اک طرف کو نہیں ناؤ چلتی　　چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

تقلید سے بے نیازی کا مادہ شہرت کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ وہ شخص جو دوسرے اشخاص ہی کی طرح کاروبار کرتا ہے۔ خواہ وہ اُن سے بہتر ہی کیوں نہ ہو دنیا کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر اپنی راہ آپ نکالے، اور جدید ترقی پذیر طریقہ اختیار کرے۔ اپنی خصوصیت کو اس طرح ظاہر کرے، کہ لوگوں کی کشش کا باعث ہو، تو ہر شخص جسکو اُسکے کاروبار سے ذرا سا بھی واسطہ ہوگا ایک چلتے پھرتے اشتہار کا کام دے گا۔

شہر بوسٹن میں ایک کارخانہ ہے جس کے مالک ترقی پذیر خیالات رکھتے ہیں، اور ہر کام کے

کرنے کا ایک نیا ڈھنگ سوچتے رہتے ہیں، اُس کارخانے سے ہر قسم کی دستکاری نکل کر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خزانے کے لئے بالکل نئے سکوں میں سجاتی ہے، اسمیں کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوتا، اور نئے سکّے حاصل کر لینے میں کچھ ایسی دقّت بھی نہیں ہوتی، لیکن اس ایک مخصوص طریقے کی بدولت اشتہار خوب ہو جاتا ہے۔ عورتیں اور بچے نئے سکوں کو بہت پسند کرتے ہیں اور انھیں کے ذریعے مال کی کافی فروخت ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میلے کچیلے سکّوں کے مقابلے میں جو خدا جانے کیسے کیسے ہاتھوں میں ہو کر آتے ہیں نئے اور چمکیلے سکّوں کا ہاتھ میں آنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کارخانے کے مالکوں نے جو انوکھے اور نرالے طریقے نکالے ہیں یہ طریقہ اُن میں سے صرف ایک ہے، وعلیٰ ہٰذا القیاس،

نئے طریقے سے سجی ہوئی دوکانوں پر تم نے اکثر خریداروں کی بھیڑ دیکھی ہوگی، اسکا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں نئے سے نئے طرز کا ہر وضع و مذاق کا تازہ مال مل سکے گا۔ اِن نئے ڈھنگ کی دوکانوں پر اگرچہ بڑی بڑی تنخواہ پانے والے ملازم ہوتے ہیں پھر بھی دوکاندار حسبِ دلخواہ نفع کماتے ہیں،

نیویارک میں ایک ہوٹل ہے جسکو کبھی اشتہار دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، اس ہوٹل میں بعض چیزیں اسقدر دلچسپ مہیا کی گئی ہیں کہ لوگ خواہ مخواہ آتے ہیں اور اُن کی زبان پر اس ہوٹل کا چرچا رہتا ہے۔ اگرچہ بہت سی باتوں میں یہ ہوٹل بھی اور ہوٹلوں جیسا ہے۔ لیکن لوگ اسی کی سرپرستی کرتے ہیں، اگر وہاں ٹھہرنے کے لئے کمرہ نہیں ملتا، تب بھی لوگ اسی ہوٹل میں آتے ہیں، کچھ اور نہیں تو کھانا ہی کھا لیتے ہیں، اور اس طرح مشہور لوگوں کو اور ان کی نئی نئی تراش و خراش کے دیکھنے کا موقع ملجاتا ہے، اس ہوٹل کا جسقدر اشتہار مفت ہوتا ہے اگر وہ اُجرت دیکر کرایا جاتا تو ایک بہت بڑی رقم خرچ ہو جایا کرتی،۔

ہر کام میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس کاروبار کے مالک بھی نئے ڈھنگ سے کاروبار کریں وہی نئی قسم کا کاروبار ہے اور اُسی طرف لوگ کھنچے چلے آتے ہیں، مناسب جدّت سے کام لیا جائے تو وہ اکثر کارآمد ہی ہوتی ہے۔ تاہم یہ خیال نہ کرو کہ نئے طریقے سے کامیابی ضرور ہی ہو جائے گی، ایسے آدمیوں کی بھی کچھ کمی نہیں جو ہمیشہ نئے طریقوں اور نئے خیالات ہی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، باوجود اسکے وہ دنیا میں کوئی خاص کارنامہ نہیں چھوڑتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اُنکے خیالات اور تدابیر موثر اور قابل عمل نہیں ہوتیں، ایک صاحب ہیں جو ہر نئی بات پر فوراً عمل پیرا ہو جاتے ہیں، اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک بڑی جائداد کو جو اُنھیں ورثے میں ملی تھی کھو چکے ہیں۔ انھیں دراصل اُن تدابیر کا علم نہیں جو کسی جائداد کے انتظام میں مؤثر ہو سکتی ہیں،

ایک نوجوان آدمی عقلمندی کا جو بہترین کام کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کسی دوسرے کی تقلید سے بچے اور ہر کام کو بہترین طریقے سے انجام دینے کی کوشش کرے، وہ اپنی زندگی کے ہر کام کو اس پختہ ارادے کے ساتھ شروع کرے کہ ہر کام میں میری اپنی شخصیت نمایاں رہے گی، اور ہر کام سے میری سیرت کا اثر ظاہر ہوگا۔ اور میں ہر خدمت کو اپنی پوری پوری قابلیت کے ساتھ انجام دونگا۔ اگر ایسا کیا تو کسی کاروبار کے لئے اُسے بہت زیادہ سرمایہ کی ضرورت نہ ہوگی، اُس کی اپنی شخصیت بہت سے ذرائع پیدا کرے گی۔ خوبی کے ساتھ اگر کسی کام کو ذرا عجیب طریقے سے کیا جائے تو یہ اشتہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ بعض لوگ کسی کام کو نئے طریقے سے کرنے میں جھجکتے ہیں، ان کو دوسروں کی تقلید کرنی پڑتی ہے، ان لوگوں کا اصول عموماً یہ ہوتا ہے کہ "جس طریقے سے میرے باپ دادا کام کرتے آئے ہیں میرے لئے وہی طریقہ مناسب ہے"، وہ اُس طریقے میں کسی قسم کی کمی بیشی کی ضرورت نہیں سمجھتے، اگر کسی خاص طریقہ کی کوئی مثال اُن کے پیش نظر نہیں ہوتی تو وہ اُسپر عمل نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی نگاہ میں کسی نئے خیال اور کسی نئے ڈھنگ کی کچھ قدر نہیں ہوتی، وہ فقط یہ سوچتے ہیں کہ اس طریقے پر کسی خرابی ہی کی وجہ سے عمل نہیں کیا گیا، اُنھیں پُرانے دستور سے ایک طرح کا لگاؤ ہو جاتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز جتنی پُرانی ہوگی اتنی ہی اچھی ہوگی، یہ لوگ اپنی تنگ نظری کی وجہ سے ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ہیں۔ ہر شہر میں کچھ نہ کچھ ایسے پُرانی لکیر کے فقیر ملجائینگے، یہ لوگ پُرانی وضع کی دوکانوں میں بیٹھے ہیں، پُرانے ہی ڈھنگ سے مال سجاتے ہیں، اور لوگوں کو پُرانے ہی طریقے سے مال دکھلاتے ہیں، اصل یہ ہے کہ یہی لوگ ترقی میں مانع ہیں، ایسے قدامت پسند لوگ جہاں کوئی نئی بات دیکھتے ہیں بس فوراً گھبرا جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو اگر کوئی عام طریقہ

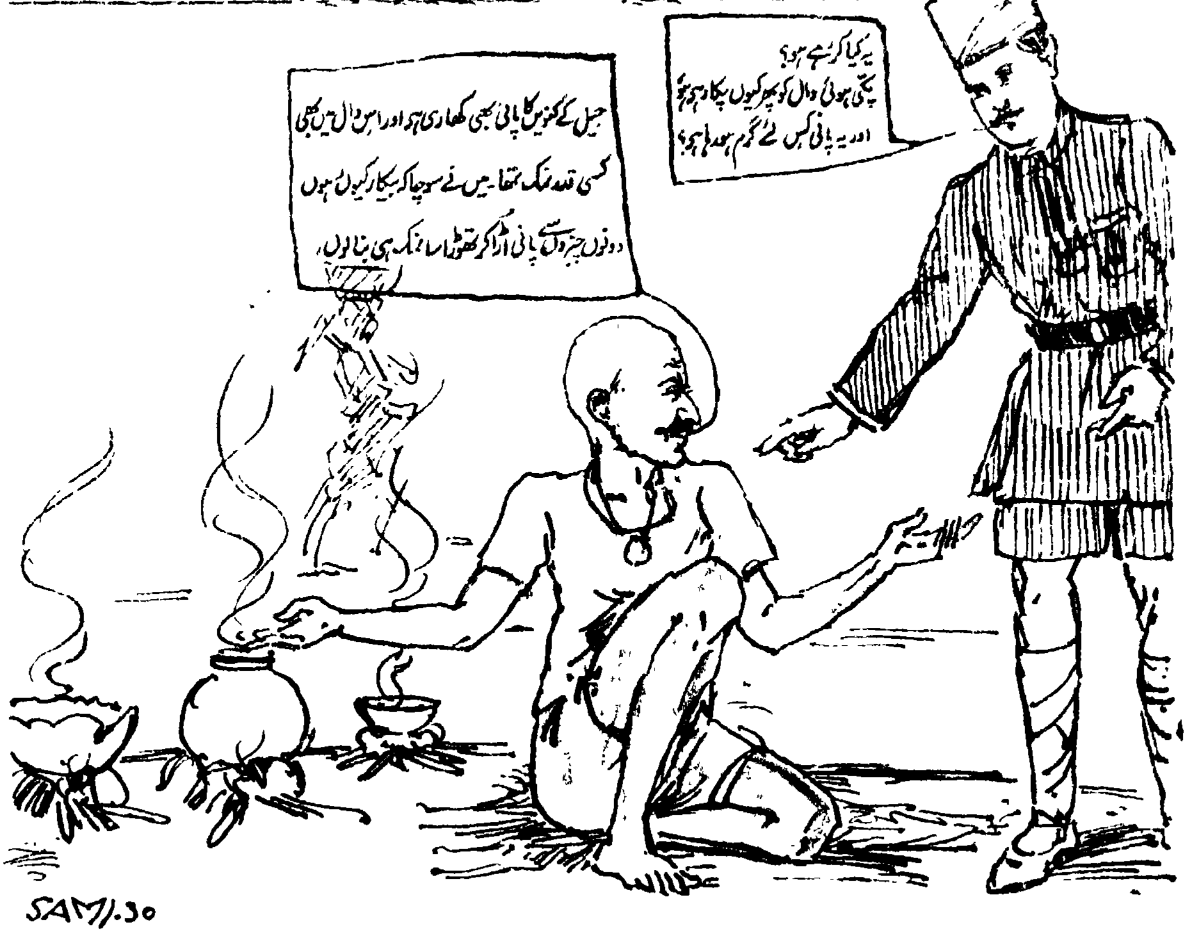
لوم نہ ہو جائے تو عموماً مجبور رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ دوسری بڑی شخصیتوں کی
قل ہی کو بہت بڑا کمال سمجھتے ہیں اور خود عجیب غریب ہونے سے ڈرتے ہیں حالانکہ
دائے تعالیٰ نے کوئی سی دو چیزوں اور کوئی سے دو انسانوں کو یکساں نہیں بنایا
درت ہر شے کو ایک نئے ہی سانچے میں ڈھالتی ہے۔ تقلید سے بے نیازی اور اپنی
لگ اور ممتاز شخصیت بڑے آدمیوں کی نمایاں خصوصیت رہی ہے، اور یہی خصوصیت
وام میں اُنکے امتیاز کا باعث ہوتی ہے، آدمی عجیب ہونے کی وجہ سے کمزور نہیں ہوتا
بلکہ بسا اوقات طاقتور ہو جاتا ہے۔ لنکن کی شخصیت عجیب غریب تھی، اور یہی نرالا
ین اُس کی سیرت میں بھی سرایت کئے ہوئے تھا، اگر کسی شخص میں اس حد تک
نرالا پن ہو جو لوگوں کو ناگوار نہ گزرے تو ایسا ہونا بجائے مضر کے مفید ہی ہوتا ہے۔
اگر کسی انسان میں ایسی خوبیاں نہ ہوں جو دوسروں سے اُسے نمایاں کر سکیں
تو وہ ایک لق و دق بے آب و گیاہ سپاٹ میدان کی طرح ہے۔ ہم لوگ بالطبع
ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں جس کی طبیعت مضبوط اور سیرت پختہ اور پُر جوش ہو، غرض
یہ ہو کہ کوئی نہ کوئی بڑائی اُسمیں موجود ہو، جو ہمارے لئے باعث حیرت ہو۔ ہم اُس
شخص کو ایک ایسا پہاڑ سمجھیں جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور
ہم خود اُسکے دامن میں کھڑے ہیں۔ ہم ناہموار چٹانوں ہی کو پسند کرتے ہیں کیونکہ
چٹانوں کی یہی ناہمواری ہمارے دل پر ہیبت طاری کرتی ہے۔ ہمکو اس بات کی
کوشش کبھی نہ کرنی چاہئے کہ اعلیٰ سیرت رکھنے والی کسی شخصیت کی بعض ناہمواریوں
کو ہم درست کر دیں، کیونکہ اس طرح اُسمیں سے وہ انفرادی قوت فنا ہو جائے گی جو
اُسکو اوروں سے ممتاز کرنے کا سبب ہے۔

ہم اُسی مرد یا عورت پر بھروسہ کرتے ہیں جو تقلید سے بے نیاز ہو، اور جسے
فقط دوسروں کی نقل ہی نہ آتی ہو، جو ہمپر پختہ اور دیرپا اثر ڈال سکے، جو فقط
پیروی ہی نہ کرے بلکہ اپنی راہ آپ نکالے، جو اپنی قوتِ فیصلہ کے مطابق عمل
کرے، دوسروں کی رہنمائی سے بے نیاز ہو۔ جو بے خوفی، ہمت اور آزادی کے
ساتھ اپنا کام کرتا ہو، ہمیں اُس قوت کا علم ہے جو بڑے بڑے کام انجام دے سکتی اور
بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر سکتی ہے، اور جسمیں یہ قوت موجود ہو وہ ایک بڑا
آدمی ہوتا ہے۔ کسی بڑی کامیابی کے لئے بیخوفی کی صفت نہایت ضروری ہے جو ہمت
اور طاقت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور اُس شخص میں یہ وصف خاص طور سے ہوتا
ہے جو دوسرے کی تقلید سے بے نیاز ہو۔ پیروی کرنے والا عموماً بزدل اور کمزور ہوتا ہے
کوئی نئی بات نکالتے ہوئے کبھی مت ڈرو، بالکل آزاد اور اپنی ذات پر
بھروسہ رکھنے والے بنو، یہ نہ ہو کہ جس طرح دنیا میں اور بہت سے آدمی ہیں تمھارا
وجود اُن میں ایک اور انہی جیسے آدمی کا اضافہ کر دے، اپنے دادا یا باپ یا
بڑوسی کی نقل نہ کرو۔ خدا نے ہر آدمی کو اُس کی اپنی ضروریات کے لئے کوئی
نہ کوئی خوبی بخشی ہے، ہر شخص کچھ نہ کچھ نیا کام کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے، اگر وہ
فقط دوسروں کی نقل ہی کرتا رہے گا تو کبھی کامیاب نہ ہوگا۔
نامور اور مشہور لوگوں کی نقل بھی ضروری نہیں، کیونکہ اس طرح کسی کے لباس
اور بات چیت کے ڈھنگ اور حرکات و سکنات کی تو نقل اُتاری جا سکتی ہے مگر
اُس قوت کی نقل نہیں اُتاری جا سکتی جو اُس کی شہرت اور ناموری کا باعث ہوئی
سیکڑوں آدمیوں نے بڑے بڑے مشہور لوگوں کی نقل کی، مگر اُن میں سے
کوئی بھی دنیا میں کسی طرح کی حرکت پیدا نہ کر سکا، دنیا ایسے نقالوں کو بُرا سمجھتی
ہے، وہ شخص اسکو ایک آنکھ نہیں بھاتا جو فقط دوسروں کے بل بوتے پر چلتا اور
اُنکے طریقوں کے مطابق کام کرتا ہو، ایسا شخص ہمیشہ کمزور گنا جاتا ہے۔
ہماری بڑی سے بڑی انجمن میں ایک نہ ایک شخص ہوتا ہے جس کی قوت کے آگے
سب کو جھکنا پڑتا ہے۔ ہم اکثر یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ انجمنوں کا انتظام بڑی بڑی
کمیٹیاں اور ڈائرکٹروں کی جماعتیں کریں، تاکہ ایک شخص کے ہاتھ میں ساری قوت نہ
آجائے، لیکن اس قسم کی ہر کمیٹی اور ڈائرکٹروں کی ہر جماعت میں ایک نہ ایک ایسی
شخصیت ضرور ہوتی ہے جو دوسروں کی تقلید سے بالکل بے نیاز اور بااثر ہوتی
ہے۔ یہ شخصیت دوسروں پر چھا جاتی ہے اور بالآخر وہی حکومت کرتی ہے۔ ایک مضبوط
تقلید سے بے نیاز اور قوی آدمی کے اثر سے نجات حاصل کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے،
اپنی شخصیت کو برقرار رکھو، صرف اسی خیال میں کہ تم دوسروں کی تقلید نہیں
کرتے ایک بڑی طاقت پوشیدہ ہے، اس سے اپنی ذات پر بھروسہ رکھنے میں بہت

نہ ملتی ہو۔ تم سے جو ملے وہ یہ کہنے پر مجبور ہو کہ آج میں ایسے شخص سے ملا جو سب سے الگ تھلگ تھا ایسے شخص سے بات چیت کرکے روح میں ایک قسم کی تازگی آجاتی ہو۔ جو شخص عام لوگوں سے ذرا عجیب معلوم ہوتا ہو جو ظاہر داری اور نمائش کو پسند نہیں کرتا۔ جو کسی خاص ڈھنگ کا پابند اور کسی خاص طریقے کا غلام نہیں، جو اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہو جاتا ہو جسکو کسی سہارے کی ضرورت نہیں، جو کبھی جھکتا نہیں، یہی شخص نہ صرف قوی ہو بلکہ قوت کو چار چاند لگانے والا ہو؛

آخر کسی شخص کی نقل کرنے کی کیا ضرورت ہو۔ تمھارا سب سے بڑا کام یہ ہو کہ اپنی شخصیت کو قوت کے ساتھ نمایاں کرو، اور تقلید سے بچو، اگر تم ایسا کروگے تو لوگ تمھارا مذاق اُڑائینگے، اور اس طرح تم میں سے وہ قوت جاتی رہے گی جو اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے سے حاصل ہوتی ہو،

تم جسقدر کسی ایسے شخص کی نقل کرنی چاہوگے جو طبعی طور پر تم سے مختلف ہو اُسی قدر دنیا تمھارا مذاق اُڑائے گی، یاد رکھو کہ اصلی قوت انسان کی اپنی شخصیت میں پنہاں ہو۔



وہی سوراج کا سودا ابھرا ہوا اب بھی اس سر میں — وہی میں ہوں، وہی دل ہو، وہی ہیں دل کے ارماں بھی

تحریکِ جسمانی

(The impulse of a thought for bodily movements in accordance with its innate Emotional qualities) خیال کی یہ وہ تحریک ہے جس کی بدولت ہمارے کسی موجودہ شعور کی وجہ سے ہمارے بعض جسمانی اعضا رکبھی اس شعور کی مناسبت سے حرکت کرنے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کامیابی کی خبر نہ صرف اس سے متعلقہ سابقہ تجربات ہی کو ہمارے شعور میں موجزن کرا دیتی ہے بلکہ اس سے مناسبت رکھنے والے کسی جسمانی فعل کے لئے تحریکات کا بھی ہمارے جسمانی اعضا رکی حرکت سے اظہار کرا دیتی ہے یعنی کامیابی کی خبر کے باعث ہمارے دل کی حرکت میں تیزی رونما ہو جاتی ہے سانس شتابی سے چلنے لگتا ہے۔ آنکھوں میں چمک اور چہرہ پر رونق آجاتی ہے گویا تحریک کا اثر صرف ہمارے شعور تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہمارے جسم کے اعضا تک متجاوز ہو جاتا ہے۔

قوّتِ حافظہ

Memory

یہ امر ناظرین سے پوشیدہ نہیں کہ بیرونی معلومات کے حاصل کرنے میں ادراکاتِ حسّیہ (یا بہ الفاظِ دیگر احساسی تصاویر) اور ہمارے شعور کا عملِ عقلی کس طرح ہماری رہنمائی کرتے ہیں' اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حافظہ کی تعریف اور اسکے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؛

وسیع ترین معنوں میں حافظہ نفس کی اس قوّت کا نام ہے جس کے ذریعے سے ہمارا شعور یعنی ہم اپنی دنیاوی معلومات کو قایم و برقرار رکھتے، ان کا تصوّر اپنے ذہن سے کراتے، انکے متعلق تخیل سے کام لیتے اور ان میں تمیز و شناخت کرتے ہیں، گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ حافظہ کے عناصر اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں:-

اوّل، تحفظ (Retention) (۲) استرجاع (Recall) (۳) تخیّل (Imagination) (۴) شناخت (Recognition)

تحفّظ:- جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں ہمیں دنیاوی علم آنکھ، ناک، کان، زبان اور جلد کی سطح کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اور جس حالت میں بھی ہوں خواہ وہ دن ہو یا رات ہو ایتھر اور ہوا کے ارتعاشی سیلاب میں غرق رہتے ہیں۔ روشنی، آواز اور لمس کی لہریں ہر چہار طرف سے اور ہر وقت ہماری احساس پذیر سطحِ جسمانی پر اپنا دباؤ ڈالتی رہتی ہیں قوائے حسّیہ ان کی خبریں شعور تک پہونچانے میں برابر مشغول رہتے ہیں، چنانچہ تحفظ ہمارے تحت الشعور کی اس قوّت کا نام ہے جسکے ذریعے سے وہ ہمارے قوائے حسّیہ کے کل احساسی تجربات کو بجنسہ محفوظ رکھتا ہے؛

دراصل تحت الشعور ہمارے کل احساسی تجربات کا بتمامہ وکمالہ محافظ ہے یعنی جو کچھ ہم دیکھ کر، سُنکر، چھُو کر، چکھ کر، سونگھ کر علم یا تجربہ حاصل کرتے ہیں ان سب کی وہ ہمارے حافظہ میں بلا کم وکاست محافظت کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ ان بے انتہا ادراکاتِ حسّیہ یا احساسی خبروں کو بھی بجنسہ محفوظ رکھتا ہے جن کو وہ ہمارے حواسِ اولیہ یا حواسِ ثانویہ کے اعصابِ حسّیہ کے ذریعہ سے شعور کے مرکزی حصہ تک پہونچاتا رہتا ہے اور جن کی ہمیں اس لئے خبر نہیں ہوتی یا ہم ان کی طرف اس لئے متوجہ نہیں ہوتے کہ ان کا ہماری زندگی کی دلچسپیوں کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جب تحت الشعور کے ذریعے سے ہمارے شعور میں ایسے سابقہ تجربات موجزن ہوتے ہیں جو اعصابِ حسّیہ کے ذریعے سے ہمارے شعور میں تو ضرور داخل ہوئے مگر ہمیں انکا اس لئے علم نہیں ہوا کہ ان کی طرف ہماری طبیعت کا رجحان نہیں تھا تو ہمیں اک گونہ حیرت سی ہوتی ہے۔ اس امر کی تصدیق کہ ہمارا تحت الشعور حواسِ خمسہ اور حواسِ ثانویہ کے ان احساسات یا احساسی تجربات کو بھی بجنسہ محفوظ رکھتا ہے جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا ان مریضوں سے ہوئی ہے جو شدید قسم کے عارضہ اختناق الرحم (Hysteria) میں مبتلا تھے، اس مرض کی شدید ترین حالت میں یہ ہوتا ہے کہ جسم کے اکثر حصوں کی قوّتِ حس بظاہر ماری جاتی ہے یعنی باوجودیکہ ان کے قوائے حسّیہ کی قوتِ حس جوں کی توں قایم رہتی ہے اور وہ بیرونی دنیا کے احساسی تجربات کی دماغ کے شعوری مرکز کو اسی طرح اطلاع پہونچاتے رہتے ہیں جس طرح سے کہ وہ مریض کی طبعی حالت میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے تھے، لیکن مریض کو ان کی مطلق خبر نہیں ہوتی، درحقیقت آنکھیں دیکھتی ہیں، کان سُنتے ہیں، ناک

سونگھتی ہو، زبان ذائقہ محسوس کرتی ہو جسم کی جلد کسی چیز کے مَس ہونے یا اسمیں کوئی چیز چبھنے کا احساس محسوس کرتی ہو مگر باوجود ان تمام باتوں کے مریض کو نہ آنکھ سے دکھائی دیتا ہو، نہ کانوں سے آواز سنائی دیتی ہو، نہ ناک سے وہ کسی قسم کی بو سونگھتا ہو نہ زبان سے اسے کسی قسم کے ذائقہ کا احساس ہوتا ہو، نہ جلد سے کسی چیز کے لگنے یا چبھنے کی اسے خبر ہوتی ہو چنانچہ اس قسم کے مریضوں پر جب عمل تنویم (Hypnotism) کیا جاتا ہو تو محیر العقول اور حیرت انگیز بات یہ ہو کہ ان کا تحت الشعور ان تمام جسمانی حصّوں کے تجربات یا احساسی نقوش کی جو بظاہر محروم الحس تصور کرلئے گئے تھے اور جن سے کسی قسم کے احساسی نقوش شعور کے مرکز تک نہیں پہونچ سکتے تھے من وعن اور صحیح صحیح ترجمانی کر دیتا ہو حقیقت یہ ہو کہ ہماری زندگی کا ایک کثیر حصہ اسی قسم کے احساسی تجربات سے ترکیب پاتا رہتا ہو جن کی ہمیں خبر نہیں ہوتی اور جو وقتاً فوقتاً تحت الشعور سے شعور میں پہونچکر ہمیں متحیر بناتے رہتے ہیں، یہ گمان کرنا کہ ہمارے حافظہ میں صرف انہی امور کی حفاظت و نگہداشت ہوتی ہو جن کی بازیافت حسب مرضی ہمارے شعور میں ہوسکے صریح غلطی ہو،

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں بات بھول گئے تو اس سے ہمارا مدعا بجز اسکے اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے ایما پر ہمیں یاد نہیں آتی، لیکن اگر کوئی شخص اسکی یاد دہانی کرائے تو اکثر وہ بات ہمیں یاد آجاتی ہو۔ اگر وہ بات ہمارے حافظہ سے قطعی طور پر غائب ہوجاتی تو بھلا ہم اسکی شناخت کس طرح کرسکتے،

۶ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہو کہ ہمیں کوئی بات نہ تو یاد آتی ہو اور نہ ہم کسی شخص کی یاد دہانی پر اس کی یاد تازہ کرسکتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دراصل وہ امر ہمارے حافظہ سے معدوم ہوچکا ہو۔ متعدد ایسی شہادتیں ہمارے پیش نظر ہیں کہ کسی شخص نے عالم طفلی میں کوئی زبان سیکھی اور اسمیں وہ بلا تکان گفتگو بھی کرسکتا تھا، مگر اسوقت وہ اس زبان کو بالکل فراموش کر بیٹھا ہو لیکن باینہمہ وہ اسکے حافظہ میں بجنسہ موجود ہو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ کسی شدید مرض میں مبتلا ہوجاتا ہو تو اسی زبان کے الفاظ اسکے منہ سے نکلتے ہیں، باوجود پچاس برس گذر جانے کے بھی جس عرصہ میں نہ کبھی اسکو اس زبان کے سننے یا اسمیں گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ صحیح ہو کہ وہ ان سے اپنا کسی قسم کا مفہوم ادا نہیں کرتا کیونکہ شدت مرض کی وجہ سے اسکو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہو مگر اسکی اس کیفیت سے قوت تحفظ کی وسعت کی پوری پوری تجلیاں بخوبی ظاہر ہوجاتی ہیں۔

یہ ایک ایسی مثال پیش کی گئی ہو جسمیں کسی زبان کے حاصل کرنے کے لئے شعوری کوشش کی گئی اور وہ فراموش ہوچکنے کے بعد بھی حافظہ میں محفوظ رہی مگر ایسی امثلہ بھی موجود ہیں جن میں ان امور کی تحصیل میں شعور اور توجہ کو مطلق دخل نہ تھا اور وہ امور بھی حافظہ میں محفوظ پائے گئے۔

ایک پچیس سالہ جاہل مطلق عورت سخت علیل ہوگئی، وہ لاطینی، عبرانی، اور یونانی زبانوں سے مطلق بے بہرہ اور ناآشنا تھی لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ حالت علالت میں یہ زبانیں نہایت بے تکلفی سے اسکی نوک زبان تھیں، لوگ سخت متعجب تھے، اور انھوں نے قیاس کے بہت کچھ گھوڑے دوڑائے، کسی نے بھوت پریت کا گمان کیا تو کسی نے یہ خیال کیا کہ کوئی خبیث روح اسمیں حلول کرگئی ہو، مگر ایک ڈاکٹر نے اس عورت کے رشتہ داروں سے استفسار کرنے پر معلوم کیا کہ عہد طفولیت میں وہ کسی پادری کی ملازمہ رہ چکی تھی، جو اکثر اوقات ان مختلف زبانوں کی کتب کا بآواز مطالعہ کیا کرتا تھا، گو بحالات ملازمت وہ ان زبانوں کی طرف متوجہ نہ ہوئی تھی مگر چونکہ اس کا تحت الشعور ان کے اثرات برابر قبول کرتا رہا تھا، اس لئے اب کسی وجہ سے اسکے شعور کے غیر متحرک ہوجانے کے باعث اس کا تحت الشعور ان زبانوں کا اظہار کرنے لگا۔

آجتک کوئی شخص اس عقدہ لاینحل کی گرہ کشائی نہ کرسکا کہ دماغ کے سالمات یا ذرّوں میں ہمارے تجربات کیونکر محفوظ ہوجاتے ہیں، لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہو کہ ہماری سطح جسمانی کا ہر احساس خواہ وہ ہمارے شعور میں آئے یا نہ آئے تحت الشعور پر نقش کالحجر کی طرح مرتسم ہوجاتا ہو،

اگر ہم کسی قدر غور و فکر سے کام لیں تو ہمیں خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ کئی دن کسی خیال کی تحریک کی وجہ سے ہمیں مدت کی بھولی ہوئی ایسی باتیں یاد آجاتی ہیں جن کا ہمیں وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔

غرض ہمارے کل دنیاوی تجربات ہماری زندگی کے پہلو بہ پہلو قائم و برقرار رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی سا بھی ضائع یا معدوم نہیں ہوتا۔ جو امور حسب منشا ہمیں یاد نہیں آتے وہ ایسے ہوتے ہیں جن کے ملحقہ لوازم اور رشتوں کو بر وقت وقوع ہم نظر انداز کر دیتے ہیں گو یہ امور حسب مرضی ہمیں یاد نہ آئیں مگر کسی نہ کسی وقت کسی مناسب تحریک کی وجہ سے یہ بھی ہمارے ذہن میں تازہ ہو جاتے ہیں۔

استرجاع

جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں ہمارے اعصاب حسیہ کے کل احساسات یا احساسی تجربات خواہ ان کا ہمارے شعور کو علم ہو یا نہ ہو خواہ انکے حصول میں ہماری ارادی کوشش کو دخل ہو یا نہ ہو، وہ خزانہ تحت الشعور میں کسی نہ کسی مقام یا کسی نہ کسی طریقہ پر بجنسہ محفوظ رہتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کسی جسمانی فعل کے لئے جس قسم کی جذباتی کیفیت یا تحریکات کا ان تجربات کے دوران میں ہمارے جسمانی اعضا کی حرکت سے اظہار ہو چکا ہو وہ بھی ان ہی کے ساتھ ساتھ قائم و برقرار رہتے ہیں مثلاً اگر ہم کسی حادثہ سے بال بال بچ گئے ہیں تو جب کبھی ہمیں اس واقعہ کا خیال آتا ہو، ہمارے دل کی وہی کیفیت اور ہمارے رخساروں پر ویسی ہی زردی کی جھلک نمودار ہو جاتی ہو جیسی کہ اسوقت ہوئی تھی جبکہ اس واقعہ سے ہمیں دوچار ہونا پڑا تھا۔

اس سے ظاہر ہو کہ ہمارے تحت الشعور میں صرف ہمارے سابقہ تجربات ہی بجنسہ محفوظ نہیں رہتے بلکہ اس سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہو کہ ان سے مناسبت رکھنے والے جذبات بھی ان کی رفاقت کرتے ہیں اور جب وہ تجربات کسی شعوری خیال کی ایتلافی تحریک کے باعث تحت الشعور سے شعور میں تلاطم برپا کرتے ہیں تو انکے ملحقہ جذبات بھی ہمارے جسمانی اعضاء کی حرکت سے رونما ہونے لگتے ہیں لہذا استرجاع ہمارے تحت الشعور کا وہ ذہنی عمل ہو جس کے ذریعہ سے ہمارے سابقہ تجربات معہ اپنی خصوصی جسمانی تحریکات کے ہمارے کسی شعوری خیال کی ایتلافی تحریک کے باعث ہمارے شعور میں از سر نو موجزن ہو جاتے ہیں۔

عمل استرجاع چند مقررہ ذہنی قوانین کے ماتحت جنھیں قوانین ایتلاف (The laws of association) کہتے ہیں یعنی وہ قوانین جن کے ذریعہ ہمارے خیالات باہمدگر متحد ہونے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، ظہور پذیر ہوتا ہو۔ یہ قوانین تعداد میں دو ہیں۔ ان میں سے ایک کو قانون مشابہت (The law of similarity) اور دوسرے کو قانون مقارنت (The law of contiguity) کہتے ہیں، یہ ہر دو قوانین ہر لمحہ اور ہر گھڑی ہمارے سلسلۂ خیالات کی تعمیر میں اپنا عمل کرتے رہتے ہیں۔

قانون مشابہت

یہ قانون ہمارے ایسے شعوری خیالات کی بازیافت ہمارے تحت الشعور سے شعور میں کرا دیتا ہو جو ہمارے بعض سابقہ تجربات سے جو ایتلافی تحریک کے ماتحت وقوع میں آئے ہوں مشابہت رکھتے ہوں۔ مثال (۱) ہم کسی گلاب کے پھول کو دیکھ کر اس لئے اسے گلاب کا پھول شناخت کر لیتے ہیں کہ وہ ان صدہا گلاب کے پھولوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو جو پیشتر ہمارے تجربہ میں آ چکے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال بجا طور پر کیا جا سکتا ہو کہ کسی گلاب کے پھول کے مشاہدہ کے وقت ہمیں کوئی دوسرا گلاب کا پھول جو پیشتر ہمارے تجربہ میں آ چکا ہو بغیر ارادی کوشش کے کیوں یاد نہیں آتا جبکہ اسے قانون مشابہت کے ماتحت ہمیں یاد آنا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہو کہ جب کوئی ایک ہی قسم کی شئے مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر ہمارے تجربہ میں آتی رہتی ہو تو پھر اس جیسی کسی موجودہ شے کے مشاہدہ کے وقت وہ مخصوص تجربہ شدہ شے جب اور جس مقام پر ہمارے تجربہ میں آئی تھی از خود ہمیں یاد نہیں آتی جب تک کہ ہم خود ہی اپنے ذہن میں اسکی واپسی کی کوشش نہ کریں، ایسی حالتوں میں قانون مشابہت اک غیر محسوس طریقہ پر موجودہ اور سابقہ تجربات کا باہمدگر ہم کو موازنہ کرانے میں ہماری رہنمائی کیا کرتا ہو، یہی وجہ ہو کہ ہم اپنے سابقہ تجربات کی بغیر کسی یاد کے نارنگی کو دیکھ کر نارنگی اور قلم کو دیکھ کر قلم کہہ دیتے ہیں، برخلاف اسکے اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہو کہ کسی ایسی شئے کے مشاہدہ کے وقت جو متواتر ہمارے تجربہ میں آتی رہتی ہو کوئی اسی جیسی دوسری شے قانون مشابہت کے ماتحت ہمارے تحت الشعور سے شعور میں عمل توازن و تقابل کی غرض سے موجزن ہو جاتی

ہی، اس قسم کا ذہنی عمل اسی وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جبکہ موجودہ اور سابقہ تجربات کے درمیان باوجود شباہت کے صریح اختلاف موجود ہوتا ہے۔ مثلاً کسی موجودہ گلاب کے پھول اور ان گلاب کے پھولوں کے درمیان جو پیشتر ہمارے تجربہ میں آچکے ہیں باوجود شباہت کے ہم نمایاں اختلاف موجود پاتے ہیں تو ان گلاب کے پھولوں میں سے جن کا ہم پیشتر ہمیں تجربہ ہوچکا ہے کسی ایک گلاب کے پھول کا خیال موجودہ گلاب کے پھول کے موازنہ کے لئے ہمارے شعور میں موجزن ہوجائے گا۔ یعنی ہمیں اس موجودہ گلاب کے پھول کو دیکھ کر اپنا کوئی سابقہ تجربہ شدہ گلاب کا پھول یاد آجائے گا۔ مثال (۲) شاہنشاہ اکبر نے رواج ستی کو بند کرنے کی کوشش کی، لارڈ بنٹنک نے اس رواج کو بالکل ہی موقوف کردیا۔ چنانچہ جب شاہنشاہ اکبر کا یہ فعل ہمیں یاد آئے گا تو ساتھ ہی لارڈ بنٹنک کا یہ فعل مشابہت کی برانگیختگی کی وجہ سے ہمارے شعور میں موجزن ہوسکتا ہے۔ مثال (۳) شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی پیدائش ۱۸۴۱ء میں ہوئی تھی۔ اسی سن میں نیوزیلینڈ نوآباد ملک قرار دیا گیا یہ دونوں واقعات آپس میں مختلف ہیں اور دنیا کے دو مختلف کرہ ہائے ارض پر وقوع پذیر ہوئے لیکن چونکہ وہ ایک ہی ساتھ وقوع میں آئے اس لئے ان ہر دو واقعات میں وقتی مشابہت کی وجہ سے تقرب زمانی قائم ہوگیا، لہذا اب اگر ان میں سے ہمیں کوئی سا واقعہ یاد آئے گا تو دوسرے واقعہ کا بھی استرجاع ہمارے ذہن سے ہوسکتا ہے۔ مثال (۴) کسی شخص کا نام حیدر حسن ہے اور وہ ہمارے ذہن سے مفقود الخبر ہوچکا ہے۔ اب اگر اس شخص کا نام سوچتے وقت حیدر علی ہمیں یاد آجائے تو حیدر حسن بھی ہمیں یاد آسکتا ہے۔

اس مثال سے یہ ظاہر ہے کہ خواہ تجربات یا خیالات مکمل طور سے آپس میں مشابہت نہ رکھتے ہوں لیکن اگر انکے ملحقہ لوازم میں سے کوئی ایک عنصر بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوگا تو صرف اسی کی، ہمارے شعور میں موجودگی کی وجہ سے ہمارا دوسرا سابقہ تجربہ بھی تمام وکمال ہمارے ذہن میں برانگیخت ہوسکتا ہے۔ ناظرین کو اس امر کا بارہا تجربہ ہوا ہوگا کہ اگر کسی شخص کی شکل وصورت پوشش ولباس، چال ڈھال یا لب ولہجہ میں سے کوئی ایک بھی کسی دوسرے شخص کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کی موجودگی یا کسی ایک کا خیال اس دوسرے شخص کی یاد کو بھی ہمارے ذہن میں تازہ کردیا کرتا ہے۔

قانون مقارنت

یہ وہ قانون ہے جس کے ذریعہ سے وہ امور جن کے درمیان زمانی یا مقامی نزدیکی موجود ہو اور جن کا ہمیں تجربہ ہوچکا ہو انکے مابین ہمارے تحت الشعور میں اس طریقہ پر ذہنی حلقے پڑجاتے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی ایک امر ہمارے شعور میں موجزن ہوجاتا ہے تو باقی دیگر امور بھی مع اپنی ابتلائی اور جسمانی تحریک کے ان ہی ذہنی حلقوں کی مدد سے بالجولاں کھنچے چلے آتے ہیں؛

مثال (۱) کسی کتاب کی ورق گردانی کرتے وقت ہمیں اسمیں ایک تصویر رکھی ہوئی ملتی ہے۔ جیسے ہی ہماری نظر اس تصویر پر پڑتی ہے خوشی کے مارے ہمارے چہرہ پر مسرت کے آثار نمودار ہوجاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہمارے ایک محبوب کی تصویر ہے اس محبوب کی شبیہ کا ہمارے ذہن میں تمکن ہونا تھا کہ ہمیں وہ کمرہ بھی یاد آجاتا ہے جہاں کہ وہ تصویر اسنے بطور یادگار ہمیں دی تھی، ہمیں خوب یاد ہے کہ اسوقت خوشی کے جذبات ہم پر اس شدومد کے ساتھ طاری تھے کہ ہمارا دل بانسوں اچھل رہا تھا چنانچہ اسوقت بھی کم وبیش ہماری وہی حالت ہوجاتی ہے اور اس کمرہ کی ہمارے ذہن میں موجودگی وہی سب عیش ونشاط کے سامان ہمارے روبرو پیش کردیتی ہے جو اسوقت وہاں پر موجود تھے، وقس علی ہذا،

مثال (۲) ہمیں کسی پھل (نارنگی) کی خوشبو، ذائقہ، لمس شکل جسامت، اور گولائی وغیرہ کا کسی ایک ہی وقت میں تجربہ ہوتا ہے۔ لہذا اس پھل کے یہ احساسی نقوش قانون مقارنت کے ماتحت اس طریقہ پر آپس میں رشتہ قائم کرلیتے ہیں کہ ہم ان میں سے کسی ایک امر کی نسبت بغیر شعور میں اسکے باقی دیگر احساسی نقوش کے موجود ہوئے کچھ خیال نہیں کرسکتے یعنی اگر ہمارے روبرو نارنگی کا نام لیاجاتا ہے تو اسکے دیکھے، سونگھے، چکھے، اور چھوئے ہوئے بغیر ہمارے شعور میں اسکی شکل، خوشبو، ذائقہ، جسامت اور مس کی احساسی تصویر عود کرآتی ہے؛ اسی طرح کسی کتاب کو دیکھ کر ہمیں اسکے مصنف کا نام یاد آجاتا ہے۔ یا کسی شخص کو

دیکھ کر ہمیں اس کا نام، اس کا مکان، اس کا پیشہ اور اس کی زندگی کے واقعات یاد آجاتے ہیں، یا آسمان پر ابر دیکھ کر ہمارے ذہن میں بارش کی آمد کا خیال پیدا ہوجاتا ہے۔ بارش کے خیال کے باعث ہم ہاتھ میں چھتری اُٹھا لیتے ہیں۔

مثال (۳) ا ب ت ث ..... وغیرہ قانون مقارنت کے زیر اثر ہمارے تحت الشعور میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقہ پر متحد ہوجاتے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی ایک حرف ہمارے شعور میں برانگیخت ہوتا ہے تو اس سے آگے کے باقی دیگر حروف بھی ہمارے شعور میں موجزن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

مثال (۴) جب ہم کسی زبان کو شروع کرتے ہیں تو اوّل اوّل اسکے الفاظ کو لوگ زبان کرنے کے لئے بہ آواز بلند ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آواز قانون مقارنت کے زیر تحت الفاظ کے ساتھ اسقدر متحد ہوجاتی ہے کہ جب ہم اس زبان کی عبارت کو خاموشی کے ساتھ بغیر لب ہلائے ہوئے پڑھتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ ہم ان الفاظ کی آواز کو بھی سنتے جاتے ہیں۔

مثال (۵) زندگی یا تاریخ کے واقعات گو یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن چونکہ انکے درمیان زمانی یا مقامی نزدیکی موجود ہوتی ہے اس لئے وہ ذہنی حلقوں کی زنجیروں میں گرفتار رہتے ہیں، اور جب ان میں سے کوئی ایک واقعہ ہمارے شعور میں مراجعت کرتا ہے تو باقی دیگر واقعات بھی ہمارے ذہن میں متحرک ہوسکتے ہیں۔

غرضیکہ مندرجہ بالا طریقہ پر ہمارے تحت الشعور میں قانون مقارنت کے زیر تحت سلسلۂ خیالات کے گروہ اور جماعتیں معہ اپنی جذباتی اور ایتلافی تحریکات کے قائم ہو ہو کر محفوظ ہوتی رہتی ہیں اور جب خیالات کی کسی ایک جماعت کا کوئی ایک امر ہمارے شعور میں حرکت کرتا ہے تو اسکے باقی دیگر امور بھی معہ اپنی ایتلافی اور جسمانی تحریکات کے ہمارے شعور میں متحرک ہوجاتے ہیں۔

قوانین ایتلاف کے ذریعہ سے سلسلۂ خیالات کی کیونکر نمو ہوتی ہے

مندرجہ بالا بیان کی تشریح سے ناظرین پر یہ امر کما حقہ واضح ہوگیا ہوگا کہ قوانین ایتلاف ہمارے سابقہ تجربات کا کس طریقہ پر ہمارے تحت الشعور سے شعور میں استرجاع کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے، قانون مقارنت کے ماتحت خیالات کی جماعتوں کی بندش قائم ہوتی ہے اور ان میں سے ہر جماعت کے امور قانون مقارنت کے زیر تحت کسی ایک ہی عام عنصر کی ڈوری میں باہمدگر منضبط اور پیوستہ ہوکر ہمارے تحت الشعور میں محفوظ رہتے ہیں۔ جب خیالات کی جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کا کوئی ایک امر یا عنصر ہمارے شعور میں متحرک ہوتا ہے تو چونکہ اس کا تعلق اس جماعت کے کل امور کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی ایتلافی اور کسی جسمانی فعل کے نئے اپنی جسمانی تحریک کے باعث ہمارے شعور میں اس جماعت کے نہ صرف کل امور کی بازیافت کرا دیتا ہے بلکہ وہ ہماری جسمانی حرکت کے ذریعہ سے ان جذبات کا بھی اظہار کرا دیتا ہے جو اس جماعت کے کل امور سے مناسبت رکھتے ہیں، قانون مشابہت کے اثرات اس سے بھی کہیں زیادہ قوی ہوتے ہیں یعنی وہ خیالات کی ہر جماعت میں جس کی بندش ہمارے کسی سابقہ تجربہ میں قانون مقارنت کے ماتحت ہوئی تھی دخل حاصل کرکے ہمارے تحت الشعور سے شعور میں مشابہت کی برانگیختگی کے باعث بیسیوں دوسرے خیالات کی جماعتوں کا معہ انکے جذبات کے جو عضلاتی تحریکات پر مشتمل ہوتی ہیں استرجاع کرا سکتا ہے۔ مثلاً ہم اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھے ہوئے ہیں کہ یکایک ہماری نظر ایک روزانہ اخبار پر پڑی، اس اخبار کو دیکھ کر ہمارا ذہن ایک جانکاہ اور اندوہناک حادثہ کی طرف جسمیں کہ ہمارے ایک عزیز کی ریل کے نیچے دب کر جان تلف ہوئی تھی منتقل ہوگیا، (یہ ذہنی عمل قانون مقارنت کے ماتحت وقوع پذیر ہوا) اس واقعہ کا ہمارے ذہن میں موجزن ہونا تھا کہ ہماری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور ہم سرد آہیں بھرنے لگے، (خیالات کی جذباتی تحریکات معہ اپنی عضلاتی یا جسمانی حرکات کے) ہم اسی خیال میں منہمک تھے کہ ریل کی مشابہت کی برانگیختگی کی وجہ سے ہمیں اپنا بمبئی کا ریل کا سفر یاد آگیا۔ (یہ ذہنی عمل قانون مشابہت کے زیر اثر وقوع پذیر ہوا) وہ کل دلفریب اور دلکش مناظر ہمارے ذہن میں دوڑنے لگے جو بمبئی اور پونا کے راستہ میں ہماری نظر سے گذرے تھے (قانون مقارنت) اسوقت بجائے مغموم ہونے کے فرحت انگیز لہریں ہمارے جسم میں اٹھنے لگیں۔ (خیالات کی جذباتی تحریک معہ اپنی عضلاتی یا جسمانی حرکات کے) اس ل[illegible]

مثلاً کے خیال کو ہمارے ذہن میں چند ہی لحظے گذرے ہونگے کہ ہمارا ذہن کلکتہ کے باغ عدن کی طرف منعطف ہوگیا (قانون مشابہت) غرضیکہ قانون مشابہت اس طریقہ پر ہمارے خیالات کی ہر جماعت کے ہر امر کو متحرک کرسکتا ہی اور اس کا رشتہ کسی دوسری جماعت کے کسی ایک امر سے قایم کرکے اس طرح سیکڑوں خیالات کی جماعتوں کو یکے بعد دیگرے ہمارے شعور میں موجود کراسکتا ہی، حتی کہ خیالات کا یہ سلسلہ ایک نا متناہی سلسلہ ہوجاتا ہی۔

ہماری مسلسل ذہنی حالتوں کا ایک کثیر حصہ جسے بالعموم "خیالات" سے تعبیر کیا جاتا ہی ایسی ہی ذہنی تصاویر کے سلسلوں سے مرکب ہوتا ہی جن کا نمو مشابہت اور مقارنت کے باعث ایک سے دوسرے کی برانگیختگی پر منحصر ہوتا ہی۔

کسی خیال کی ایتلافی تحریک کے باعث سب سے پہلے کوئی خاص امر ہی ہمیں کیوں یاد آتا ہے

یہ قانون قدرت ہی کہ ہمارے کسی شعوری خیال کی ایتلافی تحریک جو قانون مشابہت یا مقارنت کے ماتحت اپنا فعل انجام دیتی ہی وہ سابقہ تجربات کی تحت الشعور سے شعور میں واپسی کے لئے آسان ترین ذرائع پر کاربند ہوتی ہی یہ ذریعے چار ہیں۔ عادت، تأثر، مقارنت زمانی اور مقارنت مقامی، لہذا جس وقت کسی قسم کا خیال ہمارے شعور میں پیدا ہوتا ہی تو اس کی ایتلافی تحریک گو اس جیسے یا اس سے تعلق رکھنے والے کل سابقہ خیالات کے ساتھ جو اسوقت تک ہمارے تجربہ میں آچکے ہیں الحاق پیدا کرلیتی ہی۔ مگر وہ ان سب کے ساتھ یکساں مضبوط اور مستقل ذہنی حلقے قایم نہیں کرتی، بلکہ وہ ان میں سے اسی ایک کو سب سے پہلے تحت الشعور سے شعور میں متحرک کرانے کی طرف راغب ہوتی ہی، جو روزمرہ ہمارے تجربہ میں آتا رہتا ہی یا جس کے ہم عادی ہوچکے ہیں (عادت) یا وہ خیال برانگیختہ ہوتا ہی جس سے کہ ہم بے حد متأثر ہوچکے ہیں، (تأثر) یا وہی خیال عود کرتا ہی جو نزدیک ترین زمانہ میں ہماری نظر سے گذر چکا ہی، (مقارنت زمانی) یا وہی خیال بازیافت ہوتا ہی جو نزدیک ترین مقام پر ہمارے مشاہدہ میں آچکا ہی (مقارنت مقامی) فرض کرو کسی شخص کے پاس ہم نے اودے رنگ کا ایک رومال دیکھا، پس اودے رنگ کی اشیاء کے ساتھ جنھیں ہم پہلے دیکھ چکے ہیں رشتہ قایم کرے گا۔ لہذا ہم جو اس رومال کے اودے رنگ کو اس جیسے رنگ کی شے کے ذریعے جو بیشتر ہمارے تجربہ میں آچکی ہو شناخت کرینگے یا اس رومال کے دیکھنے کے بعد ہمارے سابقہ تجربات میں سے جو اودے رنگ کی شے ہمیں یاد آئے گی، اسکا عمل درآمد یا تو اس اودے رنگ کی شے کی وجہ سے ہوگا جو روزمرہ ہمارے تجربہ میں آتی رہتی ہی یا اس اودے رنگ کی شے کی بدولت ہوگا جس کا ہم پر گہرا اثر پڑ چکا ہی یا اس اودے رنگ کی شے کے باعث ہوگا جو نزدیک ترین زمانہ یا نزدیک ترین مقام پر ہماری نظر سے گذر چکی ہی۔

جب کسی ایک ہی عام عنصر کے ساتھ مختلف قسم کے خیالات مختلف مقامات پر قانون مقارنت کے ماتحت متحد ہوجاتے ہیں تو جب کبھی ہم اس عام عنصر کا خیال کرتے ہیں تو اسوقت بھی یہی چار ذریعے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اس سے متعلقہ خیالات میں سے کون سے خیالات کو سب سے پہلے ہمارے تحت الشعور سے شعور میں آنا چاہئے مثلاً الف امر کے مختلف قسم کے لوازمات یعنی ا ج د ـ ا ر ف ا س ص ، ل م ، ا ن ہی وغیرہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر ہماری نظر سے گذرے، اب اگر الف امر ہمارے شعور میں متحرک ہوگا تو وہ اپنا تعلق اپنے کل مختلف لوازم کے ساتھ قایم کریگا جو اسوقت تک مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر ہماری نظر سے گذر چکے ہیں، اب رہا یہ طے کرنا کہ شعور میں الف امر کے خیال کی تحریک کے باعث سب سے پہلے اسکے مختلف لوازمات میں سے کون سے لوازمات ہمارے تحت الشعور سے شعور میں واپس آئینگے اس کا فیصلہ اس امر پر منحصر ہوگا کہ ان میں سے کون سے سب سے زیادہ ہمارے تجربہ میں آتے رہتے ہیں (عادت) یا ان میں سے کون سے ہم پر اپنا سب سے زیادہ گہرا اثر قایم کرچکے ہیں۔ (تأثر) یا ان میں سے کون سے نزدیک ترین زمانہ میں ہماری نظر سے گذر چکے ہیں (مقارنت زمانی) یا ان میں سے کون سے نزدیک ترین مقام پر ہمارے مشاہدہ میں آچکے ہیں (مقارنت مقامی)

قوانین ایتلاف کے مندرجہ بالا چار ذرائع سے یہ بخوبی واضح ہوجاتا ہی کہ خیالات کی بعض جماعتیں کیوں بہ آسانی ہمیں یاد آجاتی ہیں۔ بعض کیوں خود بخود بلا کسی کوشش کے ہمارے ذہن میں دورہ کرتی رہتی ہیں۔ بعض کیوں بلا خاص تحریک کے

ہمیں یاد نہیں آتیں بعض کیوں بشکل ہمارے ذہن میں برانگیختہ ہوا کرتی ہیں، اور بعض کیوں مطلقاً ہمارے ذہن میں داخل نہیں ہوتیں یعنی تحت الشعور سے شعور میں سابقہ تجربات کی واپسی کے لئے قوانین ایتلاف کے ان چار ذریعوں کے درجوں کی شدت میں ہماری دلچسپیوں کے مطابق ہر گھڑی اور ہر لحظہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو بغیر ہماری کوشش کے بھی ہمارے ذہن میں داخل ہوتے رہتے ہیں، اور بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جن کی واپسی کے لئے ہماری ارادی کوشش ناکارہ ثابت ہوتی ہے لیکن پھر بھی یہ ہمارے شعور میں کسی ایسے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں جبکہ ہمیں ان کا وہم و گمان تک نہیں ہوتا

مطائبت آزاد

(از جناب ابوالاحسان حکیم الطاف احمد صاحب، آزاد، انصاری)

کیا خبر تھی، پردہ ہائے لطف میں — جور کی بنیاد ڈالی جائے گی
کون واقف تھا کہ شکل آرزو — درد کے قالب میں ڈھالی جائے گی
حسرتِ اظہارِ غم برحق، مگر — بات بھی منہ سے نکالی جائے گی؟
التماسِ شوق سے کیا فائدہ — جانتا ہوں بات خالی جائے گی
شکر کو شکوہ تو ثابت کیجئے — شرم سے گردن جھکالی جائے گی
نازِ خودداری غلط ثابت ہوا — عادتِ تسلیم ڈالی جائے گی
نالۂ آزاد ہے یا مسخرہ — آہ درویش اور خالی جائے گی

تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے

تو اور پاسِ خاطرِ اہلِ وفا کرے — امید تو نہیں ہے، مگر ہاں خدا کرے
اے کاش اضطرابِ محبت بنا رہے — اے کاش دردِ حق رفاقت ادا کرے
تکرارِ لن ترانی پیہم روا نہ رکھ — ایسا نہ ہو کہ شوق تماشا گلا کرے
کیا فائدہ کہ شکوۂ جور و جفا کروں — کیا جانتا نہیں ہوں کہ تو اور وفا کرے
شاید تمھیں ہنوز یہ الفاظ یاد ہوں — تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے
اب انتہائے یاس کا امیدوار ہوں — شاید یہی علاج کوئی فائدہ کرے



"میں غریب ہوں، فاقہ مست ہوں، سب کچھ ہوں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میری طبیعت میں کمینہ پن نہیں ہے" بوڑھے سکندر بیگ نے کسی قدر کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ "بھائی سلیم، تم یہ نہ خیال کرنا کہ میں خدانخواستہ تمہارا برا چاہتا ہوں یا تم سے ناخوش ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہے، لیکن میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ تم اپنے والد کی مرضی کے خلاف عمل کرو۔"

سلیم۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے بہت محبت ہے اور یہ وہم کسی وقت میں بھی میرے دل میں نہیں گذر سکتا کہ آپ میرے بدخواہ ہیں، لیکن اب آپ ہی بتائیے کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں، آپ کو خود بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ دنیا بھر میں میرے دل کی تسکین کا باعث اگر کوئی ہے تو وہ رضیہ ہے (کسی قدر شرما کر) اور ایسی حالت میں کہ وہ بھی مجھے برا نہیں سمجھتی میں کسی طرح بھی اسکے لئے تیار نہیں ہوں کہ صرف دولت اور جائداد کی خاطر اسے چھوڑ دوں۔ اگر رضیہ مجھ سے مانوس نہ ہوتی تو میں آپ سے اس قسم کا ذکر تک نہ کرتا، لیکن یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ جب آپ بھی مجھ سے خوش ہیں اور رضیہ بھی رضامند ہے تو میں ابا جان کی اس دھمکی سے مغلوب ہو جاؤں کہ وہ مجھے عاق کر دینگے، اور انکی بیشمار دولت میں مجھے کوئی حصہ نہ ملیگا۔

سکندر بیگ، بیٹا، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں دولت کا غلام بنا دینا میرا مقصد ہے۔ خدا اس دن کو موت دیدے جس دن سکندر بیگ کے خیالات ایسے ذلیل ہو جائیں! اصل یہ ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تم اپنے والد کی مرضی کے خلاف رضیہ سے شادی کرو۔ میں اگر غریب نہ ہوتا تو شاید اسے توہین نہ خیال کرتا، لیکن موجودہ صورت میں ایک امیر آدمی کا یہ برتاؤ کہ وہ اپنے بیٹے کو میری بھتیجی کے ساتھ شادی کرنے سے روکے مجھے یقیناً حقارت آمیز نظر آتا ہے، اور تم خود بھی خوب جانتے ہو کہ میں نے رضیہ کو کس طرح پالا ہے۔ اس کی تحقیر اور اسکی ذلت مجھے کسی صورت میں بھی گوارا نہیں ہو سکتی، تمہارے والد امیر ہیں، صاحب جائداد ہیں، خان بہادر ہیں اور حکام رس ہیں، غرضکہ سب کچھ ہیں لیکن وہ جو کچھ بھی ہیں صرف اپنے ہی لئے ہیں، اور سکندر بیگ اگر غریب ہے، فقیر ہے، محتاج ہے، مفلس ہے تو اپنے لئے ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ تمہارے والد سکندر بیگ کو حقیر اور ذلیل خیال کرتے ہیں، سکندر بیگ کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو انکے گھر ذلیل ہونے کے لئے بھیجدے۔

سلیم۔ لیکن مرزا صاحب رضیہ تو میرے دل کی مالک بنکر جائے گی، کس کی مجال ہے جو اسے ذلیل کر سکے۔ میری زندگی میں تو ہرگز ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ میں آپ سے کہے دیتا

کہ ابّا جان نے صاف صاف کہدیا ہے کہ اگر میں نے رضیہ سے شادی کی تو رضیہ کو کیا معنی، وہ مجھ کو گھر میں گھسنے دینگے۔ پھر اس بات کا اندیشہ کہاں باقی رہتا ہے کہ میرے گھر والوں میں سے کوئی رضیہ کی توہین کر سکے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے وہ آرام نہ میسر آسکے گا جو اس صورت میں میسر آتا کہ جب یہ شادی ابّا جان کی مرضی سے ہوتی۔

سکندر بیگ۔ آرام اور آسایش کی ضرورت غریبوں کی بیٹیوں کو نہیں ہوتی، وہ دنیا میں اسی لئے آتی ہیں کہ مدت العمر دوسروں کی خدمت کیا کریں اور ہر قسم کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں اٹھایا کریں۔ چکیاں پیسنے اور سلائیاں سینے والی لڑکیوں کو دنیا کے عیش اور آرام سے کیا واسطہ؟ رضیہ کی تکلیف کا تو مجھے ذرا سا بھی خیال نہ تھا کیونکہ مجھے تمھاری محبت کا صحیح اندازہ ہے، میرے لئے تو یہ خیال تکلیف دہ ہے کہ تم نہ سہی، تمھارے اعزا اور احباب یہ کہیں کہ ایسی منحوس لڑکی تھی کہ میاں کو جائداد تک سے محروم کرا کے اپنا ہی جیسا فقیر بنا لیا۔ رضیہ کا دل مجھ سے بھی زیادہ حساس ہے اسے اس قسم کے فقرے سنکر اور بھی زیادہ تکلیف ہوگی۔

سلیم۔ (کسی قدر زباں دبا کر) مرزا صاحب اگر آپ کو میرے جذبات کا کچھ پاس نہیں ہے تو کم از کم رضیہ ہی کے جذبات کا لحاظ کیجئے، آپ ناواقف نہیں ہیں کہ اب اسے بھی مجھ سے کافی دل بستگی ہوگئی ہے، اور بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی دل بستگی کا باعث بھی آپ ہی ہوئے ہیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ آپ اسے کسی بہت اچھی جگہ بیاہیں، اور یقیناً یہ ایک بہت اچھی خواہش تھی۔ لیکن اب جبکہ اتفاق سے وہی جگہ آپکی نگاہوں میں بری ہوگئی تو آپ اسے مجبور کر رہے ہیں کہ اپنی دل بستگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اب آپکو اس بات کا ذرا سا بھی خیال نہیں ہے کہ ایسا کرنے سے اسے کتنی تکلیف ہوگی۔

سکندر۔ یوں اسے خواہ کتنی بھی تکلیف کیوں نہ ہو لیکن وہ اس ذلت سے ضرور کم ہوگی جو تمھارے ساتھ شادی کرنے میں اسے برداشت کرنی پڑیگی، یہ بالکل صحیح ہے کہ اسے میں نے ہی تم سے متعارف کرایا، اور یہ بھی سچ ہے کہ ابھی چند روز پیشتر تک یہ میری دلی تمنا بھی تھی کہ تم دونوں کی زندگیاں ایک ہوجائیں اور تم زیادہ سے زیادہ الفت اور محبت کے ساتھ باہم عمر بسر کرو، لیکن میں کیا کروں حالات بدل گئے، تمھارا کچھ قصور نہیں ہے، لیکن تمھارے والد نے جن مغرورانہ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اب مجھے کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتے کہ رضیہ کی شادی تمھارے ساتھ کروں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ رضیہ کو بھی تم سے اتنی ہی محبت ہے کہ جتنی تمھیں اس سے ہے، اور مجھے یقین ہے کہ تمام دنیا میں اگر کوئی شخص اسے خوش و خرم رکھ سکتا ہے تو وہ تمھیں ہو، مگر میں عزت بیچکر اسکے لئے خوشی خریدنے کو تیار نہیں ہوں۔

سلیم۔ اگر عزت بیچکر آپ کو خوشی خریدنی پڑتی تو میں کبھی ہرگز آپ سے ایسی درخواست نہ کرتا۔ رضیہ کی عزت میری جان کے ساتھ ہے جس مکان میں یا جس جگہ رضیہ ہوگی وہاں ناممکن ہے کہ کسی ایسے شخص کا گذر ہو جو اسے ذلت کی نگاہ سے دیکھ سکے، البتہ یہ ضرور ہے کہ جیسا میں اس سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں، اسے وہ راحتیں میسر نہیں آسکتیں جو ایک امیر گھر میں میسر آتیں۔ رضیہ کی شادی اگر آپ کرینگے تو میرے ساتھ کرینگے، اور اسپر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا کہ میرے والد کے خیالات آپکے یا اسکے متعلق کیا ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس سے تو انہی کے غرور کو صدمہ پہونچے گا کہ جس غریب گھرانے کو انھوں نے ذلت اور تحقیر کی نگاہ سے دیکھا تھا اسی کے دروازہ پر ان کا اپنا بیٹا ایک سائل کی حیثیت سے کھڑا ہوا ہے۔

سکندر۔ نہیں بھائی نہیں! دنیا یہی کہے گی کہ میں نے روپیہ پیسے کی لالچ سے ایک امیر گھر کے بچے کو پھانسکر اسکے ساتھ اپنی بھتیجی کی شادی کر دی تھی، اور اس امیر گھرانے نے میری لڑکی کو مخمل میں ٹاٹ کا پیوند سمجھ کر قبول نہ کیا اور اپنے گھر میں بھی نہ گھسنے دیا۔ رضیہ ایک مزدور کی بچی ہے لیکن مزدور بھی کچھ عزت رکھتے ہیں اور انھیں اس طرح ذلیل نہیں کیا جا سکتا، تمھاری تکلیف، اور تم دونوں کے رنج کے خیال سے میرا دل دکھتا ہے، مگر بھائی سلیم میں اسے کیا کروں کہ اپنی یا رضیہ کی تذلیل مجھے کسی طرح گوارا نہیں ہوسکتی، تمھیں بھی سخت رنج ہوگا، اور رضیہ بھی اس غم سے تباہ ہو جائے گی، لیکن اب جو کچھ بھی ہو، بے عزت ہو کر جینے سے اسکا اور میرا دونوں کا مرجانا ہی بہتر ہے۔

سلیم۔ (حسرت بھرے لہجہ میں) مرزا صاحب آپنے صحیح رائے نہیں قائم کی، آپ بالکل ایک خیالی اور فرضی توہین سے بچنے کے لئے دو ایسی زندگیوں کو تباہ کر رہے ہیں جو میں اچھی

طرح جانتا ہوں کہ آپ کو بہت ہی عزیز ہیں - میں ابھی آپ سے جواب نہیں مانگتا، آپ ابھی پھر غور کیجئے اور جب آپکی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ اس طرح رضیہ کی ذرا سی بھی ذلت یا توہین نہ ہوگی تو اسوقت میری درخواست کا جواب دیجئگا، میں آپکی زبان سے انکار نہیں سُن سکتا، میں دُنیا اور دُنیا کی تمام دلچسپیوں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنی اس رضیہ کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا جسے آپ ایک بہت بڑی حد تک خود مجھے دے چکے ہیں - بچپن سے اسوقت تک ہم دونوں ساتھ ساتھ رہے ہیں اور دس بارہ برس تک جن دو دلوں کو آپنے خود جوڑا تھا کیا اب محض ایک خیال اور ایک وہم کی بنا پر آپ انھیں توڑ ڈالینگے؟ نہیں مرزا صاحب خدا کے لئے ایسا نہ کیجئے! (آواز بھرانے لگی)

سکندر بیگ سے بھی ضبط نہ ہوسکا اور سلیم کو روتے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو رواں ہوگئے، دونوں تھوڑی دیر تک روتے رہے پھر بالآخر سکندر بیگ نے اپنے بھی آنسو پونچھے اور سلیم کو بھی خاموش کیا، اور کچھ عرصہ کی خموشی کے بعد کہا،

سکندر، تم کہتے ہو کہ ابھی میں اس معاملہ پر اور غور کروں۔ اچھا میں ایسا کرونگا لیکن بھائی سلیم میرا خیال ہے کہ اگر مسلسل چھ مہینے تک غور کرنے کے بعد بھی میں جواب دونگا تو وہ یہی ہوگا جو میں نے آج دیا تھا، البتہ اگر تمھارے والد ہی کے خیالات میں تبدیلی ہو جائے تو دوسری بات ہے،

سلیم، نہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ ہم دونوں پر ہرگز ایسا سخت ظلم نہ کرینگے جبکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم بے قصور ہیں، اور جبکہ آپکو یہ بھی یقین ہوجائے کہ رضیہ کسی طرح اور کسی حالت میں ذلیل نہیں ہوسکتی۔

سکندر۔ دیکھا جائے گا، ابھی مجھے غور کرنے دو۔

سلیم غسل سے فارغ ہوکر اور اپنا ٹینس کھیلنے کا بلّا اٹھا کر کمرہ سے نکل ہی رہا تھا کہ نوکر نے اسے ایک تار لاکر دیا حسب معمول جلدی اور اضطراب کے ساتھ اسنے لفافہ چاک کرکے اسے پڑھا تو اسمیں حسب ذیل پیغام تھا،

"میرا آخری وقت ہے فوراً آؤ - سکندر بیگ"

سلیم نے تار کو دوبارہ پڑھا اور ایک بالکل غیر اختیاری طریقہ پر وہ قریب کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔

مرزا صاحب سخت بیمار ہیں، مجھے فوراً جانا چاہئے، اس موقع پر مجھے آخر کیوں بلایا جا رہا ہے - ممکن ہے کہ اب انکے خیالات تبدیل ہوگئے ہوں اور وہ رضیہ کو میرے ....

(زیر لب مسکرا کر) خدا کرے ایسا ہی ہو مگر ابّا جان؟ وہ بھلا کیوں اسے گوارا کرنے لگے تھے، انھیں ہرگز یہ منظور نہ ہوگا کہ میں ایک غریب اور مفلوک الحال شخص کی لڑکی سے شادی کروں، دولتمندی خدا کی ایک نعمت ہے مگر میں ایسا بدنصیب ہوں کہ میرے حق میں وہی سب سے بڑا عذاب بن گئی ہے - پھر اب کیا کروں؟ یہ تو یقینی ہے کہ ابّا جان ہرگز راضی نہ ہونگے پھر؟ پھر کیا، اب سوچنا فضول ہے - اب تو بالکل صاف بات ہے یا رضیہ اور یا دولت وحشمت - مجھے دولت کی ضرورت نہیں ہے، اگر ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا کہ جس سے مجھے محبت ہے کوئی جرم یا گناہ ہے تو میں اس گناہ کے کرنے پر مجبور ہوں - ابّا جان کی مرضی، وہ اگر مجھے محروم الارث یا عاق کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کردیں، دولت کی خاطر رضیہ نہیں چھوٹ سکتی، ایسی ایسی ہزاروں جائدادیں اسپر قربان کی جاسکتی ہیں - بس تو پھر اسی وقت چل دوں .... ہاں بس یہی ٹھیک ہے ایک خط لکھ کر ابّا جان کے لئے رکھے جاؤں - یہ میری آخری درخواست ہوگی - اگر انھوں نے اب بھی منظور نہ کیا تو آئندہ اس گھر میں آنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے،

سلیم نے بیٹھ کر جلدی جلدی ایک خط اپنے والد کے نام لکھا اور لفافہ میں بند کرکے نوکر کو دے دیا کہ رات کو جب نواب محمد نعیم صاحب آئیں تو انھیں دیدیا جائے۔

خط سے فارغ ہوکر اسنے ایک ہینڈ بیگ میں چند ضروری چیزیں رکھیں اور اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسی وقت روانہ ہوگیا۔

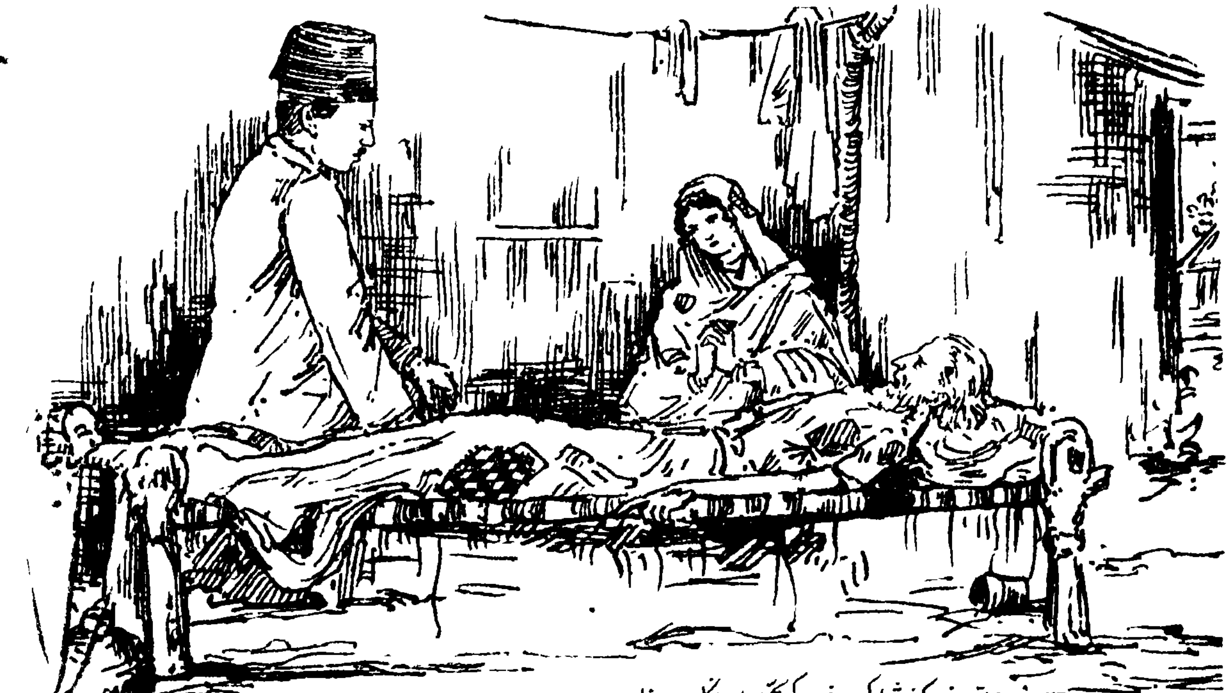
بریلی سے جہاں سلیم کا گھر تھا نواںگنج کا فاصلہ جہاں مرزا سکندر بیگ رہتے تھے بیس میل کے قریب ہو۔ موٹر سائیکل پر اتنا ذرا سا فاصلہ کیا معلوم ہوسکتا تھا مگر سلیم کو یہ بیس
ل دو سو میل سے کم نہ معلوم ہوئے، اسکا دماغ طرح طرح کے خیالات سے بھرا ہوا تھا۔ کبھی رضیہ سے ملنے کی خوشی اسے دیوانہ بنا دیتی، اور کبھی یہ خیال کہ مبادا مرزا صاحب
ے کسی اور غرض سے بلایا ہو اس کی ساری خوشی پر پانی پھیر دیتا۔ بڑے انتظار کے بعد آخر اسے دور سے نواںگنج کی عمارتیں نظر آنی شروع ہوئیں۔ اور اختلاج قلب کی وجہ سے اسکو
ئیکل کا سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ سڑک چھوڑ کر بہت سا کچا راستہ طے کرنے کے بعد مرزا صاحب کا مکان آیا، اور بائیسکل سے اتر کر اسنے آواز دی، رضیہ نے کواڑ کھول کر
سے اندر بلا لیا اور اب اسنے دیکھا کہ مرزا صاحب فی الحقیقت مرض الموت میں گرفتار تھے۔

افسردہ پژمردہ وہ انکے بستر کے قریب پہونچا، اور انھیں اپنے آنے کی اطلاع کی، مریض کے چہرے پر ہلکی سی خوشی کی لہر دوڑتی معلوم ہوئی، انھوں نے بدشواری آنکھیں کھولیں اور
بت ہی بے ربط طریقہ پر رُک رُک کر کہا۔

"تم آگئے ——— اب میں ——— اطمینان سے ——— مرونگا ——— رضیہ کا ——— ہاتھ میں تمھارے ——— ہاتھ
ں دیتا ہوں ——— خدا تم ——— دونوں کو خوش ——— رکھے ——— یہ غریب کی ——— بچی ہے ——— اسے تکلیف ——— نہ دینا ——

رضیہ ادہر ——— آؤ ——— لا الہ ——— الا اللہ ——— محمد ——— ......

مرزا صاحب کی روح پرواز کر گئی اور سلیم اور رضیہ دونوں بے اختیار رونے لگے۔



خدا تم دونوں کو خوش رکھے، یہ غریب کی بچی ہے اسے تکلیف نہ دینا،

تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد سلیم کو اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ رضیہ کا کیا انتظام کرے اور
اسے کہاں رکھے، جہاں تک رضیہ کو معلوم تھا دنیا میں اس کا اس باپ کے سوا کہ جس کا اب انتقال

ہوچکا تھا کوئی اور رشتہ دار موجود نہ تھا۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن تھا کہ اسے نوابگنج میں بالکل یکہ و تنہا چھوڑ دیا جائے۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اسے اپنے گھر بریلی ہی میں لے جائے کیونکہ اسے اپنے باپ کی دھمکی یاد تھی، اور اسکا بھی کوئی امکان نظر نہ آتا تھا کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر نوابگنج میں سکونت اختیار کرلے، کیونکہ اسکے پاس ان تھوڑے سے روپیوں کے علاوہ کہ جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا اور کچھ نہ تھا۔ تقریباً پندرہ بیس روز تک تو انھیں کوئی خاص تکلیف محسوس نہ ہوئی اور سلیم کے مختصر سرمایہ سے کام چلتا رہا لیکن گنتی کے دس پانچ روپئے آخر کب تک کام دیتے؟ مرزا سکندر بیگ کے انتقال کے ایک مہینے کے بعد ایسی حالت رونما ہوگئی کہ رضیہ اور سلیم کے پاس ایک پیسہ تک نہ رہا اور فاقوں پر نوبت ہوگئی۔ مجبور ہوکر دونوں نے یہی طے کیا کہ بریلی میں جا کر رہیں تاکہ وہاں سلیم کوئی کام کرسکے جس سے کچھ آمدنی ہو۔

بریلی سے پیلی بھیت جانے والی سڑک پر بریلی سے کوئی پانچ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ سلیم اکثر اس گاؤں میں شکار کھیلنے آیا کرتا تھا اور گاؤں کے نمبردار سے اس کی اچھی خاصی ملاقات سی ہوگئی تھی۔ اس موقع پر اسنے اس ملاقات سے فائدہ اٹھایا اور ایک مختصر سا مکان لیکر اسی گاؤں میں رہنے لگا۔

اس گاؤں میں آئے رضیہ کو تین روز ہوچکے تھے، چوتھے دن صبح کو جب سلیم بریلی جانے لگا تو اسنے کہا،

رضیہ۔ اس سے تو اگر کسی اور شہر کو ہم گئے ہوتے تو شاید اب تک کوئی نہ کوئی کام مل ہی جاتا۔ تین دن تمھیں پھرتے ہوچکے اور ابھی تک کوئی صورت نہیں نکلی۔

سلیم۔ رضیہ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ میری وجہ سے تمھیں سخت تکلیف اٹھانی پڑی، مگر تم گھبراؤ نہیں، خدا نے چاہا تو آج میں ضرور ہی کہیں نہ کہیں سے کچھ لیکر آؤنگا،

رضیہ۔ مجھے تو کچھ بھی تکلیف نہیں ہے، اور اگر ہوتی بھی تو میں ان تکلیفوں کی عادی ہوں۔ مجھے تو تمھارا خیال ہے کہ دو وقت سے تم نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے، اور آج بھی خدا جانے کچھ ملے یا نہ ملے؛

سلیم (محبت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر) نہیں رضیہ ناامید نہ ہو، آج خدا نے چاہا تو ضرور کامیابی ہوگی۔

رضیہ۔ اب موٹر میں پٹرول بھی تو ذرا سا ہوگا۔

سلیم۔ ہاں، بہت ہی تھوڑا سا ہے۔ غالباً بریلی تک پہنچ سکونگا،

سلیم نے پھر ایک محبت کی نگاہ رضیہ پر ڈالی اور موٹر سائیکل پر سوار ہوکر بریلی کی طرف چل دیا۔

بریلی کی آبادی دو حصوں پر منقسم ہے۔ مشرقی سمت میں وہ حصہ ہے جو پرانے شہر کے نام سے مشہور ہے اور اس حصہ کے مغرب اور شمال مغرب کی طرف شہر کا وہ حصہ ہے جسے نیا شہر کہا جاتا ہے۔ ابتدائی زمانہ میں ممکن ہے کہ نئے اور پرانے شہر کے درمیان کوئی میدان حدِ فاصل کی طرح موجود ہو لیکن اب آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ انتہائی مغربی حصہ سے انتہائی مشرقی حصہ تک آبادی کا سلسلہ بالکل ایک سا چلا گیا ہے اور نیا اور پرانا دونوں شہر آپس میں بالکل مل گئے ہیں۔ بریلی کے اکثر پرانے اور امیر خاندان پرانے شہر ہی میں رہتے تھے۔ قاضی رفیع الدین صاحب بھی انھی پرانے خاندانوں میں سے ایک مشہور و معروف خاندان کی یادگار تھے، اور شہر سے تقریباً بالکل باہر آبادی کے آخری سرے پر ایک پرانی مگر عالیشان کوٹھی میں رہتے تھے۔

قاضی صاحب کے بزرگوں کے متعلق تو عام طور پر مشہور ہے کہ بریلی میں ان کی ٹکر کا امیر خاندان کوئی اور نہ تھا، لیکن خود قاضی رفیع الدین صاحب کے پاس اب دولت، اور جائداد بس واجبی ہی واجبی سی رہ گئی تھی۔ انکے والد نے اپنی نوجوانی کے زمانے میں اچھی طرح داد عیاشی دی تھی اور ان کی نادر فیاضیوں کی داستانیں اب تک بہت سی زبانوں پر تھیں۔ قاضی رفیع الدین ایک بہت ہی مرنجان مرنج طبیعت کے محدود الملاقات اور خاموش انسان تھے، اپنے والد کے برعکس انھیں عیش پرستیوں سے نفرت

تھی، اور اپنا بیشتر وقت مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں گذارا کرتے تھے۔ بھی کبھی جائداد کو بھی انھوں نے اپنی خوش انتظامی سے سنبھال لیا تھا، اور شہر میں اپنی ایک خاص قدر اور عزت قائم کرلی تھی، قاضی صاحب کی عمر اب چالیس سال کے قریب تھی، ان کی بیوی کا انتقال عین جوانی میں ہوگیا تھا، اور اس صدمہ کا انکے دل پر اس قدر گہرا اثر ہوا تھا کہ اسکے بعد انھوں نے پھر کبھی شادی کا خیال تک نہ کیا۔ اتنی بڑی کوٹھی میں قاضی صاحب بالکل یکہ و تنہا رہا کرتے تھے، اور دو تین نوکروں کے علاوہ کہ جو صرف مقررہ اوقات پر انکے کمرہ میں آتے تھے اور کوئی انکی تنہائی میں مخل نہ ہوا کرتا تھا۔

جمعہ کا دن تھا، قاضی صاحب نے سب معمول کلب سے واپس آکر شام کا کھانا کھایا، اور اپنے مطالعہ کے کمرہ میں ایک آرام کرسی پر لیٹ کر اخبار دیکھنے میں مشغول ہوگئے، مارچ کا مہینہ تھا، سردی قریب قریب رخصت ہو چکی تھی، قاضی صاحب نے اسی حالت میں اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ایک نیم خوابی کی سی حالت میں مبتلا ہوگئے، انھوں نے محسوس کیا کہ کمرہ کا دروازہ کسی نے کھولا، آہٹ سے وہ کسی قدر ہوشیار ہوئے اور آنکھیں کھولیں تو یہ منظر نظر پڑا کہ ایک شخص منہ پر نقاب ڈالے اور پستول نکالے سامنے کھڑا ہے۔ قاضی صاحب بزدل نہ تھے، لیکن ایسی حالت میں کہ پستول کی مہیب نال پیشانی سے صرف چند انچ کے فاصلہ پر نظر آرہی تھی وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔

نقاب پوش نے کسی قدر گرج کر کہا



"چیخنا چلانا آپکے لئے مضر ثابت ہوگا، قبل اسکے کہ کوئی مدد کے لئے پہونچ سکے، آپ دوسری دنیا میں پہنچ جائینگے"

روپیہ کسی حالت میں بھی جان سے زیادہ عزیز نہ ہونا چاہئے، مجھے روپیہ کی ضرورت ہو اور آپ سے لے کر جاؤنگا، بہتر یہی ہو کہ خوشی سے دیدیجئے، اسوقت آپ کتنا روپیہ مجھے دے سکتے ہیں؟ صحیح تعداد بتائیےگا، مجھے امید ہو کہ آپ جھوٹ نہ بولینگے۔

قاضی صاحب۔ میرے پاس کوئی رقم تو نہ کبھی ہوتی ہو نہ اب ہو۔ غالباً اسوقت ایک سو بیس روپئے میرے صندوقچے میں ہیں، آپ کا جی چاہے تو خود نکال لیجئے ورنہ کہئے تو میں نکال کر دے دوں۔

چور۔ یہ تو بہت ہی کم ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو وہ آپ ہی نکال دیجئے۔ میں آپکو تکلیف نہ دیتا لیکن احتیاط اسی کی متقضی ہو کہ پستول آپکے سر کے پاس سے نہ ہٹایا جائے۔

قاضی صاحب اُٹھے اور صندوقچہ کا قفل کھولکر ایک سو بیس روپئے نکالکر چور کے حوالے کردئے۔

چور۔ شکریہ! اب آپ ازراہ کرم یہ وعدہ بھی کریجئے کہ دس منٹ تک آپ نہ اپنی جگہ سے حرکت کرینگے اور نہ شور مچائینگے تو میں آپ کو اسی طرح آزاد چھوڑ جانے کے لئے تیار ہوں، ورنہ دوسری صورت میں مجھے آپکے منہ میں کپڑا ٹھونسنا پڑے گا اور آپکے ہاتھ پاؤں باندھنے کی زحمت اُٹھانی پڑے گی۔

قاضی صاحب، میں وعدہ کرتا ہوں۔

چور۔ صرف بہ نظر احتیاط میں اتنا اور بتا دوں کہ اگر آپنے وعدہ خلافی کی اور مجھے خطرہ نظر آیا تو مجھے واپس آنے اور اس پستول کو آپ پر خالی کرنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

قاضی صاحب، آپ اطمینان رکھئے، میں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔

چور نے بہ اطمینان تمام روپئے جیبوں میں ڈالے اور دروازہ پر پہونچکر کہا،

"اسوقت سے ٹھیک دس منٹ تک"

کمرہ کا دروازہ بند ہوگیا، اور گو بار بار قاضی صاحب کا دل چاہا کہ خلاف وعدہ شور و غل مچا کر نوکروں کو بلالیں، لیکن وہ خاموش بیٹھے رہے اور اسوقت تک ذرا سی بھی حرکت نہ کی کہ جب تک گھڑی میں دس منٹ پورے نہ ہوگئے، کوٹھی کے احاطے میں انھیں موٹر سائکل کی پھٹ پھٹ سنائی دی، اور انھوں نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ چور موٹر سائکل پر آیا تھا دس منٹ پورے ہوتے ہی وہ اُٹھے اور گھبرا گھبرا کر نوکروں کو آواز دی، ان سے سب حال کہا اور فوراً اپنی بائیسکل پر بیٹھ کر پولیس میں اطلاع دینے کے لئے چل دئے۔

پولیس کے سب انسپکٹر نے سب حالات سُنکر کہا،

۔ قاضی صاحب! ایک موٹر سائیکل تو ابھی ابھی یہاں سے گذری ہو۔ مشکل سے کوئی دو تین منٹ ہوئے ہونگے، غالباً چور آپکی کوٹھی سے دیر میں نکلا، یا ممکن ہو کہ راستہ میں پٹرول لینے کے لئے ٹھہر گیا ہو، بہرحال اگر اسوقت کوئی تیز موٹر کہیں سے ملجائے تو ہم اسے تھوڑی ہی دور پر گرفتار کرسکتے ہیں۔

قاضی صاحب۔ موٹر تو مل سکتی ہو اور تیز بھی ہو، اگر آپ چلنا چاہتے ہیں تو آئیے۔

انسپکٹر کو ساتھ لئے ہوئے قاضی صاحب چل پڑے، اور دو ایک سڑکوں پر مڑنے کے بعد مولوی نعیم الدین صاحب کے مکان پر رُکے جو بریلی کے ایک بہت ہی بڑے رئیس تھے، اور جو اکثر قاضی صاحب کے یہاں آیا جایا کرتے تھے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مولوی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں، اور دونوں عالم مایوسی میں واپس ہو رہے تھے کہ مولوی صاحب کے موٹر کی آواز انکے کان میں آئی۔

قاضی صاحب، غالباً مولوی صاحب آگئے،

انسپکٹر۔ خدا کرے وہی ہوں!

باہر نکلکر دیکھا تو فی الحقیقت مولوی نعیم الدین ہی تھے، بہت ہی جلدی جلدی قاضی صاحب نے اپنا قصہ دُہرایا، اور ان سے درخواست کی کہ اپنی موٹر تھوڑی دیر کے لئے دیدیں

مولوی صاحب، چلئے میں خود بھی چلتا ہوں،

قاضی صاحب، آپ کیوں تکلیف کریں۔

مولوی صاحب۔ اسمیں کیا تکلیف ہو۔ مجھے تو ایسی باتوں میں لطف آتا ہو۔

انسپکٹر صاحب کو موٹر میں بٹھایا گیا، مولوی صاحب چلانے والے کی جگہ بیٹھے، اور قاضی صاحب انکے برابر بیٹھ گئے، موٹر روانہ ہوگئی اور کچھ دور آگے جاکر دریافت کرنے پر جب

یہ معلوم ہوا کہ ایک موٹر سائیکل میلی بھیت والی سڑک پر گئی ہو تو اسی سڑک پر یہ سب بھی چل پڑے،

قاضی صاحب، مولنا آجکل سلیم کہاں ہیں؟

مولوی صاحب، مجھے اس نا سعدی کا کچھ حال معلوم نہیں، عرصہ ہوا کہ نواگنج سے اسکا ایک خط آیا تھا جسمیں یہ لکھا تھا کہ مرزا سکندر بیگ کا انتقال ہوگیا، اور وہ سخت تنگی

میں مبتلا ہو روپیہ بھی طلب کیا تھا اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ میں رضیہ کو گھر میں آنے کی اجازت دیدوں مگر میں نے نہ روپیہ بھیجا اور نہ کچھ جواب دیا۔

قاضی صاحب، آپنے بہت بُرا کیا،

مولوی صاحب، کیوں؟

قاضی صاحب۔ کیا آپکو یہ پسند ہو کہ نواگنج میں وہ فاقے کرتے کرتے مرجائے؟ اسے واقعی رضیہ سے دلی محبت ہو ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ تمام جائداد پر لات مار کر اسطرح چلا

مولوی صاحب، میں کیا کروں۔ مجھ سے تو یہ گوارا نہیں ہوسکتا کہ ایک مجہول الحال مفلس قلاش کی بیٹی میری بہو بنکر آئے،

قاضی صاحب، لیکن یہ گوارا ہو کہ خود آپکا بیٹا اس مجہول الحال مفلس سے بھی زیادہ نادار اور مفلوک الحال بنجائے۔

مولوی صاحب، جو کچھ بھی ہو۔

تقریبًا ساڑھے چار میل راستہ طے کرنے کے بعد سڑک پر موٹر سے بہت آگے ایک موٹر بائیسکل جاتی نظر پڑی اور سب کی نگاہیں اسی پر جم گئیں،۔

انسپکٹر، یہی ہو، ضرور یہی ہو، اب یہ بدمعاش کہاں بچ کے جائے گا،

مولوی صاحب، (موٹر کو کسی قدر اور تیز کرکے) جی ہاں بس ایک منٹ میں اسے پکڑے لیتے ہیں۔

موٹر لمحہ بہ لمحہ موٹر سائیکل سے قریب ہوتی جارہی تھی کہ یکایک موٹر کی تیز روشنی میں سبنے دیکھا کہ موٹر سائیکل سڑک چھوڑ کر داہنی جانب کو مڑ گئی اور کچے راستے پر چلنا شروع کر

انسپکٹر۔ سڑک چھوڑ دینے سے وہ اب بچ تھوڑا ہی سکتا ہو،

مولوی صاحب، میں موٹر کو بالکل اسکے پیچھے پیچھے لے چلونگا۔

جس جگہ سے سائیکل مڑی تھی اسی جگہ پہونچکر موٹر بھی داہنی طرف کو موڑی گئی، اور جب موٹر سائیکل گاؤں کے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے پہنچکر رُکی تو موٹر اسکے برابر

سلیم اپنی موٹر سائیکل سے اُترا اور حیرت زدہ ہوکر موٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ موٹر سائیکل اور موٹر کی آوازیں سُنکر رضیہ بھی دروازہ میں آکر کھڑی ہوگئی، موٹر میں سے

قاضی صاحب اور انسپکٹر صاحب اُترے، اور اب پولیس انسپکٹر کی وردی دیکھ کر سلیم کے چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

انسپکٹر۔ قاضی صاحب، یہی صاحب ہیں نا آپکے مجرم؟

آنا کہکر وہ سلیم کی طرف بڑھے کہ اسکا ہاتھ پکڑلیں،

قاضی صاحب نے انسپکٹر کی توقع کے خلاف فوراً جواب دیا اور کچھ چپ سے ہوگئے۔

انسپکٹر۔ قاضی صاحب! اب آپ خوف نہ کیجئے، اب آپ میرے ساتھ ہیں اب کسی کا پستول نہ نکل سکے گا، جلدی بولئے آپنے پہچان لیا؟

قاضی صاحب، (رک رک کر) جی میں خوفزدہ بالکل نہیں ہوں، میرا خیال ہو کہ ہم سے کچھ غلطی ہوئی، یہ نوجوان وہ نہیں ہو جو میرے کمرہ میں داخل ہوا تھا۔

انسپکٹر۔ (حیرت سے) آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ ذرا غور سے دیکھئے، جو حلیہ آپنے مجھے بتایا تھا وہ بالکل یہی تھا، آپ ڈرئیے نہیں، پھر دیکھئے،

قاضی صاحب، میں نے خوب دیکھ لیا۔ یہ شخص ہرگز نہیں سا ہے۔

انسپکٹر۔ (مشتبہ نگاہوں سے قاضی صاحب کو دیکھ کر) قاضی صاحب! مجھے کوئی حق نہیں ہو کہ میں آپکے کہنے پر اعتبار نہ کروں، لیکن میرا خیال ہو، اور خیال ہی نہیں، بلکہ مجھے قریب قریب یقین ہو کہ آپکے روپے اگر سب نہیں تو انکا ایک بڑا حصہ



اب بھی ان جیبوں سے برآمد ہو سکتا ہے جن تک آپکا ہاتھ پہنچ چکا ہو گر آپ خدا جانے کیوں اب از خود ہاتھ پیچھے ہٹائے لیتے ہیں۔

اس عرصہ میں مولوی نعیم الدین صاحب بھی موٹر سے اُتر کر قریب آگئے اور سلیم کو دیکھتے ہی انتہائی حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، قاضی صاحب اور انسپکٹر صاحب کی گفتگو کا بہت سا حصہ وہ سُن چکے تھے اور اب دل ہی دل میں اسپر غور کر رہے تھے، مولوی صاحب کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا، قاضی صاحب نے یہ دیکھکر کہ وہ کچھ کہنے والے ہیں خود پیشقدمی کی،

قاضی صاحب، بھئی سلیم چلو اپنے گھر چلو، رضیہ کہاں ہو؟ آؤ بیٹی تم بھی آؤ۔ اچھا ہوا کہ تم یہیں مل گئے ورنہ تمھیں ڈھونڈنے کے لئے خدا جانے کہاں جانا پڑتا،

سلیم اور رضیہ نے ادب سے جھک کر مولوی صاحب کو سلام کیا، اور زبان سے کوئی لفظ کہے بغیر چپکے سے موٹر میں آبیٹھے، مولوی نعیم الدین صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، غصہ نے ان کی حالت غیر کر دی تھی مگر رضیہ کی بھولی بھولی صورت نے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور وہ آنسوؤں کو پی گئے۔

سب انسپکٹر صاحب نے قاضی صاحب کو کسی قدر الگ لیجا کر کہا،

"سلیم اور رضیہ کی راحتوں میں مخل ہونا یقیناً ظلم ہوگا، اور میں ایسا کرنا نہیں چاہتا، لیکن آپ سے یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ پولیس کے افسر اس قدر بے وقوف نہیں ہوتے ہیں کہ انھیں آپ جیسے بزرگ جھوٹ بولکر بہکا لیا کریں"

قاضی صاحب، جیلخانے میں چار چھ مہینے کا قیام ایک نئے چور کو پکّا چور تو بنا سکتا ہے لیکن اسکی عادت چھڑا نہیں سکتا۔ بدی کے بدلے میں نیکی کرنا ایک ایسی سزا ہے کہ اسکے بعد پھر مجرم کو ارتکاب جرم کی ہمت نہیں پڑتی؛

دونوں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں سلیم موٹر سے اُتر کر تیزی سے انکے پاس آیا اور کہنے لگا،

"انسپکٹر صاحب! میں مجرم ہوں، میں نے قاضی صاحب سے بالجبر روپئے حاصل کئے ہیں، اور میں خود کو آپکے حوالے کرتا ہوں"۔

قاضی صاحب، (سلیم کو گلے لگا کر) جس طرح تم مولوی صاحب کے بیٹے ہو اسی طرح میرے بھی عزیز ہو۔ جاؤ موٹر میں بیٹھو اور بیوقوفوں کی سی باتیں نہ کرو، ہاں وہ تمھاری موٹر سائیکل کہاں ہے وہ انسپکٹر صاحب کو دیدو یہ اسپر چلے آئینگے، موٹر میں شاید گنجائش نہ نکل سکے۔

سلیم زار و قطار رو رہا تھا، اور اسکے جواب میں پھر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر قاضی صاحب نے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا اور اپنے ساتھ لیجا کر موٹر میں بٹھا دیا،

سلیم پھر موٹر سے اُترا، اور اپنے والد سے رو کر کہنے لگا۔

"ابا جان! مجھ جیسا نالائق آپکے گھر کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتا، آپ جائیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے"

مولوی نعیم (رو کر) تمھیں شاید میں معاف نہ کرتا مگر رضیہ جیسی لڑکی کی زندگی خراب نہیں کیجا سکتی، اب میں تمھیں معاف کر چکا اور میرے دل میں کوئی ملال نہیں ہے،

غریب رضیہ کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کیا تماشہ ہو رہا ہے، اور جب سلیم نے خود سارا قصہ اسے سُنایا تو اسے سخت حیرت ہوئی کہ بھوک سے مجبور ہو کر انسان کیا کیا کچھ کر گذرتا ہے،

(سعید احمد)



مکمل انسانی زندگی

قدرت نے اس دنیا میں جتنے جاندار بھی پیدا کئے ہیں سب میں نر اور مادہ کی دو صنفیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ نباتات میں بھی جو بظاہر بیجان نظر آتے ہیں، نر اور مادہ کی تفریق موجود ہے۔ نباتات کے جوڑوں کا ذکر کلام مجید میں ایک سے زائد مرتبہ کیا گیا ہے اور جس طرح کلام الٰہی کی بعض اور حقیقتیں ابھی تک انسان کی سمجھ میں نہیں آئی ہیں اسی طرح نباتات کے جوڑوں کا مطلب سمجھنے سے بھی ہم اب تک قاصر تھے، لیکن چند روز ہوئے کہ ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند ڈاکٹر بوس نے اس تحقیقات سے حیران کر دیا کہ نباتات میں حس و حرکت بھی موجود ہے اور ان میں نر و مادہ کا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ جانداروں کی ہر ایک جنس میں نر اور مادہ کا موجود ہونا ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ اس دنیا کے اندر ایک کامل زندگی ایک نر اور ایک مادہ کی زندگیوں کے باہم شترک ہو جانے سے حاصل ہوتی ہے، اور تنہا نر اور تنہا مادہ کی زندگیاں کسی صورت میں بھی مکمل نہیں ہو سکتیں، انسان تو ایک متمدن جانور ہے اور یہ تو اپنی فطرت کی وجہ سے مجبور ہے کہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہے، لیکن انسان کے علاوہ اور تمام جانور بھی مادر فطرت سے یہی سبق لے کر آئے ہیں کہ الگ الگ اپنے اپنے جوڑے بنا کر رہیں اور شیر اور چیتے اور ریچھ اور بھیڑیئے بھی جو اپنے ہم جنس کی صورت دیکھتے ہی اس سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اپنی مادہ سے کبھی کچھ نہیں کہتے اور خواہ کتنے ہی غصہ میں ہوں لیکن مادہ سے لڑنے کا خیال انھیں کبھی نہیں آتا، اس بات کا سمجھنا ضرور ان کی عقل سے باہر ہے کہ ہماری اور ہماری مادہ کی زندگیاں ملکر ایک مکمل زندگی ہو گئی ہیں، لیکن ان کی فطرت یا ان کی حیوانی عقل انھیں یہ ضرور سکھا[illegible] ہے کہ مادہ اور نر دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ شکار کھیلنے والوں کو اکثر تجربہ ہوا [illegible] کہ پرندوں کے جوڑے میں سے اگر انھوں نے ایک کو نشانہ بنا دیا ہے تو دوسرا اسی جگہ چکر لگاتا رہتا ہے اور چلا چلا کر اپنے ساتھی کو بلایا کرتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کی لاش کے بالکل قریب آجاتا ہے اور اس طرح خود بھی شکاری کی بندوق کی نذر ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی عقل اور اپنے علم کی بدولت محبت اور ایثار کے اس جذبہ کو سمجھتا ہے لیکن ا[illegible] جانور کچھ نہ سمجھنے کے باوجود اپنے فطرتی جذبات سے مجبور ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کے شر[illegible] کی خاطر یا یوں کہیئے کہ اپنی زندگی کے نصف ثانی کے لئے ہر طرح کا ایثار کرے، خ[illegible] غرض اور مطلب پرست انسان کی طرح جانور اپنی محبت کو روپئے پیسے کے بدلے میں فرخت کرنا نہیں جانتے اور ان کی شادیاں کبھی قانونی شادیاں نہیں ہوتیں جن میں ایک نر اور ایک مادہ کو اسٹامپ کی تحریر کے سوا اور کوئی چیز باہم متحد رکھنے والی نہ ہو، بے عقل اور بیوقوف جانور شادی کے بعد وہ حقیقت بھی سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارے جسم میں [illegible] اور جسم کا اضافہ ہو گیا ہے اور کبھی بھولے سے بھی انھیں یہ خیال نہیں آتا کہ اضافہ شد[illegible] جسم انکے اپنے وجود سے الگ کوئی چیز ہے۔

ایک انسانی زندگی کی تکمیل کا نام شادی ہے، لیکن یہ نظارہ کس قدر حیرت انگیز [illegible] کہ تمدن، تہذیب، عقل، اور علم کی ترقی کے باوجود ہم اپنے اس فطرتی اور قدرتی [illegible]

سے محروم ہوتے جارہے ہیں جو دو غیر جنسوں کو ہمیشہ کے لئے باہم ملا کر ایک جان و دو قالب کر دیا کرتا ہے۔ علم اور تہذیب کی ترقی نے ہمیں بہت سی نہایت ہی مفید اور کار آمد باتیں بھی سکھائی ہیں لیکن اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہی ترقیوں نے ہمیں خود غرض اور خود پرست بھی بنا دیا ہے اور اب دو زندگیوں کا باہم اتحاد اس مقصد سے نہیں ہوتا ہے کہ ایک زندگی بہر صورت کمل اور اطمینان بخش بن جائے بلکہ اس لئے کہ ملنے کے باوجود دونوں زندگیاں الگ الگ آرام دہ اور خوشگوار ہو جائیں قدرت اپنے کاموں میں انسانی دست اندازی کی محتاج بھی نہیں ہے اور نہ ایسی لسّا جیوں کو کچھ بہت زیادہ پسند کرتی ہے، اسنے جب یہ دیکھا کہ شادی کرنے سے مرد کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ اپنے لئے ایک آرام دینے والی خادمہ مہیا کرے، اور عورت کی تمنا ہوتی ہے کہ اپنے لئے ایک ایسا بینک تلاش کرے جو اسکے تمام اخراجات کا کفیل ہوتا رہے تو اسنے ان تہذیب یافتہ خود پرستوں سے اس طرح انتقام لیا کہ سرے سے دونوں ہی کی زندگیاں تلخ بنا دیں، اور مشاہدہ گواہ ہے کہ "مہذب" اور "نیم مہذب" ملکوں میں آج جتنی شادیاں ہوتی ہیں ان میں سے شاذ و نادر ہی کسی کو کامیاب اور راحت بخش کہا جا سکتا ہے۔ یورپ میں طلاقوں کی روز افزوں ترقی، اور ہندوستان میں مرد اور عورت کی روزمرّہ کی خانہ جنگیاں اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ دنیا سے کامیاب متاہل زندگی یا یہ کہ اچھی کمل انسانی زندگی اب معدوم اور مفقود ہوتی جارہی ہے اور قدرت جن دو صنفوں کے اشتراک و اتحاد باہمی کے ذریعے ایک کامل و اکمل جنس بنایا کرتی تھی اور بنانا چاہتی تھی اس رسم میں اب فرق آگیا ہے اور اب ہر صنف اپنی اپنی زندگی کو الگ الگ کامیاب بنانے کی فکر میں ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دونوں صنفوں کی زندگیاں بالکل ناکام اور ناشاد ہو گئی ہیں۔ ہندوستان غریب تو "جاہل اور وحشی" لوگوں کا ملک ہے یہاں کا تو ذکر ہی کیا، "مہذب اور ترقی یافتہ" یورپ اور امریکہ میں آج یہ حالت ہے کہ نفسی نفسی کی پکار پڑی ہوئی ہے اور مرد و عورت میں سے ہر ایک ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے۔ کش مکش حیات اور تنازع للبقا ابتدا میں غیر جنسوں کے درمیان ہوا کرتا تھا، اور انسان کو اپنے زندہ رہنے کے لئے اگر جنگ کرنی پڑتی تھی تو غیر انسانوں یعنی جانوروں سے۔ اپنی عقل اور اپنے علم کی بدولت اسنے اس تنازعہ میں اپنے آپ کو قابل ترین ثابت کیا اور اس دنیا میں جو صرف انہی کو زندہ رہنے دیتی ہے جو زندہ رہنے کے اہل ہوں، اپنے لئے ایک مستقل جگہ نکال لی بھی نہیں بلکہ کرسی صدارت پر جا بیٹھا۔ اب وہ کش مکش اور وہ جنگ اپنے ہی ہم جنسوں سے ہونے لگی اور قبیلے قبیلے، اور قومیں قومیں آپس میں برسر پیکار ہو گئیں، یہ جنگ آج تک جاری ہے اور ابھی بند نہیں ہوئی ہے لیکن اب سب سے زیادہ اندوہناک اور الم انگیز کش مکش جو شروع ہو گئی ہے وہ ایک ہی جنس کی دو صنفوں یعنی مرد اور عورت کے درمیان ہے۔ ابتداءً ایک مرد اور ایک عورت کے قویٰ میں اتنا زیادہ فرق نہ تھا جتنا ہمیں آج نظر آرہا ہے اور ایک مرد اور ایک عورت کے قویٰ میں وہی نسبت تھی جو ایک شیر اور ایک شیرنی یا ایک گھوڑے اور ایک گھوڑی کی جسمانی قوتوں میں پائی جاتی ہے۔ تقسیم عمل نے مرد کو تمام ایسے کام دیدیئے جن میں زیادہ محنت تھی اور جن میں اسے گھر سے باہر رہنا ضروری تھا اور عورت کے حصہ میں سارے کام ایسے آئے جو نسبتاً کم محنت چاہتے تھے اور گھر اور گھر کے اندر کی چیزوں سے متعلق تھے، شب و روز کی محنت شاقہ نے مرد کے قویٰ کو خوب مضبوط کر دیا، اور آرام کی زندگی نے عورت کے عضلات میں قوت کی بجائے نرمی پیدا کر دی، سیکڑوں اور ہزاروں برس گذرنے کے بعد مرد کی محنت و مشقت نے اسے مستقلاً طاقتور اور مضبوط بنا دیا اور عورت کی آسان پسندیوں نے اسے نرم اور نازک کر کے دونوں صنفوں میں اتنا فرق کر دیا کہ گویا وہ دونوں ایک جنس کی صنفیں ہی نہ تھیں، اب جبکہ موجودہ زمانے کی تہذیب نے انسان کو انتہائی خود پرستی اور نفس پروری سکھائی اور کش مکش حیات قوموں قبیلوں اور افراد کے دائروں سے آگے بڑھ کر ایک ہی جنس کی دو صنفوں میں بھی شروع ہو گئی تو عورت نے اپنی کمزوری کو محسوس کیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ جہاں تک جسمانی اور دماغی قویٰ کا تعلق ہے وہ کسی طرح بھی مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ضرورت ایجاد کی ماں ہے، ضرورت نے عورت کو بھی یہ تدبیر سجھائی کہ وہ اپنی دوسری قوتوں سے کام لے جو اسکے حسن صورت اور رعنائی ادا میں چھپی ہوئی تھیں، یہ آلے زنگ خوردہ تو کسی زمانے میں بھی نہ تھے لیکن اب انہیں خاص طور سے صیقل کرائی گئی اور "تہذیب یافتہ" عورت نے اپنی تمام توجہ صرف اپنی ظاہری آرائش اور نمود و نمائش پر صرف کرنی شروع کر دی، سینہ بازو، اور نصف

تک رانیں برہنہ رکھی جانے لگیں تاکہ مرد کی توجہ اپنی طرف منعطف کی جائے اور سفر و حضر میں ہر وقت مرد کے ساتھ رہنے کی غرض سے اپنی وضع اور اپنی عادات میں تمام مردانہ انداز اور مردانہ خصوصیات پیدا کر لی گئیں تاکہ مرد کسی طرح بھی انکے پھندے سے نکل نہ سکے۔

اپنے حسن خدمات سے اور اپنے فرائض کی بوجہ احسن بجا آوری سے مرد کو خوش رکھنا مشرقی عورت کا بھی مطمح نظر تھا اور اب بھی ایک بڑی حد تک ہے لیکن آپس میں مرد سے مقابلہ کا قطعاً کوئی خیال تک نہ تھا۔ لیکن مغربی عورت خاوند کو خوش رکھنے کی غرض سے اپنی آرائش و زیبائش کے متعلق اتنی تکلیف نہیں اُٹھاتی ہے بلکہ صنف غالب کے کسی ایک یا ایک سے زیادہ افراد کو وہ اپنے جال میں پھانسے رکھنے کو اپنی کامیابی خیال کرتی ہے اور یہ گویا اسنے کشمکش حیات میں اپنی بقا کا ذریعہ نکالا ہے، وہ اب اس بات کی قائل نہیں رہی ہے کہ ایک نر اور ایک مادہ سے ملکر ایک مکمل زندگی بنتی ہے، بلکہ وہ اب اپنی ایک الگ اور مستقل زندگی قائم رکھنی چاہتی ہے، اور جو مرد کہ اپنے بہتر قویٰ کی وجہ سے اسپر غالب آگیا تھا اسے اپنی دوسری قوتوں کے ذریعہ سے شکست دیکر خود غالب اور فاتح بنا چاہتی ہے۔ اس جنگ کا جو ناخوشگوار نتیجہ نکلا ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہر شخص جسنے مغربی عورت کی حالت پر غور کیا ہے بلا تأمل کہہ سکتا ہے کہ وہ ترقی کر کے خواہ کچھ بھی کیوں نہ بن گئی ہو لیکن عورت ہرگز نہیں رہی ہے، اور نسائیت کے وہ عالی جوہر جو ایک عورت کے لئے مایۂ ناز ہو سکتے تھے اب اس میں باقی نہیں رہے ہیں۔

ہندوستان میں ابھی تک یہ مقابلہ اور یہ کشمکش پیدا نہیں ہوئی ہے اور یہاں اب تک بھی اسی فطرتی اصول کو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ مرد اور عورت سے ملکر ایک انسانی زندگی مکمل ہوتی ہے، لیکن یہاں عملاً مرد نے مقررہ حدود سے تجاوز کیا ہے اور اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر عورت کے بہت سے حقوق غصب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس زیادتی کو عورتوں نے محسوس کر لیا ہے اور اب مغربی تعلیم اور مغربی عورت کی مثال انھیں آہستہ آہستہ اسی تباہی کی طرف دھکیل رہی ہیں جسمیں مغربی عورت مبتلا ہے اور اگر اصلاح حالات کی بروقت کوشش نہ کی گئی تو گو ہمارے شہروں کا نام دہلی اور لکھنؤ ہی رہے لیکن نظارے یہاں بھی وہی عام ہونگے جو لنڈن اور پیرس میں پیش نگاہ ہوتے ہیں۔ پردہ اُٹھ رہا ہے اور ایک اچھی خاصی قابل لحاظ حد تک اُٹھ چکا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ پردے سے باہر آ کر ہماری خواتین قوم اور ملک کے لئے کوئی مفید خدمت انجام دیں یا یہ کہ سوسائٹی کی بعض خرابیوں کو دور کریں بلکہ صرف اس لئے کہ مغربی خواتین کے اتباع میں تمام انہی لغویات کو اس ملک میں بھی رواج دیدیں جن کے لئے مغرب بدنام ہے۔ مغربی طرز کی تعلیم اور مغربی خیالات اس ملک میں بھی رواج پاتے جا رہے ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کرتے جا رہے ہیں اور اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اسکے سوا اور نہیں نکل سکتا کہ یہاں بھی تمام وہی خرابیاں رونما ہو جائیں اور کشاکش حیات ہماری پُرامن خانگی زندگیوں کو تباہ و برباد کردے۔

تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر اگر غور کیا جائے تو اس تازہ مصیبت کی تمام ذمہ داری خود ہمیں پر عائد ہوتی ہے۔ اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس ملک کے مردوں نے عورت کے ایثار نفس سے بہت ہی ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے اور اب اکثر و بیشتر خاندانوں میں مرد اور عورت کے درمیان یہ پسندیدہ اور لائق تحسین تعلق باقی نہیں رہا ہے کہ عورت مرد کے لئے زیادہ سے زیادہ ایثار کرے اور مرد عورت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو، بلکہ اس کی بجائے یہ غیر فطری کیفیت رونما ہو گئی ہے کہ عورت تو اب بھی بہت کچھ ایثار کرنے پر مائل نظر آتی ہے لیکن مرد اسکے لئے کچھ زیادہ قربانی کرنی پسند نہیں کرتا، اور اسکی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اسکی قربانیوں کو اور اسکے ایثار نفس کو اپنا جائز حق خیال کرتا ہے، ایثار کرنے والا خواہ کتنا ہی نیک انسان کیوں نہ ہو لیکن یہ صورت اور یہ حالت اسے بھی مشکل ہی سے پسند آسکتی ہے کہ اسکے ایثار کی قدر نہ کیجائے اور اسکا نام ایثار کی بجائے ''خدمت'' رکھ دیا جائے اور خدمت بھی کونسی جس کا بجالانا اسکے فرائض میں داخل ہو۔ عورت کے ایثار کو اب یہاں بالعموم ''ادائے فرض'' خیال کیا جانے لگا ہے اور یہ صدمہ اسکے نازک دل کو توڑ دینے کے لئے بہت کافی تھا، ٹوٹے ہوئے دل کو تسکین کی تلاش تھی، وہ تو کہاں میسر آتی لیکن مغربی عورت کے طرز عمل نے اسے یہ ضرور بتا دیا کہ عورت بھی اگر چاہے تو مرد سے اس کی اس زیادتی کا انتقام لے سکتی ہے۔ مشرقی عورت کے دل میں خاوند سے انتقام لینے کا خیال تو بھلا کیا آسکتا

تھا، لیکن طلب حقوق کے نام سے اسنے اسی تیزی سے ملتی جلتی ایک کوشش شروع کردی ہے، اسکے دماغ نے اسے اس دھوکے میں مبتلا کردیا ہے کہ یہ طلب حقوق انتقام سے جدا گانہ چیز ہے اور اسی دھوکے میں وہ کافی تیز رفتاری کے ساتھ مغربی عورت کا طرز معاشرت اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔

پرانی وضع کے خاندانوں میں عورت اپنی حیثیت ایک ادنیٰ کنیز سے زیادہ نہیں خیال کرتی اور اکثر حالتوں میں مرد اسکے اس خیال کی تصدیق کرتا رہتا ہے۔ نئی روشنی کے گھرانوں میں عورت چاہتی ہے کہ اپنے تمام غصب شدہ حقوق واپس لے لے اور اپنا درجہ مرد کے بالکل مساوی سمجھے، لیکن خود اسمیں ابھی اسکا اعلان کرنے کی ہمت پیدا نہیں ہوئی ہے اور مرد مغربی تعلیم کی بدولت اس قدر خود غرض ہوگیا ہے کہ از خود اپنا انصاف کرنے کا اسے کبھی خیال ہی نہیں آسکتا۔ حقیقی فطری زندگی کہ جسمیں ایک مرد اور ایک عورت سے ملکر ایک مکمل انسانی زندگی بنجائے اور جو من و تو کے تمام قصوں سے پاک ہو یہاں بھی "الشاذ کالمعدوم" ہی کے تحت میں آتی ہے اور عجب نہیں کہ آئندہ وتیس بیس سال میں بالکل مفقود ہی ہوجائے۔

خوش قسمتی سے حالات اور معاملات ابھی اس درجہ خراب نہیں ہوئے ہیں کہ کوئی تدارک ہی نہ ہوسکے۔ عورتوں کی بیداری کا ابھی یہ بالکل آغاز ہے، اور ابھی یہ ممکن ہے کہ اس پودے کو حسب مرضی بالکل سیدھا لگایا اور بڑھایا جاسکے۔ بہت سے حلقوں میں کوشش ہو رہی ہے کہ عورتوں کے دلوں میں مردوں کی طرف سے نفرت کے خیالات پیدا کردئیے جائیں، اور بعض اصحاب اسکے جواب میں عورتوں کو مورد الزام قرار دیکر مردوں کے دل انکی طرف سے برے کررہے ہیں، یہ دونوں راستے غلط اور فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔ صحیح راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ مرد اور عورت کو الگ الگ دو چیزیں نہ خیال کیا جائے اور ہر مرد اور ہر عورت کے ذہن نشین کردیا جائے کہ وہ ایک مکمل انسان کا صرف ایک جز ہے اور جزو ثانی سے ملے بغیر اسکی انسانیت تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی، مردوں سے عورتوں کو، اور عورتوں سے مردوں کو اپنے اپنے حقوق طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دونوں کو اسکی ضرورت ہے کہ اپنا جو کچھ ہے وہ دوسرے کو دیدیں۔ حقوق طلبی کے نتیجے ہمارے سامنے ہیں اور خدا نہ کرے کہ ہندستان کبھی یورپ یا امریکہ بنجائے۔! (سعید احمد)

قلب مضطر

(از جناب بابو اندرجیت صاحب شرما اچھرہ ضلع میرٹھ)

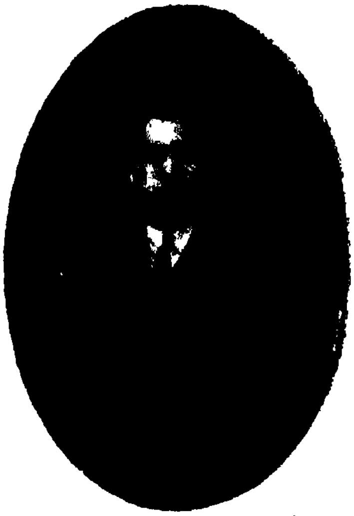
اے مرے قلب حزیں تو پیکر تنویر ہے ؛ جلوہ گاہ ناز حسن و عشق کی تصویر ہے
آشکارا ہوگئی ناداں تری وارفتگی ؛ تیرے پہلو میں بجا کرتا ہے ساز بیخودی

دیوتا خود ہے مگر اسیر بھی بیچارہ ہے تو
جادۂ تاریک میں گمراہ سیارہ ہے تو

رات کو آراستہ ہوتی ہے جب بزم فلک ؛ پردۂ ظلمت سے آتی ہے ستاروں کی جھلک
عشق کا شعلہ جو ہوتا ہے بھڑک کر جلوہ زا ؛ موجزن سینہ میں ہوجاتا ہے دریا نور کا
چپکے چپکے اشک کی لڑیاں پرو لیتا ہے تو ؛ ہار الفت کا بنا لیتا ہے اک بہر گلو
پردہ دار عشق ہوکر ہوگیا رسوائے حسن ؛ بنکے مجنوں کس لئے پھرتا ہے اے لیلائے حسن



پروفیسر تقی بی اے - بائیسکل پر تمام دنیا کا سفر کر رہے ہیں -



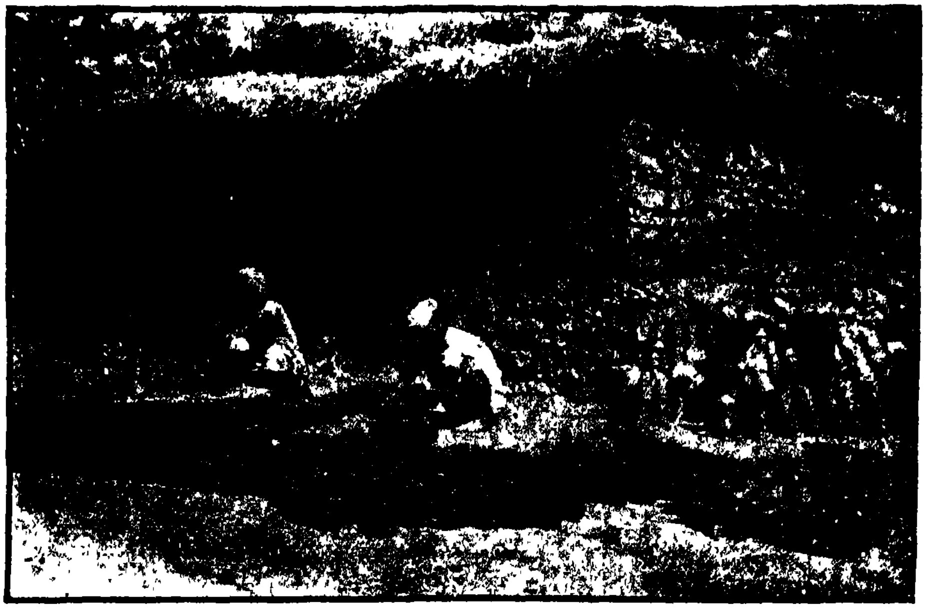
افغانی ہوا باز عبد الحمید

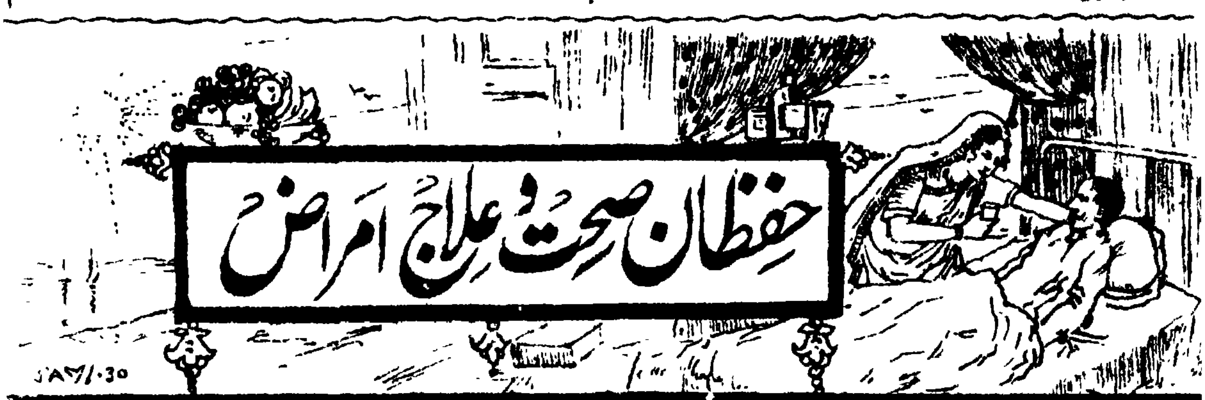


فرانس میں موسیو بریاں اور وزیر نوآبادیات سلطان مراکش کا خیرمقدم کر رہے ہیں -



حبشہ کے دیہات میں دولہا اور دلہن ایک ہی گدھے پر بیٹھکر شادی کے بعد گھر جاتے ہیں - شاید یہ مطلب ہوگا کہ زندگی کے سفر میں دونوں ایک دوسرے کے شریک ہوگئے -





ہمارے پاخانے

۱۹۱۷ء میں، میں مصر میں تھا، میں جس پلٹن کے ساتھ تھا اس کا پڑاؤ ایک چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے قریب تھا، اس اسٹیشن کے قریب ہی اسٹیشن کے ملازمین کے رہنے کے مکانات بھی بنے ہوئے تھے اور قرب کی وجہ سے چونکہ اس بات کا امکان تھا کہ ان مکانات کی گندگی اور غلاظت کا اثر پلٹن کے سپاہیوں کی صحت پر پڑ سکے اس لئے اپنی پلٹن کی صفائی وغیرہ دیکھنے کے علاوہ ان مصریوں کے گھروں کا بھی گاہے ماہے ملاحظہ کرتے رہنا میرے فرائض میں داخل تھا۔ پہلی مرتبہ جب میں اپنے اس خوشگوار یا ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے کی غرض سے گیا اور اسٹیشن کے ایک کلرک سے یہ درخواست کی کہ اپنا پاخانہ مجھے دکھائے تو اسنے لجاجت کے ساتھ کسی قدر شرمندگی کے لہجہ میں مجھ سے کہا کہ "وہ آپ جیسے لوگوں کے دیکھنے کے لائق جگہ نہیں ہے" اسکے یہ کہنے کے باوجود بھی جب میں نہ مانا اور پاخانہ دیکھنے کے لئے گیا تو گو پاخانہ صاف ستھرا نہ تھا اور اسکی صفائی کے متعلق بہت سی ہدایتیں مجھے دینی پڑیں، پھر بھی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس سے بہت زیادہ خراب لاکھوں پاخانے ہندوستان میں موجود ہیں، میں بہت دیر تک یہ سوچتا رہا کہ اس غریب مصری کو کیا خبر کہ ہمارے ملک کے پاخانوں کی حالت کیسی ہے ورنہ اسے شرمندہ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں پاخانوں کی صفائی کی طرف لوگوں کی توجہ بہت ہی کم ہے۔ پاخانوں کے متعلق کچھ یہ ہمارا عقیدہ سا ہوچکا ہے کہ وہ گھر کا بدترین حصہ ہوتا ہے، اور بدترین حصہ کو بہترین حالت میں رکھنے کی آخر کیوں کوشش کیجے۔ لوگ منہ بناتے ہوئے، لبادہ تات چادر یا تولیہ ناک اور منہ پر لپیٹے ہوئے بادل ناخواستہ کشاں کشاں جاتے ہیں اور ضرورت سے فارغ ہوتے ہی اس طرح بھاگتے ہیں کہ گویا دوزخ سے نجات مل گئی، ضرورت سے مجبور ہو کر بھی جہاں جاتے ہوئے ہماری روح گھبراتی ہے وہاں بلا ضرورت جانا اور اسکی صفائی اور آرایش کی طرف متوجہ ہونا کیسے ممکن ہے؟

میرے اس کہنے کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو پاخانے اور پیشاب سے کوئی نفرت نہیں ہے، یا یہ کہ ہم گندگی اور غلاظت سے پرہیز نہیں رکھتے، ایسا نہیں ہے، ہم ان غلاظتوں سے بہت سخت پرہیز کرتے ہیں اور ہمارے پرہیز نے نفرت کی صورت اختیار کرلی ہے حتی کہ ہم ان انسانوں سے بھی پرہیز کرنے لگے ہیں کہ جو ان غلاظتوں کو صاف کرتے اور اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اسی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہمارا پرہیز یا ہماری نفرت عقل پر مبنی نہیں ہے، بلکہ جذبات پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ غلاظت سے اسقدر نفرت ہونے کے باوجود ہم میں وہ صفائی موجود نہیں ہے، کہ جس کی ہم کو اپنی صحت کے لئے ضرورت ہے،

مثال کے طور پر یوں دیکھئے کہ اگر ہمارے مکان کے صحن میں کسی جگہ ذرا سا پاخانہ کسی اتفاق کی وجہ سے گر جائے تو مکان کے تمام رہنے والوں کو اس سے گھن بھی آئے گی اور سب ناک بھوں بھی چڑھائینگے، لیکن یہ کسی سے نہ ہوگا کہ اسے اٹھا کر پھینک دیں

(بچوں کا پاخانہ اس سے مستثنیٰ ہے) گھر کی ملاسے بھی اگر ایسا لینے کو کہا جائے گا تو وہ نوکری چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائے گی لیکن اس غلاظت کو اٹھا کر پھینک دینے پر تیار نہ ہوگی اور اس کا باعث صرف یہ ہے کہ ہماری نفرت جذبات پر مبنی ہے عقل پر مبنی نہیں ہے ہمارے جذبات ہمیں اس بات سے روکتے ہیں کہ ہم کسی ایسی چیز کو جس سے ہمیں نفرت ہے کسی لکڑی یا ٹھیکرے کے واسطہ سے بھی چھوئیں لیکن اگر ہماری نفرت عقل پر مبنی ہوتی تو ہمارے دل میں سب سے پہلے یہی خواہش پیدا ہوتی کہ جس طرح بھی ہو سکے جلد سے جلد غلاظت کو اپنے گھر سے دور کریں۔ ہمارے نفرت کے جذبات ہمیں اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتے کہ ہم سخت ضرورت کی حالت کے علاوہ اور کسی وقت پاخانے کی طرف دیکھیں حالانکہ اسی موقع پر ہماری عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے پاخانوں کو اس قدر صاف رکھیں کہ گھنٹوں وہاں بیٹھا رہنا بھی کسی کو ناگوار نہ گذر سکے، اور ہمارے گھر کی ہوا ان کی وجہ سے کبھی خراب اور مضرت رساں نہ بن سکے۔

پیشاب میں چونکہ نہ اس قدر بدبو ہوتی ہے، اور نہ اسکی صورت ہی اتنی مکروہ ہوتی ہے اس لئے اسے دیکھ کر ہمارے جذبات میں اتنا ہیجان نہیں پیدا ہوتا، اور یہی وجہ ہے کہ اسے ناپاک سمجھنے کے باوجود ہمیں اس سے اتنی نفرت نہیں ہے اور ہر جگہ زمین پر پیشاب کئے جانے کو ہم بالکل جائز اور بجا خیال کرتے ہیں، اگر ہماری نفرت عقل پر مبنی ہوتی تو ہمیں ضرور یہ بات معلوم ہوتی کہ گھر کی زمین پر پیشاب کا گرنا اور اسکے انجرات کا ہمارے گھر کی ہوا کے ساتھ شامل ہونا بھی ہماری صحت کے لئے اسی قدر مضر ہے کہ جسقدر پاخانے کے انجرات اور پاخانے کے ذروں کا۔

اسکے علاوہ ایک تماشا اور بھی ہے اور وہ یہ کہ بالعموم انسانی پاخانہ کو تو حد سے زیادہ مکروہ اور نجس سمجھا جاتا ہے لیکن حیوانی پاخانوں سے ہم لوگوں کو اتنی نفرت نہیں ہوتی، اور یہی نہیں کہ گوبر اور لید کو بلا تکلف چھوا جاتا ہے اور خشک کر کے ان سے ایندھن کا کام لیا جاتا ہے، بلکہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اسی گھر میں کہ جس میں ہم خود رہتے ہیں مرغیاں بھی پال لی جاتی ہیں اور تمام صحن دن بھر انکے پاخانے سے بھرا رہتا ہے۔ ہمیں کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس پاخانے کے انجرات اور ذرات بھی ہماری صحت کے لئے انسانی پاخانے سے کم مضر نہیں ہیں۔

بڑے بڑے چند شہروں کو چھوڑ کر عام طور پر دستور یہی ہے کہ مکانوں کا صحن کچا ہوتا ہے اور یہی حالت پاخانے کے فرش کی ہوتی ہے، اور اسی طرح یہ ہے کہ پاخانے اور پیشاب کے لئے بالٹیاں یا کونڈے بھی نہیں رکھے جاتے بلکہ تمام غلاظت زمین پر گرتی اور آہستہ آہستہ اسمیں جذب ہوتی رہتی ہے۔

دیہات کا اصول اس سے بھی ایک درجہ اور آگے بڑھا ہوا ہے، اور وہاں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ گھر کی چار دیواری کے علاوہ جتنی زمین بھی پڑی ہوئی ہے وہ سب کی سب پاخانہ ہے اور گائے بکریوں کی طرح انسان بھی خدا کی زمین پر ہر جگہ بلا تکلف رفع حاجت کر سکتا ہے۔

بچوں کے پاخانے کے متعلق شہروں میں بھی یہی اصول رائج ہے، اور انھیں عام اجازت ہے کہ گھر بھر میں جس جگہ کو بھی وہ چاہیں اپنے اس مصرف کے لئے منتخب کریں کمرے، دالان، سیڑھیاں، سہ دریاں، باورچیخانے غرضکہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو بچوں کے لئے حرم ہو اور جہاں وہ کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر باطمینان تمام پاخانہ پھر سکتے ہوں لیکن گندگی اور غلاظت سے اسقدر انس اور دلی لگاؤ ہونے کے باوجود یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ انہی گھروں کے اندر رہنے والوں کے سامنے اگر کھانا کھاتے وقت پاخانے کا صرف نام لے دیا جائے تو انکا جی متلانے لگتا ہے اور بعض نازک مزاج خواتین کو سچ مچ قے ہو جاتی ہے۔

ہمیں غلاظت سے پرہیز اور نفرت اس لئے نہ ہونا چاہئے کہ اسکی صورت مکروہ ہوتی ہے یا اس کی بدبو ہمارے لئے ناخوشگوار ہے، بلکہ اس لئے ہونی چاہئے کہ اسکا قرب ہماری تندرستی کے لئے مضر، اور اسکی موجودگی ہزاروں بیماریوں کی پیدائش کا باعث ہے بحالات موجودہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پاخانوں میں غلاظت کے انبار بالکل کھلے پڑے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کمبخت مکھیوں کو خدا جانے کیوں غلیظ چیزوں سے اس قدر محبت ہے کہ ہمیشہ انہی پر جا کر بیٹھتی ہیں، اور ان دونوں باتوں کے معلوم ہونے کے بعد ہم اس چیز سے بھی اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ جو مکھیاں ہماری روٹیوں پر، ہمارے دودھ پر، یا ہمارے چاولوں پر آکر بیٹھی ہیں ان میں سے کم از کم نصف تو ضرور ہی ایسی ہیں جو ابھی پاخانے سے اڑ کر آئی ہیں اور انکے

پڑوں اور آنگنوں میں غلاظت سنی ہوئی ہو جیسے وہ ہمارے کھانے پینے کی چیزوں سے خوب پونچھ رہی ہیں، لیکن اس تمام واقفیت اور آگاہی کے باوجود کسی نازک مزاج بزرگ کا یا کسی نفیس طبع خاتون کا نہ جی متلاتا ہی، اور نہ انھیں اس غلاظت آلود کھانے سے نفرت ہوتی ہی، اور یہ اس لئے کہ ہماری آنکھوں سے غلاظت کے انبار اوجھل ہوتے ہیں اور ہمارے سامنے کوئی غلیظ اور مکروہ چیزوں کے نام نہیں لیتا۔

حقیقتاً ہونا یہ چاہئے کہ خواہ ہماری آنکھوں کے سامنے کیسے ہی ناخوشگوار منظر آئیں، اور ہمارے کانوں تک کیسے ہی سامعہ خراش الفاظ پہونچیں پھر بھی ہماری تمام تر کوشش اسی بات پر صرف ہو کہ غلاظت کے ڈھیروں کو تا حد امکان اپنے گھروں میں جمع نہ ہونے دیں، اور اگر ان کا جمع رہنا ناگزیر ہو تو جس طرح بھی بنے انھیں اس طرح پوشیدہ کردیں کہ ان تک مکھیوں کا گذر نہ ہو، اور انکے انجرات اور انکے ذرات اڑ اڑ کر ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ بالکل صحیح ہی کہ ہماری غریبی اور ہمارا افلاس ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم پاخانے کی باقاعدہ ٹینکیاں بنوا کر رکھیں لیکن غریب سے غریب لوگ بھی جنھیں گھر کے اندر رہنے کی توفیق ہو اتنا تو ضرور ہی کرسکتے ہیں کہ راکھ یا خشک مٹی سے پاخانے کو خوب اچھی طرح ڈھک دیں، اور مفلس سے مفلس لوگ بھی جنھیں اتنی مقدرت ہو کہ کرایہ دیکر مکان میں رہیں وہ دو بالٹیاں یا کونڈے تو پاخانے میں ضرور ہی رکھ سکتے ہیں تاکہ غلاظت زمین پر نہ گرے اور پاخانے کی زمین مستقل طور پر جراثیم کی کان نہ بنجائے

ہمارا موجودہ طرز معاشرت کچھ اس قسم کا ہوگیا۔ کہ تمام گھر تو خوب صاف کیا جائے لیکن پاخانوں کو غلیظ چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہ تو بنے ہی اس لئے ہیں کہ وہاں غلاظت کے انبار لگے رہیں۔

لیکن یہ طریقہ صحیح نہیں ہی، اصول یہ ہونا چاہئے کہ ہر گھر میں پاخانے اور باورچی خانے سب سے زیادہ صاف اور ستھری حالت میں رکھیں جائیں اور جہاں تک ممکن ہو ان دونوں مقامات کو مکھیوں کی رسائی سے باہر رکھا جائے۔

(سعید احمد)

پھٹکری

نوسادر اور سہاگے کی طرح پھٹکری بھی انہی چند دواؤں میں سے جو "دادی اماں" اور "نانی جان" کے تقریباً ہر نسخے میں شامل ہوتی ہیں۔ یہ "علم سینہ" چونکہ اب مٹتا جارہا ہی۔ اور نئی نسل کی لڑکیاں بڑی بوڑھیوں سے کچھ سیکھنے کی بجائے انکے پوپلے منہ اور چٹنے سر پر ہنسنا زیادہ پسند کرنے لگی ہیں اس لئے مجبوراً یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ علم سینہ کو علم سفینہ کی صورت میں بدل دیا جائے۔

پھٹکری یقیناً ایک نہایت مفید اور کارآمد دوا ہی، اور پھر خوبی یہ ہی کہ نہایت سستی، اس کی قیمت اور انکے فوائد کو دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہی کہ "ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے"۔ اپنے خواص کے لحاظ سے پھٹکری قابض ہی اور ہر قسم کی رطوبت کے اخراج کو روکتی اور کم کرتی ہی، ہندوستان میں ایک عام دستور ہو گیا ہی کہ جب کسی شخص کے بند چوٹ لگتی ہی تو اسے دودھ میں پھٹکری ملا کر ضرور پلاتے ہیں اور میں نے بہت سے ڈاکٹر صاحبان کو اس رسم پر ایک فاضلانہ شان کے ساتھ ہنستے دیکھا ہی۔ یہ صحیح ہی کہ غریب جاہلوں پر ہنس لینے کا حق ہر تعلیم یافتہ اور پھر بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ شخص کو حاصل ہوجاتا ہی کیونکہ اس بیچارہ کی واقفیت بھی محدود ہوتی ہی اور اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کے لئے اسکے پاس الفاظ کا ذخیرہ بھی بہت کم ہوتا ہی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بے پڑھے لکھے، وہ جو کچھ بھی کرتا ہی وہ تمام باتیں محض خرافات ہی ہوتی ہیں۔ آج ایک ہندوستانی عامی اس حقیقت سے واقف نہ ہو لیکن جس شخص نے اس دستور کی ابتدا کی تھی وہ ضرور اس بات سے آگاہ تھا کہ پھٹکری قابض اور سیلان خون کو مانع ہوتی ہی۔ بند چوٹوں میں خون باہر نہیں نکلتا جو نظر آجائے، اور چونکہ اس بات کا امکان ہی کہ اندر ہی اندر خون نکلکر کسی عضو رئیس کے قرب میں جمع ہوجائے اور اس پر بوجھ اور دباؤ پہنچا کر

شدید ترین، بلکہ بعض اوقات مہلک ترین علامات رونما کرنے، اس لئے اگر کوئی جاہل بھی حفظ ماتقدم کے طور پر ایسے موقعوں پر پھٹکری کا استعمال کرتا ہو تو ہمیں اسپر ہنسنے کا کیا حق حاصل ہو؟

اپنی اسی قابض خاصیت کی بنا پر پھٹکری بعض امراض میں بھی بہت ہی مفید ثابت ہوئی ہے

آنکھیں دُکھنا آشوب چشم میں پھٹکری کا استعمال بہت ہی عام ہو اور حق یہ ہو کر بہت ہی نفع بخش بھی ہو۔ ہندوستانی گھروں میں ایک نسخہ بکثرت رائج ہو اور وہ یہ کہ افیون، رسوت اور پھٹکری کو پانی میں گھسکر ایک لیپ بنالیا جاتا ہو اور آنکھ کے پپوٹوں پر اور اسکے چاروں طرف باہر باہر لگا دیا جاتا ہو۔ اس لیپ سے درد میں بھی کمی آجاتی ہو اور سرخی بھی کٹنے لگتی ہو، لیکن چونکہ یہ آنکھ کے اندر نہیں ڈالا جاتا اس لئے مرض کے ازالہ میں کافی دیر لگتی ہو۔ بہتر صورت یہ ہو کہ جوش دیا ہوا پانی یا گلاب کا عرق (کشید کیا ہوا) پاؤ بھر لیں، اور اسمیں ۱۶ رتی پھٹکری حل کرکے دن میں کئی مرتبہ یہ عرق آنکھوں میں ڈالیں، اگر اسی عرق میں آٹھ ماشہ بورک ایسڈ بھی حل کرلیں تو اسکے فوائد اور بھی زیادہ ہوجائینگے۔

گلے آجانا گلے آجانے کی صورت میں جبکہ حلق بہت دُکھتا ہو، کوئی چیز نگلی نہ جاتی ہو اور غدود ڈھلک گئے ہوں تو ہیں رتی پھٹکری پانچ ماشہ شیرہ یا شہد یا گلیسرین میں ملاکر دن میں دو تین مرتبہ حلق کے اندر لگانا بہت مفید ہوتا ہو، منہ کے اندر زخم ہوں تو ان پر بھی اسی ضماد کا استعمال ہوسکتا ہو؛

منہ آجانا منہ کے زخموں پر لگانے کے علاوہ غرارہ کے طور پر بھی پھٹکری کا استعمال فائدہ پہونچاتا ہو۔ چار ماشہ پھٹکری کو آدھ سیر پانی میں حل کرلیں پھر اسمیں پاؤ چھٹانک شیرہ اور ایک ڈرام (ساٹھ قطرے) ڈائیلیوٹ سلفیورک ایسڈ ملالیں اور غرارہ کے طور پر استعمال کریں؛

بند چوٹ بعض اوقات چوٹ کے صدمہ سے اندر ہی اندر جلد کے نیچے گوشت وغیرہ سب کچھ کچل جاتے ہیں مگر جلد صحیح وسالم رہتی ہو اور خون نہیں نکلتا، اکثر اس قسم کی چوٹوں میں نیل پڑجاتا ہو جو اس بات کی علامت ہو کہ اندر ہی اندر خون نکلکر جلد کے نیچے جمع ہوگیا ہو، اس قسم کی چوٹوں پر پولٹس میں تھوڑی سی پھٹکری ملاکر باندھتے ہیں اور اسکے اثر سے اندرونی سوزش رفع ہوجاتی ہو اور اجتماع خون رفع ہوجاتا ہو۔

ذیابیطس اور کثرت حیض ان دونوں بیماریوں میں پھٹکری سے بنایا ہوا مار الجبن بہت مفید ہوتا ہو، مار الجبن بنانے کا طریقہ یہ ہو کہ سوا سیر دودھ میں پاؤ چھٹانک پھٹکری ملا اسے جوش دیں تا آنکہ وہ پھٹ جائے اور دہی کی سی شکل اختیار کرلے، اب اسے چھان لیا جائے اور جتنا پانی حاصل ہو اسمیں اسپرٹ آف نٹمیگ ایک چھٹانک اور لونگ کا شربت آدھی چھٹانک ملالیں اور تھوڑا تھوڑا استعمال کریں (سعید احمد)

---

(۱) مبادیات اسلام (۲) فتوحات اسلام (۳) رایات اسلام (۴) محاربات اسلام

یہ چاروں کتابیں یورپ کے مشہور مورخ سر ایڈورڈ گبن کی شہرۂ عالم تاریخ "زوال سلطنت روما" کے اس حصہ کا ترجمہ ہیں جنمیں مورخ مذکور نے مسلمانوں کے کارناموں سے بحث کی ہو۔
محققین یورپ کی متفقہ رائے ہو کہ فن تاریخ میں گبن کی مذکورہ تاریخ سے بہتر و معتبر تر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی مصنف مذکور نے سلطنت روما کے زوال کا خاص باعث
مسلمانوں کا اوج کمال قرار دیا ہو اور اس لئے ابتداء اسلام سے فتح قسطنطنیہ تک سارے حالات محققانہ انداز میں مناسب تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں؛

ان کتابوں کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہو کہ مسلمان کسی معجزہ کرامت یا عمل و وظیفہ کی برکت سے دنیا پر فوقیت نہیں لے گئے تھے بلکہ صرف اس کے بھروسہ پر کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہو ساری دنیاوی ہستیوں کو ہیچ سمجھتے اور ہمت و کوشش سے لڑتے اور آگے بڑھتے رہے۔ ترجمہ نہایت سلیس و عام فہم اردو میں کیا گیا ہو اور پیرایۂ بیان نہایت دلچسپ ہو، پوری امید ہو کہ پبلک کی یہ کتابیں بہت مقبول ہونگی، ہر ایک کتاب کی قیمت صرف ۱۲ر رکھی گئی ہو، ملنے کا پتہ دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمٹیڈ دہلی



تعارف جاہلانہ

إِنَّہٗ کَانَ ظَلُومًا جَہُولًا

منکہ حاجی بلغ العلیٰ بکمالہٖ المعروف بہ حاجی لغلول اعنی حاج الحرمین الشریفین الیٰ دیارالبمبئی (جہاں مرکزی و مُٹھی ہرقسم کی خلافت کمیٹی کا اپنا اور بلاشرکت غیرے بنوایا ہوا، یا خریدا ہوا دفتر واقع ہی، اور جہاں انگوری فنڈ جس سے انگور کھائے جاتے ہیں ویم مرنا فنڈ جسمیں پہونچکر چاندی مرجاتی ہی، و چٹنی فنڈ جسے چٹنی کرلیا جاتا ہی اور جملہ دیگر ہمہ اقسام فنڈہائے مرحوم و مغفور کا روضۂ مبارک یعنی "چھوٹا سا بل" یا شاید "بڑا سا بل" بطور تحفظ آثار قدیمہ جس کے مصنف اللہ بخشے اپنے بڑے لاٹ صاحب کرزن بہادر تھے، ابتک محفوظ ہی) بحالت درستی ہوش و حواس و ثبات نفس اعلان کرتا ہوں کہ یہ مضمون ہذا جو کیا نام کہ اب ہم لکھا کینگے سنمقریا "من کتب" کا اپنا لکھا ہوا اور تصنیف و تالیف کیا ہوا ہی، کوئی صاحب بلا اجازت قصد طبع نہ فرمائیں اور جس قدر جلدیں مطلوب ہوں شرکت ادبیہ مشرقی المحدود، دہلی سے منگوالیں اور عنداللہ ماخوذ یا ماجور (جو صحیح ہو وہ) ہوں کیا نام کہ بھائی "بیرد" صاحب الہ آبادی، اور بھائی "ہندی اوقات" بمبادی، اور بھائی "زن داری" لاہوری اور بھائی "ناقابل" لاہوری سبکے سب شور مچا رہے ہیں کہ مہاتما گاندھی بہ شکل آندھی ساحل سمندر کی طرف فرّوٹ چلے جارہے ہیں تاکہ وہاں پہونچکر ہرقسم کا نمک از قسم کالا، و سانولا، و گورا، و سیندھا و لاہوری و سانبھر وغیرہ اپنا تعمیر کریں اور بنائیں، یا بنانے کا ارادہ کریں اور نہ بنانے پائیں یا

پھر وہ نمک بنائیں اور اچکے اڑالے جائیں۔ لیکن ہزار ہزار افسوس کہ بھائی گاندھی جی نے ہم سے مشورہ نہیں کیا نہیں کیا نہیں تو ہم انھیں بتا دیتے کہ

بدریا اگرچہ منافع بے شمار ہوتا ہی
لیکن سلامتی چاہو تو وہ برکنار ہوتا ہی

(یہ پورا کا پورا شعر ہمارا یعنی سنمقر کا اپنا کہا ہوا ہی) پس کیا نام کہ لازم آیا کہ کوئی شخص ہرگز ہرگز "کنار آب رکناباد" نہ جائے، اور الف لیلہ یا بہار دانش والے بھائی سندباد جہازی کی طرح دھوکا نہ کھائے جو ایک بہت بڑی مچھلی کو کہ جو غسل آفتابی یا "زائد بنفسجی" غسل میں کہ جسے صاحب لوگ اور میم صاحب لوگ سب "الٹا لیٹ رَیز" کہتے ہیں مصروف تھی، جزیرہ سمجھ کر قضائے حاجت کے لئے اس کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھے تھے، یا کشتی سے اتر بیٹھے تھے جب وہ مچھلی اپنے "الٹا لیٹ" سے فارغ ہو کر سیدھی ہوئی تو بھائی سندباد اُلٹے لیٹ گئے، فلہٰذا ہم بھائی گاندھی جی کو یہ ترکیب بتلاتے کہ وہ چپکے کسی رات کو دلی آجاتے اور یہاں جمنا کنارے بیٹھ کر بھائی حاجی محمد علی کے ساتھ استنجے کے "ڈھیلے" بنایا کرتے، اور اتنے بناتے اتنے بناتے کہ سارے ملک کی زمین استنجے کے ڈھیلے بنجاتی، اور یہ سب کو معلوم ہی کہ یہ ڈھیلے بھی بہت کام کے ہوتے ہیں، پہلے تو کیا نام کہ ہم حاجی صاحبان ہی دَوڑ دَوڑ کر انھیں خریدتے اور پھر کیا نام کہ گورنمنٹ بہادر بھی

انکی بہت اچھی قیمت دے نکلتی، اور پھر یہ کتنی بڑی بات ہوتی کہ نہ جیل کا کھٹکا نہ پھانسی کا غم۔ نہ کانی کتاب میں نام، اور نہ "سیاہی دن" کا سیاہی پیچھے پیچھے۔ نہ کوئی خاکی پاجامے والا کبھی ٹوکتا اور نہ لال عمامے والا ہی پوچھتا کہ تمھارے منہ میں کے دانت ہیں اور۔ لوفرضا یعنی بفرض محال اگر کبھی کوئی پوچھ ہی بیٹھتا تو منہ کھولکر دکھا دیتے کہ اللہ کے فضل وکرم سے ایک بھی باقی نہیں ہے اپنا تو گورنمنٹی آدمیوں کو بھی معلوم ہو کہ نیو ہیکل ہاتھیوں کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور۔ بس پھر کیا تھا سب کام بنجاتا، مزے سے کسی نہ کسی "نیٹو" یا "پٹیو اسٹیٹ" سے تنخواہ مقرر ہو جاتی، دس بیس گز زمین معافی میں ملجاتی جس کا کوئی ٹیکس از قسم لگان و مالگذاری و آبیانہ و رسد و بیگار و ڈالی و ہولی و دوالی پہ مٹھائی کی تھالی غرضکہ کچھ نہ دینا پڑتا، اور سارے ہندوستان میں نہ سہی اپنی اس بیس گز زمین پر تو پورا پورا "پورن سوراجیہ" ضرور ہی مل جاتا، اور سنا ہو کہ "پورن سوراجیہ" ہی سب دیسی اور پردیسی کانگریسیوں کا اور تمام شیدائے خلافت اور بابائے خلافت قسم کے لوگوں کا نصب العین بھی ہو۔

اور اگر گاندھی جی سے استنجے کے ڈھیلے نہ بن سکیں تو ایک ترکیب اور بھی ہو وہ یہ کہ وہ برابر تین مہینے تک روز حلوا پوری خوب کھائیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی خوب کھلائیں، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ سب کو کیا نام کہ "جابیجا اسٹیس" کی بیماری سب کو ہو جائے گی جو ہر شریف آدمی کو جو خوب کھاتا پیتا ہو ہو جاتی ہو، بس پھر سب کے پیشاب میں کیا نام کہ نو اعشاریہ دس شکر آنے لگے گی اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ رضا کار سب کے سب نمک کی بجائے شکر بنانے لگیں گے اور شکر بنانا کسی قانون میں انددوسے قوانین مجموعۂ تعزیرات ہند وایکٹ اسلحہ وضابطۂ فوجداری کہ جس کے رو سے فوج اور پولیس جلانیور میں جمع کیجاتی ہو، غرضکہ کسی طرح بھی قانون کی دفعہ میں نہیں آتا، شکریوں بھی نمک سے زیادہ قیمت کی چیز ہو اور اتنی شکر اگر ہندوستان میں بننے لگے



حاجی بغلول

تو پھر بدیشی شکر کا بھائی کاٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔ شکر اوّل تو یوں ہی بک جاتی اور اگر یوں نہ بک سکتی تو خدا کے فضل و کرم سے ملک میں ایک سے ایک بڑے راجے مہاراجے بھرے پڑے ہیں، کوئی سا بھی ایک راجا پچیس تیس ہزار میں اسے خرید لیتا۔

بناءً علیہ ہم اپنے تمام مقلدوں اور غیر مقلدوں کو جو کبھی کبھی رفع یدین بھی کر بیٹھتے ہیں اور ہر قسم اور ہر ذات کے مسلمان بھائیوں کو جو از قسم سنی و شیعہ و حنفی و شافعی، و احمدی قادیانی و احمدی لاہوری صدہا اقسام پر مشتمل ہیں حکم دیتے ہیں کہ ہر گاہ کہ یہ واضح اور آشکارا ہو چکا ہے کہ نمک بنانا یا بنوانا، یا بنالے یا بنوانے کی نیت کرنا یا ایسی نیت اور ایسے ارادے سے کسی سمندر یا جھیل کی جانب رُخ کرنا، یا رُخ کرنے کا ارادہ کرنا سب ہماری گورنمنٹ بہادر کی مرضی کے خلاف ہے لہذا وہ اس حرکت سے کامل اجتناب و پرہیز، اور اس قسم کی جملہ اقوام جرائم پیشہ سے گریز کریں، بلکہ مناسب یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے نمک کھانا ہی چھوڑ دیں تاکہ مہاتما جی کی فوج جتنا نمک بنائے اسے خریدنے والا کوئی نہ ہو، اور وہ سمندر کے کنارے پڑا سڑتا رہے اور جب کبھی ساون بھادوں کی بارش ہو تو گھُل کر بہ جائے۔ نمک کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ظرافت اور ہنسی مذاق سے مشابہت رکھتا ہے، اور ہنسی مذاق ہر گز ہر گز کوئی ایسی چیز نہیں ہے پس ثابت ہو گیا کہ ان کا مشبہ بہ یا شاید مضاف مضاف الیہ بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہو سکتا، فلہذا نمک بُری چیز ہے کیونکہ جو چیز اچھی نہیں ہوتی وہ ضرور بُری ہوتی ہے، اسکے علاوہ ہندوستان کا نمک یوں بھی کچھ کمزور سا ہوتا ہے، اور مشہور ہے کہ ہندوستان کے نمک کو جس نہیں ہے کیا معنی کہ جو اس کا نمک کھاتا ہے وہی نمک حرامی کرتا ہے، پس اندریں حالات سب مسلمان بھائیوں کو چاہئے کہ ایسا خراب نمک نہ کھائیں اور اپنے لئے وہی پُرانی چال کا نمک لورپول سے منگائیں جس سے جگر پھول جاتا ہے اور آدمی کبھی بے جگر نہیں ہونے پاتا کہ جو گورنمنٹ بہادر سے لڑنے کا خیال کرے۔

دیگر اس اعلان ہذا کے رُو سے ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں اور بیٹوں اور بیٹیوں، اور ماؤں اور باپوں کو خبردار و آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خاکسار ذرّہ بے مقدار جو اس اعلان ہذا کا المعلن و المشتہر اور اس تحریر ہذا کا من کتب اور من مقر ہے ایک عرصۂ دراز تک کہ مدت جس کی کچھ اوپر دو سال تک بحساب شمسی پہونچتی ہے منشی کارٹ مرحوم و منشی ہندر و مرحوم ساکن قدیم کوچۂ غلیواڑاں دہلی و وارد حال دیار عدم آباد کے مزار ہائے مبارک پر معتکف رہنے کے بعد اب پھر وارد حال دہلی ہو گیا ہے تاکہ اسی شہر آشوب کے زمانے میں مسلمانوں کی رہنمائی کر سکے اور انھیں اس صراط مستقیم سے نہ بھٹکنے دے جو حضور کمشنر صاحب و کلکٹر صاحب و جنٹ صاحب و دیگر حکام و صاحب لوگہائے ہیچمدان انکے لئے مقرر کر دیں جس طرح کہ قربانی کی گائے کے لئے سڑکیں مقرر ہو جاتی ہیں اور اگرچہ کتے بلی، گھوڑے، گدھے صاحب لوگ اور ہندوستانی سب ان سڑکوں سے گذرتے اور گذر سکتے ہیں لیکن مسلمان کی گائے بنوک سنگین و تیغ رنگین روک دیجاتی ہے، یا جس طرح ہندوؤں کا جلوس جس کے ساتھ مزامیر ہوتے ہیں اگرچہ شہر کی چھوٹی چھوٹی تمام مسجدوں کے سامنے باجے بجاتا اور شور و غل مچاتا گذر سکتا ہے لیکن جامع مسجد کے سامنے سے انکا گذرنا بالکل ممنوع ہے۔

بدقسمتی سے آجکل "کرۂ ہوائی" کہ جسے صاحب لوگ ایٹماس فیر بھی کہتے ہیں بہت خراب ہو گیا ہے اور مسلمان مسلمانوں کی موت زیست میں بھی شریک نہیں ہوتے اور جب جامع مسجد میں جنازہ کی نماز کے لئے لوگوں کو بلایا جاتا ہے تو فوراً جا کر بالغان اور نابالغات کے نکاح میں شریک ہو جاتے ہیں جو از روئے "سردا ایکٹ" بالکل قانون کے خلاف ہے، اور بڑے بڑے خورد سرا اور بزرگ شکم حاجی صاحبان ننھے ننھے دولھا اور ننھی منھی دلہن کو گود میں لے کر خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ سب کام بالکل قانون کے اور فطرت کے خلاف اور مستلزم السزا ہیں۔ پس کیا نام کہ ہم اپنی شبیہ مبارک بھی اس مضمون کے ساتھ آڈیٹر صاحب کے پاس بھیجے دیتے ہیں تاکہ سب لوگ پہچان لیں کہ ہم وہی اگلے زمانے والے حاجی لغلول صاحب ہیں اور ہماری تصویر بھائی اصغر علی محمد علی کی طرح جنھیں ہم پہلے مرد سمجھتے تھے اور اب ان کی تصویریں ہر ایک ادبی پرچہ کی پشت پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ وہ عورت ہیں، بدلتی نہیں رہتی ہے۔

کل کیا نام کہ ہم چاوڑی بازار سے گذر رہے تھے تو اتفاق سے پنڈت "مولوی جی" ایک دوکان پر پان کھاتے ہوئے مل گئے، ہمیں دیکھتے ہی کہنے لگے "اخاہ! حاجی صاحب آپ ہیں" ہمنے کہا کہ "جی ہاں ہم ہیں" کہنے لگے "آپنے کچھ اور بھی سنا ہم آسام بل سے واک آؤٹ کر چکے اور اب سنونی یا شاید مستعفی بھی ہو گئے"، ہمنے کہا مولوی

یہ تم نے کیا غضب کر دیا ایکدم سے سات کرسیاں خالی کردیں۔ بھائی جتنا مسلمانوں لئے پہلے ہی آٹھ اوپر تیس کرسیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، بس اگر گورمنٹ یہ ساتوں ساتوں کرسیاں مسلمانوں کو دے دیگی، ایک کرسی پر بھائی حاجی محمد علی بیٹھینگے ایک بھائی حاجی شوکت علی، اور باقی پانچ پر بھی ایسے ہی بڑے بڑے اور موٹے موٹے ...میوں کو لاکے بٹھا دینگے اور اپنی تینتیس فی صدی پوری کرلینگے۔ مولوی جی بہت ہنس کر کہنے لگے کہ جناب حاجی صاحب میز کرسیوں کی ضرورت تو انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو اپنی ٹانگوں پر کھڑے نہ ہوسکیں ہماری ٹانگیں بہت مضبوط ہیں۔" اور سچ مچ اب جو ہم نے غور کرکے دیکھا تو مولوی جی کی پنڈلیاں جو دھوتی کی وجہ سے دکھائی دے رہی تھیں خوب موٹی موٹی اور مضبوط تھیں۔ پس کیا نام کہ ہم نے بھی ارادہ کرلیا کہ روزانہ اپنی ٹانگوں میں طلاء برقی واحد علی شاہی اور طلاء حیرت انگیز کی بوتلیں ملا کرینگے تاکہ ان میں طاقت آجائے اور ہم بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے لگیں، پھر مولوی جی نے بہت دیر اس بنواڑی کو نصیحت کی کہ "دیکھو بھائی تم فقط دیسی پان بیچا کرو" اور اس نے وعدہ بھی کرلیا، بس پھر ہم چلے گئے، اور یہ چند سطریں لکھ دیں تاکہ سند رہے اور عند الضرورت کام آئے۔

الـــــــعـــــــل

حاجی لمغ العلی ولد حاجی کشف الدجیٰ المعروف بہ حاجی بغلول نور اللہ مرقدہٗ بقلم خود تحریر نمود کہ آیا کمہ انجمن ترویج نکاح کبرسنی کا دفتر اب کھل گیا ہے۔ اور "حزب البنالیل" کے تمام ایسے ممبران و ڈائرکٹران بورڈ و سکتریان وغیرہ جو جہل و شش' نازم بر ایں ریش و فش ہوں اپنی شادی کی درخواست بھیج سکتے ہیں، دفتر مذکورۃ الصدر بذریعہ تحقیقاتی کمیشن اول اپنا اطمینان کرے گا کہ آیا ان کی ضرورت جائز اور قابل لحاظ ہے یا نہیں بعدہٗ ان کی شادیوں کا انتظام کرے گا۔

نوٹ

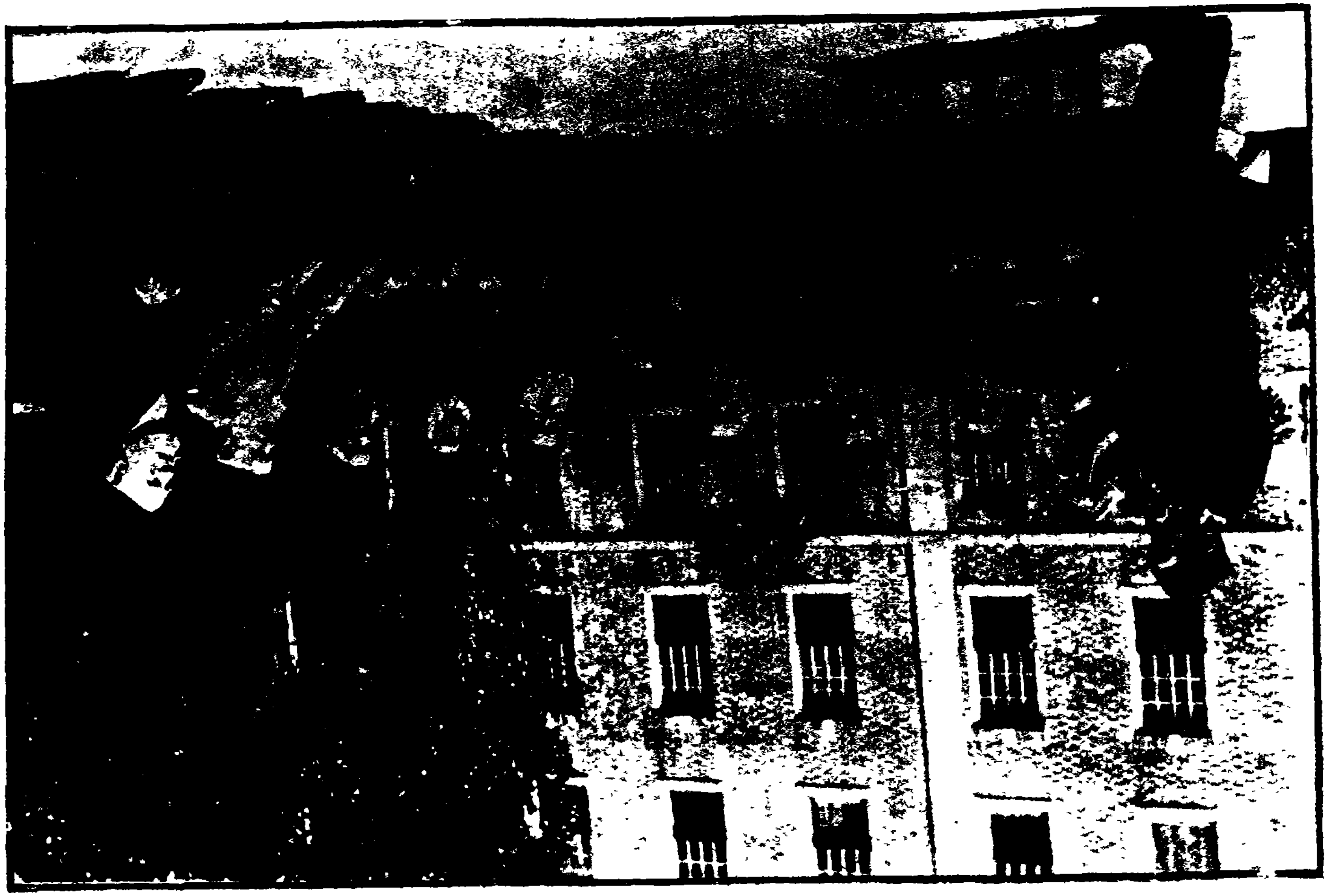
شانیًا یا شایدًا ثالثًا آنکہ آیندہ کوئی صاحب از راہ کرم ہمیں "انگریز کا دشمن" یا "ہندوستان کا سیدھا سچا سپاہی" وغیرہ خطابوں سے یاد نہ کریں کیونکہ ہمیں شاہد ہے کہ بہت سی جیلیں تو سرکار بہادر نے خالی کرائے ہیں، اور ہم کیا نام کہ جیلخانوں کی چکیوں سے بہت ڈرتے ہیں۔

حررہٗ، احقر بغلول قدس سرہٗ

پارہائے جگر

(از جناب بابو شیام موہن لال صاحب جگر، بریلوی)

دل سے طاعت تری نہیں ہوتی ۔۔۔ ہم سے اب بندگی نہیں ہوتی
ایسی کچھ بے دلی سی غالب ہے ۔۔۔ کہ تری یاد بھی نہیں ہوتی
دل نہ جبتک ہو ایک شعلۂ عشق ۔۔۔ زندگی زندگی نہیں ہوتی
حیف وہ جس سے شدت غم میں ۔۔۔ خواہش مرگ بھی نہیں ہوتی
راس آتی نہیں کوئی تدبیر ۔۔۔ یاس جاوید بھی نہیں ہوتی
ضبط غم بھی محال ہے ہم سے ۔۔۔ اور فریاد بھی نہیں ہوتی
دل پرستی خدا پرستی ہے ۔۔۔ خود پرستی خودی نہیں ہوتی
الحذر تشنگی عشق جگر ۔۔۔ ہائے تسکین ہی نہیں ہوتی

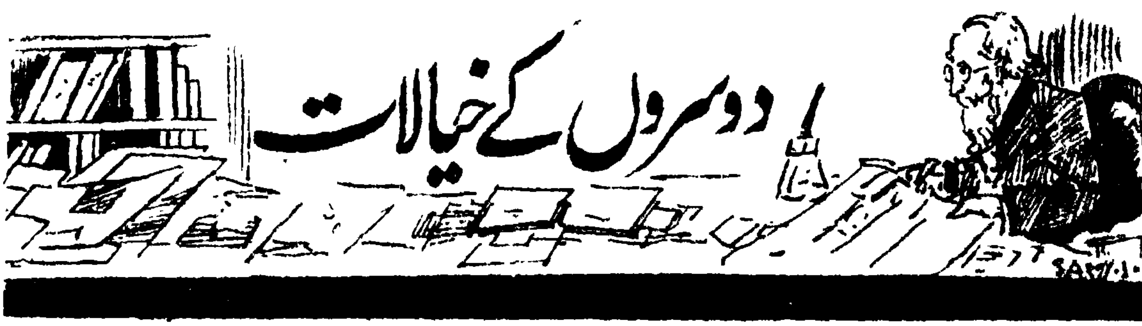




خلق اللہ کے خدمتگذار قوم کے لئے غلہ تیار کرنے میں مصروف ہیں ۔



آسٹریلیا کی مشہور و معروف جھیل کانسٹینس



مسلمان اور سول نافرمانی

شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے قابل قدر خیالات

" سیاست میں عشق و محبت نہیں ہوتی اور سیاست میں بھیک ملتی ہے۔ مسلمان اپنے حقوق کو ہندوؤں سے نہ روٹھ کر لے سکتے ہیں اور نہ ہاتھ پھیلا کر حاصل کر سکتے ہیں، اگر بالفرض انھیں اس طرح حقوق مل بھی گئے تو وہ انھیں باقی نہیں رکھ سکتے، کوئی قوم سیاسی حقوق اس سے زیادہ نہیں رکھ سکتی جتنے رکھنے کی اسکے پاس سیاسی قوت نہیں ہوگی "

یہ وہ الفاظ ہیں جو شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ۱۲ مارچ ۳۰ء کے جلسہ میں فرمائے تھے، جو جنگ آزادی کی ابتدا کے اس تاریخی دن کو منانے کے لئے جامعہ میں منعقد ہوا تھا۔ آپنے مسلمانوں کی موجودہ روش کے متعلق فرمایا کہ ان کی دوہری پوزیشن ہو سکتی ہے، ایک تو یہ کہ السٹر (آئرلینڈ کا وہ صوبہ جو انگریزوں کے زیر سایہ رہنے کا حامی تھا) کی طرح انگریزوں کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ جائیں اور انھیں اس ملک سے جانے نہ دیں پھر جو سیاسی مراعات اور حقوق انگریز انھیں اس سلسلہ میں دے سکتے ہیں وہ لیں، لیکن انگریز ایسے بیوقوف نہیں ہیں اور نہ ہندوؤں کی بیدار قوتیں انھیں زیادہ عرصہ تک ایسی بیوقوفی کرنے کا موقع دیں گی، انھوں نے اس ملک میں جمہوری ادارے قائم کر کے مسلمانوں کی اس توقع کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا کہ یہاں اقلیت بھی حکمراں ہو سکے گی۔ اب اس قوم کو زیادہ سیاسی حقوق مل سکتے ہیں جس کے پاس زیادہ سیاسی قوت ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اس جنگ آزادی میں بغیر کسی شرط کے ہندوؤں کا ساتھ دیں اور جب جنگ ختم ہو جائے اسوقت اپنے سیاسی حقوق ان سے زور تو لیں، مسلمانوں کی یہ بہت بڑی غلطی ہے جو اسوقت وہ ہندوؤں سے اپنے سیاسی حقوق کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ ہندو اگر ذرا سمجھ سے کام لیں تو مسلمانوں کو دھوکا دیکر اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں، وہ اسوقت انھیں جو حقوق وہ مانگتے ہیں دے دیں لیکن پھر بعد میں جب مسلمان اپنی سیاسی کمزوری کی وجہ سے ان حقوق کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر ان سے واپس چھین سکتے ہیں، اسوقت اس جنگ میں مسلمانوں کا علیحدہ رہنا نہ صرف ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہے بلکہ دنیا کی تمام نظیروں کے بھی خلاف ہے، گذشتہ جنگ عظیم کے زمانہ میں جرمنی میں ایک بہت بڑی جماعت تھی جو قیصر کے خلاف تھی اور جو اسے تخت سے اتار کر ملک میں جمہوری سلطنت قائم کرنا چاہتی تھی، لیکن اس عرصہ میں جبکہ انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی، اسنے اپنی تمام مخالفت کو پس پشت ڈال دیا اور اس تیسرے مشترکہ دشمن کے مقابل میں وہ جماعت چار سال تک نہایت وفاداری اور جاں نثاری سے لڑتی رہی، ۱۹۱۸ء میں جب جنگ ختم ہو گئی اور پھر کوئی بیرونی خطرہ باقی نہیں رہا تو اسی جماعت نے قیصر کو تخت سے اتار کر ملک میں جمہوری حکومت قائم کی، مسلمانوں کو بھی اصل میں یہی چاہئے کہ اس تیسرے اور مشترکہ دشمن کے مقابلہ میں ہندوؤں سے باہم متحد ہو کر لڑیں، جب اس دشمن کو شکست دے لیں پھر ہندوؤں سے اپنے حقوق جس طرح چاہیں تسلیم کرائیں۔ کہنے کو تو بہت کچھ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے بھی لڑینگے اور ہندوؤں سے بھی لیکن لڑتے ایک سے بھی نہیں۔

اس جنگ آزادی میں آئندہ کی شرکت کے متعلق آپنے فرمایا کہ بہت عرصہ نہیں گذرے گا کہ صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے مسلمان جہاں ان کی اکثریت ہے جنگ میں کود پڑینگے اسکے بعد عام مسلمان بہت عرصہ تک اس تحریک سے علیحدہ نہیں رہ سکیں گے، جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ اسنے دنیا کو غلامی سے نجات دلائی، اسلام آزادی کا سب سے بڑا علمبردار ہے وہ مسلمان کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ملک میں جنگ آزادی ہوتے ہوئے دیکھے اور چپ چاپ کھڑا رہے۔

جامعہ کی اس تحریک میں شرکت کے متعلق آپنے فرمایا کہ اسوقت اگر اور مسلمان شریک ہوتے

تو پھر کارکنان جامعہ کو اسمیں حصہ لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی، جامعہ تو فوراً جنگ آزادی کے لیے سپاہی تیار کر رہی ہی کارکنان جامعہ کی یہ چھوٹی سی جماعت اس ایک کام میں لگی ہوئی ہی اب اسکو کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ تھی، یہ خود ایک قومی اور مذہبی کام ہی لیکن اسوقت جس حالت میں ہم ہیں اسکی بنا پر اندیشہ ہی کہ کہیں ہمارے طرز عمل سے طرح طرح کی غلط فہمیاں نہ پیدا کی جائیں۔ اس لئے ہم میں سے کچھ کی شرکت ضروری ہی۔

جامعہ بحیثیت ایک خاندان کے ہی جسکے طلبار اور اساتذہ دونوں رکن ہیں، ہم میں سے جو شخص خواہ جسے طلبہ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہو یا اساتذہ کی، بخوشی اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے تیار ہی، وہ اپنی مرضی سے ہمیں مطلع کرے اور پھر جامعہ یہ فیصلہ کریگی کہ آیا وہ اپنے کنبہ میں کس کس کو اور کتنے کو دے سکتی ہی تاکہ اسکے کام پر بھی اثر نہ پڑے۔ (ملت)

وفاداری اور ناوفاداری

پرجوش وفاداری اور عدم وفاداری کے بین بین کوئی اور راستہ نہیں ہی، جسٹس اسٹین آئنسٹائن کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہی کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کرنا چاہتا ہی کہ وہ محبت نہ کرنے کا مجرم نہیں ہی تو اسے چاہیے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ ایک پرجوش محبت کرنے والا ہی۔ آج جمہوریت کے عہد میں کسی شخص کی ذات کے ساتھ وفاداری کوئی معنی نہیں رکھتی، آپ اگر وفادار ہیں تب بھی کسی نظام کے وفادار ہیں اور غدار ہیں تب بھی آپ کی غداری کسی نظام ہی کے خلاف ہی۔ یہی وجہ ہی کہ اگر آپ ناوفادار اور غدار ہیں تو آپ شخصیتوں کو اور افراد کو تباہ کرنے کے متمنی نہیں ہوتے بلکہ نظام کو درہم و برہم کرنا آپکا مقصد ہوتا ہی۔ موجودہ حکومت بھی ایک نظام ہی اور ایسا نظام ہی کہ لوگ اگر اس کی حقیقت سے واقف ہوں تو کبھی اسکے ساتھ وفادار نہیں رہ سکتے، وہ مفسدہ پرداز ہی۔ اس کے بیشتر قانون جو معاشرت سے متعلق ہیں بالکل خلاف انسانیت ہیں، ان قوانین کے نفاذ کا طریقہ اور بھی برا ہی۔ اکثر حالات میں ایک فرد واحد کی مرضی قانون بنجاتی ہی۔ بلا کسی مبالغہ کے کہا جا سکتا ہی کہ اس ملک میں جتنے شہر ہیں اتنے ہی بادشاہ بھی موجود ہیں۔ یہ بادشاہ جنھیں کلکٹر کہا جاتا ہی ان کی ذات میں عاملانہ اور منصفانہ دونوں قسم کی سرگرمیاں مجتمع ہوتی ہیں، گویا وہی خود فرماں روا ہیں اور وہی منصف اگرچہ توقع یہی کی جاتی ہی کہ ان کی کارگذاریوں کی بنیاد قوانین پر ہوگی جو کہ فی نفسہم خود نہایت ہی ناقص ہیں، لیکن دیکھا یہ جاتا ہی کہ یہ بادشاہ اکثر بہت ہی تلون طبع ہوتے ہیں اور اپنی مرضی اور اپنے خیالات کے علاوہ اور کسی قانون کی پیروی نہیں کرتے، وہ باشندگان ملک کے مفاد کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ برٹش حکمرانوں کی اور انکے اصولوں کی نمائندگی کرتے ہیں، ان (تقریباً تین سو) افسروں کی ایک تقریباً خفیہ انجمن بنی ہوئی ہی جو دنیا بھر کی انجمنوں سے زیادہ طاقتور ہی انکے سپرد یہ کام ہوتا ہی کہ مالگذاری کی ایک مقررہ رقم وصول کر دیا کریں، اور اس غرض کے حصول کے لیے وہ اکثر لوگوں کے ساتھ نہایت ہی ذلیل برتاؤ کرتے دیکھے گئے ہیں، حکومت کا یہ نظام مسلمہ طور پر اس بات پر مبنی ہی کہ کامل بے رحمی کے ساتھ ہندوستان کے بے شمار باشندوں سے ناجائز فوائد حاصل کئے جائیں، گاؤں کے مقدم سے لے کر اپنے ذاتی نائب تک ان نمائندگان حکومت نے ماتحتوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر لیا ہی جو اگرچہ اپنے بدیشی فرماں رواؤں کے سامنے تو کان نہیں ہلاتے لیکن جو عوام کے ساتھ اس قدر سخت اور ایسا غیر ذمہ دارانہ برتاؤ کرتے ہیں کہ جو مخرب اخلاق ثابت ہوتا ہی، اور لوگوں کے دلوں میں ڈر اور خوف غالب کر کے انھیں برائیوں کا مقابلہ کرنے کے بالکل ناقابل بنا دیتے ہیں اس لئے جن لوگوں نے حکومت ہند کی ان خرابیوں کو محسوس کر لیا ہی ان کا فرض ہی کہ وہ اسکے ساتھ وفادار نہ رہیں اور علی الاعلان عدم وفاداری کی تبلیغ کریں، حقیقت یہ ہی کہ ایسی کج رو حکومت کے ساتھ وفاداری کرنا ایک گناہ، اور اس سے غداری ایک کار ثواب ہی۔

لیکن لوگوں کو یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ تیس کروڑ انسانوں کے لئے یہ ایک بزدلانہ اور ذلیل فعل ہوگا، اگر وہ ان تین سو انسانوں کی تباہی کے درپے ہو جائیں جو اس نظام کے بانی ہیں، ان بانیوں کی یا انکے کرایہ کے ٹٹوؤں کی تباہی کی تجاویز سوچنا ہماری انتہائی نادانی کا ثبوت ہوگا، یہ لوگ تو حالات اور اتفاق کے تابع ہیں شریف ترین انسان بھی اس نظام میں داخل ہو کر اس سے متاثر ہو جائے گا اور برائی کی نشر و اشاعت میں مددگار بن جائے گا، اس لئے حقیقی علاج یہ نہیں ہی کہ ان افراد کے خلاف غصہ کا اظہار کیا جائے اور انھیں آزار پہونچایا جائے، بلکہ یہ ہی کہ جو مدد ہماری ذات سے اس نظام کو پہونچتی ہی اسے روک کر، اور جو نام نہاد فائدے وہ پہونچاتا ہی ان سے دست کش ہو کر ہم اس نظام ہی سے ترک تعاون کر لیں، ایک برا نظام ہمارے اشتراک عمل کا مستحق نہیں ہی۔ اسکے ساتھ اشتراک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اس کی بدکاریوں میں شریک ہیں۔ اس لئے ایک بری حکومت کے قوانین کی نافرمانی کرنی سب پر فرض ہی۔ نافرمانی کے ساتھ اگر تشدد شامل ہو تو وہ صرف چند انسانوں تک محدود رہتی ہی جن کی جگہ فوراً دوسرے لے سکتے ہیں، اور خود نظام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اور بلکہ بعض اوقات اشتعال پا جانے سے اس کی بدشعاریاں اور بھی بڑھ

جاتی ہیں، تشدد کے بغیر پر امن نافرمانی ہی اس کا کامیاب اور تنہا علاج ہے اور ہر اس شخص پر فرض ہے جو ان برائیوں سے اپنا دامن الگ رکھنا چاہتا ہے۔ (مہاتما گاندھی)

اہل اسلام کے نام اعلان عام

نوروز کے دن سے جب سے کہ ہندوستان کا قومی جھنڈا ہوا میں لہرانے لگا ہے، ہندوستان کو اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے سابقہ پڑ گیا ہے، ایک قدیم اور عظیم الشان ملک کی قسمت کہ جو ایک ویسی ہی پرانی تہذیب کا بھی حامل ہے، کامگاری اور نامرادی کے ٹھیک درمیان میں لٹک رہی ہے، اور ساری دنیا کی آنکھیں مہاتما جی گاندھی کی ان کوششوں پر لگی ہوئی ہیں جو وہ اسے بدیشیوں کی غلامی سے ستیاگرہ کے ہتیاروں کے ذریعہ نجات دلانے کے لئے کر رہے ہیں۔

ہم پاک مذہب اسلام کے نام پر اپنے ہم مذہبوں سے اور اپنے ملک سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس جنگ آزادی میں دل وجان سے کود پڑیں جس میں کہ انکے ہندو برادران وطن سچے دل سے شریک ہو چکے ہیں۔

کس قدر افسوس ہے کہ بعض افراد جو اپنے آپ کو امت مسلمہ کے پیشوا کہتے ہیں اس بات کی کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ آزادی میں حصہ لینے سے روکیں اور یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ آزادی کی جو تحریک انڈین نیشنل کانگریس نے شروع کی ہے وہ فی الحقیقت ہندو راج حاصل کرنے کے لئے ہے۔ یہ بہانہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ پہلے بھی یہ بہانہ نہ چل سکا تھا اور مسلمان اپنے ہندو بھائیوں کے دوش بدوش چلنے سے نہ روکے جا سکے اور اب بھی ہمیں یقین ہے کہ یہ فریب کام نہ دے گا، اور مسلمانوں کی نظر میں نہ تو اس بہانہ کی کوئی وقعت ہوگی جو کانگریس کے مقاصد کے متعلق گھڑا گیا ہے، اور نہ اس مشورہ کی کہ مسلمان جنگ آزادی میں حصہ نہ لیں جو سراسر تعلیم اسلام کے خلاف ہے مسلمان اس بہانے اور اس مشورہ کو اپنی درینہ روایات کے شایان شان نہ سمجھ کر حقارت کے ساتھ ٹھکرا دینگے۔

ہمیں کامل یقین ہے کہ امت مسلمہ کا دل کمزور نہیں ہے، اور آزمائش وابتلا کے اس موقع پر وہ پیٹھ نہ دکھائینگے اور قومی جنگ میں سچے دل سے اسی جرأت اور اسی جذبہ ایثار کے ساتھ شریک ہونگے جو ان کا خاصہ ہے، اور اس طرح فتح کو بہر حال یقینی بنا دینگے۔ قومی جنگ میں برابر کا حصہ لینے اور قوم کو حصول آزادی میں مدد دینے کے بعد اس بات کی ضرورت ہی نہ رہے گی کہ انھیں اپنے حقوق کسی سے مانگنے پڑیں۔ مسلمانوں سے یہ مطالبہ صرف ان کی قوم ہی کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان کا مذہب بھی اسی بات کا طالب ہے کہ وہ اٹھیں اور جدوجہد میں مصروف ہوں۔ کیونکہ اغیار کی غلامی سے اپنے وطن کو آزاد کرانا ہر ملک اور ہر زمانے میں مسلمانوں کا مذہبی فرض رہا ہے۔

اب مسلمانان ہند کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ خدمت اور قربانی کے اس مطالبہ کو پورا کرکے جو قوم نے ان سے کیا ہے اپنے مذہب کی اور اپنے ملک کی عزت کو برقرار رکھیں۔

دستخط

مولنا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر محمد عالم، شاہ محمد زبیر، ڈاکٹر کچلو، مسٹر عباس طیب جی، سید عبداللہ بریلوی، مولنا عبدالباری، مولوی محی الدین قصوری، مسٹر مہر علی، سید عطاء اللہ بخاری مولنا عبدالقادر قصوری، ڈاکٹر سید محمود، مسٹر تصدق احمد شروانی، مولنا ظفر علیخاں، امام صاحب اے، کے باوازیر، مولوی محمد علی، مولوی عابد علی، جعفر بھائی اور مسٹر حق

سول نافرمانی کے لئے مسلمانوں کی بیتابی

کیا مسلمانوں کو سول نافرمانی سے علیحدگی کی دعوت دینے والوں نے یہ بھی سنا کہ بمبئی میں پچاس مسلمان خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں یہ عہد کر چکے ہیں کہ وہ سول نافرمانی کی مہم میں شریک ہو کر بڑی سے بڑی متاع قربان کرنے سے دریغ نہ کرینگے،

کیا انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ سرحد اور پنجاب کے مسلمان سول نافرمانی میں شرکت کے لئے بیتاب ہیں، کیا وہ اس امر سے بھی باخبر ہیں کہ جس طرف سے مہاتما جی کا کوکبہ جلال گذرتا ہے مسلمان زن و مردان کا استقبال کرکے جہاد حریت میں شرکت پر بیتابی ظاہر کرتے ہیں، سول نافرمانی کی تحریک کے حق میں جو کچھ کہنا ہے کہہ لیجئے، تصفیہ حقوق کی دلکش داستان بار بار دہراتے جائیے لیکن خدا کے لئے حقائق سے تو چشم پوشی نہ کیجئے (انصاف)

استغفر اللہ

مولنا شوکت علی کی اس بے جا تعلی پر ہمکو افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہے کہ سول نافرمانی کے جس غیر متشدد اصول کو اس وقت تک وہ اپنے سیاسی ایمان کا جزو غالب بنائے ہوئے تھے اسکو دفعتاً سفر غیر عقلمندانہ اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً مہلک قرار دینے کی انہیں کیونکر ہمت ہوئی؟ اپنے جن پرانے رفیقان کار کا ذکر مولنا شوکت علی نے کیا ہے وہ چودہری

خلیق الزماں اور ڈاکٹر انصاری ہیں، ان دونوں کا یہ شکوہ کہ مہاتما گاندھی نے ہمارے ساتھ دغا کی محض غلط ہے۔ ہم صاف کہتے ہیں کہ میدان جنگ سے ان جملہ بزرگوں کا فرار انکی بزدلی کے سوا اور کسی بات پر دلالت نہیں کرتا جب تک کوئی خطرہ نہ تھا یہ لوگ آل انڈیا لیڈر بنے رہے لیکن سول نافرمانی اور قید و بند کی صورت پیدا ہوتے ہی دوسروں پر الزام رکھکر صاف بچ نکلنے ہی میں ان کو اپنی عافیت نظر آئی "استغفر اللہ" (مولنا حسرت موہانی)

کمپنی باغ کا عظیم الشان جلسہ

اسی شام کو کمپنی باغ میں جمعیۃ علمائے ہند کی سرپرستی میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ بصدارت مولنا مفتی کفایت اللہ صاحب منعقد ہوا، جسمیں مولنا حفیظ الرحمن صاحب مولنا عبد الحلیم صاحب، مولنا اختر حسن صاحب، مولنا محمد نعیم صاحب، مولنا حبیب الرحمن صاحب اور مولنا احمد سعید صاحب کی پُر زور تقریریں ہوئیں۔ مولنا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے علی الاعلان مسلمانوں سے کہا کہ جب تک مسلمان کانگریس میں شریک ہوکر اور تحریک آزادی میں پورا پورا حصہ لیکر ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد نہ کریں گے انکے پرسنل لا کا تحفظ ناممکن ہے، مسلمانوں نے مولنا کی تقریر کو کامل سکون کے ساتھ سنا اور جلسہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ (ملت)

مسلمانوں کا فرض

آج کا دن ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا، اور جو جنگ آج شروع کی گئی ہے، دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نظر نہ آئے گی، آج کا دن ہر پہلو سے بے نظیر دن ہے، آج پینتالیس سال کے کانگریس کے کام کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے، آزادی کا وہ جھنڈا جو دریائے راوی کے کنارے کھڑا کیا گیا تھا اور جواہر لال نوجوان نے لہرایا تھا، آج اسکی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ کیا اس جنگ میں دونوں طرف توپیں ہوں گی، نہیں نہیں ایک طرف صبر اور دوسری طرف جبر ہوگا۔ ایک طرف فرشتہ صورت انسان اور دوسری طرف جبر و استبداد صورت ہوگا۔ آج مہاتما گاندھی نے تہیہ کر لیا ہے، یا فتح ہوگی یا کام آؤں گا۔ ایسے اہمیت کے دن اپنے دلوں کو ٹٹولو، اپنی ضمیر کا امتحان لو، کہ آج تیرا کیا فرض ہے۔ آج مادر وطن کے سپوت بنا چاہتے ہیں یا کپوت، آج مادر وطن آپسے حق مانگتی ہے، مہاتما جی کی لڑائی ذاتی نہیں بلکہ بتیس کروڑ انسانوں کو غلامی سے چھڑانے کے لئے ہے، آپ سوچئے کہ مہاتما جی نے اس جنگ کو کس غرض کے لئے چھیڑا، کیا وہ اپنے لئے سلطنت چاہتے ہیں، کیا وہ سکندر یا نادر شاہ کی طرح ہوس ملک گیری کے لئے لڑتے ہیں، اس واقعہ کی مثال تاریخ میں مشکل نظر آئے گی، اب سوچنا یہ ہے کہ آپ سپوت بنا چاہتے ہیں یا کپوت، (مولنا عبد القادر قصوری)

عجیب و غریب وزارت

مجھے معلوم ہے کہ وائسرائے کی مجلس عاملہ میں بہت سے بغیر تنخواہ کے لوگ بھی موجود ہیں جنھیں اس ایوان میں بھی کوئی نہ کوئی قلمدان مل گیا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ وہ تھوڑا صبر کرینگے اور ینگے کہ میں انکے متعلق بھی کیا کہتا ہوں۔ بہرحال جناب والا، اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس ملک کی حکومت کی مجلس عاملہ کے ارکان کو اسقدر بڑی تنخواہیں جو ۶۶۶۶ روپیہ اور کچھ آنوں تک آخر کیوں دی جائیں، ان لوگوں کو جو تنخواہیں یہاں ملتی ہیں وہ انگلستان کے وزیر اعظم کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

ان نصف درجن اراکین میں سے صرف تین ہیں جو اس ملک کے ہیں چار اراکین میں کمانڈر انچیف کو تو زیادہ تر فوجی معاملات سے کام رہتا ہے، عام انتظامات سے انھیں بہت کم دلچسپی ہوتی ہوگی، رکن مالیات کو ہر پانچویں سال تازہ بتازہ انگلستان سے بلایا جاتا ہے وہ اس ملک کے باشندوں کی حالت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ انھیں یہاں کے لوگوں کے جذبات کی کوئی خبر نہیں ہوتی، وہ اس ملک کے مسائل سے بھی نابلد ہوتے ہیں اور قبل اسکے کہ وہ ان معاملات سے پورے طور پر واقف ہوں ان کی ملازمت کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ چلے جاتے ہیں، اب باقی جو تین ہندوستانی ہیں ان میں سے بھی عموماً صرف ایک صاحب ایسے ہوتے ہیں جنھیں ملک کے عام معاملات کا کچھ تجربہ ہوتا ہے اور بقیہ دو کو عموماً حکومت سرکاری ملازمین میں سے منتخب کرتی ہے جو ملک کی عام حالت سے اس طرح بے خبر ہوتے ہیں جس طرح شعبہ مالیات کے ارکان، اسی طرح سے جناب والا، کیا ہم کوئی توقع کر سکتے ہیں کہ یہ مجلس وائسرائے کو کوئی اچھا مشورہ دے سکتی ہے؟ کیا ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ یہ تین ہندوستانی ہندوستان جیسے وسیع ملک کے باشندوں کے جذبات، ان کی خواہشات اور اس ملک کے متعدد مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہونگے! (مولوی محمد یعقوب ایم ایل اے)

ہندوستان کی حالت زار

تمام ملک میں تجارت کی حالت بہت زیادہ گری ہوئی ہے لوگوں کی قوت خرید قریب قریب ختم ہوچکی ہے۔ بیکاری میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ عوام میں ٹیکس برداشت کرنے کی طاقت اب بہت کم ہوگئی ہے صنعت پارچہ بافی کی موجودہ رنج دہ حالت کی خاص وجہ ایکسچینج کی شرح تبادلہ ہے، اگر حکومت اس شرح تبادلہ کو جاری رکھنے کی مصنوعی تدابیر اختیار کرنا بند کردے گی اور صنعت کو حسب سابق چلتے رہنے دے گی تو وہ جلدی اپنی سابقہ حالت پر پہنچ جائے گی، غیر ملکی صناع کو ۱۲ ½ فیصدی کی رعایت دینے کے لئے ہندوستانی صنعت پر شرح تبادلہ کی شکل میں جو پابندیاں عائد کی جارہی ہیں وہ اگر دور کردی جائیں تو ہندوستانی صنعت جلدی پھر زندہ ہوکر عروج پر پہنچ سکتی ہے لیکن یور ایکسلنسی کی گورنمنٹ ان تجاویز کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتی۔ (پنڈت مدن موہن مالویہ)

مسلمانوں پر اعتقاد

گجرات میں برطانی اور ریاستی علاقہ میں امتیاز کرنا مشکل ہے جنوبی افریقہ میں بھی یہاں کے ہندو اور مسلمان کثیر تعداد میں تحریک ستیہ آگرہ میں شامل ہوئے تھے، اس گاؤں میں بھی ابتک کئی مسلمان دوست موجود ہیں جنھوں نے افریقہ میں میری مدد کی تھی۔ اگر افریقہ میں مرحوم کچالیا میری مدد نہ کرتے تو مجھے کامیابی نہ ہوتی۔ مجھے اپنے مسلمان دوستوں پر پورا اعتقاد ہے، اگر آپ میرا یقین کریں تو میں کہوں گا کہ میں مسلمانوں کا ویسا ہی سچا دوست ہوں جیسا کہ ہندوؤں کا، ہندو مسلمان میری تحریک میں شامل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، سچے مسلمان محصول نمک جیسے غیر آئینی ٹیکس کو برداشت نہیں کر سکتے۔　　(مہاتما گاندھی)

ہندوستان میں بدیشی سرمایہ

ہندوستان میں بدیشی سرمایہ دار تین طور پر داخل ہوتا ہے۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ یہ قرضہ کے طور پر ہندوستانیوں اور حکومت ہند کو دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں بدیشی سرمایہ دار کو صرف ایک مقررہ مقدار سود کی ملتی ہے، اور اسکے سوا اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ بدیشی سرمایہ دار کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ سرمایہ کس طرح صرف کیا جا رہا ہے، اور اس سے کیا منافع حاصل ہو رہا ہے۔ بدیشی سرمایہ کی اس درآمد پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ یہی اور صرف یہی سرمایہ ہندوستانی تجارت کو فروغ دینے میں ممد ثابت ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت بدیشی سرمایہ کی درآمد کی یہ ہے کہ بدیشی سرمایہ دار اسے ہندوستانی سرمایہ دار سے مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستان میں لگا رہا ہے، اس کا ایک فائدہ تو ضرور ہے کہ ہندوستانیوں کو سرمایہ داروں کے مقابلہ سے چیزیں سستی ملتی ہیں، مگر اس کا مسموم اثر یہ ہے کہ ہندوستانی تجارت تباہ ہو رہی ہے جس کا نتیجہ آخر کار یہ ہوگا کہ تمام ہندوستان کے قدرتی وسائل پر بدیشی سرمایہ دار کا تسلط ہوگا۔ اور اسوقت اشیا کی یہ ارزانی بھی بدیشی سرمایہ دار کے دائرہ اختیار میں ہوگی۔

۳ تیسری صورت بدیشی سرمایہ کی درآمد کی یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے بدیشی سرمایہ داروں کو چند مراعات ہندوستانی سرمایہ داروں کے مقابلہ میں دی جاتی ہیں، اور اس طرح سے بدیشی سرمایہ داروں کو ہندوستانی وسائل سے مستفیض ہونے کا موقع دیا جا رہا ہے چنانچہ آجکل ہندوستان کی تمام کانیں بدیشی سرمایہ داروں کے قبضہ میں ہیں، حکومت کو چاہئے کہ خواہ ایسی ہندوستانی مفاد ہی کیوں نہ مدنظر ہو، پھر بھی بدیشی سرمایہ دار کو یہ مراعات اس شرط پر دکھائیں کہ ہندوستانیوں کا بھی ایک معقول عنصران کانوں وغیرہ کے عملہ انتظام میں لگا جائے۔

جناب نسیم رضوانی (نورجہاں)

ضروری التماس:- خریدار صاحبان خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں، اور جواب طلب امور کے لئے جوابی خط لکھیں ورنہ عدم تعمیل معاف، مینجر "کامیابی"

کالے گورے کا فرق

آزادی اور مساوات کا دعویٰ سب سے زیادہ امریکہ کو ہے، اور عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یورپ میں رنگ و نسل کا امتیاز ہو تو ہو لیکن امریکہ ایسی بداخلاقیوں سے بالکل پاک ہے۔ خود امریکہ کے ایک رسالہ نے جس کا نام "دی پولیٹیکل سائنس کوارٹرلی" ہے ڈاکٹر اسکاٹ نیرنگ کی ایک تازہ تصنیف کا ملخص شائع کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

ریاستہائے متحدہ کا ہر سیاہ فام انسان بلا اس لحاظ کے کہ اسکی ذاتی صفات کیا ہیں، اور صرف اس لئے کہ وہ کالا ہے سخت بیدردی کے ساتھ نسلی ذلت و خواری کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے، اور سفید رنگ کی ناجائز فائدہ اٹھانے والی قوم اسے اپنی پوری قوت سے دبا کر اسی ذلت میں پڑا رکھتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں حبشیوں کو صرف اس لئے دبایا جاتا ہے اور ان کی پستی سے ناجائز فائدے اٹھائے جاتے ہیں کہ وہ حبشی ہیں۔ قسمت نے انھیں رنگ کے لحاظ سے غلط سمت میں پیدا کر دیا ہے۔ معاشرت، اور اقتصاد دونوں کے لحاظ سے انھیں ایک محکوم قوم ہونے کا جرمانہ ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے،

ڈاکٹر نیرنگ کا خیال ہے کہ تفریق و امتیاز کا یہ طریقہ سفید قومیں صرف اسی لئے قائم نہیں رکھتی ہیں کہ کالے لوگ اپنی غلامانہ حد سے متجاوز نہ ہونے پائیں اور ہمیشہ فرمانبردار رہیں، بلکہ درحقیقت یہ سرمایہ داروں کی ایک عیاری ہے جس سے وہ مزدوروں کو قابو میں رکھتے ہیں، سفید رنگ کا مزدور جسے یہ تربیت ملی ہے کہ اپنے آپ کو فائق اور برتر سمجھے ایک حبشی مزدور کو اپنا ہم پیشہ بھائی سمجھنے سے انکار کرتا ہے۔ بسا اوقات وہ اسکے ساتھ ملکر کام کرنے سے گریز کرتا ہے، بالعموم وہ اسے اپنی انجمن میں شامل نہیں ہونے دیتا اور اس طرح اسے گویا روزگار حاصل کرنے کی آسانیوں سے محروم اور سستی اجرت پر کام قبول کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ جب کبھی سفید مزدور ہڑتال کرتا ہے تو سفید سرمایہ دار اس کی ہڑتال توڑنے کے لئے اس کالے مزدور کا استعمال کرتا ہے۔ ایسی حالت میں کالے مزدور کو وہی کام ملجاتا ہے جو اس سے پہلے اسے نہیں دیا جاتا تھا، اور خود سفید مزدوروں کا تعصب اسے اس سے محروم رکھتا تھا، کبھی کبھی یہ کالا مزدور اپنے اس روزگار پر مستقلاً بھی رہ جاتا ہے لیکن بالعموم جب ہڑتال ختم ہو جاتی ہے اور سفید مزدور کام پر آجاتے ہیں تو سب کالے مزدوروں کو نکال باہر کر دیا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حکمران سفید قوم ان کالے حبشیوں کو صرف گورے مزدوروں کا گھمنڈ توڑنے کے لئے استعمال کیا کرتی ہے تاکہ انکے مطالبات نہ ماننے پڑیں اور پھر ان گورے مزدوروں سے یہ کام لیتی ہے کہ وہ کالے مزدوروں کو اسی ذلت کے گڑھے میں پھر دھکیل دیں۔

امریکہ کے سفید مزدور ہوں یا کالے وہ اسوقت تک سرمایہ داروں کی گرفت سے آزاد

نہیں ہوسکتے جب تک کہ سفید قوموں کے سرایہ کو یہ اختیار حاصل ہو کہ مزدوروں میں رنگ اور نسل کے امتیاز کو برقرار رکھے۔ اسکے بعد ڈاکٹر تیز رنگ نے سفید رنگ مزدوروں کو یہ مشورہ دیا ہو کہ انھیں اس بات کی ہر امکانی کوشش کرنی چاہئے کہ حبشی مزدوروں کو اپنی انجمن میں شامل کرلیں۔

جنگ لیکن "انسانیت" کے ساتھ

آبدوز کشتیوں کے استعمال نے گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ جنگ کا "کم خرچ اور بالانشین" ہتیار ہیں۔ بڑے سے بڑے جنگی جہاز جن کی آتش افشانی چند لمحوں میں بڑے بڑے شہروں کو راکھ اور اینٹوں کا ڈھیر بنا سکتی تھی، ان "ننھے دشمنوں" سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے، اور بہت سے کروزر، اور ڈریڈ ناٹ اپنی تمام عظمت اور مضبوطی کے باوجود آبدوزوں کے ایک تارپیڈو کی بھی تاب نہ لاسکے، بین الاقوامی انجمن میں تجاویز پیش کی گئی تھیں کہ ایسے "چور ہتیار" کو ترک کردینا چاہئے، اور تمام بڑی بڑی طاقتوں نے جن کے پاس درجنوں مہیب اور عظیم الجثہ جنگی جہاز موجود ہیں بڑی خوشی سے اسپر اپنی رضامندی کا اظہار بھی کردیا لیکن چھوٹی سلطنتیں جن کے پاس بھی ایک "اندھے کی لاٹھی" ہو اور جو بڑے جہاز بنانے کی مقدرت نہیں رکھتیں صاف انکار کردیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، لیکن اسی کے ساتھ اس بات پر آمادگی بھی ظاہر کی کہ آیندہ جنگ زیادہ "انسانیت" کے ساتھ ہوا کرے۔

"انسانیت" کے ساتھ آبدوزی جنگ کرنے کے متعلق امریکہ کی جمہوریت کے صدر مسٹر ہوور نے ایک تجویز یہ پیش کی کہ آیندہ ایسے جہازوں کو تباہ نہ کیا جائے جن پر غلہ یا اور کھانے پینے کی چیزیں لدی ہوں۔ اسپر اخبار "سنچری" نے چند بہت ہی پُرلطف باتیں لکھی ہیں، وہ کہتا ہو:۔

جب پریزیڈنٹ ہوور نے یہ تجویز پیش کی کہ اشیاء خوراک کے جہازوں پر زمانۂ جنگ میں حملہ نہ کیا جائے تو اس تجویز کی تمام انگریزی، فرانسیسی، اور اطالوی اخبارات کی جانب سے جو متفقہ مخالفت ہوئی ہو وہ اس بات کی شہادت نہیں ہو کہ یہ تجویز نکمی اور فضول ہو۔ یہ خیال صحیح نہیں ہو کہ یورپ میں اس سے کسی نے دلچسپی نہیں لی، حقیقت یہ ہو کہ فرانسیسی، اطالوی، اور انگریزی اخبارات نے تو اس لئے مخالفت کی کہ گذشتہ جنگ میں انھیں تجربہ ہوچکا تھا کہ جرمنوں کو صرف بھوکا مارکر ہی وہ عاجز کرسکے تھے، اور جرمنی نے اس کی تائید کی اور وہ تائید بھی اسی گذشتہ تجربہ کی بناء پر تھی۔

ہمیں جو چیز حیرت میں ڈالتی ہو وہ ہماری خارجی پالیسی اور خود جنگ کے متعلق ہمارا عجیب غریب رویہ ہو جو مسٹر ہوور کی تجویز ہی سے ظاہر ہو رہا ہو۔ اسکی بنیاد اس مفروضہ پر ہو کہ جنگ بھی گویا انسانیت کے ساتھ اور تکلفانہ طرز پر ہوسکتی ہو۔ لڑائی کو سمجھ لیا گیا ہو کہ وہ بھی فٹ بال کی طرح ایک کھیل ہو اور اگر قواعد و ضوابط کی پابندی کے ساتھ کھیلا جائے تو بالکل جائز ہو، گویا اگر آپ گولیوں سے اپنے دشمن کا جسم چھلنی کردیں، اسکے پیٹ میں پوری سنگین بھونک دیں، گیسوں سے اسکا دم گھونٹ دیں، اسکے جہاز تارپیڈو سے تباہ کرکے اسے کتے کی موت ماردیں، اسکے شہروں پر بم گرا گرا کر ہر جاندار کو تباہ و برباد کردیں، توپ کے گولوں سے اسکے جسم کے چیتھڑے اڑادیں، تو یہ سب بالکل جائز اور بالکل درست ہو۔ یہ سب باتیں مسلمہ ہیں، قانوناً جائز ہیں اور مہذب طریقۂ جنگ میں داخل ہیں، لیکن اگر کہیں بدقسمتی سے آپنے دشمن کا سامان خوراک اس تک نہ پہونچنے دیا تو یہ نہایت کمینہ پن کا کام ہو اور اس کی سزا یہ ہو.... ہاں بس غالبًا یہ سزا ہو کہ غیر جانبدار قومیں آپ کی اس حرکت پر اظہار ناراضی کے طور پر ذرا سر ہلادیں اور زبان سے توبہ! توبہ! کہدیں۔

بنگال میں ہندو مسلم تعلقات

معاصر "جرنل آف انڈین ہسٹری" نے مسٹر کے دت کا ایک مضمون اٹھارویں صدی میں بنگال میں ہندو مسلم تعلقات کے متعلق شائع کیا ہو اور اسمیں مسٹر دت لکھتے ہیں:۔

صدیوں تک ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے ہندو اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خیالات اور رسم و رواج قبول کرلئے تھے، جب کبھی دو مختلف تہذیبیں آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو ایک کا دوسری پر اثر ہونا لازمی اور قدرتی ہو۔ ہندو مذہب صبر کے ساتھ مسلمانوں کے جنگی حملوں کے زمانے میں خاموش کھڑا رہا، اور جبھی کہ یہ طوفان ختم ہوا فورًا اسنے پیروان اسلام کے لئے اپنی آغوش کشادہ کردی اور ان پر اپنا اثر ڈالنے لگا۔ اسی طرح اسلام نے بھی ہندوؤں کی جماعت کو ایک حد تک متاثر کیا۔ ہندو نومسلموں کی تعداد جسقدر بڑھتی گئی اور عوام کے دلوں سے جتنا تعصب دُور ہوتا گیا اسی قدر خیالات اور رسم و رواج میں یگانگت بڑھتی چلی گئی اور دونوں فرقے ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے، قابل غور بات یہ ہو کہ خود اورنگ زیب کے زمانے میں جو متعصب مشہور ہو ایک مسلمان شاعر نے ہندی کی نظم پدماوتی کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا تھا، اور کرشن اور رادھا کے متعلق خود بھی کئی نظمیں لکھی تھیں۔ کشیانند کی تصنیف مانسا منگلا میں جو سترہویں صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی یہ ذکر موجود ہو کہ لکھندر کے رہنے کے لئے جو آہنی کمرہ تیار ہوا تھا اس میں جہاں اور مقدس چیزیں تھیں وہیں قرآن کی بھی ایک جلد رکھی تھی تاکہ منسا دیوی کے غصہ سے حفاظت ہوسکے۔



Mumtaz ul Hasan.

جلد۲ - نمبر۵ - مئی ۱۹۳۰ء

نمبر ۵ جلد ۲

۱۹۳۰ء ماہِ مئی

بیا را بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و باموجش درآویز حیاتِ جاوداں اندر ستیز است
(اقبال)

باتصویر ماہوار رسالہ

کامیابی

دہلی

سالانہ قیمت تین روپے۔ ششماہی ایک روپیہ دس آنے۔ ممالک غیر سے للعہ مع محصول

SAM/30

فہرست مضامین



کامیابی کی اشاعت میں تاخیر

"کامیابی" کی اشاعت میں اس سے بیشتر جو کچھ تاخیر ہو چکی تھی اس کا تدارک کرکے آئندہ کیلیے اسکے صحیح صحیح تاریخ پر شائع ہونے کے معقول انتظامات کیے جا چکے تھے، اور اگر پریس ایکٹ کا نفاذ اور اسکی وجہ سے دہلی کے تقریباً تمام اخبارات بند نہ ہو جاتے تو "کامیابی" بالکل ٹھیک وقت پر شائع ہوتا۔ "کامیابی" اول تو ماہوار رسالہ ہے دوسرے وہ کوئی خاص طور سے سیاسی پرچہ بھی نہیں ہے اس لیے اس سے تو ضمانت طلب نہیں کی گئی تھی، لیکن ارباب صحافت کی انجمن کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا، اور اس طرح اسکی اشاعت رک گئی۔ اب جبکہ پریس ایسوسی ایشن نے اجازت دیدی ہے تو مئی کا پرچہ شائع کیا جا رہا ہے، اور جون کا پرچہ تیار ہو رہا ہے، جو امید ہے کہ بہت جلد آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جائیگا، اور جولائی سے اسکی اشاعت اگر خدا نے چاہا تو بالکل بروقت ہونے لگے گی۔

پریس ایکٹ کا نفاذ

ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند نے اپنے اختیارات سے کام لیکر ہندوستانی پریس پر بہت سخت پابندیاں عائد کر دی ہیں جن کی وجہ سے ملک کے تقریباً تمام ایسے اخبارات جنہیں صحیح معنوں میں اخبار کہا جا سکتا تھا اور جو ایک بڑی حد تک رائے عامہ کے نمائندے تھے بند ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح اس تحریک کی خبروں کی اشاعت رک گئی جو آجکل ملک میں جاری ہے، اور ممکن ہے کہ تحریک کا زور کم کرنے میں بھی اس آرڈیننس سے کچھ مدد ملی ہو لیکن ہز ایکسلنسی نے ان اثرات کو بالکل نظر انداز کر دیا جو اخبارات کے بند ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہونے لازمی ہیں۔ اخبارات کی تحریروں کی بہ نسبت یہ حالت بہت زیادہ خطرناک ہے کہ لوگوں کو صحیح خبریں معلوم نہ ہوں، اور وہ ہزار طرح کی لایعنی اور بسا اوقات اشتعال انگیز افواہیں اڑاتے پھریں۔ بہرحال "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کہکر خاموش ہو جانے کے سوا اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔

حاجی ملغ العلے صاحب

اس مرتبہ حاجی صاحب قبلہ پریس ایکٹ کے نفاذ سے کچھ اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمارے اصرار کے باوجود اپنی روح افزا "اسپاچ" سے لطف اندوز ہونے کا ہمیں موقع نہ دیا۔ حاجی صاحب کی یہ بے محل خاموشی بھی ان کی ایک ادائے خاص تھی، اور اب متبسم لبوں کے ساتھ اُنہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں گے۔ انکے کلام کے شائقین مایوس نہ ہوں۔ جون کا پرچہ تیار ہو رہا ہے اور اس میں انشاء اللہ حاجی صاحب اپنی پوری شان ادبیت کے ساتھ رونق افروز ہوں گے۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس پرچہ میں ایک کی بجائے دو افسانے ہو جانے کی وجہ سے شذرات کے لیے بھی بہت ہی کم گنجائش نکل سکی اور "ہمارے خیالات" کے تحت میں ہم کچھ بھی نہ لکھ سکے۔ اگلے پرچہ میں خدا نے چاہا تو اس کی بھی تلافی ہو جائے گی

نقد و تبصرہ

اخبارِ "شیر" اُردو رنگون

اُردو کی عالمگیر مقبولیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رنگون جیسے دور اُفتادہ مقام سے بھی اُردو کا ایک اخبار نکلنا شروع ہوا ہے۔ یہ اخبار ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے اور اس کا مقصد عام اخباری مقاصد کے علاوہ صوبۂ برما میں اُردو زبان کی ترویج ہے۔ ہر اخبار کی کامیابی خریداروں اور اشتہاروں کی کثرت پر منحصر ہوتی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ زبانِ اُردو کے قدرداں اور ہر گوشۂ ملک کے تاجر صاحبان اس اخبار کو جلد سے جلد کامیاب ہونے میں مدد دینگے۔ اخبار کا سالانہ چندہ تیرہ روپے، ششماہی سات روپے اور سہ ماہی چار روپئے ہے۔ منیجر صاحب اخبار "شیر" ۲۰ اسپارک اسٹریٹ رنگون سے منگوایا جا سکتا ہے۔

پیکرِ وفا

علامہ راشد الخیری کی بہو محترمہ خاتون اکرم صاحبہ مرحومہ ہندوستان کی اُن باکمال بیٹیوں میں سے تھیں جو اگر زندہ رہتیں تو ادب اُردو کے باغ میں نہ معلوم کیسے کیسے گل بوٹے کھلا دیتیں۔ مرحومہ نے عین عالمِ جوانی میں رحلت کر کے قوم اور زبان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دیا۔ اپنی زندہ یادگار کے علاوہ مرحومہ نے چند بولتی ہوئی یادگاریں بھی چھوڑی ہیں، "اور پیکرِ وفا" انہی کے قلم کی یادگار ہے۔ قصہ چھوٹا سا ہے مگر خوب دلچسپ اور بہت کچھ سبق آموز ہے خصوصیت کے ساتھ اس کا مطالعہ طبقۂ نسواں کے لیے مفید ہوگا کیونکہ اسی طبقہ کے لیے یہ لکھا بھی گیا ہے۔ کتابت، طباعت بہت دیدہ زیب ہے، قیمت فی جلد آٹھ آنے۔ منیجر صاحب رسالہ "عصمت" دہلی سے مل سکتا ہے۔

بچھڑی دلہن

یہ بھی مرحومہ خاتون اکرم صاحبہ ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے اور ایک نہایت مفید اور دلچسپ قصہ ہے۔ چونکہ مرحومہ نے فرقۂ نسواں کی اصلاح کے لیے اپنی قوتِ تحریر کو وقف کر دیا تھا اس لیے اس قصہ میں بھی صنفِ نازک کے لیے بہت سے سبق موجود ہیں۔ کتابت وطباعت نہایت اچھی۔ قیمت چھ آنے۔ منیجر صاحب رسالہ "عصمت" دہلی سے مل سکتا ہے۔

جمالِ ہمنشیں

یہ انہی مرحومہ خاتون کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے مضامین سب نہایت دلچسپ بغایت مفید اور نہایت سلیس اور صاف زبان میں ہیں اور لڑکیوں کے لیے ان کا مطالعہ بہت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ ملک میں یہ کتاب کافی مقبول ہو چکی ہے۔ طباعت و کتابت بہت ہی اچھی ہے۔ ایک روپیہ قیمت ہے اور منیجر صاحب رسالۂ عصمت دہلی سے مل سکتی ہے۔

حیاتِ صالحہ یا صالحات

مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی تصانیف ملک میں اس قدر مقبول ہو چکی ہیں کہ اب ان کے متعلق کچھ لکھنا تحصیلِ حاصل کی کوشش کرنا ہے۔ علامہ موصوف کی یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی، اور مسٹر رازق الخیری یعنی مولینا کے صاحبزادے مستحقِ مبارکباد ہیں کہ اُنھوں نے پھر اس گم شدہ خزانے سے عوام کو روشناس کرا دیا۔ اس کتاب کی تعریف میں بس یہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ صالحہ کی داستان ہے اور مولینا کا بیان ہے۔ کتابت وطباعت بہت اچھی اور قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے۔ منیجر صاحب رسالۂ "عصمت" دہلی سے ملیگی۔

عصمتی دسترخوان

اس دسترخوان کی ترتیب محترمہ آمنہ نازلی بیگم صاحبہ کے حسن سلیقہ کی ممنون ہے۔ آپ مرحومہ خاتون اکرم صاحبہ کی جانشین اور علامہ راشد الخیری کی موجودہ بہو ہیں۔ مولینا کی خوش نصیبی یقیناً قابلِ رشک ہے کہ انہیں دوسری بہو بھی ایسی ہی ملیں جن کے دل میں کافی ادبی ذوق موجود ہے۔ اس کتاب میں جتنے نسخے جمع کیے گئے ہیں وہ سب کے سب ایسے ہیں کہ جنہیں پہلے آزما لیا گیا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ عام طور پر اس موضوع کی جو کتابیں فروخت ہوتی ہیں ان سب سے یہ زیادہ قابلِ اعتبار ہے

دسترخوان بہت کافی بڑا ہے اور پورے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ انگریزی اور دیسی ہر قسم کے کھانوں کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں، اور اگرچہ ان کی صحت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی ان کھانوں کے ذائقہ کے متعلق صرف اسی صورت میں کوئی رائے ظاہر کی جا سکتی تھی کہ جب اس دفتر میں کتاب کے ساتھ ساتھ کھانے بھی تبصرہ کے لیے آتے۔ کتاب کی قیمت دو روپے ہے اور اگر صرف اتنے سے خرچ سے لڑکی کو ہر ایک کھانا پکانا آ جائے تو پھر اسے کسی طرح گراں نہیں کہا جا سکتا۔ منیجر صاحب رسالہ "عصمت" دہلی ہی سے یہ بھی ملیگی۔

شربت فرحت افزا

انصاری دواخانہ شاہجہاں پور سے یہ شربت تبصرہ کے لیے موصول ہوا ہے۔ ذائقہ اچھا ہے۔ خوشبو عمدہ ہے، مفرح ضرور ہے۔ اور گرمی کے موسم میں اس کا استعمال یقینی طور پر سوڈا اور لیمنیڈ سے بہتر ہے۔ اس کی تیاری میں بعض مفرح ادویہ بھی شامل کی گئی ہیں اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ بھی اپنا مفید اثر نہ کرتی ہوں۔ بڑی بوتل کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ہے اور چھوٹی بوتل کی ایک روپیہ ایک آنہ۔ تبصرہ کے لیے جو شیشی آئی ہے وہ بہت ہی چھوٹی سی ہے اور اس کی قیمت کچھ نہیں ہے۔ منیجر صاحب انصاری دواخانہ شاہجہاں پور سے مل سکتا ہے۔

رسالہ چاند اُردو

اس رسالہ کی خوبیوں سے ہم قارئین "کامیابی" کو اس سے پہلے بھی روشناس کرا چکے ہیں۔ اب جبکہ اس کے کئی نمبر ہماری نظر سے گزر چکے ہیں ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ "چاند" حقیقتاً آسمانِ ادب کا چاند ہی ہے، اور مسٹر کنھیا لال ہماری سچی تعریف کے مستحق ہیں جنہوں نے یہ پرچہ نکال کر زبانِ اُردو پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔ مضامین کا معیار بھی آہستہ آہستہ اب بلند ہوتا جا رہا ہے اور مقامِ مسرت ہے کہ ملک کے نامور ادیب بھی اب اس کی طرف متوجہ ہو چلے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ جلد سے جلد اس کی اشاعت ہندی "چاند" سے بھی بڑھ جائے جس کے متعلق سنا جاتا ہے کہ پندرہ ہزار سے بھی زیادہ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔

"چاند" اُردو کا سالانہ چندہ آٹھ روپے ہے اور ششماہی پانچ روپے۔ منیجر صاحب رسالہ "چاند" اُردو چندر لوک الہ آباد سے مل سکتا ہے۔

جامعہ ملیہ دہلی کی دو کتابیں

"ہمارے رسول" جناب خواجہ محمد عبدالحی صاحب فاروقی کی تصنیف ہے، اور خواجہ صاحب ممدوح کا نام تفسیر و حدیث وغیرہ کی ہر کتاب کے متعلق اسکے اچھے ہونے کی بہت بڑی ضمانت ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ پر یہ چھوٹی سی کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان کے ہاتھوں تک پہنچ جائے اور ہر غیر مسلم گھر میں نظر آئے۔ میسور میں یہ نصابِ تعلیم میں داخل ہو چکی ہے اور صوبہ متحدہ، پنجاب، اور دہلی میں یہ اسلامیہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور یہ مقبولیت اسکی عمدگی کی بہت ہی بین شہادت ہے۔ قیمت صرف چھ آنے منیجر صاحب مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی قرول باغ سے مل سکتی ہے۔

تاریخ الامت

حصہ ہفتم۔ علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی تصنیف ہے جو جامعہ ملیہ میں تاریخ اسلام کے پروفیسر ہیں۔ اس سلسلہ کے چھ حصے اس سے پیشتر شائع ہو چکے ہیں لیکن خوبی یہ ہے کہ ہر حصہ باقی حصوں سے بے نیاز ہے۔ زیر تبصرہ حصہ میں آلِ عثمان کی تاریخ ہے۔ علامہ جیراجپوری تاریخ اسلامی کے بے مثل فاضل ہیں، اور اُردو زبان کے ادیبوں میں آپکا شمار صفِ اول میں ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملایا جائے تو خود بخود سمجھ میں آ سکتا ہے کہ کتاب کس قدر قابلِ قدر ہوگی۔ ہماری دلی دعا ہے کہ علامہ موصوف کو خدائے پاک تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے تاکہ وہ اپنے گرانمایہ جوہروں سے اُردو کے خزانے کو اسی طرح مالا مال کرتے رہیں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے اور قیمت ایک روپیہ ہے۔ منیجر صاحب مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے مل سکتی ہے ✦

تخفیف اسلحہ عالمگیر امن کیلیے





کامیابی کا راز

(از جناب غلام حسن خاں صاحب شیرانی)

کتنے دل ہیں جو کامیابی کے مبارک نام کیلیے ترستے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح کامیاب ہو کر منزل مقصود پر پہنچیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

دنیا کے بہت سے افراد بلا امتیاز رنگ و نسل خواہ وہ متمدن ملک کے باشندے ہوں یا غیر متمدن ممالک کے اسی راز کی تلاش میں حیران و سرگرداں نظر آتے ہیں لیکن اُن کی تمام سعی و کوشش کے نتائج بسا اوقات محض ناکارہ اور بے سود ثابت ہوتے ہیں اور نہیں پتہ چلتا کہ کیوں اُنہیں ناکامیابی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔

چونکہ فطرتاً ہر انسان میں جد و جہد کا مادہ موجود ہے اس لیے وہ دنیا کے کسی انسان کو اپنے سے بڑھکر کامیاب فرد کی حیثیت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا اپنی فلاح اور بہبودی کے لیے در بدر بھٹکتا ہے اور چاہتا ہے کہ ولقد کرمنا بنی آدم کا مصداق ہو کر کیوں ذلیل ترین حالت میں گزارہ کروں۔ بسا اوقات حصول مراد کی خاطر اُس سے ایسے افعال شنیعہ بھی صادر ہو جاتے ہیں جن کو مذہب و عقل تو درکنار دنیا کا کوئی جوڑھا چمار بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن بہت سے کمزور دل اور پست ہمت ایسے بھی ہیں جو اپنی ناکامیوں اور ذلیلہ فریبوں کو محض تقدیر اور قسمت کے سر تھوپ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ تقدیر اور قسمت اس کا نام نہیں ہے کہ لعنت اور نفرین کی پھٹکار پڑے۔ چُپ چاپ بیٹھے سُنا کریں۔ انتہائی پستی اور ذلت میں زندگی بسر ہو لیکن ٹس سے مَس نہ ہوں۔ قدم قدم پر رُسوائی اور شرمساری ہو لیکن اُف تک نہ کریں۔ درحقیقت اُنہوں نے اپنی فطرت کو چھوڑ کر خود ہی اس اسفل ترین حالت میں پہنچنے کے اسباب فراہم کیے ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے نشیب و فراز کو عقل سلیم کی کسوٹی سے پرکھتے! تو وہ کبھی حصول مقاصد میں ناکامیاب نہ رہتے۔

کامیاب ہونے کے لیے ہمت شرط اولین ہے۔ دنیا کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی انجام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اُس کا کرنے والا ہمت اور استقلال سے کام نہ لے۔ ہمت کے نتائج اور اثمار اُولوالعزمی، صداقت اور استقلال میں اس طرح پوشیدہ ہیں جیسے بیج کے دانہ میں بڑے بڑے اشجار ؎

ہمت ہی حرارت ہے وہی ہے حرکت بھی　　ہمت ہی سے ہر قوم نے پائی ہے ترقی
گر چونٹی تیمور کی ہمت نہ بندھاتی　　ہتھیار بھی بیکار تھے اور فوج نکمی
ہمت ہے سرانجام مہمات کی کنجی　　ہمت ہی حقیقت میں ہے توفیق الٰہی

ہمت ہی بنا دیتی ہے مفلس کو تو نگر — ہمت کے سفینہ کا اُٹھا دیجیے لنگر

حلم، بُردباری، شرافت، ایمانداری، پرہیزگاری، بلند حوصلگی، عالی ہمتی اولوالعزمی اور اخلاقی جرأت کامیابی و کامرانی کے لیے سب سے بڑھکر ضروری چیزیں ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ "ہمیں کیا کرنا چاہیے" پھر "کیونکر کرنا چاہیے" کے اصول پر کاربند ہونا ایک امر لابدی ہے۔ کیونکہ کوئی ایسی چیز مستحکم نہیں ہو سکتی جس کی ابتدا کسی اصول کے ماتحت نہ ہو۔ انسان کو لازم ہے کہ یاس اور ناامیدی کو پاس نہ پھٹکنے دے۔ ہمیشہ اپنا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لے۔ درحقیقت اسلام بھی اسی اُصول کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم راستہ کی دشواریوں سے دل شکستہ نہ ہوں، اور اگر ہم کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ راستہ کے ہر پتھر سے سیڑھی اور زینہ کا کام لیں ؎

رُکاوٹیں جسقدر ہوں بیدا اُنھی پہ تُم کامیاب ہوگے — شکست کا لطف پا چکے ہو تو اکدن فتحیاب ہوگے
خزاں کی جاڑگی جس چمن کو بہار آئیگی اُس چمن میں — اُسے خوشی بھی نہ ہوگی حاصل جسے کبھی غم نہیں رہا ہے
بلندیوں پر وہی چڑھیگا نشیب میں جو اُتر سکیگا — جو چوٹیوں پر گیا ہے رستہ وہ گھاٹیوں سے گزر رہا ہے

(حامد اللہ افسر بی۔ اے)

گو یہ سچ ہے کہ کامیابی دولت کا نام نہیں اور نہ دولت اُس روپیہ ہی کا نام ہے جو زمین میں دفن ہو۔ لیکن پھر بھی کامیابی دولت کے بغیر اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لیے جو شخص کامیاب ہونا چاہے وہ سب سے پہلے دولت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پیسہ کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے قبضہ میں کرلے روپیہ خود بخود محفوظ ہو جائیگا۔ جو شخص روپیہ کی قدر کرنا چاہتا ہے اُسے لازم ہے کہ پہلے پیسہ کی قدر کرنا سیکھے۔ کیونکہ پیسہ پیسہ مل کر روپیہ بن جاتا ہے۔ اگر پانچ چھ آنے یومیہ کمانے والا مزدور اپنی آمدنی میں سے ایک دمڑی روزانہ بچا لیا کرے تو مہینے میں آسانی سے دو چار روپے بچ سکتے ہیں۔ درحقیقت اسی کا نام کفایت شعاری ہے۔ مسٹر اینڈرو کارنیگی ایک معمولی مزدور کی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے آج امریکہ کا کروڑپتی بنکر بھی اسی اصول پر کاربند ہے کہ پونڈ اور شلنگ سے فاردنگ کی زیادہ قدر کرتا ہے، اور اسی اصول کی بدولت اُسے آج یہ مرتبہ دیکھنا نصیب ہوا کہ دنیا کا سب سے بڑا دولتمند گنا جاتا ہے جس کی روزانہ آمدنی کا اندازہ چودہ ہزار پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔

فضول خرچ لوگ پیسہ کی قدر نہیں جانتے۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ کاروباری دنیا میں اپنا رویہ اس طرح رکھے جس سے پیسہ کی حفاظت ہو۔ مثال کے طور پر سمجھ لیجیے کہ ایک شخص کسی بزاز کی دوکان پر کپڑا خریدنے کے لیے جاتا ہے تو اُسے سوچنا چاہیے کہ تمام اقسام کے اُن تھانوں میں سے جو بزاز نے اُسے دکھائے ہیں کونسی نوع یا جنس کا کپڑا خریدے جو کم سے کم قیمت میں زیادہ مضبوط اور دیرپا ہو اگرچہ یہ سچ ہے کہ چند پیسے زیادہ لگانے سے وہ البپاکا یا ریشمی کپڑا خرید سکتا تھا۔ لیکن پیسہ کی قدر والا ایسے سوتی کپڑے سے جو اُس کے مناسب حال ہو حاجت اور ضرورت کو رفع کریگا جس سے پیسے بھی بچ جائینگے اور کپڑا بھی زیادہ دیرپا ہوگا بایں وجہ اُسے جلد جلد کپڑے بھی نہ خریدنے پڑینگے جس کے باعث معمول سے زیادہ بچت صرف ایک ادنیٰ سی تدبیر کے ذریعے بغیر مشقت اور تکلیف کے ہو سکتی ہے۔

اگر معمولی خواندہ انسان بھی اپنا باقاعدہ حساب رکھے، اپنی روزانہ آمدنی اور روزانہ اخراجات کو غور سے دیکھ لیا کرے پھر ماہوار میزانوں پر نظر کرے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ اپنی آمدنی میں سے کتنا حصہ صرف ایک ایک پیسہ کرکے برباد کر دیا۔ فضول خرچی سے بچنے کے لیے روزانہ حساب کتاب کا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مسٹر اڈیسن جو امریکہ کا ایک بڑا تاجر تھا اُس نے اپنے فضول خرچ بیٹے کو مرتے وقت صرف حساب کتاب رکھنے کی تاکیدی ہدایت کی تھی چنانچہ اس کی وفات کے بعد بیٹے نے باپ کی وصیت کے مطابق اسی اصول پر عمل کیا۔ جو خرچ کرتا تحریر میں لاتا۔ ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ اپنے اخراجات کو دیکھ کر سٹ پٹا گیا۔ اور آئندہ کے لیے فضول خرچی سے توبہ کرلی اور اسی اُصول پر کاربند رہکر اپنی آمدنی میں معتد بہ اضافہ کرلیا

یہ کوئی ضروری امر نہیں کہ دنیا تمہارے پاس پہلے سے ہی موجود ہو، اور تم اس کے ایک ایک پیسہ کی حفاظت کے لیے حساب کتاب رکھو بلکہ خواہ ابھی حیز

ہو یا بُری۔ لیکن کامیابی کے لئے ہرگز مانع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مُفلس اور بے روزگار آدمی ہی کو اپنی ترقی کا خیال ہوسکتا ہے ورنہ دولتمند تو اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ آج زمانہ کے تغیرات سے بے نیاز ہو کر بے فکری کے گہوارہ میں دن رات گزار رہے ہیں۔ صنعت۔ حرفت ہُنر۔ محنت۔ مشقت کو ذلیل سمجھکر ٹھکرادیتے ہیں۔ نزاکت یا خودداری کے باعث ایک قدم بھی پیدل چلنا اُنہیں گوارا نہیں لیکن گردش زمانہ جب ان جملہ لذائذ و راحت کے سامانوں کو نیست و نابود کردیتی ہے تو وہی امیر بےکسی کے عالم میں ہر ایک کا مُنہ تکتا ہے لیکن کسی کو بھی اپنا یاور و مددگار نہیں پاتا۔ وہ کام اور پیشے جنہیں وہ ذلیل خیال کرتا تھا اختیار کرنا چاہتا ہے تاکہ اُن کے ذریعے آئندہ دورِ زندگی میں اپنے آپ کو سُدھارنے کی کوشش کرے لیکن اُسکی حسرت و مایوسی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا جب اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا کوئی کام بھی کرنے کے قابل نہیں۔ اپنی اس ناکامی پر وہ جتنا بھی افسوس کرے کم ہے۔ کیونکہ اب وہ کسی کام کا نہیں۔ نہ تو وہ محنت مشقت کرسکتا ہے اور نہ کسی ہُنر ہی سے واقف ہے۔ اگر وہ ابتدا سے ان کاموں کو ذلیل نہ سمجھتا تو اُسے آج ایسی مایوسی نہ ہوتی اور ممکن تھا کہ بہت جلد اپنی پہلی حالت کو پہنچ جاتا۔

مُفلس کو چونکہ اپنی مفلسی کا احساس ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اس سے چھٹکارا حاصل کروں۔ اس لیے اپنے مناسب حال اُسے خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی پیشہ یا ہُنر اختیار کرنا ہی پڑتا ہے لیکن ایک بلند حوصلہ شخص کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہوسکتا کہ صبح و شام کی روٹی کماکر خوش ہوجائے۔ اس طرح تو جانور بھی بے فکری سے اپنا پیٹ بھرلیا کرتے ہیں۔ انسان کو زیادہ ہمت محنت اور استقلال سے کام لینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آئندہ دورِ زندگی کو بھی بہتر سے بہتر بنا سکے اور دنیا میں رہکر دنیا کی ترقی کا باعث بن سکے۔ بعض اوقات خود بخود ایسے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جن سے انسان کو کامیابی حاصل کرنے کیلیے کوئی مشکل یا رُکاوٹ پیش نہیں آتی۔ لیکن جوانمرد ایسے اسباب کے انتظار نہیں کیا کرتے۔ بلکہ خود بخود اپنے لیے مواقع پیدا کیا کرتے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر خود مواقع کا انتظار نہیں کرتے بلکہ مواقع کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ میں اپنے مطلب کی وضاحت کے لیے صرف جیمز گارفیلڈ کی اس مؤثر تقریر کا ترجمہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو ایک دفعہ اُس نے نوجوانوں کے سامنے کی تھی۔ وہو ہذا:۔

"عزیز نوجوانو! محض مواقع ہی کے پیش آنے سے تم شہرت دوامی اور نیک نامی حاصل نہیں کرسکتے۔ اگر نیکنامی اور شہرت کی خواہش رکھتے ہو تو اس کو محنت اور مشقت سے حاصل کرو اور اگر واقعات سے استفادہ کرنا چاہو تو میدانِ عمل میں کودنے سے پہلے اپنے آپ کو شہرت کے قابل بناؤ تاکہ وہ تم پر راست اُترے۔ کسی قسم کی نیکنامی یا شہرت بغیر اس کیلیے جد و جہد کیے قبول کرنا پسندیدہ نہیں اور بہادر اسے عار سمجھتے ہیں۔

یاد رکھو جو کچھ اس دنیا میں حاصل کرو محض قوتِ بازو کے بل پر حاصل کرو۔ تاکہ حاصل شدہ چیز ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو جائے۔ بلکہ تحلیل ہوکر تمہاری ذات کا ایک جزو بن جائے۔

نوجوانو! مفلسی کو اپنی ترقی میں سدِ راہ مت خیال کرو۔ مفلسی ایک آزار تو ضرور ہے اور میری اپنی ذات اس پر گواہ ہے، لیکن نوجوانوں کے لیے دس میں سے نو حالتوں میں یہی بہتر ہے کہ ایک نوجوان کو کشتی پر سے اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جائے تاکہ وہ ڈوب مرے یا تیر کر بچ جائے، اور میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے کہ جو بچائے جانے کے قابل تھا کبھی نہیں ڈوبا۔ وہ نوجوان جس کے مستقبل میں شاندار ترقیات کا امکان ہو اس کے لیے زیبا نہیں کہ وہ ہر وقت محکوم بنا رہے بلکہ اُسکو کارفرما بھی بننا چاہیے۔ اسے شایاں نہیں کہ ہمیشہ دوسروں کا دست نگر رہے بلکہ اسے دستگیر بھی بننا چاہیے۔ اسے سزاوار نہیں کہ وہ ہمیشہ سپاہی ہی رہے بلکہ اُسے سپہ سالار بھی بننا چاہیے تاکہ ترقی کے سب مدارج

ے کرسکے وہ سپہ سالار اعظم بن سکے - کوئی چیز تو ضرور ہے ں پر تم حکومت کر سکتے ہو - جاؤ اس کی تلاش کرو، اس پر حکمرانی رد اور نہیں تو کم از کم گھوڑا اور چھکڑا گاڑی تو ضرور ہے - جن پر تم حکمرانی کرسکتے ہو - اور جن کے جرنیل بن سکتے ہو - اگر تم بہترین رنیل ثابت ہوئے تو اسی کے ذریعے دولت پیدا کرسکو گے"

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ بھی مل سکتا ہے جد و جہد ہی سے مل سکتا ہے اور جد و جہد کے بغیر محض اتفاقیہ طور پر یا کسی دوسرے کی عنایت و نوازش کی بدولت اگر کوئی چیز ہاتھ آجائے تو وہ ہرگز ہرگز ہمیشہ کیلیے ہماری نہیں ہوسکتی - صرف وہی چیزیں ہماری ہوسکتی ہیں جو ہماری قوت بازو اور ہماری سعی پیہم نے ہمیں دلائی ہیں اور جنہیں اپنے قبضہ میں رکھنے کی قوت ہمارے بازوؤں میں موجود ہے *

اپنے کام سے دلچسپی

(از جناب مولوی سید نصیر احمد صاحب عثمانی ایم - ایس - سی - پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

امریکہ کے ایک اخبار نویس نے لکھا ہے کہ اس نے چند کارخانوں کے منیجروں سے یہ دریافت کیا کہ آپ کے یہاں کتنے ملازم ایسے ہیں جو اپنے کام سے دلچسپی لیتے ہیں۔

اخبار نویس مذکور کا قول ہے کہ سب منیجروں نے اسی پر اتفاق کیا کہ کارخانے میں کام کرنے والوں میں سے تقریباً ۲۵ فیصدی ایسے ہیں جو حقیقتاً اپنے کام میں دلچسپی لیتے ہیں - اگر یہ اندازہ صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پچھتر فیصدی لوگ اپنے کام کو بغیر دلچسپی کے یا یوں کہیے کہ بے دلی سے انجام دیتے ہیں۔

یہ تو امریکہ کا اندازہ تھا - اب اگر ہندوستان کے متعلق بھی اندازہ لگایا جائے تو یہاں مشکل ہی سے ۲۵ فیصدی بھی ایسے کام کرنے والے ہوں کہ جو اپنے کام کو دلچسپی کے ساتھ انجام دیتے ہوں - اس حساب سے اگر صرف کارخانوں میں اور دیگر ملازمتوں پر کام کرنے والوں ہی کو لیا جائے تو لاکھوں آدمی ایسے نکلیں گے جن کے نزدیک دفتر سے یا کارخانہ سے دن ختم ہونے پر چھوٹنا گویا قید خانے سے چھوٹنا ہے - وہ گویا مجبور ہو کر اس کام میں لگے ہیں ورنہ کبھی اس طرف رُخ نہ کرتے -

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو اپنے کاموں سے اس درجہ نفرت ہو وہ اس کو ہرگز اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے - ان کاموں کی غرض وغایت کسب معاش ہی ہوتی ہے - بے دلی سے کام انجام دیے جانے کی وجہ سے وہ کام اُن کرنے والوں کے لیے نہ تو طلب زر کا ذریعہ بنتے ہیں اور نہ آئندہ کی ترقی کا - پھر لطف یہ کہ وہ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہم ترقی کیوں نہیں کرتے - اس کا جواب یہی ہے کہ "اُن کو اپنے کام سے جب دلچسپی ہی نہیں تو ترقی کہاں سے ہو" اس دلچسپی کا تعلق کچھ ملازمت کے فرائض ہی سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر اُس پیشہ یا کام سے ہے جو کسب معاش کے لیے کیا جائے کہا جاتا ہے کہ تجارت ایک آزاد پیشہ ہے لیکن کیا کوئی ایک لمحہ کے لیے اس کو باور کرے گا کہ بے دلی سے کام کرنے پر تجارت کو فروغ ہوسکتا ہے - پس یہی حال ہر کام کا سمجھنا چاہیے۔

جب یہ امر مسلمہ ہو چکا کہ بغیر دلچسپی کے کوئی کام اچھی طرح انجام

نہیں دیا جا سکتا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دلچسپی نہ ہونے کی صورت میں دلچسپی پیدا کیونکر کی جائے اور اس کا پتہ کیونکر لگایا جائے کہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر ہر شخص اس کو کیونکر دیکھے کہ اس کو اپنے کام سے کتنی دلچسپی ہے۔

اس دلچسپی کی پیمائش کے لیے ہم ایک طریقہ بتلاتے ہیں۔ ہم دلچسپی یا انہماک کا ایک پیمانہ مقرر کرتے ہیں جو ذیل میں درج ہے:-

۰ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰ ۱۰۰

اِس میں ۱۰۰ درجہ سے مراد زیادہ سے زیادہ دلچسپی یعنی انہماکِ کامل ہے۔ اور پھر درجہ بدرجہ گھٹتے ہوئے صفر سے مراد عدمِ انہماک یا قطعی بے دلی ہے۔

اب تم یہ سوچو کہ اگر تم کو کہیں سے ایک لاکھ روپیہ مل جائے اور تم کو کوئی محنت نہ کرنی پڑے تو وہ کونسا کام ہے جسے تم پھر بھی ضرور ہی کرتے رہو گے جس کام سے تمہیں اتنی دلچسپی ہے کہ اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑ سکتے وہ تمہارے لیے انہماکِ کامل کا درجہ ہے۔ بس تمہارے لیے جو پیمانہ ہوگا اُس میں ۱۰۰ درجہ سے مراد یہی انہماکِ کامل ہے۔ اب یہ دیکھو کہ جس کام کو تم کر رہے ہو اس میں تمہاری دلچسپی اس انہماکِ کامل کے مقابلہ میں کتنی ہے۔ اس کا اندازہ کرکے اس کے مُطابق اپنے پیمانہ پر ایک نشان بنا دو۔

خوش قسمتی سے دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے کام میں اسقدر انہماک رکھتے ہیں کہ اُن کو ایک لاکھ کیا معنی اگر دس لاکھ بلکہ ایک کروڑ روپیہ بھی مل جائے تب بھی وہ اپنے کام کو ترک نہ کریں۔

امریکہ میں جب اس پیمانۂ انہماک کو شائع کیا گیا تو لوگوں سے یہ درخواست کی گئی کہ اپنے اپنے کاموں میں اُن کو جس قدر دلچسپی ہے اسکا درجہ اس پیمانہ پر ظاہر کریں۔ جواب دینے والوں میں زیادہ تعداد مدرسہ کے اُستادوں کی اور نرسوں کی تھی۔ چار سو مدرسوں نے اُس پیمانہ پر اپنی دلچسپی اور انہماک کی پیمائش کی۔ صرف پچیس فیصدی نے اپنے درجۂ انہماک کو ۱۰۰ بتلایا۔ ایک مدرّسہ نے لکھا کہ اس کو اپنے کام سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں یہاں تک کہ اس نے اپنی دلچسپی کو صفر سے بھی پچاس درجہ کم ظاہر کیا۔ نرسوں میں تقریباً تینتیس فیصدی نے اپنا درجۂ انہماک ۱۰۰ بتلایا۔ متعدد نرسوں کا درجۂ انہماک صفر کے قریب قریب تھا۔

اِسی نہج پر اگر ہندوستان میں بھی اس پیمانہ کو استعمال کرکے لوگ اپنے اپنے درجۂ انہماک کو ظاہر کریں تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔

بس اِس پیمانہ کو استعمال کرکے تم اپنے انہماک اور دلچسپی کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھو کہ تمہارے ہی ہم پیشہ دوسرے لوگوں کا درجۂ انہماک تمہارے مقابلے میں کتنا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہو جائیگا کہ ۱۰۰ درجہ سے تمہارا انہماک کس قدر کم ہے۔

اگر اِس پیمائش سے تم کو یہ معلوم ہو کہ اپنے کام میں تمہارا انہماک معیار سے کم ہے تو مایوسی اور نا امیدی کی کوئی وجہ نہیں مناسب تدبیروں سے تم اپنے انہماک کو بڑھا سکتے ہو۔ مشہور انگریز پروفیسر جیمس ماہرِ نفسیات نے اس کے لیے ایک اُصول یوں بیان کیا ہے کہ:- "کسی چیز میں اگر دلچسپی لینا چاہتے ہو تو اس کے متعلق معلومات حاصل کرو"۔

کاغذ کے ایک کارخانے میں ایک شخص محرّر کے طور پر ملازم تھا۔ ایک روز کارخانے کے مالک نے اس کو لاپروائی اور عدمِ توجہی پر سرزنش کی۔ اتفاق سے محرر مذکور کو پروفیسر جیمس کا یہ اُصول معلوم ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ اچھا موقع ہے اس اُصول کی آزمائش بھی ہو جائیگی اور میرا کام بھی نکل جائیگا۔ چنانچہ اس نے صنعتِ کاغذ سازی کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ پہلے اس نے اس کا مطالعہ کیا کہ کاغذ کے لیے گودا کیونکر تیار کیا جاتا ہے۔ اُس نے محکمۂ جنگلات کی چند کتابیں حاصل کیں اور اس سے یہ دریافت کیا کہ کس قسم کی لکڑیاں

اس کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ پھر اس نے اُن چیتھڑوں اور دوائیوں کا مطالعہ کیا جو خام چیزوں کو کاغذ میں تبدیل کرتی ہیں۔ اُن کی مختلف قسمیں معلوم کیں اور اُن کی قیمتیں دریافت کیں۔

اس کے بعد اس نے کارخانہ پر نظر ڈالی کہ کون سے امور کاغذ کیلیے مفید ہیں اور کن کن طریقوں سے کارخانہ دار اپنی مصنوعات کو بازار میں پیش کرتے ہیں چونکہ دفتر ہی میں کام کرتا تھا اس لیے اس کو حساب کی کتابوں سے یہ معلوم تھا کہ اس کے کارخانے کے بڑے بڑے گاہک کون ہیں۔

اب جبکہ اس کو مختلف قسم کے کاغذوں کی خوبیاں اور نقائص معلوم ہو گئے تو اس نے گاہکوں کو ایک دوسری نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ اب اُسے معلوم ہونے لگا کہ ہر گاہک کی ضروریات مختلف ہیں اس لیے اس کو اب صیغۂ فروخت میں بہت سی اصلاحوں کی گنجائش نظر آ[ئی]

تقریباً ایک سال اُس نے اپنے اوقاتِ فرصت میں کاغذ کی فروخت کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں صرف کیا۔ یہاں تک انہماک بڑھا کہ اس کی زندگی ہی اس کے لیے وقف ہو گئی۔ ایک جگہ خالی ہوئی جس میں اس کو اپنی قابلیتوں کے اظہار کا موقع ملتا تھا۔ اس نے درخواست دی اور منظور ہو گئی۔ اس نے کام شروع کیا اور بہت جلد اپنے ہم پیشوں پر سبقت لے گیا۔ اسکے ذریعہ سے جتنی بکری ہوتی تھی اتنی کسی اور کے ذریعہ نہ ہوتی تھی۔

اب دیکھو کہ شروع شروع میں اسکو اپنے کام سے نفرت تھی لیکن پروفیسر جیمس کے سیدھے سادے اصول کو کام میں لانے کی وجہ سے وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اپنے ہم پیشوں میں ممتاز ہو گیا۔

تم بھی اگر چاہو تو اس اصول پر عمل کرکے اپنی حالت کو بہتر بنا سکتے ہو ✦

گدڑی کے لال

فقیر والدین کے امیر بیٹے

(از جناب غلام حسن خاں صاحب شیرانی)

کارکنانِ قضا و قدر جو کچھ بھی کریں وہ درحقیقت اعمال انسانی کے نتائج و ثمرات ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ لیس للانسان الا ما سعیٰ و ان سعیہ سوف یریٰ صاف فرمان ربانی ہے۔ کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ایک شوشے تک میں تغیر و تبدل کر سکے۔ اعمال انسانی جو تدبیر کے ماتحت ہوتے ہیں اُن کے اثمار کا نام ہی درحقیقت تقدیر ہے۔ مثال کے طور پر سمجھ لیجیے کہ غلہ کا ایک دانہ بونے کے لیے قدرت کے سارے مظاہر ہمارے ساتھ ملکر کام کرتے ہیں۔ زمین۔ کرۂ ہوائی۔ نظام شمسی وغیرہ سب مل کر ہماری مدد کے لیے تیار ہیں لیکن اُن کی قوتیں کالعدم نہ سہی بیکار اور رائگاں جاتی ہیں جب تک کہ ہم خود ہاتھ نہ ہلائیں۔ جونہی ہم نے ہل جوت کر زمین کو کھود کر دانہ ڈالا۔ کل کے کل مظاہر قدرت اس ظاہر تغافل شعاری کو چھوڑ کر اپنے مفوضہ کام میں لگ گئے۔

امریکہ کے کروڑپتی اشخاص کے والدین کی مالی حیثیت جو ذیل میں درج ہے اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ محنت اور حسن تدبیر ہی کا دوسرا نام تقدیر ہے ورنہ یہ سب لوگ محض اپنی جدوجہد سے کامیابی کے زریں خزانے پر اس طرح تسلط نہ پا سکتے۔

۱۔ مسٹر گارڈن بینٹ۔ اس کا والد اتنا غریب اور نادار تھا کہ اپنی غربت کی وجہ سے جب اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہکر امریکہ پہنچا تو اس کے پاس ایک دمڑی تک نہ تھی۔ دور دراز کے فاقہ کے بعد مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتا رہا لیکن اُسکا فرزند مالکِ اخبار نیویارک ہیرلڈ کروڑپتی ہوا۔

۲۔ مسٹر جان میکی۔ فاقوں سے تنگ آکر اس کے باپ نے اپنی بیوی اور بیٹے کو لیکر امریکہ کا رُخ کیا۔ دو برس افلاس کی صعوبتیں اُٹھاکر امریکہ میں مرگیا لیکن اس کا بیٹا جان میکی چاندی کا بادشاہ کہلاتا ہے۔

۳۔ مسٹر ہائیرم میکسیم۔ اس کا باپ ایک معمولی کارخانے کا ملازم تھا۔ لیکن غربت کی وجہ سے اپنے بیٹے سے بھی مزدوری کرایا کرتا تھا تب جاکر کہیں ان کا گزارہ چلتا تھا۔ سر ہائیرم میکسیم نے چودہ برس کی عمر تک کبھی کھیت پر کام کیے۔ کبھی کسی بڑھئی کا ملازم ہوا۔ کبھی گاڑی ساز کے ہاں امیدواری کی۔ مگر آخر کار اپنی کوشش اور حسن تدابیر کی وجہ سے میکسیم گن کا موجد کروڑپتی بنگیا۔

۴۔ اینڈریو کارینگی۔ اسکا باپ جامدانی بننے کا کام کرتا تھا صبح سے شام تک متواتر کام کرنے کے بعد تب کہیں اسے غریبانہ نانِ جویں میسر ہوتی۔ جب کلوں کے ذریعہ جامدانی بُنی جانے لگی تو مجبوراً اپنے کرگھے وغیرہ فروخت کرکے اپنے بال بچوں سمیت امریکہ چلا گیا۔ وہاں اُس نے ایک کارخانے میں جولاہے کی نوکری اختیار کرلی۔ اسی کارخانہ کی بدولت مسٹر کارینگی نے اتنی دولت حاصل کی کہ دنیا میں کوئی شخص اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔

۵۔ مسٹر راک فیلر۔ نیویارک کے قریب چند ایکڑ زمین جوت کر اسکا والد تنگی ترشی کی گزران کیا کرتا تھا لیکن کفایت شعاری سے اتنی رقم بچالی کہ اپنے لڑکے کو بونے جوتنے کے واسطے ایک زمیندار کے سپرد کردیا۔ وہاں راک فیلر نے اتنی دولت پیدا کی کہ آج محسودِ عالم ہے۔

۶۔ مسٹر کلارک۔ ایک نہایت بے حیثیت کاشتکار کا لڑکا ہے۔ جو اپنے والد کے ساتھ محنت میں شامل رہتا تھا لیکن اپنے حسن تدبیر اور کوشش سے اتنی دنیا پیدا کی کہ عوام الناس نے اسے "تانبے کا بادشاہ" خطاب دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ چھ ہزار پونڈ اس کی روزانہ آمدنی ہے۔

۷۔ مسٹر سٹرمن۔ اسکا باپ کشتیوں کی مرمت کرکے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ مگر آمدنی کی قلت کے باعث مجبوراً اپنے ایک لڑکے کو سکول سے اُٹھاکر بڑھئی کے پاس مزدوری کے لیے بھیج دینا پڑا! کسے معلوم تھا کہ یہ بچہ جو چودہ برس کی عمر میں اپنے باپ کا مددگار بنا۔ ایک زمانے میں دنیا کے بڑے کروڑپتیوں میں شمار ہوگا۔

۸۔ مسٹر جارج ویسٹنگھاؤس۔ ایک مفلس شخص کا بیٹا جو کارخانے کے ادنےٰ ملازموں میں شمار ہوتا تھا اپنی سعی و کوشش سے کامیابی کے اس مرتبہ کو پہنچا کہ کروڑپتیوں میں شمار ہونے لگا۔

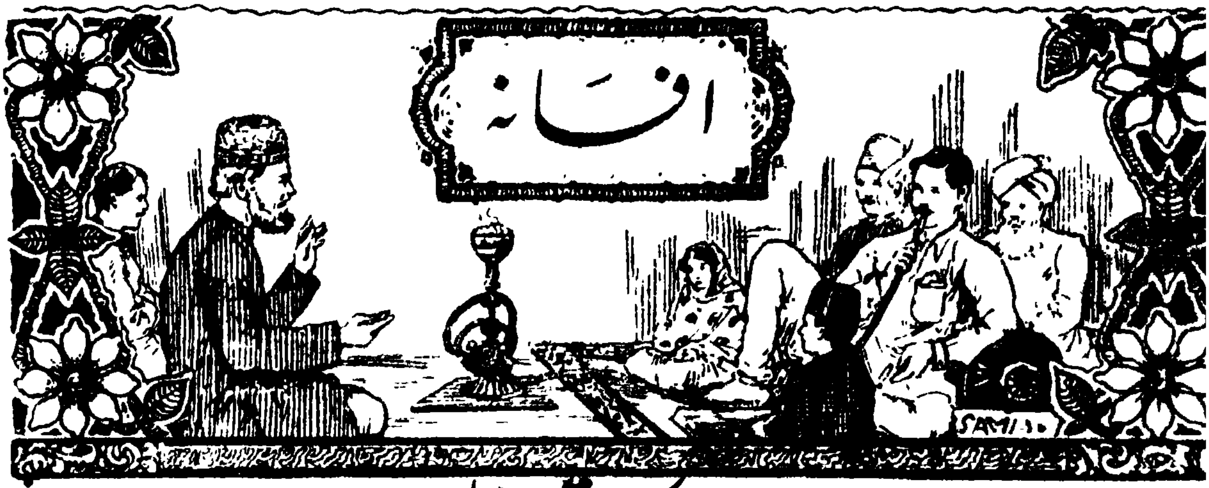
۹۔ مسٹر وینڈربیٹ مفلس اور نادار شخص کا بیٹا چھ برس کی عمر سے کام کرنے لگا اور سولہ برس کی عمر تک خود مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتا رہا۔ کبھی بازار میں پھر کر اخبار بیچے کبھی ہوٹلوں میں لوگوں کے گھوڑے تھامے۔ کبھی ریل کا اسباب ڈھویا۔ اسی طرح محنت کرتے کرتے آخر میں کروڑوں پونڈ کا مالک بن گیا۔ جو کہ نہایت دولتمند خاندان کا بانی ہوا۔

۱۰۔ مسٹر گولڈ۔ چونکہ اسکا باپ اپنے اہل و عیال کی پرورش اپنی محنت اور مزدوری سے نہ کرسکتا تھا۔ اسلیے اس نے اپنے بیٹے کو بچپن ہی سے اپنے ساتھ جوتنے بونے میں مصروف رکھا جسکے باعث مسٹر گولڈ علم کی نعمت سے تو بالکل محروم رہا۔ مگر اپنی محنت سے اتنی دولت پیدا کرلی کہ مرتے وقت ڈیڑھ کروڑ پونڈ چھوڑے۔

۱۱۔ مسٹر آگڈن ملس۔ اسکے والدین نہایت فلاکت کی حالت میں رہتے تھے جب ان کا بیٹا آگڈن ملس کسی سوداگر کے ہاں محرر ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ آخر اپنی کفایت شعاری سے کروڑوں پونڈ آگڈن ملس نے پیدا کرلیے اور آخر عمر میں لاکھوں پونڈ رفاہ عام میں خرچ کیے۔

۱۲۔ مسٹر رسل سیج۔ اپنے چھ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ اور دس برس کی عمر تک کسی کاشتکار کی مزدوری کرتا رہا۔ اسنے مرتے وقت دو کروڑ پونڈ چھوڑے

مسز ملس برگ گینیس لیٹر میامر آنریبل جان ڈامیکر اور مسٹر سپنر جیسے میری بالکل غریب والد



سورت کا قہوہ خانہ

(شہرۂ آفاق روسی حکیم کاونٹ لیو طالسطائی کا ایک افسانہ)

ہندوستان کی قدیم بندرگاہ سورت میں ایک قہوہ خانہ تھا جہاں دنیا کے تمام حصوں کے مسافر اور غیر ملکی باشندے آکر ملتے اور ایک دوسرے سے تبادلۂ گفتگو کرتے تھے۔

ایک دن اس قہوہ خانہ میں ایک ایرانی عالم دین آیا۔ اس شخص نے اپنی تمام عمر خدا کی حقیقت سمجھنے میں گزار دی تھی اور اس سلسلہ میں سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور خود بہت سی تصانیف کی تھیں۔ خدا کی ہستی کے متعلق اس نے بہت کچھ مطالعہ، غور و فکر اور تلاش و تحقیق کی تھی حتے کہ اپنے فلسفہ کی گتھیوں میں الجھکر وہ اس قدر پریشان ہو گیا کہ اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی، چنانچہ شاہِ ایران نے اُسے جلاوطن کر دیا تھا۔

اس غریب عالم نے "باعثِ تکوینِ عالم" کی اس قدر تحقیق و جستجو کی کہ اسکی عقل چکر میں تھی۔ خدا کی ہستی اسکی سمجھ میں نہ آتی تھی اور اس تمام طویل مطالعہ کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کے دماغ میں چند نا قابلِ فہم ہیولے تھے جو سلجھتے نہ تھے حتے کہ اس عالم نے مجبور ہو کر یہ سمجھ لیا کہ اس تمام کائنات کے انتظام و انصرام کے لیے کسی "عقلِ کُل" کی ضرورت نہیں۔

اس ایرانی عالم کے پاس ایک حبشی غلام تھا جو ہر وقت اور ہر جگہ اسکے ساتھ رہتا تھا چنانچہ اس وقت بھی اس کے ہمراہ تھا، جب ایرانی قہوہ خانہ میں داخل ہوا یہ غلام دروازہ کے قریب دھوپ میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور اِردگرد اُڑنے والی مکھیوں کو اُڑانے لگا۔ جب ایرانی قہوہ خانہ کے دیوان میں جا بیٹھا تو اس نے حکم دیا کہ افیون کی ایک پیالی پیش کی جائے۔ چنانچہ پیالی آئی اور اس نے چسکیوں سے ساری پیالی ختم کر دی۔ جب خوب نشہ ہو گیا اور دماغ میں تحریک ہونی شروع ہوئی اور چکر آئے تو اس نے کھڑکی کھول کر منہ نکالا اور حبشی غلام سے مخاطب ہو کر کہا "اے کمبخت حبشی تجھے معلوم ہے کہ کیا خدا کی کوئی ہستی ہے"؟

حبشی نے یہ سُنکر اپنی پیٹی کھولی اور لکڑی کی ایک مورت نکال کر دکھائی اور کہا "کیوں نہیں! خدا بے شک موجود ہے، دیکھو یہ رہا۔ اس خدا نے مجھے پیدائش کے روز سے ہر آفت سے بچایا ہے، ہمارے ملک میں اس متبرک درخت کی ہر شخص پوجا کرتا ہے اور اس کی لکڑی سے یہ دیوتا تراشے جاتے ہیں جنہیں ہم خدا سمجھکر تعظیم کرتے ہیں"۔

آقا اور غلام کی اس انوکھی گفتگو کو سُنکر قہوہ خانے کے دیگر مہمان بھی متوجہ ہو گئے انہیں جتنا آقا کے سوال پر تعجب ہوا تھا اس سے زیادہ حبشی کے جواب پر ہوا

اس مجمع میں ایک ہندو برہمن بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے حبشی کو مخاطب کرکے کہا " ارے کمبخت! کہیں خدا لوگوں کی بستیوں سے بندھا بندھا پھرتا ہے۔ جان کہ دنیا میں صرف ایک خدا ہے اور وہ "برہما" ہے ——

یہ تمام کائنات سے بڑا ہے کیونکہ یہ سب کارخانہ اسی کا بنایا ہوا ہے۔ برہما قادر مطلق ہے۔ اس کی ثنا و تکریم کے لیے گنگا کے کنارے مندر تعمیر کیے گئے ہیں جہاں اس کے سچے پرستار یعنی برہمن اس کی حمد و ثنا کرتے رہتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی پرم آتما کو نہیں جانتا۔ لاکھوں برس گزر گئے ایک انقلاب کے بعد دوسرا آیا مگر خدا کے ان سچے پرستاروں یعنی برہمنوں کا اقتدار ہرگز کم نہ ہوا۔ کیونکہ وہ خود ان کی حفاظت کرتا ہے"

برہمن یہ تقریر کرکے سمجھا تھا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو گیا مگر وہیں ایک یہودی دلال بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے یہ سنکر کہا " نہیں! حقیقی خدا کا عبادت خانہ ہندوستان میں نہیں ہے اور نہ خدا برہمنوں کی حفاظت کرتا ہے اصلی خدا برہمنوں کا خدا نہیں بلکہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و یعقوبؑ کا خدا ہے اور وہ سوائے اپنے منتخب و برگزیدہ بندوں یعنی بنی اسرائیل کے کسی کی حفاظت نہیں کرتا۔ ہماری قوم خدا کی محبوب ترین قوم رہی ہے۔ ہمارے سوا اور کوئی خدا کا چاہیتا نہیں اگر آج ہم دنیا میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اس کی وجہ خدا کا عتاب نہیں بلکہ وہ ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے اور اس نے ہم سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ ارض موعودہ میں ہمیں دوبارہ جمع کریگا اور ہمارے بھی دن پھرینگے۔ اس وقت یروشلم کا ہیکل اعظم دنیا کی تمام عبادتگاہوں سے بڑا بن جائیگا۔ اور یروشلم میں ہماری حکومت ہوگی۔ ہماری شان و شوکت اسقدر بڑھ جائیگی کہ پھر تمام دنیا مغلوب ہوکر ہماری محکوم ہو جائیگی ہر جگہ بنی اسرائیل کی حکومت ہوگی"

سود خوار یہودی یہ تقریر کر چکا تو رونے لگا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر فرط گریہ سے کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر ایک اطالوی عیسائی مبلغ یوں بول اٹھا۔

"میاں اسرائیلی! تم جو کچھ کہہ رہے ہو بالکل غلط ہے، تم خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔ خدا تمہاری قوم سے کبھی محبت نہیں کر سکتا، اور کبھی کرتا بھی تھا تو زمانۂ قدیم میں جب کو بیسیوں صدیاں گزر چکی ہیں، تمہاری قوم نے خدا کو ناراض کر دیا تھا پھر تم پر عتاب نازل ہوا اور تمہاری قوم آوارہ گردی میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی رہی، اب تمہارا کوئی ملک نہیں، تمہارا مذہب تبلیغی مذہب نہیں رہا، اب کوئی یہودی نہیں ہوتا یعنی بنی اسرائیل کا مذہب اب فنا ہو چکا ہے، خدا کے نزدیک کوئی قوم نہ چھوٹی ہے نہ بڑی بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ جو کوئی بھی روما کی کیتھولک کلیسہ کے آغوش میں آگیا بس اسے نجات مل گئی جو بھی اس کی حدود سے باہر ہے نجات سے کوسوں دور ہے"

جب کیتھولک مبلغ یہ کہہ چکا تو پروٹسٹنٹ فرقہ کا ایک کارکن جو اتفاق سے وہاں موجود تھا یہ سنکر کیتھولک مبلغ پر برس پڑا:-

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ صرف وہی نجات پائیں گے جو کیتھولک کلیسہ میں داخل ہوں، میں کہتا ہوں ہر وہ شخص جو انجیل کی روح و معانی سمجھکر خدا اور یسوع مسیح کی اطاعت کرے وہی نجات یافتہ ہوگا"

ایک ترک افسر جو سورت کی بندرگاہ پر ٹیکس کلکٹر تھا ان عیسائیوں کی طرف اپنا پائپ پیتے ہوئے مخاطب ہوا اور کہا " روما کے پوپ کے مذہب پر ایمان لانا بالکل بیکار ہے، اس سے نجات نہیں ملنے کی۔ نجات وہی پائیں گے جو اسلام قبول کریں۔ آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام دنیا کے طول و ارض میں پھیل رہا ہے۔ یورپ و ایشیا اور ترقی یافتہ چین میں اسلام بالسرعت اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔ آپ نے خود کہا ہے کہ خدا نے یہودیوں کو مقہور کیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر جگہ بھٹکارے جاتے ہیں لہذا آپ کو ماننا پڑے گا کہ صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو عالمگیر ہے اور دنیا کے تمام مذاہب پر غالب۔ سوائے اسلام کے ماننے والوں کے کسی کی نجات نہیں ہوگی۔ محمدؐ کی پیروی کرو، صراط مستقیم پر آجاؤ گے ورنہ بھٹکو گے۔ پھر نجات بھی صرف وہی مسلمان پائیں گے جو صحیح اسلام کے پیرو ہوں یعنی حضرت عمرؓ کے نہ کہ حضرت علیؓ کے کیونکہ انکا مذہب صحیح اسلام

تھا"۔

ایرانی عالم جو شیعہ تھا اس پر کچھ لب کشائی کرنا چاہتا تھا کہ قہوہ خانے میں ایک عام بحث و مباحثہ اور تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ اس وقت مختلف لوگوں کے علاوہ ایک سیناکے عیسائی تبت کے لامہ، اسمعیلی فرقہ کے پیرو اور آتش پرست غرض سب مذاہب کے پیرو کار موجود تھے ہر شخص اپنے مذہب کی سچائی اور اپنے ملک کے مذہب کی عالمگیریت کو ثابت کرنے میں مصروف تھا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ اصل خدا اسی ملک و قوم کا ہے اور وہی نجات دیگا مگر عبادت بھی ہر شخص نے اپنا سمجھ و اطمینان بخش بتایا تھا۔ ہر شخص اس بحث و تمحیص میں حصہ لے رہا تھا، مگر ایک چینی جو حکیم کنفیوشس کا چیلا تھا اس وقت تک خاموشی کے ساتھ سب باتیں الگ کونے میں بیٹھا ہوا سنتا رہا تھا، چاے پیتا جاتا تھا اور ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا، مگر بالکل خاموش تھا۔

ترک افسر نے اسے دیکھکر مخاطب کیا اور کہا "میرے چینی بھائی! تو خاموش رہا، اگر بولتا تو یقیناً میری بات سے اتفاق کرتا اور میرے کہنے کو سچ جانتا۔ بہت سے تاجر جو تمہارے ملک سے میرے پاس امداد کے طالب ہو کر آتے ہیں کہتے رہتے ہیں کہ گو چین میں بہت سے مذاہب ہیں مگر اسلام بہت مقبول ہو رہا ہے اور چینی باشندے اسے برضا و خوشی قبول کر رہے ہیں۔ آپ بھی خدا اور اس کے سچے آخری نبی پر کچھ اظہار خیال کیجئے"۔ سب نے یہ سن کر چینی کی طرف منہ پھیرا اور یک زبان ہو کر کہا "ہاں ہاں ضرور آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں"۔

کنفیوشس کے چیلے چینی نے یہ سنکر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کچھ دیر سوچتا رہا پھر کھول دیں اور اپنے لمبے فرغل کی آستینوں میں سے ہاتھ نکال کر سینہ پر باندھ لیے اور مندرجۂ ذیل تقریر بہت آہستگی اور نرم لہجہ میں کی :-

محترم حضرات! بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر اس غلو اور اعتماد کے ساتھ اڑا ہوا ہے کہ کسی دوسرے مذہب کے متعلق ٹھنڈے دل سے کچھ سننا یا رواداری کے ساتھ ایک دوسرے کا مطالعہ کرنا ہی نہیں چاہتا اگر آپ میری بات سننا چاہیں تو میں ایک کہانی بطور ایک مثال کے عرض کرتا ہوں اسے بغور سنیئے یہ سب جھگڑے کو صاف کر دیگی۔

میں ایک انگریزی دو خانی جہاز پر سوار ہو کر چین سے یہاں آیا ہوں یہ جہاز تمام دنیا کے گرد سفر کر چکا ہے۔ ہم تازہ پانی کی تلاش میں جزیرہ سماٹرا کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ جہاز میں سے چند آدمیوں کی ٹولی اتر کر ناریل کے درختوں کے نیچے آ بیٹھی جو لب ساحل اُگے ہوے تھے اور قریب ہی جزیرہ کے باشندوں کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، اس ٹولی میں ہر قوم و ملک کے آدمی تھے۔ (یعنی ایک چھوٹی سی "جمعیت الاقوام" تھی)

ہم وہاں جاکر بیٹھے ہی تھے کہ ایک نابینا شخص آتا دکھائی دیا۔ یہ شخص پہلے بینا تھا مگر سورج کی طرف مسلسل گھورنے اور ٹکٹکی باندھکر دیکھنے کی مشق سے اس کی آنکھیں نور بصارت سے محروم ہو گئی تھیں۔ یہ شخص سورج کی حقیقت معلوم کرنے اور اس کی روشنی کو جذب کرنے کی غرض سے اس پر روزانہ گھورا کرتا تھا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

پھر یہ نابینا اپنے دل میں کہا کرتا تھا :-

" سورج کی روشنی کوئی سیال شے نہیں کہ ایک برتن سے دوسرے برتن میں نکالی جا سکے ورنہ اس کی روشنی نکل کر فضا میں سے بہتی ہوئی میری آنکھوں میں سما جاتی۔ نہ سورج کی روشنی سیال ہے نہ آگ کی مانند ہے کیونکہ اگر وہ آگ ہوتی وہ پانی اسے بجھا سکتا، نہ یہ روشنی غیر مرئی روح کی طرح ہے کیونکہ وہ بالکل دکھائی دیتی ہے نہ یہ مادہ ہے کیونکہ منتقل نہیں کی جا سکتی ہے، پس چونکہ سورج کی روشنی نہ سیال ہے نہ آگ نہ روح نہ مادہ تو لہذا یہ کچھ بھی نہیں ہے!"

غرض یہ اندھا اپنے دل میں اسی قسم کے من سمجھوتے کر لیا کرتا تھا۔ دل و دماغ کے اس خلجان اور بحث و مباحثہ نے اس کی عقل بھی کہیں کی نہ رکھی تھی۔ نور بصارت کے ساتھ اسکی عقل و خرد نے بھی جواب دیدیا تھا اور وہ اس نتیجہ

پر بالآخر پہنچ ہی گیا کہ دنیا میں سورج کا وجود ہے ہی نہیں۔

اس اندھے کے ساتھ ایک غلام بھی تھا چنانچہ اس نے اپنے آقا کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر ایک ناریل توڑا اور اس سے چراغ شب بنانے لگا یعنی ناریل کے ریشہ مروڑ مروڑ کر ایک بتی بنائی اور پھر اس کے تیل میں اسے بھگو لیا اور چھلکے کو چراغ بنالیا۔ جب غلام یہ کارروائی کرنے میں مصروف تھا اس اندھے نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اس سے کہا "کیوں غلام! میں نے تجھ سے ٹھیک نہیں کہا تھا کہ سورج کا وجود نہیں۔ کیا غلط تھا؟ دیکھو کس قدر اندھیرا ہے مگر لوگ پھر بھی مصر ہوتے ہیں کہ سورج موجود ہے۔ اگر سورج واقعی کوئی چیز ہے تو بتاؤ وہ کیا ہے؟"

غلام نے جواب دیا "حضور مجھے تو معلوم نہیں کہ سورج کیا ہے کیا نہیں یہ میرا کام نہیں کہ معلوم کرتا پھروں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اس میں روشنی ہے اور روشنی سے میں بخوبی واقف ہوں۔ میں نے ایک شب چراغ بنایا ہے اور اس کی مدد سے رات کو جھونپڑی میں جس چیز کی ضرورت ہوگی تلاش کرلوں گا۔"

یہ کہکر اس نے ناریل کا کھوپرا اٹھایا اور دکھاتے ہوئے کہا "میرا تو سورج یہ ہے" ایک لنگڑا آدمی جو لکڑیوں کے سہارے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا یہ سنکر ہنسنے لگا اور اندھے سے مخاطب ہو کر کہا "تم واقعی تمام عمر اندھے ہی رہے کیونکہ اتنا تک نہ معلوم کر سکے کہ سورج کیا ہے۔ سنو میں بتاتا ہوں۔ سورج آگ کا ایک کرہ ہے جو روزانہ صبح سویرے سمندر میں سے نکلتا ہے اور شام کو پہاڑیوں کے پیچھے جزیرہ کے اس پار غائب ہو جاتا ہے ہم سب نے یہ بات روزانہ دیکھی ہے اگر تمہاری بصارت بھی کام دیتی تو تم بھی یہ واقعہ دیکھ سکتے۔"

ایک مچھیرا جو اس گفتگو کو سن رہا تھا کہنے لگا "تم نے بھی صحیح بات نہیں بتائی اگر تم لنگڑے نہ ہوتے تو ضرور اس جزیرہ کی حدود سے باہر کی بات کہتے، مگر میں جو روزانہ شام کو کشتی میں بیٹھکر نکلتا ہوں سورج کو سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا دیکھتا ہوں، یہ پہاڑیوں کے پیچھے نہیں چھپتا بلکہ سمندر ہی میں سے نکلتا ہے اور اسی میں ڈوب جاتا ہے میں روزانہ اپنی آنکھوں سے یہ کرشمۂ قدرت دیکھتا ہوں۔"

ایک ہندو جو اتفاق سے ہمارے مجمع میں سے تھا اس پر بول اٹھا "مجھے آپ جیسے عقلمند سے یہ بات سنکر بڑا تعجب ہوا بھلا آپ کے کہنے کے مطابق سورج آگ کا ایک کرہ کیونکر ہو سکتا ہے اگر وہ آگ کا گولا ہوتا تو سمندر میں بجھ ہی نہ جاتا۔ نہیں یہ غلط ہے۔ اصل میں سورج ایک دیوتا ہے جسے "دیوا" کہتے ہیں یہ دیوتا ہمیشہ ایک رتھ میں بیٹھکر میرو پہاڑ کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے بعض اوقات ناپاک سانپ مثلاً رگھو اور کیتھو دیوا پر قبضہ کرلیتے ہیں اور یہ غائب ہو جاتا ہے ہمارے پجاری پوجا پاٹ کرتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ دیوا آزاد ہو جائے چنانچہ وہ اس آزمائش سے نجات پاتا ہے اور صبح پھر چمکنے لگتا ہے۔ تم لوگ جو اپنے جزیرہ سے باہر نہیں نکلتے سمجھتے ہو کہ سورج صرف اس جزیرہ کے لیے بنایا گیا ہے نہیں سورج صرف ہندوستان کے مقدس مندروں پر چمکنے کے لیے بنایا گیا تھا۔"

اس پر ایک مصری جہاز کا مالک جو وہاں موجود تھا اس پر یوں گویا ہوا:-

"نہیں تم بھی غلطی پر ہو! سورج ایک دیوتا نہیں ہے اور نہ صرف ہندوستان کی سنہری پہاڑیوں کے ہی گرد گھومتا ہے بلکہ اور جگہ بھی چمکتا ہے میں نے بحر سیاہ اور سواحل عرب سے لیکر مدغاسکر اور فلپائن تک سفر کیا ہے۔ سورج تمام دنیا کو روشنی پہنچاتا ہے صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں ہے، یہ ایک پہاڑ کا چکر نہیں لگاتا بلکہ مشرق میں جاپان کے قریب سے نکلتا ہے اور بہت دور جزائر انگلستان پر پہنچکر غروب ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جاپانی اپنے ملک کو اپنی زبان میں نیپو یعنی "پیدائش گاہِ آفتاب" کہتے ہیں۔ میں اس سے بخوبی واقف ہوں کہ

ت کچھ حالات معلوم کیے ہیں اور اپنے دادا سے بہت حال سُنتا تھا جو
مسکے سب سے آخری کنارہ تک گیا تھا۔
ممکن ہے کہ وہ کچھ اور بیان کرتا مگر ایک انگریز جہاز ران جو ہمارے جہاز
ہا بیچ میں بول اُٹھا "دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں لوگ انگلستان
لوگوں سے زیادہ سورج کی حقیقت سے واقف ہوں۔ انگلستان
ں ہر شخص جانتا ہے کہ سورج نہ کہیں سے نکلتا ہے اور نہ شام کو غائب ہو جاتا
ہے اور یہی حال یہاں بھی ہے"۔

یہ کہکر انگریز نے ایک لکڑی پکڑی اور ریت پر دائرے بنا
کر اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی مگر اپنا مافی الضمیر اچھی طرح ظاہر
کر سکا بلکہ جہاز کے ناخدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ مجھ سے
ی بہتر آپ کو سمجھا سکتے ہیں ان سے پوچھیے"۔

ناخدا جو ایک ذہین آدمی تھا اس وقت تک ان کی گفتگو سنتا رہا
تھا اب جو لوگوں نے اس سے بولنے کے لیے کہا تو وہ بولا:۔

"تم میں سے ہر ایک غلطی پر ہے ہر ایک اپنے آپ کو فریب دینے
میں لگا ہوا ہے۔ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین سورج کے گرد
گھومتی ہے۔ روزانہ گھومتی رہتی ہے اور سورج کے گرد چکر لگاتی رہتی
ہے اور چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ گھوم جاتی ہے۔ نہ جاپان فلپائین
اور سماترا کے گرد بلکہ تمام افریقہ یورپ امریکہ اور دوسرے ملکوں
کے گرد بھی سورج نہ صرف ایک پہاڑ کے لیے نہ صرف ایک جزیرہ اور
سمندر کے ٹکڑے کیلیے بلکہ تمام روے زمین بلکہ دوسرے اجسام فلکی تک
کے لیے چمکتا ہے۔ یہ محدود نہیں ہے اگر تم صرف اوپر آسمان ہی کو دیکھتے رہے
تو کچھ نہیں اپنے زیر پا زمین پر بھی نظر ڈالو دیکھو سورج سب کو چمکاتا ہے
اگر تم نے نیچے بھی نظر ڈالی تو سمجھ لوگے کہ سورج صرف تمہارے ہی ملک کے
لیے نہیں چمکتا بلکہ تمام کرۂ ارض پر محیط ہوتا ہے"۔

عقلمند ناخدا نے خوب بیان کیا۔ اس نے بہت سے سفر کیے تھے اور آسمان
کو بہت گھورا تھا۔

کنفیوشس کے چیلے چینی نے یہ کہانی بیان کرکے کہا "تو حضرات آپ نے
دیکھا کہ عقائد کے معاملہ میں بے اعتمادی کیونکر ہمیں غلطی میں ڈال دیتی ہے جو مثال
سورج کی دی ہے یہی خدا کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ ہر شخص اپنے لیے ایک مخصوص
خدا چاہتا ہے یا کم از کم ہر ایک کا نہیں تو اپنے اپنے ملک کا ضرور علیحدہ خدا ہو
ہر ایک چاہتا ہے کہ خدا دنیا میں نہ سمائے بلکہ ایک محدود مندر یا ایک ہیکل
میں پھنسکر رہجائے"۔

"کیا کوئی بھی مندر اس مندر کا مقابلہ کر سکتا ہے جو خود خدا نے بنایا ہے
تاکہ ہر مذہب وعقیدے کا انسان اس کے آغوش میں آجائے؟"

تمام انسانی مندر اور عبادتگاہیں اس خدائی عبادتگاہ کی نقل میں بنائی
گئی ہیں، ہر مندر میں اپنے اپنے دیوتا اپنی اپنی مرصع چھتیں، اپنے چراغ اپنی
تصاویر مورتیاں اور مذہبی کتابیں اور کتبے ہوتے ہیں، ہر ایک پجاری علیحدہ
اور ہر ایک کی قربانگاہیں مختلف ہوتی ہیں لیکن کونسا مندر ہے جس میں سمندر
جیسا چشمہ اور آسمان جیسی چھت ہو۔ کونسا مندر ہے جس کا چراغ سورج، چاند
اور ستاروں کی مانند ہو۔ کونسے مندر میں ایسی مورتیاں ہیں جو زندہ ہمدرد
انسانی مجسموں سے مقابلہ کر سکیں؟ خدا کی مہربانیوں کے ذکر کا کونسا تذکرہ ایسا
ہے جو اس سے مقابلہ کر سکے جو اس قدر سریع الفہم ہے کہ ہر ایک اسکی عنایتوں
کو دیکھکر احساس کر سکتا ہے؟ ہر شخص کے دل میں جو قوانین ثابت ہیں اس سے
بڑھکر بھی کوئی قانون کی کتاب ہو سکتی ہے؟ ایثار نفس کی قربانیوں سے بڑھکر کوئی
قربانی ہو سکتی ہے جو دن رات مرد و زن ایک دوسرے کی خاطر کرتے رہتے ہیں؟
کونسی قربانگاہ ہے جو قربانگاہ دل سے بڑھکر برگزیدہ ہو۔ اس قربانگاہ پر خود
خدا اپنی بھینٹ قبول کرتا ہے"۔

"جس شخص کا احساس حق جس قدر زبردست ہوگا اتنا ہی وہ خدا کے
سمجھنے میں زیادہ کامیاب ہوگا اور جتنا زیادہ خدا کو سمجھیگا اُتنا ہی وہ اس کے
قریب تر ہوتا جائیگا اور وہ خدا کی صفات اعلیٰ یعنی نیکی، رحم وکرم اور ہمدردی

دوحیت قبول کرتا چلا جائیگا اور یہ باتیں اس میں بھی پیدا ہو جائینگی۔"

پس چاہیے کہ جو شخص کو سورج کی تمام روشنی نظر آتی ہو وہ اس توہم پرست پر پھبتیاں نہ اڑائے جو اپنے چھوٹے سے فدا میں ایک کرن دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے، خواہ اسے بھی اس منکر خدا سے نفرت نہیں کرنی چاہیے جو اندھا ہو اور کرن دیکھنے سے بھی محروم!"

کنفیوشس کے چیلے چینی کی یہ بات سنکر قہوہ خانے کے سب لوگ چپ ہو گئے اور پھر ایک دوسرے کے مذہب و عقائد پر نہیں جھگڑے۔

(ترجمہ) ظفر قریشی۔ دہلوی

شیریں تجربہ

(از سعید احمد)

گاندھی جی کے نمک بنانے اور سول نافرمانی کا فرمان عام جاری کرنے سے چند سال بہت دن پہلے جبکہ نہرو رپورٹ بھی نہیں بنی تھی اور علی برادران کے دل میں کانگریس سے علیحدہ ہو جانے کی خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی تھی، صوبوں اور ضلعوں کی کانگریس کمیٹیاں بالعموم حالت جمود میں مبتلا تھیں اور سال بھر میں ایک مرتبہ قومی ہفتہ منا لینے یا کبھی کبھی کسی بڑے لیڈر کی آمد پر ایک آدھ جلسہ کر لینے کے علاوہ ان کے لیے کوئی اور کام نہ تھا۔ فرقہ وارانہ فسادات اگرچہ بند ہو چکے تھے لیکن ملک کی فضا ابھی تک بہت کچھ مسموم تھی اور ایک ایسی جماعت جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان اور جو ہندو بھی ہو اور مسلمان بھی، ان حالات میں نہ کوئی مفید کام انجام دے سکتی تھی، اور نہ اگر وہ کچھ کرنا چاہتی تو اس میں کامیاب ہی ہو سکتی تھی۔ لوگ کانگریس کو برا تو نہ کہتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہو لینے پر بھی تیار نہ تھے اس لیے ہر شہر اور ہر صوبہ کی کانگریس کمیٹی نے بیکاری کا زمانہ گزارنے کی خاطر کوئی نہ کوئی ایسا کام جسے ملک کی سیاسیات یا مذہب سے تعلق نہ ہو اور جس سے عوام کے خیالات کی اور ان کے اخلاق و عادات کی کسی حد تک اصلاح ہو سکے نکال رکھا تھا اور اس بہانے سے سال میں دس بیس دفعہ زور تقریر دکھانے کے آرزومندوں کو ایک مختصر سے مجمع کے سامنے اپنی فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے کا موقع مل جاتا تھا۔

لکھنو کی کانگریس کمیٹی بھی دوسری کمیٹیوں کے پیچھے نہ رہی، اور اس نے بھی اس قسم کے مشاغل اپنے لیے پیدا کر لیے۔ اس کمیٹی کے عہدہ داروں میں حسب دستور دو ایک مقامی وکیل تھے دو ایک بیرسٹر ایک آدھ ڈاکٹر اور ایک آدھ تاجر، لیکن ان "مطابق دستور" ارکان کے علاوہ لکھنو کو یہ فخر بھی حاصل تھا کہ اس کی کانگریس کمیٹی کا عہدۂ نظامت ایک بہت ہی متمول اور معزز تعلقہ دار کے ہاتھوں میں تھا۔

مسعود کی عمر زیادہ سے زیادہ چھبیس سال کی ہوگی والد کی ناگہانی وفات کے بعد وہی پورے تعلقہ کا تنہا وارث قرار پایا اور اس طرح ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اسے ہر مہینے کئی ہزار روپے گھر بیٹھے ملنے لگے۔ اپنے طبقہ کے اور افراد کے خلاف مسعود نے تعلیم بھی بہت ہی اعلیٰ حاصل کی تھی اور اس کے خیالات بھی بہت ہی اچھے اور بلند تھے۔ پتنگ بازی اور مرغ بازی میں اپنی دولت برباد کرنے کی بجائے اسے ہمیشہ یہی فکر رہتی تھی کہ اپنے روپیہ کو جہاں تک ممکن ہو ایسے کاموں پر صرف کرے جن سے اس کی قوم اور اس کے ملک کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔

دولتمند، حسین، طاقتور، اور روشن دماغ ہونے کے علاوہ مسعود تقریر بہت ہی اچھی کرتا تھا۔ کانگریس کے جلسوں میں بہت سے لوگ صرف اسکی

سے شریک ہوجایا کرتے تھے کہ مسعود کی تقریر سُننے کا موقع ملیگا - اس کی تقریر بہت ہی سادہ، عام فہم اور دل پر اثر کرنے والی ہوتی تھی اور چونکہ جو کچھ وہ کہتا تھا وہ اس کے اپنے دل سے نکلا ہوا ہوتا تھا اس لیے وہ تمام مجمع کے دلوں کو بالکل مسحور سا کر دیتا تھا، اور تھوڑی دیر کے لیے اپنے مخالفوں کو بھی اپنے ساتھ لے لینا اس کی تقریر کی ایک نمایاں خصوصیت تھی - امیرانہ شیخی اور نمود و نمائش کا شوق مسعود میں نام کو نہ تھا یہی وجہ تھی کہ عوام کے دل اس کی طرف کو کھنچنے لگتے تھے اور غریبوں کے دل میں اسکی طرف سے کبھی وہ نفرت نہ پیدا ہونے پائی تھی جو انہیں بالعموم اُمرا سے ہوتی ہے -

اپریل کا مہینہ تھا اور قومی ہفتہ منانے کے سلسلہ میں لکھنؤ کانگریس کمیٹی کی طرف سے روزانہ شام کے وقت امین آباد پارک میں جلسے ہوا کرتے تھے - اسی قسم کے ایک جلسہ میں ایک روز دو ڈھائی ہزار آدمیوں کے مجمع کے سامنے مسعود انتہائی جوش کے ساتھ تقریر کر رہا تھا - وہ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ بیکاری اور سستی کی زندگی کو چھوڑیں اور اپنے وقت کو کسی ایسے کام میں لگائیں جو مفید اور کارآمد ہو - اثنائے تقریر میں اس نے کہا کہ :-

"دنیا میں کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خود ہاتھ پاؤں ہلائے اور محنت کیے بغیر دوسروں کے سر روٹیاں توڑے، اور ان کی کمائی ہوئی دولت کو اپنے صرف میں لائے - لوگ اکثر یہ بہانہ پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم کیا کام کریں کام کہیں ملتا تو ہے ہی نہیں، لیکن ان کا یہ عذر بالکل بے بنیاد ہے کام کرنے والے ہوں تو کام کی کبھی کمی نہیں رہتی - ہم اگر سچے دل سے محنت یا مزدوری کی تلاش میں نکلیں تو یہ ناممکن ہے کہ ہم کامیاب نہ ہوں - ہمارے ملک میں چونکہ لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ کوئی نہ کوئی عزیز یا رشتہ دار دو روٹیاں ضرور ہی دے دیگا یا اگر کسی نے بھی نہ کھلائیں تو بھیک مانگنے اور



دو ڈھائی ہزار آدمیوں کے مجمع کے سامنے مسعود انتہائی جوش کے ساتھ تقریر کر رہا تھا

عاجزی اور ذلت کے ساتھ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا دینے سے تو ضرور ہی
یہ کچھ نہ کچھ مل جائیگا۔ اس لیے ان کے دل میں کام کی یا روزگار کی بھی طلب اور
تلاش نہیں ہوتی، اسی لیے وہ ناکام رہتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ
ایک تندرست اور محنت کرنے کے شائق انسان کے لیے کہیں روزگار کی کمی
نہیں ہے۔ یہ صرف ہماری اپنی سستی اور کاہلی ہے جس نے ہمیں اس طرح غریب
اور دنیا بھر کی نگاہوں میں حقیر و ذلیل بنا رکھا ہے "
مسعود کی طبیعت آج غیر معمولی زوروں پر تھی اور اس موضوع پر اس نے

اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی بیکار نہ کھوئیں گے۔

——— ✻ ———

قومی ہفتہ بھی گزر گیا، کانگریس کے لیکچر بھی ختم ہو گئے تھے کہ پورا اپریل کا مہینہ گزر کر
مئی کا بھی نصف سے زیادہ حصہ گزر چکا، گرمی خوب اچھی طرح پڑنے لگی، اور رات
کے ابتدائی حصے میں تپش کی وجہ سے نیند آنی دشوار ہو گئی۔

مسعود شہر کے باہر مگر بالکل قریب ایک بہت ہی عالیشان کوٹھی میں رہتا
تھا، اور اگرچہ سازو سامان سب کچھ بہت ہی امیرانہ تھا پھر بھی اس کے رہنے کا
طرز بہت ہی سادہ اور بالکل معمولی تھا، نہ موٹریں تھیں نہ گاڑی گھوڑے، اور نہ
نوکروں کی وہ فوج جنہیں "جی حضور" اور "بجا حضور" کہتے رہنے کے علاوہ شکل
ہی سے کوئی اور کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کے ملازموں کی فہرست میں صرف ایک باورچی
ایک خدمتگار، اور ایک مہتر تھا، اور خدمتگار سے بھی وہ اپنی ذات کے لیے کوئی



تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک تقریر کی۔ مجمع نے تقریر کو بڑے غور سے سنا اور بہت سے
آدمیوں پر اسکا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اسی وقت اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ آئندہ

خدمت نہ لیا کرتا تھا۔ بلکہ کوٹھی کی صفائی اور آراستگی اس سے متعلق تھی۔
کلب سے واپس آ کر مسعود نے تھوڑی دیر تک کتاب دیکھی اور پھر سونے کے ارادے

روشنی گل کر کے لیٹ گیا۔ بارہ بجے کے قریب اسے بمشکل نیند آئی تھی کہ یکایک ایک بجے کسی کھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ کمرہ میں کوئی اور آدمی ہے، وہ آہستہ سے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا، اور بجلی کا بٹن دبا کر روشنی کر دی۔

کمرہ کے شمالی گوشہ میں جہاں لوہے کی الماری رکھی تھی اس نے دیکھا کہ ایک کریہ منظر اور شکستہ حال سا شخص کرسی پر بیٹھا ہے اور اپنے پستول کی نال اس کی جانب کیے ہوئے ہے۔ مسعود بزدل نہ تھا مگر پھر بھی یہ نظارہ بہت ناخوشگوار تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اور صرف ایک ہی لمحہ کے لیے اس پر خوف غالب ہوا۔ لیکن اس نے اپنے حواس درست کر لیے اور بہت ہی اطمینان کے لہجہ میں اس چور سے کہا۔

مسعود۔ آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟

اس اطمینانِ قلب نے چور کو بہت زیادہ پریشان کر دیا لیکن پھر بھی اپنی ظاہری حالت کو سنبھال کر اس نے جواب دیا:۔

چور۔ مجھے کچھ روپئے کی ضرورت تھی۔

مسعود:۔ (مسکرا کر) اس کھلونے کو آپ نے ہاتھ میں ناحق لے لیا، اسے جیب ہی میں رکھ لیجئے تو زیادہ مناسب ہے۔

چور۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ اگر شاید آپ مجھے گرفتار کرنا چاہیں تو میں اپنی حفاظت کر سکوں۔

مسعود:۔ (حقارت کے ساتھ ہنس کر) اگر میں آپ کو گرفتار کرنا چاہتا تو یہ آپ کو کسی طرح بھی نہیں بچا سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا نہیں اس کے کنڈے میں جو ڈورا پڑا ہوا ہے وہ الماری کے دستہ میں ملگ گیا ہے اور اگر میں سامنے سے ہٹ جاؤں تو آپ اسے کھما نہیں سکتے تاوقتیکہ پہلے الماری کے دستہ سے اس کا ڈورا نہ نکال لیں۔

کسی قدر پریشانی کے ساتھ چور نے گھبرا کر الماری اور ڈورے کی طرف دیکھا اور بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ جھپٹ کر مسعود نے اُس کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں پستول تھا۔

مسعود:۔ آپ جسمانی طاقت میں مجھ سے بہت کم ہیں اس لیے زور کرنا فضول ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی خطرناک چیزیں ہمارے اور آپ کے درمیان نہ ہوں۔

چور:۔ (مجبور ہو کر) تین وقت کے فاقہ نے مجھے بیحد کمزور کر دیا ہے ورنہ شاید اتنی آسانی سے میں اسے جدا نہ کرتا۔

چور سے پستول لیکر مسعود نے الماری کے اوپر رکھدیا اور کہا:۔

مسعود:۔ آئیے اب اس طرف آ کر بیٹھیے تو اطمینان سے دو دو باتیں ہوں۔

چور:۔ آپ شام ہی کو کھانا کھا چکے ہیں اور میں کئی وقت کا بھوکا ہوں، اگر آپ مجھے کچھ کھانے کو دے سکتے ہیں تو دیدیجیے ورنہ اجازت دیجیے کہ میں کوئی اور گھر دیکھوں۔

مسعود:۔ آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ بھوکے ہیں دیکھیے اس سامنے والی الماری میں آپ کو کچھ بسکٹ اور کچھ پھل مل جائینگے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت اپنے معزز مہمان کی خدمت میں اور کچھ پیش نہیں کر سکتا۔ خدا کرے کہ وہ آپ کو پسند آجائیں!

چور نے ایک بیتابانہ سرعت کے ساتھ الماری کھولی اور بسکٹ نکال کر ایک بھوکے بھیڑیے کی طرح ان پر منھ مارنا شروع کیا۔ پھل، بسکٹ اور مٹھائی کھا کر اور پانی پی کر چور نے کہا:۔

"آپ بہت ہی نیکدل انسان ہیں، میں آپ کی اس فیاضی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجیے اور آپ آرام فرمائیے۔

مسعود:۔ (ہنسکر) کیا واقعی آپ کا یہ خیال ہے کہ چونکہ میں نے آپ پر ترس کھا کر کھانا کھلا دیا ہے تو اس لیے آپ کو جانے کی اجازت دیدونگا۔

چور:۔ اب یہاں میرا کام بھی کیا ہے؟

مسعود:۔ آپ اچھے خاصے تعلیم یافتہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی باتیں کافی دلچسپ ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر آپ سے باتیں کروں۔

چور:۔ خیر تعلیم یافتہ تو کیا مگر ہاں بالکل جاہل بھی نہیں ہوں۔

مسعود۔ تعلیم یافتہ ہو کر آپ نے ایسا ذلیل پیشہ کیوں اختیار کیا؟ جب بالکل بے پڑھے اور احمق لوگ محنت کر کے روپیہ بارہ آنے روز کما لیتے ہیں تو آپ تو اس سے بھی کچھ زیادہ پیدا کر سکتے تھے۔

چور:۔ (کسی قدر برافروختہ ہو کر) بالکل غلط! ناممکن! آپ اس زمانے میں ایمانداری سے روزی کما ہی نہیں سکتے۔

مسعود:۔ کیا آپ نے کوشش کی تھی؟

چور:۔ کوشش! جناب والا روزگار کی تلاش میں پھرتے پھرتے میرے جوتوں کے تلے گھس گئے۔ آپ کو تو شاید اب یاد بھی نہ رہا ہو، لیکن ایک روز آپنے امین آباد پارک میں ایک تقریر کی تھی اور اس میں یہ کہا تھا کہ ایک تندرست اور محنت کرنے کے شائق آدمی کے لیے کہیں روزگار کی کمی نہیں ہے۔ میں ہرگز یہ نہیں کہنا چاہتا کہ میں کوئی کمزور دل کا آدمی ہوں مگر آپ کی تقریر کا خدا جانے کیوں مجھ پر بے انتہا اثر ہوا، اور میں نے اس کے بعد اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح کوئی کام مجھے مل جائے مگر مطلق کامیابی نہ ہوئی، اور میں عوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر میری سی حیثیت میں اپنے آپ کو لا کر آپ بھی تلاشِ روزگار میں نکلیں گے تو آپ کو بھی ایسی ہی ناکامی ہوگی۔

مسعود:۔ اس پیشہ کو اختیار کرنے سے پہلے آپ کیا کرتے تھے؟

چور:۔ ریلوے کی ٹکٹ کلکٹری اور دیہاتی اسکول کی مدرسی سے لیکر معمولی قلی کے کام تک کوئی کام بھی ایسا نہیں ہے جو میں نے نہ کیا ہو مگر اب یہ حالت ہے کہ کہیں ٹوکری ڈھونے کا کام بھی نہیں ملتا۔

مسعود:۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ کانپور میں کپڑا بننے کے کارخانے موجود ہیں اور وہاں ایک ایک کارخانے میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں۔ اگر لکھنؤ میں آپ کو کوئی کام نہ مل سکا تھا تو آپ وہاں چلے جاتے۔

چور:۔ گیا تھا، اور بلکہ سچ پوچھیے تو میری یہ حالت کہ بالکل فاقوں پر نوبت آ گئی وہیں جانے کی بدولت ہوئی جہاں جاؤ یہی جواب ملتا ہے کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے، نوکر کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے یہاں پہلے ہی سے مزدوروں کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہے، غرضکہ ایک ہفتہ کامل سارے شہر میں مارے مارے پھرنے، اور جو کچھ پاس تھا وہ سب خرچ کر دینے کے بعد پھر واپس یہیں آنا پڑا، اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ لوگ پرجوش اور زوردار تقریریں کر کے خواہ مخواہ ہم غریبوں کو پریشان کیا کرتے ہیں۔

مسعود۔ تو شاید اپنی اسی پریشانی اور تکلیف کا بدلہ لینے کے لیے آج آپنے تکلیف گوارا فرمائی تھی۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ کو روزگار نہ ملا تو اس میں خود آپ کی کوشش کی خامیوں کا قصور تھا۔

چور:۔ میں کبھی یقین نہیں کر سکتا۔ میں تو سیدھی بات جانتا ہوں۔ آپ مجھ سے شرط کر لیجیے۔ اور بالکل میری حیثیت میں گھر سے نکل کر روزگار تلاش کیجیے

مسعود:۔ اور شرط کیا ہوگی؟

چور:۔ شرط! جو آپ چاہیں۔

مسعود:۔ آپ ہی مقرر کیجیے۔

چور:۔ پانچ پانچ سو روپے کی شرط رکھیے۔

مسعود:۔ (چونک کر) کتنے؟

چور:۔ پانچ سو۔

مسعود:۔ آپ کے پاس اتنے روپے بھی ہیں؟

چور:۔ (مسکرا کر) اس وقت تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔ میں آپ کی الماری پر کافی دیر سے محنت کر رہا تھا اور جب آپ نے روشنی کی ہے تو اس وقت اپنا کام ختم کر چکا تھا۔

مسعود:۔ خوب! مجھے تو یہ خیال ہی نہ رہا تھا۔ الماری میں تو دو ہزار کے قریب روپے تھے۔

چور:۔ آپ اطمینان رکھیں وہ سب میرے پاس محفوظ ہیں۔

مسعود اس وقت کچھ بہت ہی خوش طبعی کے دم میں تھا، اور اسے کچھ اچھا معلوم ہوا کہ چور سے اپنا روپیہ واپس نہ لے اور اس کی شرط منظور کر

مسعود:۔ بہت بہتر مجھے آپ کی شرط منظور ہے۔ لکھنؤ اور اس کے آس پا

کے شہروں میں تو مجھے سب لوگ جانتے ہیں اس لیے یہاں میں آپ کی ہستی حیثیت نہیں بنا سکتا البتہ بمبئی میں مجھے کوئی نہ پہچان سکے گا اور وہاں صرف ایک ہفتہ میں روزگار تلاش کرکے آپ کو دکھا دوں گا۔

چور:۔ منظور۔ اگرچہ بمبئی سے مجھے کچھ نفرت سی ہے لیکن خیر اس شرط کو جیتنے کی خاطر میں ضرور چلوں گا اور کسی ہوٹل میں ٹھہر کر آپ کی کوششوں کا نتیجہ دیکھوں گا کب چلیے گا؟

مسعود:۔ میں اسی وقت تیار ہوں۔

چور:۔ آپ اپنے ہمراہ کچھ روپیہ نہیں لے جا سکتے۔

مسعود:۔ (ہنسکر) بہت اچھا۔ یہ بھی منظور ہے۔ بمبئی کا ٹکٹ آپ خرید دیجیے۔

——(*)——

بالکل معمولی اور غریب آدمیوں کے کپڑے پہنے جب مسعود بمبئی کے اسٹیشن پر ریل سے اُترا تو اسے اپنی اس ہیئت کذائی پر بہت ہنسی آئی۔ ابھی تک وہ ان تمام باتوں کو محض ایک تفریح اور ایک دل لگی خیال کر رہا تھا لیکن اسٹیشن سے باہر آ کر جب اس نے یہ دیکھا کہ اسکی جیب میں بمشکل پانچ چھ آنے پیسے ہیں اور اس اتنے بڑے شہر میں وہ بالکل یکہ و تنہا بے یار و مددگار آ پڑا ہے تو اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اسے ایک خوف معلوم ہوا۔ تاہم اس کا دل امیدوں سے بھرا ہوا تھا، اور اپنی معمولی بے پروائی کے ساتھ اس نے اس خوف کو دل سے دور کر دیا، اور ہوٹل میں چور کو جس کا نام مظہر الدین تھا پہنچا کر بمبئی کی سڑکوں پر گھومنا شروع کیا۔

پہلے دن کی ناکامی نہ تو خلاف توقع تھی اور نہ ہمت شکن لیکن جب دوسرے دن صبح سے شام تک بہت سے مختلف دفتروں اور کارخانوں کے چکر لگانے کے بعد مسعود نے یہ دیکھا کہ اس کے پاس صرف چھ پیسے باقی ہیں اور کسی قسم کا کوئی کام ابھی تک نہ مل سکا تو اسے کسی قدر پریشانی ہوئی۔ تمام عمر میں پہلی مرتبہ آج اسے معلوم ہوا کہ ذریعۂ معاش ڈھونڈھ لینا اس قدر آسان کام نہیں ہے کہ جیسا اس نے خیال کر رکھا تھا۔ بھنے ہوئے چنے جن میں کسی قدر نمک بھی ملا ہوا تھا کھانے کے بعد جب اس نے پانی پیا تو وہ اسے بہت ہی ٹھنڈا اور شیریں معلوم ہوا اور اس طرح جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اپنی اُسی معمولی بے پروائی کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ گاتا اور سیٹی بجاتا ہوا چوپاٹی کی طرف چل دیا۔

تیسرے دن بھی مسعود کی تمام کوششیں ناکام رہیں اور شام کے وقت تھوڑے سے چنے چبا لینے کے بعد اس نے دیکھا کہ اس کی جیبیں بالکل خالی ہو چکی ہیں لیکن اس کے عزم میں اب بھی فرق نہ آیا تھا، اور "اوّلاً صبح کو ضرور کوئی کام مل جائیگا" کہکر اس نے سیٹی بجانی شروع کر دی اور تیز قدم سے چلکر سمندر کے کنارے جا بیٹھا۔

چوتھا دن صحیح معنوں میں اس کی آزمائش کا دن تھا، اور کئی مرتبہ خود اس نے اپنے دل میں بھی یہ خیال آچکا تھا کہ اگر آج بھی کوئی کام نہ ملا تو ایسا نہ ہو کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر شرط میں ہار مان لوں۔ پانچ سو روپئے کی تو مسعود کی نگاہ میں کوئی ذرا سی بھی وقعت نہ تھی، لیکن اسے یہ شرم ضرور دامنگیر تھی کہ جس بات کا میں نے دعوےٰ کیا تھا وہ پورا نہ ہوگا۔ صبح سے شام تک آج بھی مسعود بمبئی کی زمین ناپتا اور بڑے بڑے سیٹھ لوگوں کی توندوں کی زیارت کرتا پھرا، مگر کچھ عجب تماشا تھا کہ جس دوکان یا کارخانے میں وہ جاتا تھا وہاں سب پہلے تو یہ پوچھا جاتا تھا کہ "پہلے تم نے کہاں کہاں نوکری کی ہے؟ کوئی سرٹیفکٹ ہے؟" اور جب وہ کہتا کہ اس کے لیے یہ پہلا ہی موقع ہے تو نہایت صاف لفظوں میں اسے کورا جواب دیدیا جاتا۔ چربی اور گوشت کے بڑے بڑے مجسّمے اسے عینک کے شیشوں میں سے گھور گھور کر دیکھتے اور پھر بڑے اطمینان سے مسکرا کر کہدیتے کہ "تمہارا جیسا (تمہارے جیسے) بچاسیوں لوگ آیا کرتا ہے اور دگا باجی (دغا بازی) کا بات کیا کرتا ہے۔ ہم ایسا کسی کو رکھتا نہیں مانگتا بابا۔ سائی فکٹ لاؤ نہیں تو جاؤ۔"

بہت سے دفتروں سے نکالے جانے اور کئی ایک کارخانوں سے کورا جواب پانے کے بعد شام کے وقت خستہ و نزار اور مضمحل و تھکا ہوا مسعود گرتا پڑتا سمندر

کے کنارے پہنچ کر لیٹ گیا۔ بھوک کی وجہ سے اس کی حالت بہت ہی خراب تھی اور بار بار اس کا جی چاہتا تھا کہ شرم اور غیرت سب کا خیال چھوڑ کر جس طرح بھی ممکن ہو کچھ پیٹ میں ڈالے لیکن وہ اپنی ان عارضی کمزوریوں پر غالب آیا اور دوسرے دن روزگار مل جانے کی امیدیں قائم کرکے سمندر کی سیر میں مصروف ہو گیا۔ لیٹے لیٹے اسے نیند آگئی اور



(وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور جو شخص اس کے بدن پر جھکا ہوا تھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا)

چونکہ دن بھر پھرتے رہنے کی وجہ سے بہت ہی تھک گیا تھا اس لیے دیر تک پڑا سوتا رہا۔ دو ڈھائی گھنٹے کی نیند کے بعد اس کی آنکھ کھلی بھی تو اس طرح کہ اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے جسم کو ہاتھ لگایا ہے۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور جو شخص اس کے بدن پر جھکا ہوا تھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم کیا کر رہے تھے؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم کوئی بے وقوف شخص ہو یا عقلمند۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"میں تمہاری جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ اگر ان میں کچھ ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ تم سخت بے وقوف آدمی ہو۔ اب جبکہ کچھ نہیں نکلا تو میرے دل میں تمہاری عزت پیدا ہو گئی۔"

اندھیرا ہونے کے باوجود مسعود نے غور سے اس شخص کی صورت دیکھی اور بہت دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

مسعود:۔ کیا اس دنیا میں سب چور اور ڈاکو ہی بستے ہیں؟

اجنبی:۔ چوری اور ڈاکہ ڈالنا پیشے نہیں ہیں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو۔ روپیہ کمانے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے جس سے ہر شخص حسب ضرورت فائدہ اٹھا کرتا ہے۔

مسعود۔ ہر شخص ؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے ؟ دنیا میں بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس ذلیل کام کو اختیار کیا ہے۔

اجنبی:۔ (ہنسکر) اس سے تو مجھے بحث نہیں کہ یہ پیشہ شریف ہے یا ذلیل لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ بڑے سے بڑے شرفا بھی اس کام سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔

مسعود:۔ بالکل غلط! کوئی شریف انسان کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔

اجنبی:۔ ہر شریف انسان خود تو یہی کیا کرتا ہے، لیکن اگر دوسرے ایسا کریں تو انہیں برا کہتا ہے۔

مسعود:۔ تم کس قدر فضول باتیں بک رہے ہو۔

اجنبی:۔ تمہیں اختیار ہے ان باتوں کو چاہے فضول کہو یا لغو، لیکن ان کی سچائی میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

مسعود:۔ بغیر کسی ثبوت کے میں کیسے مان لوں ؟

اجنبی:۔ ایک بادشاہ جب کسی دوسرے بادشاہ کے ملک پر حملہ کرتا ہے تو اسکا نام تم جنگ رکھ دو یا تحفظِ حقوق، بہر حال (بہر صورت) وہ ایک منظم ڈاکے سے الگ کوئی چیز نہیں ہے میں نے ذرا تمہاری جیب کو ہاتھ لگا دیا تو تم جیسے شرفا مجھے مجرم خیال کرنے کو تیار ہیں لیکن ایران کا بادشاہ اگر پورے افغانستان پر قبضہ کر لے تو اسے آپ کی مقدس زبان میں فاتح اور شاید فاتحِ اعظم کہا جائیگا۔ کوئی جماعت جسکی تعداد بہت زیادہ نہ ہو اگر کسی امیر کے گھر میں گھس کر کچھ تھوڑا سا مال و اسباب نکال لے جائے تو آپ کا قانون اس جماعت کو کشتنی اور سوختنی قرار دیتا ہے لیکن اگر ایک بڑی جماعت، ایک پوری قوم کسی دوسری کمزور قوم کے گھروں اور دوکانوں اور کھیتوں اور کارخانوں سب پر قبضہ کر لیتی ہے، اور جو کچھ وہ غریب اپنی محنت سے کمائیں اس کا بیشتر حصہ اڑا لے جاتی ہے تو اس قوم کے کارناموں کو آپ کا قانون اور آپ کا انصاف تاریخ کے صفحات پر سنہری حرفوں میں لکھنے کے لیے تیار رہے۔

میں نے اپنے ہاتھ کی صرف دو انگلیاں آپ کی جیب میں ڈال کر انہیں کسی قدر حرکت دی تھی جو آپ کو اس قدر ناگوار گزری کہ آپ نے غصہ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے پولیس کے حوالے کر دینے کو تیار ہیں لیکن وہ ساہوکار کہ جس کا میں قرضدار ہوں ہر مہینے اپنی انگلیوں میں قلم پکڑ کر اپنی بہی کے مضمون پر انہیں خوب جنبش دیا کرتا ہے اور میرے حساب میں برابر تھوڑا بہت اضافہ کرتا رہتا ہے اور اس کی اس حرکت کو آپ، آپکا قانون، اور آپ کی عدالت سب بالکل جائز تسلیم کرتے ہیں حالانکہ نیت اور نتیجے کے اعتبار سے میری اور اسکی انگلیوں کی جنبش میں ذرا سا بھی فرق نہیں ہے، میں بھی آپ کی جیب سے چند روپے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ بھی ہمیشہ میری جیب سے کچھ نہ کچھ نکالنے کی کوشش کیا کرتا ہے مگر آپ کی زبان میں میں چور ہوں اور وہ ساہوکار۔

ایک کسان مئی اور جون کی جلتی دھوپ میں اپنا خون پانی ایک کر کے اپنے کھیتوں میں ہل چلاتا اور بیج ڈالتا ہے لیکن جب چار مہینے کے بعد اس کی محنت کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو زمیندار صاحب اسکی گردن دبا کے تقریباً سارا کا سارا غلہ اس سے چھین لے جاتے ہیں اور اس کے پاس اتنا بھی نہیں چھوڑتے کہ غریب سال بھر تک پیٹ بھر کر روٹی تو کھا لے۔ لیکن اس دست برد کا آپ نے ایک نہایت خوبصورت نام مالگزاری رکھدیا ہے گویا وہ چوری سے جداگانہ کوئی چیز ہے، اور گویا زمیندار صاحب نے وہ زمین کا ٹکڑا خود بنایا تھا اور وہ خدا کی بنائی ہوئی زمین سے الگ ہے۔

جناب والا! آپ جب اس مسئلہ پر غور کرینگے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فی الحقیقت چوری کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں کمزور یا غریب ہونا گناہ ہے۔ امیر اور صاحب جائداد ہو کر آپ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس سب کے لیے قانونی جواز موجود ہے یا تھوڑی سی کوشش کر کے موجود کر لیا جاتا ہے لیکن اگر وہی کام کوئی کمزور یا غریب انسان کرتا ہے تو اس پر حدود لگا دی جاتی ہیں اور اسے مجرم قرار دیدیا جاتا ہے۔ اور یہ تمام حالات اس لیے رونما ہوتے ہیں کہ قانون بنانا، اور ملکوں اور سلطنتوں کا انتظام کرنا سب ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو سرمایہ دار ہیں۔

مسعود:۔ میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ نظام سرمایہ داروں کا نظام ہے اور اس میں بہت سے نقص ہیں لیکن اگر فرض کرو کہ ہر شخص کی آمدنی برابر ہوتی تب بھی تو چوری جرم اور گناہ ہی رہتی۔

اجنبی:۔ یہی تو میں کہنا چاہتا تھا۔ چوری کو ہم اُسی وقت میں گناہ کہہ سکتے ہیں کہ جب سب کی آمدنی یکساں اور مساوی ہونے کے باوجود کوئی شخص اس قدر احمق

یا کمینہ ہو کہ دوسرے کی آمدنی پر قبضہ کرنا چاہے بصورت موجودہ تو ہمیں معلوم ہے کہ جس شخص نے بھی اپنے خزانے بھر رکھے ہیں وہ اس نے خود بھی ایسے ہی ناجائز راستوں پر دولت جمع کر کے بھرے ہیں، اس لیے اگر اس سے ہم بوقت ضرورت بقدر حاجت کچھ حاصل کریں تو میرے نزدیک یہ جرم اور گناہ نہ ہونا چاہیے۔

مسعود:۔ تمہارا خیال صحیح نہیں ہے۔ اول تو اس وقت اگر میری جیب میں کچھ روپے موجود ہوتے تو یہ ضروری نہ تھا کہ وہ اسی ناجائز طریقہ پر کمائے ہوئے ہوتے، دوسرے یہ کہ اگر وہ چوری سے حاصل کیے ہوئے بھی ہوتے تب بھی وہ تمہاری جیب سے تو نکلے ہوئے ہرگز نہ تھے، اور تیسرے یہ کہ اگر وہ چوری کے بھی ہوتے اور خود تمہارے ہی ہوتے تب بھی یہ اصول کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ دوسروں نے اگر کوئی جرم یا گناہ کیا ہے تو ہمارے لیے وہ جرم اور گناہ ہی نہ رہے۔

اجنبی:۔ خیر اب اس بحث سے کیا فائدہ جن لوگوں کے پاس کھانے کو موجود ہوتا ہے ان کی سمجھ میں یہ چیزیں نہیں آ سکتیں۔ اب آپ مجھے چھوڑ دیجیے۔

مسعود:۔ (ہنسکر) مگر تمہیں یہ سنکر تعجب ہوگا کہ میرے پاس کھانے کو کچھ بھی موجود نہیں ہے، اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میں تم سے زیادہ غریب ہوں۔

اجنبی:۔ (حیرت سے) کیا تم بھی میری ہی طرح مفلس اور نادار ہو؟

مسعود:۔ بالکل۔ آج چار روز سے روزگار کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں مگر کہیں کوئی کام نہیں ملتا۔

اجنبی:۔ تب تو پھر وہ وقت دور نہیں ہے کہ تم بھی سوتے ہوئے لوگوں کی جیبیں ٹٹولتے پھرو۔

مسعود:۔ (ہنسکر) نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

(*)

مسعود کے لیے پانچواں دن اور بھی زیادہ مصیبت کا تھا۔ کامل تین وقت فاقے سے گزر چکے تھے اور اب چوتھے وقت کیلیے بھی کہیں کوئی سہارا نظر نہ آتا تھا۔ بار بار وہ اپنی اس حماقت پر جھنجلاتا تھا کہ کیوں اس نے ایک ایسی فضول اور بیہودہ شرط لگائی، لیکن فوراً ہی پھر اپنے خیالات پر قابو پا لیتا اور ہنسنے لگتا۔ اسے اب بھی یقین تھا کہ ابھی تک کوئی کام نہ ملنے میں اس کی اپنی ہی کوششوں کا قصور ہے، اور بار بار وہ اپنے دل کو یہ کہکر تسلی دے لیتا تھا کہ بس اب کوئی نہ کوئی صورت نکلا ہی چاہتی ہے۔ حسب معمول آج بھی شام ہو گئی اور کہیں کوئی کام نہ ملا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے مسعود کی اب یہ حالت ہو گئی تھی کہ اس کا قدم نہیں اٹھتا تھا اور آج جب اس نے ساحل سمندر کا رخ کیا تو پاؤں رکھتا کہیں تھا اور پڑتے کہیں تھے۔

سمندر کے کنارے جب وہ پہنچا ہے تو اچھی طرح اندھیرا ہو چکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ لڑکھڑاتا ہوا اور لوگوں کے ان مجمعوں کو بچاتا ہوا جو طرح طرح کے کھیل کود اور ہنسی دل لگی میں مصروف تھے آگے کو بڑھا چلا گیا تاکہ کسی ایسے مقام پر لیٹ کر اپنے تھکے ہوئے جسم کو کچھ آرام پہنچا سکے جہاں کوئی اور نہ ہو۔ اپنے خیالات میں مستغرق وہ قہقہوں کی آوازوں اور ریشمی لباسوں کی چمک دمک سے بہت دور نکل گیا، اور ابھی شاید اسی طرح اور بھی کچھ دور چلا جاتا کہ یکایک اس کے کان پر سامنے کی طرف سے یہ آواز آئی:۔

"اللہ! اب میں کیا کروں"

زنانہ آواز تھی اور کچھ ایسی درد بھری کہ مسعود کا دل دکھ گیا۔ وہ اپنے تمام خیالات کو بھول گیا اور رک کر اس آواز کو سننے لگا جو اگرچہ اب اس قدر صاف نہیں سنائی دیتی تھی لیکن اب بھی برابر کانوں میں آ رہی تھی۔

"یا اللہ! اب میں کہاں جاؤں۔ مجھے تو بھیک مانگنی بھی نہیں آتی۔ اور بھیک مانگوں بھی تو کس سے؟ .... اس پیلے چمڑے نے اور بھی ناک میں دم .... بس اب تو یہی ٹھیک ہے۔ اس زندگی سے موت ہزار جگہ بہتر ہے۔ سمندر میں کودتے جی ڈرتا ہے، مگر کودونگی نہیں تو کروں گی کیا؟ .... نہیں، بس، مرجانا ہی اچھا ہے۔ خودکشی گناہ ہے بے شک، مگر دوسرا گناہ! توبہ، توبہ! خدا اس دن کو مجھے زندہ نہ رکھے! بہت دنیا کی ہوا کھالی، اور خوب دل بھر کے یہاں کا تماشا دیکھ لیا۔

بس تو پھر اب دیر کیوں کروں "

جس جسم سے یہ آواز آ رہی تھی اب اس میں حرکت پیدا ہوئی اور مسعود نے دیکھا کہ ایک عورت اچھی تیز رفتار سے سمندر کی طرف جا رہی ہے۔ جو کچھ وہ سُن چکا تھا اس سے اس نے سمجھ لیا کہ وہ جان دینے پر تُلی ہوئی ہے اس لیے وہ جس طرح بھی ہو سکا اسے بچانے کے لیے لپکا اور اس وقت اس کے برابر پہنچا جبکہ وہ پنڈلیوں تک پانی میں پہنچ چکی تھی

" تم نے غلط فیصلہ کیا ہے، اور تمہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے " کہکر مسعود نے اسے پکڑ لیا۔ لڑکی پہلے تو ڈر گئی اور اس کے بعد یہ دیکھکر کہ ایک مرد اسے روک رہا ہے طیش میں بھر گئی اور اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے پوری قوت سے کام لینے لگی۔

" مجھسے ڈرنے یا بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ سے تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تم ناحق اس قدر زور کر رہی ہو۔ تم کنارہ پر واپس چلی چلو پھر میں فوراً تمہیں چھوڑ دونگا "

عورت کی کوششوں میں کمی آ گئی اور بادل ناخواستہ اس نے کہا:-

" اچھا تم مجھے چھوڑ دو میں واپس چلتی ہوں "

مسعود نے اس کا ایک ہاتھ پکڑ لیا اور اس طرح دونوں کنارہ پر آ گئے۔

مسعود :- تمہاری سرگزشت ضرور بہت ہی درد بھری ہوگی لیکن اگر کچھ حرج نہ سمجھو تو مختصر طور پر مجھے سُنا دو۔ شاید میں تمہارے کسی کام آ سکوں۔ عورت نے تھوڑی دیر تک تامل کیا، پھر کچھ مشتبہ نظروں سے مسعود کو دیکھتی رہی اور بالآخر کہنے لگی:-

عورت :- میری داستان کچھ بھی نہیں ہے۔ آج سے ایک ہفتہ پہلے تک میرے (رونے لگی) والد زندہ تھے اور ہم سب اچھے خاصے آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے پچھلے اتوار کو یکایک اُن کا انتقال ہو گیا، اور اب ہمیں معلوم ہوا کہ دنیا کسے کہتے ہیں۔ میری ماں، میرا چھوٹا بھائی اور میں ہم تین آدمی گھر میں ہیں اور کسی جگہ سے ایک پیسہ تک کا سہارا نہیں ہے۔ ابا جان کی تنخواہ ہماری گزر کے لائق اچھی خاصی تھی مگر اتنی نہ تھی کہ اس میں سے وہ کچھ بچا بھی سکتے۔ اُن کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہم پر مصیبت آ گئی۔ تیسرے ہی دن سے فاقے شروع ہو گئے اور مجبور ہو کر امی جان اور میں اس ارادہ سے نکلی کہ کچھ محنت مزدوری کر کے پیٹ بھریں۔ تین دن ہم دونوں نے مزدوری کی مگر پرسوں سے انہیں ایسا بخار چڑھا ہے کہ ابھی تک نہیں اُترا ہے، اور اب اکیلی میں جہاں کہیں بھی جاتی ہوں وہاں مزدوری تو کوئی نہیں دیتا اور ایسی بیہودہ باتیں کرتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ان کا مُنھ نوچ لوں۔ کل شام تک کچھ پیسے باقی تھے۔ میں نے کچھ نہیں کھایا اور دودھ لا کر تھوڑا سا بچے کو اور تھوڑا سا امی جان کو پلا دیا، اب آج صبح سے ہم تینوں بھوکے ہیں اور اب اس وقت تک بھی جب کہیں سے مجھے کچھ نہ مل سکا تو مجبور ہو کر میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ ڈوب کے مر جاؤں۔

مسعود :- (بہت ہی غمگین آواز سے) افسوس! یہ دنیا بہت ہی بُری جگہ ہے۔ مگر تم یہ تو سوچو کہ اگر تم نے اس طرح اپنی جان دیدی تو تم تو ان مصیبتوں سے ضرور چھُٹ جاؤگی لیکن تمہاری والدہ کا اور تمہارے بھائی کا کیا حال ہوگا۔ وہ بیمار اور مریض کس طرح اپنا پیٹ بھرینگی، اور کیسے بچہ کو پالینگی۔ تم بے شک بہت ہی شریف اور بہادر لڑکی ہو، لیکن تمہیں اس وقت اپنے سے زیادہ اُن دونوں کا خیال چاہیئے۔

لڑکی :- میں ان کے لیے کچھ کر بھی تو نہیں سکتی میرا ہونا اور نہ ہونا ان کے لیئے برابر ہے۔

مسعود :- نہیں تم خواہ کچھ بھی ان کے لیے لیکر نہ جاؤ پھر بھی تمہارے ہونے سے ان کی ڈھارس بندھیگی، اور اگر تم گھر نہ پہنچیں تو تمہاری ماں تو اسی غم میں رو رو کے مر جائینگی۔ تمہیں اپنا نہیں تو ان کا خیال ضرور ہونا چاہیئے۔

لڑکی :- (جسے اب مسعود پر کچھ کچھ اعتماد ہو چلا تھا) مگر میں کیا کروں؟ مزدوری کی غرض سے جہاں جاتی ہوں وہاں .... (کہتے کہتے رُک گئی)

مسعود :- دنیا پاجیوں سے خالی نہیں ہے، اور کمینے لوگ دوسروں کی بیکسی اور مجبوری سے اکثر فائدہ اُٹھایا کرتے ہیں۔ بہرحال اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اب خودکشی نہ کروگی تو میں تمہارے لیے کچھ کوشش کروں۔

لڑکی نے پھر مسعود کو غور سے دیکھا، اور جب اس کی نسوانی روشن ضمیری نے اسے اطمینان دلا دیا تو کہنے لگی۔

"میں آپ پر بھروسا کرتی ہوں، اور میں یہ وعدہ بھی کرنے کو تیار ہوں مگر آپ میری مدد کس طرح کر سکتے ہیں؟"

مسعود:- تم یا تو مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا کر گھر جاؤ یا کوئی اور جگہ مقرر کر لو، اور میں ایک گھنٹہ میں کہیں نہ کہیں سے اتنا روپیہ تمہیں ضرور لا دوں گا جس سے تمہاری موجودہ مشکل آسان ہو جائے۔

لڑکی نے اپنے گھر کا پتہ خوب تفصیل کے ساتھ بتایا، اور پھر دونوں باتیں کرتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔ سڑک کی لالٹین کی روشنی میں پہنچکر دونوں نے ایک دوسرے کو خوب غور سے دیکھا، اور اب پورے طور پر مطمئن ہو جانے کے بعد لڑکی نے کہا:-

"میں نے آپ کو اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ میرا نام زہرہ ہے"

مسعود۔ میرا نام مسعود ہے اور محض اتفاقیہ طور پر بمبئی آ گیا ہوں۔

———(*)———

"میں اس وقت انتہا سے زیادہ مجبور ہو کر



تمہارے پاس آیا ہوں" مسعود نے ہوٹل کی کرسی اپنی طرف سرکا کر اور اس پر بیٹھکر مظہر الدین سے کہا۔

مظہر:- کیوں خیر تو ہے کیا ہوا؟ ابھی تو شرط ہارنے میں دو روز اور باقی ہیں۔

مسعود:- شرط کا ذکر اس وقت چھوڑ دو۔ تم مجھے اسی وقت پانچ سو روپئے دیدو۔

مظہر:- (چونک کر) کیا؟ کتنے روپے؟

مسعود:- پانچ سو۔

مظہر:- میرے پاس کہاں سے آئے؟

مسعود:- تم اس روز دو ہزار روپئے میرے یہاں سے لائے ہو میں تم سے اسی وقت وہ سب واپس لے سکتا تھا۔ مگر مجھے تمہارے حال پر ترس آ گیا اور چھوڑ دیے۔ یہ تو نا ممکن ہے کہ پانچ سو مجھے دیدو باقی میں فی الحال

سے تمہیں دیتا ہوں۔

مظہر۔ آپ بھی کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔

مسعود:- فضول باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں گھر سے اپنے ساتھ روپیہ نہیں لایا تھا مگر اپنا پستول لیتا آیا تھا، اور اگر اس وقت تم نے انکار کیا تو مجھے اس کے نکالنے میں ذرا سی بھی دیر نہ لگے گی۔

مظہر:- تو آپ مجھے دھمکیاں کیوں دیتے ہیں۔ پہلے آپ یہ تو بتائیے کہ اس روپیہ کا آپ کرینگے کیا۔ پھر اس کے بعد میں یہ معلوم کرنا پسند کرونگا کہ ہماری باہمی شرط کے متعلق آپ کا کیا ارادہ یا فیصلہ ہے، اور پھر آخر میں میری عاجزانہ درخواست یہ ہوگی کہ یہ روپیہ آپ مجھ سے قرض کے طور پر لیں۔ میں بہت غریب آدمی ہوں اتنا نقصان کیسے برداشت کرسکوں گا۔

مسعود:- سب سے پہلے مجھے روپئے دیدو' اس کے بعد میں کوئی اور بات سُنوں گا۔

مظہر:- نوجوانوں کے مزاج میں جلد بازی کس قدر ہوتی ہے۔ اچھا لیجیے یہ نوٹ گن لیجیے مگر میں یہ قرض دے رہا ہوں۔

مسعود:- (مسکراکر) آپ اپنا دل خوش کرلیجیے۔

مظہر:- اچھا اب تو بتا دیجیے کہ یہ کس غرض سے لیے ہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں اور ضرور یہی بات ہے کہ یہ کسی عورت کے لیے آپ نے مجھے لوٹا ہے۔

مسعود:- ہاں یہاں تک تو آپ کا خیال صحیح ہے۔

مظہر:- خدا ان نوجوانوں سے پناہ میں رکھے۔

مسعود:- اچھا اب آپ آج سے چوتھے روز مجھ سے لکھنؤ میں مل سکتے ہیں؟

مظہر:- وہ تو بہر صورت مجھے وہاں آنا ہی پڑے گا۔

مسعود:- کیوں؟

مظہر:- شرط کا روپیہ وصول کرنے، دوسرے میرا پستول بھی آپ کی الماری کے اوپر رہ گیا ہے۔

مسعود:- (ہنسکر) میں شرط ہارا نہیں ہوں، ابھی تو دو دن باقی ہیں۔

مظہر:- یہ دو روز تو بیگم صاحبہ کے لیے تحفے خریدنے میں صرف ہو جائینگے۔

مسعود:- آپ کا خیال غلط ہے۔ ایک بیچاری درد رسیدہ عورت اور اسکے بچے کل سے بھوکے پڑے ہیں، اور وہ خود بیمار ہے۔ یہ روپیہ میں نے اُن کے لیے لیا ہے۔

مظہر:- آپ کو ایسی صرف ایک ہی عورت کا حال معلوم ہوا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان بھر میں آپ کہیں چلے جائیں ہر شہر اور ہر قصبہ میں آپ کو بیشتر گھر ایسے ہی ملیں گے جہاں فاقہ کشی اور بیماری کی بلا مسلط ہو۔

مسعود:- اچھا خدا حافظ! آج سے چوتھے روز لکھنؤ میں ملاقات ہوگی۔

بہت سی گلیوں میں بھٹکتے پھرنے کے بعد مسعود نے بالآخر زہرہ کے مکان کا پتہ لگا ہی لیا۔ بہت ہی مختصر مکان تھا' اور چونکہ سامانِ آرائش بہت کچھ فروخت کیا جاچکا تھا اس لیے معمولی دو چار چیزوں کے علاوہ اس میں اور کوئی ساز و سامان نہ تھا۔ ایک طرف زمین پہ زہرہ کی ماں بخار میں پڑی ہلبلا رہی تھی' اور اسی کے سینہ سے لگا ہوا زہرہ کا چھوٹا بھائی روتے روتے ابھی سوگیا تھا۔ زہرہ ماں کے سرہانے بیٹھی ہوئی اس کا سر دبا رہی تھی۔

اس مختصر سے کنبے کا یہ افلاس دیکھکر مسعود کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے سو روپئے کے نوٹ نکال کر زہرہ کو دیے اور اس سے کہا:-

"میں تمہاری والدہ کے پاس بیٹھا ہوں تم جاکر دودھ اور جس چیز کی ضرورت ہو لے آؤ۔"

ایک ادائے احسانمندی کے ساتھ زہرہ نے مسعود کو دیکھا' اور صرف ایک نوٹ لے کر چلی گئی۔ بازار سے کچھ دودھ، کچھ پھل، اور کچھ اپنے کھانے کا سامان لیکر جب وہ آگئی تو مسعود دوسرے روز اس سے ملنے کا وعدہ کرکے چلا آیا۔

زہرہ نے سب سے پہلے ماں کو ہوشیار کرکے تھوڑا سا دودھ پلایا، پھر بھائی کو جگاکر کھانا کھلایا' اور پھر خود کچھ کھاکر پڑوس کے ایک ڈاکٹر کو بلانے

لی گئی۔ ڈاکٹر نے مریضہ کو دیکھکر اطمینان دلایا کہ کوئی خطرناک بیماری نہیں ہے اور نسخہ لکھدیا۔

صبح تک زہرہ کی ماں کا بخار اتر گیا' اور صبح کو جب مسعود ان کا حال دریافت کرنے کے لیے پہنچا تو گھر میں غیر معمولی خوشی اور خرمی نظر آرہی تھی۔ زہرہ کی ماں نے سچے دل سے اسکا شکریہ ادا کیا اور سینکڑوں دعائیں دیں۔ اسلم اس کی گود میں آبیٹھا' اور زہرہ کی حیا اور ممنونیت کی بھری ہوئی نگاہیں اس پر پڑنے لگیں۔

مسعود:۔ (زہرہ کی ماں سے) اب آپ یہاں بمبئی میں رہکر کیا کرینگی؟ یہاں تو کوئی آپ کا عزیز یا رشتہ دار بھی نہیں ہے۔

زہرہ کی ماں:۔ کوئی بھی نہیں بیٹا' یہاں کون بیٹھا ہے۔

مسعود:۔ میرے خیال میں تو آپ لکھنؤ چلی چلیے۔

زہرہ کی ماں:۔ محنت مزدوری کرنے کے لیے جیسے بمبئی ویسے لکھنؤ۔ وہیں جاکے اور کیا ہو جائیگا۔

مسعود:۔ وہاں میں خدمت کے لیے موجود ہوں' آپ کو محنت کرنے کی ضرورت نہیں۔

زہرہ کی ماں:۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ مگر بیٹا ابھی تو اللہ کے فضل و کرم سے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں' ابھی تو یہ ٹھیک نہیں ہے کہ میں دوسروں کی خیرات پر گزر کروں۔

مسعود:۔ توبہ توبہ! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ اگر میں آپ کی یا آپ کے بچوں کی کچھ خدمت کروں تو یہ تو میرا فرض ہے' خیرات کا اس میں کیا ذکر ہے۔ بظاہر یہ کہ آپ اسلم کو تعلیم نہیں دلاسکتیں اور نہ اپنے اور زہرہ کے لیے اس قسم کی آسائش مہیا کرسکتی ہیں جن کی آپ عادی رہ چکی ہیں۔ لکھنؤ میں میرا خیال ہے کہ اس قسم کی آسانیاں بہم پہنچ سکیں گی اور اسلم کی تعلیم کا معقول انتظام ہوسکے گا۔

اسلم اتنے عرصہ میں بہت کافی بے تکلف ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے بھی ماں سے کہا کہ "امی جان ضرور چلیے ہم نے لکھنؤ دیکھا بھی نہیں ہے"۔

زہرہ کی ماں:۔ مجھے چلنے میں کچھ عذر نہیں ہے مگر یہ بھی تو بتائیے کہ وہاں ہم آسانی سے کوئی کام بھی ایسا مل جائیگا جس سے ہم اتنا پیدا کرلیں کہ ہماری گزر ہوسکے۔

مسعود:۔ ابھی تو آپ میری ایک معزز مہمان کی حیثیت سے چلیے۔ وہاں پہنچکر اس سوال پر بھی غور کرلیا جائیگا۔

زہرہ:۔ امی جان یہاں بمبئی میں تو اب میں بھی مزدوری کرنے نہیں جاؤں گی یہاں کے آدمی بہت برے ہیں۔

زہرہ کی ماں:۔ سب کی یہی صلاح ہے تو مجھے بھی کچھ انکار نہیں ہے۔

"مظہر صاحب! آپ تشریف لے آئے۔ میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا" کہکر مسعود نے مظہر الدین کو کرسی پر بٹھایا۔

مظہر:۔ مسعود صاحب اب آپ زیادہ مذاق نہ کیجیے۔ مہربانی فرماکر پانچ سو روپے شرط کے اور پانچ سو قرض کے مجھے دیدیجیے۔ پھر میں کچھ اور بات کرونگا۔

مسعود:۔ شرط تو میں ہارا نہیں ہوں کیونکہ میں پورے ایک ہفتہ تک کوشش نہ کرسکا اور بعض اتفاقات سے مجبور ہوکر پانچ ہی روز کے بعد بمبئی سے چل پڑا۔ قرض کا جہاں تک تعلق ہے وہ آپ کی غلط فہمی ہے میں نے آپ سے اپنا روپیہ واپس لیا تھا۔

مظہر:۔ اس قسم کا مذاق مجھے کچھ بہت زیادہ پسند نہیں ہے۔ اچھا خیر یہ تو بتائیے کہ آپ دوروز پہلے کیوں بھاگ آئے۔ غالباً یہ تجربہ بہت تلخ ثابت ہوا۔ میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ کامیاب نہ ہوسکیں گے۔

مسعود:۔ جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت ہی "شیریں" ثابت ہوا۔

مظہر:۔ (حیرت سے) وہ کیسے؟

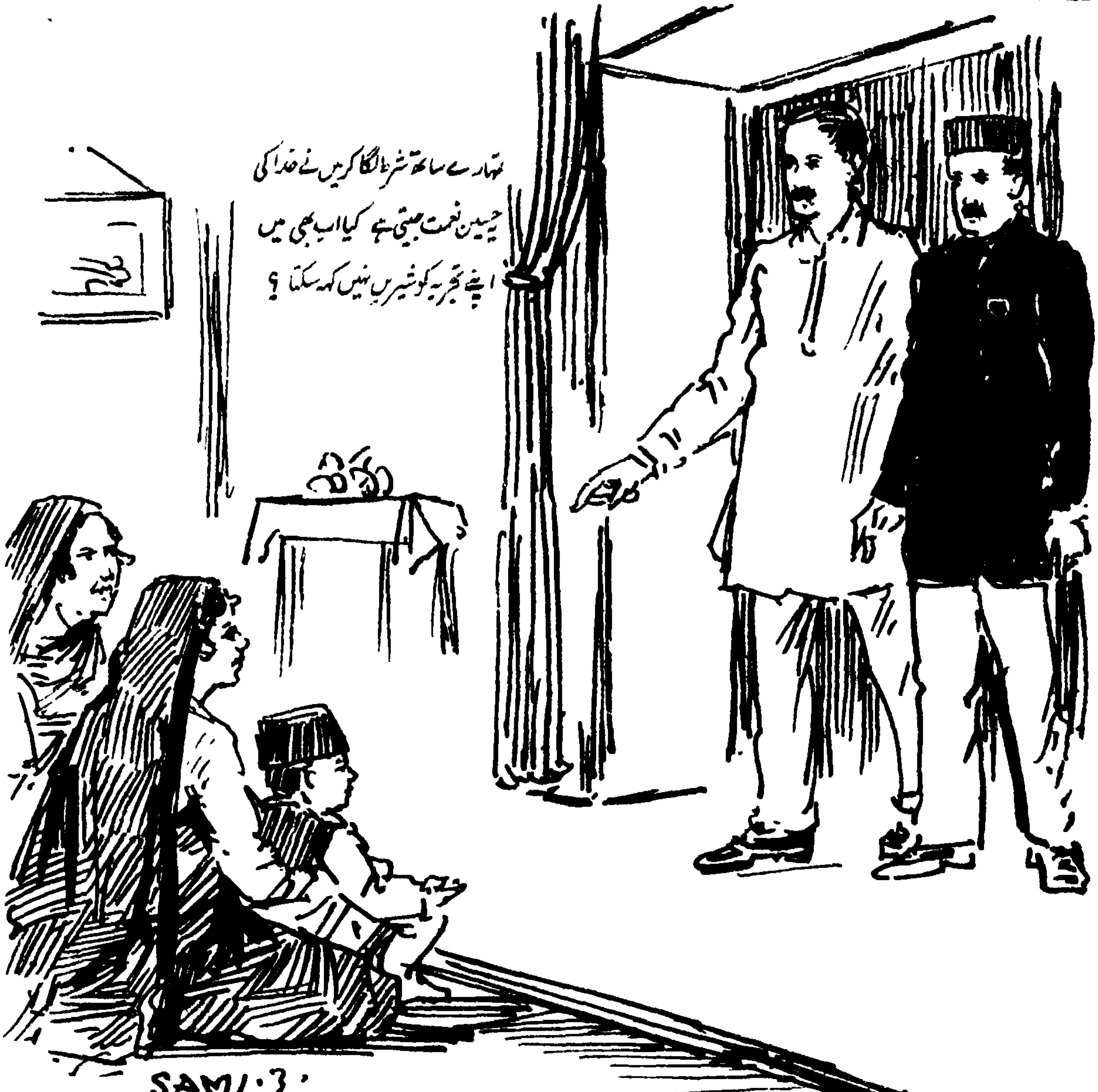
مسعود:۔ میں اپنی زندگی بسر کرنے کا کوئی معقول ذریعہ بے شک تلاش نہ کرسکا لیکن اس ضمن میں اپنے لیے ایک شریک زندگی ضرور ایسا تلاش کرلیا کہ میں اسکی خوشی میں آپ کو شرط سے دس گنا روپیہ دینے کو تیار ہوں۔

مظہر:۔ میں نہ کہتا تھا کہ عورت کا قدم درمیان میں آگیا ہے۔

مسعود:۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی اس کامیابی پر میں جس قدر ناز کروں کم ہے۔ بعض اتفاقیہ

طور پر بمبئی میں ایک مصیبت زدہ خاندان تک پہنچ گیا اور یہ ایک ایسی کامیابی تھی کہ جس پر میں مدت العمر ناز کروں گا

آپ کو میں نے اس لیے تکلیف دی ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ عادی اور جرائم پیشہ گروہ میں سے نہیں ہیں، ضرورت نے آپ کو مجبور کر دیا تھا' اور آپ کی طبیعت میں اتنی مضبوطی نہ تھی کہ ایسے وقت میں بھی گناہ سے بچ سکتے۔ میرا تعلقہ بہت کافی بڑا ہے اور میں اس کے لیے بالکل تیار ہوں کہ آپ کو معقول تنخواہ پر اپنے یہاں کوئی ایسا کام بھی دوں جسے آپ آسانی سے کر سکیں بشرطیکہ آپ مجھ سے بالکل پکا اور سچا وعدہ کریں کہ آئندہ آپ سے ایسی لغزش کبھی ظہور میں نہ آئیگی۔ کمزوری ہر ایک انسان میں موجود ہوتی ہے، اور کوئی نہ کوئی جرم یا گناہ ہر شخص سے سرزد ہو ہی جایا کرتا ہے۔ آپ یہ خیال نہ کیجیے کہ چونکہ مجھے آپ کی کمزوری معلوم



ہو گئی اس لیے میں آپ کو ذلیل خیال کروں گا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میری نگاہ اپنی کمزوریوں پر رہتی ہے اور مجھے انہی کو دیکھنے سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ کسی دوسرے کی کمزوریوں کو دیکھوں۔ کہیے اب آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟

منظرالدین ایک عالمِ حیرت و استعجاب میں مسعود کی گفتگو سن رہا تھا یکایک اس کے چہرے پر تعظیم اور تقدس کی علامات ظاہر ہوئیں۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھا اور ایک عالمِ بے اختیاری میں مسعود کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ چومنے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان نے یاری نہ دی، الفاظ زبان تک آ کر ایک غیر مرتب آواز میں تبدیل ہو گئے اور آنکھوں نے آنسوؤں کا مینہ برسا کر وہ سب کچھ کہہ دیا جو زبان نہ کہہ سکتی تھی۔

مسعود نے اُٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا، اور پھر اپنے ہمراہ دوسرے کمرہ میں لے گیا جہاں شیریں اور اُس کی ماں بیٹھی ہوئی تھیں۔

مسعود۔ (زہرہ کی طرف اشارہ کر کے) تمہارے ساتھ شرط لگا کر میں نے خدا کی یہ حسین نعمت جیتی ہے۔ کیا اب بھی میں اپنے تجربہ کو شیریں نہیں کہہ سکتا؟

*

سراب

(از جناب بابو اندرجیت صاحب شرما)

فطرت کا رازدار ہوں خانہ خراب ہوں
ہوں تشنہ۔ بحر کا میں بظاہر حباب ہوں
منظر نظر فریب ہوں دھوکا ہوں خواب ہوں
میں کیا ہوں؟ گردِ دامنِ صحرا سراب ہوں
پانی سا ہے بھرا ہوا میری اُمید پر
نظریں ہیں بیقرار عبث میری دید پر

ہے آبشار کوئی نہ چشمہ رواں مرا
کھلتا ہے باب فیض نہ ابرِ بہار کا
اٹھکھیلیاں یہاں کبھی کرتی نہیں صبا
مرغانِ خوش نوا کی بھی آتی نہیں صدا
تخئیل کا فریب ہوں وہم و گماں ہوں میں
میرا نشاں یہی ہے کہ بس بے نشاں ہوں میں

میرا وجود تودہ ہے گرد و غبار کا
آماجگاہ رہتا ہے برق و شرار کا
ہو کا سماں ہے نقش ہے اُجڑے دیار کا
اُڑتا ہے رنگ طائرِ ہوش و قرار کا
مطلب یہاں مرا ہے یہ اس قیل و قال سے
نظریں بچی رہیں مری لہروں کے جال سے

*



بی ہمسائی

فہمیدہ:۔ خیر تو ہے بہن کیا ہوا کئی دن سے کھڑکی میں بھی آ کے نہ جھانکیں۔

حمیدہ:۔ آپا کیا بتاؤں میری تو جان عذاب میں ہے۔ آج تین دن سے منے کو ایسا بخار چڑھا ہے کہ کسی وقت اترتا ہی نہیں۔ محلہ میں سنتی ہوں کہ کئی ایک بچوں کے سیتلا بھی نکل چکی ہے ہر وقت یہی ہول چڑھا رہتا ہے کہ کہیں اللہ نہ کرے دشمنوں کے دانے وانے نہ نکل آئیں۔

فہمیدہ:۔ اس کے ٹیکا تو لگ چکا ہوگا۔

حمیدہ:۔ ٹیکا کہاں لگا ہے؟ یہی تو اور بھی مصیبت ہے۔ انہوں نے کئی دفعہ مجھ سے کہا بھی تھا کہ لاؤ منے کے ٹیکا لگوا لاؤں، مگر میرا ایسا دل کہ میں نے ہمیشہ ٹال ٹال دیا۔ اب پچھتا رہی ہوں بلکہ بلا سے اس وقت ذرا سی تکلیف ہو جاتی یہ غم تو جاتا رہتا۔

فہمیدہ:۔ بہن تم نے بھی غضب کیا۔ بھلا ایسی ماممتا محبت بھی کس کام کی ٹیکا لگنے میں بھی نگوڑی کوئی تکلیف ہوتی ہے جس سے تم نے اسے بچایا۔ اور پھر بہن جبکہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس تکلیف سے ہمارے بچے کی کوئی بڑی تکلیف بچتی ہے یا اس کی جان کا خطرہ دور ہو جاتا ہے تو پھر تو محبت اسکے معنی ہیں کہ ہم خود اپنے ہاتھ سے اسے وہ تھوڑی سی تکلیف پہنچا دیں۔ بھلا سوچو تو اگر خدانخواستہ دشمنوں کے چیچک نکل آئی تو یہ تو کمبخت ایسی بیماری ہے کہ اس سے اگر آدمی بچ بھی جائے تب بھی اس کی شکل صورت سب بگڑ جاتی ہے۔ سینکڑوں بچوں کی آنکھیں جاتی رہتی ہیں، سینکڑوں بالکل بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور چہرہ تو سب ہی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بدصورت ہو جاتا ہے۔ اچھا اب تم نے کسی ڈاکٹر کو اسے دکھایا بھی؟

حمیدہ:۔ ڈاکٹر کو اسی ڈر کے مارے نہیں دکھایا ہے کہ اگر کہیں اللہ نہ کرے وہی اثر ہے تو اس میں تو دوا دینی نہیں چاہیے۔

فہمیدہ:۔ بہن تم کس قدر بھولی ہو۔ تم نے یہ تو سوچا ہوتا کہ ڈاکٹر کتنا ہی بیوقوف ہو پھر بھی بیماری اور دوا دارو کے متعلق وہ تم سے تو زیادہ ہی جانتا ہوگا۔ اگر دوا کی ضرورت نہ ہوگی تو وہ تمہارا یا اس بچے کا دشمن تھوڑا ہی ہے کہ زبردستی حلق میں ٹھونس دیگا۔ اس کے علاوہ یہ سب یونہی فضول باتیں ہیں کہ دوا نہ دینی چاہیے۔ چیچک تندرستی کا تو نام نہیں ہے، بیماری ہی ہے اور سب بیماری ہے تو پھر دوا نہ دینا کیا معنی؟

حمیدہ:۔ آپا مجھے کیا خبر سب کو یہی کہتے سنا ہے کہ ماتا میں دوا دینے سے ماتا ناراض ہو جاتی ہے۔

فہمیدہ ۔ توبہ توبہ! بہن تم کیسی باتیں کر رہی ہو ۔ ماتا تو بیماری کا نام ہے
جیسے اور بہت سی قسموں کے بخار ہوتے ہیں ویسا ہی ایک یہ بھی ہے ۔ وہ کوئی
آدمی ہے یا خدا ہے جس کے غصہ سے تم ڈرتی ہو ۔

حمیدہ :۔ ابھی اس دن کنیز کی نانی کہہ رہی تھیں کہ یہ سات بہنیں ہوتی ہیں ۔
بڑی اور چھوٹی اور جانے کون کون سی ۔

فہمیدہ :۔ بہن جاہل لوگ ہر ایسی چیز سے ڈرنے لگتے ہیں جس سے انہیں نقصان
پہنچے اور جو ان کی سمجھ میں نہ آئے ۔ یہ سب بے وقوفی اور جہالت کی باتیں ہیں
چیچک بھی اور بخاروں کی طرح کا ایک بخار ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے
کہ اس میں تمام بدن پر دانے نکل آتے ہیں ۔

حمیدہ : اچھا پھر اسی بخار میں دانے کیوں نکلتے ہیں؟ خسرہ میں باریک
باریک دانے لال رنگ کے نکلتے ہیں اور کئی کئی دانے مل کر چھتے چھتے سے
بن جاتے ہیں موتی جھارا میں بھی دانے نکلتے ہیں ۔ ان کے علاوہ بھی اور
دو ایک بخار ہیں جن میں دانے نکلا کرتے ہیں ۔

حمیدہ :۔ خسرہ تو چیچک ہی کو کہتے ہیں ۔

فہمیدہ :۔ نہیں ۔ جو ایسا کہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں ۔ خسرہ بالکل الگ چیز
ہے اسے چیچک سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جن بچوں کے
چیچک کا ٹیکا لگا ہوتا ہے ان کے چیچک تو نہیں نکلتی مگر خسرہ نکل آتی ہے ۔

حمیدہ :۔ تو آپا میں آج ڈاکٹر کو بلا کے ننھے کو دکھا دوں؟ دوا نقصان تو
نہیں کریگی نا؟

فہمیدہ :۔ (مسکرا کر) تمہارے مزاج میں کس قدر وہم ہے ۔ دوا دینے میں تو
تم اس قدر ہیر پھیر کر رہی ہو، اور سو سو طرح کے وہم تمہارے دل میں آ رہے ہیں
مگر جو چیزیں کہ سچ مچ اسے نقصان پہنچا سکتی ہیں اور پہنچاتی رہتی ہیں ان کے متعلق
تمہیں کبھی کوئی ذرا سا خیال بھی نہیں آتا ۔

حمیدہ :۔ اے ہے آپا! میں تو اسے کبھی کوئی چیز بھی نہیں دیتی ۔ بلکہ جب تک
اس کا دودھ نہیں چھٹا تھا تو ڈر کے مارے میں خود بھی کوئی ایسی ویسی چیز نہ کھاتی
تھی ۔

فہمیدہ :۔ بہن اب میں صاف صاف کہونگی تو تم برا مان جاؤگی ۔ روز صبح ہو
ہی تم بازار سے حلوا یا جلیبیاں اسے منگا کے کھلاتی ہو یا نہیں؟ حلوائی کی د
سے منگا کر روز دودھ اسے دیتی ہو یا نہیں؟

حمیدہ :۔ (حیرت سے) کھلاتی تو ہوں مگر آپا بازار کے دودھ اور حلوے میں
نقصان ہے؟

فہمیدہ :۔ تمہیں معلوم ہے کہ حلوائی کبھی اپنی مٹھائی کو یا اپنے دودھ کو ڈھک
نہیں رکھتے ۔ بازار کی سڑکوں پر منوں لید اور گوبر اور ہر طرح کا کوڑا کرکٹ
رہتا ہے یہی نہیں بلکہ محلوں کے بازار تو بہت سے ایسی جگہوں پر ہوتے
کہ ان کے برابر ہی میں بھنگی کے پاخانے اور صرف پاخانے ہی نہیں بلکہ غ
اور میلے ڈلاؤ بھی بنے ہوئے ہوتے ہیں ۔ ان ڈلاؤں پر میلے کی گاڑیاں کھ
رہتی ہیں اور حلالخور محلے کے گھروں سے غلیظ لا لا کر اس گاڑی میں ڈا
ہیں ۔ ہر مرتبہ جب گاڑی میں کوئی ٹوکرا لوٹا جاتا ہے تو تھوڑا بہت پاخا
سڑک پر گرتا ہے اور بہت سے اس کے ذرے ہوا میں اُڑ اُڑ کر اد
کی چیزوں پر گرتے ہیں ۔ سڑک کی خاک مٹی جو اُڑتی ہے اس میں بھی لی
وغیرہ کے ذرے ہوتے ہیں اور وہ بھی اُڑ اُڑ کر قریب کی دکانوں
گرتے ہیں اور جو چیز بھی دکان پر رکھی ہو اس پر جم جاتے ہیں ۔ حلوا
اگر دوکان پر کھلا رکھا رہے تو تم خود سمجھ سکتی ہو کہ وہ غلاظت کے اث
سے بچ نہیں سکتا جو ہوا میں موجود ہیں ، اور اگر یہی حلوا اور دودھ تم اپنے
کو کھلاتی ہو تو ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر اس کی بیماری کا سامان مہیا کرد
بیماری کو شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ اتفاق سے کہیں سے تمہارے گھر
آ گرتی ہے مگر میری بہن یہ خیال صحیح نہیں ہے ۔ ہر بیماری کے لیے
ہے کہ کسی نہ کسی راستہ سے کوئی نہ کوئی نقصان پہنچانے والی چیز ہمارے
کے اندر پہنچے اور ہمارے بدن کے اندر کسی چیز کے پہنچنے کے راس
تین ہی ہیں ۔ ہمارا منہ ۔ ہماری ناک ، اور ہمارے بدن کی کھال ۔

حمیدہ:۔ (تعجب سے) ہماری کھال میں کونسا راستہ ہے؟

فہمیدہ:۔ ہماری جلد میں لاکھوں بہت ہی باریک باریک سوراخ ہیں۔ انہی سوراخوں کے راستہ سے پسینہ باہر نکلتا ہے اور جس طرح پسینہ باہر نکلتا ہے اسی طرح باہر کی چیز اندر بھی جا سکتی ہے۔ مالش کی دوا کا اثر اسی طرح ہوتا ہے کہ وہ ان سوراخوں کے راستہ سے جذب ہو جاتی ہے۔

حمیدہ:۔ مگر آپا بیسیوں دفعہ ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کسی کو قبض ہونے کی وجہ سے بخار آجاتا ہے، یا نزلہ زکام ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں تو بدن کے اندر کوئی چیز بھی نہیں جاتی۔

فہمیدہ:۔ بے شک تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں نے ابھی تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہماری تندرستی کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ باہر کی نقصان پہنچانے والی چیزیں اندر نہ جائیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ بعض چیزیں برابر اندر پہنچتی رہیں اور بعض چیزیں بدن سے باہر نکلتی رہیں۔

حمیدہ:۔ میری سمجھ میں نہ آیا ذرا اچھی طرح سمجھا دیجیے۔

فہمیدہ:۔ ہماری زندگی کے لیے ضروری ہے کہ ایک منٹ میں سترہ یا اٹھارہ مرتبہ باہر کی طرف صاف ہوا ہمارے پھیپھڑوں میں پہنچتی رہے اور اسی قدر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر مرتبہ وہ ہمارے خون کی غلاظتوں کو اپنے ساتھ لیکر ہماری ناک سے نکلتی بھی رہے۔ تازہ ہوا اگر اندر نہ پہنچے تب بھی ہمارے لیے مضر ہے اور خراب ہوا اگر اندر سے نہ نکلے تب بھی وہی خرابی ہے۔ اسی طرح پانی ہماری زندگی کے لیے ضروری ہے اور ہم برابر اسے پیتے رہتے ہیں، لیکن اسی قدر ضروری بھی ہے کہ وہ ہمارے خون کے میل کچیل کو اپنے ساتھ لیکر پیشاب کی صورت میں بدن سے نکل جایا کرے۔ ہمیں اگر پانی نہ ملے تب بھی ہم تندرست نہیں رہ سکتے۔ اور اگر بدن سے وہ نکل نہ سکے تب بھی طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کھانا بھی ہماری زندگی کے لیے ضروری ہے لیکن اس کھانے کا جو فضلہ بچے اس کا بدن سے نکل جانا بھی ہماری تندرستی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ نہ نکل سکے تو ہمیں بہت سی بیماریاں ہو سکتی ہیں۔

حمیدہ:۔ آپا تم تو اچھی خاصی حکیم ہو۔

فہمیدہ:۔ یہ تو معمولی باتیں ہیں جو ہر شخص کو معلوم ہونی چاہئیں۔

حمیدہ:۔ لے ہے نھا رو رہا ہے۔ اب پھر کسی وقت آؤں گی +

عورتوں کے ایک اعتراض کے جواب میں

عورتوں کو بالخصوص تعلیم یافتہ عورتوں کو عام طور پر یہ شکایت رہتی ہے کہ مرد جب دیکھو عورتوں کو نصیحت کرنے کیلیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے گریبانوں میں منہ نہیں ڈالتے کہ اُن کی اپنی حالت کیا ہے اور انہیں خود اپنی اصلاح کی کس حد تک ضرورت ہے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر تو انہیں نظر آتا نہیں مگر عورتوں کی آنکھ کا تنکا یہ خوب دیکھ لیتے ہیں، اور ہر شخص بلا تکلف عورتوں کی ایک ایک بات میں نقص نکالنے اور ان کے حق میں شیخ سعدی بنکر گلستاں کے باب لکھنے یا سُنانے بیٹھ جاتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ آخر یہ لاکھوں پندنامے صرف غریب عورتوں ہی کے لیے کیوں لکھے جاتے ہیں اور ہر پڑھے لکھے اور ان پڑھ جاہل مرد کی "نقادانہ" نگاہیں فقط عورتوں ہی کے رسم و رواج، عورتوں ہی کی جہالت عورتوں ہی کی کم عقلی، عورتوں ہی کی بد اخلاقی اور عورتوں ہی کی کج زبانی پر کیوں پڑتی ہیں؟ وہ پوچھتی ہیں کہ کیا یہی تمام عیب عورتوں سے بہت زیادہ خود مردوں میں موجود نہیں ہیں؟ وہ سوال کرتی ہیں کہ کیا مردوں کے لیے ہر عیب صواب اور عورتوں کے لیے ہر صواب عیب بن جاتا ہے؟ عفت و عصمت کی دیویاں تیوری میں بل ڈالکر کہتی ہیں کہ مرد ذرا پہلے اپنے کرتوتوں پر تو نگاہ ڈالیں اسکے بعد ہی

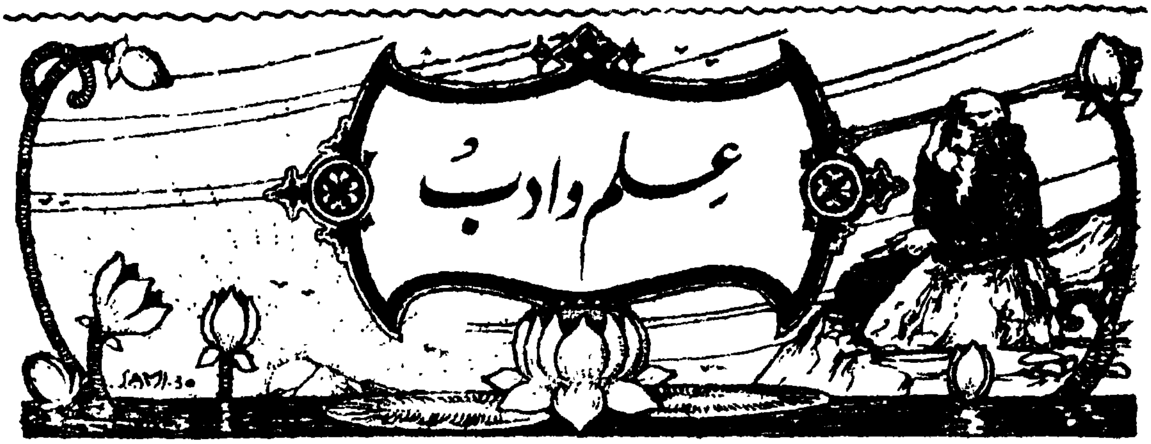
[redacted]

دوسروں کے عیب نکالیں۔ محبت، قربانی اور ایثار نفس کے جذبے دل میں رکھنے والیاں حسرت سے اُن مردوں پر نگاہ ڈالتی ہیں جنہیں باتیں بنانے کے سوا اور کچھ نہیں آتا اور جو محبت کا بدلہ اکثر نفرت وحقارت سے دینے کے عادی ہیں رات رات بھر خاوند کو پنکھا جھلکر یا بچہ کو گود میں لیے لیے شلا گزار دینے والی عورتیں اکثر اس فکر میں مبتلا رہتی ہیں کہ اپنا سب کچھ دیدینے اور معاوضہ میں کسی سے کچھ نہ لینے کے باوجود بھی عیب اور نقص اگر ہے تو ہمیں میں ہے اور پند ونصیحت کی ضرورت ہے تو ہمیں کو ہے۔ دلوں سے نکل کر یہ باتیں زبان تک آتی ہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دل کا ترجمان بنکر ہاتھ انہیں قلم کے ذریعہ سے کسی زنانہ رسالہ یا اخبار کے صفحات کے سپرد بھی کر دیتا ہے۔

صنف لطیف کا یہ شکوہ بالکل بجا، اور ان کی یہ تمام شکایت ہمارے سر آنکھوں پر لیکن وہ ہمیں معاف کریں اگر ہم اُن سے یہ کہیں کہ وہ ہمارے وعظ و پند کا مطلب صحیح نہیں سمجھیں۔

ان کا یہ کہنا تو بالکل صحیح ہے کہ ہم اپنے عیبوں پر تو نگاہ نہیں ڈالتے اور ان پر اعتراض کرنے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم اپنے آپ کو اصلاح سے بالاتر اور انہیں ہر قسم کی اصلاح کا محتاج خیال کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مردوں میں بعض ایسے بے وقوف بھی ہوں جن کا یہ خیال ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری تمام نکتہ چینی اور عیب بینی بہت کچھ خود غرضی پر مبنی ہے۔ ہم عورتوں کی اصلاح کے طالب ہیں، ہر وقت ان کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں، اور رات دن انہیں ٹوکتے رہتے ہیں اس لیے نہیں کہ ہم انہیں پست اور ذلیل سمجھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ ترقی کریں اور اُبھر جائیں بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے کہ وہ جس قدر زیادہ قابل، نیک اور تعلیم یافتہ ہونگی اسی قدر بہتر مرد وہ بنا سکیں گی۔ ان کی اصلاح پر چونکہ ہماری اپنی بہتری اور ترقی ایک بڑی حد تک منحصر ہے، اس لیے ہمارا یہ تمام جوش اور ہماری یہ تمام سعی و کوشش بہت کچھ صرف اپنی فلاح و بہبود کی خاطر۔ وہ کہتی ہیں کہ مردوں میں عورتوں سے زیادہ عیب موجود ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں اور پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ ایسے برے مرد آخر بنائے کس نے ہیں؟ کیا ان مردوں کی تربیت انہی گودوں میں نہیں ہوئی ہے جو آج اُنہیں اپنے سے زیادہ بُرا بتا رہی ہیں؟ اور کیا موجودہ قابلیت کی عورتوں کی تربیت کے نتیجے (جنہیں وہ خود بھی بُرا کہنے کو تیار ہیں) دیکھ لینے کے بعد بھی ہمارا طرز عمل قابل اعتراض قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہم بُرے ہیں مگر آئندہ بُرے نہیں رہنا چاہتے۔ ہم میں عیب اور نقص ہیں اور ان عیبوں کو دور کرنا ہماری تمنا اور آرزو ہے، اور ان کے دور ہونے کی صرف ایک صورت ہے، اور وہ یہ کہ ہماری مائیں اس سے زیادہ قابل بن جائیں کہ جتنی وہ اب ہیں اور ہمارا قدرتی مدرسہ ہمارے لیے اس سے زیادہ مفید ہو جائے کہ جیسا وہ اب تک رہا ہے۔

ہم یقیناً بہت بُرے ہیں، اور اونٹ کی طرح حقیقت یہ ہے کہ ہماری کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے، لیکن اپنی اس خرابی کے لیے ہم خود ذمہ دار نہیں ہیں، اور آیندہ بھی اگر ہم درست ہو سکتے ہیں تو مردوں کی کوششوں سے نہیں بلکہ عورتوں ہی کی کوشش سے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اور صرف اسلیے ہم مجبور ہیں کہ قدم قدم پر عورتوں کو ٹوکیں، اور اپنی برائیوں سے چشم پوشی کر کے ہر وقت انہی کی خرابیوں پر نگاہ رکھیں۔ دنیا میں کوئی ایسی قوم ترقی نہیں کر سکی ہے جسکی عورتیں ذلت اور پستی میں پڑی ہوں۔ ہم بھی اگر اس زینہ پر چڑھنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی عورتوں کو اوپر چڑھانا پڑے گا ✦



مظاہر ذہنیات

یا

مشعلِ کامیابی

(ازجناب ڈاکٹر افضل الرحمن صاحب)

(جملہ حقوق بحق نامہ نگار محفوظ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

عملِ تخیل و شناخت

اس سے پہلے ناظرین کو عمل تحفظ اور عمل استرجاع سے روشناس کرایا جاچکا ہے۔ اب ہم حافظہ کے دو باقی ماندہ عناصر یعنی عمل تخیل اور عمل شناخت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

عملِ تخیل (Imagination)

یہ وہ ذہنی عمل ہے جس کے ذریعے سے ہم نہ صرف سابقہ احساسی نقوش یا تجربات کی اپنے ذہن میں تصویر کھینچتے ہیں بلکہ ان پر متواتر خیال آرائی کے ذریعہ سے ان کی از سرِ نو ترتیب کرکے ان سے بالکل جدید اور نئی نئی باتیں بھی ایجاد کرسکتے ہیں۔ اسی ذہنی عمل کا تعلق ماضی۔ حال۔ مستقبل تینوں زمانوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

عملِ شناخت (Recognition.)

یہ وہ ذہنی عمل ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے سابقہ اور موجودہ تجربات میں فرق دریافت کیا کرتے ہیں۔ حافظہ کی تکمیل کے لیے یہ ذہنی عمل بھی اشد ضروری ہے کیونکہ اس کی امداد کے بغیر ہم کسی شئے کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر اس کو پہچان نہیں سکتے۔

حافظہ کے ان ہر دو عناصر کی ہمیں ہر لحظہ اور ہر آن ضرورت پڑتی رہتی ہے کیونکہ انہی کے توسل سے ہم اُمور یا افکار کو ایک دوسرے سے تمیز اور ان کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم کر کے ان کی شناخت کرتے ہیں۔ نیز افکار یا امور کا باہم گر اتصال یا بہ الفاظ دیگر ائتلاف بھی انہی کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ مثلاً ہم سڑک پر دور سے کسی شے کو اپنی طرف حرکت کرتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن معلوم نہیں ہوتا کہ دراصل وہ ہے کیا شے۔ کچھ توقف کے بعد جب وہ شے کسی قدر اور ہمارے قریب ہوتی ہے تو ہمارا تخیل اس کی شباہت سے متاثر ہو کر قوانین ائتلاف کے تحت میں اسی جیسے سابقہ احساسی نقوش تجربات۔ امور یا افکار کا نقشہ ہمارے ذہن میں کھینچ دیتا ہے۔ پس ہم ان سابقہ احساسی نقوش سے موازنہ کر کے بذریعہ عمل شناخت یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ کوئی انسان ہے۔ چنانچہ جب وہ چیز ہم سے کسی قدر اور نزدیکی حاصل کرتی ہے تو ہم اس کی پوشاک سے یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ وہ عورت نہیں بلکہ کوئی مرد ہے۔ یہاں پر بھی عمل تخیل نے سابقہ اور موجود اشیا کے احساسی نقوش کو یکجا کر کے ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا کہ وہ پوشاک مردوں جیسی ہے۔ آخر کار وہ شے جب اور بھی ہمارے قریب آجاتی ہے تو ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ ہمارا کوئی شناسا ہے۔ یہاں پر بھی ہمارے عمل تخیل و شناخت نے اپنے وہی فرائض ادا کیے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

سطور بالا سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ محض ذرا ذرا سی باتوں کے سمجھنے کے لیے بھی ہمارے شعور کو کسی قدر طویل محنت کرنی پڑتی ہے یعنی ہمارا شعور تصویر اُتارنے کے کیمرہ کی اثر پذیر تختی کی طرح بیرونی اشیاء کے احساسی نقوش کو بحالتِ مجہولی قبول نہیں کرتا بلکہ وہ ہر حالت میں سابقہ اور موجودہ ہر دو اُمور یا افکار کو ایک دوسرے کے ساتھ بغرض موازنہ یکجا کرتا رہتا ہے۔ مثلاً وہ گائے ہے۔ وہ میرا قلمدان ہے۔ وہ امر صحیح ہے۔ اس لیے کہ کوئی ایسا امر جس سے ہم پہلے واقف ہو چکے ہیں وہ اس کی شہادت دیتا ہے اس لیے "خیال کرنا" خیالات۔ احساسی نقوش افکار۔ اُمور۔ تجربات یا معلومات کو جو پہلے سے ہمارے ذہن میں محفوظ ہیں۔ باہم گر منسلک متحد مسلسل یا وابستہ کرنے یا ان کے مابین رشتہ قائم کرنے کو کہتے ہیں۔ علمی اصطلاح میں شعور کے اس ذہنی عمل کو "ائتلاف یا انتساب افکار" (Association of Idaes.) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

سابقہ احساسی نقوش۔ احساسی تصاویر یا خیالات جن کے باعث ہمارے افکار۔ تجربات یا معلومات کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ ہمارے کل نئے اور جدید احساسی نقوش۔ خیالات یا احساسی تصاویر میں دخل حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ رضاعت کے بعد ہمیں شاذ و نادر ہی کسی خالص احساسی نقش کا تجربہ ہوتا ہے بلکہ شیرخواری کی منزل طے کر لینے کے بعد ہمیں جس احساسی نقش کا احساس یا تجربہ ہوتا ہے وہ ان سابقہ احساسی نقوش کی یاد دہانی کراتا ہے جن کے ساتھ وہ مشترک ہوتا یا مناسبت رکھتا ہے۔

ہماری قوتِ تخیل اسی نسبت سے بہترین سمجھی جاتی ہے جس نسبت سے ہماری قوت ائتلاف یعنی امور یا افکار کے مابین رشتے قائم کرنے کی قوت نمو یافتہ۔ عمیق۔ وسیع وافر اور فراواں ہوتی ہے۔ افکار یا امور کے باہم ائتلاف و انتساب سے اس جگہ ہماری مراد یہ ہے کہ وہ کسی حد تک حقیقت اور صداقت کا اظہار کرتے ہیں۔

دنیا میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کسی شے کے متعلق محض سطحی طور پر خیالات کا تسلسل قائم کرتے ہیں اور ایک مختصر سی تعداد ان لوگوں کی ہے جو کسی شے کی حقیقت اور اصلیت پر نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ غالب کا یہ شعر اسی حقیقت کا مظہر ہے ؎

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

عمل تخیل یا افکار کے ایتلاف و انتساب یا بالفاظ دیگر غور و خوض کرنے
انسان کا سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہمیشہ صداقت اور
حقیقت کی جستجو میں منہمک رہے۔ ہمارا شعور مثل ایک آئینہ کے ہے جس میں
بیرونی دنیا کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ لہذا بیرونی اشیاء اور ان کے عکس
جو ہمارے شعور پر قائم ہوتا ہے حقیقی معنوں میں ایک دوسرے سے
مناسبت رکھتے ہوئے منعکس ہونا چاہیے لیکن اکثر اوقات ایسا نہیں ہوتا
بلکہ اشیاء خارجی کی تصویروں میں یا تو بہت کچھ تغیر اور تبدیلی کر دی جاتی ہے
ان کی ہیئت اور صورت کو حقیقت اور اصلیت کے لحاظ سے بالکل ہی
بیا میٹ اور مسخ کر دیا جاتا ہے۔

جس وقت سر اسحاق نیوٹن کسی شے کا مشاہدہ کیا کرتا تھا تو بہت
اور اختلاف کے ہزار ہا امور جو کسی نہ کسی طریق پر اسی شے سے متعلق ہوتے
تھے اس کے ذہن میں موجزن ہو جایا کرتے تھے۔ کسی امر کے متعلق ذہن میں
اس قدر کثیر التعداد افکار کا اجتماع حیرت انگیز نہیں ہے۔ کیونکہ کسی دوسرے
شخص کے ذہن میں بھی وہ اسی طرح برانگیختہ ہو سکتے ہیں۔ مگر نیوٹن
کی تعریف و توصیف کی بات یہ تھی کہ جو افکار بھی اس کے ذہن میں
برانگیختہ ہوتے تھے وہ اس شے سے حقیقی معنوں میں پوری مناسبت
رکھتے تھے۔ اسی قسم کا تخیل بہترین تخیل سمجھا جاتا ہے۔

اپنے حافظہ کو بے انتہا معلومات سے لبریز کرنا جب کہ بوقت ضرورت
ہم ان کا استرجاع نہ کر سکیں محض بیکار ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس امر پر
غور نہیں کیا ہے ان سے ہر وقت اس قسم کی غلطی سرزد ہوتی رہتی ہے۔ ایک
شخص پر بہ اعتبار یادداشت کے متحرک لغت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ تاہم
اس کا یہ کل ذخیرۂ علم اس کے لیے بے سود ہے اور اس کو اس درجہ سے
انتہا درجہ کا بے وقوف گردانا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے افکار یا امور کا صحیح
طریقہ پر ایتلاف و انتساب کرنے سے قاصر اور ان کے مابین حقیقی رشتے
معلوم کرنے سے عاجز ہے۔ ایک دوسرا شخص جس کا علم شخص مذکور سے
ہزار گنا کم ہے۔ اس لیے اس سے ہزار گنی زیادہ عقل رکھتا ہے۔ کہ وہ اپنے
افکار کا باہمی موازنہ کرنے اور ان کو مترتب، منسلک اور منظم کرنے میں
ان کے حقیقی رشتوں کو مد نظر رکھتا ہے یا بالفاظ دیگر ان کے مابین بہترین
طریقہ پر ایتلاف قائم کر سکتا ہے۔

جو لوگ اپنی قوت متخیلہ کے لحاظ سے ممتاز اور اس کی وجہ سے اعلیٰ ترین
مرتبوں پر فائز ہیں۔ ان کی تعریف و توصیف کرنا ہر شخص کو زیبا ہے مگر انکی
فوقیت کی وجہ کو دریافت نہ کرنا حد درجہ افسوسناک ہے۔ مہتم بالشان
کاموں کی انجام دہی جو ان کے ذریعہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اسی کی تکوین محض
اسی وجہ سے نہیں ہوتی کہ وہ اپنے خیالات کو بہترین طریقہ پر منظم کر سکتے ہیں
بلکہ اس کا خاص راز ان کی دلچسپی۔ صبر و استقلال اور ہمہ تن مصروفیت
میں بھی پوشیدہ ہے۔ جن کے باعث ان کے ذہن میں کسی امر کے متعلق
خیالات کی افواج کی افواج امڈی چلی آتی ہیں اور وہ ہیں کہ ان میں سے
ہر ایک پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور و خوض کرتے چلے جاتے ہیں۔ حتےٰ
کہ اس امر کی کنہ اور باریکیوں کے اسی متواتر تجزیہ کی وجہ سے ان کی رسائی
آخر کار اس کی حقیقت تک ہو جاتی ہے۔

تخیل کوئی ایسی شے نہیں ہے جو از خود وقوع پذیر ہوتا ہو بلکہ اس کی
تکوین کے لیے کسی محرک کی ضرورت پڑتی ہے اور محرک ہماری "دلچسپی" ہے۔ چنانچہ
دلچسپی ہی کے تحت میں ہم اپنے عمل تخیل کی انجام دہی کرتے رہتے ہیں۔

دلچسپی بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو صداقت اور حقیقت کی طرف ہماری
کرتی ہے۔ اور دوسری وہ جو امور باطلہ کی طرف ہمیں کشاں کشاں لے جاتی ہے۔

وہ دلچسپی جو کسب زر محض امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کسی کو شکست
یا زک دینے۔ کسی امر کے متعلق اپنی صداقت کو اظہر من الشمس کرنے۔ کسی جماعت
یا فرقہ کی طرفداری کرنے۔ حصول زر میں کسی شخص کی حمایت کرنے یا کسی خاص
ذاتی غرض کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں صداقت سے کوسوں
دور رکھتی ہے اور گو در حقیقت وہ بدترین قسم کی دلچسپی ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے

اسی قسم کی دلچسپی عام طور پر دنیا میں مروّج ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ اس قسم کی دلچسپی اپنے اثرات میں نہایت طاقتور اور تخیل کی نہایت زبردست محرّک ہے۔ اور نفس کے عام قوانین کے مطابق اس کے نتائج کا حسب منشاء وقوع پذیر ہوجانا بھی بعید از قیاس نہیں لیکن بجائے اس کے کہ اسکے نتائج سے بنی نوع کو کسی قسم کا فائدہ پہنچے وہ اسکی بیخ کنی کرنے میں مدد کرتی ہے۔

اس کی وجہ ظاہر و باہر ہے۔ جب ہم اس قسم کی دلچسپی میں منہمک ہوتے ہیں تو بجائے اسکے کہ ہم اپنے کل سلسلۂ خیالات کو خواہ وہ ہمارے مقاصد سے متفق ہو یا نہ ہو یہانتک گردش دیں کہ کسی شے کی اصلیت او حقیقت بالآخر بر آمد ہو جائے بلکہ ہم ان ہی امور کی طرف خواہ ان کی بنا امور باطلہ پر ہی کیوں نہ قائم ہوئی ہو اپنی طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں جو ہمارے عوارض کی حمایت کرتے ہیں اور اُن کل امور کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کرتے جاتے ہیں جو ہمارے مقاصد کی رفاقت نہیں کرتے۔ ہماری مثال اس وقت بجنسہ ایک قانون داں جیسی ہوتی ہے جو کسی مقدمہ کی پیروی کرتے وقت انہی امور پر خواہ وہ مکر و فریب سے لبریز کیوں نہ ہوں زور دیتا جاتا ہے جو اس کے معاملہ سے اتفاق کرتے ہیں اور اُن کل امور سے اغماض کرتا جاتا ہے جو اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے آجکل کا سیاسی طبقہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہے۔ او اپنی خودرائی اور اپنی کسی ذاتی غرض کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی بات کو سراسر ناپسند نہیں کرتا۔ اس تو تو میں میں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صداقت پس پشت ہو جاتی ہے اور آئے دن باہمی نفاق اور حسد و بغض کے شعلے ہر چہار طرف بھڑکتے رہتے ہیں اور عوام بیچارے اس گمراہی کے باعث اسی آگ میں جلکر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

تاہم ہر زمانہ میں کم و بیش ایسے لوگ بھی موجود پائے جاتے ہیں جو مرتے دم تک دامن صداقت سے دست بردار نہیں ہوتے۔ عمل تخیل سے دستکش ہو جانا اور دوسروں کی نظروں سے گر جانا اُن کے واسطے بدرجہا بہتر اور اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ خود کو اور دوسروں کو خواہ مخواہ گمراہ کریں۔

چارلس دوم شاہ انگلستان نہایت عیش پسند واقع ہوا تھا اور وہ اپنی اس آرزو حرص کے پورا کرنے میں ملک کا بے انتہا روپیہ برباد کر رہا تھا جس سے رعیت اس سے نالاں اور سخت پریشان تھی۔ اس کے عہد سلطنت میں ایک شخص نامی اینڈرو مارویل بھی تھا جو بہ عُسرت اپنی زندگی بسر کرتا تھا اُسے شاہ وقت کی یہ حرکتیں ناپسند آئیں اور اُس نے بادشاہ اور اُس کے ہم جلیسوں کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ اینڈرو مارویل چونکہ لوگوں میں ہر دلعزیز شخص تھا اس لیے بادشاہ اس پر کسی قسم کا جبر و تشدد کرنے سے مجبور رہا۔

اس نے یہ تدبیر سوچی کہ اینڈرو مارویل کا منہ زر کثیر سے بندکر دیا جائے۔ مگر اس کی یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی کیونکہ اینڈرو مارویل نے اس گرانبہا شاہی عطیہ کو شکریہ کے ساتھ یہ کہکر ٹھکرا دیا کہ وہ اسے اس لیے قبول کرنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی قوم اور ملک کے لیے غدار ثابت ہوگا۔

یاد رکھو کذب و افترا پردازی سے صداقت بدرجہا بہتر ہے۔ اگر ہم صداقت کے پیرو کار نہیں بن سکتے تو کسی امر کی نسبت تخیل پیمائی کو ہمیں یک لخت ختم کر دینا چاہیے۔

کیفر کردار

(از جناب ارشاد اسسٹنٹ ایڈیٹر "مسلم ہندی")

میں نے عبدالحمید سے پوچھا کہ بھئی کیا وجہ ہے کہ دنیا تمہارے قول و فعل کا اعتبار نہیں کرتی جواب دیا :-

کیفر کردار

کیونکہ اس سے پہلے میں ہمیشہ جھوٹ بولا کرتا تھا جس کی وجہ سے میرا اعتماد جاتا رہا یہی وجہ ہے کہ آج میں چاہے کیسی ہی سچی سے سچی بات کہوں پھر بھی کوئی میرا یقین نہیں کرتا -

(۲)

کل بابو ایشوری پرشاد کو دیکھا کہ ننگے پیر پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے حیران و پریشان بازار میں بوجھ ڈھوتے پھر رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر صاحب سلامت کے بعد نہایت ہمدردانہ لہجہ میں دریافت کیا کہ لالہ جی کل تو آپ ایک معقول جائداد اور کئی لاکھ روپئے کے مالک تھے۔ آج یہ کیا حال ہے، آخر اس کا سبب ؟ جواب دیا :-

کیفر کردار

مجھے شراب نوشی اور جوئے کی بُری لت لگ گئی تھی کچھ سرمایہ اُس میں برباد ہوگیا کچھ اس میں ہار گیا اور اب اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوں -

(۳)

گزشتہ ہفتہ میں لاہور پہنچا تو قاری بدرالدین صاحب کے صاحبزادے قمرالدین کو دیکھا کہ لوگوں سے سوال کر رہا ہے مجھے دیکھتے ہی شرم سے گردن جھکالی اور زار زار رونے لگا۔ میں نے کہا یہ کیا ؟ تمہارے والد تو ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ بولا

کیفر کردار

میں نے خدا کے حکم وبالوالدین احسانا (والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو) کے خلاف عمل کر کے ان کو ناراض کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنہوں نے محروم الارث کر کے مجھے گھر سے نکال دیا۔ چونکہ تعلیم اور صنعت و حرفت وغیرہ کا مجھے کبھی شوق ہی نہیں ہوا تھا جو سیکھ لیتا اور آج میرے کام آتی۔ لہذا اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہوں -

(۴)

میاں عبدالشکور کل ملے تھے میں نے دریافت کیا کہ کہو بھئی کیا حال ہے کہنے لگے ہر وقت سر چکراتا ہے۔ پنڈلیوں میں درد رہتا ہے طبیعت گھبراتی ہے۔ دماغ پریشان رہتا ہے، کسی کام میں جی نہیں لگتا ہر دم خودکشی کیلیے تیار رہوں، کمر کا درد بہت ہی پریشان کیے ہوے ہے، حافظہ قطعاً رفوچکر ہو گیا ہے۔ میں نے کہا اس سے پہلے تو یہ شکایات نہ تھیں۔ آخر اس کا باعث ؟ بولے :-

کیفر کردار

میں نے جوان ہوتے ہی غلط اور خلاف فطرت طریقے اختیار کر لیے تھے جس کی سزا اب مل رہی ہے -

(۵)

مفتی حشمت علی صاحب آج مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے باتوں باتوں میں کہنے لگے سخت پریشان ہوں عجب مصیبت میں گرفتار ہوں بال بچے بھوکوں مرے جاتے ہیں کہیں دو پیسے کی نوکری نہیں ملتی جس کے پاس جاتا ہوں بات کرتے ہوئے گھبراتا ہے۔ میں نے کہا منشی جی آپ تو بڑے لایق و قابل آدمی ہیں آخر اس کا سبب ؟ فرمایا :-

کیفر کردار

میں نے شروع میں بعض لوگوں سے بے ایمانیاں کیں جس کی وجہ سے آج میری ساکھ

جاتی رہی اور کوئی بات کرنے کا روادار نہیں۔

(۶)

کل ہی کی تو بات ہے کہ مولانا انوار الحق صاحب نے وعظ کہا جس کے بعد تبلیغ و تعلیم اسلام کے لیے چندہ کی تحریک کی جس میں ان کو کئی ہزار روپیہ باتوں ہی باتوں میں وصول ہو گیا لیکن آج جو زور دار تقریر کی تو چندہ تو درکنار کوئی سننے والا بھی نہ ملا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ مولانا اس کی وجہ؟ بولے

کیفرِ کردار

میں نے لوگوں کو دھوکا دیا تعلیم اور تبلیغ کے بہانے سے چندہ وصول کر کے خود کھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج لوگ میری سچی سچی تحریک کو بھی فریب دہی تصور کرتے ہیں اور میرے وعظ کو معاش حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

(۷)

میں تاریخ اسلام پڑھ رہا تھا جو پہلی صدی کی برکتوں سے پر تھی جس میں صلاح الدین کے کارنامے بھرے پڑے تھے جس میں محمود غزنوی اور شیر اسلام اکبر و اورنگ زیب کی قابلِ عبرت داستانیں درج تھیں جس میں تحریر تھا کہ کبھی دولت و اقبال مسلمانوں پر ایسے عاشق تھے کہ یہ ان سے منہ بچا کر بھاگتے تھے اور وہ ان کے پیچھے پیچھے دوڑے پھرتے تھے، یہ ان کے لاتیں مارتے تھے اور وہ ان کے پیروں پڑتے تھے، یہ ان کو ٹھکراتے تھے اور وہ ان کے قدموں سے لپٹتے تھے، یہ ان سے نفرت کرتے تھے وہ ان سے محبت۔ میں نے دل ہی دل میں سوچنا شروع کیا کہ آخر مسلمان اب بھی تو ہیں سب نہیں تو بعض نمازیں بھی پڑھتے ہیں حتیٰ کہ وظیفہ تک نہیں چھوڑتے۔ روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی برابر دیتے ہیں، چلّے بھی کھینچتے ہیں، اعتکاف بھی کرتے ہیں، سود کو بھی حرام سمجھتے ہیں، ڈاڑھیاں بھی بڑھا رکھی ہیں، لبیں بھی کترواتے ہیں، پھر یہ کیا بات وہ پہلی سی برکت کیوں نہیں یا سب فسانے ہی فسانے ہیں آخر اس کی وجہ؟ غیب سے ایک آواز آئی سُن او بے ادب سُن!

کیفرِ کردار

انہوں نے خدا کے حکم اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (اللہ کی رسی کو اتفاق کر کے تھام لو اور آپس میں پھوٹ مت ڈالو) کو بھلا دیا ہے جس کی سزا یہ بھگت رہے ہیں اور جب تک اس حکم پر عمل نہ کرینگے بھگتینگے، کیا دیکھتا نہیں ہے کہ جو لوگ اس پر عمل پیرا ہیں کس قدر ترقی کر رہے ہیں اور جب تک اس پر عمل کیے جائینگے اُس وقت تک برابر اسی طرح ترقی کرتے رہیں گے ؎

تفرقہ آپس میں ہے سارا زمانہ ہے حریف میرے آقا آپ کی اُمت بڑی مشکل میں ہے

غزل

(از جناب جگر بریلوی)

دل کے ہر گوشے کو پہنائے دو عالم کیجیے پھر یہ ممکن ہے خیالِ دعوتِ غم کیجیے
موت کہتی ہے کہ جا کر سوئیے زیرِ لحد زندگی کا ہے تقاضہ جہدِ پیہم کیجیے
ہے اگر کچھ آرزوے رفعتِ عز و وقار صدقِ دل سے خدمتِ ابنائے عالم کیجیے
دیکھنا ہے گر جمالِ شاہدِ مستورِ دل ہر نفس پہ ننگِ غبارِ آرزو کم کیجیے

ہیں ابھی ناآشنائے نالہ گوشِ اہلِ بزم　　پھونک کر جان و جگر فریادِ بہم کیجیے
دیکھیے رنگینیِ موجِ شفق ہنگامِ شام　　صبح کو نظارۂ گلبرگ و شبنم کیجیے

کون ہوتا ہے شریکِ رنجِ ہستی اے جگر
دم میں دم ہے جب تک اپنا آپ ماتم کیجیے

دیگر

لیجیے تابانیِ عالم کے ساماں ہو گئے　　دل کے ذرّے اُڑ کے ہر جانب پریشاں ہو گئے
فرطِ بیتابی سے مر جانا تو کچھ مشکل نہ تھا　　کیا کہیں غم سے مگر کچھ عہد و پیماں ہو گئے
التفاتِ دوست کا ممکن نہیں کوئی صلہ　　کم ہے جان و دل جو صرفِ شکرِ احساں ہو گئے
تجھ سے کیا لیں انتقام اے خاکِ بے برگ و نوا　　وہ کہاں ہیں مہر و مہ تجھ میں جو پنہاں ہو گئے
اب میں سمجھا سینۂ سوزاں کے شق ہونے کا راز　　آپ پنہاں کیا ہوئے گویا نمایاں ہو گئے
جن کو ہوتا ہی نہ تھا راہِ محبت میں غبار　　کس طرح وہ خاک کے پُتلے پھر انساں ہو گئے
اللہ اللہ یہ اثر برقِ نگاہِ ناز کا　　اک نظر دیکھا تھا ہم سرو چراغاں ہو گئے
خاکِ دل کے چند ذرّے اُڑ گئے تھے ایک دن　　بن کے تارے آسمانوں پر درخشاں ہو گئے
صحبتِ احباب میں حاصل ہوا وہ لطفِ زیست　　آج ہم بھی قائلِ فردوسِ ہمواں ہو گئے
حُسن نے روزِ ازل جب رخ سے سرکائی نقاب　　چند جلوے رنگ بنکر بزمِ امکاں ہو گئے
اُڑ رہا ہے رنگ ہر جانب بہارِ حُسن کا　　وا ہیں جن کے دیدۂ دل گل بداماں ہو گئے

رفتہ رفتہ آرزوئے رستگاری مٹ گئی
رہ کے زنداں میں جگر آزادِ زنداں ہو گئے



پروفیسر رادھا کرشن ایم۔اے نے گزشتہ مارچ میں لندن کے ایک جلسہ میں مشرقِ و مغرب کی مذہبیت پر ایک فاضلانہ لکچر دیا تھا۔ ڈاکٹر جیکس اس جلسہ کے صدر تھے۔ اس لکچر کے اقتباس کے ترجمہ سے ہم قارئین "کامیابی" کی ضیافت طبع کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

مشرق و مغرب جُدا نہیں ہوسکتے

میری تقریر کا مضمون مشرق و مغرب کی مذہبیت ہے۔ یہ مضمون بہت ہی وسیع ہے اور میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ یہ خیال کرلوں کہ ایک لکچر میں وضاحت کے ساتھ اس کے متعلق سب کچھ بیان کرسکوں گا۔ سب سے زیادہ اہم بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ مشرق اور مغرب اب مل چکے ہیں اور اب کبھی وہ ایک دوسرے کے دل سے جدا نہیں ہوسکتے کیونکہ موجودہ حالات میں ان کے لیے علیحدہ رہنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ روحانیت کی تلاش اور تجسس میں مشرق اور مغرب الگ الگ کوئی چیز نہیں ہیں۔ روحانی معاملات میں ہر قوم اپنے اپنے حصہ کا نذرانہ پیش کیا کرتی ہے۔

مشرق آفتابِ مذہب کا مشرق ہے

یہ بات پیش نظر رکھنے کے لایق ہے کہ موجودہ زمانہ کے تقریباً تمام مذاہب اپنی پیدائش کے لحاظ سے مشرقی ہیں۔ بعض مشرق میں پیدا ہوئے اور مغرب میں پھیلتے چلے گئے اور بعض خالصۃً مشرقی ہی رہے۔ بعض مشرقی مذاہب نے مغربی پیوند حاصل کرکے نئی شکل اور نئی صورت اختیار کرلی لیکن اگر جڑیں تلاش کی جائیں تو تمام مذہبوں کی مشرق ہی میں ملیں گی بعض بہ لحاظ پیدائش بھی مشرقی ہیں اور بہ لحاظ نشو و نما بھی، اور بعض نے مشرق میں جنم لیکر پرورشِ مغرب میں اور مغربی انداز اختیار کرلیے۔ مذہبوں میں اس کی تفریق قائم کی جاسکتی ہے لیکن ایسے مذاہب پر جیسے ہندو مذہب یا بدھ مذہب جو اسی سرزمین پر پلے اور بڑھے ہیں مغرب کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہے۔

ان کے برخلاف موسوی مذہب پر بہت کچھ مغربی رنگ چڑھ گیا جہاں کہ ایک طرف اس پر یونانی اثرات مغرب سے اور ہندو مذہب کے اثرات مشرق سے پڑے۔ مذہب اسلام مذہب موسوی سے نکلا ہے (اسلام کی بنیاد خصوصیت کے ساتھ مذہبِ موسوی کو قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اسلام کو ہر سچے اور الہامی مذہب سے اتنا ہی گہرا تعلق ہے۔ مترجم) عیسائیت اپنے رنگ روپ میں مغربی ہوچکی ہے، اور ہندو مذہب اور بدھ مذہب ہر لحاظ سے مشرقی ہیں۔ حضرت عیسےٰ کی سیدھی سچی تعلیمات میں، اور نشو و نما یافتہ موجودہ عیسوی مذہب میں جو بین فرق ہے وہ اس اثر کی بالکل صحیح مثال ہے

جو مشرقی مذاہب پر مغرب نے ڈالا ہے۔

زاویۂ نگاہ کا فرق

زندگی کے متعلق مغرب کا زاویۂ نگاہ بہت زیادہ علمی ہے، بہت کچھ ظاہردارانہ ہے۔ اس کا تعلق بیشتر بیرونی اور ظاہری ماحول سے ہے، اور وہ صرف مادی حقائق و معارف سے واسطہ رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف مشرق میں گہرائی اور باطنیت بہت ہے اور وہ بہت کچھ رموز و اسرار کا حامل ہے۔ مغرب ہمارے عملی اور دماغی قوٰی سے تعلق رکھتا ہے اور مشرق نظریوں سے اور روحانیت سے۔ زمانۂ گزشتہ میں مغرب ہدایت اور روشنی حاصل کرنے کے لیے مشرق کی طرف آنکھیں لگائے رہتا تھا، اور مغرب کی مادی چمک دمک نے مشرق کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کردی ہے۔ تخیل کی مخصوص مغربی ترقی نے سب سے زیادہ زور استدلال اور معقولیت پر دیا ہے۔ زمانۂ موجودہ کے ارباب فکر ہر چیز کو علم حساب کے ضابطوں کے ماتحت لانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ لیکن انسان میں کوئی چیز ایسی بھی ضرور ہے جو عقل اور استدلال کے دائرہ میں نہیں آتی، کوئی ایسی چیز جسے معرفت نفس سے تشبیہ دی جاسکے، کوئی ایسی جس کا منطقی اصولوں کے مطابق تجزیہ نہیں کیا جاسکتا، اور یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کی تشریح الفاظ میں نہیں ہوسکتی۔

انسان صرف دل و دماغ کا نام نہیں ہے

انسان فقط دل اور دماغ کی ایک گٹھری ہونے سے بالاتر کوئی چیز ہے اس میں ایک چیز روحانیت بھی ہوتی ہے جو ذہن اور دماغ کی مقرر کی ہوئی تفریقوں اور حدوں کو تسلیم نہیں کرتی۔

مغربی طرزِ خیال میں ایک بات اور بھی ہے۔ یہ بات یونانی اور اطالوی دونوں طرز کے مذہبی تصورمیں پائی جاتی تھی۔ ان دونوں قوموں کے نزدیک مذہب سب سے پہلا ذریعہ تھا سیاسی سعتدی کا، اور وہ اسے لوگوں میں تمدن کے خیال کو نشو و نما دینے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ پادری سرکاری ملازم ہوتا تھا، اور مذہب خدا اور بندہ کے تعلق کا نام نہ تھا بلکہ عوام اور حکومت کے باہمی تعلق کو مذہب کہتے تھے۔ آج بھی مغرب میں یہی تخیل موجود ہے۔ اگر ایک پادری سے یہ کہا جائے کہ آپ کے اطوار عیسائیانہ نہیں ہیں تو اسے اتنا ناگوار نہ گزرے گا لیکن اگر کوئی اس سے یہ کہدے کہ حضور کے اطوار شریفانہ نہیں معلوم ہوتے تو اس کا صبر و تحمل سب مفقود ہوجائیگا۔

باطنی زندگی

جب تک کہ ہم میں یہ ظاہر پرستی موجود ہے اس وقت تک ہمیں اپنے نفس کی معرفت نہیں حاصل ہوسکتی، اور حق یہ ہے کہ اس وقت تک ہم مذہبی آدمی نہیں بن سکتے۔ سچا مذہبی انسان ان تمام ظاہری خرافات سے بہت زیادہ بلندی پر کھڑا ہوکر نیچے کی جانب ان سب پر نگاہ ڈال سکتا ہے، اور ایک ایسی آزاد زندگی کا لطف اٹھا سکتا ہے جو نمود و نمائش اور انانیت کی قیدوں میں جکڑی ہوئی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات مجرم اور گناہگار لوگ ظاہری راست باز انسانوں کی بہ نسبت نجات سے قریب تر ہوتے ہیں۔ وہ ظاہری تصنعات سے بالاتر ہوجاتے ہیں، اور اپنی باطنی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

جن لوگوں کا اعتقاد روحانی زندگی پر ہے وہ اصول و ضوابط کو مذہب کے ماتحت خیال کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب مصنوعی ضابطوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی باطنی زندگی ہے۔ اگر آپ کا یہی اعتقاد ہے تو آپ خواہ کسی مذہب کے پابند ہوں آپ مصنوعی ضوابط سے تغافل برتیں گے اور اپنی تمام توجہ روحانیت پر مرکوز کردیں گے۔

عیسائیت میں انقلاب

مسٹر ہیچ نے اپنی دلچسپ کتاب میں جس کا نام "مذہب عیسوی پر یونانی اثرا

ہے اچھی طرح اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ کس طرح یونانی تخیل نے عیسوی مذہب پر اس کی ابتداء میں اثر ڈالا، اور کس طرح وہ سادہ زندگی جس کی تعلیم مسیح نے دی تھی یونانیوں کے فلسفیانہ دماغ میں پہنچی اور وہاں نشو ونما پاکر باضابطہ دفتری عیسائیت بن گئی اور ان تمام دوسرے مذاہب کی مخالفت بھی اس میں پیدا ہو گئی جن کے معتقدات اس سے جدا گانہ تھے۔

صرف ضوابط پر سارا زور دینے کی وجہ سے مذہبی اداروں کے ہاتھ میں دنیاوی طاقت بھی آگئی اور ایک سیاسی جماعت کو قابو میں رکھنے کا وہ ایک معقول ذریعہ بن گئے۔ انجیل نے یہ تعلیم دی تھی کہ دنیاوی معاملات میں عقلمندی خدا کے حضور میں حماقت کا مرتبہ رکھتی ہے لیکن آجکل نظریوں اور اصولوں تک محدود رہنے والا مذہب ہی ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا ہے۔

رواداری کا فقدان

کچھ عرصہ ہوا لندن کے اسقف اعظم نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے تھے کہ "میں تمام دنیا میں گھوم آیا، اور کوئی دوسرا مذہب ایسا نہ ملا جس نے لوگوں کے ہاتھ میں ہدایت کی شمع دی ہو تاکہ اپنا راستہ دیکھ سکیں۔"

یہ اس ناروادارانہ طرزِ عمل کی ایک مثال ہے جس نے یہ عقیدہ قائم کر دیا ہے کہ خدا نے اپنی ہدایات اور آیات صرف ایک خاص قوم تک محدود کر دی ہیں اور باقی سب قوموں کو کامل تاریکی میں چھوڑ دیا ہے۔

ہیگل نے مذہب عیسوی کے متعلق لکھا ہے کہ آخری اور مکمل مذہب یہی ہے، اور آج بھی بہتیرے انسانوں کا اعتقاد بالکل یہی ہے۔ اگر عام طور پر لوگوں کا یہی عقیدہ نہ ہوتا تو اس قدر زبردست اور منظم کوششیں تبلیغ مذہب کی نہ ہو سکتیں۔ دوسروں کے پاس جاکر انہیں اپنے مذہب کی صداقت کا یقین دلانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ہمیں اس بات کا پورا یقین ہو کہ ہمارا مذہب سب سے بہتر ہے۔

اصلی حقیقت کی تلاش

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمام مذاہب اور تمام فقہیں حقیقت کے صرف محدود مظاہرے ہیں۔ مذہب میں تکمیل کا خیال کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حقیقت مطلق ہر قسم کی حد و نہایت کے دائرہ سے باہر ہے، اور اسکی تلاش کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہر ایک مذہب خدا کی سمت کوئی نہ کسی طرح پر قدم اٹھانے کی علامت اور کبھی ختم نہ ہونے والی جستجو کی ایک کڑی ہے۔

وقت آگیا ہے کہ اب ہم ان مصنوعی اصول و ضوابط کے پیچھے نظر ڈال کر دیکھیں اور اس صداقت و حقیقت کو تلاش کریں جن کی یہ صرف ایک کمزور سی علامت ہیں۔ مشرق و مغرب کو اس جستجو میں متحد ہونا چاہیے۔ اگر مشرق و مغرب کو متحد ہونا ہے اور وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لینے کے آرزومند ہیں تو وہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب دونوں اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں۔ مقصد میں اس طرح ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی کہ ایک اپنے آپ کو دوسرے سے فائق خیال کرے۔ مشرق اور مغرب دونوں کے مذاہب تلاش صداقت کے ارتقاء کی تفسیریں ہیں۔ آج اس قسم کا رجحان پیدا ہو گیا ہے کہ مذہب کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ صورت میں مذاہب حقیقت تک پہنچنے سے مانع آتے ہیں اس لیے انہیں بالکل ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے۔

ایک دوسرے کی خیرخواہی

دوسروں سے لڑ کر یا دوسروں کے نصب العین کو تباہ کر کے ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک دوسرے کی بدخواہی، باہمی بدگمانی، اور آپس کی غلط فہمیاں دور کر دینی چاہئیں۔ مشرقی تہذیب اور مغربی تہذیب دونوں کو قائم رکھنا چاہیے اور دونوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کا احترام کریں اور ایک دوسرے سے اچھی باتیں سیکھیں۔ مثال کے طور پر یہ دیکھیے کہ بدھ کے اثر سے کروڑوں

انسانوں کی زندگیاں زیادہ پاک اور زیادہ شریفانہ ہوگئیں۔ لیکن پھر بھی لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس غیرفانی زندگی کی یادگاروں کو مٹا دیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہیں مٹا کر وہ گویا صرف اللہ کی بہبود کا کوئی کام انجام دے رہے ہیں۔ اب روس میں بولشویک جماعت مذہب عیسوی کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کوشش میں مصروف ہیں کہ تمام دنیا کو ایک بدھ یا ایک عیسے کا پیرو بنا دیں۔ حقیقت کے طالب کے لیے یہ چیز ناخوشگوار ہے کیونکہ صداقت یا حقیقت کا کوئی سا ایک رخ ہر قسم کے دل و دماغ کیلیے اور ہر قسم کے احوال میں تسلی بخش نہیں ہوسکتا۔ سچا مذہب بنی نوع انسان کی محبت میں مضمر ہے۔ ہر انسانی فرد کو اس شمع حقیقت کا ایک جلوہ سمجھکر ہر سچے انسان پر یہ فرض عائد ہوجاتا ہے کہ وہ حق و صداقت کی تلاش میں ہر شخص کی مدد کرے اور دوسروں کے راستہ کی رکاوٹ نہ بنے۔ جو لوگ سچے مذہب کے پیرو ہیں وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ روحانیت سب میں موجود ہے، اور یہ کہ صداقت کی تلاش اور خدا تک پہنچنے کی کوشش میں ہر روح کو کامل آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ جس حد تک کہ تمام دنیا ایک مذہب پر آسکتی ہے اس حد تک ہم اسی طرح پہنچ سکتے ہیں کہ ان اصولوں کو ہم اپنے مذہب کے بنیادی اصول بنالیں ۔



تعارفِ جاہلانہ

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

کیا نام کہ "پریس ایکٹ" یعنی دبانے والا قانون نافذ ہوگیا ہے، **فلھذا** حاجی صاحب کوئی چیز از قسم اسپاچ و لیکچر و پند و موعظت و تقریر و تحریر سیاسی یا غیر سیاسی، تمدنی و اخلاقی و معاشرتی وغیرہ کچھ نہیں فرمائیں گے۔ یہ چند کلمے لکھدیے گئے تا کہ سند رہے اور عند الضرورت کام آئے۔

الحـــــل

حاج الحرمین الشریفین مختصراً حاجی بغلول مرحوم و مغفور



ادائے فرض میں غفلت

(از سعید بریلوی)

ہندوستان میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص اپنی ذمہ داری اور اپنے فرض کا احساس بہت کم ہوگیا ہے۔ ہم پر بعض کام اور بعض باتیں ہمارے پیدا کرنے والے کی طرف سے فرض کر دی گئی ہیں انہیں ہم اپنی اصلاح میں حق اللہ کہتے ہیں اسی طرح اس دنیا میں با امن زندگی بسر کرنے کے لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے عزیزوں، اپنے دوستوں، اپنے ہموطنوں، اپنے حکمرانوں، اپنے محکوموں اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اس طرح پیش آئیں کہ ان کے لیے باعثِ تکلیف نہ ہیں، اور دوسرے انسانوں کے یہ تمام حقوق حق العباد کہلاتے ہیں۔

ایک اچھا اور نیک انسان بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم حقوق اللہ کو بھی سچے دل سے ادا کرتے رہیں، اور حقوق العباد کے ادا کرنے میں بھی کبھی ہم سے کوتاہی نہ ہو۔ لیکن آج حالت یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کے حقوق سے بھی چشم پوشی کر لی ہے اور انسانی حقوق سے بھی۔ اس زمانے میں اللہ کے حقوق ادا کرنے کے لیے اگر کوئی کھڑا ہوتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ انہیں اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے اور ادائے فرض کو ضروری خیال کرتا ہے، بلکہ اس لیے کہ دوسرے لوگ یہ دیکھکر کہ وہ اللہ کے حقوق برابر ادا کرتا رہتا ہے اسے ایک بزرگ اور قابل تعظیم ہستی خیال کرنے لگیں۔ یہ حالت ہرگز رونما ہوتی اگر ہر شخص خوشی سے اللہ کے حقوق ادا کر دیا کرتا کیونکہ جب سب کے سب نمازی اور سب کے سب روزہ دار ہوتے تو کسی ایک کو کسی دوسرے پر فوقیت حاصل ہونے کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا، لیکن بحالت موجودہ جبکہ عام طور پر لوگ ادائے فرض میں کوتاہی کرتے ہیں تو وہ تھوڑی سی ہستیاں جو نماز و روزہ کی پابندی کی تکلیف گوارا کر لیتی ہیں خواہ مخواہ بھی دوسروں سے بہتر بن جاتی ہیں، اور دوسروں سے بہتر بن جانے کا شوق بہت سے لوگوں کو اس بات پر ابھار دیتا ہے کہ خلوت میں خواہ کچھ بھی کرتے رہیں لیکن جلوت میں جب کبھی ظاہر ہوں تو تسبیح ہاتھ میں ہو، اور مصلا ساتھ میں۔

جو لوگ کہ اللہ ہی کے حقوق ادا کرنے سے جی چراتے ہیں ان سے یہ اُمید کس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ انسانوں کے حقوق ادا کر دینگے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مسلمان اب اس خوشی کے ساتھ دوسروں کے حقوق ادا نہیں کرتے کہ جس خوشی سے انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا۔ والدین اولاد کو مناسب اور

صحیح تربیت نہ دیکر ان کے حقوق غصب کرتے رہتے ہیں، اولاد کو ماں باپ کے حقوق ادا کرنے میں تساہل ہوتا ہے، میاں بیوی ایک دوسرے کے حق ادا کرنے میں دریغ کرتے ہیں، پڑوسی پڑوسی کے حقوق کی جانب سے بے پروائی برتتا ہے، دوستوں کو دوستوں سے حق ناشناسی کی شکایت ہے، آقا کم سے کم تنخواہ دیکر ملازم سے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرے، اور خدمتوں کی انجام دہی سے جس حد تک اپنے آپ کو بچا سکتا ہو بچائے رکھے۔

قوم اور وطن کی طرف سے بھی ہم پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہمنے اپنے ان فرائض کو کسی حد تک بھی انجام دیا ہے۔ قوم اپنے بچوں کی حالت کی درستی اور اصلاح کے لیے کب سے ہماری طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہے لیکن ہم ہیں کہ ہمیں اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے اور اپنے جسم کو طرح طرح کے آرام پہنچانے سے اتنی فرصت ہی نہیں کہ ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی کام کریں۔ یہی نہیں بلکہ ہماری خودبینی اور خود پرستی ہمیں اس بات پر بھی آمادہ کردیتی ہے کہ اگر دوسرے کوئی ایسا کام کر رہے ہیں تو ان کے راستہ میں روڑے اٹکادیں۔ وطن کو ہمارا آسرا تکتے اور ہماری غیرت و خودداری سے غلط امیدیں قائم کرتے آج دو سو برس ہوگئے، اور اس عرصہ میں اسے قبضۂ غیرت آزاد کرانا تو کجا ہم سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اسے تباہ و برباد ہونے ہی سے روک لیتے۔

یہ کہنا تو یقیناً کسی حد تک مبالغہ میں داخل ہے کہ ہماری تمام تباہی و بربادی کا باعث صرف ہماری یہ فرض ناشناسی کی عادت ہے لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ہماری بہت سی خرابیوں کیلیے صرف یہی ہماری عادت ذمہ دار ہے۔ ہماری بہت سی تباہیاں اور خرابیاں آج دور ہوسکتی ہیں اگر ہم سب اپنے فرائض کو پہچاننے اور انہیں خلوص دل سے ادا کرنے لگیں۔

گُل و بُلبُل

(از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

صبح دم اک طائرِ شکوہ سرا　　　یوں گُلِ شاداب سے کہنے لگا
اللہ اللہ! آج ہے کیا ہی نکھار　　　تیرے رنگ رُخ سے اُبلتی ہے بہار
گوکہ ہے اے پھول! تو جانِ چمن　　　تیرے دم کے ساتھ ہے شانِ چمن
اتنی خوبی پہ مگر اے نازنیں!　　　تیرے سینے میں دلِ حق بیں نہیں
چاہنے والے سے بیگانہ ہے تو　　　اپنی ہی صورت کا دیوانہ ہے تو
رحم کی عادت تجھے اصلا نہیں　　　کوئی مرجائے مگر پروا نہیں
میری جانِ زار پر کچھ رحم کر　　　بے نیازی کی ادا سے درگزر
خوش کوئی دم خاطرِ ناشاد ہو　　　دل کا یہ اُجڑا نگر آباد ہو

جب وہ طائر شوق اپنا کہہ چکا　　　مسکرا کر پھول نے اُس سے کہا
صاف گوئی کا تری کچھ غم نہیں　　　تو نے جو باتیں کہیں سب سچ کہیں
لیکن اے مجروحِ شمشیرِ ستم!　　　تجھکو میری ہی محبت کی قسم
میں نہیں سمجھا یہ سمجھا دے مجھے　　　یا کوئی تمثیل دکھلا دے مجھے
حُسن و اُلفت کی ہوئی جب سے نمود　　　جب سے دنیا میں ہے دونوں کا وجود
عاشقوں نے کب کسی معشوق سے　　　اس طرح کے تلخ تر جُملے کہے؟
کیا اسی کا نام ہے آنِ وفا　　　کیا اسی کو کہتے ہیں شانِ وفا؟
بھولتا ہے عشق پیمانِ الست　　　اُس کی ہمت ہو چکی ہر چند پست

ہے وہی گرمی مزاجِ حُسن کی
میں نہ بدلا ہوں نہ بدلوں گا کبھی



غسل

(از سعید بریلوی)

بدنصیبی سے ہم لوگوں میں غُسل کے متعلق بہت سے عجیب عجیب خیال پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ حالت اگر ترقی کرتی گئی اور یہ خیالات اگر نہ بدلے تو تعجب نہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آجائے کہ جب ہم لوگ بھی عیسائی راہبوں کی طرح مرتے وقت بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا کریں کہ "خدا کا فضل میرے شاملِ حال رہا اور میں نے اپنی تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ اپنی اُنگلیوں کے پورے پانی میں ڈبونے کا گناہ کیا ہے"

سب سے زیادہ تعجب اس بات کا ہے کہ لوگ اکثر و بیشتر اس لیے نہانے سے پرہیز نہیں کرتے ہیں کہ ان کے مزاج میں کاہلی ہے یا یہ کہ وہ میل اور غلاظت کو اچھا خیال کرتے ہیں بلکہ اسکے برخلاف نہانے سے پرہیز طبی بنا پر کیا جاتا ہے اور عام طور پر یہ بات لوگوں کے ذہن نشین ہو گئی ہے کہ نہانا صحت کے لیے مُضر ہے - یہ خیال کس نے پھیلایا ؟ اور کیوں عوام میں پھیلا ؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اب بہت سے اچھے خاصے تعلیم یافتہ اصحاب کی زبان سے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات سُننے میں آجاتے ہیں۔

نہانے کے متعلق یہ بدگمانی بہت ہی عام ہے کہ اسکی وجہ سے بخار آجاتا ہے اور کھانسی، نزلہ اور زکام تو اگر نہانے کے آٹھ روز بعد ہو تب بھی اسکا الزام اسی غسل کے سر رہتا ہے۔ نہانے میں چونکہ ایک خفیف سی سردی محسوس ہوتی ہے اور سردی لگنے کی وجہ سے کھانسی زُکام ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں اس لیے غالباً لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ غسل کرنے سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ مجھے ایک سے زیادہ ایسے اصحاب ملے ہیں جو شروع نومبر سے لیکر آخر فروری تک گویا سردی کے پورے چار مہینوں میں ایک مرتبہ بھی غسل نہیں کرتے اور ایسے بزرگ تو درجنوں ہیں جو موسم سرما میں صرف آٹھویں دن نہاتے ہیں۔ میں ایک ایسی ہستی سے بھی واقف ہوں جو گرمی کے موسم میں بھی کبھی شاذ و نادر ہی نہانے کی غلطی کیا کرتے ہیں اور برسات اور جاڑے میں تو ظاہر ہے کہ انہیں غسل کا کبھی خیال بھی نہ آتا ہوگا۔

غنیمت ہے کہ ایسے اصحاب کی تعداد ابھی اتنی کم ہے کہ نہ ہونے ہی کے برابر ہے اور زیادہ تعداد انہی لوگوں کی ہے جو اگر روز نہیں تو ہر تیسرے روز تو ضرور ہی نہاتے رہتے ہیں، اور گرمیوں میں تو دن میں کئی کئی مرتبہ نہانے کی نوبت پہنچ جاتی ہے غسل کو ایک غیر ضروری مشغلہ خیال کرنے اور اسکی جانب اس قدر بے پروائی برتنے کا سبب

بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ غسل کے فائدوں سے عام طور پر واقف نہیں ہیں، اور گرمی کے موسم میں بکثرت نہانے کا سبب صرف یہ خیال ہوتا ہے کہ اس طرح جسم کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے جسم کی کھال میں قدرت نے بے شمار باریک باریک سوراخ پیدا کیے ہیں۔ ان سوراخوں سے ہمیں دو فائدے پہنچتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے راستہ سے آکسیجن گیس کی ایک خفیف سی مقدار ہمارے خون میں پہنچتی اور اس طرح اسے صاف کرتی رہتی ہے، اور دوسرا یہ کہ انہی سوراخوں کے راستہ سے ہمارے خون کے خراب اجزاء پسینہ کے ہمراہ خارج ہوتے رہتے ہیں۔ گویا فی الحقیقت یہ سوراخ ہماری جلد کیلیے وہی کام کیا کرتے ہیں جو باقی تمام جسم کے لیے ہمارے پھیپھڑے انجام دیتے ہیں یعنی باہر کی ہوا سے آکسیجن حاصل کر کے خون کو دینا اور خون کے ناکارہ اور مضر اجزاء کو نکال کر باہر پھینکنا۔

ہماری جلد کے یہ ہزارہا سوراخ اگر کسی وجہ سے بند ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ ایک طرف تو آکسیجن جس پر ہماری زندگی کا انحصار ہے ہمارے خون کو کافی مقدار میں میسر نہ آ سکے گی اور دوسری طرف خون میں سے اسکے خراب اور مضر اجزاء علیحدہ ہو کر جسم سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ہماری تندرستی بہت کچھ اسی بات پر منحصر ہے کہ ہمارا خون ہر وقت ٹھیک طور پر صاف ہوتا رہے، اور اگر اسکی صفائی میں فرق آیا تو لازمی طور پر ہماری صحت میں کسی نہ کسی قسم کا فتور لاحق ہوگا۔

بدن پر پسینہ اور خاک مٹی ہر وقت جمتے رہنے سے ہماری جلد کے یہ مسامات بند ہو جاتے ہیں اور آکسیجن کو اندر جانے کیلیے راستہ نہیں ملتا۔ اگر یہ خاک مٹی اور میل دور نہ کیا جائے اور اسکی تہوں پر تہیں چڑھتی رہیں تو ہوا اور مسامات کے درمیان ایک اچھی خاصی موٹی دیوار قائم ہو جاتی ہے اور ذرا سی بھی آکسیجن ان راستوں سے خون تک نہیں پہنچتی۔ لیکن اگر ہم صبح و شام دونوں وقت، اور دونوں وقت اگر ممکن نہ ہو تو کم سے کم ایک وقت اس خاک مٹی اور میل کو دھو کر صاف کر دیا کریں تو ہماری جلد کے مسامات ہمیشہ کھلے رہیں اور خون کو ہوا میں سے اسکی غذا برابر ملتی رہے۔

نہانے کے لیے عام طور پر صبح کا وقت بہت اچھا خیال کیا جاتا ہے، اور اس میں شک بھی نہیں کہ صبح سویرے نہا لینے سے انسان ایک بڑی حد تک چست و چالاک ہو جاتا ہے، اور تمام دن طبیعت خوش رہتی ہے، لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر صرف ایک وقت روزانہ نہانا ہو تو رات کا کھانا کھانے سے پہلے نہانے کا بہترین وقت ہے۔ اس وقت نہانے سے دن بھر کی تکان بھی رفع ہو جاتی ہے اور دن بھر میں بدن پر جس قدر میل جمع ہوا ہے وہ بھی دھل جاتا ہے، اور چونکہ جاڑوں کے علاوہ اور کسی موسم میں رات کے وقت جسم پر بہت سے کپڑے بھی نہیں ہوتے اس لیے اگر اس وقت مسامات کھلے ہوئے ہوں تو دن کی بہ نسبت بہت زیادہ آکسیجن خون میں پہنچ سکتی ہے۔ یہ بات دن میں مسامات کھلے ہونے کے باوجود بھی میسر نہیں آ سکتی کیونکہ دن بھر ہمارے بدن پر بہت سے کپڑے لدے رہتے ہیں اور ہوا کو جلد تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ غسل کرنے کے بعد رات کو نیند بھی خوب اچھی آتی ہے، اور چونکہ رات کو گرد و غبار کی بھی اتنی کثرت نہیں ہوتی اس لیے مسلسل آٹھ دس گھنٹوں تک بدن خوب صاف رہتا ہے۔

گرم پانی کی بہ نسبت سرد پانی سے غسل کرنا زیادہ مفید ہے لیکن کمزور مریضوں کو اور تین سال سے کم عمر کے بچوں کو گرم ہی پانی سے غسل کرانا چاہیے۔ غسل کے وقت پانی کی سردی کے اثر سے ہماری جلد اور ہمارے بدن کے عضلات خوب اچھی طرح سکڑ جاتے ہیں اس لیے اس عمل سے ان کی طاقت بڑھتی ہے۔ گرم پانی سے مسامات خوب پھیل جاتے ہیں اور جلد میں جو خون کی رگیں ہیں وہ بھی پھیل جاتی ہیں۔ ان رگوں کے پھیلنے کی وجہ سے خون ان میں زیادہ مقدار میں آنے لگتا ہے اور دماغ میں بحصہ رسدی کم پہنچتا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیر تک گرم پانی سے غسل کرنے کی وجہ سے غشی یا بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ گرم پانی کے ٹب میں بیٹھ کر نہانا ہو تو آٹھ منٹ سے زیادہ نہ بیٹھنا چاہیے۔

پھوڑے پھنسیاں، داد، کھجلی، چھاجن، اور رنگ زیبی، اور دنبل وغیرہ سب ایسی بیماریاں ہیں جن میں باہر کی غلاظت مسامات کی راہ سے جلد کے اندر جذب ہوتی اور خرابیاں پیدا کرتی ہے، اور اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر بعض مخصوص اثرات سے قطع نظر کر لیں تو گویا باقاعدہ غسل کرنے والے لوگ اس قسم کے امراض سے بالکل محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بیماروں کو نہلانے دُھلانے کے متعلق بھی ہمارے ملک میں بہت سے عجیب

وغریب خیالات پھیل گئے ہیں، اور ان کا نتیجہ یہ ہے کہ بیچارے مریضوں کو مہینوں بھی غسل میسر نہیں آتا۔ یہ خیالات تمام تر لغو اور بے بنیاد ہیں، اور بعض مخصوص حالتوں کے علاوہ کہ جب حکیم یا ڈاکٹر ممانعت کر دے اور کسی حالت میں بھی مریض کو غسل دینا مضر نہیں ہو سکتا۔ مریضوں کو تندرستوں کی طرح بٹھا کر نہلانا چونکہ دشوار بھی ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صحت کے لیے اندیشہ ناک بھی ہو اس لیے اس کے جسم کا میل اس طرح آسانی دور کیا جا سکتا ہے کہ گرم پانی میں تولیہ بھگو کر جسم کا ایک ایک حصہ صاف کرتے اور پھر پونچھ کر خشک کرتے جائیں۔ جو مریض کمزور نہیں ہیں اور دیر تک بیٹھے رہ سکتے ہیں انہیں تندرستوں کی طرح بھی نہلایا جا سکتا ہے۔ مریض کو صاف خون کی ضرورت تندرستوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے اس لیے انہیں اکثر نہلاتے رہنا بہت ضروری ہے۔

گرم اور سرد پانی کے غسل کے ذریعہ سے بہت سے امراض کا علاج بھی کیا جاتا ہے جن میں سے صرف دو کا ذکر یہاں کر دینا ضروری ہے۔ ہندوستان میں شدید گرمی کے اثر سے بہت سے لوگوں کو بخار آجایا کرتا ہے جسے لو لگنا کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں درجۂ حرارت بہت ہی اونچا ہو جاتا ہے اور اس کا بہترین علاج یہی ہے کہ مریض کو ننگا کر کے خوب ٹھنڈا پانی مشک کے ذریعہ سے اس پر ڈلوایا جائے۔

گردہ کے درد کی حالت میں مریض کو گرم پانی کے ٹب میں اس طرح بٹھانے سے کہ ناف سے لیکر نصف رانوں تک بدن پانی کے اندر ہو، بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔

بچوں کو اگر شروع ہی سے روزانہ نہانے کی عادت ڈالدی جائے تو پھر وہ طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے اور وہ مدت العمر اس عادت کو نہیں چھوڑتے۔

مطائباتِ آزاد

(از جناب حکیم آزاد انصاری)

شکوۂ غم بجا نہیں۔ نہ سہی　　حکمِ چون و چرا نہیں۔ نہ سہی
سینکڑوں خوبیوں کے مالک ہو　　اب اگر اک وفا نہیں۔ نہ سہی
دل ازل سے تراشناسا ہے　　آنکھ شکل آشنا نہیں۔ نہ سہی
آپ کا تو پتا لگا ہی لیا　　اب جو میرا پتا نہیں۔ نہ سہی
صبر کی تاب تو عطا فرما　　جبر کی انتہا نہیں۔ نہ سہی
ترکِ حاجت بھی ممکنات سے ہے　　کوئی حاجت روا نہیں۔ نہ سہی

رند ہوں اور رندِ پاک نہاد
متقی پارسا نہیں۔ نہ سہی



ہمارے افلاس کا سبب

اپریل کے "ماڈرن ریویو" میں مسٹر صوبیدار کا ایک فاضلانہ مضمون شائع ہوا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

" ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملک میں موجود ہے جو پورے سال بھر برسر روزگار نہیں رہتے، اور ان سے بھی زیادہ بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو سال بھر میں قطعاً کوئی بھی مفید کام یا مزدوری نہیں کرتے وقت اور قوتِ عمل کی یہ تضیع اس حد تک بڑھ گئی کہ اگر لوگوں کو مدتوں کوئی باقاعدہ کام نہ ملے تب بھی انہیں کچھ پروا نہیں ہوتی۔ یہی نہیں بلکہ بیکار پڑے رہنے کو اچھا سمجھا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص کام کیے بغیر کچھ مدت تک معقول طور پر کسی نہ کسی طرح اپنا خرچ چلاتا رہے تو دوسرے اسے رشک اور حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بے روزگار بہر حالت و بہر صورت قوم اور جماعت کی گردن پر ایک بوجھ ہیں، اور اس بوجھ کو اگر علے الاعلان اُٹھایا جاتا تو بہت بہتر تھا تاکہ جماعت کے رہنما واقف ہو سکتے کہ قوم پر کیا کچھ گزر رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ بوجھ لاد بھی لیا جائے اور حالات کی اصلاح کے مسئلہ کی طرف کسی کو توجہ بھی نہ ہو"

لارڈ لٹن اور ہندوستان

لارڈ لٹن نے "نائن ٹینتھ سینچری اینڈ آفٹر" میں ایک مضمون شائع کرایا ہے جس میں برطانوی پارلیمنٹ کی حالاتِ ہند سے ناواقفیت کی شکایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

" ہندوستان کی مختلف جماعتوں کی سرگرمیوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ بعض ایسے حالات کو کہ جو ہندوستان کے مسئلہ کی خصوصیات ہیں پیش نظر رکھا جائے سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کو ایک منظم سلطنت کی صورت میں دیکھنے کی آرزو جو سیاسی طور پر آزاد ہو جس پر خود اہلِ ملک کی حکومت ہو جسے بدیشی حکمرانی کی ضرورت نہ ہو، جسے اپنے نظم و نسق پر پورا اختیار ہو، جو اپنی حفاظت کی خود ذمہ دار ہو اور جو دنیا کی دوسری سلطنتوں میں مل کر اپنے معاملات کو خود پیش کر سکے، صرف

ایک چھوٹی سی جماعت کی آرزو نہیں ہے جسے کانگریس کہا جاتا ہے بلکہ ہندوستان کے ہر طبقہ اور ہر خیال کے لوگوں کی آرزو ہے جن میں سوراجی اور آزاد خیال ہندو اور مسلمان سب شامل ہیں۔ اس لیے وہ نصب العین جس کا اعلان کرتے کانگریس کو تقریباً پچاس سال گزر چکے اس نے تمام تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی ہمدردی حاصل کر لی ہے حتیٰ کہ ان لوگوں کی ہمدردی بھی اسے حاصل ہے جو کانگریس کی تجاویز سے اختلاف اور اس کے طریقہ کار سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔

ایک نمایندہ حکومت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جن چند نمائندوں کو منتخب کیا جائے ان پر سارے عوام کو بھروسا ہو، اور یہ چند منتخب لوگ اس بات پر آمادہ ہوں کہ اپنے حلقہ ہاے انتخاب کے مفاد کو پیش نظر رکھکر اپنی انتہائی قابلیت کے ساتھ کام کریں۔ ہندوستان میں یہ ضروری شرطیں شاید ہی کبھی پوری ہوتی ہوں۔ ہندوستان کے مختلف اور متضاد عناصر کو یکجا کر کے ایک سیاسی حکومت قائم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ باہمی صلح و سازگاری اور مشترکہ فوائد کے لیے متحد ہو جانے کی تمنا سب کے دلوں میں ہو۔ آجکل یہی تمنا ہندوستان میں مفقود ہے۔ اشتراک عمل ایک ہندوستانی کیلیے سب سے مشکل کام ہے۔ اس لیے اس نے ترک تعاون اختیار کر لیا ہے اور اسی کو سچی حب وطن کی آزمائش قرار دیدیا ہے۔ ایک سوراجی سیاست داں اس بات کا مدعی ہے کہ وہ صرف ایک شیطانی حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا، مگر اس کا عمل یہ ہے کہ خود اپنے اہل ملک کے ساتھ بھی تعاون کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہر ہندوستانی کا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے تمام ہندوستان کی طرف سے کہہ رہا ہے۔ لیکن ایسی باتیں بہت ہی کم ہیں جن پر دوسرے ہندوستانی اس کی راے میں شریک ہو جائیں اور اسے درست تسلیم کر لیں۔ قانون بنانے والی مجلسوں میں وزیروں کا انتخاب اکثریت سے ہوتا ہے لیکن عہدہ قبول کر لینے کے بعد وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے پیرو ان سے اس بات کے متوقع ہیں کہ وہ اپنے پیرووں کی ہدایت کے مطابق کام کیا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں جسے نمائندہ کہا جاتا ہے وہ نمائندہ نہیں بلکہ مندوب ہوتا ہے۔

مضمون کے آخر میں لارڈ لٹن لکھتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو ان کے نصب العین تک پہنچا دینا درحقیقت برطانوی سیاست دانی کی ایک بہت بڑی فتح ہوگی لیکن اگر راستہ میں عملی دشواریاں جو بکثرت موجود ہیں پیش آئیں تو ان پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ ہندوستانی ایک دوسرے پر کامل اعتماد کا اظہار کریں اور اس بات کو گرہ میں باندھ لیں کہ قومیں صرف نکتہ چینی اور حرف گیری کے ذریعہ سے نہیں بنا کرتیں۔

رائیں کسطرح قائم کیجاتی ہیں

سہ ماہی رسالہ "وسواابھارتی" میں مسٹر آر۔ لے۔ رینالڈس نے بہت دلچسپ انداز میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ قومیں ایک دوسرے کے متعلق کسطرح رائیں قائم کیا کرتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک انگریز اپنی عمر میں پہلی مرتبہ فرانس گیا تھا اور وہاں کیلے کی بندرگاہ پر اس نے ایک فرانسیسی کو دیکھا جس کے سرخ بال تھے، ایک ٹانگ لنگڑی تھی اور ارغوانی رنگ کی صدری پہنے تھا۔ یہ دیکھکر اس نے انگلستان میں اپنے رشتہ داروں کو خط میں یہ لکھکر بھیجا کہ فرانسیسی عجیب قسم کے انسان ہوتے ہیں، ان کے بال بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہوتے ہیں، ٹانگ صرف ایک ہوتی ہے اور ارغوانی رنگ کی صدریاں پہنتے ہیں۔ مسٹر رینالڈس لکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑی حد تک یہ قصہ خصوصیت کے ساتھ انگریزی ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے، لیکن انگریزوں ہی پر منحصر نہیں ہے، یہ ذہنیت ایک حد تک عالمگیر ہے مشرق نے مغرب کے متعلق اور مغرب نے مشرق کے متعلق اسی اصول کے مطابق رائیں قائم کی ہیں۔"

(شیخ احسان الحق منیجنگ ڈائرکٹر حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ پرنٹر و پبلشر نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

جولائی ۱۹۳۰ء
جلد ۲ نمبر ۷

میا را بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز حیاتِ جاوداں اندر ستیز است
(اقبال)

باتصویر ماہوار رسالہ

کامیابی

دہلی

سالانہ قیمت تین روپے - ششماہی ایک روپیہ دس آنے - ممالک غیر سے للعہ مع محصول

SA27/30

فہرست مضامین

(شیخ احسان الحق مینیجنگ ڈائرکٹر حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ پرنٹر و پبلشر نے مرزا محبوب بیگ کے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)



کامیابی کے مضامین

ماہانہ پرچوں کے متعلق ایک دقت یہ بہت ہی بڑی ہے کہ وہ ایک مہینہ کی طویل مدت کے بعد شائع ہوتے ہیں اور اس طرح بہت سے ایسے مضامین کہ جو کسی وقتی مسئلہ سے تعلق رکھتے تھے اور اگر وقت پر شائع ہو جاتے تو بہت ہی دلچسپ اور مفید بھی ثابت ہوتے۔ اتنا عرصہ دراز گزر جانے کے بعد یا تو بالکل ہی بیکار ہو جاتے ہیں یا اگر کسی حد تک کارآمد بھی رہیں تو غیر دلچسپ ضرور ہی بن جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی رسالہ کسی اتفاقی سبب سے مجبور ہو کر اپنی اشاعت میں ایک مہینہ پیچھے رہ جائے تو اس کے لیے یہ مصیبت دوچند ہو جاتی ہے۔

پریس آرڈیننس کے نفاذ کے موقع پر "کامیابی" کا ایک نمبر شائع نہ ہو سکا تھا اور انتہائی کوشش کے باوجود اس وقت تک بھی اس کی اشاعت صحیح وقت پر نہیں آئی ہے۔ اس لیے مضامین کے متعلق اسے کافی دقتیں محسوس ہو رہی ہیں۔

بہرحال اب جو کچھ بھی ہو ستمبر کا پرچہ انشاءاللہ ضرور صحیح وقت پر نکلنا ہے اور موجودہ حالات امید بھی دلا رہے ہیں کہ ہماری کوششیں بار آور ہو کر رہینگی۔ ہماری راہ کی سب سے بڑی مشکلات "کامیابی" کے مضامین ہیں۔ چونکہ "کامیابی" ایک خالص ادبی پرچہ نہیں ہے اس لیے ملک کے نامور اور مستند ادیب اس کی طرف نگاہِ التفات اٹھاتے کسی قدر ہچکچاتے ہیں اور ایسے پرچہ کے لیے کچھ لکھنا کہ جس میں "کام کی باتیں" ہوں اپنی تضیعِ اوقات خیال کرتے ہیں۔ دوسری طرف مصیبت یہ ہے کہ "کامیابی" بھی آنکھ بند کر کے ہر ایسے مضمون کو چھاپ دینے کے لیے تیار نہیں ہے کہ جو "بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب کامیابی دہلی" کا پتہ لکھکر ڈاک میں ڈال دیا جائے۔ "کامیابی" کا ایک اپنا مخصوص مقصد ہے اور اس کا اپنا ایک خاص معیار۔ صرف وہی مضامین اس میں جگہ پاتے اور پا سکتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں اس کے مقصد کو پورا کرتے ہوں۔

خالص ادبی مضامین کے لیے بھی "کامیابی" کی آغوشِ شوق کشادہ رہتی ہے اور اگر حقیقتاً اچھے مضامین ہوں تو انہیں انتہائی احترام کے ساتھ اس کے اوراق پر جگہ ملتی ہے، لیکن ایسے مضامین کہ جو "کامیابی" کے مخصوص مقصد سے بھی تعلق نہ رکھتے ہوں اور ادبی لحاظ سے بھی ان کی کچھ واجبی ہی سی قدر و قیمت ہو انہیں اس دفتر میں بھیجنا صاحبِ مضمون کے لیے تضیعِ زر ہے اور غریب ایڈیٹر کے لیے باعثِ تضیعِ اوقات۔ ان کے بھیجنے سے اگر کسی کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے تو وہ ڈاک کا محکمہ جس کی آمدنی میں چند پیسوں کے بقدر اضافہ ہو جاتا ہے۔

ان تمام دقتوں کے باوجود خدا کا شکر ہے کہ "کامیابی" کسی نہ کسی طرح اچھے مضامین اور دلچسپ نظمیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ اس پرچہ میں کاؤنٹ طالسطائی کا ایک مختصر افسانہ ہے جو جناب ظفر قریشی کی زبانِ قلم سے آپ سنیں گے۔ جناب ظفر ایک بہت ہی ہونہار نوجوان ہیں اور ملک کا شاید ہی کوئی پرچہ ہو جو آپ کے فیضانِ تحریر سے محروم رہتا ہو۔

"نازک اندامانِ کالج سے" ایک نظم ہے اور بہت ہی اچھی نظم ہے

اب شبیر حسین خاں صاحب جوشؔ ملیح آبادی ملک کے مشہور ترین شعراء میں سے ہیں حق یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ یہ نظم ہمارے اس خیال کا بیّن ثبوت موجود ہے اس لیے اور کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

"پارہائے جگر" جناب جگرؔ بریلوی کا پاکیزہ کلام ہے۔ ادبی دنیا آپکے نام نامی سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکی ہے اور اب آپ کی ذات کسی مزید تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

"آنسو" ایک مختصر اور پر معانی نظم ہے جو جناب اندرجیت صاحب شرؔما کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ شرؔما صاحب آہستہ آہستہ اپنے لیے شعراء ملک کی صفِ اولین میں جگہ نکال رہے ہیں اور وہ دن بہت دور نہیں کہ جب عروسِ کامیابی آپ سے ہمکنار ہو گی۔

"مشعلِ کامیابی" جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا وہی مسلسل مضمون ہے جو کئی اشاعتوں سے برابر چل رہا ہے۔ اس قدر دقیق علمی مضمون کو ایسی سلیس عبارت میں لکھ جانا حق یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہی کا حصّہ ہے۔

"خواہ کچھ بھی ہو آزاد رہو" مشہور و معروف مضمون نگار سویٹ ماڑڈن کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے اور اس قدر اچھا ترجمہ کرنے کے لیے جناب ماسٹر شفیع الدین صاحب نیّرؔ مستحق مبارکباد ہیں۔ جناب نیّرؔ اس سے پیشتر بھی "کامیابی" پہ کرم فرماتے رہے ہیں اور محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔

"محنت سے جی چرانا" جناب خورشید ہاشمی کا مضمون ہے اور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں قوم کا سچّا درد موجود ہے۔

"دوسروں کے خیالات" کے تحت کئی ایک اقتباسات بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں۔

"تعارفِ جاہلانہ" عنوان آپ جناب حاجی بلیغ العلٰی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ریزشِ قلم ہے اور آپ اپنا تعارف خود کرا لیتے ہیں۔

سائمن کمیشن کی رپورٹ

خدا ہی جانے کہ اس کمیشن کا تقرر کونسی منحوس ساعت میں عمل میں آیا تھا کہ شروع سے لیکر اس وقت تک پہلے خود اس کمیشن پر اور اب اس کی مرتب کردہ رپورٹ پر ہر چہار طرف سے لعن طعن ہو رہی ہے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے دور باش کی صدائیں آ رہی ہیں۔ ملک کے اربابِ فکر کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جسے اس کمیشن سے بہت کچھ امیدیں تھیں، اور ان کی مایوسیاں یقیناً بہت کچھ ہمدردی کے قابل ہیں۔

نہرو رپورٹ کو بُرا کہنے اور مسترد کرنے والوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی اور مسلمانوں میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو اسے بُرا کہتے تھے، پھر بھی ان کی چھ کروڑ آبادی میں سے کم از کم تیس فیصدی ایسے لوگ ضرور موجود تھے جو اس سے مطمئن تھے۔ لیکن اس اختر سوختہ رپورٹ کی حمایت کرنے والا اس وقت ہندوستان کی تینتیس کروڑ کی آبادی میں ایک بھی نہیں ہے۔ ایک مولینا شوکت علی صاحب ایسے تھے جنہوں نے بغیر پڑھے ہی اس کے متعلق اپنے اطمینان کا اظہار فرما دیا تھا، لیکن اب شاید اس رپورٹ کو "پڑھ لینے کے بعد" ان کی رائے بھی بدل گئی ہے اور دبی زبان سے سہی لیکن فرما انہوں نے بھی دیا ہے کہ کمیشن کی سفارشات ناکافی ہیں، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ کچھ فکر و اندیشہ کی بات نہیں ہے "ہم اپنے باقی تمام مطالبات گول میز کانفرنس میں منوا لیں گے۔ ایک بہت پُرانی مثل ہے کہ "رہ گئی بات تھوڑی، زین لگام اور گھوڑی۔ چابک تو مل ہی گیا ہے"۔ یہ مثل کمیشن کی رپورٹ اور مولینا شوکت علی صاحب کی توقعات پر اچھی طرح صادق آتی ہے کیونکہ سُنا ہے کہ مسلمانوں کے چودہ مطالبات میں سے کمیشن نے تقریباً آدھا مطالبہ تو منظور کر ہی لیا ہے۔ اب صرف ساڑھے تیرہ باقی رہ گئے ہیں انہیں گول میز کے گرداگرد بیٹھ کر بآسانی منوا لیا جائیگا۔ مولینا صاحب ہمیشہ خود بھی یہی فرماتے رہے ہیں کہ میں تو سیدھا سچّا سپاہی ہوں، اور غالباً یہی صحیح بھی ہے کیونکہ اس قسم کی عجیب و غریب امیدیں اور وہ بھی سیاسی انجمنوں سے "اہلِ جنّت" کے سوا اور کون قایم کرسکتا ہے؟

سجدہ گزاری کا ذوق

ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند اور ہندؤوں کے بے مثل اور بے نظیر لیڈر مسٹر سی۔ آر داس آنجہانی نے جب سوراج پارٹی کی بنیاد ڈالی تھی اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ کونسلوں

اور اسمبلی پر قبضہ کیا جائے اور یا تو اپنی مرضی کے مطابق حکومت سے قوانین منوالیے
یں یا پھر " واک آؤٹ " کے ذریعہ سے اظہار ناراضی کر کے دنیا پر یہ ظاہر
دیا جائے کہ اس ملک کی قانونی کونسلیں ایک دھوکے کی ٹٹی سے زیادہ کوئی
نیت نہیں رکھتیں اور قانون جو بھی بنتے ہیں وہ ہمارے حکمرانوں کی مرضی سے بنتے
، تو اس وقت اس تجویز کی سب سے زیادہ مخالفت جس ہستی نے کی تھی وہ مولنٰنا
علی صاحب تھے۔ آپ نے اپنی زبان اور اپنا قلم "اور مرحوم" "کامریڈ" "اور ہمدرد"
سفحے اس مقصد کے لیے وقف کر دیے تھے کہ کونسلوں میں جانے کی مخالفت کی جائے
اسے گداگری سے تعبیر کیا تھا۔ خدا جانے وہ جھوٹی ہیں یا سچی لیکن خبریں اُڑ رہی
، اور بہت زور کے ساتھ اُڑ رہی ہیں کہ علی برادران آئندہ انتخابات میں اسمبلی
ممبری کے لیے کھڑے ہونے والے ہیں۔

یہ خدا جانے کیا اتفاق تھا کہ جس وقت ہم یہ دستت .. کے خبر پڑھ رہے
، اسی وقت پڑوس میں ایک قوالی کا جلسہ ہو رہا تھا اور قوال بڑے زور وشور
اس مصرع کی تکرار کر رہا تھا :-

تو بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

...کومت کی تشدد آمیز پالیسی

اس امر کا فیصلہ کرنا اگرچہ بہت ہی دشوار ہے کہ آیا
...ل نافرمانی کی تحریک کی روزافزوں ترقی کی وجہ سے حکومت کا تشدد زیادہ ہوتا جا رہا
یا تحریک کا زور حکومت کے جبر و تشدد کا رہین منت ہے، پھر بھی اصولی طور پر
...یکھا جائے تو غالباً نتیجہ یہی نکلیگا کہ حکومت کے طرز عمل نے تحریک کے عالمگیر
...بانے میں بہت کچھ مدد دی ہے۔ جبر اور موانعات کے خلاف کوشش کرنے
...زیادہ سے زیادہ تکلیف اُٹھا کر بھی اپنے مطالبہ پر اڑے رہنا انسان کی فطرت
...داخل ہے، اور ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں جہاں تشدد کے
...جہ سے کسی ایسی تحریک کو دبایا جا سکا ہو۔ آزادی وطن کی خواہش اب ہر
...میں پیدا ہو چکی ہے، اور صرف پیدا ہی نہیں ہو چکی ہے بلکہ دلوں میں گھر کر چکی
، اور اب قید و بند کا ڈر یا پھانسی کے تختوں اور رسیوں کا خوف اس کے اثرات

کوشاید یہ ہی محو کر سکے۔ حکومت کے جن مشیروں نے اسے تشدد کرنے کا مشورہ دیا ہے؟
یاد رہے ہیں ان کی عقلمندی اور سیاسی تدبر بہت کچھ مشتبہ ہے۔

بحث کی بنیاد سائمن رپورٹ پر نہ ہوگی

وزیر ہند کی جانب سے یہ اعلان ہو چکا ہے کہ گول میز کانفرنس میں سائمن کمیشن کی رپورٹ اور اس کی سفارشات کو بحث کی
بنیاد قرار نہ دیا جائیگا۔ یہ اعلان اس لیے کرنا پڑا کہ ہندوستان کی ہر جماعت
اور ہر طبقہ کی طرف سے اس رپورٹ کے خلاف آوازیں وزیر ہند کے کانوں
میں پہنچیں اور انہیں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہندوستان کے اعتدال
پسند اور جی حضوری بھی اس رپورٹ کی وجہ سے مایوس ہو جائیں، اور گول میز
کانفرنس کی جانب سے بھی بداعتقادی ان کے دلوں میں گھر کر لے۔

وزیر ہند نے یہ اطمینان دلا بھی دیا اور اعتدال پسندوں کو یقین آ بھی گیا،
لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس رپورٹ کو مباحثہ کی بنیاد بنانا مقصود نہ تھا تو یہ کمیشن
مقرر ہی کیوں کیا گیا تھا اور وہ کئی لاکھ روپیہ جو اس کی آمد و رفت پر خرچ ہوا ہے
وہ کس مد میں لکھا جائیگا۔ وزیر ہند اگر رپورٹ کو اس طرح مسترد نہ کر دیتے تو کم سے
کم اتنا تو ہوتا کہ ہندوستان اس کی ایک جلد اپنے عجائب خانے میں رکھ دیتا کہ یہ
دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی کتاب ہے جس کی تیاری پر چھ لاکھ یا کچھ زائد روپے صرف
ہوئے ہیں۔

برکاتِ تہذیب

گاؤں گاؤں ڈاکخانے قائم ہو چکے۔ قصبہ قصبہ میں تارگھر موجود ہیں، چپہ چپہ پر ریلیں اور موٹریں
دوڑتی پھر رہی ہیں، کھیت کھیت میں آبپاشی کے لیے نہر جاری ہے اور شہروں
میں گلی گلی بجلی کے قمقمے لٹک رہے ہیں اور تہذیب و ترقی کے ان تمام مادی سامانوں
کو دیکھ کر بے ساختہ حکومتِ وقت کی تعریف اور اس کے انتظامات کی مدح زبان پر
آ جاتی ہے۔ لیکن اس روشن تصویر کا ایک تاریک پہلو بھی ہے اور وہ خدا بھلا کرے
پونہ کے ڈاکٹر آئیور صاحب کا کہ ان کے ایک مضمون کی بدولت ہماری نگاہوں کے
سامنے آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ " دیہات کے علاقوں میں ہر چہار طرف

آدمیوں کے لیے ایک طبیب یا معالج سے زیادہ کا اوسط نہیں ہے، اور معالجوں کے اس قحط کے علاوہ مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ امراض کی بے انتہا کثرت ہے۔ ایک پادری صاحب کا جنہوں نے دیہات میں سالہا سال کام کیا ہے بیان ہے کہ دیہات میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص تندرست ہے۔ بچوں کے مرنے کی شرح خوفناک حد تک ترقی کر گئی ہے اور بعض اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:—

تمام ہندوستان میں	ایک ہزار میں سے	۱۷۴	بچے مر جاتے ہیں		
بمبئی میں	”	”	۳۵۹	”	”
کلکتہ میں	”	”	۳۲۴	”	”
کانپور میں	”	”	۴۲۰	”	”

دس سال کے اندر صرف ملیریا (فصلی جاڑا بخار) سے پانچ کروڑ آدمی مر سکے غالباً دس لاکھ انسان کوڑھ میں مبتلا ہیں۔ تپ محرقہ (ٹائیفائڈ فیور) بہت ہی عام ہے اور تپ دق روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

کلکتہ کے اسپتال میں لاشوں کے معائنہ سے معلوم ہوا ہے کہ مشرق کے جتنے مخصوص امراض ہیں ان سب سے زیادہ دق اور سل سے لوگ مرتے ہیں۔ پردہ نشین عورتوں میں یہ مرض حد سے زیادہ عام ہو چکا ہے۔“

ریلوں اور موٹروں کی سواری، برقی قمقموں کی روشنی، کھیتوں میں نہروں کی روانی، اور سلسلۂ رسل و رسائل کی آسانی یقیناً بہت اچھی چیزیں ہیں اور ملک کے بہت سے افراد ان سے مستفید ہوتے رہتے ہیں لیکن ایک ایسے ملک کے لیے کہ جسے پچاس ہزار نفوس میں بمشکل ایک معالج نصیب ہو، جہاں نو زائیدہ بچے ایک ہزار میں سے چار سو مر جائیں، اور جہاں ملیریا اور طاعون اور ٹائیفائڈ اور سل کے جراثیم نے اپنی مستقل چھاؤنیاں چھائی ہوں کسی طرح بھی یہ مناسب ہے کہ اپنی آمدنی کی ایک پائی بھی اس وقت تک ریلوں اور موٹروں اور تار اور ٹیلیفون پر صرف کرے جب تک کہ اس کی آبادی کا ایک انسان بھی ایسا باقی ہے کہ جسے طبی امداد نہیں پہنچ سکتی؟ اور کیا ہر سال ایک فرضی دشمن کے خطرہ سے فوجی مصارف پر پینسٹھ کروڑ روپے صرف کر دینا ایک ایسے ملک کی حکومت کے لیے مناسب ہیں جس کے بچے دنیا میں آتے ہی سال دو سال کے اندر عدم آباد کو روانہ ہو جائیں؟ کیا اس حقیقی خطرہ سے روسی بولشویکوں کا فرضی خطرہ زیادہ ہے؟ اور اگر وہ خطرہ زیادہ بھی ہو تب بھی ایک ایسی قوم کی حفاظت ہی کی کیا ضرورت ہے جس کی دیہاتی آبادی میں ایک شخص بھی تندرست نظر نہیں آتا۔

ریل، تار، ڈاک، نہر، سب ایسے محکمے ہیں جن پر روپیہ صرف کرنا گویا تجارت میں روپیہ لگانا ہے اور ان محکموں سے حکومت کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے، اور شفاخانوں کا محکمہ ایسا ہے کہ وہاں خرچ ہی خرچ ہے آمدنی کا نام نہیں ممکن ہے کہ طبی انتظامات کی جانب سے حکومت کی اس غفلت کا باعث یہی ہو۔

امن و صلح کا دیوتا

ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو ان نیک نہاد بزرگوں میں سے ہیں جنہیں دشمنی، عداوت، اور جنگ کے نام سے نفرت ہے۔ ابھی چند روز بیشتر تک آپ ہندو مسلمانوں میں صلح کرانے کیلیے کھڑے ہوئے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کی مخلصانہ کوششیں یقیناً اس قابل تھیں کہ تمام ملک ان کا شکریہ ادا کرے۔ بدقسمتی سے حالات کچھ ایسے رونما ہو گئے کہ آپکی یہ مہم انجام کو نہ پہنچ سکی اور آپ کی قائم کردہ اتحاد کمیٹی کا جلسہ ملتوی ہو گیا، لیکن بہرحال آپ نے اپنی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

اب پھر آپ ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند سے اجازت لیکر حکومت اور کانگریس کے درمیان صلح کرانے کے درپے ہیں اور اس سلسلہ میں پہلے مہاتما گاندھی سے اور پھر پنڈت موتی لال اور جواہر لال نہرو سے ملاقات کر کے یہ انتظام بھی کر چکے ہیں کہ دونوں پنڈت صاحبان اور ڈاکٹر سید محمود الہ آباد جیل سے یروودا جیل بھیجے جائیں تاکہ وہ مہاتما جی سے مشورہ کر کے ڈاکٹر سر سپرو کو کانگریس کے فیصلہ سے مطلع کر دیں۔

ہماری دلی دعا ہے کہ خدا ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنی دونوں کوششوں میں کامیاب کرے اور آپ دونوں جگہ ایک ایسی باعزت صلح کرانے میں فائز المرام ہوں کہ جو فریقین کے لیے موجب اطمینان کہلائی جا سکے۔ انہی کالموں میں ہم یہ

ل پہلے ظاہر کر چکے ہیں کہ اگر آپ ہندو مسلم اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پ کا نام تاریخ ہند میں زرین حروف سے لکھا جائیگا۔ اگر آپ کو اپنی اس دوسری شش میں بھی کامیابی حاصل ہو گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیائے عیسوی کے "فرشتۂ ن" کی طرح آپ کو "امن و صلح کا دیوتا یا دیو" نہ بنا دیا جائے، اور زیتون کی شاخ اختہ کی بجائے جو فرشتۂ امن کی امتیازی خصوصیات ہیں آپ کی خصوصیت بیلوں کی ٹوکریاں مقرر کر دی جائے، کیونکہ مہاتما جی کے پاس یہی لیکر گئے تھے۔

نقد و تبصرہ

نتخاب کلام برقی جناب شیخ عزیز الدین صاحب برقی سامی کے فارسی کلام وعہ ہے جسے "ارمغان" بکڈپو دہلی نے شائع کیا ہے۔ مجموعہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جناب برقی کو عربی اور فارسی زبانوں میں اچھی دستگاہ ہے۔ کتابت و طباعت بہت اچھی ضخامت ۱۰۰ صفحات۔ قیمت ۱۲ ار ارمغان بکڈپو دہلی سے مل سکتی ہے۔

سالۂ "صبح امید" ڈیرہ اسمعیل خاں کے اسلامیہ ہائی اسکول نے یہ ماہواری پرچہ اپنے یہاں سے جاری کرکے اپنی اردو نوازی کا ہی سچا ثبوت دیا ہے۔ آہستہ آہستہ پنجاب میں اردو برابر اپنا سکہ جماتی چلی جا رہی اور اب بالکل سرحد کے قریب کے مقامات پر بھی بہت سے اسکے قدر شناس اسکی خدمت ادہ ہو گئے ہیں۔ "صبح امید" کی لکھائی اور چھپائی بہت زیادہ قابل تعریف نہیں ہے مرکز اردو سے اس قدر فاصلہ پر بیٹھکر ایسی لکھائی اور چھپائی کا انتظام بھی بہت کچھ قابل قدر ہے۔ پرچہ کی ترتیب اچھی ہے اور مضامین عام طور پر اچھے اور مفید ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ ہمارا یہ سرحدی بھائی خوب پھلے پھولے اور کامیاب ہو۔ سالانہ چندہ طلبا سے ڈیڑھ روپیہ و دوسروں سے دو روپے۔ ایڈیٹر رسالہ "صبح امید" اسلامیہ ہائی اسکول ڈیرہ اسمعیل خاں سے مل سکتا ہے۔

"نظام المشائخ" رسول نمبر رسول نمبر کی تیاری "نظام المشائخ" دہلی کی ایک خصوصیت ہو چکی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس خاص کام میں ملا محمد الواحدی ایڈیٹر "نظام المشائخ" سے زیادہ سلیقہ کوئی مشکل ہی سے پیدا کر سکتا ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی یہ مخصوص نمبر اپنی دیدہ زیب اور دلفریب سادگی کی شان لیے ہوئے نکلا ہے اور ایسے اچھے مضامین نظم و نثر اپنی آغوش میں لیکر نکلا ہے جن میں سے ہر ایک سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بجائے خود ایک مستند اور معقول کتاب کا کام دے سکتا ہے۔ اور میلاد کی ان ہزاروں سستی اور رنگین کتابوں سے بہتر ہے جن میں جھوٹی روایتیں بھری پڑی ہیں اور جنہیں مولود شریف کی محفلوں میں عام طور پر پڑھا جاتا ہے۔ ایک عرصہ دراز سے کارکنان "نظام المشائخ" یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ اس ادارہ سے جتنی کتابیں بھی شائع کی جائیں وہ قرآن و حدیث کے سوا اور کچھ نہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جن اصحاب کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے اس درجہ شغف ہو وہ اپنے رسول سے مخصوص پرچے کو کیا کچھ نہ بنا دینگے۔ اس مرتبہ کہیں کہیں کتابت کی ایک آدھ غلطی رہ گئی ہے اور "نظام المشائخ" کیلیے یقیناً یہ ایک نئی بات ہے۔ کتابت کی خوشنمائی اور طباعت کی صفائی کیلیے "نظام المشائخ" یوں ہی کافی شہرت حاصل کر چکا ہے اس لیے اسکی تعریف تحصیل حاصل ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود ہر سال یہ مخصوص نمبر خریداران "نظام المشائخ" کو مفت ملا کرتا ہے۔ منیجر "نظام المشائخ" پوسٹ بکس نمبر ۱۵ دہلی سے طلب کیجیے۔

(عدم گنجائش کی وجہ سے چند اور پرچوں پر اس مرتبہ تبصرہ نہ لکھا جا سکا انشاء اللہ آئندہ پرچہ میں لکھ دیا جائیگا)

کامیابی کی تجارتی ڈائرکٹری

پارچہ فروشان

رسی ساڑھی، دوپٹے، صافے، کمخواب اور ہر قسم کے ریشمی و زرین کپڑوں کے نے والے اور بکفایت فروخت کرنے والے۔

محمد حسین اینڈ برادرس۔ رانی کنواں۔ بنارس شہر

کتب فروشان

حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۵۔ دہلی

تاراپور والا اینڈ سنز۔ کتاب محل۔ ہارنبی روڈ بمبئی۔

موم بتی اور صابون | کالی کٹ سوپ اینڈ کینڈل کمپنی لمیٹڈ۔ کالی کٹ۔



ورنکا

(شہرۂ آفاق روسی حکیم کاؤنٹ لیو طالسطائی کا ایک افسانہ)

(ترجمہ از جناب ظفر قریشی دہلوی)

ماں نے کھانا کھانے کے بعد ذکر کیا "معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے بچوں کو بالکل ہی بھلا دیا ہے، چھٹیاں اب ختم ہوتے آئیں اور ہم نے ایک دفعہ بھی انہیں تھیٹر نہیں دکھایا۔ لاؤ مجھے "تفریحات" کی فہرست دکھاؤ شاید کوئی مفید تماشہ ہو۔"

ٹھیک اسی وقت تین بچے ورنکا، نکولنکا اور لسنکا ایک رام کرسی پر بیٹھے ہوئے "مچھیرے" کا کھیل کھیل رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ اس پر بیٹھے ہوئے وہ بحری پری کے پاس جا رہے ہیں۔ یہ بچے نہ صرف کھیل میں مشغول تھے بلکہ والدین کی گفتگو بھی سنتے جاتے تھے۔

چنانچہ ایک لڑکی نے کہا "دیکھو ورنکا یہ لوگ ہمیں تھیٹر لے چلنے کو کہہ رہے ہیں۔" یہ کہکر اس نے پھر گلے پھلا کر پھونکنا اور ہاتھ ہلانے شروع کر دیئے گویا کہ بحری سفر ابھی جاری تھا اور ان کا "جہاز" ابھی پری کے گھر تک نہ پہنچا تھا۔

نکولنکا نے یہ سنکر دریافت کیا "کیا امی جان لے جا رہی ہیں؟"

"ہاں" ورنکا نے جواب دیا۔

بچوں کا کھیل کسی قدر التوا میں پڑ گیا اور انہیں پری کے گھر پہنچنے میں بہت دیر لگی کیونکہ ان کی توجہ والدین کی اس بحث کی طرف مبذول ہو گئی کہ آیا بچوں کو سرکس لیجایا جائے یا "گریٹ تھیٹر" میں جہاں "مچھیرے اور مچھیرن" کا تماشا تھا۔

بالآخر ماں نے بچوں کو حکم دیا کہ "اوپر جاؤ اور کپڑے بدلو" کھیل یکلخت ختم ہو گیا۔ سمندر، جہاز، کشتیاں، پری غرض سب کی سب آناً فاناً غائب ہو گئیں تھوڑی دیر بعد کسی کا پتہ نہ تھا۔

ورنکا جو بچوں میں سب سے بڑی تھی باوجود یہ سمجھ جانے کے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں پھر بھی ماں سے ایک بچی پوچھنے لگی "کیا امی! آپ نے ہم سے کہا ہے؟"

دونوں بچے نکولنکا اور لسنکا چپ چاپ ماں کے ہونٹوں کو تک رہے تھے۔ ماں نے حکم دیا "دیر مت کرو فوراً اوپر جاؤ اور کپڑے بدلو!"

بچے شور و غل مچاتے اور زینہ پر دھپ دھپ پیر مارتے ہوئے اوپر چڑھ گئے نصف گھنٹہ کے بعد ملاقات کے کمرہ میں یہ بچے پھر نمودار ہوئے مگر زرق برق ہو کر

چمکیلی فراکوں اور عمدہ عمدہ جاکٹوں اور فیتوں میں ملبس جن کے ملنے دلانے سے وہ خوفزدہ ہوتے تھے۔

اس وقت یہ بچے بہت ہی خوبصورت معلوم ہو رہے تھے —— لڑکیاں ململ کی فراکوں اور گلابی فیتوں میں ملبس تھیں لڑکا بھورے ریشم کی قمیص پہنے ہوئے اور ایک سنہری پیٹی کمر سے باندھے ہوئے تھا —— مگر افسوس کہ اُسے اس طرح باندھا گیا تھا کہ نظر نہ آتی تھی۔

ورنکا کو تعجب ہوا کہ "کیا واقعی میں لسنکا سے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہوں؟" اس کی تصدیق کرنے کی غرض سے آئینہ کے سامنے گئی اور اس میں جھانک کر دیکھا بے شک سطح آئینہ پر جو تصویر ایک ننھی سی لڑکی کی کھڑی تھی بہت ہی خوبصورت تھی۔ آئینہ دیکھکر اس نے کہا "لسنکا! آؤ دیکھو میں کیسی اچھی معلوم ہو رہی ہوں —— اور تم کیسی خراب!" لسنکا یہ سنکر آئینہ کے سامنے آئی اور صورت دیکھکر بہت متعجب ہوئی کہ اس کے کپڑوں پر تو کوئی شکن نہ تھی پھر وہ بُری کیوں معلوم ہو رہی تھی —— نہیں اس کی بہن اُسے بے وقوف بنا رہی تھی۔

اس کے بعد نکولنکا بھی آئینہ کے سامنے آکھڑا ہوا اور اپنی پیٹی کی تعریف کرنے لگا۔ اتنے میں آیا جو دروازہ کے باہر دستانہ لیے کھڑی تھی اندر آئی اور لسنکا کو ایک طرف گھسیٹ کر اسے بہت ملامت کی کہ "تو نے کپڑوں کا ستیاناس کر لیا، دیکھ شکنیں پڑ گئیں" پھر کپڑوں کی سلوٹیں ٹھیک کرتے ہوئے کہا "تم اس قابل نہیں ہو کہ بھلی نظر آؤ"

لسنکا کے خیال میں آیا کا یہ طعنہ بھی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل نہ تھا اتنے ہی میں اُستانی جی کھڑ بڑاتے ریشمین گون اور سرخ فیتوں میں ملبس کمرہ میں داخل ہوئیں اور بچوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال کر ناچتے ہوئے کہا "اوہو! اُستانی جی تم بھی کیسی خوبصورت معلوم ہو رہی ہو!"

اُستانی جی نے بھی بچوں کے کہنے کی تصدیق کرنے کے لیے شیشہ میں جھانک کر دیکھا۔

امی جان کو کپڑے بدلنے میں بڑی دیر لگ گئی اور اس اثنا میں بچوں کو اتنی مہلت مل گئی کہ "ڈاکٹر، ڈاکٹر!" کا کھیل کھیل لیں۔ یہ یقینی تھا کہ کھیل کے دوران میں ان کے کپڑے پھر مل دل جائینگے اور سب زیبائش کا ستیاناس ہو جائے گا۔ اس وجہ سے انہیں بار بار تنبیہ کی گئی کہ چونکہ انہیں صاف ستھرا رکھنا بالکل ناممکن ہے اس وجہ سے اگر انہوں نے کھیل بند نہ کر دیا تو تھیٹر نہیں لیجایا جائیگا مگر بچوں کو خوب معلوم تھا کہ اس قسم کی دھمکیاں کبھی عملی جامہ نہیں پہنا کرتیں۔ بہرحال وہ حسب سابق خوب خوش و خرم کھیلتے کودتے رہے ہاں کسی قدر تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

خدا خدا کر کے سب گاڑی میں سوار ہوئے۔ آیا باوجود سخت کہر کے ننگے سر دہلیز پر کھڑی ہوئی بار بار توجہ دلا رہی تھی کہ لسنکا کی ٹوپی ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی اور یہ کہ ورنکا کو اپنے ہاتھ ڈھک لینے چاہییں اس کے خیال میں صرف "ننھا نقلین" یعنی نکولنکا بالکل ٹھیک تھا۔

جب یہ لوگ تھیٹر پہنچ گئے اور غلام گردش سے گزرنا پڑا جہاں تماشائیوں کا اژدہام تھا اور قدم قدم پر خادمہ اور امی جان کو راستہ دینے کے لیے کہنا پڑتا تھا۔ بچے بہت خوف محسوس کرنے لگے (گو پوچھنے پر اس کا اقرار ہرگز نہ کرینگے) حتےٰ کہ لسنکا تو یہاں تک ڈر گئی کہ سمجھنے لگی کہ وہ راستہ میں گم ہو گئی ہے اور بردہ فروش اسے پکڑ کر لیجائینگے اور کہیں دور دراز ملک میں بیچ دینگے۔ اور یہ ایک ایسا تھیٹر ہوگا جو اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا —— اس خیال کے آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور خوف کے مارے اسکا حلق بند ہونے لگا مگر خیریت یہ ہوئی کہ اتنی دیر میں یہ اپنے بکس کے قریب پہنچ گئے اور ایک افسر نے جس کے سینہ پر ایک سنہری زنجیر لٹکی ہوئی تھی ماں سے ان کا ٹکٹ مانگا (حالانکہ اسی شخص نے ایک لمحہ قبل ماں کا تھیٹر میں گھستے وقت ٹکٹ دیکھا تھا) بہرحال ٹکٹ دکھایا گیا اور ہر شخص اطمینان سے بیٹھ گیا مگر صورتِ حال کسی قدر اور تحیر خیز بلکہ کچھ کچھ متوحش ہونی شروع ہو گئی۔ باجا بج رہا تھا۔ چند سنہری بتیوں کی روشنی ملکر بہت تیز ہو گئی تھی اور ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آ رہے تھے —— چاروں طرف سر، سر اور سر ہی سر دکھائی دیتے تھے، اوپر بھی آدمی، نیچے بھی آدمی، اِدھر بھی آدمی، اُدھر بھی آدمی، بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب سچ مچ کے تھے!

مرحوم سلطنت ولیعہد



سابق مہاراجہ صاحب نابھہ کے کمسن بچے



ڈاکٹر سر [illegible] مرحوم
آپ [illegible] گئے ہیں



آل انڈیا مسلم لیگ کے مستقل صدر
مسٹر محمد علی جناح

سر علی امام سابق صدر [illegible]



مسٹر ایم آر [illegible]



تعلیم کے دوسرے [illegible] آپ ہیں ۔

ماں نے اشارہ کیا کہ سب بچے بکس کے اگلے حصہ میں بیٹھیں پھر خود سب کے پیچھے جا بیٹھی جب بچوں نے اپنے اردگرد آدمیوں کو دیکھا تو خیال کرنے لگے کہ واقعی وہ سچ مچ کے آدمی تھے کیونکہ حرکت کر رہے تھے۔ نیز بچے بھی تھے جو بالکل ویسے ہی تھے جیسے وہ خود۔

ان میں سے دو بچوں نے ہمارے بچوں کی توجہ بالخصوص مبذول کر رکھی تھی یہ دو خوبصورت بہن بھائی تھے جو قریب ہی ایک نچلی قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکا بہت خوبصورت تھا جیسے پری کا بچہ۔ مخملیں کوٹ اور سنہرے بٹنوں پر سیاہ گھونگروالے بال بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔ نیز لڑکی اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ سیاہ گھونگروالے بال اس کے کندھوں پر پڑے ہوئے تھے اور عجب بہار دے رہے تھے۔

لڑکا بہت جمیل تھا اور بھائی بہن دونوں نے ان نوواردوں کی آمد پر انہیں بغور دیکھنا شروع کیا اور آپس میں کانا پھوسی بھی کی۔

ماں نے سٹیج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "بچو اُدھر کہاں دیکھ رہے ہو، سٹیج تمہارے سامنے ہے ادھر دیکھو!"

بچوں نے سٹیج کی طرف دیکھا مگر یہ نظارہ کچھ زیادہ جاذب توجہ نہ تھا چند بے ڈھنگے سیاہ باجے والے سارنگیوں اور نفیریوں کو ہاتھ میں لیے ہوئے بیٹھے تھے ان کے اوپر سارے تختوں پر چند آدمی قمیص اور سرخ ٹوپیاں پہنے کھڑے تھے۔ ایک لڑکی صرف چھوٹی سی کرتی پہنے ہوئے ایک ایڑی پر کھڑے ہوکر سارے جسم کا وزن تولنے کا کرتب دکھا رہی تھی۔ اس نظارہ سے بچے کچھ محظوظ نہیں ہوئے بلکہ اس لڑکی پہ ترس کھانے لگے۔

نکولسکا نے پوچھا "اماں سٹیج کہاں ہے؟"

ماں نے عینک میں سے چھوٹی لڑکی کی طرف نظر جما کر اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا:۔ "دیکھو وہ ہے!" بچوں نے اس طرف نظریں جما دیں مگر اس دفعہ یہ لڑکی رسی پر کود رہی تھی اور تمام مرد بھی اس کے اس رقص میں شریک تھے بہرکیف اس میں کوئی خاص لطف کی بات نہ تھی۔

لسنکا نے پوچھا "کیا یہ ایکٹ کرنے والی لڑکیاں اصلی ہوتی ہیں؟"

ورنکا نے جواب دیا "ہاں! کیوں نہیں، کیا تم اس لڑکی کو چلتے پھرتے نہیں دیکھ رہی ہو دیکھو وہ تختہ بندی کے پیچھے کیسے چلی جاتی ہے ۔۔۔۔ سب لڑکیاں اصلی ہیں!"

لسنکا کو اپنے خیال کی تردید ہوتے ہوئے دیکھ کر کسی قدر افسوس ہوا اور کہا:۔ "یہ جو دو بچے ہمارے قریب میں بیٹھے ہیں واقعی بالکل سچ مچ کے ہیں مگر اوروں کی بابت مجھے ابھی تک شبہ ہے۔"

ورنکا نے محسوس کیا کہ سٹیج کے مقابلہ پر بکس، فانوس، اور ان کے پڑوسی (یعنی دونوں بچے) زیادہ خوبصورت تھے اور ان میں ایک خاص جاذب توجہ چیز تھی جو سٹیج میں نہ تھی۔

اسی طرح یہ دونوں بھائی بہن بھی ان بچوں کی طرف دیکھ رہے تھے حالانکہ ان کے بزرگ بار بار ان کی توجہ سٹیج پر رقص کرنیوالوں کی طرف مبذول کراتے تھے۔

ہر شخص کو تالیاں بجاتے ہوئے دیکھنا بھی ایک بہت پُرلطف بات تھی۔ تماشہ اس حصہ کے ختم ہونے سے پہلے تو اور بھی مزا آیا یعنی کئی آدمی تیشے ہاتھوں میں لیے ہوئے سٹیج پر نمودار ہوئے اور باہم لڑنے لگے۔ یکایک ایک چنگاری پیدا ہوئی اور ان میں سے ایک مر کر گر پڑا! مگر خیریت یہ ہوئی کہ فوراً ہی پردہ بھی آہستہ آہستہ نیچے رجوع ہونے لگا۔

اگلے بکس میں بیٹھے ہوئے بچے اپنی جگہوں پر سے اُٹھے اور اس شخص کے ہمراہ جو انہیں لایا تھا باہر نکل گئے۔

ماں نے بچوں کو اپنے ساتھ لیکر غلام گردش میں ٹہلتے ہوئے کہا "اُف و! آج کس قدر گرمی ہے!" لسنکا اس ڈر سے کہ مبادا وہ گم نہ ہو جائے اپنی ماں سے چمٹ گئی مگر دوسرے دونوں بچے اُچھلتے کودتے آگے آگے جا رہے تھے۔

وہی دونوں خوبصورت بچے اُس افسر کے ساتھ اس غلام گردش میں گھوم رہے تھے کبھی ادھر جاتے تھے کبھی اُدھر اور جب کبھی دونوں طرف کے بچے ملتے تھے تو آنکھیں لڑاتے تھے جب دونوں طرف کے بچے ایک دوسرے کو بے اندازہ پرشوق نظر سے دیکھتے تھے تو انہیں مطلق احساس باقی نہ رہتا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کہاں جا رہے

اس مدہوشی کے عالم میں ایک دفعہ تو لسنکا کا پیر بھی پھسل پڑا اور وہ دھڑام سے گر پڑی۔ مگر چلائی نہیں صرف کسی قدر محجوب سی ہوگئی اور ہنسنے لگی۔ اس پر ہمارے بچوں اور ان حسین بچوں نے خوب کھلکھلا کر ہنسنا شروع کیا —— جب وہ بچے ہنستے تھے تو اور بھی خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔

نکولنکا نے دل میں سوچا "یہ دونوں —— بالخصوص لڑکی —— کیسے خوبصورت بچے ہیں!" اور بالکل یہی خیال ذرنکا اور لسنکا کے دل میں اس لڑکے کے متعلق آیا تھا۔

امّاں نے اُستانی جی سے ان بچوں کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا "کیا ہی خوبصورت جوڑا ہے!" اور یہ اتنے زور سے کہا گیا تھا کہ ان بچوں کے نگراں افسر نے ضرور سن لیا ہوگا مگر اماں دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ "گو یہ بچے خوبصورت ہیں مگر میرے بچے ان سے بھی زیادہ حسین ہیں!"

بچوں نے امّاں جان کی اس عبارت پر کسی قدر حیرت کا اظہار کیا مگر بعد میں کسی نہ کسی طرح خوش اور مسرور ہوگئے۔

دوسرے بچوں کے افسر نے بھی اپنے دونوں بچوں سے یہی بات کہی اور جب وہ علامِ گردش کے پرلے کنارہ پر پہنچ گئے تو ان سے کہا "جاؤ خود جا کر ان بچوں سے تعارف پیدا کر لو!"

میموں لڑکی نے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ" لڑکے نے افسر کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا "ہاں! میں جاتا ہوں مجھے اس کی کون پرواہ نہیں ابھی جاتا ہوں! مگر میں ان سے کس بات پر گفتگو کا سلسلہ چھیڑوں؟"

"تم یہ پوچھ سکتے ہو کہ آیا لڑکی کے گرنے پر کچھ چوٹ تو نہیں لگی"

"میں بس یہی پوچھوں گا" لڑکے کا مردانہ عزم تھا۔

"اور میں بھی" اب لڑکی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

چنانچہ یہ دونوں بچے ہمارے بچوں سے ملنے کی غرض سے پھر روانہ ہوئے۔ لڑکے کی نگاہیں اس لڑکی پر گڑی ہوئی تھیں جو ابھی ابھی گری تھی۔ لڑکا اس کے سامنے آ ملا۔ بات کہنے کے لیے منہ بھی کھول لیا مگر دفعتاً اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ شرما کر اُلٹے پیروں نئے جوتوں میں چرچر کرتا ہوا اپنے باپ سے آچمٹا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اوہ بھاگ کیوں آئے، تم نے بڑی بے عزتی کی!" ابا نے لڑکے سے کہا۔ مگر جب دوسری دفعہ دونوں طرف کے بچے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تو لڑکا لسنکا کے قریب کھڑا ہوگیا اور وہ بھی ٹھہر گئی۔

"آپ کا کیا نام ہے؟" لسنکا نے پوچھا۔

"ساشا"

"ساشا!" تینوں بچوں نے یک زبان ہو کر اس عجیب نام کو دہرایا اور پھر اس پر ہنس پڑے۔ نکولنکا نے اس نام کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ "ساشا کا ہم ایک کھیل بھی تو کھیلا کرتے ہیں" خوبصورت پری نے خود بخود کہا "اور ہم ایک کھیل کھیلتے ہیں جسے "ڈولانش" کہتے ہیں" ذرنکا نے اب پوچھا "کیا آپ پہلی مرتبہ تھیٹر آئے ہیں؟"

"اوہ! نہیں! میں نے کئی دفعہ تھیٹر دیکھا ہے سرکس بھی بہت دفعہ دیکھا ہے اور دادی پھر تھیٹر لانے کو کہہ رہی ہیں"

ذرنکا اپنے سوال پر بہت محجوب ہوئی۔ اور کہا "میرا خیال ہے کہ "جادو کی بانسری" والا تماشا بڑا اچھا ہے"

"نہیں، وہ نہیں سرکس دنیا میں بہترین چیز ہے"

"کیا تم فرانسیسی بول سکتے ہو؟"

"ہاں اور جرمن بھی نیز آجکل انگریزی سیکھ رہے ہیں"

"آپکا نام کیا ہے؟"

اب غلام گردش میں آدمی بہت ہی کم رہ گئے تھے امی جان اپنے بکس میں جا بیٹھی تھیں باجہ بجنا شروع ہوگیا تھا مگر یہ بچے باتوں میں ہمہ تن مصروف تھے اور مطلق خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔

اُستانی جی نے بچوں سے کہا "اب تمہاری شناسائی ہو چکی ہے بہتر ہے کہ اپنے بکس میں چل بیٹھو"۔ افسر نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایک دوسرے کو چومو اور خدا حافظ کہو" چنانچہ بچوں نے ایک دوسرے کو پیار کیا مگر اتفاق سے ذرنکا کو لڑکے کے چومنے کا

نہ مل سکا جس پہ وہ بہت جز بز ہوئی۔ جب دونوں طرف کے بچے اپنے اپنے بکسوں میں جا بیٹھے تو کھیل کی طرف کم دھیان دیا بلکہ ایک دوسرے کو پُر شوق نظروں سے دیکھتے رہے۔ بلکہ دوستوں کی مانند ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر مُسکرانے بھی لگے۔ اُستانی نے ہماسے بچوں کو پھر جھڑ کا کہ فراکوں پر شکنیں ڈال لیں —— اور یہ بہت ہی تکلیف دہ بات تھی بالخصوص ایک تھیٹر میں اپنے دوستوں کے سامنے اس طرح جھڑ کا جانا۔

جب اگلا وقفہ ہوا تو دونوں بچوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ٹہلنا شروع کیا اور جو کچھ ان کے ذہن میں آسکتا تھا سب کی بابت باتیں کر ڈالیں افسر نے سب کو انگور خرید دیے اُنہوں نے اپنے دستانوں کو خوب بھر لیا اور مزے میں باتیں کرتے ہوئے کھانے لگے۔

"اب پھر دوبارہ کب ملیں گے؟" ورنکا نے پوچھا۔

لڑکے نے جواب دیا "غالباً تھیٹر میں یا اگر آپ چاہیں تو ہمارے ہاں ملنے آسکتے ہیں"

"ممکن ہے آسکیں —— مگر اماں کچھ اعتراض نہ کریں —— جب ہم بڑے ہو جائیں گے تو جتنی بار چاہیں گے ملیں گے اور جو کچھ چاہیں گے کریں گے مگر اب نہیں کر سکتے۔"

"اگر آسکو تو ضرور آنا ہمارے ہاں ایک بڑا ملاقات کا کمرہ ہے جس میں کھیلتے ہیں۔"

"ممکن ہے تمہیں معلوم ہو۔ کسی نے کئی دن ہوئے مجھ سے بڑے ہونے کی ترکیب بیان کی تھی میں نے اُس پر عمل کیا مگر کچھ کامیابی نہ ہوسکی۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ اپنے سر کا بال توڑ کر گردن کے گرد باندھ لو اور سو جاؤ صبح جو اُٹھو گے تو کافی بڑے ہو گے"

بچے یہ ترکیب سُنکر بہت محظوظ ہوئے۔

لڑکے نے ورنکا سے رخصت ہوتے ہوئے کہا "ہم باہم دوستی قائم رکھینگے عہد کرو!"

"ہاں ضرور ضرور!" ورنکا نے جواب دیا۔

نکولنکا نے یہی الفاظ خوبصورت لڑکی سے کہے اور لسنکا نے بھی انہیں دُہرایا۔

"ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے دوست رہیں گے" یہ تھا ساشا کا سب سے آخری جملہ جس کے بعد وہ منتشر ہوگئے۔

جب ابا جان چاے پینے کے لیے آئے تو بچوں نے انہیں اور آیا کو تھیٹر کی روئداد سُنائی مگر تماشہ سے زیادہ خوبصورت بچوں سے ملاقات کا حال بیان کیا۔

اماں جان کی طبیعت کسی قدر ناساز ہوگئی تھی اور تماشہ نے اسے اور بھی بدمزہ کر دیا تھا۔ ابا نے لسنکا سے پوچھا "کیا واقعی وہ بچے بہت اچھے تھے؟"

"اس سے بڑھکر ہو ہی نہیں سکتے!"

"اور تم باہم دوست ہوگئے؟"

"دنیا میں گہرے سے گہرے دوست!"

"کیا اُنہوں نے تم کو بھی پسند کیا؟"

"اوہ! کیوں نہیں! اُنہوں نے بہت پسند کیا!"

"مگر تم نے دانت صاف نہیں کیے تھے!"

"کیا ہوتا ہے! لوگ بغیر دانتوں تک کے دوستوں سے ملتے ہیں"

"ہاں واقعی دانتوں سے تو دوستی نہیں ہوتی" ورنکا نے تائید کی۔

اُستانی جی نے ابا سے کہا "بچے ان پر بُری طرح عاشق ہوگئے ہیں"

"ہاں عاشق ہوگئی ہوں!" ورنکا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

ماں نے کہا "واقعی! تو پھر تو تم اس لڑکے سے شادی کرو گی بیٹی!"

ورنکا کو اس سے جرأت ہوگئی اور اس نے جواب دیا کہ ہاں کروں گی۔

لسنکا نے جل کر اس پر اعتراض کیا "مگر جب تک تم بڑی نہ ہو جاؤ شادی کیونکر کرو گی، اس وقت تم ہرگز نہیں کرسکتیں۔"

"نہیں! بے شک!"

بچوں نے ماں کے گھٹنوں پر جُھک کر صلیبی گیت بطور رات کی آخری عبادت کے گایا اور ماں نے ان کے سروں پر ہاتھوں سے صلیب بنا کر حفظ و اماں

چھوڑ کر کہا کہ اوپر جاؤ پھر انہوں نے والدین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اوپر چلے گئے۔ آپا کو بچوں کے چپکا کرنے میں بڑی دقت ہوتی کیونکہ وہ باتوں پر باتیں کیے جاتے تھے ایک منٹ کو تالو سے زبان نہ لگتی تھی مگر بالآخر وہ خاموش ہو گئے آپا نے لیمپ کی بتی نیچی کی اور کمرہ سے رخصت ہو گئی۔

ورنکا نے آپا کے چلے جانے پر اپنے چھوٹے سے بستر کے پردوں میں سے جھانک کر دیکھا جس سے اس کا شب خوابی کا گون کندھوں پر سے سرک گیا۔

"نکولنکا"

"ورنکا!" لڑکے نے دوزانو ہو کر سنا اور جواب دیا۔

ورنکا نے اپنے بھائی سے کہا "خدا کرے آج رات کو ساشا کا خواب آئے"

اور میری خواہش ہے کہ ماشا کا خواب دکھائی دے" نکولنکا نے جواب دیا

لسنکا نے بیچ میں بول کر کہا "خدا کرے مجھے دونوں خواب میں دکھائی دیں"

آپا نے دروازے کے پیچھے سے اس پر منہ نکال کر کہا "مجھے تمہاری اماں جان سے الرکنا پڑیگا کہ تم نہیں سوتے"

بچے خاموش ہو گئے۔

ورنکا نے اپنے تکیہ کے کان میں یہ بات کہی "اگر دونوں خواب میں دکھائی دیں تو کیا مزا ہو" ورنکا کو اس وقت ساشا کے کالے بالوں اور مسرور قہقہہ کا خیال آرہا تھا "کاش اس وقت میں بڑی ہوتی تو اسی وقت شادی ہو جاتی"

اور جونہی اسے بال کے ذریعہ بڑا ہونے کی ترکیب یاد آئی اس نے جلد جلد اپنے بال کھسوٹنے شروع کر دیے اور درد سے چلانے لگی کیونکہ بہت سے بال اکھڑ آئے تھے۔

نکولنکا نے پوچھا "ورنکا کیا بات ہے؟"

"نہیں کچھ نہیں۔ خدا حافظ!"

"حافظ"

ورنکا کی انگلیوں میں اس وقت دو بال آگئے تھے اس نے دو بڑے بڑے بال جوڑ کر گردن کے گرد باندھ لیے اور تکیے پر لیٹ کر سوچنا شروع کیا "لسنکا اور ورنکا چھوٹے کے چھوٹے رہیں گے مگر میں ان کے لیے بھی یہی ترکیب کرونگی اور پھر ہمارے ہاں ساشا آجائیگا اور ہم خوش و خرم رہنے لگیں گے"

اسی خیال سے اسے ایک گونہ تسلی ہو گئی اور وہ سو گئی۔

تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہونا شروع ہوا کہ اس کا جسم بتدریج بڑھنا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ گیا کہ اس کا پلنگ چھوٹا پڑ گیا۔ لسنکا اور نکولنکا ابھی تک سوتے پڑے تھے اس کی آنکھ کھل گئی اور اپنے ادھر ادھر دیکھا۔ واقعی وہ بڑی ہو گئی تھی ابچپکے سے پلنگ سے اٹھی اور مکان سے نکل کر ساشا کے گھر کا راستہ لیا۔ جب وہ اس کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ وہ ابھی تک پڑا سو رہا تھا اور گردن کے گرد جو بال باندھ رکھا تھا کھسک پڑا تھا۔ ورنکا نے بہت آہستہ سے بال ٹھیک کرکے باندھ دیا اور اس کے ٹھیک ہوتے ہی ساشا کا قد بھی بڑھنا شروع ہو گیا اور اتنا بڑا ہوا کہ اس کا پلنگ بوجھ کے مارے چڑ چڑانے لگا۔ اوپر کے ہونٹ پر مونچھیں بھی نکل آئیں اور بالآخر جب اس کی آنکھ کھلی تو ورنکا کو دیکھکر چونک پڑا اور چلایا "کیا ہی حیرت انگیز بات ہے!" یہ کہکر اس نے اپنے ہاتھ پیر پھیلا دیے۔

ورنکا کو اس پر بہت شرم اور خوف محسوس ہونا شروع ہوا کیونکہ ساشا کی آنکھوں اور مسکراہٹ میں ایک عجیب و غریب بات پائی جاتی تھی۔ ورنکا کو محسوس ہوا کہ اس کے سامنے ہر چیز سیاہ ہونے لگی اور وہ اس سے متاثر ہو کر چیخی اور گر پڑی۔ مگر جب رفتہ رفتہ اس کا خوف زائل ہوا اور آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ تو اس کا اپنا ہی کمرہ تھا جس میں لیمپ کی مدھم روشنی ہو رہی تھی۔ اور آپا اس کے سرہانے کھڑی شال سر سے لپیٹے صلیبی گیت گا رہی تھی۔

ورنکا نے گردن کا بال توڑ ڈالا، کروٹ لی اور پھر سو گئی ✦



نازک اندامان کالج سے!

(از جناب شبیر حسن خاں صاحب جوشؔ ملیح آبادی)

مانگ لی نسوانیت سے تم نے ہر شیریں ادا
مرحبا اے نازک اندامان کالج! مرحبا

جنگ سر پر اور یہ محبوبیت چھائی ہوئی
ناز سے نیچی نگاہیں چال اٹھلاتی ہوئی

انکھڑیوں میں عشوۂ ترکانہ در کھولے ہوئے
سینٹ کی خوشبو میں رچ ناز پر تولے ہوئے

خال و خد سے جذبہائے صنفِ نازک آشکار
کرزنی چہروں پہ زن بننے کے ارماں بیقرار

نازکی کا مقتضی پتلی چھڑی باندھے ہوئے
شوقِ کنگن کا کلائی پر گھڑی باندھے ہوئے

پاؤں رکھتے ہو دمِ گلگشت کس کس ناز سے
لے میں قرباں رن میں نکلو گے اسی انداز سے

دیر سے توپوں کے منہ کھولے ہوئے ہے روزگار
سینۂ گیتی میں ہے جسکی دھمک سے خلفشار

شغلِ زینت سے تمہیں فرصت مگر ملتی نہیں
کیا تمہارے پاؤں کے نیچے زمیں ہلتی نہیں؟

جن کے سینے تنگ ہیں مردانہ سیرت کیلیے
زندگی ان کی وبا ہے آدمیت کے لیے

مرد کہتے ہیں اسے اے مانگ چوٹی کے غلام!
جس کے ہاتھوں میں ہو طوفانی عناصر کی لگام

مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لیے
گردنیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لیے

مرد ہے سیلاب کے اندر اکڑنے کے لیے
بحر کی بپھری ہوئی موجوں سے لڑنے کیلیے

مرد کہتے ہیں اسے اے بندگانِ طمطراق
جو جلالِ ابرِ باراں کا اڑاتا ہو مذاق

جنگ میں ہو بانکپن جس کی شجاعت کا گواہ — رزم کے شعلوں میں کج کرتا ہو ماتھے پر کلاہ
دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے — مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے
مضحکہ کرتا ہو خوں آشام تلواروں کیساتھ — کھیلتے ہوں جس کے پہلو سرخ انگاروں کیساتھ
تم مگر اس زندگی کے کھیل سے رہتے ہو دور — آفریں اے عصر حاضر کے جوانانِ غیور

ہے تمہارا ارتقا پروردۂ سعیِ زوال — الاماں! تعلیمِ ناقص کا۔ اجل پرور مآل
یوں تمہارے منہ کے اندر ہی فرنگی کی زباں — خوف سے گونگا نہ ہو جائے کہیں ہندوستاں
یہ لباسِ مغربی جلووں کو چمکاتا نہیں، — تم کو اس بہروپیے پن سے حجاب آتا نہیں
جیب میں کوڑی نہیں اور اس قدر شانِ شکوہ — سر جھکا لے شرم سے اے فاقہ مستوں کے گروہ
یہ بھی کوئی زندگی ہے غم کی ماری زندگی — نوعِ انسانی کی ذلت ہے تمہاری زندگی
یہ بھی کوئی زندگی ہے بے نظام و بے ہراس — نقلِ مغرب کی تمنا ہے زبوں میں بدحواس
آہ اے بیگانۂ انجام و آغازِ حیات! — سن کہ تا کھلجائے تیری موت پر رازِ حیات!
اہلِ عالم کی نظر میں محترم ہوتا نہیں — مرد جب تک صاحبِ سیف و قلم ہوتا نہیں
سیف کا دامن تو ہے اک عمر سے چھوٹا ہوا — اور قلم ہے اک سو وہ بھی خیر سے ٹوٹا ہوا
عزم تیرا آگ کے سانچے میں جب ڈھل جائیگا — طوقِ محکومی کا لوہا خود بخود گل جائے گا

پارہ ہائے جگر

(از جناب بابو شیام موہن لال صاحب جگر بریلوی)

رُکے ہیں اشکِ غم کس طرح بولیں — یہ انگارے تو پہلے سرد ہولیں
نہ وہ ہم سے نہ ہم اب اُنسے بولیں — یہی بس دل میں ہے جی بھر کے رولیں
یہ کون اُن نیم خواب آنکھوں سے پوچھے — اجازت ہے کہ دم بھر ہم بھی سولیں
کسی کو دیکھ لیتے ہیں جو روتے — یہی دل چاہتا ہے ہم بھی رولیں
جو ہوں آمادۂ سعیِ رہائی — وہ پہلے زندگی سے ہاتھ دھولیں

جو مشتاقِ بہارِ زندگی ہیں　　وہ اپنے خون میں دل کو ڈبو لیں
یہ ساری آفتیں ڈھائی ہیں دل نے
جگرؔ ہم کب لبِ فریاد کھولیں

دیگر

کیا آگئے قریب جگرؔ دن بہار کے　　ابھرے ہوئے ہیں داغ دلِ بیقرار کے
دل نے ازل میں کہہ کے یہ ویرانہ لیا　　کس سے اٹھینگے ناز چمن میں بہار کے
بیگانۂ طرب نہ سمجھ ہمنشیں ہمیں!　　دل کے یہ داغ نقشِ قدم ہیں بہار کے
قسمت سے داغ سینہ نے اسکو کیا کریں　　خونِ جگر میں رنگ بہت تھے بہار کے
جب تک نہ اپنا خون بہائیں گے اہلِ قوم　　پیدا وطن میں رنگ نہونگے بہار کے
بے فصلِ گل ہمیں ہے جگرؔ مے کشی حرام
بیٹھے ہیں انتظار میں ابرِ بہار کے

آنسو

(از جناب بابو اندرجیت صاحب شرما)

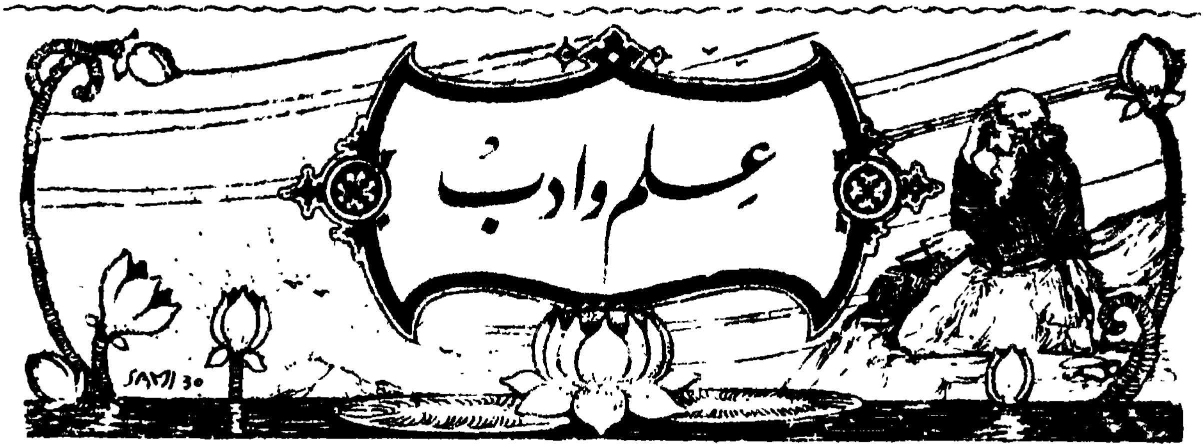
اے مرے آنسو ہے تو اک قطرہ آبِ ناب کا　　ہے مگر چشمِ صدف میں گوہرِ شہوار تو
صورتِ شبنم کہیں ہے تو خس و خاشاک پر　　ہے کہیں تابندگی سے آبِ نوکِ خار تو
برقِ خرمن سوز ہے سرمایۂ دل کے لیے　　ہے پئے نخلِ تمنا ابرِ گوہر بار تو
شاہِ دل کا تجھکو کہیے باوفا پیغامبر　　غم کا آنکھوں ہی میں کرتا ہے فقط اظہار تو
غازہ کرتا ہے اگر روئے عروسِ شام پر
بنکے رہتا ہے ستارہ چرخِ نیلی فام پر
زینت افزائے فلک ہوتی ہیں تیری لڑیاں تری　　جب نظر آتی ہیں شب کے وقت بنکر کہکشاں
دیکھنے میں گرچہ ہے پارہ سراپا نور کا　　ظلمتِ غم کا مگر عالم ہے سینہ میں نہاں
شادمانی کا تری پیغام لے آتا ہے جب　　آنکھ سے بے ساختہ باہر نکل آتا ہے ہاں

نوکِ مژگاں پر کبھی آکر اٹک جاتا ہے تو پھیر کر دنیا پہ رہجاتا ہے پانی بے گماں
نقش فانی ہیں ترے پانی کی تو تحریر ہے
پھر بھی یہ رے دل کی جیتی جاگتی تصویر ہے

دل نہ رہا اختیار میں

آئے ہوئے ہیں زخم کہن پھر بہار میں پھر باغ سا کھلا ہے دلِ داغدار میں
اُس بت کے دل کو رحم مرے دلکو صبر دے سب کچھ ہے اے کریم ترے اختیار میں
رسوائیاں سر آنکھوں پہ بدنامیاں قبول پڑ رہنے کو جگہ تو ملے کوئے یار میں
ہر روز روزِ ہجر ہے ہر شب شبِ فراق گردش مگر نہیں مرے لیل و نہار میں
شب بھر جو میری آنکھ لگی ہو تو پھوٹ جائے ایک اک گھڑی گنی ہے ترے انتظار میں
کیا جانے عرضِ حال پہ کیا اس نے کہدیا اک چوٹ سی لگی دلِ امیدوار میں
کس بدنصیب کو تھی تمنائے عرضِ حال
کیا کیجیے کہ دل نہ رہا اختیار میں

سعید بریلوی



مشغلِ کامیابی

(از جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب)

(گزشتہ سے پیوستہ)

فراموشی
Forgetfullness.

انفراق ذہنی کا انتہائی نتیجہ یا بالفاظ دیگر فراموشی غیر ارتجی حالت یا عدم صحت پر دلالت نہیں کرتی۔ درحقیقت یہ وہ ذہنی عمل ہے جس کے ذریعہ سے ہمارا ذہن دنیا دی امور کے بیجا بوجھ سے محفوظ رہتا ہے۔

بہ اعتبار شعوری مراجعت یا بالفاظ دیگر عمل استرجاع کے ان تمام تحت الشعوری تجربات کے مابین کوئی حد فاصل قائم نہیں کی جا سکتی کیونکہ ان میں روز بروز ملکہ لحظہ بہ لحظہ ایک نامعلوم طریق پر تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ وہ تجربات جو آج ہمارے شعور میں بغیر کسی قصد وارادہ کے پے درپے دورہ کر رہے ہیں ایک ہفتہ کے بعد ہی اگر ہم ان کا اپنے شعور سے استرجاع کرنا چاہتے ہیں تو خود کو معذور پاتے ہیں۔ بعض تجربات ایسے ہوتے ہیں جو ہماری موجودہ دلچسپیوں سے اس قدر وابستہ ہو چکے ہیں کہ ہم اپنے شعور میں ان کی فوری بازیافت کر سکتے ہیں بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ انتہائی غور وفکر کے بعد وہ ہمارے شعور میں موجزن ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی شعور میں بازیابی کے لیے ہماری تمام کوششیں ناکارہ ثابت ہوتی ہیں لیکن باینہمہ یہ تجربات بھی بجنسہ ہمارے تحت الشعور کی محافظت میں قائم وبرقرار رہتے ہیں اور جب کوئی مناسب تحریک عمل میں آتی ہے وہ از سر نو ہمارے شعور میں زندہ ہو جاتے ہیں۔

دراصل اس امر کا فیصلہ ہماری دلچسپی اور توجہ پر موقوف ہے کہ ہماری روز مرہ کی زندگی کے کونسے تجربات ایسے ہیں جن کا انفراق ذہنی اس حد تک ہو جاتا ہے کہ وہ بالکل حرکت میں نہیں آتے اور ہم انہیں گلدستۂ طاق نسیاں بنا دیتے اور قطعی طور پر بھول جاتے ہیں۔ کونسے تجربات ہیں جن پر ہم صرف اڑتی ہوئی نظر ڈالتے ہیں۔ اور پھر کونسے تجربات ایسے ہیں جن کے متعلق ہم اپنے شعوری ظرف میں تاکید کر دیتے اور زور دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شعوری استرجاع رعدم

استرجاع کے متعلق کل ایسے تجربات کے مابین ہماری توجہ اور دلچسپی ہی ٹھیک ٹھیک حدِ فاصل قائم کرتی ہے ۔

دنیاوی تجربات کا فراموشی کی حد تک افتراقِ ذہنی مندرجۂ ذیل وجوہ پر مبنی ہوتا ہے :۔

(۱) وہ تجربات جن میں بروقت مشاہدہ گو ہم دلچسپی لیتے ہیں مگر ان کے اکثر حصوں، اجزا، یا عناصر کی طرف اسی لیے متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہمیں غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں اس وقت ہم اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جب ہم کسی قسم کے امور کے کل حصوں کا مشاہدہ نہیں کرینگے تو آخر بعد کو اسکا استرجاع بہ اکمل وتمام ہم اپنے ذہن سے کیونکر کر سکیں گے ۔ دراصل وہ نظرانداز شدہ حصے ان امور کی وہ ذہنی کڑیاں اور وہ آسان راستے ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے عمل استرجاع کے اعمال آسانی کے ساتھ انجام پذیر ہوتے ہیں ۔ گو وہ تجربات اک لامحدود طریقہ پر ہماری دلچسپی کے باعث چند دنوں تک ہمارے شعور میں نہایت شد و مد کے ساتھ دورہ کیوں نہ کرتے رہیں لیکن تاہم تجربات کی ان ذہنی کڑیوں (عناصر ۔ اجزا ۔ حصے) کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کا ہمارے شعور سے نہایت شدید طور پر افتراق ذہنی بہت جلد وقوع پذیر ہو جاتا ہے ۔ یہی سبب ہے کہ تجربات میں باوجود دلچسپی لینے کے بھی ہم بہت جلد ان کو فراموش کر دیتے ہیں ۔

(۲) وہ تجربات جو ہمارے مشاہدہ میں تو ضرور آئے تھے مگر بروقتِ مشاہدہ ہماری توجہ ان کی طرف سے غیر ملتفت تھی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی قسم کے تجربات کا فوراً ہی شدید طریقہ پر افتراق ذہنی عمل میں آ جاتا ہے کیونکہ اس قسم کے مشاہدہ کا وجود عدم وجود کے برابر ہوتا ہے ۔ یہی سبب ہے کہ اگر ہم کسی وقت ان کا خیال کرتے ہیں تو ان کی اک لامحدود اور مبہم سی شکل اپنے شعور میں موجود پاتے ہیں یا وہ بالکل ہی ہمارے شعور میں مسترجاع نہیں ہوتے ۔

(۳) وہ تجربات جو ہمارے واسطے بالکل ہی نئے اور جدید ہوتے ہیں مثلاً کسی نئی زبان یا کسی فن کا سیکھنا ۔ یا کسی علمی کتاب یا کسی ایسی کتاب کا مطالعہ کرنا جو تجربات کے اعتبار سے ہمارے واسطے بالکل نئی ہے ان کو اس لیے باوجود سعی اور دلچسپی کے ہم فوراً ہی بھول جاتے ہیں یا بالفاظِ دیگر ان کا شدید قسم کا افتراق ذہنی عمل میں آ جاتا ہے کیونکہ ان سے مناسبت یا مشابہت رکھنے والے خیالات یا تجربات کا کافی ذخیرہ پیشتر ہی سے ہمارے تحت الشعور میں محفوظ نہیں ہوتا تاکہ قوانینِ ایتلاف انہیں سابقہ تجربات کے ذریعہ سے باہمدگر منضبط کر سکتے ہیں لیکن برعکس اس کے جب ان کی نسبت ہماری معلومات کی تعداد میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے تو وہی اُمور آسانی سے ہمارے تحت الشعور سے شعور میں عود کرنے لگتے ہیں ۔

(۴) کل وہ سابقہ تجربات جو ایک مرتبہ ہماری دلچسپیوں کی آماجگاہ بن چکے ہیں اور اب کسی دوسرے قسم کے امور کی طرف منہمک رہنے کے باعث ہم ان کی طرف دور کی بھی توجہ کو روا نہیں رکھتے وہ تجربات بجائے اس کے کہ وہ ہمارے حافظہ سے کالعدم ہو جائیں وہ ہماری موجودہ دلچسپیوں سے رفتہ رفتہ تحت الشعور میں علیحدگی اختیار کرتے جاتے ہیں اور اس ذہنی سلسلہ کے انقطاع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں ان پر اقتدارِ کلی حاصل نہیں رہتا ۔

فرض کرو ہماری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ ہم کوئی شے ایجاد کریں ۔ پس یہ انتخاب دو امور کا فیصلہ کرتا ہے اوّل یہ کہ کسی ایک وقت میں کون کون سے تجربات حاضرِ ہمارے شعوری وادراکی عمل کے لیے منتخب کیے جائیں گے ۔ دوم یہ کہ ہمارے تحت الشعور سے ہمارے شعور میں کون کون سے گزشتہ تجربات کی بازیافت ہوگی ۔ چنانچہ اس تجویز کے بموجب ہم انہی امور کی طرف زیادہ تر توجہ اور اپنے تخیلات کا اجتماع کرتے رہتے ہیں جنہیں ہمارے ان خصوصی اغراض و مقاصد کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے ۔ لہٰذا وہ کل اُمور، جو اس مقصود سے متعلق ہیں خواہ وہ تحت الشعوری ہوں یا باہر سے ہمارے شعور میں داخل ہونے والے ہوں ۔ مثل کششِ مقناطیسی یعنی جس طرح کسی سنگِ مقناطیسی سے لوہے کے ریزے اُڑ کر چسپاں ہو جاتے ہیں اسی طرح وہ اُمور بھی ہمارے شعوری طرف

ہیں داخل ہونے کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انتہائی صفائی اور صراحت کے ساتھ ہمارے شعور میں اپنا ظہور کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ نہایت صفائی اور صراحت سے ہمارے تحت الشعور میں محفوظ ہوتے ہیں لیکن فرض کرو ہم اس ایجاد و اختراع کے ارادہ سے قطع تعلق کرکے علم طب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور شب و روز اسی علم کے حصول میں تگ و دو اور جد و جہد جاری رکھتے ہیں تو وہی نتیجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہاں پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی وہ کل اُمور جو پیشۂ طبابت سے متعلق ہیں انتہائی تشریح اور جلی قلم میں ہمارے شعور میں داخل ہوتے ہیں اور ہماری توجہ ان اُمور کو جو اس اختراع سے متعلق ہیں نظر انداز کرتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اس اختراع سے متعلقہ امور ہماری موجودہ دلچسپیوں سے علیحدگی اختیار کرکے ہمارے تحت الشعوری سمندر میں روپوش اور غائب ہو جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان کی ہیئت کذائی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اور جب کوئی مناسب تحریک شعور کی طرف سے وقوع میں آتی ہے، یا ہم اپنی تمام تر توجہ متواتر ان کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ تو وہ ذہنی حلقوں کی مدد سے یا حولاً قوانین ایتلاف کے زیر تحت ہمارے شعور میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ خواہ ہمیں ان کی آمد و رفت کا علم نہ بھی ہو مگر وہ اپنی آن بان اسی طرح پر دکھاتے ہیں -

(۵) بعض اوقات عمل افتراق ذہنی اپنی طبعی حد سے بھی متجاوز ہو جاتا ہے چنانچہ بعض مرتبہ اختناق الرحم کے مریضوں کے جسم کے اکثر حصص کی قوت حس مفقود ہو جاتی ہے اس فقدان الحس کا باعث کوئی خاص جسمانی مرض نہیں ہوتا بلکہ ان کا عمل افتراق ذہنی غیر طبعی طور پر اپنا فعل انجام دینے لگتا ہے یعنی وہ جسمانی احساسات جنہیں شعور میں بالیقین داخل ہونا چاہیے تھا وہ افتراق ذہنی کے غیر طبعی عمل کے باعث شعور میں داخل نہیں ہو سکتے - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ مثلاً آنکھ، ناک کان وغیرہ کے صحیح و سالم ہونے کے باوجود بھی مریض نہ آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ نہ کانوں سے سُن سکتا ہے۔ نہ ناک سے کسی قسم کی خوشبو یا بدبو محسوس کر سکتا ہے۔ عمل ہپنو ٹیزم کے زیر اثر بخوبی آشکارہ ہو جاتا ہے کہ ان مریضوں کے قوائے حسیہ اپنے اپنے اعمال حسب معمول اور مناسب طور پر انجام دیتے رہتے ہیں مگر ان کے احساسات عمل افتراق ذہنی کے غیر طبعی عمل کے باعث شعور میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کل سابقہ تجربات جو قوائے حسیہ (آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان۔ سطح جلد) کے ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے اور جن کی مریضوں کو خبر تک نہ ہوئی تھی وہ ان کے تحت الشعور کے خزینۂ حافظہ میں بجنسہ محفوظ پائے جاتے ہیں چنانچہ اس کے متعلق ہم ذیل میں ڈاکٹر مارٹن پرنس کے تجربہ کو بطور تفسیر پیش کرتے ہیں -

"ایک عورت پر کوئی حادثہ گزرا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا ہاتھ عارضہ اختناق الرحم[۵] کے فقدان الحس میں مبتلا ہو گیا یعنی اگر اس کے ہاتھ کی جلد میں خواہ کیسی ہی زور کی چٹکی بھری جاتی یا کوئی چیز اس میں چبھوئی جاتی اسے مطلق خبر نہ ہوتی۔ میں نے کامل احتیاط کے ساتھ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور بعد ازاں اس کے ہاتھ میں سوئی چبھوئی اور چٹکیاں بھریں مگر وہ بالکل بے حس رہی اور اسے اس کا مطلق علم نہ ہوا۔ اس کے بعد میں نے اس پر عمل ہپنوٹزم کیا اور اسی حالت میں میں نے اس سے مندرجۂ ذیل سوالات کیے:-

میں نے کیا کیا تھا؟

تم نے میرے ہاتھ میں کوئی چیز چبھوئی تھی -

کتنی مرتبہ؟

اٹھارہ مرتبہ

کیا یہ عمل ایک ہی بار کیا گیا تھا؟

نہیں پہلی مرتبہ پانچ دفعہ اور دوسری بار تیرہ مرتبہ -

Hysterical Anesthesia of the hand

ہاتھ کا اختناق الرحم کے فقدان الحس میں مبتلا ہو جانا۔

اس کے علاوہ اور کیا کیا گیا تھا ؟
تم نے اس میں چٹکیاں بھری تھیں۔
کتنی مرتبہ ؟
پانچ دفعہ
کس چیز سے چٹکیاں لی گئی تھیں ؟
انگلیوں سے

درحقیقت یہ کل جوابات بالکل صحیح تھے !!

مندرجۂ بالا تمثیل سے اس امر کا بخوبی اظہار ہو جاتا ہے کہ ہمارا تحت الشعور شعوری تجربات کے علاوہ ان احساسی تجربات کو بھی محفوظ رکھتا ہے جو قوائے حسیہ کے تجربہ میں تو آتے رہتے ہیں مگر ہمیں ان کے وقوع پذیر ہونے کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ ہماری زندگی کی دلچسپیاں ان سے متفرق امور میں مشغول ہوتی ہیں۔ اگر کبھی قوائے حسیہ کے ایسے تجربات اتفاقیہ طور پر ہمارے شعور میں موجود ہو جاتے ہیں تو ہم انہیں غیبی امداد پر محمول کرتے ہیں تاہم ہماری تجرباتی زندگی کا ایک کثیر حصہ اسی قسم کے احساسی نقوش سے ترتیب پاتا ہے۔

(۶) اختناق الرحم کے مریضوں میں جیسا کہ مندرجۂ بالا عبارت سے ظاہر ہے قوائے حسیہ کے احساسی تجربات کا افتراق ذہنی ان کے تجربہ کے ساتھ ہی ساتھ عمل میں آ جاتا ہے مگر وہ مریض جو سہو و نسیان کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اکثر اوقات اپنی زندگی کے ایک خاص مسلسل زمانہ مثلاً لگاتار ایک یا دو مہینے۔ برس یا دس برس کے کل واقعات کو اس طریقہ پر فراموش کر دیتے ہیں کہ نہ تو وہ بذات خود ان کو اپنے شعور سے استرجاع کر سکتے ہیں اور نہ کسی شخص کی ان کی یاد دہانی کرانے پر وہ ان کو شناخت کر سکتے ہیں لیکن عمل ہپنوٹزم کے زیر اثر وہ ان کل فراموش شدہ واقعات کو جو ان کی زندگی کے ایک خاص مسلسل زمانہ کا حصہ مترتب کر چکے ہیں من و عن دہرا سکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ گو ان کی زندگی کے کسی خاص زمانہ کے تجربات کا مکمل طریقہ پر افتراق ذہنی ہو چکتا ہے لیکن تاہم وہ ان کے تحت الشعور میں بجنسہ محفوظ پائے جاتے ہیں۔ اس کی تائید میں ہم ذیل میں شہرۂ آفاق واقعہ پیش کرتے ہیں جسے ڈاکٹر رچرڈ ہوجسن نے نفسیاتی دار التفتیش (Society of Psychical Research) کے واسطے مہیا کیا تھا۔

"ایسل بورن جو بطور واعظ کے اپنی زندگی بسر کرتا تھا شہر گرین کا باشندہ تھا جو جزیرۂ رہوڈز میں واقع ہوا ہے۔ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۸۸۷ء کو وہاں کے بنک سے ۵۵۱ ڈالر برآمد کرنے کے بعد وہ روپوش ہو گیا۔ اس کے عزیز و اقارب نے بہت کچھ تفتیش کی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔

مورخہ ۱۴ مارچ کو اسی واقعہ کے دو ماہ بعد ایک شخص موری سن ٹاؤن میں بحالت خوف و ہراس لوگوں سے یہ استفسار کرتا ہوا پایا گیا کہ وہ کس مقام پر تھا۔ اس نے اپنا نام ایسل بورن ظاہر کیا اور کہا کہ وہ گرین جزیرہ رہوڈز کا باشندہ ہے لوگوں نے اس کی اس بات کو اسکی فاتر العقلی یا پاگل پن سے تعبیر کیا۔ انہوں نے کہا کہ دو ماہ قبل وہ اس شہر میں وارد ہوا تھا۔ اس نے اپنا نام اے۔ ایل۔ براؤن بتایا تھا اور ایک مٹھائی کی دوکان بھی کھولی تھی جس کے کل کام وہ اس وقت تک بحسن و خوبی انجام دیتا رہا تھا۔ ایسل بورن نے کہا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے تھے بالکل غلط تھا۔ اس نے کبھی کوئی دوکان نہیں کھولی اور نہ اسے موری سن ٹاؤن کے متعلق کچھ علم تھا اسے اتنا ضرور یاد تھا کہ اس نے گرین کے بنک سے کچھ روپیہ نکالا تھا۔ مختصر یہ کہ اسکی اطلاع اسکے بھتیجہ کو کی گئی جو اسے وہاں سے لیگیا۔ سن ۱۸۹۰ء میں پروفیسر ولیم جیمس نے اس پر عمل ہپنوٹزم کیا۔ اس حالت میں ایسل بورن نے وہ کل فراموش شدہ واقعات جو ان دو ماہ کے عرصہ میں اس پر گزرے تھے بجنسہ دہرا دیئے جن سے وہ شعوری حالت میں قطعی بیگانہ تھا۔

اس قسم کے دو یا تین مختلف سلسلۂ تجربات جب منظم اور مترتب شکل اختیار کر لیتے ہیں تو وہ دو رخی۔ سہ رخی شخصیتیں بن جاتی ہیں۔ ان میں سے جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہے ایک شخصیت کے اعمال کا دوسری شخصیت کو پتہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ عوام جب کسی شخص میں اس کی دوسری یا تیسری شخصیت کے باعث اس میں ایسی حیرت انگیز تبدیلی موجود پاتے ہیں تو یا تو وہ اس شخص کو پاگل قرار دیتے ہیں یا اس پر بھوت پریت کا گمان کرتے ہیں ٭



خواہ کچھ بھی ہو آزاد رہو!

(مترجمہ جناب ماسٹر شفیع الدین صاحب ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

خواہ تمہیں اپنی شہرت اور ناموری اور اپنی مادی ترقی ہی نہیں بلکہ اپنی تمام آئندہ توقعات کو بھی خطرہ میں ڈالنے کا کیوں نہ فیصلہ کرنا پڑے اور خواہ کسی خاص جسمانی یا دماغی جد و جہد کے لیے کسی قدر وقت صرف ہو جانے کا امکان کیوں نہو یہ ضروری ہے کہ ایک فیصلہ کن معرکہ کیلیے تمہیں بہت عرصہ پہلے سے تیاریاں کرنی چاہئیں جہانتک ممکن ہو تم اس معرکہ میں بغیر پوری طرح تیاری کیے داخل نہ ہو۔

ہر وہ شخص جو اپنی زندگی کو اہم بنانا اور کوئی بڑا کام کرنا چاہتا ہے درحقیقت اس جد وجہد میں شامل ہو رہا ہے۔ ایسے اہم اور اعلےٰ معرکے کو شروع کرنے کیلیے جس کا اثر آئندہ ساری زندگی پر پڑیگا سب سے ضروری کام یہ ہے کہ اُن تمام اُلجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے جو بڑے بڑے اُمور کے سرانجام دینے میں رُکاوٹ ڈالتی، کوشش سے باز رکھتی، اور ترقی میں مانع ہوتی ہیں۔ اُن تمام باتوں سے پورے طور پر قطع تعلق کرلیا جائے جو زندگی کی قوت کو برباد کرتی ہیں، جو قوائے ذہنی کو اپنے قابو میں کرلیتی ہیں اور جو طاقت کے ضائع ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ راستہ کی تمام رُکاوٹوں کو دور کرکے منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے راستہ بالکل صاف کرلینا چاہیے۔

کسی انعامی دوڑ میں دوڑنے والے شخص کو جیتنے کی خواہ کتنی ہی خواہش کیوں نہو اگر وہ اپنی فرحی کو قابو میں نہیں رکھتا یا زیادہ ڈھیلا لباس اُس کے دوڑنے میں رُکاوٹ ڈالتا ہے یا وہ ایسی حالت میں دوڑتا ہے جبکہ اس کے پاؤں کسی وجہ سے زخمی ہیں تو وہ روڑکے اس مقابلے میں ضرور ہار جائیگا۔

ہم میں سے اکثر اصحاب میں اس بات کی بہت کمی ہے کہ باوجود کامیابی کی خواہش کے ہم اُن حالات کے میسر آنے کی کوشش نہیں کرتے جن پر کامیابی کا دارومدار ہے۔ ہم اُن مشکلات کو راستے سے نہیں ہٹاتے جو ہماری راہ روکے ہوئے ہیں اور اُن پابندیوں اور قیدوں سے آزادی حاصل نہیں کرسکتے جن میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم بجائے قوتِ بازو پر بھروسہ رکھنے کے ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کرنے کے عادی ہوچکے ہیں۔

زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ممکن رُکاوٹ کو ہم اپنی راہ سے دور کردیں اور جہاں تک ہوسکے ایسے حالات پیدا کرلیں جو اُس کام کیلیے مناسب ہوں۔ اس دنیا میں ہزاروں لاکھوں آدمی ایسے موجود ہیں جو لائق ہونے کے ساتھ

اتھ مزید ترقی کرنا اور دنیا میں کوئی بڑا کام سر انجام دینا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں دتے اور اُس کا سبب فقط یہ ہے کہ اُن رکاوٹوں کو اپنی راہ سے ہٹانے کی ہمت یں رکھتے جو ایسا کرنے میں مانع ہیں ہم میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی عادتوں کو نہیں موڑ سکتے اور دنیا میں جو بڑے بڑے کام ہم سے ہو سکتے ہیں اُن کو کرنے کے لیے اس دت کے چکر سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر ہم اُن پابندیوں سے کسی طرح نجات حاصل ریں جو ہمارے پاؤں میں بیڑی کی طرح پڑی ہوئی ہیں تو بجائے چھوٹے اور ادنےٰ اموں کے ہم بڑے بڑے شاندار کام سر انجام دے سکیں۔

ہر صحیح و سالم دماغ رکھنے والے انسان میں طاقت کا کچھ ذخیرہ جمع ہوتا ہے ند اگر وہ جسمانی یا اخلاقی اعتبار سے مقید ہو اور اپنی اعلیٰ اور شاندار اندرونی قوتوں ا اظہار جھجک کر سکے تو یہی چیز اس کے لیے طاقت اور مقصد کے ایک مضبوط رستے کا کام دے اور اُسکی زندگی کو پختہ اور مکمل بنا دے۔

تم کسی طاقتور اور تیز گھوڑے کو ایک پتلی رسی سے باندھکر دیکھ لو جب تک اس گھوڑے کو تم کھول کر آزاد نہ کر دوگے اُس وقت تک وہ اپنی تیزی اور طاقت کا مظاہرہ لمار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح دنیا میں بکثرت لوگ ہیں جنمیں لیاقت موجود ہے مگر کوئی معمولی ہ بات اُن کی ترقی میں رکاوٹ کا سبب بن رہی ہے۔ جو اُن کو کوئی کام نہیں کرنے دیتی۔ جبتک وہ اس سے چھٹکارا حاصل نہ کریں گے آگے بڑھ ہی نہیں سکتے۔

اگر آزادی کے ساتھ پیر چلانے کے لیے کافی جگہ نہ ہو اور ایک دیو کسی چھوٹی سی کوٹھری میں بند کر دیا جائے تو باوجود طاقتور و تنومند ہونے کے بھی وہ کمزور ہو جائیگا۔

بہت سے اشخاص ایسے حالات میں زندگی بسر کرتے ہیں جو ترقی میں مانع ہیں۔ وہ ایسی فضا میں رہتے ہیں جو اُن کے جوش کو دبا دیتی اور جد و جہد اور بلند حوصلگی کے خیالات کو کچل دیتی ہے جو اُن کی قوت میں انتشار پیدا کرتی اور تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے ایسے لوگوں میں اتنی جرأت اور قوت نہیں ہوتی کہ وہ پابندیوں کی زنجیر کو کاٹ دیں، دوسروں کی مدد اور اعانت کے خیال سے بے پرواہ ہو جائیں اور ایسے حالات پیدا کر لینے کے لیے جنمیں وہ اپنے ارادوں کو پورا کر سکیں فقط اپنی ذات پر بھروسہ کر لیں۔ بے کاری اور بے بسی کی وجہ سے اُن کی بلند حوصلگی کی روح مردہ ہو جاتی ہے۔

مجھے ایک ایسے نوجوان کا واقعہ بخوبی یاد ہے جسمیں ذوقِ صنعت موجود تھا اُس نے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال ضائع کر دیے اور اس خدا کے عطیہ سے فائدہ اُٹھانے اور اُن معمولی رکاوٹوں سے جو اُس کی راہ میں حائل تھیں چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ ترقی کی خواہش ہمیشہ اُس کے دل میں رہی وہ ہر کام میں اس بات کا احساس کرتا تھا کہ اُس کا دل اُس میں نہیں لگتا اُسکی صنعت پسند طبیعت اپنی قوت کا اظہار چاہتی تھی جو اُس کی قوتوں کی خواہش کے خلاف تھا۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ سب سے الگ ہو کر مطالعہ میں مصروف ہو جائے لیکن وہ مفلس تھا اور اگرچہ اُس کا موجودہ کام اُس کے لیے ایک مصیبت اور اُس کی روح کے لیے باعثِ تکلیف تھا تاہم اُن پریشانیوں اور دقتوں کے خیال سے خوفزدہ تھا جو اپنی خواہش کو پورا کرنے کے راستے میں اُسے نظر آتی تھیں وہ برابر یہی سوچتا رہا کہ اس کام کو اب چھوڑتا ہوں اور اب چھوڑتا ہوں اور دل کی خواہش کے پورا کرنے میں اب لگتا ہوں اور اب لگتا ہوں اسے ہمیشہ ایک مناسب موقع کا انتظار رہا کرتا تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا زندگی کی مختلف مشکلات اور زیادہ اُس پر قابو پاتی گئیں صنعتی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش روز بروز ضعیف ہوتی گئی، اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حالت ایسی ہوگئی کہ اس خواہش کا ذکر بھی اُس کی زبان سے سننے میں نہیں آتا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ خواہش اب عملاً بالکل مردہ ہوگئی تھی۔ جو لوگ اُس جوان سے واقف تھے وہ تک محسوس کرنے لگے کہ اُس میں کسی اعلیٰ اور مقدس شے کی کمی ہوگئی ہے اور اگرچہ وہ محنتی اور دیانتدار تھا تاہم وہ اپنی زندگی کے اصل مقصد کو ظاہر نہ کر سکا جو اُس کی زندگی کی بہترین شے تھی۔

مجھے ایک خاتون کا بھی حال معلوم ہے جو اپنی نوجوانی اور ابتدائی زمانۂ شباب میں موسیقی کی حیرت انگیز لیاقت رکھتی تھی، اُس کی آواز شیریں، زوردار اور پر اثر تھی، وہ حسین بھی تھی اور عجیب مقناطیسی شخصیت رکھتی تھی۔ فطرت نے اُس کے ساتھ نہایت فیاضی سے کام لیا تھا اور اُس کی بھی دلی خواہش یہی

تھی کہ وہ اپنی اس حیرت انگیز قوت کا اظہار کرے لیکن بدقسمتی سے اُسکو ایسے لوگوں میں زندگی بسر کرنے کا موقع ملا کہ وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہ کر سکی۔ اُس کے خاندان والے اُس کی اس خوبی سے قطعاً ناآشنا تھے اور اُس کی خواہش سے ہمدردی کرنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ پابندیوں کی عادی ہو گئی اور قیدی کی طرح آزادی حاصل کرنے کی تمام کوششوں کا خیال اُس میں مطلق باقی نہ رہا۔ جب ایک ایسی گانے والی خاتون نے جسکی شہرت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اُس کا گانا سُنا تو یہ کہا کہ یہ دنیا کی بہترین گانیوالی ہوگی لیکن اُس نے اپنے والدین اور رشتہ داروں کی مرضی کی متابعت کی اور آخرکار یہ خواہش آہستہ آہستہ اُسکے دل سے فنا ہو گئی۔ اُس کا بیان ہے کہ اس اعلیٰ جذبہ کا فنا ہونا نہایت ہی تکلیف دہ تھا۔ وہ اگرچہ ایک بیوی کے فرائض ادا کرنے میں مشغول ہو گئی لیکن زندگی بھر کبھی خوش نہ رہی اور ہمیشہ اُسکے چہرے سے یاس و ناامیدی کا اظہار ہوتا رہا۔

اُس کی وہ لیاقت جو کام میں نہ آسکی دنیا کے لیے تو ایک نقصان عظیم تھی ہی خود اُسکی ذات کے لیے بھی ایک ناقابلِ تلافی نقصان تھی۔ وہ اپنی زندگی اس عالم یاس میں بسر کرتی رہی، اُس کو ہمیشہ زمانۂ ماضی کا افسوس رہا۔

بزدلی بھی آزادی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے۔ اس ملک میں ہزاروں قابل مرد اور عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں کچھ نہ کچھ کر کے کچھ بننا چاہتے ہیں لیکن اُن کی راہ میں بزدلی کا بھوت حائل ہے یعنی وہ اپنی ذات پر بھروسہ نہیں کرتے وہ محسوس کرتے ہیں کہ بعض مخفی قوتیں برسرکار آنا چاہتی ہیں مگر ناکامی کے خیال سے وہ خوفزدہ ہیں۔ یہ خیال کہ لوگ اُنہیں انانیت پسند سمجھیں گے اُن کے ہونٹھوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اُن کے ہاتھوں کو عمل سے روک دیتا ہے اور اس بے عملی میں بڑے بڑے کاموں کا خیال مردہ ہو جاتا ہے۔ اُن میں اتنا حوصلہ نہیں کہ کبھی تو نو نقد کو تیرہ اُدھار پر بھی ترجیح دیکر دیکھیں اور آگے بڑھیں۔ وہ برابر منتظر رہتے ہیں کہ کوئی عجیب و غریب قوت اُنہیں امید و خود اعتمادی کی جھلک دکھلائے۔

بعض لوگ جہالت کی وجہ سے بھی قید ہیں اُن کو اُس آزادی کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی جو علم کے ذریعے میسر آتی ہے۔ اُن کی دماغی قوت کا بکس ہمیشہ بند رہتا ہے۔ اُن میں اپنی اصلاح کی جرأت نہیں ہوتی اور وہ اُس ہمت سے کام نہیں لیتے جو بچپن میں تعلیم نہ ہونے کی کمی کو پورا کر سکے۔ اُن کا خیال ہوتا ہے کہ اب ایسے کام کرنے کی عمر نہیں رہی۔ اُن کے خیال میں آزادی کی اتنی قیمت ہے کہ اُس کے ادا کرنے کے لیے کئی زندگیاں درکار رہیں اور ان ہی خیالات کی وجہ سے وہ ذلت کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں حالانکہ ترقی کی بلند ترین چوٹی تک چڑھنے کی قوت ان میں موجود تھی۔ بعض پر توہمات اور تعصبات کا اس قدر غلبہ ہے کہ اُن کی زندگی تنگ نظری اور حقارت کے دائرے میں محدود ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی بہتری کی بظاہر کوئی اُمید نہیں۔ وہ اس قدر بے خبر ہیں کہ اُن کو اپنی نکبت اور غلامی کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ دوسروں کو قید میں سمجھتے ہیں۔

اگر تم چاہتے ہو کہ زندگی کی رفعت اور ذاتی لیاقت کا کمال حاصل کرو جسکی وجہ سے تمام دماغی قوتوں کے ترقی کرنے کا امکان ہے تو جس طرح بھی ہو سکے آزادی حاصل کرو۔ دنیا کا کوئی کام بھی تمہاری اپنی کسی بہترین قابلیت کا معاوضہ نہیں ہو سکتا خواہ کیسی ہی قربانیاں کیوں نہ کرنی پڑیں اُس قابلیت کو برسرکار لاؤ کسی انسان کی سیرت کا بہترین پہلو اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ وہ انسان بے شمار مصیبتوں تکلیفوں، ناکامیوں اور دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہے۔

کسی ہیرے کی پوری پوری آب و تاب اور چمک دمک کا حال اُس وقت تک نہیں کھلتا جب تک کہ اُس کو چاروں طرف سے تراشا نہ جائے اور کسی پتھر پر گھس کر اُس کو جلا نہ دی جائے۔ اسی تراش و خراش کے بعد اُس کی اصل قدر و قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ اُسکو تاریکی میں سے روشنی میں آنے کیلیے یہی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

جن لوگوں نے اس دنیا میں بڑے بڑے کام کیے ہیں اگر اُن سے اُن کی قوت اُن کی دماغی رسائی اور اُن کے کثیر اور مختلف تجربات کی بابت جنہوں نے اُنکی زندگی کو مالامال کیا ہے دریافت کیا جائے تو اُن میں سے اکثر تم کو یہی جواب دینگے

کہ یہ سب کچھ کوشش اور سعی کا نتیجہ ہیں اور ان کی زندگی میں جو اعلیٰ ضبط اور اُن کی سیرت میں جو بہترین نظم پیدا ہوگیا ہے یہ سب کچھ غیر مناسب حالات سے نکلنے کی کوششوں ہی کی وجہ سے ہے۔ اور یہ سب خوبیاں اُن میں محض اس سبب سے پیدا ہوئیں کہ اُنہوں نے اپنی غلامی کی زنجیر کو توڑنے اور تعلیم حاصل کرنے، مفلسی سے نجات پانے، اپنی کسی خاص تدبیر پر عمل در آمد کرنے اور اپنے نصب العین پر پہنچنے کی جدوجہد کی۔

جو جدوجہد ہم مفلسی، اثرات وراثت یا جذبات و تعصبات یا اسی طرح کی کسی اور مانع ترقی شے کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں وہ ہماری بعض اُن روحانی اور جسمانی قوتوں کو برسرِ کار لانے میں مدد دیتی ہے جو شاید بیکار اور نامعلوم ہی رہتیں اگر ہمیں اُن کی شدید ضرورت پیش نہ آتی۔

اگر ہماری خواہشات پوری نہ ہوں اور اگر ہماری بلند حوصلگی کو برسرِ کار آنے کا موقع نہ ملے تو اس سے ہماری تمام دلی خواہشیں فنا ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہونے سے ہماری سیرت کی قوت بیکار اور ہماری اُمید برباد ہو جاتی ہے اور ہمارا نصب العین خاک میں مل جاتا ہے۔ اس سے خواہ مرد ہو خواہ عورت سب کی زندگی کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور اُن کی آئندہ کی تمام توقعات ڈھول کی طرح خالی رہ جاتی ہیں۔

میرا دعوےٰ ہے کہ کوئی شخص ہر قسم کے حالات میں خوش نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اُسی وقت خوش ہو سکتا ہے جبکہ اُس کی اُن قابلیتوں کو ظاہر ہونے کا موقع ملے جو خدا نے اُس کی زندگی میں کام آنے کے لیے اُس کو عطا کی ہیں۔ وہ اُسی وقت خوش رہ سکتا ہے جبکہ اُن جذبات کے اُبھرنے کا موقع ملے جن کا اظہار اُس کی فطرت سے ہوتا ہے۔ . . . .

. . . . وہ اُسی وقت خوش رہ سکتا ہے جبکہ وہ اُس عطیہ کا بہترین استعمال کرے جو قدرت نے اُس کے قویٰ پر مامور رہنے کیلیے عطا فرمایا ہے۔

رفلپ بُرک Phillips Brooks کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی طرح اس بات سے واقف ہو جائے کہ اُس کی زندگی کا فقط آدھا مقصد پورا ہوا ہے تو وہ اس زندگی کو ہرگز پسند نہ کرے گا اگر ہم کو بہتر اور برتر زندگی کی صرف ایک جھلک نظر آجائے تو ہمیں اُس زنجیر کو توڑ ڈالنا چاہیے جو ہمیں موجودہ زندگی گزارنے پر مجبور کیے ہوئے ہے۔ اور جس زندگی کا خاکہ ہمارے دماغ میں آچکا ہے اُس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ ترقی رُک جائیگی اور ہمارا تنزل شروع ہو جائیگا۔

اگر اپنے نصب العین کے حصول کی کوشش نہ کی جائے تو چندن میں نصب العین کا خیال ہی ہمارے دماغ سے محو ہو جائیگا۔ کوئی شخص کسی ایسے پیشہ کو بغیر انتہائی ضرورت کے اختیار نہ کرے جو اُسکی مخفی قوتوں کے برسرِ کار آنے میں یا اُن کے ترقی کرنے میں مانع ہو۔ کوئی شخص ایسے حالات میں نہ رہے جو اُسکی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائیں۔

تہذیب اپنی فتح و کامرانی کے لیے اُنہی لوگوں کی مساعی کی ممنون ہے جنہوں نے اپنے ماحول کی قید سے نکلنے کی جدوجہد کی ہے۔

اگر کسی انسان کا کوئی فطرتی جذبہ دبا ہوا ہے تو وہ پوری زندگی بسر نہیں کر رہا ہے پوری بلندی پر پہنچنے کے لیے اُسے خیالات اور اعمال کی پوری آزادی ملنی چاہیے اُسکے ضمیر کے لیے کوئی قید اور اُسکی بہترین قوتوں کے لیے کوئی بند نہ ہونی چاہیے۔

اپنی شخصیت کا ہمیشہ خیال رکھو۔ نہ خواہ مخواہ جھکو نہ فضول عذر خواہ ہو۔

بہت کم اشخاص ایسے ہیں جو آزاد ہوں۔ وہ اپنے آقاؤں کے، اپنے قرضخواہوں کے یا اسی طرح کے کسی اور جال میں پھنسے ہوتے ہیں۔ وہ اُس کام کو نہیں کرتے جو وہ درحقیقت کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ اُس کام کو کرتے ہیں جو اُنہیں کرنا پڑتا ہے اُن کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے اپنی تمام قوتیں صرف کرنی پڑتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصلی زندگی بسر کرنے کے لیے عملاً اُن میں کچھ باقی نہیں رہتا۔

آجکل ایسے لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے جو دوسروں کی بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں حالانکہ اپنے مالکوں سے زیادہ اُن میں قابلیت موجود ہے لیکن غلامی نے اُن کے دماغ پر اس قدر قابو پالیا ہے اور بعض پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ اس قدر پھنس گئے ہیں کہ اپنی قابلیت کے اظہار کے لیے جس قسم کی آزادی کی ضرورت ہے وہ اُنہیں میسر نہیں آتی۔

کیا کسی ہونہار نوجوان کے قول اور یقین کی آزادی کی کمی کی تلافی کوئی شے

کرسکتی ہے؟ کیا دنیا کی بڑی سے بڑی رقم بھی اس بات کا معاوضہ ہوسکتی ہے کہ دنیا میں سر اُٹھا کر چلنے اور دنیا سے بے نیاز رہنے کے قابل ہونے کے باوجود کوئی شخص ہر وقت عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرنے پر مجبور ہو۔ اور خواہ مخواہ بھی سب سے دبتا اور ہر وقت معافی مانگتا ہے؟

خواہ کسی قسم کا بھی لالچ کیوں نہ ہو خواہ کتنی ہی بڑی تنخواہ۔ انعام، اعزاز اور اثر کی توقع کیوں نہ ہو۔ کبھی ایسی صورت میں رہنا پسند نہ کرو جہاں تمہاری شخصیت کے نمایاں ہونے کا موقع نہ ہو۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے خیال کے اظہار سے نہ چوکو اور اپنی رائے کو کبھی فروخت نہ کرو۔ آزادی کو اپنا قابل انتقال حق سمجھو اور دنیا کی کوئی شے تمہیں تمہارے اس حق سے محروم نہ کرسکے۔

ایک آزاد آدمی اُس ذہین آدمی سے کہیں بہتر ہے جو مقید ہو اور کسی کام کو آزادی کے ساتھ نہ کرسکے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ کسی کام کا نہیں اگر وہ ادنےٰ سے ادنےٰ کام کرنے پر مجبور ہو۔

اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے لئے کم سے کم ہمیں چاہیے کہ ہم ہر اُس شے سے اجتناب کریں جو ہمارے جسمانی یا اخلاقی قویٰ کو ضعیف اور ہماری زندگی کو ضائع کرنے کا باعث ہو ہمیں اُن تمام باتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلینی چاہیے جو ہماری طبیعت کو ڈانواں ڈول کریں اور ہماری کوششوں کو کمزور کرنے کا سبب ہوں یا ہمارے نصب العین اور ہمارے معیار زندگی کو پست کریں۔ غرض یہ ہے کہ ہمیں اُن تمام باتوں سے کنارہ کشی کرنی چاہیے جو ہماری بلند نظری کی قاتل اور معمولی حالت پر ہمیں قانع بنانے والی ہوں۔

ہزار ہا اشخاص جو کسی خراب جسمانی عادت میں مبتلا ہیں اپنے کام کو اپنی پوری لیاقت سے انجام نہیں دے سکتے۔ اس خراب عادت اور عیش و عشرت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی قوت ضائع ہوتی رہتی ہے اور اُن کی طاقت ضعیف اور کمزور پڑجاتی ہے۔

بعض لوگوں کے راستے میں اُن کے اپنے طبعی خصائل بھی حائل ہوتے ہیں۔ اور ضد، بے سلیقگی، سفلہ پن، جذبۂ انتقام، حسد اور رشک وغیرہ اُن کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

بعض ایسے بھی ہیں جو بعض دقتوں اور دشواریوں میں زندگی بسر کرتے ہیں لیکن کبھی ان دقتوں اور دشواریوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی سنجیدہ اور مستقل کوشش نہیں کرتے۔ اُس ہاتھی یا کسی اور وحشی جانور کی طرح جو چڑیا خانے میں زنجیروں میں باندھا جاتا ہے اول اول تو وہ آزادی حاصل کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ وہ اس قید و بند کے پابند ہوجاتے ہیں اور فرض کرلیتے ہیں کہ یہ صورت حال بھی ان کی زندگی کا ایک طبعی جزو ہے۔

اس کے علاوہ بعض دقتیں ایسی بھی ہیں جو کاروباری آدمیوں کی ترقی کو روکتی اور اُن کی مساعی کو بیکار کرتی رہتی ہیں اور یہ قرض، بُرے شریک اور افسوسناک معاشرتی تعلقات پر مشتمل ہیں۔ اگر ہم غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو حقیقت میں آزاد ہوں۔ وہ عام طور پر اُسی طرف چل پڑتے ہیں جدھر کی ہوا ہو اُن کی بہت سی قوت اُن اُمور پر صرف ہوجاتی ہے جن کا اثر اصل زندگی پر مطلق نہیں پڑتا۔ اپنی زندگی بیکار مصروفیتوں میں صرف کرتے ہیں اور اُن کی ساری زندگی ایسے ہی اُمور کے تصفیہ میں بسر ہوجاتی ہے۔ جو اُنکے غلط فیصلوں، غلط رایوں اور احمقانہ تحریروں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بجائے زندگی کی مسافت طے کرنے کے وقت گزشتہ ہی کی تلافی کے خیال میں پھنسے رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمت شکن امکانات کے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں۔

ایک بلند حوصلہ نوجوان جو ٹھیک کام کرنا چاہتا اور دنیا میں شہرت حاصل کرنے کا خواہشمند ہے اپنے آپ کو کبھی کبھی ایسی اُلجھنوں میں پھنسا لیتا ہے جو اُس کے مقصد زندگی کو تباہ اور اُسکی تمام کوششوں کو بیکار کردیتی ہیں۔ اُسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خواہ کسی قدر کوشش بھی کیوں نہ کرے کبھی اوسط درجہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ اگر اُس کا بال بال قرض میں بندھا ہوا ہو، اگر ایک خاندان

خاندان کا گزارہ اُسکی ذات سے وابستہ ہو تو ایسی حالت میں وہ اُن موقعوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جن موقعوں سے وہ اُس حالت میں اُٹھا سکتا تھا کہ جب وہ آزاد ہوتا یا وہ اپنی آئندہ زندگی کے لیے تھوڑا بہت سرمایہ قبل از وقت جمع رکھتا اُس کا بلند حوصلہ اُس کا مذاق اُڑاتا ہے کیونکہ وہ اُس سے کام نہیں لے سکتا وہ دست و پا بستہ ہے۔ وہ پنجرے میں ایک بند عقاب کی طرح ہے کہ خواہ فضا سے آسمانی میں پرواز کرنے کی اُس میں کتنی ہی طبعی قوت کیوں نہ ہو پھر بھی پنجرے کی تیلیاں اسے روک لیتی ہیں اگر کبھی وہ اُڑنے کا ارادہ کرے۔

جو شخص ہر ایک پر اعتماد رکھتا ہے وہ ہمیشہ ان تعلقات سے اپنے آپ کو کمزور کرتا رہتا ہے۔ وہ تحریریں لکھ دیتا ہے۔ لوگوں کو قرض دیتا ہے۔ ہر شخص کو مصیبت سے نکالنا چاہتا ہے اور عام طور پر بے یار و مددگار رہتا ہے۔ وہ اپنی دولت پیدا کرنیوالی قوت کو معطل کرلیتا ہے اور اپنے غلط فیصلے اور کاروباری فہم کی کمی کی وجہ سے اپنی ترقی میں آپ مانع ہوتا ہے۔

قدرت نے قوت فیصلہ ہمیں اس لیے عطا فرمائی تھی کہ وہ ہماری تمام دماغی قوتوں پر حاوی رہے اور کسی شے کے حسن و قبح کے جانچنے میں ہماری معاون ہو دنیا میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو شیوۂ اعتدال اختیار کرتا ہے اور ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا اور میزان دانش میں تولتا ہے۔

تم خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرو اس بات کا خیال رکھو کہ کہیں پھنس نہ جاؤ۔ اپنی زندگی کا قاعدہ بنا لو کہ اپنے آپ کو پاک صاف رکھو گے اور اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلیا کرو گے جب کبھی تم کوئی کام کرنے لگو اُس پر پورے طور پر غور کرو اور اچھی طرح مطمئن ہو جاؤ کہ تم نے سوچ کر کسی نتیجے پر پہنچنے میں کمی نہیں کی ہے اپنی لیاقت، اپنا مکان یا اپنی معمولی پونجی اس امید میں ضائع نہ کرو کہ بغیر کسی خاص کوشش کے تمہیں کچھ مل جائیگا۔ اُن لوگوں کی اطلاعات پر بھروسہ نہ کرو جنہیں کسی خاص کام میں تھوڑا سرمایہ لگا کر زیادہ نفع حاصل ہو گیا ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جہاں سینکڑوں ناکامیاب رہتے ہیں اور ایک کامیاب ہوتا ہے۔ دنیا میں اس سے بڑھکر فریب دہ کوئی اور امید نہیں ہے کہ تھوڑا سا نقصان اُٹھا کر تم بہت نفع حاصل کرلو گے۔ اگر تم اپنے اُس پیشے میں جو تم نے سوچ سمجھکر اپنی زندگی کے لیے اختیار کیا ہے اور جس میں تم مشاق ہو گئے ہو بہت نفع نہیں حاصل کرسکتے۔ اگر تم اُس کاروبار میں دولتمند نہیں بن سکتے جس کی باریکیوں سے تم بخوبی واقف ہو تو بھلا تم کس طرح توقع کرسکتے ہو کہ کوئی اور شخص تمہاری دولت لیکر تمہیں اُس کے بدلے میں ایک بہت بڑا نفع حاصل کرا دیگا۔ دراں حالیکہ تمہیں یہ بھی حق حاصل نہ ہوگا کہ یہ بھی دیکھ سکو کہ وہ دولت کس کام پر صرف کی جارہی ہے۔

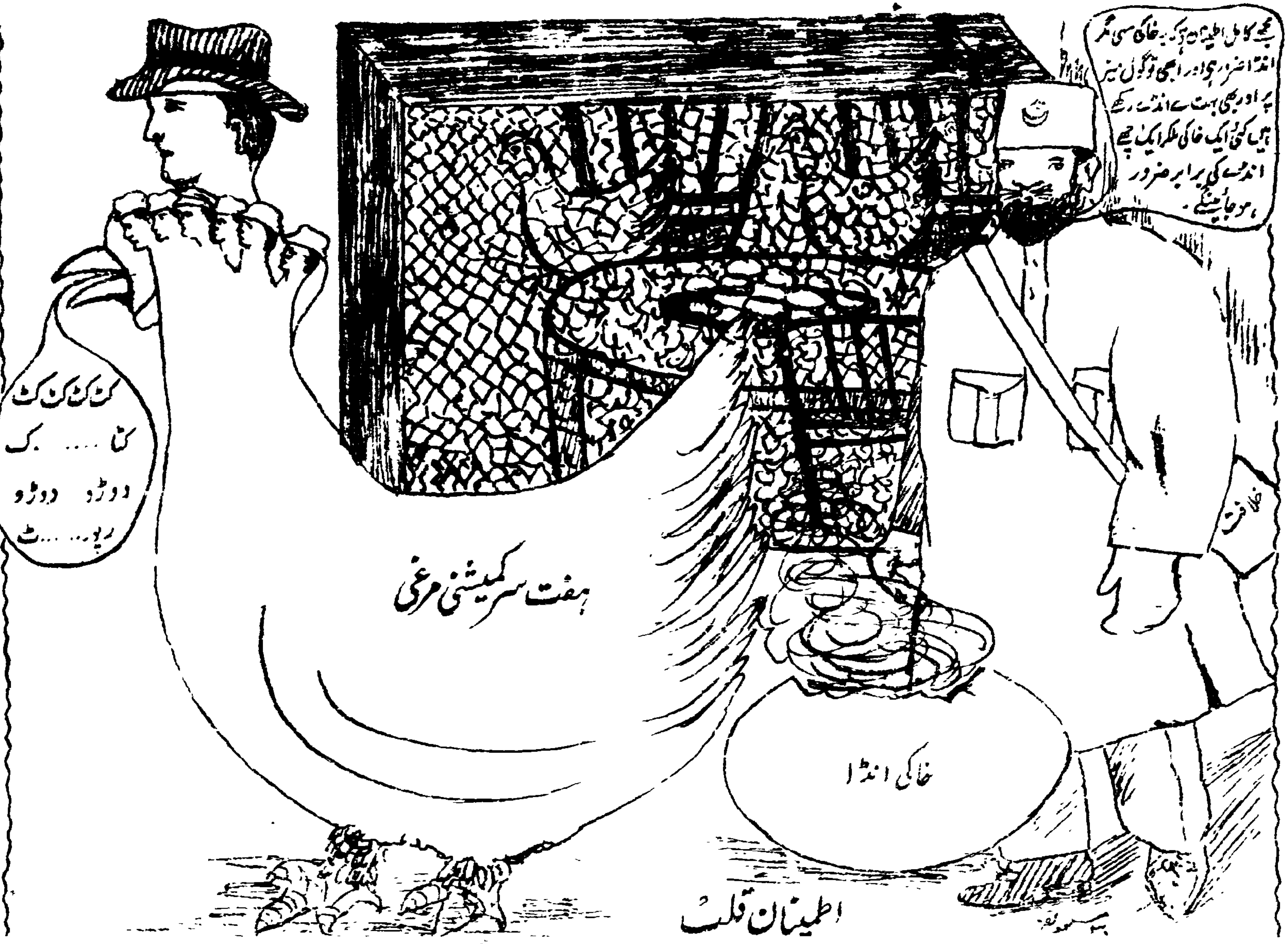
نوجوانی ہی میں اپنی قوت فیصلہ کو ترقی دو اور قوت تمیز سے کام لیتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ اتنی ترقی کرجائے کہ تم اس پر اعتماد کرسکو۔ تمہارا اپنا فیصلہ تمہارا سب سے بڑا دوست ہے۔ تمہاری اپنی فہم تمہاری بہترین رفیق زندگی ہے جو قدرت نے تمہاری رہنمائی اور تمہارے مفاد کی نگرانی کے لیے عطا فرمائی ہے۔ عمدہ فیصلے قوت تمیز۔ اور فہم پر اعتماد رکھو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو بادِ حوادث کے جھونکوں کی دست بُرد سے محفوظ رہنا تمہارے لیے آسان ہوگا +

رُباعی

ہر لحظہ بدی سے دل میں ڈرنا بہتر — نیکی ہر اک آدمی سے کرنا بہتر

جو قوم و وطن کے کام آئے نہ کبھی — وہ زیست فضول اس سے مرنا بہتر

سعید


کٹ کٹ کٹ کٹ
کٹا ..... ک
دوڑو دوڑو
ریو ..... ٹ
ہفت سر کمیشنی مرغی
خاکی انڈا
مجھے کامل اطمینان ہے کہ یہ خاکی سہی مگر
انڈا ضرور ہے اور ابھی تو کئی میز
پر اور بھی بہت سے انڈے رکھے
ہیں کبھی ایک خاکی ملکر ایک چھے
انڈے کی برابر ضرور
ہو جائینگے۔
خلافت

اطمینان قلب



محنت سے جی چُرانا

(از جناب خورشید ہاشمی بوندوی)

ایک تو ہندوستان کے بدنصیب مسلمانوں کی کشتیِ حیات پہلے ہی افلاس کے سمندر میں ڈگمگا رہی ہے پھر مزید اُس پر یہ ستم کہ ان خدا کے سست بندوں نے ہاتھ پیر ہلانا بھی چھوڑ دیا۔ اور لطف یہ کہ سمجھتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری غفلت اور کاہلی سے یہ بیڑا پار ہرگز نہ ہوگا لیکن پھر بھی ہوشیار نہیں ہوتے۔

قدرت نے انہیں دو ہاتھ دیے کہ ان سے کام لیں، دو پیر بنائے کہ ان کی مدد سے کھڑے ہو کر محنت و مشقت کریں لیکن ان خدا کے ناسمجھ بندوں نے ان نعمتوں سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور نہ ان سے کوئی کام لیا۔

مسلمان اگر اب بھی ہوشیار نہ ہوئے اور اب بھی ان کی آنکھیں نہ کھلیں تو اندیشہ ہے کہ ان کی غفلت اور سستی انہیں ہمیشہ کے لیے نہ غرق کر دے۔

کس قدر افسوس ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے عیش پسند ہوگئے محنت ان سے نہیں ہوتی۔ کما کر ان سے نہیں کھایا جاتا اور اس وقت ہندوستان میں ان کے فیصدی نوے نفوس بے روزگاری اور افلاس کی مصیبت میں گرفتار ہیں بہتوں کو یہ شکایت ہے کہ ہمیں ملازمت نہیں ملتی۔ مجھے ان پر اور ان کی اس کم ہمتی پر ہنسی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ محنت و جستجو سے تو انسان اُس شے کو بھی پالیتا ہے جس کا ملنا بظاہر محال ہو پھر کیا وجہ کہ تلاش و جستجو اور دوڑ دھوپ کرنے کے بعد آدمی کامیاب نہ ہو۔ وہ کونسی ایسی شے ہے جسے انسان نہیں پا سکتا، پانے والے تو خدا کو پا لیتے ہیں۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ علمی استعداد تو تشریح الحروف سے زائد نہیں ہوتی اور آرزو یہ کہ کسی ریاست کا دیوان یا کسی ضلع کا مجسٹریٹ بنا دیا جاؤں۔ ایسی تمنا اُس خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی کہ جس کی کوئی تعبیر نہ ہو۔

ملازمت کے علاوہ دوسرا ذریعۂ معاش تجارت ہے لیکن ان خدا کے بندوں نے اس پیشہ کو بھی ذلیل سمجھ رکھا ہے کہ جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشہ تھا۔ خدا کے ان نیک بندوں اور رسول اللہ کے اُمتی مسلمانوں سے کوئی یہ پوچھے کہ آخر تم یہ کیا کر رہے ہو تم ذرا اپنی حقیقت پر تو نظر ڈالو کہ تم کون ہو اور کیا ہو تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ کیا اس لیے کہ دنیا میں رہ کر غلامی اختیار کرو؟

سستی اور کاہلی تمہارے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی۔ اب تم سے محنت و مشقت کیا خاک ہو سکتی ہے۔ خدا اور رسول کے ارشادات کو تم نے بھلا دیا۔ اللہ تعالےٰ کی عبادت و بندگی تم سے نہیں ہوتی۔ رسولِ خدا کی ہدایتوں کو تم نے پس پشت ڈالدیا

اور باایں ہمہ نامسلمانی دعوائے اسلام اب بھی موجود ہے ۔

تجارت کے متعلق یہ عذر کیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے کاروبار کریں تو کس ذریعہ سے ؟

سوال یہ ہے کہ آخر پیسہ کس صورت سے پیدا ہوتا ہے ، کیا ہر شخص کے گھر میں دفینہ ہے اور تمہارے ہاں نہیں ہے یا روپیہ کا کوئی درخت ہے جو تمہارے گھر میں موجود نہیں ہے یا اگر کہیں ہے تو تمہاری رسائی وہاں تک نہیں ہوتی ۔ یا ہر شخص کو دولت غیب ہوتا ہے جو تمہیں نہیں ہوتا ۔ آخر روپیہ کہیں پڑا تو ملتا نہیں ۔ روپیہ محنت و مشقت سے کمایا جاتا ہے صبح سو کر اُٹھتے ہی سرہانے تکیہ کے نیچے رکھا ہوا نہیں مل جاتا ہے جس تاؤ اور محنت سے روپیہ بنتا ہے اسی طرح ایڑی سے چوٹی تک کا پسینہ بہہ جانے پر وہ انسان کے پاس آتا ہے ۔ بہت سے برادران توکل پر قائم ہیں ۔ توکل کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ پلنگ پر شب و روز پڑے کروٹیں بدلو اور دل میں توکل بخدا رکھو کہ وہ کھانے کو دے گا ۔ خدا اُنہی لوگوں کے توکل پر نظر رکھتا ہے اور اُنہی کو اس دنیا میں ایک روز کامیاب بنا دیتا ہے جو محنت و مشقت کر کے کماتے ہیں اور اپنی محنت کے نتیجہ کے متعلق خدا پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں ۔ توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُٹھکر تو کاہلی سے پانی نہ پیا جائے اور تمنا یہ ہو کہ پلنگ پر پڑے پڑے مرغن غذائیں خدا دیے جائے ۔

تجارت کے علاوہ تیسرا پیشہ کاشتکاری ہے مسلمانوں سے یہ بھی نہیں ہوتا ، اور ہو بھی کیسے ؟ سورج کی تیزی میں دن دن بھر محنت کرنا ہوتی ہے ۔ مبادا لُو لگ جائے یا چہرہ دھوپ سے سیاہ پڑ جائے ۔ شہر کو چھوڑ کر ، یار آشناؤں سے دور رہکر جنگل میں دیہاتی بنکر رہنا پڑتا ہے ۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی شان کے خلاف بھی ہے ۔

مسلمانوں کی زندگی کا مقصد بظاہر اب یہ رہگیا ہے کہ معقول آمدنی ہو اور وہ بھی کسی ایسی صورت سے کہ ہمیں ذرا ہاتھ پیر ہلانا نہ پڑیں ۔ اس روپیہ سے ایک باغ نہایت پُر بہار لب جو بنایا جائے جس میں بہت نفیس ایک کوٹھی بنی ہوئی ہو کوٹھی کا ہر کمرہ آرائش و زیبائش کا بہترین مرقع ہو ۔ عریاں تصاویر کمرے کی زینت ہوں ۔ ایک جانب فونوگراف اور دوسری طرف پیانو ہو ۔ دس پانچ حسین و جمیل زینت محفل ہوں ، اور خدا جانے اور بھی کیا کیا کچھ ؟

یہ ہے مقصد مسلمانوں کی زندگی کا اور اسی دھن میں وہ آنکھیں بند کیے ایک ایسے غار کی جانب چلے جا رہے ہیں بلکہ قریب پہنچ چکے ہیں کہ جس میں گر جانے کے بعد تا حشر رہائی دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے ۔

مجھے کہنے دیجیے کہ مسلمانان ہند اپنی اعمال کی بدولت غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوے ہیں اور جب تک وہ اپنی عادات و خصائل کی اصلاح نہ کرلیں گے اور جب تک اپنے جسم کو محنت و مشقت کا عادی نہ بنالیں گے ہرگز ہرگز آزادی کا ایک سانس بھی ہندوستان میں رہکر نہیں لے سکتے ۔

مسلمان رسولؐ خدا کی اُمت ہیں ، انہیں تو اور قوموں سے آگے رہنا چاہیے ۔ انہیں تو خیر الامم کا خطاب مل چکا ہے ۔ وہ انہی کے اسلاف تھے جن کی قابلیت و ذہانت اور سخاوت و شجاعت کا دنیا لوہا مانے ہوے ہے ۔

مسلمان اور اس قدر کمزور ! رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اُمت اور ایسی حالت میں گرفتار ! مدینے والے سلطان دو عالم کے اُمتی اور دوسروں کی غلامی میں اسیر ! حیف ! صد حیف ! ! ! تمہاری غفلت اور تمہاری کمزوری سے دوسری قومیں فائدہ اُٹھا رہی ہیں ۔ اور تم ہو کہ خواب غفلت میں پڑے بے خبر سو رہے ہو ۔ جاگو اور ہوشیار ہو ۔ محنت کرو کہ کامیابی کا سر تمہارے قدموں پر جُھک جائے ۔ عروج و اقبالمندی پھر تمہارے ہمراہ رکاب ہو ۔



بی ہمسائی

(از سعید احمد)

حمیدہ:- آپا ذرا ٹھہر جائیے، میں ابھی آئی۔

فہمیدہ:- تم اطمینان سے اپنا کام کرو میں کھڑی ہوں۔

حمیدہ:- کام کچھ نہیں ہے ننھے کا منہ دُھلا رہی ہوں۔ اسے لو دھلا چکی۔

فہمیدہ:- آج اختر کی طبیعت کیسی ہے؟

حمیدہ:- آپا کیا بتاؤں کیسی ہے۔ خدا جانے یہ کمبخت کونسی قسم کا بخار ہے کہ کسی طرح اُترتا ہی نہیں۔ اُدھر دو ایک روز ذرا طبیعت کچھ بحال سی معلوم ہونے لگی تھی کل شام سے پھر بخار تیز ہوگیا اور آج تو وہ کچھ ایسا چُپ اور نڈھال پڑا ہے کہ آنکھ بھی مشکل ہی سے کھولتا ہے۔

فہمیدہ:- بخار کتنا ہے؟

حمیدہ:- رات انہوں نے تھرما میٹر لگایا تھا۔ ایک سو چار تھا، اور اس وقت بھی میرے خیال میں کل شام ہی کی طرح تیز ہے۔

فہمیدہ:- علاج انہی ڈاکٹر صاحب کا ہو رہا ہے؟

حمیدہ:- کہاں آپا! شروع سے اب تک تو کئی ڈاکٹر اور حکیم بدلے جا چکے ہیں۔ کسی کی دوا سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔

فہمیدہ:- آج بخار کو کتنے دن ہو گئے؟

حمیدہ:- آج گیارھواں دن ہے۔

فہمیدہ:- دس دن میں تم کئی ڈاکٹر اور حکیم بدل چکی ہو؟

حمیدہ:- یوں دیکھو نا آپا! پہلے دو دن تک حکیم خورشید علی کی دوا پلائی اس سے کچھ نہیں ہوا تو بنرجی بابو کو دکھایا اُنہوں نے کہا کہ میعادی بخار ہے پندرہ سولہ دن میں جا کے اُترے گا۔ مجھے ان سے کچھ بے اعتقادی سی ہوگئی اس لیے دوسرے دن ڈاکٹر کریم الزمان کو بلوایا۔ اُنہوں نے کہا کہ بخار تو بہت خراب قسم کا ہے مگر میں دوا دیتا ہوں خدا نے چاہا تو جلد ہی اُتر جائے گا ان کی دوا برابر تین دن تک پلائی۔ بخار ٹس سے مس بھی نہ ہوا۔ مجبور ہو کر پھر ہر مزجی کو دکھایا وہ بچوں کے علاج میں بہت مشہور ہیں، ان کی دوا دیتے ہی اسی دن بخار بہت تیز ہوگیا۔ اسی دن آپ اجمیر سے آئی تھیں ڈاکٹر رشید کی تعریف کی تو میں نے اُنہیں بلوایا اُن کی دوا سے اتنا تو ضرور ہوا بخار کی تیزی کم ہوگئی اور کمزوری اور نڈھال پن میں بھی کمی آگئی صبح کے وقت تھوڑی بہت بات چیت بھی کرنے لگا۔ میں سمجھی کہ بس اب اچھا ہونے لگا تو یہ

ہو جائیگا۔ کئی دن سے وہ روٹی کے لیے بڑی ضد کر رہا تھا اور ڈاکٹروں نے روٹی کی قسم کر رکھی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب تک ڈاکٹری علاج رہیگا اُس وقت تک اسے اسی طرح روٹی کے لیے ترسنا پڑے گا اور حکیم جی شوربا اور پھلکا یا مونگ کی دال میں روٹی کا پھلکا ضرور بتا دیں گے بس اس لیے میں نے کل سے ڈاکٹر رشید کا علاج بند کرکے امروہہ والے حکیم جی کا علاج شروع کر دیا۔ اُنھوں نے اسے روٹی کا پھلکا اور شوربا بتا دیا۔ کل اس نے کوئی گنتی کے تین یا چار نوالے کھائے ہونگے شام کو بخار پھر بہت تیز ہو گیا اور رات میں اسے تین دست بھی آئے اور آج صبح سے اس کی حالت پھر خراب معلوم ہو رہی ہے۔ ساری ساری رات مجھے یونہی اس کے سرہانے بیٹھے گزر جاتی ہے۔ ٹونا، ٹوٹکا، جھاڑ پھونک جو کوئی کچھ بتا دیتا ہے وہ بھی برابر کرتی رہتی ہوں مگر بخار کسی حال نہیں ٹلتا۔

فہمیدہ :۔ بہن اب اس وقت تم مصیبت اور رنج میں مبتلا ہو اسلیے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی مگر سچ یہ ہے کہ آخر اللہ اس کی عمر دراز کرے اور اسے جلدی سے اچھا کر دے، بس اپنی تقدیر ہی سے اچھا ہو گا۔ نہیں تو تم نے تو اُس کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔

حمیدہ :۔ (حیرت سے) آپا یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں اپنے بچے کی دشمن ہو جاؤنگی ؟ میں تو خدا سے دعا کرتی ہوں کہ اس کی آئی ہوئی مجھے لگ جائے اور وہ اچھا ہو جائے۔

فہمیدہ :۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تم اس پر اپنی جان قربان کر دوگی۔ لیکن جو کچھ تم نے اس وقت اس کے ساتھ کیا وہ اگرچہ اس کی محبت ہی کی وجہ سے کیا لیکن وہ سخت دشمنی کی۔

حمیدہ :۔ تو آپا کچھ بتاؤ بھی تو کہ مجھ بدنصیب نے کیا کیا !

فہمیدہ :۔ حکیم جی کی دوا دو تین روز پلا کر جب تک کہ تمھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بخار کس قسم کا ہے اگر تم نے علاج تبدیل کر دیا تو خیر وہ ٹھیک تھا لیکن جب ڈاکٹر نے تمھیں یہ بتا دیا کہ بخار میعادی ہے اور دو یا تین ہفتے میں اُتریگا تو پھر تم نے دوسرے ہی دن ڈاکٹر کیوں بدل دیا۔ اور پھر اب ایک کو کسی وجہ سے بدلا تھا تو بدلا تھا یہ روز روز نئے ڈاکٹروں کی دوا اسے دینے میں کیا مصلحت تھی۔ تمھیں یہ معلوم تھا کہ بخار اُتریگا نہیں، پھر اس سے کیا فائدہ کہ کسی ایک شخص کی دوا کو بھی اثر کرنے کا پورا موقع نہ دیا جائے۔ اور دس مختلف قسم کی دوائیں اس کے پیٹ میں یا اس کے خون میں جمع کر دی جائیں جن میں سے بعض ممکن ہے کہ ایسی بھی ہوں کہ آپس میں ملکر زہر بن جاتی ہوں۔ کیا بیمار کے لیے اس قدر گھبرانا کہ ہوش اور حواس تک جاتے رہیں اور آدمی اپنی عقل تک کھو بیٹھے کوئی محبت کی علامت ہے ؟ بیمار کے ساتھ دوستی اور محبت کے تو یہ معنی ہیں کہ گھبراہٹ ہمارے قریب بھی نہ آنے پائے اور ہم اس کی دوا دارو کے متعلق کوئی کام بغیر اچھی طرح سوچے سمجھے ہرگز نہ کریں۔ اپنی دولتمندی کی نمائش کے لیے دن میں چھ چھ مختلف حکیموں اور ڈاکٹروں کو بُلانا دیکھنے والوں پر تو یہ اثر ضرور ڈال سکتا ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ تم مریض کی محبت سے بیقرار ہو اور اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہو، لیکن خود مریض کے حق میں سخت مُضر پڑتا ہے اور جس طرح دس ماماؤں کے ہاتھ لگنے سے سالن ہمیشہ خراب ہو جاتا ہے اسی طرح ایسے مریض کی بھی مٹی پلید ہو جاتی ہے تمھاری جگہ اگر میں ہوتی تو میں تو بس اُنہی بنرجی بابو کا علاج کیے جاتی جنہوں نے یہ بتایا تھا کہ بخار میعادی ہے، اور اس وقت تک ہرگز نہ بدلتی جب تک کہ یہ نہ دیکھتی کہ علاج سے فائدہ کی بجائے نقصان پہنچ رہا ہے۔ پھر اس کے علاوہ ذرا تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ جب تم خود کہتی ہو کہ ڈاکٹر رشید کی دوا سے افاقہ معلوم ہو رہا تھا تو پھر تم نے محض اس وجہ سے کہ وہ روٹی کھانے کی اجازت نہیں دیتے علاج کیوں بدلا۔ بیمار تو ہزار طرح کی ضدیں کیا کرتے ہیں ان کی کون کون سی ضد تم پوری کر سکتی ہو ؟ اور اگر کر بھی سکتی ہو تو اس کے کیا معنی کہ جس دوا سے اسے فائدہ پہنچا ہے اُسی کو بند کر دو ؟ اس سے بڑھ کر دشمنی بیمار کے ساتھ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے وہ چیز کھلانے کے لیے کہ جس سے ڈاکٹر نے پرہیز کرایا ہے دوا اور تم وہ دوا بھی بند کر دو کہ جو فائدہ کر رہی ہے ؟

اب رونی کھلانے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے، دیکھو ایک ہی دن میں بخار ریڑھ گیا۔ تم اسے محبت اور ماتا سمجھو، میں تو اسے اگر دشمنی نہ کہوں گی تو پاگل پن ضرور کہوں گی۔

حمیدہ :- تو آپا اب میں کیا کروں؟

فہمیدہ :- پھر ابھی ڈاکٹر رشید کو بلاؤ اور سب حال صحیح صحیح اُن سے کہدو۔

حمیدہ :- اُستانی جی صبح آئی تھیں وہ تو کہتی تھیں کہ یہ کسی طرح کا خلل ہے، اور کسی سیانے کو بُلا کر دکھانا چاہیے۔

فہمیدہ :- بہن تمہارا بچہ ہے، تمہیں اختیار ہے، جو چاہو کرو، اور جسے چاہو دکھاؤ لیکن ہاں میں اتنا ضرور کہوں گی کہ تمہیں اب اس قدر بے وقوف نہ بننا چاہئے کہ اچھی خاصی ظاہر طور پر بیماریوں کو آسیب کا خلل سمجھ لو - بہن یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ خلل وَلَل کسی کو کبھی نہیں ہوا کرتا تم ان خیالوں کو چھوڑ دو اور ابھی ابھی ڈاکٹر رشید کو بُلا کر پھر اُنہی کا علاج شروع کر دو - گیارہ دن آج ہو چکے اللہ نے چاہا تو ایک ہفتہ میں بخار اُتر جائے گا پھر تم سیانوں کو چاہنا دکھا دینا۔

حمیدہ :- اچھا آپا! میں ابھی اُنہیں بُلواتی ہوں

(✻)

یہ ترقی ہے یا تنزل؟

(از جناب قدسیہ خاتون صاحبہ)

مقام مسرت ہے کہ صنف لطیف نے بھی اب غریب "کامیابی" کی طرف توجہ مبذول کی اور ہم قدسیہ خاتون صاحبہ کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے فاضلانہ خیالات سے اس پرچہ کی عزت افزائی فرمائی - "ایڈیٹر"

میں اول دن سے "کامیابی" کی خریدار ہوں اور میں سچ کہتی ہوں کہ صرف یہی ایک پرچہ ہے جس کا مجھے برابر انتظار رہتا ہے اور جس کا ایک ایک لفظ میں شوق سے پڑھتی اور سمجھ لیتی ہوں - میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیسیوں اور پرچے جو نکل رہے ہیں وہ خراب ہیں یا ہماری زبان کی خدمت نہیں کر رہے ہیں، بلکہ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ان کی زبان کچھ اس قدر بلند ہوتی ہے کہ مجھ جیسی قابلیت کی عورتیں ان سے کچھ لطف نہیں اُٹھا سکتیں۔

مجھے اس بات کے ظاہر کر دینے میں ذرا سی بھی شرم نہیں ہے کہ میں ایک اوسط درجہ کی تعلیم یافتہ عورت ہوں اور اُردو کے علاوہ دو چار چھوٹی موٹی کتابیں فارسی کی بھی پڑھ چکی ہوں جس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے ان پڑھ عورتوں کی نسبت دس بیس لفظ زیادہ معلوم ہیں اور اخبار اور رسالوں کے مضمون سمجھنے کی قابلیت ایک بالکل جاہل عورت کی بہ نسبت مجھ میں زیادہ ہے - اب اگر کسی مضمون کا مطلب اچھی طرح میری سمجھ میں نہ آئے تو اس کے یہی معنی ہونگے کہ عام عورتیں اسے بالکل بھی نہ سمجھ سکیں گی۔ اور عورتوں ہی پر کیا منحصر ہے "ایسے مضمون کہ جنہیں میں پورے طور پر نہ سمجھ سکوں عام مردوں کی سمجھ سے بھی باہر ہی ہونگے۔

میں اس بات سے واقف ہوں کہ ہر زبان میں یہی ہوتا ہے کہ ہر وقت کی بول چال کی زبان اس زبان سے کسی قدر مختلف ہوتی ہے، جو کتابوں اور اخباروں میں استعمال کی جاتی ہے، لیکن یہ فرق صرف اُنیس اور بیس ہی کا ہوتا ہے، اور سوائے خاص خاص علمی کتابوں کے باقی معمولی خبریں یا قصے اگر ان پڑھ لوگوں کو بھی پڑھ کر سنا لئے جائیں تو وہ ان کا مطلب پورے طور پر سمجھ جاتے ہیں۔

ہماری اُردو زبان پر نہ معلوم کیا اللہ کی مہربانی ہے کہ اس کی بول چال کی زبان اور کتابی یا اخباری زبان ایک دوسرے سے اس قدر الگ اور مختلف ہے کہ بالکل

یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا الگ الگ دو زبانیں ہیں۔ فارسی اور عربی کے لفظ پُرانے زمانے کے قصّے کہانیوں میں بھی بہتیرے سب پڑھتے ہیں لیکن خدا ہی جانے کہ کیا کمال ہے کہ وہ کانوں کو بُرے اور اوپری اوپری سے معلوم ہونے کی بجائے ایسے اچھے معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے کسی نے ہیرے جڑ دیے ہوں، اور کہیں کسی موقع پر بھی بے پڑھے لکھے آدمیوں کو ان کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ آجکل خدا جانے ہمارے مضمون نگاروں اور شاعروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بڑی کوشش اور تلاش سے اپنے فقروں میں اور اپنے شعروں میں خواہ مخواہ کے لیے بھی ایسے ایسے عجیب اور کانوں کو بُرے معلوم ہونے والے لفظ ٹھونس دیتے ہیں کہ مضمون عام لوگوں کے لیے تو جرمنی یا یونانی زبان کا مضمون بن جاتا ہے اور خاص لوگوں سے بھی اکثر یہی سُنا کہ وہ ان کی نظروں میں بھی نہیں جچتا جس پرچے کو اُٹھا کر دیکھیے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے کوئی لغت کی کتاب سامنے رکھ لی تھی اور اس میں سے اسم چھانٹ چھانٹ کر ان کے آگے آمدنامہ کے مصدروں کے امر کے صیغے لگا لگا کر نئی نئی ترکیبیں بنا لی تھیں۔ زبان میں نئے محاوروں اور نئی ترکیبوں کا داخل ہونا کوئی بُری بات نہیں ہے، اور سچ پوچھو تو زبان کی ترقی ہی اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں لفظوں اور محاوروں کا ذخیرہ بڑھتا رہے لیکن یہاں تو مصیبت یہ ہے کہ ہر بوالہوس نے حُسن پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ غلط یا صحیح، اچھا یا بُرا، موزوں یا غیر موزوں جو کچھ بھی میرے قلم سے نکل جائے بس وہ ضرور ٹھیک ہے۔ آجکل زباندانی کا معیار یہ نہیں ہے کہ کون صحیح زبان بولتا ہے اور اپنی لفظوں کے ذرا سے اُلٹ پھیر سے جو خوبیاں زبان میں پیدا ہو جاتی ہیں اُن سے اچھی طرح واقف ہے، بلکہ اب معیار یہ ہے کہ کس نے اپنی تحریر میں بالکل نئے نئے عربی اور فارسی کے یا پھر سنسکرت کے لغت زیادہ بھرے ہیں اور کون اس بات پر زیادہ قادر ہے کہ کئی ایک عجیب غریب لفظوں کو ملا کر ان سے ایک ادق، بلکہ بالکل مہمل ترکیب بنا لے۔

کتابوں میں "زربار" "گہربار" "ضیابار" وغیرہ ترکیبیں پڑھتے آئے تھے لہٰذا جذبات پسند طبیعتوں نے فوراً "حسن بار" اور "جنون بار" جیسی مہمل ترکیبیں بھی بنا لیں اور اس سے کچھ واسطہ نہ رکھا کہ حسن کے لیے بارش کس حد تک موزوں ہے اور جنون کی بارش سے کوئی کیا مطلب سمجھیگا۔ آمدنامہ کو خدا سلامت رکھے جس میں بار یدن مصدر موجود ہے۔

میں نے ایک بہت ہی معمولی سی مثال لکھدی ہے کیونکہ مثال لکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں معلوم ہوتی ہر ادبی پرچہ میں کم سے کم پچاس مثالیں مل سکتی ہیں۔ مصیبت اب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عورتیں بھی عام طور پر اسی رنگ میں رنگتی چلی جا رہی ہیں اور بعض بہنوں کی نظموں کے سمجھنے کیلیے تو ایک منشی فاضل کی قابلیت بھی کافی نہیں۔ میں ان پرچوں کو پڑھتی ہوں اور بعض اوقات گھنٹوں اس بات پر غور کیا کرتی ہوں کہ ہماری زبان اس طرح ترقی کر رہی ہے یا برابر بگڑتی چلی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ عربی، فارسی یا سنسکرت کے بڑے بڑے لفظ اور ہر شخص کی اپنی بنائی ہوئی ترکیبیں اور محاورے عام لوگوں کی سمجھ میں کسی طرح آ نہیں سکتے، اور جبتک وہ سمجھ میں نہیں آئیں گے تک زبانوں پر بھی نہیں چڑھ سکتے پھر انہیں اُردو زبان کے محاورے یا اُردو کے الفاظ کیسے کہا جا سکتا ہے، پھر اگر یہ ممکن بھی ہو کہ لوگ کسی سے پوچھ پوچھ کے کچھ معنی سمجھ بھی لیں تو اس میں خوبی کیا ہے اس سے یہ ہو گا کہ خاص زبان کو بدل کر اسکی بجائے عربی، یا فارسی یا سنسکرت بولنے لگیں۔

مضمون نگار بھائی اور شاعرہ بہنیں ذرا دل میں سوچیں تو سہی کہ ایسی تحریروں سے حاصل کیا ہے کہ جنہیں کلام مجید کی طرح پڑھ لیا جائے، اور ایسے مضمون یا اشعار کس کام آ سکتے ہیں جن کا مطلب ہی کوئی نہ سمجھے۔



صرف ایک علاج

ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت پر آج تمام دنیا کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اور ہر قوم انتہائی اضطراب کے ساتھ اس جنگ آزادی کے نتائج کا انتظار کر رہی ہے جو توپ و تفنگ کی بجائے محض حق و صداقت کے بل بوتے پر لڑی جا رہی ہے امریکا خصوصیت کے ساتھ ان معاملات سے دلچسپی لے رہا ہے اور ذیل کے مضمون سے جو وہاں کے اخبار "نیو ریپبلک" میں نکلا ہے نئی دنیا کے تعلیم یافتہ اور صاحب رائے طبقہ کے خیالات بہت کچھ معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

"ہندوستان کے واقعات وہی پہلو اختیار کرتے جا رہے ہیں جس کی توقع تھی، اور روز بروز دلگداز انجام سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔ انسانوں کی ایک اچھی خاصی قابل لحاظ تعداد ماری جا چکی۔ مقتولین کی صحیح تعداد بتانی ناممکن ہے کیونکہ خبریں حاصل کرنے کے ذرائع بہت ہی ناکافی ہیں، اور یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ وہاں محکمۂ احتساب بھی سرگرم عمل ہے۔

امریکا کے بہت سے لوگ جنہیں برطانیہ کی مزدور پیشہ جماعت کی حکومت سے گہری ہمدردی ہے مسٹر میکڈانلڈ کی اس وقت میں معاملات ہند سے لبطا ہر بے اعتنائی دیکھکر سخت حیرت میں ہیں جبکہ یہ خطرہ موجود ہے کہ ہندوستان کا یہ زلزلہ تمام دنیا کو ہلا دینے والا ثابت ہوگا۔ اس بے اعتنائی کو حکومت کی لاعلمی پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اپنے سے پیشتر کی قدامت پسند اور آزاد خیال حکومتوں کے زمانے میں اسی مزدور جماعت نے سالہا سال ہندوستانی مسئلہ کی موافقت میں جنگ کی ہے مسٹر میکڈانلڈ خود ہندوستان کی سیاحت کر چکے ہیں اور اسی مضمون پر ان کی دو کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مزدور جماعت کو پارلیمنٹ کے اندر ابھی اکثریت حاصل نہیں ہے، اور یہ اقلیت اس سبب سے اور بھی کمزور ہو گئی ہے کہ آزاد مزدور جماعت کے نام سے اس کی ایک شاخ کہنے کو اس سے الگ ہو چکی ہے، لیکن اگر ہندوستانی مسئلہ اب اسی قدر اہم اور اندیشہ ناک ہو گیا ہے کہ جیسا مسٹر اینڈریوز، مسٹر بریلسفورڈ اور مسٹر ریٹکلف جیسے مبصر بتاتے ہیں تو ایسے وقت میں بھی اسی سال خوردہ اور فرسودہ حکمت عملی سے کام لینا تو ہے اور بھی مہلک بنا دیگا یہ ایک عادت جاریہ ہے کہ انگلستان کی حکومت یہ عذر لنگ پیش کر دے کہ ہر نئی حکومت مسئلۂ ہند کے متعلق اس عملہ کے رحم و کرم پر منحصر رہتی ہے جو وزیر ہند کے دفتر میں کام کرتا ہو کیونکہ اسی عملہ کو تمام حالات کی صحیح اطلاع ہے اور وہی اپنے حسب مرضی سب کام انجام دیتا رہتا تھے لیکن حالات اب اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ جب کوئی ماتحت افسر اپنی ذمہ داری پر کوئی کام کرنے کی جرأت نہ کرے گا حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی خاموشی کا راز ان دو باتوں میں پنہاں ہے ایک تو دب کر مراعات دینے کی شرم جس سے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے، اور دوسری یہ کہ غالباً مسٹر میکڈانلڈ اور اُن کے مشیر یہ معلوم کرنے ہی سے قاصر رہے ہیں کہ ان حالات میں ان کے لیے کیا کرنا مناسب ہے۔

برطانوی حکومت کے سامنے اس وقت تین راستے کھلے ہوئے ہیں۔ وہ ہندوستان کو بالکل آزاد کر دے، یا وہ اسے ڈومینین اسٹیٹس دیدے، یا پھر تلوار کھینچکر کھڑی ہو جائے۔ ہندوستان کی کامل آزادی ہمارے نقطۂ نظر سے خواہ کتنی ہی اچھی چیز کیوں نہ ہو لیکن بحالات موجودہ بالکل ناممکن ہے۔ حکومت برطانیہ دب کر کچھ تھوڑا بہت دے نکلے لیکن یہ خیال بالکل مجنونانہ ہے کہ وہ بس ایک ہی مرتبہ کی کوشش سے اس قدر دب جائیگی۔ دوسری طرف مسلح قوت کا آزادانہ استعمال ہندوستان کو ایک خون کا حوض بنا دے گا، اور اس کے ساتھ تمام مہذب دنیا کی لعنت شامل ہوگی

اس کے ساتھ برطانیہ کے ٹیکس دینے والوں پر جنگ کے اخراجات کا بار کثیر شامل ہوگا اور اس کے ساتھ جنگ کا ایک غیر متیقن نتیجہ بھی شامل ہوگا جس کا پہلے سے اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ کیا ہو۔

اس صورت میں ڈومینین سٹیٹس ہی ایک چیز باقی رہ جاتی ہے جو اس مسئلہ کا معقول حل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ڈومینین سٹیٹس کی طرف ۱۹۱۷ء سے اشارے کیے جا رہے ہیں اور چھ مہینے پہلے وائسرائے نے اس کا پختہ وعدہ بھی کر لیا ہے۔ تمام تر دشواری یہ ہے کہ وہ مناسب وقت ہی ابھی تک نہیں آیا ہے کہ جب ڈومینین سٹیٹس عملی صورت اختیار کر لے۔

انگلستان ہی حکومت کریگا

مزدور پیشہ حکومت برطانیہ کے بعض ارکان اور خود وزیر ہند جہاں بار بار اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے ہمیں یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ انگلستان کی رائے عامہ ہندوستان کے ساتھ ہمدردانہ ہے وہاں ایسے اصحاب کی بھی کمی نہیں ہے جو لارڈ برنٹیفورڈ کی طرح جلے دل کے پھپولے اخبارات میں پھوڑتے رہتے ہیں۔ لارڈ برنٹیفورڈ کا ایک مضمون لندن کے مشہور اخبار "ڈیلی میل" میں شائع ہوا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"اس تمام خرابی کا باعث یہ ہے کہ عملاً برطانیہ نے اپنے اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی جو ہندوستان کے متعلق اس پر ہے۔ اس غفلت کی ابتداء مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات سے ہوئی۔ اور اب سالہا سال سے ہمنے بغاوت کی اجازت دے رکھی ہے اور اس کے ساتھ تفریح کے طور پر کھیلا کرتے ہیں۔

دس سال سے پہلے جب میں ہندوستان میں تھا تو یہی مسٹر پٹیل جنہوں نے اسمبلی کی صدارت سے استعفےٰ دیا ہے بغاوت کی اشاعت میں مصروف تھے۔ گاندھی برسوں سے اپنی کارگزاریوں کے لیے بدنام ہے اور مہینوں تک وائسرائے کی کھلی ہوئی نافرمانی کرتا رہا ہے۔

اسے گرفتار کرنے میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی ——— صرف یہ خوف تھا کہ اس طرح ہم اس کی منزلت بڑھا دینگے اور قوم میں وہ شہید کا مرتبہ حاصل کریگا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ اندیشہ بالکل لغو ہے جیلخانے میں بند رہ کر وہ شہید نہیں بنے گا بلکہ صرف ایک یادگار رہنکر رہجائیگا اور یہ یاد بھی صرف چند ہفتوں تک رہیگی۔

لیکن ان سب سے بڑھکر خرابی یہ ہوئی کہ جبکہ یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں، اور جبکہ ہندوستان کے اخبارات دنیا بھر کے اخباروں سے بڑھ چڑھکر باغیانہ لہجہ اختیار کر چکے اور جبکہ ہندوستانی پارلیمنٹ کو عمداً یہ سمجھکر توڑ دیا گیا کہ یہ حکومت کا آلہ ہے، الی قت ہماری موجودہ حکومت برطانیہ نے وائسرائے کو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنا وہ سوختہ نصیب اعلان کر دے جس میں ڈومینین سٹیٹس کی موافقت کی گئی تھی۔ درحقیقت یہ سب سے زیادہ مجنونانہ تجویز تھی جس پر عمل درآمد کیا گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص بارود کے پیپے سے اپنا پائپ سلگانا چاہے۔

مجھے تو حیرت ہے کہ حکومت اب ہندوستان کے ڈومینین ہوم رول کے متعلق کیا خیالات رکھتی ہے جس میں وزراء کے عہدوں پر بھی باغی لوگ ہوں گے اور انہیں آسٹریلیا اور کینیڈا کی طرح آزادی حاصل ہوگی، اور انہیں یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ اپنا گورنر جنرل خود منتخب کریں اور تمام دنیا کی سلطنتوں میں اپنے سفیر بھیجیں۔

اُس وقت ہندوستان میں برطانوی تجارت، برطانوی صنعت و حرفت اور خود فرزندان برطانیہ کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ ہندوستان کے عوام مہذب نہیں ہیں وہ جانتے بھی نہیں کہ جمہوری حکومت کیا بلا ہوتی ہے۔ انہیں چند انتہا درجہ کے چالاک اور بغاوت پسند لوگوں نے اپنی قناعت پسندی کے آرام سے ہلا ہلا کر جگا دیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ نہایت صاف لفظوں میں اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ کسی مستقبل بعید میں ہندوستان کو ڈومینین ہوم رول ملنا خواہ کسی حد تک بھی انکا جائز نصب العین کیوں نہ قرار دیا جائے لیکن اس زمانے میں تو اس کا خیال بھی دل میں لانا ناممکن ہے۔

انتہا پسندوں کو تھپکنا۔ کرفا موش کرتے رہنا، اور طعنوں اور بغاوتوں کو نرمی سے دبا رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم صاف صاف ہندوستان سے کہدیں کہ انگلستان کبھی اس پر سے اپنا قبضہ نہیں ہٹائیگا اور جبتک وہ اسپر قابض ہے اس وقت تک ملک پر اسی کی حکومت ہوگی۔

بہت عرصہ ہوا سر ولیم جانسن ہکس نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں یہ کہا تھا کہ "ہم نے ہندوستان کو ہندوستانیوں کے نفع کی خاطر فتح نہیں کیا ہے .... ہم نے ہندوستان کو برطانیہ کے سامان تجارت کی نکاسی کی غرض سے فتح کیا ہے۔ تمام برطانوی اشیاء تجارت کے لیے عموماً اور لنکا شائر کے

مال کے لیے خصوصا ہندوستان بہترین منڈی ہے جو ہمارے قبضہ میں ہے۔"

کچھ اسی قسم کی صاف گوئی سے اب وائیکاؤنٹ روذرمیر نے لندن کے اخبار ڈیلی میل میں کام لیا ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ (ایڈیٹر)

"اس ملک میں بعض بے وقوف لوگ ہمارے ہندوستان سے چلے آنے کا ذکر اس طرح کیا کرتے ہیں کہ گویا اس کے چھوڑ دینے کا اثر ہماری فارغ البالی پر اتنا ہی پڑے گا کہ جتنا بڑ تلی کا اماکو چھوڑ دینے کا۔

ان لوگوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہے کہ جس کام کا ذکر وہ اس قدر معمولی طریقہ پر کر بیٹھتے ہیں اگر وہ ہو جائے تو اسی روز برطانیہ کا یورپ کی ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے خاتمہ ہے۔ ان کے نائیک دماغ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ہندوستان کا ہمارے ہاتھ سے نکل جانا ہمارے ملک کی اقتصادی تباہی کا باعث ہو جائیگا، اور موجودہ بیس لاکھ کے قریب بے روزگاروں کی تعداد بڑھکر چالیس پچاس لاکھ تک پہنچ جائیگی جنکا اب دآذوقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے گا اور جنھیں فاقہ کشی کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

برطانوی سامان برآمد کے لیے اب بھی ہندوستان ہی سب سے بڑی منڈی ہے اور سامان درآمد کے لحاظ سے بھی امریکہ کے بعد اسی کا نمبر ہے۔

اس منافع کے بغیر کہ جو ہندوستان سے برطانیہ میں آتا ہے کوئی سخت سے سخت وزیر مال بھی کہیں سے اتنا روپیہ حاصل نہیں کر سکتا جس سے ضعیفوں کی پنشن بے روزگاروں کے وظیفے، اور درسگاہوں کے لیے تعلیمی امداد اور اسی قسم کے اور بہت سے امدادی کام جو حکومت کیا کرتی ہے اور جو اب روزمرہ کی چیزیں بن گئے ہیں، چل سکیں۔

یہ فوائد جو ہمیں حاصل ہیں ان کی مثال کسی دوسری قوم میں نہیں ملتی اور ان سے ہماری قوم کے مستفید ہونے کا باعث صرف یہ ہے کہ ہمنے اپنی مصنوعات کیلیے ہندوستان کی تیس کروڑ آبادی کا بازار حاصل کر لیا ہے۔

برطانیہ میں جتنے مرد وزن آباد ہیں ان سب کی آمدنی میں ہر ایک پونڈ کے اندر کم سے کم چار شلنگ ضرور ایسے ہوتے ہیں جو بالواسطہ یا براہ راست ہمارے قبضۂ ہندوستان کی بدولت آتے ہیں۔"

سائمن رپورٹ موجودہ نظام حکومت سے بھی زیادہ خراب ہے

ڈاکٹر اینی بیسنٹ کی رائے

ڈاکٹر اینی بیسنٹ نے "انڈین نیوز" میں اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا ہے:-

"اب مسئلۂ ہندوستان کی بابت انگلستان کا نقطۂ نظر دنیا کے سامنے ہے۔ سائمن رپورٹ کی پہلی جلد میں بدیشی حکمرانوں کی بدیشی آنکھوں سے ہندوستان کے حالات کا معائنہ کیا گیا ہے یہ حکمران تاجر بنکر ہندوستان میں آئے تھے تاکہ حسب منشا دولت جمع کر سکیں۔

دوسری جلد میں کمیشن نے تجاویز اور سفارشات پیش کی ہیں یہ سفارشات میرے لیے غیر متوقع نہیں ہیں کیونکہ مجھے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ وہ ہندوستانیوں کیلیے مفید ہونگی لیکن وہ میری توقعات سے بھی بدتر اور بعض حالات میں رجعت پسندانہ ہیں۔ ان سب میں اس بنیادی حقیقت کی یاس انگیز جھلک نظر آتی ہے کہ یہ بدیشیوں سے اور ان بدیشیوں نے مرتب کی ہیں جنھوں نے جبر و تشدد اور دغا و جعل سازی سے ان بلند درجوں اور مرتبوں کو غصب کیا جن پر ان کا کوئی حق نہیں جس کے باعث ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور جو اپنے فطری حق آزادی سے محروم کر دیا گیا اور اس طرح عزت نفس کے تمام امکانات سے وہ دور ہو گیا۔ کیونکہ اس غلامی کے باعث ہر آزاد ملک اب اسے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

یہ حقیقت اکثر اوقات فراموش کر دی جاتی ہے کہ ہندوستان کو اس کے پہلے دوست مسٹر مانٹیگو نے ایک قوم کی حیثیت سے تسلیم کیا تھا۔

میں موجودہ نظام حکومت کو کمیشن کے مجوزہ دستور اساسی پر ترجیح دیتی ہوں کیونکہ علانیہ مطلق العنانی چونکہ زیادہ تشدد آمیز ہوتی ہے اس لیے وہ خفیہ مطلق العنانی کی نسبت زیادہ آسانی سے فنا کی جا سکتی ہے۔ سرجان سائمن آزادی کو ٹوپی اتار کر سلام بھی کر رہے ہیں اور پھر اس کی پیٹھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لیے آگے بھی بڑھ رہے ہیں۔ مجوزہ سفارشات کے مطابق ہندوستانی بیکس و درماندہ رہیگا اور اسے اپنی فوج پر اقتدار حاصل نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتا۔

گویا اس کے یہ معنی ہوئے کہ دفتری حکومت اس عرصے تک قائم رہے گی جس کی طوالت کے متعلق پیشگوئی کرنی غیر ممکن ہے۔ آئینی نظام جو تہذیب و تمدن کے لیے ضروری ہے شاہی ہاتھوں میں یعنی وائسرائے کے قبضے میں رہے گا۔

"ملت"



تعارفِ جاہلانہ

انّہٗ کان ظلوماً جھولا

"لیڈر"

کیا نام کہ کامل دس سال کے غور و خوض اور بچہ اوپر چار بیس سال کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد کہ جس میں ہر طرح کا مشاہدہ از قسم عینی و عینکی و خوردبینی و لاسلکی وغیرہ شامل ہے ہمنے یا لآخر لفظ "لیڈر" کے معنی معلوم کرلیے ہیں اور ہرگاہ کہ اس لفظ کی ضرورت رات دن ہر قسم کے پڑھے لکھے لوگوں کو بواز قسم ایڈیٹران اخبار و مدیر مسئول و محرر خصوصی، و رئیس التحریر یزدوحسب ادارہ و رئیس القلم و علماء و فضلاء و مشائخ و وکلاء و اطباء و لامحسنِ دار اسٹامپ فروشان کہ جو دو پیسے لیکر دوسروں کا خط اور آٹھ آنے اور ایک روپیہ سے پانچ اور دس روپئے تک لیکر ہر قسم کی دستاویزات قانونی و غیر قانونی لکھا کرتے ہیں، غرضکہ جملہ اقسام تعلیم یافتہ حضرات و طلباء کہ جنہیں سیاسیات سے الگ رہنے کا حکم ہے، اس ملک میں بھرے پڑے ہیں اور جن کا فیصدی اوسط اب بحمد اللہ تعالیٰ تقریباً ساڑھے چھ فی صدی تک پہنچ گیا ہے اور آیندہ دو سو برس میں اگر خدا نے چاہا تو پورے بارہ فی صدی تک پہنچ جائیگا، ان سب کو ہر وقت لفظ لیڈر کے معنی جاننے کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے کیونکہ زمانہ تاریکی میں تو لوگ کسی نہ کسی طرح ٹامک ٹوئیاں مارکر اپنا راستہ خود نکال لیتے تھے لیکن اس روشنی کے زمانے میں روشنی کی تیزی کی وجہ سے کیا نام کہ آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور لیڈر کے بغیر ہم ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے اور لیڈر ہی صرف وہی کام دیکھتا ہے کہ جس کی آنکھوں پہ اندھیری پٹی ہو یا کرنی مانع النور قسم کی رنگین عینک لگا ہوا ہو، لہٰذا ہمنے تمام عمر عزیز کہ جسے "چہل سال عمر عزیزت گزشت" بھی کہتے ہیں اس قومی خدمت کے لیے وقف کردی اور اس لفظ کے صحیح معنی معلوم کیے، نہ جیو ... آجکل جو بڑے بڑے علماء و مشائخ و بالشعران و ذوقی صاحبان و ... ان کو اسکے معنی معلوم نہ تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لفظ بہ کیا نام کہ انگریزی زبان کا اور وہ تلاش کرتے تھے اسے مروّج ذخائر میں، دغیاث اللغات مطبوعہ نولکشور پریس و امیر اللغات و نور اللغات و سفینۃ اللغات، و فرہنگ آصفیہ و دائرۃ المعارف اُردو کہ جو مدتوں سے تیار ہورہی ہے اور ابھی مدتوں تیار ہوتی رہیگی وغیرہ میں

اور اس لیے وہ انہیں ان کتابہائے مذکورۃ الصدر میں کہیں نہ ملتا تھا فلہذا ہمنے اس کے معنی اور اس کی تعریف رائل ڈکشنری ولائل ڈکشنری و آکسفورڈ ڈکشنری و پاکٹ ڈکشنری سب میں دیکھنا شروع کیے اور بہزار خرابی و دشواری آخر خدا نے کیا کہ ہم کامیاب ہو ہی گئے، پس کیا نام کہ ہم اسے آگاہی عوام اور رفاہ خلق کی خاطر سطور مندرجۂ ذیل میں کہ جنکی اشاعت رسالۂ کامیابی بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء میں اگر پریس آرڈیناس کے مطابق اس سے ضمانت نہ طلب کرلیگئی تو ہونے والی ہے شائع کیے دیتے ہیں تاکہ سند رہے اور عندالضرورت ہر بندۂ خدا کے کام آئے۔ ہر پڑھنے والے کا فرض ہے کہ اس احقر مصنف و مؤلف کو دعاے خیر میں یاد رکھے اور خطا و نسیان سے درگزر کرے کہ کہا ہے کہ اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبُ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَان یعنی کیا نام کہ انسان خطا و نسیان کا گھوڑا یعنی خطا و نسیان ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ و ہو ہذا۔ یعنی لیڈر کی صفات حسب ذیل ہیں:-

لیڈر اسم فاعل قیاسی کا صیغہ ہے اور لفظ "لیڈ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اپنے ساتھ یا اپنے پیچھے پیچھے لیجانا یعنے راستہ دکھانا اور رہنمائی کرنا اور یہ کام چونکہ خواجہ خضر سے متعلق ہے اس لیے لیڈر کے لیے ضروری ہے کہ اس میں خواجہ خضر کی صفات موجود ہوں۔ خواجہ خضر کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ ان کے لیے موت نہیں ہے پس لازم آیا کہ لیڈر کے لیے بھی موت نہ ہو۔ لوگ خواہ اس سے کتنا ہی گھبرائیں اور کتنا ہی اسے کوسیں لیکن وہ نہ کاٹے کٹے، ورنہ بانٹے بٹے بہتا کتا، موٹا تازہ، سرخ سفید، تازہ دم ہر جلسے اور ہر جلوس میں آموجود ہو، اور کوئی سُنے یا نہ سُنے مگر وہ اپنی کہے ہی چلا جائے۔

خواجہ خضر کا کام ہے لوگوں کی کشتیوں اور جہازوں کو پار لگانا اس لیے لیڈر سے بھی ہمیں کم سے کم اتنی توقع ضرور رکھنی چاہیے کہ اگر قوم کا بیڑا پار نہ لگا سکے تو اسے منجدھار میں ضرور پہنچا دے پھر اگر قوم میں خود کچھ ہمت ہے تو اپنی کشتی کو پار نکال لے جائے ورنہ جلد سے جلد ڈوب جائے اور مدت دراز تک سسک سسک کر مرنے کی ایذا سے محفوظ رہے۔

خواجہ خضر کا یہ کام بھی ہے کہ بیکس و ناچار لوگوں کی اور ایسے لوگوں کی جو راہ گم کر چکے ہوں مدد کریں۔ ہٰذا لیڈر میں بھی یہ صفت ہونی چاہیے کہ جب کوئی گورنمنٹ بہادر اپنی بے راہ روی کی بدولت مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ فوراً قوم کا ساتھ چھوڑ کر گورنمنٹ بہادر کی مدد کے لیے دوڑ پڑے اور اپنی "قیمتی" خدمات بلا عذر و حجت پیش کردے۔

لیڈر کے لیے موت نہیں ہے اس لیے اسے کبھی کوئی ایسی احمقانہ کوشش نہ کرنی چاہیے جس میں سچ مچ بھائی عزرائیل کا سامنا کرنے کی نوبت آجائے۔ اس کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ اپنی تقریروں اور اسپاچوں میں سینہ پر گولیاں کھانے کا اور پھانسی کی رسی پر چڑھنے کا ذکر بہت شد و مد کے ساتھ کرے لیکن اگر کبھی فی الحقیقت کوئی ایسا ناخوشگوار موقع پیش آجائے تو ایک دو گولیاں اسے حکیم صاحب کی گولیاں و آتشک نجرہ گولیاں و اندرسے کی گولیاں، پیپرمنٹ کی گولیاں وجواہرات واجد علی شاہی وغیرہ سینے کی بجائے پیٹ میں کھا کر چپکے سے سو جائے۔ پھر پھانسی کے بدلے باغ میں جھولا ڈلوا کر خوب پینگیں بڑھائے اور ملار اور ہنڈ تو خوب گائے مگر بھول کر بھی "دیس" کی کوئی چیز نہ الاپے۔

خواجہ خضر کی امداد کسی خاص قوم اور کسی خاص فرقے تک محدود نہیں ہے اس لیے ضروری ہے کہ لیڈر کسی ایک مذہب کے پیرو ہونے کا زبانی دعوے کرنے کے باوجود بالکل لامذہب ہو، اور موقع محل دیکھکر قشقہ و زنار اور جبۂ و دستار سب بلا تکلف استعمال کرسکے۔ کبھی کبھی پہنکر کرپان گلے میں ڈالے، اور کبھی کبھی کلاہ کاؤزبان سر پر رکھکر آگ کے سامنے سر جھکالے۔ کسی قومی جلسے میں پہنچ جائے تو وطن کی مصیبتوں کا ذکر کرنے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں، اور کسی مسجد یا مندر میں گزر ہو جائے تو گاے کی زندگی کا دردناک انجام اور باجے کی آواز سے توہین اسلام اس طرح بیان کرسکے کہ سُننے والے سب آپے سے باہر ہو جائیں اور ہر قسم کے قوانین از قسم دفعہ ۱۴۱ و دفعہ ۳۰۲ و دفعہ ۲۲۶ توڑ کر قانون شکنی اور جنگی نافرمانی کے مرتکب ہو جائیں۔

لیڈر کی ایک تعریف لائل ڈکشنری کے مصنف نے جس کا سلسلۂ نسب

چچا سعدی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے کہ جنہوں نے گلستاں یا خدا جانے یوسف زلیخا کے باب اوّل در آداب صحبت بادشاہاں میں یہ لکھا ہے کہ :-

اگر شہ روز را میگوید کہ ایں شب است
بباید گفت کہ ماہ و پروین اینک است

تو ان مصنف صاحب نے خدا انہیں غریق رحمت کرے یہ تعریف بھی لکھی ہے مکر سچا اور پکا یعنی کہ آزمودہ کار و جہاندیدہ لیڈر گویا دروغ قسم کا لیڈر وہ ہے جو کہے تو اپنے آپ کو لیڈر مگر کیا نام کہ مرغ قبلہ نما کی طرح بس ایک ہی طرف کا نہ ہو رہے بلکہ طائر باد نما کی طرح ہوا کا رُخ پہچانے اور ہمیشہ حکومت وقت کے اشاروں اور عوام کی خواہش کے تاروں پر چلے۔ قوم اور وطن کا نادان دوست ہو اور حکومت وقت کا دانا دشمن۔

لیڈر کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ عالی ظرف ہو۔ تنگ ظرف نہ ہو کیا معنی کہ اس کا ظرف یعنی پیٹ خوب طویل و عریض و عمیق و بلند ہو بس اسلئے کہ اوّل تو ہلکے پیٹ کا آدمی قوم کے رازہائے سربستہ از قسم سیاسیات خفیہ سازشات و ہم بازیات و نافرمانیات وغیرہ کو چھپا نہیں سکتا، ثانیاً آنکہ عوام کالانعام اپنے لیڈروں کی دن میں چھ چھ اور آٹھ آٹھ اور دس دس دعوتیں کیا کرتے ہیں اور ان دعوتوں میں کھانے بھی اکثر و بیشتر مرغن اور قرا قرآفریں قسم کے ہوتے ہیں اس لیے اگر خدانخواستہ لیڈر کے ظرف میں گنجائش کی کمی ہے تو یا تو اسے دعوت رد کرنی پڑے گی جو سنت کے خلاف ہے یا پھر اخوت باہمی اور مساوات پر ایک لمبا چوڑا اسپیچ دیکر مستقلاً ایک حلالخور کو مع ایک عدد چھوٹے سے ٹین پاٹ کے اور چند پارچہ ہائے ٹاٹ کے ہر وقت ہمراہ رکھنا پڑے گا اور یہ صندل بجائے خود ایک درد سر یا ہی بن جائیگا۔ ایک چھوٹی سی ڈبیا میں تمباکوے خوردنی شکی زانہ دار کی طرح تھوڑی سی ہینگ کا ہر وقت جیب میں رکھنا کام دے سکتا تھا مگر آجکل انگوزستان یا شاید گہرستان کے راستے سب بند پڑے ہیں اور پٹھان بھائی نہ سود پر روپیہ قرض دینے آتے ہیں نہ ہینگ بیچنے اسی لیے بھائی پنڈت مولوی جی کو جب ہینگ کی ضرورت ہوئی تو خود پشاور جانا پڑا بمبئی والے بھائی توشک الی نے پہلے ہی سرحدی پٹھانوں سے کہدیا تھا کہ تم کو اصلاحات ہم دلوادیں گے مگران کی سمجھ میں نہ آیا اور خواہ مخواہ کے لیے ہینگ فروشی چھوڑکر سرفروشی کرنے لگے حالانکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بھائی توشک الی کو آج جو رسوخ حاصل ہے وہ اور کسی کو نہیں ہے اور وہ سفارش کر دیتے تو بات کبھی خالی نہ جاتی۔

لیڈر کا یہ ظرف بلند و عالی ہمیشہ "ظرف زمانی" ہونا چاہیے کیا معنی کہ وہ ضرورت وقت کے مطابق چھوٹا اور بڑا ہو سکے، اور یہ دشواری کبھی پیش نہ آنے پائے کہ اگر اتفاقات زمانہ سے کسی روز شام کا کھانا اپنے ہی گھر کھانا پڑے اور کہیں دعوت نہ ہو تو زیادہ نقصان نہ ہو۔ لیڈر کا شکم مقدس اگر سرکاری قانون کی طرح ربر کا بنا ہوا ہو تو نہایت موزوں ہے۔

لیڈر کی تعریف یہ بھی ہے کہ وہ کیا نام کہ "ان ٹرد" یا اسے کیا کہتے ہیں ان ٹرویو دینا خوب جانتا ہو اور کبھی اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کوئی گوئندہ یا جوئندہ یا نمائندہ سچ مچ اس کے گھر آکر کسی سفر کے حالات، کسی ملاقات کے واقعات، یا کسی سائنسی مسئلہ پر رائے وغیرہ پوچھے بلکہ اسے چاہیے کہ احمق کی ٹوپی والے کاغذ کا ایک پورا تختہ لیکر خود ہی اس پر کسی خیاری نمائندہ کی طرف سے سوالات لکھے اور خود ہی ان کے جواب لکھکر جلد سے جلد اس کی بہت سی نقلیں کرالے اور ایک ایک نقل ہر اخبار کے مدیر کے پاس بھیجدے جو اکثر مسلول یا مسؤل ہوا کرتے ہیں۔ ان ٹرو کی نقل بھیجنے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ لیڈر اسے بالکل بھول جائے کہ کیا لکھا تھا تاکہ اگر ضرورت پڑے تو دوسرے ہی دن اس کے خلاف جو کچھ چاہے کہہ سکے۔

لیڈر کی یہ تمام صفتیں معلوم کرنے کے بعد ہمنے جو غور کیا اور آئینہ میں اپنی شبیہ مبارک پر نظر ڈالی تو ہمیں صاف معلوم ہو گیا کہ کیا نام کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں سچ مچ کا لیڈر بنایا ہے فلہٰذا ہم نے فوراً اخبار ہٰذا کے ذریعہ سے اعلان کر دیا ہے کہ ہم اپنے چھ کروڑ مسلمان بھائیوں کی حالت زار پر رحم کھاکے ان کے مسلمہ قسم کے لیڈر بن گئے ہیں، اور اب ہر فرد مسلم

دو مسلم و غیر مسلم کا یہ فرض ہے کہ ہماری ہدایات کے خلاف کوئی کام نہ کرے اور اچھا یا بُرا جیسا کچھ بھی ہم کریں اس میں قطعاً دخل نہ دے نہ دخل دینے کا خیال دل میں لائے اور اب ہم چھوٹے سمجھوٹے اور بڑے اور شہری اور جنگلی غرضکہ جملہ اقسام کے لاٹ صاحبان سے ٹکر لینے اور بھڑ لینے سارے حقوق لے لیں گے اور اگر اُمت مسلمہ نے اپنی نظم کر کے صرف مبلغ چھ لاکھ روپے سکۂ رائج الوقت کہ نصف جن کے مبلغ تین لاکھ روپے ہوتے ہیں جمع کر کے ہمیں دیدیئے اور انجمن حزب البغالیل کے لیے صرف پانچ لاکھ ممبر اور کیا نام کہ پچاس ہزار تندرست اور جوان مجاہد فراہم کر دیئے تو ہم بھی فوراً اپنی الگ اور خالص اسلامی قسم کی جنگ آزادی شروع کر دینگے، اور سب کو جہاز میں بھر کر کسی اچھے موسم میں جبکہ جیحون سیحون اور عمان و قلزم سیلاب دیدہ اور طغیان رسیدہ ہوں۔ ولایت لیجائینگے اور گول میز کانفرنس کے عین دروازہ کے سامنے سب کو صف بستہ اور دست و پا شکستہ کر کے بٹھا دیں گے اور اور ہم خود ایک بہت بڑا اکشکول گدائی کہ جیسا منشی ہمدرد مرحوم کے پاس تھا ہاتھ میں لیکر سب کے آگے کھڑے ہوجائیں گے اور ہر آئندہ و روندہ اور خرامندہ و دوندہ سے کہ جو یقیناً چھوٹا یا بڑا ایا کسی نہ کسی قسم کا صاحب لوگ ضرور ہوگا برابر یہ کہتے رہینگے کہ:۔

"ایک پیسہ لیں گے اور سوگالیاں دینگے"

تا آنکہ اس نئے قسم کی ستیہ گرہ سے عاجز و درماندہ ہو کر گول میز والے صاحب لوگ ہمارے تمام مطالبات منظور کرلیں گے اور پھر ہماری خوب خوب دعوتیں ہوں گی۔ پس کیا نام کہ مسلمانوں کو موجودہ جنگ آزادی میں حصہ نہ لینا چاہیے ۔ وما علینا الا البلاغ

العـــــــــــــبـــــــــــــد

تاج الحرمین الشریفین الی دیار البمبیؔ حاجی بلغ العلے اعنی حاجی بغلول نور اللہ مرقدہٗ وزید اللہ سخافتہٗ وحماقتہ

انقلاب ہند

جان بل:۔ کسے خبر تھی کہ یوں کھیل بگڑ جائیگا۔



(ماخوذ از کیمیا ناموگراسیا بارسیلونا)

ہندوستان کا سپیرا



(ماخوذ از "پراودا" ماسکو)

خوش ایام گولیاں

عورتوں کو ماہواری ایام کی خرابی کے سبب طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا رہتا ہے اور بعض بے سمجھ لوگ ایام کی خرابی کے سبب جو بیماریاں ہوتی ہیں اُن کو آسیب اور پری خلل یا جادو وغیرہ خیال کرتے ہیں اور علاج نہیں کرتے اس لیے حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنے بزرگوں کی بتائی ہوئی ایک خاص دوا تیار کردی جو ایام کی خرابی کو چند روز میں دور کردیتی ہے اور ہر مزاج اور ہر عمر کی عورتوں کو موافق آتی ہے۔ ایام نہ آتے ہوں یا بے قاعدہ آتے ہوں یا ایام کی خرابی کے سبب اولاد نہ ہوتی ہو تو یہ گولیاں تیر بہدف ثابت ہوں گی اور بیس روز کے اندر ان کا اثر ظاہر ہو جائے گا ایک شیشی میں بیس گولیاں ہوتی ہیں۔ صبح نہار منہ پانی کے ساتھ ایک گولی کھائی جاتی ہے بیس دن کے اندر اندر ایام کی خرابی یا تو بالکل جاتی رہتی ہے یا تکلیفوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ یہ دوا ایسی ہے کہ ان بیس گولیوں کی قیمت بیس روپے بھی ہوتی تب بھی قیمت کم ہوتی کیونکہ اس قسم کے مریضوں کے علاج میں ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، پھر بھی حسب منشا فائدہ نہیں ہوتا مگر یہ گولیاں دعوے کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ بیس دن کے اندر اپنا عمدہ اثر دکھا دیتی ہیں۔ ہزاروں عورتوں نے ان کو آزمایا ہے۔ سالہا سال سے فروخت ہو رہی ہیں۔ یہ سینہ بسینہ کے ایک لاجواب نسخہ سے تیار ہوئی ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے یعنی اگر خدانخواستہ کسی مریض کو یہ دوا موافق نہ آئے اور فائدہ نہ ہو تو نقصان بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسا جز نہیں ہے جو کسی بات کو نقصان پہنچائے۔ ایام کی خرابی سے تکلیف اُٹھانے والی عورتوں کو ایک بار یہ گولیاں منگا کر آزمائش کرنی چاہیے۔ زیادہ خرچ بھی نہیں ہے صرف ایک روپیہ قیمت ہے۔ اور اسی لیے کم قیمت رکھی گئی ہے کہ غریب لوگ بھی ان گولیوں سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ یہ دوا اشتہاری نہیں ہے محض عورتوں کے فائدہ کے خیال سے اس کا اعلان شائع کیا جاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ:- ابنِ عربی کارکن حلقۂ مشائخ۔ دہلی

ہر درد کی دوا
جادو کی پُڑیا

گیر اینڈ کمپنی کی بنائی ہوئی جادو کی پُڑیا ہر درد کی دوا ہے۔ سر میں درد ہو۔ جوڑوں میں درد ہو، یا جسم کے کسی اور حصہ میں درد ہو تو ایک پُڑیا پانی سے پھانک لی جاتی ہے ایک منٹ کے اندر اندر درد بالکل جاتا رہتا ہے۔ اس دوا کا نام **جادو کی پُڑیا** اشتہاری مبالغہ کی وجہ سے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کی تاثیر کے سبب اس کو لوگ جادو کی پُڑیا کہتے ہیں۔

لاکھوں آدمی ہر جگہ اس کے استعمال سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں گزشتہ سال حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے بیوی بچے اور نوکر یکایک **جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو گئے تھے** اور کئی مہینے سخت تکلیف رہی تھی اور ان سب کو جادو کی پُڑیا ہی سے آرام ہوا تھا، اس لیے خواجہ صاحب کے گھر میں جادو کی پُڑیا استعمال کیلئے ہمیشہ موجود رہتی ہے اور غریبوں کو تقسیم بھی کیجاتی ہے **شیخ احسان الحق صاحب** میونسپل کمشنر دہلی و منیجنگ ڈائرکٹر دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی دہلی کو بھی **پانچ منٹ کے اندر درد کی شدت سے آرام ہو گیا** تھا۔ وہ دواؤں کے قائل نہیں ہیں لیکن انہوں نے جادو کی پُڑیا کی **عجیب** تاثیر کو مان لیا اور اب وہ ہر شخص سے حیرت کے ساتھ اس پُڑیا کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔

ہندوستان بھر کے لیے سول ایجنٹ

ابنِ عربی کارکن حلقۂ مشائخ آفس دہلی ہیں۔ جادو کی پُڑیا ہندوستان میں سول ایجنٹ مذکور سے ملتی ہے۔ دوا فروشوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے جس کا حال خط کتابت سے معلوم ہو سکتا ہے۔

بارہ پُڑیوں کی قیمت ایکروپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ ابنِ عربی کارکن حلقۂ مشائخ۔ دہلی

ہماری عام فہم جیبی کتابیں

ہر ایک کتاب کی قیمت علاوہ محصول صرف چار آنے ہے

۱ - شادی سے پہلے
۲ - شادی کے بعد
۳ - درازی عمر
۴ - احکام اسلام اور عمر و صحت
۵ - ماں باپ کا اثر اولاد پر
۶ - عورت کے سو کام
۷ - کاروباری آدمی کا نظام عمل
۸ - غلام ہمدانی مصحفی
۹ - میر تقی میر
۱۰ - مرزا محمد رفیع سودا
۱۱ - خواجہ میر درد
۱۲ - مرزا غالب
۱۳ - حکیم مومن خاں مومن
۱۴ - منتخب رباعیات عمر خیام
۱۵ - رباعیات رشید
۱۶ - بیوی کی محبت (ترجمہ فسانہ ہائے ٹیگور)
۱۷ - زندگی یا موت (" " ")
۱۸ - شجاعت نبویؐ
۱۹ - حب رسولؐ
۲۰ - حزب اللہ
۲۱ - اولیاء اللہ
۲۲ - حبل اللہ
۲۳ - تقدیر و تدبیر
۲۴ - نعت سرور کائنات حصۂ اول
۲۵ - نعت سرور کائنات حصۂ دوم
۲۶ - " " " حصۂ سوم
۲۷ - " " " حصۂ چہارم
۲۸ - شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ
۲۹ - فن مطالعہ
۳۰ - گلبن ظرافت
۳۱ - نغمۂ وحدت حصۂ اول
۳۲ - نغمۂ وحدت حصۂ دوم

خواص خاں ولی اور خان جہاں لودی

دو مشہور اسلامی جرنیلوں کی نہایت دلچسپ و قابل دید سوانح عمریاں۔ قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول

مشہور حکمائے عالم کے اقوال

دنیا کے مشہور حکماء خصوصاً حکمائے یونان کے بصیرت افروز و سبق آموز اقوال کو سلیس اردو قطعات و رباعیات میں نظم کیا گیا ہے کتاب کا نام "بصائر" ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ: حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۵۔ دہلی

زاہد جبل پوری کی مشہور اور مقبول کتابیں

طبیبہ حصہ اول

اس کتاب میں ایک بالغ لڑکی کو سن بلوغ کے بعد جن امراض و حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اُن سب کو نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً عام زنانہ بیماریوں کی کافی تشریح موجود ہے اس کے مطالعہ سے پوشیدہ امراض کا علاج وہ خود کر سکتی ہیں یا کم از کم اُن کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ مرض کیا ہے یا کس مرض کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ ۱۰۰ نسخے بھی دیئے ہیں جو ہر لحاظ سے مفید اور بے ضرر ہیں اور جو آسانی سے ہر جگہ دستیاب ہو سکتے ہیں۔ دواؤں کی ترکیبیں بھی نہایت آسان ہیں۔ آخر کتاب میں امراض کے یونانی طبی ناموں کے مقابل ڈاکٹری ناموں کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس کتاب کے مفید عام ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ

آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس دہلی

کی نمائش میں پیش ہونے پر کانفرنس نے اس کتاب کو نہایت پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور اسکی تصنیف کو بہت بڑی طبی خدمت اور فرقۂ نسواں پر ایک عظیم احسان خیال کیا۔ مصنف کو اسکی تصنیف پر تمغہ دیا گیا اور لکھا ہے کہ "امراض نسواں کی علامتیں، اسباب اور انکا علاج، استقرار حمل اور عوارضات حمل، زچہ و بچہ کی بیماریاں اور اُن کا علاج جس جامعیت اور وضاحت کے ساتھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے کسی دوسری کتاب میں اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ سلیس و عام فہم عبارت نے کتاب کی خوبیوں میں قابل قدر اضافہ کر دیا ہے کہ معمولی لکھی پڑھی عورتیں بھی اس کے فوائد سے محروم نہیں رہ سکتیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ کے اعتبار سے بھی اسکو امتیاز کا درجہ حاصل ہے" اور ہر پڑھے لکھے مرد و عورت سے اسکے مطالعہ کی سفارش کی ہے اور لکھا ہے "کوئی مطب اور کوئی گھر اس کتاب سے خالی نہ رہے"۔ ہندوستان کے نامی اخبارات نے قابل قدر ریویو لکھے ہیں۔ ضخامت سواد و سو صفحے۔ باوجود اتنی خوبیوں کے کتاب کی قیمت صرف عہ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

طبیبہ حصہ دوم اس کتاب میں بچوں کی پرورش و حفاظت اور اُنکی بیماریاں اور علاج وغیرہ نہایت تحقیق سے عام فہم و سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ہر بیماری کے یونانی طبی نام کے ساتھ مختلف ہندوستانی نام جو ملک کے ہر حصہ میں بولے جاتے ہیں مع علامات ایسے عمدہ طریقے پر لکھے ہیں کہ معمولی لکھی پڑھی عورتیں بھی نہایت آسانی سے سمجھ سکیں گی کہ بچہ کو کیا مرض ہونے والا ہے اور اگر مرض موجود ہو تو معلوم کر سکیں گی کہ کیا مرض ہے اور اُس کی تدبیر و علاج کیا ہے۔ مرض سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ صحت کیونکر درست رہ سکتی ہے۔ جہاں حکیم یا ڈاکٹر نہ ہو وہاں کیونکر اور کیا تدبیر کی جائے۔ دوائیاں بھی وہی لکھی ہیں جو ہر لحاظ سے مفید اور بے ضرر ہیں جو آسانی سے ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہیں اور جن کے تیار کرنے میں کوئی زیادہ دقت اور زحمت نہیں۔ جہاں کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہ ہو وہاں ان دواؤں سے بچوں کا علاج بہت آسانی سے بے خطر کیا جا سکتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول۔

ستارۂ محمدی ۸ فروری ۱۹۲۳ء کو مغرب کے وقت ایک روشن ستارہ نے ٹوٹ کر آسمان پر آقائے دوجہاں کا نام پاک محمد (صلعم) بنایا تھا۔ اس نورانی منظر کی تاریخی یادگار قائم رکھنے کیلئے کتاب "ستارۂ محمدی" شائع کی گئی ہے۔ اس میں ہندوستان کے مشہور اہل قلم کے دلچسپ اور عجیب و غریب مضامین نظم و نثر مہیا کیے گئے ہیں۔ حجم ۳۲ صفحات قیمت ۲ر علاوہ محصول۔

تحفۂ عید اس میں کثرت سے نئے نئے قطعات و اشعار ملیں گے جو موجودہ شعراء سے فرمائش پر کہلائے گئے ہیں اور عید کی تقریب پر بطور تہنیت و اظہار مسرت اپنے بزرگوں، رشتہ داروں، احباب وغیرہ کو بھیجنے کیلئے نہایت موزوں و مناسب ہیں۔ ہر شعر کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ شعر تہنیت عید میں کسے لکھ سکتے ہیں۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ، کاغذ عمدہ، سرورق رنگین، مرصع اور دیدہ زیب۔ قیمت باوجود اتنی خوبیوں کے صرف چار آنے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

مرقع عبرت

اس میں مناظر گورِ غریباں پر مشہور شعراء کی عبرتناک اور سبق آموز نظموں کو ایک جگہ جمع کیا ہے جنکے پڑھنے سے بے ثباتی عالم کا حسرتناک منظر سامنے آ جاتا ہے۔ قیمت (۴ر)

ریلوے مسافر:- اسمیں ریلوے کے قوانین، طریقۂ سفر، مشکلات اور ہر قسم کی ضرورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہر مسافر اور سوداگر کے پاس رہنی چاہیے۔ قیمت ۴ر (چار آنے)

نوٹ:- ایک روپیہ سے کم کی فرمائش کے لیے ڈاک کے ٹکٹ بھیجیں۔

(شیخ احسان الحق مینجنگ ڈائرکٹر حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی پرنٹر و پبلشر نے مرزا محبوب بیگ سے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

جلد ۲ نمبر ۸ ۔ اگست ۱۹۲۲ء







[illegible]





نمبر ۸ جلد ۲

سنہ ۱۹۳۰ اگست

بیا ار بزم بر ساحل کہ آنجا — نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز — حیات جاوداں اندر ستیز است
(اقبال)

باتصویر ماہوار رسالہ

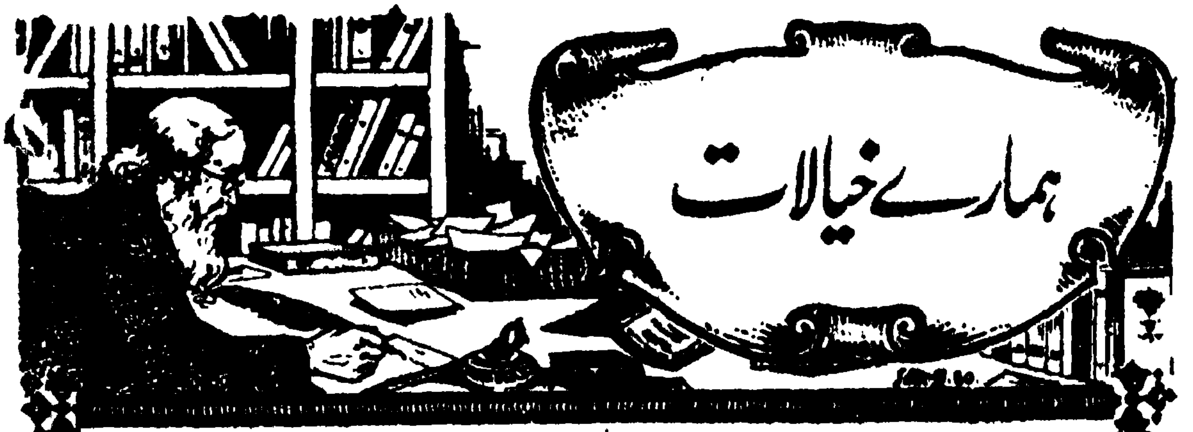
کامیابی

دہلی

سالانہ قیمت تین روپے - ششماہی ایک روپیہ دس آنے - ممالک غیر سے للعہ مع محصول

SA171 30

فہرست مضامین



لیڈروں کے بعد

تحریک آزادی کے بڑے بڑے لیڈر تقریباً سب پکڑ لیے گئے۔ اُن میں سے اکثر عمر رسیدہ اور تجربہ کار اور با اثر تھے، وہ مآل اندیشی اور مصلحت بینی سے قوم کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ اب لیڈری کی مسند پر جن لوگوں کو جگہ ملی ہے وہ مصلحت اندیش کم اور پرجوش زیادہ ہیں۔ اُن کی آزادی بھی غالباً جلد چھین لی جائیگی۔ ان کے بعد درجۂ سوم کے لیڈروں کی باری آئیگی جن میں مصلحت اندیشی موجودہ لیڈروں سے بھی کم اور جوش اُن سے بھی زیادہ ہوگا۔ تیسرے درجہ کے لیڈر بھی جب پکڑ لیے جائینگے تو مقتدیوں کو خود امام بننا پڑیگا۔ عوام اپنی رہنمائی خود کرینگے۔ مآل اندیشی، مصلحت کوشی اور ڈپلومیسی اور پالیسی کا دور ختم ہو جائیگا جوش وخروش اور افراط وتفریط کا دور شروع ہوگا۔ دماغوں میں آزادی کے منصوبے ہونگے، دلوں میں آزادی کا جوش، زبانوں پر آزادی کے نعرے ہونگے، اور ہاتھ پاؤں میں آزادی کی حرکت۔ یہ وقت حاکم ومحکوم دونوں کے لیے بڑا نازک اور خطرناک وقت ہوگا۔ نہ حاکموں کو سکون واطمینان نصیب ہو سکے گا نہ محکوموں کو، بدامنی ہوگی، خونریزی ہوگی، لوٹ مار ہوگی، فتنے فساد ہوں گے۔ امن وسکون کے موجودہ جمود میں اضطراب وانتشار کا ایک طوفان برپا ہو جائیگا۔

سزا وار تحسین ہوں گے وہ بیدار مغز عمال حکومت جو اس نازک وقت کے آنے سے پہلے ہندوستانیوں کے جائز مطالبات پورے کر دیں گے اور تاریخ عالم میں یادگار رہیں گے وہ سرفروش جو اس دورِ آلام ومصائب میں صبر وضبط سے مصیبتوں کو برداشت کر کے فائز المرام ہونگے۔

نتیجہ کیا ہوگا؟

ہم موجودہ برطانوی نظام حکومت کے مخالف ہیں اور اسکو اپنے اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے مضر اور تباہ کن سمجھتے ہیں لیکن ہم اپنے حکمرانوں کی بیدار مغزی، معاملہ فہمی، فرض شناسی، اور بہت سی دوسری انتظامی اور اخلاقی خوبیوں کے مداح ومعترف ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر ہندوستانیوں نے صبر واستقلال کے ساتھ موجودہ سیاسی جد وجہد کو جاری رکھا تو برطانوی حکومت ہندوستان کی بے چینی کو اُس خطرناک حد تک نہیں پہنچنے دیگی جہاں پرامن ہندوستان بدامنی کا گہوارہ بن جائے اور حاکم ومحکوم دونوں کا سکون واطمینان مفقود ہو جائے۔ لیکن اگر خدانخواستہ کوتاہ بین عمال حکومت کی نظریں موجودہ بے چینی کی گہرائیوں تک نہ پہنچ سکیں اور وہ وقت آ گیا جس کے تصور کی بھی ہماری موجودہ امن پسند طبیعتیں متحمل نہیں ہو سکتیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ وہی ہوگا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور جسے قدرت کے قلم نے دنیا کی تاریخ میں نمایاں حرفوں میں لکھ رکھا ہے۔ حق اور باطل کی جنگ میں فتح انجام کار ہمیشہ حق کو ہوئی ہے اور آئندہ بھی حق ہی کو ہوگی۔ حق کی قوت باوجود ظاہری بے سروسامانی کے ہمیشہ ناحق کی پرشکوہ وہیبتناک قوتوں پر غالب رہی ہے، اور آئندہ بھی وہی غالب رہیگی۔

کاش ہماری حکومت جس کو اپنے ہوائی جہازوں اور مشین گنوں پر غرہ ہے ذرا حق کی قوت کا بھی اندازہ لگانے کی کوشش کرے۔ لیکن حق کی قوت کا اندازہ اُس سی۔ آئی۔ ڈی کے ذریعہ سے نہیں لگایا جا سکتا جس سے حق کے دبانے کا کام لیا جاتا ہے۔ حق کی قوت معلوم کرنے کے لیے ایمان اور ضمیر کی روشنی کی ضرورت ہے۔

بزدل ہندو اور بہادر مسلمان

ہندوؤں نے جن کی بزدلی وکم ہمتی کا مسلمان اور انگریز مذاق اُڑایا کرتے تھے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ سیاسی اور معاشری اور مذہبی غلامی کی تمام زنجیروں کو توڑ کر پھینکدینگے۔ وہ ایک طرف اپنی مذہبی تاریک خیالیوں اور معاشری خرابیوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں اور دوسری جانب مادر وطن کے آزاد کرانے کیلیے حیرت انگیز صبر واستقلال اور غیر معمولی جرأت وہمت سے کام لے رہے ہیں۔ وہ نہ مسلمانوں کی امداد کے منتظر ہیں نہ انگریزوں سے رحم وکرم کے امیدوار۔ وہ اپنی قوتوں کو پہچان گئے ہیں، وہ اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھ گئے ہیں، وہ اپنی تمام ظاہری بے سروسامانی اور کمزوریوں کے باوجود اپنی کامیابی کا یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے محبوب مقاصد کیلیے شدید ترین جسمانی تکلیفیں اٹھا رہے اور سخت ترین مالی اور اقتصادی نقصانات برداشت

کر رہے ہیں، وہ جیلخانوں میں خوشی خوشی چلے جاتے ہیں، وہ لاٹھیوں اور گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی عورتیں تمام معاشرتی قیود کو توڑ کر مردوں کے دوش بدوش جنگِ آزادی میں حصہ لے رہی ہیں۔ اور جرأت و مردانگی اور صبر و ضبط کی ایسی زرّیں مثالیں قائم کر رہی ہیں جو دنیا کی تاریخ میں یادگار رہینگی۔

اب ذرا اسی سرزمین پر بسنے والی ایک دوسری قوم کی حالتِ زبوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ یہ قوم سادہ مسلمانوں کی قوم ہے جس کو اپنی بہادری اور شمشیر زنی پر گھمنڈ ہے جس کو اپنی تاریخی اہمیت و عظمت پر ناز ہے جو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم موحد ہیں، ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور نہ کسی سے امید رکھتے ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم کو خدا نے دنیا میں اس لیے بھیجا ہے کہ حق و انصاف کی حمایت کریں اور ظلم و زیادتی کو مٹائیں۔

یہ بہادر، یہ موحد اور یہ حق پرست قوم جہاں تک عوام کا تعلق ہے اپنے ہندو ہمسایوں کی اُس جد و جہد کا جو آزادی کیلیے کر رہے ہیں دور سے کھڑی تماشا دیکھ رہی ہے اور ہندوؤں کی عالی حوصلگیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہی ہے کہ اگر ان کو آزادی مل گئی تو خبر نہیں کہ مسلمانوں کا کیا حشر کریں۔ کہیں حکومتِ اختیاری ملنے پر مسلمان سرکاری نوکری اور کونسلوں کی ممبری جیسی نعمتوں سے محروم نہ کر دیے جائیں۔ اس لیے یہ خود دار قوم کبھی انگریزوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہے کہ اگر آپ اس کا وعدہ کر لیں کہ ہندوؤں کی حق تلفی کر کے ہمارے ساتھ رعایتیں کرتے رہیں گے تو ہم آپ کے حق میں غلامی کا پٹہ لکھ دینگے۔ کبھی یہ قوم ہندوؤں کو کمزور سمجھکر دھمکی دیتی ہے کہ اگر تم نے ہمارے حقوق کا تصفیہ نہ کیا یعنی خود اختیاری حکومت کے منافع میں ہم کو ہمارے استحقاق و قابلیت سے زیادہ حصہ دینے کا وعدہ نہ کر لیا تو ہم تم کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبینگے اور تمہاری اصلاحی اور سیاسی کوششوں میں رکاوٹیں پیدا کرینگے۔

مسلمانوں کی بدنصیب قوم کو اُس کے کوتاہ اندیش اور خود غرض لیڈروں نے سہاروں اور رعایتوں کا اتنا عادی بنا دیا ہے کہ اُس میں اپنے اوپر بھروسہ کرنے اور اپنے بل بوتے پر زندہ رہنے کی مطلق صلاحیت باقی نہیں رہی اور در اصل یہی وجہ ہے کہ یہ قوم نہ صرف تعلیم و تموّل بلکہ اخلاق اور روحانیت میں بھی روز بروز گرتی چلی جاتی ہے۔ اس قوم میں چند ہاتھ پاؤں ہلانے اور اپنی علمی اور عملی قابلیتوں کے ذریعہ سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہے اس لیے وہ دوسروں کی امداد اور غیروں کے سہارے سے اپنی ہستی کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ اس قوم کے انٹرنس پاس نوجوان بر بنائے استحقاق اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کے گریجوایٹوں کے مقابلہ میں ان کو ترجیح دی جائے۔ اس قوم کے بیس روپئے ماہوار کمانے والے دوسری قوموں کے دو سو روپئے ماہوار کمانے والوں سے زیادہ اپنے آپ کو عزت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ جتنے زیادہ سہارے اس قوم کو ملتے ہیں اور جتنی زیادہ رعایتیں اس کے ساتھ کی جاتی ہیں اُتنی ہی اس قوم کی عملی قوتیں روز بروز افسردہ اور مضمحل ہوتی جاتی ہیں اور وہ اعتماد علی النفس کی دولت سے محروم ہوتی جاتی ہے۔

کیا بقائے اصلح کے قانونِ قدرت یا إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ کے ربانی فرمان کی موجودگی میں کوئی قوم جس کے اندر خود زندہ رہنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت نہیں ہے دوسری کی امداد اور سہارے سے زندہ رہ سکتی اور ترقی کر سکتی ہے؟

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

اس سوال کا جواب ہمارے پاس صرف ایک ہے، وہ یہ کہ اس سیاسی اور مادی کشمکش کے دور میں ہندوستان کے مسلمان بھی اگر ترقی کر سکتے ہیں تو انہی راستوں پر چل کر کر سکتے ہیں جن پر دنیا کی دوسری "مادہ پرست" قومیں چل رہی ہیں۔ اگر ہم میں "غیر مسلموں" کے نقشِ قدم کو اپنا رہبر بنانے کی ابھی ہمت نہیں ہے تو کم از کم ہمیں اُن آزاد مسلم قوموں ہی کا نمونہ اپنے سامنے رکھ لینا چاہیے جو اپنی پُرانی تہذیب اور قدیم خیالات کے قائم رکھنے کی بے سود کوششوں میں صدیاں ضائع کرنے کے بعد اب انہی راستوں کے اختیار کرنے پر مجبور ہو رہی ہیں جن پر دنیا کی دوسری قومیں عرصۂ دراز سے چل رہی ہیں۔ اُن راستوں پر بورڈ اگرچہ سیاسی، تعلیمی اور اقتصادی آزادی کے لگے ہوئے ہیں لیکن اُن میں داخل ہونے کے بعد اخلاق و معاشرت کی درستی خود بخود ہو جاتی ہے۔

وطن کی بہتری کے لیے سیاسی کوششوں میں دلی خلوص اور سچے جوش کے ساتھ حصہ لینا اور مادرِ وطن سے اس تعلق کا پیدا کرنا جس کو حضرت علی علیہ السلام نے حب الوطن من الایمان فرمایا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ بغیر اس زینہ کو طے کیے وہ کبھی اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور دوسروں کے سہاروں سے مستغنی ہو کر زندگی بسر کر سکیں۔

مسلمان عورتوں کو پردہ اُٹھانا پڑیگا

لباس انسانی جسم کی قدرتی نشو و نما اور صحت و اخلاق کے لیے مضر ہے لیکن اقتضائے زمانہ نے ہم کو کپڑے پہننے پر مجبور کر دیا اور ننگا پھرنا نہ صرف ایک معاشرتی جرم بلکہ مذہبی گناہ قرار دیدیا ہے۔ بجلی کی روشنی ہماری آنکھوں کے لیے مضر ہے لیکن بڑے شہروں میں رہکر مجبوراً اسی کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ریلوں اور موٹروں سے انسانی تندرستیاں برباد ہو گئی ہیں لیکن وقت کی بچت کے فوائد کو ان چیزوں کے نقصانات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ سینما اور تھیٹروں میں زیادہ تر مخربِ اخلاق تماشے دکھلائے جاتے ہیں لیکن یہ تماشے ہماری معاشرت کا ایک ضروری جزو بن گئے ہیں۔ ان مثالوں کے پیش کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ بہت سی چیزیں جو واقعی بُری اور مضر ہوتی ہیں ہم کو محض اس وجہ سے

اختیار کرنی پڑتی ہیں کہ زمانہ اُن کو اختیار کرنے اور اُن کے اچھا سمجھنے پر ہمیں مجبور کر دیتا ہے اور اُن کا نہ اختیار کرنا ہمارے امکان سے باہر ہو جاتا ہے۔

عورتوں کا مردوں کی طرح بے پردہ پھرنا ہماری قدیم معاشرت کے لحاظ سے نہایت معیوب اور ہمارے قدیم نقطۂ خیال سے نہایت بُرا ہے لیکن زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دوسری بُرائیوں کی طرح اس بُرائی کو بھی جلد سے جلد اختیار کر لیں اور دوسری معیوب باتوں کی طرح اس بے حیائی کو بھی گوارا کرنے کی عادت ڈال لیں۔ انگریزی پڑھنا اور انگریزی معاشرت کا اختیار کرنا نہ صرف ہمارے قدیم شرفا اور مقدسین کے طبقہ میں بلکہ عام طور پر بھی نہایت معیوب اور بُرا سمجھا جاتا تھا لیکن اب وہی لوگ جوان باتوں کو بُرا اور معیوب سمجھتے تھے افسوس کر رہے ہیں کہ ان کی قوم نے انگریزی پڑھنے کی ضرورت کو اتنی دیر میں کیوں محسوس کیا اور کیوں انگریزی تعلیم میں وہ دوسری قوموں سے پچاس برس پیچھے رہ گئے۔

ہماری پیشین گوئی ہے کہ خواہ ہم اپنی عورتوں کو نئے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں لیکن چوتھائی صدی گزرنے سے قبل وہ ان اثرات کو پورے طور سے قبول کر لینگی اور مردوں کی طرح آزادی سے بے پردہ گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرتی نظر آئینگی۔ حرصہ میں دوسری قوموں کی عورتیں جو تہذیب کی روشن خیالی اور نئی تعلیم میں اُن سے کہیں آگے نکل جائینگی اس لئے اگر ہم نے اس وقت اپنی عورتوں کو پردہ اٹھانے کی اجازت نہ دی تو بعد میں ہم کو افسوس ہوگا اور دیکھنے والے کہیں گے ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابیٔ بسیار

گول میز کانفرنس

انگلستان کے بادشاہ کنگ آرتھر نے ایک گول میز اس غرض سے بنوائی تھی کہ وہ اور اُسکے اُمرا اُس میز کے گرد مساویانہ حیثیت سے بیٹھ کر امور مملکت میں آزادی سے مشاورت لیا کریں۔ گول میز کانفرنس کی اصطلاح اُس وقت سے سیاسی دنیا میں رائج ہوئی ہے۔ اور گول میز کانفرنس سے ایسی کانفرنس مراد لی جاتی ہے جس میں مختلف الخیال سیاسی جماعتیں حاکمی و محکومی اور برتری و کمتری کے تمام امتیازات کو بر طرف رکھکر مساویانہ حیثیت سے تبادلۂ خیالات کریں اور باہمی رضامندی سے کسی سمجھوتہ پر پہنچ جائیں۔

ہندوستان کو اصلاحات دینے کی غرض سے جو گول میز کانفرنس لندن میں عنقریب ہونے والی ہے اُس کو گول میز کانفرنس کہنا اس تاریخی اصطلاح کی توہین کرنا ہے کیونکہ ہندوستان کے جو نمائندے اس کانفرنس میں شریک ہونگے وہ ہندوستانیوں کے نہیں بلکہ برطانوی عمال حکومت کے منتخب کردہ ہوں گے یعنی ہندوستانیوں کو اُن کی محکومی کی وجہ سے اسکا بھی حق نہیں دیا جائیگا کہ وہ اپنے نمائندے خود منتخب کرکے بھیجیں جس کانفرنس کی بنیاد میں ہندوستان کی محکومیت و کمتری کا احساس اس قدر نمایاں ہو اُس میں شریک ہونیوالے ہندوستانیوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کا ہونا ایک امید عبث ہے۔ اس لیے گول میز کانفرنس کی "گول میزی" صرف دکھانے اور ہندوستانیوں کے بہلانے کے لیے ہے۔

مسلمان اراکین اسمبلی

معزز معاصر روزنامہ "ملت" نے اپنی ۲۰ ستمبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں آئندہ انتخابات پر ایک افتتاحی مضمون لکھا ہے جس کا ایک فقرہ یہ ہے:-

"ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ جمعیت مقننہ میں جب کبھی ملک کے اہم ترین مسائل پیش ہوئے ہندو اراکین جمعیۃ نے دن رات ان پر غور و خوض کرکے پوری قوت کیساتھ ملکی مفاد کے لیے حکومت کا مقابلہ کیا لیکن مسلمان اراکین جمعیۃ کی زیادہ تعداد ہمیشہ ایسی رہی ہے جس نے ان مسائل پر کبھی اس طرح بھی غور نہیں کیا ہے جس طرح اسکول کا ایک طالب علم ان پر غور کر لیتا ہے۔ تجارت، صنعت و حرفت، بینکنگ اور محاصل و محاربات پر ہندو اراکین نہ صرف صدہا سوالات کر ڈالتے تھے بلکہ اہم ترین مسودات قانون اور سرکاری مسودات میں ترمیمیں پیش کرکے ملک کیساتھ اپنی وفاداری کا پورا ثبوت دیتے تھے"

ہندو اراکین اسمبلی کی ہندوستان کے اہم سیاسی و اقتصادی مسائل کے ساتھ اس قدر دلچسپی اور مسلمان اراکین کی ان کے ساتھ اس قدر بے توجہی کیوں ہے۔ اس کا سبب معاصر مذکور نے یہ بتایا ہے کہ ایسے مسلمان قانون ساز مجالس میں نہیں جاتے جو کافی بصیرت اور قابلیت رکھتے ہوں لیکن کیا معاصر مذکور ایسے چند مسلمانوں کے نام ہمیں بتا سکیگا جو کسی قانون ساز مجلس کے ممبر نہ ہوئے ہوں اور اُن میں ہندوؤں کی طرح اہم سیاسی اور اقتصادی مسائل کے سمجھنے کی اہلیت ہو اور جو ایسے مسائل میں جن کا تعلق تمام ملک اور تمام دنیا کی بہبود سے ہے اتنی ہی دلچسپی لیتے ہوں جتنی کہ وہ ملی مسائل میں لیتے ہیں؟

ہمارے محترم معاصر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ساری خرابیاں مسلمانوں کی موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت اور جداگانہ انتخاب کی ہیں۔ جب تک مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت نہیں بدلے گی جب تک جداگانہ انتخاب کی لعنت ملک سے دور نہیں کی جائیگی ایسے مسلمان مشکل سے پیدا ہونگے جو ہندوؤں کی طرح ملک کے اہم سیاسی اور اقتصادی مسائل پر دلچسپی کے ساتھ غور و خوض کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔

ایک استفسار

محولۂ بالا افتتاحی مضمون میں محترم معاصر ملت نے ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے:-

"ایسے کتنے ہی قوانین اور تجاویز کو پیش کیا جا سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے مذہبی، اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور تجارتی تمام پہلوؤں سے سخت مضر تھے اس طرح اُنکی اسمبلی سے پاس ہو گئے کہ کسی مسلمان رکن کو خبر تک نہیں ہوئی"

ایک قانون ساردا ایکٹ کے متعلق تو ہم کو علم ہے کہ مسلمان اکثریت نے

س کو اپنے لیے مُضر بتایا ہے۔ کیا ہمارا معاصر اُن دوسرے بہت سے قوانین اور بادیز سے بھی ہمکو واقف ہونے کا موقع دیگا جو اُس کے علم میں مسلمانوں کے لیے مُضر تھے اور مسلمان اراکین اسمبلی کی لاعلمی میں پاس ہو گئے ؟

فحش نویس 'مولینا'

ہندوستان کے مسلمانوں کی شاید سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اُن کی موجودہ مذہبی ذہنیت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اُن میں کئی قسم کے 'مولینا' پیدا ہو گئے ہیں منجملہ اُنکے ایک 'مولینا' فحش نویس بھی ہیں جو ماشاءاللہ ایک 'اسلامی' اخبار بھی دہلی سے نکال رہے ہیں۔ ان 'مولینا' کے 'اسلامی' اخبار میں اُن قابلِ احترام ہندو خواتین کے خلاف جو غیر معمولی جرأت و استقامت سے موجودہ سیاسی اور اصلاحی کوششوں میں حصہ لے رہی ہیں ایسی گندی اور شرمناک تحریریں شائع ہو رہی ہیں جن کو پڑھکر ایک سچے مسلمان کے دل کو بے حد تکلیف پہنچتی اور سخت شرم و ندامت محسوس ہوتی ہے۔ یہ تحریریں بلاشبہ قومی منافرت پیدا کرنیوالی ہیں اور یقیناً قانون کی زد میں آتی ہیں مگر افسوس ہے کہ عمالِ حکومت اور سی۔ آئی۔ ڈی والوں کو اپنی بڑی بڑی مصروفیتوں کی وجہ سے ایسی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور پبلک کو اُن کی اس بے توجہی سے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ شاید کسی پرستار حکومت ہی کے اشارہ سے ایسی تحریریں اخباروں میں نکالی جا رہی ہیں۔

بہرحال مسلمانوں کو تو اپنی اور اپنے مذہب کی عزت کا خیال کرنا چاہیے اور اس اخبار سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ ایسی ناپاک تحریروں کو روکے اور اسلام اور مسلمانوں کو بدنام نہ کرے۔

ایسی ہی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے دوسری قوموں کی نظر میں مسلمان روز بروز ذلیل ہو رہے ہیں۔

ہم دہلی کی مسلمان خواتین کو خاص طور پر ان شرمناک تحریروں کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی نسوانی اور اسلامی غیرت کا کیا ثبوت دیتی ہیں۔

صلح نہیں ہوگی

۴ ستمبر تک کی آخری اطلاعوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر تیج بہادر سپرو اور مسٹر جیاکر جو گفت و شنید صلح کی بابت وائسرائے اور مقید کانگریسی لیڈروں سے کر رہے تھے اُس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور صلح کی اُمیدیں تقریباً منقطع ہو گئیں۔

جب تک فریقین کی پیش کردہ شرائط صلح کی تفصیلات معلوم نہ ہوں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صلح نہ ہونے کی ذمہ داری کس فریق پر زیادہ عائد ہوتی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کانگریسی لیڈروں کو اور کانگریسی لیڈر لوگ گورنمنٹ کو صلح نہ کرنے کا ذمہ دار قرار دینگے۔

گورنمنٹ کے پاس بہت سی طاقتیں ہیں اور یہ طاقتیں چونکہ تمام مادی ہیں اس لیے گورنمنٹ اپنی قوت اور اپنے مخالفین کی کمزوری کے نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتی ہے اور اگر دنیا میں مادی طاقت ہی کوئی چیز ہے تو گورنمنٹ صلح نہ کرنے میں حق بجانب کہی جا سکتی ہے۔

کانگریسی لیڈروں کے پاس جو کچھ بھی قوت ہے وہ حق و صداقت یا رائے عامہ کی قوت ہے۔ اس قوت کا اندازہ ہر شخص نہیں کر سکتا صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس قوت پر پورا بھروسہ اور اُس کی کامیابی کا پورا یقین ہے۔ اس لیے مہاتما گاندھی اور اُن کے متبعین خاص کو جو حق و صداقت کی قوت کے مادی قوتوں پر غالب آنے کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ ان کو بھی صلح نہ کرنے پر موردِ الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسے ہماری کم ہمتی سمجھیے یا مصلحت اندیشی۔ بہرصورت ہماری رائے یہ تھی کہ کانگریسی لیڈروں کو کم از کم راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے ختم ہونے تک جنگ ملتوی کر دینی چاہیے تھی اور مہاتما جی وغیرہ کو کانفرنس میں شریک ہوکر اپنے معتدل مطالبات منوانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اگر ان کوششوں میں حسب توقع کامیابی نہ ہوتی اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کا کوئی مفید نتیجہ نہ نکلتا تو ملتوی شدہ جنگ پھر جاری کی جا سکتی تھی اور غالباً اس وقت اس جنگ میں معتدل مطالبات پیش کرنے والی جماعتوں کے بھی بہت سے با اثر افراد شریک ہو سکتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورۂ بالا صورت کے اختیار کرنے میں کانگریسی لیڈروں کے کل مطالبات پورے ہونے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن ہندوستان جیسے مجبور و معذور اور منفرق و منتشر ملک کے لیے موجودہ کل مطالبات کے بیک وقت پورا کرنے کی توقع کرنا ہمارے نزدیک ابھی قبل از وقت ہے۔

صلح نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جنگ جاری رہیگی اور دونوں فریق ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری قوتوں سے کام لیں گے۔ مادی اور روحانی طاقتوں کی جنگ کا نتیجہ دیر میں نکلا کرتا ہے۔ شروع میں غلبہ عموماً مادی طاقتوں ہی کا رہتا ہے اور روحانی طاقت کے بھروسہ پر لڑنے والوں کو غلبہ صرف اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ سخت ترین مصیبتوں اور تکلیفوں کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے اور عظیم الشان جانی اور مالی قربانیاں بلا تکلف پیش کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ ابتلا و امتحان کی ان ابتدائی کٹھن منزلوں کو ثابت قدمی سے طے کر لیتے ہیں اُن کی روحانی قوت دنیا کی کسی مادی قوت سے مغلوب نہیں ہو سکتی۔

ممکن ہے کہ ہندوستانی ابھی اتنے صابر و ضابط اور جانباز و بہادر ثابت نہوں کہ وہ اس جنگ میں آخر تک ثابت قدم رہ سکیں لیکن گورنمنٹ کو بھی زیادہ سے زیادہ کامیابی صرف یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زبردست مادی قوتوں کے ذریعہ سے کچھ روز کے لیے سیاسی بیچینی کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کر دے ان شعلوں کی

خاکستر کے نیچے جو آگ دبی ہوئی ہے اُس کا ٹھنڈا کرنا اُسی وقت ممکن ہوگا جب گورنمنٹ حق وانصاف کے سامنے جھکنا گوارا کریگی۔

مبارزی

کانگریسی تحریک کو اس وقت تک جس قدر بھی کامیابی ہوئی ہے وہ محض عدم تشدد کے مسلک پر قائم رہنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر تشدد سے کام لیا جاتا اور مرنے کے بجائے مارنے کی کوشش کی جاتی تو یہ تحریک کبھی کی ختم ہوگئی ہوتی اور نقصانات بھی رعایا کے اس سے بہت زیادہ ہوتے جتنے کہ اب تک ہوئے ہیں۔ عدم تشدد موجودہ تحریک کی روح ہے۔ عدم تشدد کے فنا ہوتے ہی اس تحریک کا فنا ہوجانا یقینی ہے۔

بعض اطراف ملک خصوصاً بنگال میں بموں اور پستولوں کے ذریعہ سے انگریزوں اور انگریزی حکومت کے ہندوستانی ملازموں کی جانیں لینے کا جو خطرناک سلسلہ بدقسمتی سے پھر شروع ہوگیا ہے اس کے متعلق گو یہ کہا جاتا ہے کہ اُس کا گاندھی جی کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے اور واقعی نہیں ہے لیکن اگر یہ نقصان رساں سلسلہ بند نہ ہوا تو غیر متشدد تحریک کا اُس سے بے تعلق رکھنا ناممکن ہوجائیگا۔ اور اُسکی موجودگی سے موجودہ تحریک کی روحانی قوت کو بہت ضعف پہنچے گا۔

بم بازوں کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے جانباز اور بہادر ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان صابرین سے زیادہ جانباز اور بہادر نہیں ہوتے جو لاٹھیوں اور گولیوں کے لیے اپنے سروں اور سینوں کو کھول دیتے ہیں اور سخت سے سخت اشتعال وغصہ کی حالت میں بھی مرجانا گوارا کرلیتے ہیں لیکن مارنے والے پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ جو زبردست روحانی قوت اور جو کامیابی کے امکانات عدم تشدد میں ہیں وہ اُس تشدد میں نہیں ہیں جسے ہمارے بعض ناعاقبت اندیش اور ضرورت سے زیادہ پرجوش نوجوانوں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔ کاش یہ نوجوان اپنے جوش کو کچھ روز اور قابو میں رکھیں اور کم از کم اُس وقت تک کے لیے اپنی متشددانہ کارروائیوں کو ملتوی کردیں جب تک غیر متشدد تحریک کامیاب یا ناکام نہ ہوجائے۔

جن انگریزوں اور ہندوستانیوں کی جانیں تشدد پسندوں کے بموں اور ریوالوروں سے ضائع ہوئی ہیں ہمیں اُن کے عزیزوں اور پسماندوں کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور ان جانوں کے ضائع ہونے کے تصور سے ہم کو اپنی مظلومیت وبیکسی کی اُس قوت میں جس کے سوا اور کوئی قوت ہمارے پاس نہیں ہے بہت کمزوری محسوس ہورہی ہے۔

جیل جانا ذریعہ ہے مقصود نہیں

ہم افسوس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ سیاسی تحریکات کے سلسلہ میں ہمارے لیڈران وکارکنان اکثر بلا ضرورت بھی اپنے آپ کو گرفتار کرادیتے اور جیل چلے جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں گرفتاری اور سزایابی کو آسانی سے کچھ روز تک کے لیے ملتوی کیا جاسکتا تھا اور اس کے ملتوی کردینے سے تحریک کو کوئی بڑا نقصان یا اُس کے ملتوی نہ کرنے سے تحریک کو کوئی بڑا فائدہ پہنچنے والا نہیں تھا۔ لیکن گرفتار ہونے یا جیل جانے کے شوق یا کم ہمتی وبزدلی کی بدنامی کے اندیشہ نے انتظار کی مصلحتوں پر غور کرنے کا موقع نہیں دیا اور بہت سے ایسے لیڈر اور کارکن جن کا آزاد رہنا قید ہونے کے مقابلے میں اُس وقت زیادہ مفید تھا بلاکسی شدید ضرورت کے از خود جیل چلے گئے۔

کانگریس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کے جو ممبر اور با اثر ارکان ابھی چند روز ہوئے دہلی میں پکڑے گئے ہیں اُن سب کے اپنے آپ کو گرفتار کرادینے کی مصلحت اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ ورکنگ کمیٹی کا کورم غالباً پانچ ہے۔ اس لیے ورکنگ کمیٹی کو ناجائز قرار دیے جانے کے اعلان کی خلاف ورزی صرف پانچ ممبران کی موجودگی سے بھی ہوسکتی تھی اور ان پانچ میں پہلے اُن لوگوں کو لیا جاسکتا تھا جو مسٹر پٹیل اور پنڈت مالوی جی کی طرح بااثر نہیں تھے۔ ان بزرگوں کی بلاضرورت سزایابی سے ابھی تک کوئی ایسی غیر معمولی قوت تحریک میں پیدا نہیں ہوئی جو ان کی گرفتاری کی تلافی کردیتی۔ لیکن اگر یہ گرفتار نہ ہوتے تو اب جبکہ صلح کی اُمیدیں منقطع ہوگئی ہیں اور قافلہ سالاری کیلیے دانشمندی وتجربہ کاری کی ضرورت ہے۔ غالباً ان لیڈروں کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اور اثر ورسوخ سے کافی فائدہ اُٹھایا جاسکتا تھا۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی جو ڈاکٹر انصاری صاحب سے پہلے پریسیڈنٹ تھے اور جنہوں نے شاید اس وقت تک ڈاکٹر صاحب کو اپنا قایم مقام نہیں بنایا تھا۔ یہی راے تھی کہ ورکنگ کمیٹی کے سب ممبروں کو ایک ہی وقت میں گرفتار نہ ہونا چاہیے بلکہ ممتاز لیڈروں کو یکے بعد دیگرے مناسب وقفوں کے بعد اپنی آزادی سلب کرانی چاہیے۔ لیکن معلوم نہیں ڈکٹیٹر کی اس صائب راے کو ورکنگ کمیٹی نے کیوں نہیں مانا۔

جیل جانا یا دوسرے مصائب کا برداشت کرنا حصول مقصود کا ذریعہ ضرور ہے لیکن اصل مقصود وہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس ذریعہ کو ذریعہ ہی کی حیثیت سے کام میں لانا چاہیے نہ کہ اصل مقصود کی حیثیت سے۔ اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایک ایک شخص کی آزادی ہمارے لیے بہت بیش قیمت ہے۔ اس آزادی کے خرچ کرنے میں ہم کو بہت احتیاط اور کفایت شعاری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

لیڈروں کی نیک نیتی کا معیار

جب کسی ملک یا قوم میں کوئی ایسی انقلابی تحریک شروع ہوتی ہے جس سے موجودہ نظام کا بدلنا مقصود ہوتا ہے تو جو لوگ موجودہ نظام سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اُن میں سے اکثر تحریک مذکور کے مخالف ہوجاتے ہیں اور اپنی پوری قوت وکوشش سے تحریک مذکور کے دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان مخالفین میں بعض تو

لیے ہوتے ہیں جو واقعی نیک نیتی سے جدید تحریک کو اپنی قوم یا ملک کے حق میں مضر سمجھتے ہیں اور بعض صرف اس وجہ سے تحریک کی مخالفت کرتے ہیں کہ اُن کو تحریک مذکور کے رسوخ پانے سے اپنے موجودہ فوائد سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ہندوستان کی موجودہ سیاسی تحریک کے مخالفین میں بھی دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ نیک نیت بھی ہیں اور خود غرض بھی۔ لیکن نیک نیت مخالفین کی تعداد کم ہے اور خود غرضوں کی زیادہ۔ مخالفین تحریک میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک زمانہ میں قوم کے لیڈر رہ چکے ہیں اور جن کا اثر اب تک بھی قوم پر کافی ہے۔ قوم جب اپنے بعض لیڈروں کو موجودہ تحریک کا مخالف اور بعض کو حامی و موافق پاتی ہے تو وہ قدرتی طور پر اس کشمکش و پیچ میں پڑ جاتی ہے کہ ان لیڈروں میں سے کس کو سچا اور نیک نیت مانے اور کس کو جھوٹا اور خود غرض۔ تحریریں اور تقریریں عوام الناس کے لیے مخالفین تحریک کی بھی تقریباً اُتنی ہی تشفی بخش ہوتی ہیں جتنی کہ موافقین تحریک کی۔ مخالفین کے دلائل سن کر وہ اُن کی طرف جھک جاتے ہیں اور موافقین کے دلائل سنکر اُن کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔

ایسی صورت میں عوام الناس کے لیے کوئی نہ کوئی معیار ایسا ضرور ہونا چاہیے جس سے وہ کم از کم اپنے بڑے بڑے لیڈروں کی نیک نیتی اور بدنیتی کا اندازہ کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے ایسا کوئی معیار مقرر کرنا تو ناممکن ہے جس میں کبھی غلطی نہ ہو لیکن ایسا معیار مقرر کیا جا سکتا ہے جس میں غلطی کا امکان کم ہو اور وہ معیار ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جو لیڈران کسی تحریک کی حمایت یا مخالفت کی وجہ سے اپنے موجودہ فوائد یا راحت و آسائش کو قربان کر کے مالی نقصانات اور جسمانی تکلیفیں برداشت کر رہے ہوں اور جن کو ان نقصانات اور تکلیفوں سے مستقبل قریب میں بظاہر کوئی بڑا نفع پہنچنے کا امکان نہ ہو ان کو عموماً نیک نیت سمجھنا چاہیے خواہ ہم کو اُس کی رائے سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اور جو لیڈران کسی تحریک کی موافقت یا مخالفت کے ذریعہ سے ایسے ذاتی فوائد حاصل کر رہے ہوں جو دوسرے ذرائع سے اُن کو حاصل نہیں ہو سکتے تھے یا جن کو اس ذریعہ سے مستقبل قریب میں ذاتی فوائد حاصل ہونے کا امکان ہو ان کی نیک نیتی کو ہمیں اُس وقت تک مشتبہ سمجھنا چاہیے جب تک کہ ان کے گزشتہ اور موجودہ حالات سے ہمیں اس کا یقین نہ ہو جائے کہ وہ خود غرض و بدنیت نہیں ہیں۔

اگر ہم اس معیار پر اپنے لیڈروں کی نیک نیتی کو جانچ لیا کرینگے تو اُمید ہے کہ ہم کو جھوٹے اور سچے لیڈروں میں امتیاز کرنے کا کافی سلیقہ پیدا ہو جائیگا اور ہم جھوٹے لیڈروں کے دھوکے میں نہیں آئینگے۔

موجودہ تعلیم کا ایک بڑا نقص

بمبئی یونیورسٹی کے جلسۂ عطائے اسناد میں ہزایکسلنسی گورنر صاحب بمبئی نے جو خطبہ پڑھا تھا اُس میں ایک بات یہ بھی فرمائی تھی:۔

"ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ باوجود ہر قسم کی کوشش کرنے کے ہم کو ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی کہ طالبعلموں سے رٹنے اور مضامین کے دماغ میں ٹھونسنے کی عادت ترک کرا سکتے۔"

ہم گورنر صاحب کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے "رٹنے اور مضامین کے دماغ میں ٹھونسنے" کی مضر عادت کے ترک کرنے کی طرف اساتذہ اور طلباء کو توجہ دلائی۔ لیکن یہ مرض ہماری موجودہ تعلیم گاہوں سے اُس وقت تک دور نہیں ہوگا جب تک کہ ان تعلیم گاہوں کے قیام کا مقصد صرف سرکاری نوکریوں کی قابلیت پیدا کرنے تک محدود رہیگا اور جب تک ذریعۂ تعلیم ہماری مادری زبانوں کو نہیں بنایا جائے گا جو طالب علم صرف اس لیے پڑھتا ہے کہ وہ کسی طرح امتحان پاس کر لے اور اُس کو سرکاری نوکری مل جائے۔ اُس کے لیے صرف اس کی ضرورت ہے کہ وہ امتحان کے قریب استادوں کے لگائے ہوئے نشانات یا خلاصوں کے ذریعہ سے بڑی بڑی کتابوں کے صرف اُن مضامین کو جن کے متعلق امتحان کے پرچوں میں سوال پوچھے جانے کا امکان ہے اپنے دماغ میں محفوظ کر لے۔ یہ مضامین زیادہ سے زیادہ امتحان کے وقت تک دماغ میں باقی رہ سکتے ہیں اور اس کے بعد پھر وہ کتابوں کے اوراق ہی کے لیے باعثِ زینت رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح جن طالبعلموں کو انگریزی کا ترجمہ انگریزی میں کرنے اور علمی مسائل کی انگریزی میں تشریح بیان کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اُن سے اس کے سوا اور کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بجائے علمی مسائل کو دماغ میں پیوست کرنے کے علمی کتابوں کی عبارتیں رٹنے کی کوشش کریں تاکہ مختصر سے مختصر اور بہتر سے بہتر الفاظ میں وہ اُن علمی مسائل کی تشریح کر سکیں۔

اگر گورنر صاحب بمبئی یا دوسرے ارکان و اعمال حکومت واقعی رٹنے اور دماغ میں مضامین ٹھونسنے کی عادت طالبعلموں سے ترک کرانا چاہتے ہیں تو انہیں فوراً اپنے نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیاں کر دینی چاہئیں جن سے طالبعلم کو علم کیلیے سیکھنے اور اپنی مادری زبانوں کے ذریعہ سے مختلف علوم و فنون کو دماغ میں پیوست کرنے کی کوشش کیا کریں۔

کامیابی کی اشاعت میں تاخیر

ہم کو افسوس ہے کہ کامیابی کے وقت پر شائع کرنے کی کوششوں میں ہمیں اب تک کامیابی نہیں ہو سکی۔ خیال تھا کہ یہ رسالہ اگست کے اخیر ہفتہ تک ضرور نکل جائیگا۔ لیکن ڈاکٹر سعید صاحب ایڈیٹر کی ناگہانی علالت کے باعث جس کا سلسلہ افسوس ہے کہ ابھی تک جاری ہے یہ ارادہ بھی پورا نہیں ہو سکا۔ اب کوشش کی جا رہی ہے کہ ستمبر کا پرچہ ۲۰ ستمبر تک شائع ہو جائے۔ خدا کرے کہ کوئی اور رکاوٹ پیدا نہ ہو اور اس کوشش میں ہم کامیاب ہو جائیں۔

نبیِ مکرم خدا کا پیارا

مناؤ خوشی آج کم سن عزیزو! ہے یوم النبی عید کا دن تمہارا
جہاں میں ہوا جلوہ گر فضلِ رب سے نبیِ مکرم خدا کا پیارا
اُٹھائی مصیبت سہا رنجِ غربت نہ ڈھونڈا مگر غیرِ حق کا سہارا
وطن کو عزیزوں کو دولت کو چھوڑ کو کیا حق پہ قربان حق کا پیارا
دگرگوں ہے اس وقت مسلم کی حالت نہ تابِ اقامت نہ بڑھنے کا یارا
ہوئے جاتے تھے غرقِ دریائے حرماں مگر دستِ رحمت نے آکر اُبھارا
بڑی دیر سے مُنہ کو تکتے ہیں خادم نگاہِ کرم اک اِدھر بھی خدارا
سہارا اسیگی میں بھی ہے دلکو ڈھارس بنے گی یہ بگڑی جو تم نے سنوارا
نبی کی کرو پیروی اور بتا دو کہ مسلم اُبھرتے ہیں کیسے دو بارا
جو بننا ہو مخدومِ ابنائے عالم کرو خدمتِ خلق دل سے گوارا
چلو راہِ حضرت پہ اور دیکھ لو تم لگا پار بیڑا عزیزو! تمہارا

از خواجہ اسکول گزٹ

منموہن کی بانسری

(از جناب سید ابن الحسن صاحب فکر ایم اے)

ساقی بھی ہوں مے کش بھی مے بھی ہوں پیمانہ بھی وحدت کے ساغر میں ہے کثرت کا میخانہ بھی
عشق کی اک چنگاری نے آگ لگا دی محفل میں شمع بھی آتشِ دردِ دل ہے شعلہ بجاں پروانہ بھی
عشق مری خاموشی ہے، عشق مری گویائی ہے خلوت میں یہ راز بھی ہے، بزم میں یہ افسانہ بھی
میرے حسن کا مظہر ہے، گل بھی شمعِ محفل بھی تیرے عشق کی صورت ہے، بلبل بھی پروانہ بھی
اُٹھا ابر، بہار آئی، پھول کھلے سبزہ لہکا شاخِ گل ساغر بر کف، بادِ صبا مستانہ بھی
کامل بن تو بھی اے شیخ، رہن مے و مینا کر دے پیراہن و عمامہ بھی، تسبیحِ صد دانہ بھی
عشق میں جل بجھنا ہے تو، یکساں ہے پروانہ کو نورِ چراغِ کعبہ بھی، اور شمعِ بتخانہ بھی
نشۂ الفت واہ رے تو، بیخودیِ دل کیا کہنا غفلت میں ہشیار بھی ہوں، ہوش میں ہوں دیوانہ بھی
نغموں میں ڈوبی ہوں میں، سرتاپا موسیقی ہوں سوز آبادِ ترنم ہے، دل کا تجلی خانہ بھی
میری صدا جو سنتا ہے، اُسکا دل بھر آتا ہے کیا دردانگیز ہے یہ، الفت کا افسانہ بھی

فرقِ شرع و طریقت کو فکرِ میکش کیا جانے!
پردۂ کعبہ بھی ہے سیہ، ابرِ سیہ میخانہ بھی

(پیامِ کرشن نمبر)



اَلاَعمالُ بِالنّیاّت

"الاعمال بالنیات" ایک مشہور و مستند حدیث ہے مگر کم لوگ ہیں جنہوں نے اس کے فلسفہ پہ غور کیا ہے اور اس کی حقیقت کو اخلاقی حیثیت سے سمجھا ہے - عام طور پر اس حدیث کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ کوئی نیک یا اچھا کام جو بُری نیت سے کیا جائے اُس کو نیک اور اچھا کام نہیں کہا جا سکتا اور بہت سے بُرے کام جو اچھی نیت سے کیے جاتے ہیں قابل درگزر و معافی ہوتے ہیں - حدیث کا یہ مفہوم نہایت سطحی مفہوم ہے جس میں 'نیت' کے معنوں کو بہت ہی محدود کر دیا گیا ہے اسی لیے یہ حدیث باوجود ایک اعلیٰ اخلاقی تعلیم کی حامل ہونے کے عام طور پر صرف شرعی یا انتظامی اغراض کے لیے استعمال ہوتی ہے - حالانکہ حدیث کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور اسکی حقیقت کے سمجھنے پر انسان کی بہت سی اخلاقی اور روحانی ترقیوں کا دارو مدار ہے -

الاعمال بالنیات کے یہ معنی ہیں کہ عمل کا اطلاق صرف اُسی فعل پر ہوسکتا ہے جس کی تحریک دل کے سچے ارادہ (نیت) کی تحریک سے ہو یعنی کسی عمل کو عمل کہنے اور اُس کے نتیجہ خیز ہونے کے لیے دیگر اعضاد وجوارح کے ساتھ دل کی شرکت بھی نہایت ضروری ہے - عذاب و ثواب کا تعلق بھی اسی عمل سے ہے جو دل کی نیت اور ارادہ سے کیا جائے جو کام کسی نیت اور ارادہ سے نہیں کیا جاتا وہ عمل نہیں بلکہ فعل عبث ہوتا ہے۔

ہر ایک عمل کی تحریک کسی خواہش یا مقصد کے ماتحت ہوتی ہے جب تک دل میں مقصد کا خیال مکمل نہ ہوگا عمل وجود پذیر نہ ہوسکے گا اور جس قدر مقصد کا خیال کمزور ہوگا اُسی قدر عمل کمزور رہے گا۔ اس لیے الاعمال بالنیات کی حدیث میں یہ ہدایت ہے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اس کے مقصد کو پوری طرح دل میں متعین کر لو اور جس کام کو شروع کرو عزم راسخ اور مضبوط ارادہ کے ساتھ شروع کرو اور اس پر بھی اچھی طرح غور کر لو کہ آیا اُس کام سے تمہارے مقصد کی تکمیل کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر دل کی سچی خواہش اور عزم مصمم کی تحریک سے کام کیا جائیگا تو کام کے ابتدا ہی سے قوت ارادی مضبوط ہوگی اور کام کرنے والے کے دل میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوگی اور چونکہ اس طرح سوچ سمجھکر اور سچی دلی خواہش کے ساتھ کام کرنے سے یقینی کامیابی کی امید رہتی ہے اور عمل کے نتائج حسب دلخواہ ظاہر ہونے لگتے ہیں اس لیے قوت ارادی روز بروز زیادہ مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے اور عمل کرنیوالے کی حوصلہ مندی اور اولوالعزمی میں ترقی ہوتی ہے -

برعکس اس کے جو کام بغیر تکمیلِ مقصد کی سچی خواہش یا نیت کے کیے جاتے ہیں اور جن کے کرنے میں اپنی حالت و حیثیت اور قابلیت کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا نتیجہ گو ان کا بھی نکلتا ہے لیکن اُن میں کامیابی دیر میں ہوتی ہے کیونکہ ایسے کاموں میں دل کو خدشات و وسوسات کا اکثر شکار رہنا پڑتا ہے جس سے اُس کی قوتِ ارادی میں ضعف آجاتا ہے اور حصولِ کامیابی میں دیر لگتی ہے۔

الاعمال بالنیات میں یہی ہدایت کی گئی ہے کہ عمل صرف وہی نتیجہ خیز اور باعثِ کامیابی ہو سکتا ہے جو دل کی سچی خواہش اور عزمِ راسخ کی تحریک سے ہو یعنی جس کو حصولِ مقصد کے سچے ارادہ اور اس یقین کے ساتھ کیا جائے کہ اُس سے مقصد کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ کام کو شروع کرنے سے پہلے اُس کام کے تکمیل تک پہنچانے اور اُس سے اپنا مقصد حاصل کرنے کا عزم بالجزم کرلے اور انتہائی محنت وجفاکشی اور قربانیوں سے کام لیکر بے پروائی سے مشکلات پر غالب آتا چلا جائے اور اُس کام میں اتنا محو ہو جائے کہ اُسکی تمام قوتیں اور خواہشیں اُسی کام کو اپنا محور اور مرکز بنالیں۔ اُس کا کہنا، سوچنا اور کرنا سب اُسی ایک عمل سے متعلق ہو۔ وہ سمجھ لے کہ اُسکی دنیا اور اُس کا دین صرف اُس کا عمل ہے عمل کی زندگی میں اُس کی زندگی اور عمل کی موت میں اُس کی موت ہے۔ ایسے شخص کےلیے ناکامی کا خطرہ کبھی نہیں ہوتا اور وہ نہ صرف اپنے مقصد کی تکمیل کرلیتا ہے بلکہ اُس عمل کے سلسلہ میں اُس کو بڑی روحانی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں اور اُس کا دل مطمئن و یکسو ہو کر اُس بڑے مقصد کو پالیتا ہے جس کو روحانی اصطلاح میں معرفتِ حق کہا جاتا ہے ؎

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق ۔۔۔ باشد بقدرِ ہمت تو اعتبارِ تو

جو لوگ اپنی مذہبی شریعتوں کے ارکان و احکام کی اُن کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھے بغیر پابندی کرتے ہیں ان کا مذہب اور اُن کا عمل محض رسمی اور نمائشی ہوتا ہے۔ وہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ یہ عبادتیں کس مقصد سے کرتے اور یہ تکلیفیں کس لیے اُٹھاتے ہیں۔ ان کی اس بےشعوری و لاعلمی سے شرعی احکام کی پابندی بھی ایک عادت بن جاتی ہے اور ان کا ذہن کبھی احکام شریعت کے مقاصد اور ان کی تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جس طرح وہ اپنے اور حوائج ضروریہ روزانہ ادا کرتے ہیں اسی طرح عادت کے طور پر وہ مذہبی ارکان و احکام پر بھی عمل کرلیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہ اعمال اکثر بےسود ثابت ہوتے ہیں اور وہ اُن روحانی ترقیوں سے جو ان اعمال کو بالنیت ادا کرنے یعنی اُن کے مقاصد کی تکمیل کے ارادہ کے ساتھ ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہیں بےبہرہ رہتے ہیں۔

عمل کے نتیجہ خیز ہونے کا دارومدار نیّت پر ہے اور نیّت کا تمامتر تعلق دل سے ہے۔ اگر دل عمل میں شریک نہیں ہے یا دل کو عمل سے پورا تعلق نہیں ہے تو ایسے عمل کا کبھی وہ نتیجہ نہیں نکل سکتا جو نکلنا چاہیے۔ دل کو عمل سے پورا تعلق اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اُس عمل کے مقصد سے پورا تعلق ہو اور حصولِ مقصد کا کامل یقین ہو۔ جب کسی کام کو خواہ وہ فی نفسہٖ کتنا ہی اچھا اور قابلِ تعریف ہو بغیر نیّت کے یعنی محض عادت یا رسم کے طور پر کیا جاتا ہے تو اُس سے انسان کی باطنی اور روحانی قوتوں میں کوئی ترقی نہیں ہوتی، وہ کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی محدود دائرہ میں چکر لگایا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے جب اُسی کام کو پورے دلی تعلق اور سچی نیت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو دل میں نئی نئی قابلیتیں اور نئی نئی اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں اور کام کرنیوالے کے لیے روز روز نئی نئی دلچسپیوں کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔

شریعت کے ارکان و احکام کی ایسی کورانہ پابندی سے جو محض ایک رسم یا عادت کے طور پر کیجاتی ہے سوائے اسکے کہ کسی خاص مذہب کی پیروی کا امتیاز پیدا ہو جائے یعنی لوگ ایسے پابندِ مذہب کو کسی خاص مذہب کا پیرو کہنے لگیں اور کوئی معتدبہ روحانی یا مادی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ حدیث "الاعمال بالنیات" کے حقیقی مفہوم و منشا کے لحاظ سے ایسے نمائشی پابندِ مذہب کے اعمال کو اعمال کہا جا سکتا ہے۔ کورانہ مذہبی پابندی سے نہ صرف یہ کہ انسان روحانی اور مادی فوائد سے محروم رہتا ہے بلکہ اکثر اُس میں تعصب، تنگدلی اور نفرت جیسے سخت اخلاقی اور روحانی امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو اُسکی روح

اور قلب کے لیے مہلک ثابت ہوتے اور اُس کو روحانی ترقی کے مقصد سے بہت دور پھینک دیتے ہیں۔ ایسی نمائشی مذہبی پابندی بجائے رحمت کے انسان کے لیے لعنت ہو جاتی ہے اور اُس سے انسان کی تمام ملکوتی اور روحانی قوتوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

جو لوگ الاعمال بالنیات پر ایمان رکھتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک انسان کسی مقصد کی تکمیل کا یقین رکھکر اور اُس مقصد کے لیے اپنے آپ کو محو کر کے دل کی سچی خواہش کی تحریک سے عمل نہیں کرے گا اُس وقت تک اُس کو عمل کا نتیجہ نہیں ملیگا خواہ وہ عمل بظاہر کتنا ہی مقدس اور نیک کیوں نہ ہو۔

ایک دلچسپ کہانی

پُرانی ہندی کتابوں میں ایک دلچسپ کہانی لکھی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیت یعنی سچی دلی خواہش اور عزم راسخ کو عمل کے نتیجہ خیز بنانے میں کتنا دخل ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں وہ کہانی نقل کی جاتی ہے:-

ایک چڑا اور ایک چڑیا سمندر کے کنارے رہتے تھے۔ جب چڑیا انڈے دیتی تھی تو سمندر اُس کو بہالے جاتا تھا۔ چڑا اور چڑیا دونوں پریشان تھے کہ کیا کریں اور کیونکر اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ چڑا منچلا اور ہمت والا تھا، اُس نے چڑیا سے کہا کہ سمندر نے ہم کو بہت ستا رکھا ہے۔ ہر دفعہ انڈوں کو بہالے جاتا ہے، آؤ ہم بھی اُس کا پانی اُلیچ کر پھینکدیں تاکہ وہ خشک ہو جائے اور پھر کسی کا نقصان نہ کرسکے۔ چڑیا نے کہا، دیوانے ہوئے ہو، کہاں تم اور کہاں سمندر۔ تم میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ سمندر کا پانی اُلیچ سکو۔ چڑے نے کہا۔ ہمت چاہیے۔ ہمت والے کیا نہیں کرسکتے۔ اگستؔ نے سمندر کو ایک ہی گھونٹ میں پی لیا تھا۔ مانا کہ میں ایک چھوٹا سا پرندہ ہوں مگر جو کام اگستؔ نے ایک لمحہ میں کیا تھا میں کئی مہینوں میں کرونگا مگر اس موذی سمندر کو برباد کیے بغیر نہ رہوں گا۔ چڑیا سیدھی سادی تھی۔ کہنے لگی اب کی سمندر سے منت کرو اگر وہ مان جائے تو پھر کیوں تکلیف اُٹھائی جائے۔ چڑا بولا اری نادان! مغرور اور خودسر بھی بھلا کسی کی سُنتے ہیں۔ کمزوروں کی منت سماجت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا کرتا۔ تو اس خام خیال سے باز آ۔ چڑیا نے چڑے کی خوشامد کر کے چند روز اور صبر کرنے پر راضی کر لیا۔ پھر اُس نے انڈے دیے اور بڑی عاجزی سے سمندر سے درخواست کی کہ وہ اب کی مرتبہ ان پر رحم کرے اور اُس کے انڈوں کو نہ بہالے۔ مگر سمندر کب ماننے والا تھا، اُس کی لہریں آئیں اور انڈوں کو بہالے گئیں۔ چڑیا اس واقعہ پر اتنا روئی کہ تمام ساحل اُس کی دردناک صدا سے گونج اُٹھا۔

چڑے سے اب ضبط نہ ہو سکا۔ وہ چڑیا کے ساتھ چونچ میں پانی بھر بھر کر ریت میں پھینکنے لگا۔ اُس کے کئی ہمجنس آئے اور پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ اُس نے ان کو اپنی مصیبت کی کہانی سُنائی۔ وہ بولے سمندر کا خشک کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ چڑے نے کہا جاؤ اپنا کام کرو ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنی حیثیت اور طاقت کا علم رکھتے ہیں۔ آج تو سمندر نے ہمارے انڈے بہائے ہیں کل تمہارے بہائے گا۔ ہم تو اپنی [illegible] کیے بغیر نہ رہیں گے۔ ان پرندوں میں سے بہت سے تو چڑے کا یہ جواب سُنکر پانی اُلیچنے میں اُس کے ساتھ شریک ہو گئے اور بہت سے ان کو نادان سمجھ کر اُڑ گئے۔ مگر جب ان پرندوں کو پانی اُلیچتے ہوئے کئی دن ہو گئے تو اور ہزاروں لاکھوں پرند آ کر اُن کے اس کام میں شریک ہو گئے کیونکہ جو محنت والے ہوتے ہیں دنیا کی تمام طاقتیں اُن کی طرف متوجہ ہو کر اُن کے کام کے بنانے میں شریک ہو جاتی ہیں ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ، ہر زماں از غیب جانے دیگر است

سمندر کے کنارے نہایت دل خوش کن اور شاندار نظارہ تھا۔ ہزاروں پرند مستعدی کے ساتھ چونچوں میں پانی بھر بھر کر باہر پھینک رہے تھے۔ اتفاق سے اُس طرف ایک رشی کا بھی گزر ہو گیا۔ رشی نے یہ تماشا دیکھ

پرندوں سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ چڑے نے اُن سے سارا واقعہ بیان کیا
رشی نے ان کو سمجھایا کہ یہ کام تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ بیکار وقت ضائع
نہ کرو۔ چڑا بگڑ کر بولا تم سے کس نے کہا تھا کہ ہمارے کام میں دخل دو۔ ہم کو اتنی
فرصت نہیں ہے کہ تمہاری نصیحت سنیں۔ تم کو رشی کس نے بنایا ہے۔ تمہارا دل کمزور
ہے اس لیے تم دوسروں کے دل کو بھی کمزور سمجھتے ہو۔ تمہیں ابھی دل کی طاقت
کا اندازہ نہیں ہوا جو بھگت بھگوان کو اپنے دل میں بند کر لینا چاہتا ہے۔ کیا وہ
کمزور ہے، کیا اُس کا دل چھوٹا ہے۔ اگر بھگت میں اتنی طاقت ہو جاتی ہے
کہ وہ بھگوان کو اپنے دل میں بٹھالے تو پھر یہ سمندر کیا چیز ہے جس کو ہم ملکر خشک
نہ کر سکیں گے۔ اگر وہ ممکن ہے تو یہ بھی ممکن ہے۔ بات پتہ کی تھی رشی سُن کر
شرمندہ ہو گئے اور پرندوں سے رخصت ہو کر وشنو لوک میں پہنچے۔

گرڑ پرندوں کا سردار ہے جو وشنو بھگوان کی سواری میں رہتا ہے،
س سے رشی نے کہا اے گرڑ تم کو معلوم نہیں، تمہارے ہمجنسوں پر بڑی مصیبت
ئی ہے، سب دکھی ہیں، بے شمار پرند سمندر کے کنارے پریشان ہو رہے ہیں
ور سمندر کے خشک کرنے کی نیت سے اپنی چونچوں میں پانی بھر بھر کر لا رہے
یں۔ گرڑ نے سبب پوچھا۔ رشی نے سارا قصہ سُنایا۔ گرڑ کو غصہ آیا، اُس نے
لہا سمندر کی کیا طاقت ہے جو پرندوں کو ستائے میں چل کر ابھی اُس کو خشک
کیے دیتا ہوں۔

گرڑ وہاں سے سمندر کے کنارے آیا۔ آنکھیں غصے سے سُرخ تھیں۔ سمندر
تھر تھر کانپنے لگا اور گرڑ سے منت و معذرت کرنے لگا۔ گرڑ نے کہا اچھا، اگر تو
یہ وعدہ کرے کہ آئندہ پرندوں کو نہیں ستائیگا اور اُن کے انڈے نہیں
بہائیگا تو میں تجھکو معاف کر دوں گا اور امن دوں گا۔ سمندر نے اپنے ساحل پر
ایک حد مقرر کر دی اور کہا کہ جو پرند اس حد سے باہر انڈے دینگے میں اُن کے
انڈوں کو نہیں بہاؤں گا اور اس وعدہ پر گرڑ کے غصہ سے اُس کی رہائی ہوئی۔

اس قصہ میں چھوٹے پرندے سے مراد انسان ہے اور سمندر سے مراد دنیا
اور دنیاوی تکالیف ہیں، رشی سے مراد قدرت کی امتحان لینے والی طاقت
ہے اور گرڑ سے مراد بھگوان کا روپ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی نیک مقصد
کی تکمیل کا مصمم ارادہ کر کے انسان اپنی ہمت و طاقت کو بڑھا لیتا ہے اور مشکلات
پر غالب آنیکا تہیہ کر لیتا ہے تو اُسکو بارگاہ غیب سے مدد ملتی رہتی ہے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب
ہوتا اور غیر ممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے ؎

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

یہ ہے الاعمال بالنیات کا فلسفہ جس کو افسوس ہے کہ ہم مسلمانوں نے
بالکل پس پشت ڈال رکھا ہے۔ کاش ہم کو توفیق ہو کہ ہم اس حدیث قدسی کے فلسفہ
کو سمجھیں اور اُسکو اپنی روحانی اور مادی ترقیوں کے لیے مشعلِ راہ بنائیں *

کاشف *

پیغمبر یا اوتار

(از جناب کرشن سہائے صاحب وحشی وکیل کانپور)

جبکہ چھا جاتی ہے دنیا میں جہالت کی گھٹا تیرہ ہو جاتی ہے جب مہر منور کی ضیا
جب مکدر نظر آتی ہے ہر اک سمت فضا زہری زہر اُگلتی ہے زمانہ کی ہوا
تب اُٹھا دیتی ہے فطرت رُخ ہستی سے نقاب
پھر نہ ظلمت کوئی رہجاتی ہے باقی نہ حجاب

ذرّے پھر نور کے ہو جاتے ہیں مصروف بکار — صاف ہو جاتا ہے پھر مطلعِ صبحِ انوار
پھر کدورت کوئی رہ جاتی ہے باقی نہ غبار — آئینہ سی نظر آتی ہے حقیقت کی بہار
ہوتی رہتی ہے اسی طرز پہ تکمیلِ حیات
اسی تبدیلی پہ موقوف ہے دنیا کی نجات

جب نفاق اور تعصب کی ہوا چلتی ہے — دین و ایمان کے پردے میں قضا چلتی ہے
جب یہ تفریقِ ہدایت کی وبا چلتی ہے — پھر دوا چلتی ہے کوئی نہ دعا چلتی ہے
پردۂ غیب سے تب ہوتا ہے ساماں کوئی
آہی جاتا ہے پھر اس دہر میں انساں کوئی

اس کو اوتار کہو چاہے پیمبر کہہ لو — یا اسے گلشنِ فطرت کا گلِ تر کہہ لو
اس کو تم چاہے ضیائے مہ و اختر کہہ لو — یا کہ خورشید کے لمعات کا جوہر کہہ لو
اس کی ہوتی ہے زمانے میں اسی وقت نمود
جبکہ ہو جاتی ہے دنیا سے حقیقت مفقود

رام بن کر یہی دنیا میں نمودار ہوا — اور یہی کرشن کنہیا کا بھی اوتار ہوا
شکل موسیٰ میں اسی نور کا اظہار ہوا — بن کے احمدؐ یہی دنیا میں ضیا بار ہوا
نور بنکر جو چمکتا رہا سیاروں میں
آکے دنیا میں وہ روشن ہوا اوتاروں میں

جب ہوا ظلم کا فرمان جہاں میں جاری — اس کے بھگتوں پہ بھی جب ظلم کی آئی باری
جب وہ ہونے کو ہوئے زیست سے اپنی عاری — جبکہ لٹنے کو ہوئی دین کی کمائی ساری
مختلف شکل سے بھگتوں کو بچایا اس نے
نام پھر ظلم کا دنیا سے مٹایا اس نے

(نیّر)

راہ کو منزلِ مقصود سمجھنے والے! — جانتا ہے ابھی کتنے ہیں مراحل باقی؟

مل ہی جائیگی کبھی منزلِ لیلےٰ اقبال! — کوئی دن اور بھی تو بادیہ پیمائی کر
پہلے خوددار تو مانندِ سکندر ہو لے — پھر جہاں میں ہوسِ شوکتِ دارائی کر

صوفی کا مقصدِ زندگی

(حضرت صوفی عنایت خاں صاحب کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ)

ہر شخص کا مقصدِ زندگی انجام کار ایک ہی ہے۔ شروع میں گو ہر شخص کا مقصد مختلف ہوتا ہے لیکن آخر کار انسان ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں اُس کا مقصد اُس کی روح کا مقصد ہو جاتا ہے اور جب تک وہ اس مقصد تک نہیں پہنچتا اُس کے سامنے بہت سے مقاصد رہتے ہیں لیکن کسی مقصد کی تکمیل اُس کو زیادہ عرصہ تک مطمئن نہیں رکھتی۔

ہندوؤں کے فلسفہ کے مطابق زندگی کے چار مقصد ہوتے ہیں۔ پہلا مقصد وہ ہے جس کو دھرم یعنی فرض کہتے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے فرض کے ادا کر لینے ہی کا نام نیکی ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی خاص فرض کو جو اُن کے سامنے ہوتا ہے انجام دے لیتے ہیں تو ان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اُس سے ان کا مقصدِ زندگی پورا ہو گیا۔ لیکن زندگی فرائض سے پُر ہے۔ اگر ایک فرض پورا ہوتا ہے تو دوسرا سامنے آ جاتا ہے جب تک لڑکی چھوٹی رہتی ہے اُس کا فرض صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ "اماں اماں" یا "ابا ابا" پکارا کرے۔ پھر وہ وقت آتا ہے جب اُس کا فرض اُس کے شوہر کی خوشنودی ہو جاتا ہے۔ پھر اُسی لڑکی کو ماں کی حیثیت سے اپنے بچوں کی تربیت کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں اس کے بعد بھی اُس کے فرائض کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور نانی دادی کے فرائض سامنے آ جاتے ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں فرائض سے سابقہ نہ پڑتا ہو۔ فرض کو کسی نہ کسی شکل میں انجام دینا ہی پڑتا ہے۔

جو لوگ فرض کو خوشی سمجھتے ہیں اُن کے لیے وہ خوشی ہے۔ جو اُس کو نیکی خیال کرتے ہیں اُن کے لیے وہ نیکی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو فرض کو قہر و مصیبت سمجھتے ہیں اُن کے لیے وہ مصیبت ہے۔ ایک شخص کے لیے فرض نیکی اور انعام ہے دوسرے کے لیے عذاب و مصیبت۔

دوسرے مقصدِ زندگی کو سنسکرت میں آرتھ کہا گیا ہے جس کے معنے حاصل کرنے یا جمع کرنے کے ہیں۔ انسان کی یہ خواہش پیٹ بھرنے کی ضرورت سے شروع ہوتی ہے۔ وہی انسان کو لکھ پتی اور کروڑ پتی بنا دیتی ہے اور اس کے بعد بھی حصولِ زر کی ہوس باقی رہتی ہے۔ جتنا زیادہ خدا کسی کو دیتا ہے اُتنا وہ اُس کی کمی کو محسوس کرتا ہے۔ دولت کے حصول سے انسان کی تسکین نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ اُس کے بڑھانے ہی کی فکر میں رہتا ہے۔

زندگی کا تیسرا مقصد مسرت ہے۔ اس کے پیچھے انسان سب کو بھول اور سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ یہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ لیکن مسرت خواہش ایک ایسی خواہش ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتی اور جس قدر اس خواہش کے کبھی پورا نہ ہونے کا تجربہ ہوتا ہے اور جس قدر زیادہ اس دنیا کی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں اتنی ہی زیادہ حصولِ مسرت کی خواہش بڑھتی ہے۔ یہ سب دنیاوی مسرتیں عارضی ہوتی ہیں اور عام طور پر بہت گراں قیمت میں ملتی ہیں۔

چوتھا مقصدِ زندگی مندرجۂ بالا تین مقاصد سے کسی قدر مختلف ہے۔ وہ اس زندگی کے بعد کسی قسم کا انعام حاصل کرنے کی خواہش سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً جنت میں جانے یا کسی ایسی نعمت کے پانے کی خواہش سے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اس خواہش کا تعلق کسی ایسی منفعت، مسرت، برکت یا عزت سے ہوتا ہے جس کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے لیکن جس کے ایک نہ ایک دن حاصل ہونے کی ہم کو اُمید ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم کو اس کا یقین بھی دلا دیا جائے کہ وہ نعمت ہم کو ضرور حاصل ہو جائیگی تب بھی وہ ہم کو پورے طور پر مطمئن نہیں کر سکے گا۔

اس سے صوفی یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ان چاروں مختلف چیزوں میں جن کے پیچھے انسان پڑا ہوا ہے کوئی ایسی نہیں ہے جو کسی وقت یا کسی حالت میں مکمل طور

نسان کو حاصل ہو جائے اور جس کو حاصل کرنے کے بعد انسان یہ کہدے کہ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی - ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جس کا سلسلہ غیر متناہی ہے - اس لیے صوفی کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ان چاروں مختلف انسانی خواہشات سے اپنے آپ کو بلند کرے اور جب وہ ان خواہشات سے اپنے آپ کو بلند کرلیتا ہے تو اُس پر صرف ایک خواہش طاری ہوجاتی ہے یعنی "تلاش حق" کی خواہش - صرف صوفی ہی نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو اس دنیا میں مایوسی کا شکار رہا ہے یا جس کی آنکھوں پر سے کسی مصیبت یا ظلم کی وجہ سے دنیا کے فریب کا پردہ اُٹھ گیا ہے - بس یہی ایک خواہش رکھتا ہے -

حق کا متلاشی جب تلاش حق کے لیے دنیا میں نکلتا ہے تو اُس کو ہزاروں فرقے اور سینکڑوں مذاہب نظر آتے ہیں - وہ چکر میں پڑ جاتا ہے کہ کدھر جائے - اُس وقت اُسے یہ معلوم کرنے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو ان مختلف فرقوں، مختلف مذہبوں کے پردہ میں چھپی ہوئی ہے اور وہ اُس چیز کی تلاش شروع کردیتا ہے اور اُس کا عقل کے ذریعہ سے پتہ لگانا چاہتا ہے - عقل کی نقاب حق کے چہرہ پر پڑی ہوئی ہے جس سے حق کی جھلک تو ضرور نظر آتی ہے لیکن عقل کو بھی حق نہیں کہا جا سکتا - حق تو بس خدا ہی ہے اور حق ہی ہے جس کو خدا کہا جاتا ہے - حق درس و تدریس اور مطالعہ کی چیز نہیں ہے - وہ تصور کرنے اور دل میں بسا لینے کی چیز ہے - اسکا تصور و عرفان صفائے قلب سے حاصل ہوتا ہے -

ایک صوفی کے لیے محض خدا پر اعتقاد رکھنا کافی نہیں ہے - جو اعتقاد کسی بنیاد پر قائم نہ ہو وہ اُس کاغذ کی مانند ہے جو ہوا میں اُڑ رہا ہو - جب ہوا نہیں ہوگی وہ زمین پر گر پڑے گا - دنیا میں ایسے ہزاروں آدمی ہیں جو باوجود پختہ عقیدہ رکھنے کے منکروں کی صحبت اور خیالات سے اثر پذیر ہو کر اپنے عقیدہ سے پھر جاتے ہیں - جو عقیدہ ایسی آسانی سے بدل جائے اُس سے کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ محض اعتقاد کافی نہیں ہے - اعتقاد کے ساتھ خدا کی محبت کا ہونا بھی ضروری ہے - جو لوگ محض خدا پر عقیدہ رکھتے ہیں خدا اُن کے دل میں نہیں رہتا بلکہ خدا اُن کے دل میں رہتا ہے جو خدا سے عشق رکھتے ہیں - لیکن مقصود اصلی کے لیے محض عشق بھی کافی نہیں ہے کیونکہ انسانی عشق کی بساط ہی کیا ہے ؟ انسانی ہستی محدود ہے - اُس کا عشق بھی محدود ہے جس قدر زیادہ کسی کو دنیا کا تجربہ ہوتا اور انسانی فطرت سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اُسی قدر اُس کو انسانی عشق کے جھوٹے اور ناقابلِ اعتبار ہونے کا علم ہوتا ہے جس انسان کے تعلقات اپنے قریب رہنے والے انسان کے ساتھ بھی دیرپا اور مستقل نہیں ہوتے وہ ایک ایسے محبوب کے ساتھ سچی محبت کا تعلق کیونکر قائم کرسکتا ہے جس کو اُس نے کبھی نہیں دیکھا - اس لیے جس کو ہم خدا کی محبت کہتے ہیں وہ کافی نہیں ہے - بلکہ ضرورت ہے خدا کے پہچاننے اور اُس کا عرفان حاصل کرنے کی - کیونکہ خدا کے عرفان سے ہی خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے اور خدا کے عرفان و محبت سے خدا کی ہستی پر انسان کو کامل اور پختہ یقین ہوجاتا ہے جو خدا کو پہچانتا ہے ناممکن ہے کہ اُس کو خدا سے محبت نہ ہو لیکن جو خدا سے محبت رکھتا ہے ممکن ہے کہ وہ خدا کو نہ پہچانتا ہو - جو خدا کو پہچانتا ہے اور اُس سے محبت بھی کرتا ہے ناممکن ہے کہ اُس کا خدا پر ایمان نہ ہو - لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ خدا سے محبت بھی کرتا ہو -

اس واسطے ایک صوفی کے لیے جو اپنا مقصدِ زندگی حاصل کرنا چاہتا ہے ان تینوں منازل کا طے کرنا ضروری ہے - خدا پر ایمان لانے کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں دوسروں کے عقائد کا احترام پیدا ہوتا ہے اس لیے مومن کامل وہ ہوتا ہے جو نہ صرف خود پختہ اعتقاد رکھتا ہے بلکہ دوسروں کے عقائد کا بھی پورا احترام کرتا ہے - ایک صوفی کی نظر میں نہ کوئی کافر ہے نہ ملحد اس لیے وہ کسی کو حقیر و قابلِ نفرت نہیں سمجھتا - کیونکہ وہ اُس خدا پر اعتقاد رکھتا ہے جو کسی مخصوص فرقہ کا خدا نہیں ہے بلکہ سارے جہان کا خدا ہے - وہ کسی ایک قوم کے خدا کو نہیں بلکہ اُس خدا کو مانتا ہے جو سب قوموں کا خدا ہے - اُس کے نزدیک جن مختلف مکانوں میں خدا کی عبادت کی جاتی ہے خدا اُن سب مکانوں میں موجود ہے - اگر لوگ کسی گلی ہی میں کھڑے ہو کر اس کی عبادت کرنے لگیں تو اُس گلی

اور عبادت خانے میں اُس کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ گلی بھی جس میں اُس کی عبادت ہوتی ہے اُس کے نزدیک ویسی ہی مقدس ہے جیسی کہ عبادتخانہ صوفی فرقہ وارانہ جذبات سے بالکل پاک رہتا ہے۔ وہ سب کی عزت کرتا ہے متعصب و تنگ خیال نہیں ہوتا۔ کسی کو حقارت و نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتا اُس کو سب کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔

صوفی کا عقیدہ یہ ہے کہ جو انسان اپنے ہمجنس انسان کے ساتھ محبت نہیں کرتا وہ خدا کے ساتھ بھی محبت نہیں کرسکتا۔ اُس کا عمل حضرت مسیح (علیہ السلام) کے اس مقولہ پر ہوتا ہے "محبت کرو اپنے ہمسایہ سے محبت کرو اپنے دشمن سے"۔ اس مقولہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم دشمن کو دشمن سمجھکر اُس سے محبت کرو بلکہ یہ معنی ہیں کہ تم دشمن کو دشمن نہ سمجھو بلکہ خدا کے رشتہ سے اُس کو اپنا ایک عزیز سمجھکر اُس سے محبت کرو۔ اگر بنی نوع انسان کا اس سیدھی سادی اور بیش بہا تعلیم پر عمل ہوتا تو جو لڑائیاں آجکل آپس میں ہو رہی ہیں وہ نہ ہوتیں، آجکل جو جنگ و جدال اور باہمی نفرت و حقارت کا بازار ہر طرف گرم ہے، ایک قوم دوسری قوم کو کھائے جاتی ہے، ایک جماعت دوسری جماعت کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہے۔ اگر مذکورہ بالا تعلیم پر عمل ہوتا تو کیا یہ صورت حال رونما ہوسکتی تھی؟ اگر دنیا کو اس تعلیم پر اعتقاد ہوتا تو دنیا کی ایسی حالت کبھی ہوتی۔

کیا یہ کام اہل سیاست کا ہے؟ کہ وہ اس تعلیم کی برکات سے لوگوں کو واقف کریں؟ کیا تاجروں سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس نیک کام میں حصہ لیں گے؟ نہیں یہ کام اہل مذہب اور مذہبی واعظین کا ہے لیکن جس وقت تک کہ مذہبی علما فرقہ بندی کے تنگ دائرہ سے نہیں نکلیں گے اور مذہب میں افتراق پیدا کرنا اور ایک دوسرے کو تعصب کی نظر سے دیکھنا نہیں چھوڑیں گے حضرت مسیحؑ کی مذکور تعلیم پر کبھی عمل نہ ہو سکے گا۔

ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک تبدیلی جو کسی قوم یا جماعت میں پیدا ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی وقت جماعت کے افراد تک ضرور پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً اگر دو قومیں ایک دوسرے کی مخالف، ایک دوسرے سے برسر پیکار اور ایک دوسرے کے درپے آزار ہونگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انہی قوموں میں ایسی جماعتیں پیدا ہوجائینگی جو آپس میں لڑینگی اور ان کی مخالفت کا اثر خاندانوں تک پہنچے گا۔ خاندانی مخالفتیں بڑھینگی یہاں تک کہ دو شخص جو ایک ہی گھر میں رہتے ہوں گے ایک دوسرے کے مخالف ہوجائیں گے۔ پھر یہی جذبۂ مخالفت اتنا ترقی کریگا کہ ہر شخص کے خود اپنے جذبات و خیالات میں کشمکش شروع ہوجائیگی اور انفرادی امن و سکون بھی بالکل مفقود ہوجائیگا۔

صوفی پر اس حقیقت کا انکشاف کیونکر ہوتا ہے؟ عرفان حق اور علم لدنی کے ذریعہ سے۔ جو شخص خدا کو اُس کی مخلوق میں نہیں دیکھتا وہ اُس کو بہشت میں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ پہلے زمانے کے سیدھے سادے لوگ جو خدا اور مذہب پر ایمان رکھتے تھے اُن کے لیے تو یہ ممکن تھا کہ وہ خاموشی سے معبدوں میں چلے جائیں، عبادت کریں، وہاں سے خوش خوش واپس آئیں اور دنیا کے بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہیں لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ اب حق اور زندگی کے درمیان سخت کشمکش جاری ہے۔ مادہ ہماری زندگیوں پر اس قدر حاوی ہوگیا ہے کہ اُس نے ہم کو دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس لیے آجکل زندگی اور حق کے درمیان جیسی سخت جنگ ہو رہی ہے ایسی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایک طرف تو سائنس والے ہیں جو "مادہ" "مادہ" کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف اہل سیاست ہیں جو "نفسی نفسی" میں مبتلا رہے اہل مذہب وہ فرقہ بندیوں کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں ان جھگڑوں سے آدمی کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ حقیقت پر غور کرسکے۔ حالانکہ حقیقت اور صرف حقیقت ہی وہ چیز ہے جس کی روح کو تلاش ہے اور اُسی کا حاصل کرنا انسانی زندگی کا مقصد ہے +

نوجوان اور مذہب

(از جناب مولوی نورالرحمٰن صاحب بی۔ اے)

سرسید کی تحریک اصلاح کا ابھی آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ مذہبی خطرہ کی ابتدا ہوگئی اور مسلمانانِ ہند کو ہر جدید تحریک، جدید طرز اور جدید وضع وقطع میں مذہب سے بیزاری کا پہلو نظر آنے لگا۔ رفتہ رفتہ انگریزی تعلیم اور مغربی طرز معاشرت نے اس خطرہ کو کھلا ہوا حملہ قرار دیا اور دہریت ، نیچریت کے الفاظ کے علاوہ "کرستان" کا لفظ بھی اُن لوگوں کیلئے استعمال ہونے لگا جو اس جدید تحریک اصلاح میں شریک تھے یا اس کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔

یہ زمانہ ۱۸۶۰ء کا تھا اور اس وقت تک مذہب اور مذہبی تعلیم کو رسم ورواج اور معاشرت سے جُدا کرکے دیکھنے کی نہ عادت ہوئی تھی اور نہ ان دونوں میں فرق کرنے والے لوگ موجود تھے۔ عام رائے جدید تحریک کے خلاف تھی اور اس مخالفت کا اصلی سبب مذہبیت قرار دی گئی تھی۔

اسی زمانہ میں یا کچھ عرصہ بعد جب آریہ سماج کی تحریک شروع ہوئی تو اس کو بھی قدیم طبقہ نے مذہب کے خلاف جنگ سے تعبیر کیا اور رفتہ رفتہ قدیم وجدید دو گروہوں کی تفریق ہوگئی۔ لیکن اس وقت تک اختلافات کے اسباب کا صحیح پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی، اور ہر اُس چیز کو جو قدیم معتقدات ، روایات یا رسم ورواج کے خلاف پائی گئی دہریت اور لامذہبیت سے تعبیر کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب کے معنی ذاتی عقائد یا عمل ہی نہیں ہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کے جزو کل یعنی معاملات، حالات اور کیفیات پر حاوی ہے، شادی بیاہ کی تقریبات، ماتم اور سوگ کے معمولات، حتیٰ کہ تجارت، زراعت اور کاروبار کے ہر شعبہ میں جو طرزِ عمل اختیار کیا جاتا ہے وہ اگر مذہبی نہ بھی ہو تب بھی مذہبی اثر کے ماتحت ضرور ہوتا ہے۔ شاید عام طور پر یہ معلوم نہیں کہ جب کاشتکار اپنی فصل کا غلہ اُٹھا کر جمع کرتا ہے تو اس کی ابتدائی تقسیم اور پہلا خرچ مذہبی روایات کے خیال سے کرتا ہے اسی طرح نیشکر کی فصل کے وقت گڑ اور شکر تیار کرتے وقت پہلا حصہ اسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر نکال کر علیحدہ کیا جاتا ہے۔ سفر وحضر، پیدائش اور موت، تقریبات اور دوسرے بڑے کاموں کو شروع کرتے وقت بھی یہی جذبہ راہبر ورہنما ہوتا ہے۔ چنانچہ جدید تحریک کا فروغ اور اُس کی محدود کامیابی بھی عام ہندوستانی کو اس دائرہ مذہبی سے بالکل علیحدہ نہ کرسکی جس میں اس نے جنم لیا ہے اور جس کے اندر رہنے میں وہ اپنی عزت سمجھتا ہے اور جس سے نکلکر وہ اپنے تئیں گم کردہ راہ اور حرماں نصیب خیال کرتا ہے۔

لیکن یہ دور بھی گزر گیا مسلمان اور ہندو دونوں قوموں میں جدید تحریک نے اپنا کام کیا مگر ایک حد تک اور اس کے بعد ہر جدید تحریک کی طرح وہ بھی میدان عمل سے ہٹ کر خاموش زندگی گزارنے لگی اور جو تیز رفتاری وگرمجوشی اس سے قبل دور ابتدا میں ظاہر ہوئی تھی اب حالت سکر وسکون سے بدل گئی۔ اس زمانہ کو اگر سنہ ۱۹۰۰-۱۵ء تک قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اس کے بعد جنگِ عظیم کے اثرات اور ہندوستان کے اندر تحریک آزادی کے نتائج ظاہر ہونے لگے اور "انقلاب' اے انقلاب' اے انقلاب" کی صدائیں ہر در ودیوار سے آنے لگیں۔ اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں محسوس طور پر انقلاب نہ نظر آتا ہو۔ مذہب ، سیاست،

طرزِ معاشرت ہی پر موقوف نہیں، علم و ادب، رسم و رواج خیالات اور حالات میں بھی انقلاب ہو رہا تھا، اور رفتہ رفتہ اس خاموش آگ نے دہکتے ہوئے انگارے کی شکل اختیار کر لی اور پھر وہ شعلۂ ملتہب کی طرح ہر خس و خاشاک سے نمودار ہونے لگا۔ یہ ہے وہ زمانہ جس کو ہم دورِ حاضر سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس زمانہ میں مذہب کے نام کی وہ عزت نہیں جو آج سے قبل اسکو حاصل تھی، احترام اور تقدیس کے جذبات رفتہ رفتہ فنا ہو رہے ہیں اور دنیا میں ہر وہ چیز جو زمانۂ گزشتہ میں قابلِ فخر و لائقِ تقلید تھی اب شبہ کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور بالعموم حقارت سے یاد کی جاتی ہے۔ اس جذبہ کو اگرچہ کسی خاص تحریک کا جزو نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن انقلابی عہد کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے۔

ان حالات میں مذہب کی حیثیت اس اعتبار سے خطرہ میں ہے کہ عام لوگوں نے مذہب کی عمارت جن بنیادوں پر قایم کی تھی اور اُن کے دماغ میں مذہب کا جو خاکہ قایم ہو گیا تھا وہ اب اپنی جگہ سے ہٹتا نظر آتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اگر انقلاب پسند اور بے چین طبیعت نوجوان پر ہے تو وہ پیرِ کہن سال بھی ایک حد تک ضرور ذمہ دار ہے جس نے مذہبی روایات اور مذہبی زندگی کے اصول واضع کر دینے کے بعد اُن خطروں سے اپنی نگاہ بند کر رکھی ہے جو نئی تحریک اور نئے جذبات کے ساتھ ساتھ مذہب کے مقابلہ میں آتے ہیں۔

آج ہمارے نوجوان ہندوستان کی آزادی اور اپنی عزتِ نفس کی خاطر جس ہمت و جوانمردی کے ساتھ سیاسی کاموں میں منہمک نظر آتے ہیں وہ بجائے خود لائقِ تحسین ہے اور اسی جذبۂ سیاسی کی طغیانی کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ وہ ہر اُس چیز کو جو اُن کی کامیابی کی راہ میں حائل ہوتی نظر آئے یکسر کالعدم کر دینے کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں جب کبھی مذہبی معتقدات اور عقائد جن پر عرفِ عام میں مذہب کا اطلاق ہوتا ہے اُن کے راستہ میں خلل انداز ہوتی ہیں تو وہ نہایت شدت سے اُن کی مخالفت کرتے ہیں اسی طرح تجارت و صنعت و حرفت میں اُن کو محسوس ہوتا ہے کہ جو لوگ کاروبار اور حصولِ معاش کے کاموں میں مذہبی جامہ کو لیے ہوئے بڑھتے ہیں تو اُن کی کامیابی خطرہ میں پڑ جاتی ہے لیکن جب خالص مادی ترقی کو ملحوظ رکھتے ہیں اور نہایت بیباکی سے دنیا داری کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں تو معمولی کاموں میں بھی غیر معمولی کامیابی کی اُمید ہوتی ہے جس کی عام مثال انگریزوں اور دوسری مغربی اقوام کی کاروباری مشغولیت اور ہمارے قدیم وضع کے دلدادہ ہندوستانی اور افغانی تاجروں کی حیثیت ہے ان مثالوں کا بھی صرف ایک ہی نتیجہ اُن کو نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ جہاں کہیں مذہبی روک تھام اور روایتی قدیم خیال حکومت کر رہے ہیں وہاں ترقی و کامیابی کے بلند ارادے پست ہو جاتے ہیں اور قوتِ عمل مضمحل اور فرسودہ ہو کر انسان کو کامیاب نہیں ہونے دیتی۔

اس کے بعد زندہ اور پست قوموں کا ناقابلِ انکار فرق ہے جو روزمرّہ کا اُٹھتے بیٹھتے ہر لحظہ و ہر لمحہ نظر آتا ہے اور ہر سمجھدار انسان کو اس طرف مائل کرتا ہے کہ وہ مقابلہ و موازنہ کرے اور یہاں بھی بالعموم فیصلہ مذہب کے خلاف ہی ہوتا ہے یعنی ہندوستانی، عراقی، افغانی اور دوسری ایشیائی اقوام بالعموم ناکارہ، سست و کاہل اور اپنے عادات و اطوار کے لحاظ سے قابلِ افسوس ہیں اور برخلاف ان کے انگریز اور دوسری یوروپین قومیں اُن تمام خصوصیات و خوبیوں کی جامع نظر آتی ہیں جن کی بدولت وہ آج ترقی کر رہی ہیں۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ مذہب کے خلاف اس طرح بے تکان فیصلہ کر دینے میں ہم کسی قدر اپنے قصورِ فہم کا ثبوت بھی شامل کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایشیائی اقوام کی پستی اگر مذہب کی پیروی کا نتیجہ ہے تو جاپان کو کس اصول پر مستثنےٰ کیا جائے۔ یا مثلاً کامیابی کے لیے اگر مادی اور اقتصادی نقطۂ نظر ضروری ہے تو محض تجارت و کسبِ معاش کی حدود تک اسکو

مذہب نے کب ناجائز قرار دیا ہے۔ یا مثلاً مذہبی لوگ اور مذہبی جماعتیں اگر ملک کے سیاسیات اور ترقی کے کاموں میں حصہ لینا پسند نہیں کرتی ہیں تو یہ اُن کی مذہبیت نہیں بلکہ غیر مذہبیت ہے۔

اسی طرح اس بحث کے مختلف پہلو ہیں اور ہر ایک پہلو میں کئی بحثیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علمی مباحث یا منطق و فلسفہ کی حجت و دلیل کبھی قوم اور ملک پر براہ راست اثر نہیں کرتی ہے اور نہ کر سکتی ہے۔ عام لوگ جس چیز کا اثر قبول کرتے ہیں اور جو بات اُن کے دل کو لگتی ہے وہ علمی بحث، رسالے اور کتابیں نہیں بلکہ روزمرہ کے وہ واقعات اور حالات ہوتے ہیں جن سے ان کو اکثر سابقہ پڑتا ہے۔ مثلاً بازار میں، کچہری میں، مدرسوں اور مسجدوں میں لوگوں کا طرزِ عمل اور اُن کی خصوصیات۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو اپنے ہمسایہ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھیں اور اس کے بعد گھنٹوں وظیفہ و تسبیح میں صرف کریں اور پھر سیدھے کچہری پہنچکر دن بھر اپنے پڑوسیوں کے خلاف جھوٹے اور بے بنیاد مقدمے چلائیں اور یہ توقع رکھیں کہ اس طرزِ عمل سے اُن کے قابلِ احترام ہونے میں کسی کو بھی کوئی کلام نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ہر دن کی ابتدا، وہ ایسے نیک کاموں سے کرتے ہیں جن کا معمولاً ادا کرتے رہنا اور پابند ہونا ہر انسان کو دیندار اور قابلِ تقلید قرار دینے کے لیے کافی ہے؟ ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو ہم مذہبی کہتے ہیں اور اُس کو ٹھکرا دیتے ہیں یا ہر وہ چیز جس کو ہم مذہب کا جزو قرار دیتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں۔ فی الواقع مذہبی ہوتی بھی ہے یا نہیں؟

یہی سوال درحقیقت اُن تمام اختلافات کی اصل و روح ہے جو اس زمانہ میں نوجوانوں اور مذہبی جماعتوں کے درمیان رونما ہو رہے ہیں۔ اسی سوال کا صحیح جواب اس نازک اور خطرناک تحریک کا مکمل رد اور کامل دفعیہ ہو سکتا ہے جو مذہب کے خلاف نہایت شدت اور انتہائی بیباکی کے ساتھ جاری ہے اور جس کے نتائج تک پہنچنے سے اکثر صاحبانِ علم و حامیانِ مذہب چشم پوشی کرتے رہتے ہیں۔

اسی مسئلہ کو دوسری نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے اور ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ مذہب سے جو بیزاری اس وقت عالمگیر ہوتی جاتی ہے اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ محض قیود و حدود سے آزاد رہنے کی خواہش اس کی بنیاد نہیں قرار دی جا سکتی اور یہ بھی دشوار ہے کہ مذہبی جماعتوں کی کامیابی یا مذہبی خیال کے لوگوں کی ترقی مذہب کے خلاف کوئی تحریک پیدا کر سکے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ جن بزرگوں کو مذہب میں غلو ہے اور جو لوگ مذہبی جامہ پہنکر اپنی مذہبیت کا اعلان کرتے ہیں اُن کا اپنا طرزِ عمل اور اس کے نتائج بہرحال اثر پذیر ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت اگر باوجود پابندِ مذہب اور مبلغِ دین ہونے کے عوام کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی تو کیا بعید ہے کہ عام لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خود مذہب محتاجِ اصلاح ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر عقیدہ کو مقبولِ عام کی سند اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں اور اُس کے ماننے والوں کی جماعت اپنے عادات و خصائل میں قابلِ تعریف اور دنیا میں کامیاب نظر آئے اس لیے کہ عقائد کی خوبی کا براہ راست تعلق عمل کی پاکیزگی اور عادات و خصائل کی عمدگی سے ہے اور جب یہ ہی مفقود ہو تو اس عقیدہ کو تسلیم کر لینا آسان بات نہیں اور اس کی خوبی کا قائل ہونا غیر معمولی جرأت کے بغیر دشوار ہے۔ ہمارے علماء نے یہی نہیں کہ اپنے طرزِ عمل سے جمہور کو بددل کر دیا ہے بلکہ وہ عام لوگوں کے احساسات اور جذبات، اُن کی امیدوں اور خواہشوں کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ اس قصورِ فہم اور بے توجہی کا لازمی نتیجہ یک گونہ مغائرت ہے جو رفتہ رفتہ بے تعلقی اور کبھی کبھی مخالفت کی حد تک تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ قصورِ فہم محض لاعلمی ہی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس غفلت و بے پروائی کے سبب سے پیدا ہوا جو ہمارے علماء نے معاشرت و اصلاح و ترقی کے تمام کاموں اور تحریکوں

سے چشم پوشی کرکے اختیار کی ہے۔ خود مذہب نام ہے اصلاح عقائد کا جسکی غرض وغایت فلاح دین ودنیا بتائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ "فلاح" ہی وہ چیز ہے جو سب سے پہلے انسان کو درستی عقائد و اصلاح اعمال کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ لیکن اگر روزمرہ کے معاملات اور دنیا کے صدہا دوسرے مشاغل میں یہ "فلاح" مفقود ہو تو کیوں کوئی شخص اپنے اعمال کے احتساب اور عقائد کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اگر خوف عقوبت کی بنا پر توجہ پیدا بھی ہوئی تو یہ علماء سے بیزاری پیدا کریگی نہ کہ محبت و عقیدت۔

علماء نے اگر مدارس کی چہار دیواری میں فقہ اور مسائل فقہ کی ورق گردانی کو ضروری سمجھا اور جدید حالات و خیالات اور ترقی و اصلاح کی نئی تحریکوں سے خبردار نہ ہوئے تو غالباً اُن کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عام لوگوں کو۔ ان لوگوں کو جو بازاروں، عدالتوں، کارخانوں اور کارگاہوں میں کام کرتے ہیں۔ مذہب کا شیفتہ و دلدادہ پائیں۔ لیکن اگر وہ خود بھی ملکی سیاسیات، تجارت، صنعت و حرفت، معاشرت اور جدید خیالات سے آشنا ہیں اور بقدر ضرورت اُن کو سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں تو غالباً یہ دشوار نہ ہوگا کہ وہ مذہب کو عمل و سرگرمی سے ہٹا کر معطل و بیکار ثابت نہ ہونے دیں اور آج جس بیدردی سے مذہب کے نام کی بےحرمتی کی جارہی ہے اُس کو روک سکیں۔

غالباً علماء نے اپنی پندار میں مذہب کے مکمل ہونے کے جو معنی سمجھے ہیں اُن کا دائرہ اس قدر تنگ ہے کہ درس نظامی کی چند کتابوں کی حدود سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا اور یہی وہ اصولی غلطی ہے جس نے آج علماء کو اپنی جائز منزلت سے ہٹاکر اور اُن کے اس تنزل کو نفسیاتی سبب قرار دیکر خود مذہب کو بھی مورد الزام ٹھہرا دیا۔ اگرچہ مذہب پر یہ الزام لگانا کھلی ہٹ دھرمی ہے لیکن عام لوگوں کے لیے نتائج بھی عام ہوتے ہیں اور وہ سوچنے اور سمجھنے کی بجائے فیصلہ کرنے اور حکم لگانے میں زیادہ مسرت حاصل کرتے ہیں۔

مذہب کی جامعیت اور اس کا مکمل ہونا یہ ہے کہ وہ ہر شعبۂ حیات میں مخلوق کی رہبری کرسکے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے علماء کرام بھی باوجود اپنے محدود دائرۂ عمل اور تنگ گوشۂ نظر کے یہ قوت رکھتے ہیں کہ آج وہ جدید تجارتی کاروبار، صنعتی و حرفتی ترقیات، جدید خیالات و انقلابی تحریکات کو اسی طرح حدود مذہبی کے دائرہ میں لے آنے پر قادر ہیں جس طرح وہ نجاست و طہارت اور فرائض وسنن کے مسائل بتا سکتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو نوجوانوں کی موجودہ تحریک جس میں مذہب کے ساتھ اگر کھلی ہوئی بغاوت نہیں تو صریح چشم پوشی کی گئی ہے کس اصول پر قابل ملامت قرار دی جاسکتی ہے۔ اور اگر ملامت کی گنجائش بھی ہو تو کیا انصافاً ہمارے علماءِ کرام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس گروہ ملامت کے علمبردار رہیں ٭

سب سے بڑی خوش نصیبی!

خوش نصیب ہے وہ جس نے اپنے لیے کام تلاش کرلیا ہے۔ اُسے کسی دوسری خوش نصیبی کی آرزو نہ کرنی چاہیے اُس کے لیے ایک کام ایک زندگی کا مقصد موجود ہے اس لیے کہ اُسکو کام مل گیا ہے۔ اسی کام میں اُس کو منہمک رہنا چاہیے ٭

(کارلائل)

سب سے زیادہ قیمتی شے

حیات انسانی میں سب سے زیادہ قیمتی شے وہ تجربہ، وہ کتاب، وہ سرگذشت اور وہ حادثہ ہے جو انسان کی فطرت کو حرکت میں لاتا ہے اور اُس کے باطنی محسوسات کے دروازے کھول دیتا ہے اور اُس کی مخفی قوتوں کو منکشف کردیتا ہے ٭

(سویٹ مارڈن)



بلند خیال بنو

(از جناب پیرزادہ صاحب فائق گیلانی)

باغ کی روشوں پر تم مصروفِ گلگشت ہو جیسا نِ چمن کے جوبن کا نکھار تمہارا دل لبھا رہا ہے۔ شمیمِ جانفزا کے معطر جھونکے تمہاری روح کو متکیف بنا رہے ہیں۔ پھولوں کا حسن و نزاکت دیکھ دیکھ کر تمہاری آنکھیں سرشار ہو رہی ہیں۔ کیف و بیخودی کے متوالے دوست! حسن اور خوبصورتی کی دنیا میں سیر کرنے والے عزیز! یہ کیا چیز ہے۔ جو تمہیں مست و بیخود بناتی ہے؟ باغ کی روشیں پھولوں کا حُسن۔ لیکن اُس دن جب تمہاری معشوقہ تمہیں داغِ مفارقت دے گئی تھی اور تم دل بہلانے کو یہاں آئے تھے تم اضمحلال اور اضطراب کا مجسمہ تھے۔ تمہارے خد و خال سے غم اور بیچینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے لٹک رہے تھے۔ تمہارا دھیمے سُروں سے گنگنانا نغمۂ غم تھا۔ کیا پھول اُس دن رنگین نہ تھے؟ مرغانِ نغمہ خواں کے نغماتِ روح پرور جاذبِ طبع نہ تھے؟ پھر کیا تم اس امر کو صحیح نہ سمجھو گے کہ۔ ع

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

حقیقت میں باغ کی دلکشیوں کے علاوہ کوئی اور چیز تھی جس نے تم پر ایک ہی جگہ دو متضاد حالتیں طاری کیں۔ اور وہ تمہارے خیالات تھے جن کو ساتھ لیکر تم گلشن میں آئے۔ پہلی دفعہ محبوبہ کی موت سے اس کی یاد کے درد انگیز تاثرات ہمراہ لائے اور آج فطرت کی رعنائیوں کا پاک اور خوشی کے خیالات کے زیرِ اثر مطالعہ کر رہے ہو۔

فی الحقیقت ہمارا ماحول اور ہم جو کچھ ہیں۔ اپنے ہی خیالات کا نتیجہ ہیں دنیا میں میدانِ کارزار گرم ہوتا ہے۔ یا "لیگ آف نیشنز" (جمعیۃ الاقوام) میں "امن عالم" پر تقاریر ہوتی ہیں، استبدادیت کا بھوت غلام اقوام و ملل پر ظلم و ستم روا رکھتا ہے، یا کوئی غلام قوم آزادی کے حصول کیلیے فرزندانِ وطن کو نثار کرتی ہے یہ سب کرشمے خیالات ہی کے ہیں۔ کیونکہ کوئی چیز دنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوتی جب تک انسانی دماغ میں اسے ظاہر کرنے کا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے ہماری نا امیدی، یاس، حُزن و ملال دراصل ہمارے خیالات کا نتیجہ ہیں۔

دنیا کے کامیاب لوگوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ اُن کی کامیابی صرف ان کی بلند خیالی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اپنے مستقبل کا ایک معیار مقرر کرلیا۔

وہ دنیا میں عزت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیالات انہیں اس کے لیے مستعد کرتے تھے۔ غربت و مفلسی اُن کی ترقی میں سدِ راہ نہ ہوئی، نقصانِ تعلیم اُن کو ترقی کی بلندی پر پہنچنے سے باز نہ رکھ سکی۔ کیونکہ ان کی قوتِ آزادی اور خیالات بلند تھے کتب بیں احباب جانتے ہیں کہ آجکل اخبارات کے کالم کے کالم راک فیلر فورڈ اور کارنیگی وغیرہ کے سخاوت کے کارناموں کے بیان میں سیاہ کیے جاتے ہیں۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ امریکہ کے یہ قارون کی سی دولت رکھنے والے امراء پہلے بس معمولی مزدور تھے۔ جیسے تم کارخانوں میں روزانہ کام کرتے دیکھتے ہو۔ وہ بھی عام مشقت کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ مگر بلند خیالی نے آج اُن کے لیے دولت کے خزانے کھول دیے جبکہ اُن کے اکثر دوست آج بھی ویسے ہی مزدور ہیں۔ ان دو قسم کے مزدوروں میں فرق صرف یہ ہے کہ راک فیلر فورڈ وغیرہ اپنے مستقبل کے متعلق اچھے خیال رکھتے تھے۔ انہیں اپنی ترقی کی دُھن سمائی تھی۔ اسی تفاوت نے آج دونوں قسم کے مزدوروں کی دولت اور معاشرت میں نمایاں فرق دکھایا۔

لیکن جس طرح اعلےٰ خیالات ان کو اعلیٰ مراتب پر پہنچا سکتے ہیں اسی طرح پست خیالی اور غلیظ خیالات انسان کو گناہ کی گہرائیوں میں گرا سکتے ہیں اور ترقی حاصل کرنے سے محروم رکھ سکتے ہیں۔

میں ایک ایسے تاجر کو جانتا ہوں جس نے کافی سرمایہ سے کام شروع کیا تھا۔ وہ تعلیم یافتہ اور سمجھدار تھا۔ مگر جب کبھی مجھے اس سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اس نے یہی کہا کہ میں کامیاب تاجر نہیں ہو سکتا۔ میں اصولِ تجارت سے نابلد ہوں۔ یقیناً مجھے اس سال بھی خسارہ ہی رہے گا۔ اور واقعی اسے اس سال بھی نقصان اُٹھانا پڑا۔ کیونکہ ناکامی کا بھوت اُس کے دل و دماغ پر مسلط ہو چکا تھا۔ ان خیالات نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔ آج بازار میں وہ سب سے زیادہ ناکام تاجر ہے جبکہ اس کے ساتھیوں میں سے اکثر نے بہت معمولی سرمایہ پر کام شروع کرکے آج اتنی ترقی کرلی ہے کہ بازار میں اُن کا سکہ چلتا ہے۔

بس اے دوست اگر تم آسودگی اور آسائش سے کام کرنا چاہتے ہو، تم صحت، دولت اور شادمانی کے متمنی ہو تو اپنے من کو بُرے خیالات سے پاک رکھو، نا امیدی اور یاس کے خیالات کو پاس نہ پھٹکنے دو۔ تم نہیں جانتے۔ بُرے خیالات تمہاری زندگی کی خوشیوں کو ملیامیٹ کردیں گے۔ ڈاکٹر مارڈن کہتا ہے "تم ایک بچہ کو دیکھتے ہو جو پنسل سے تمہارے ڈرائنگ روم کی دیواروں پر لکھ رہا ہے اور خوبصورت چیزوں کو بگاڑ رہا ہے۔ یقیناً تم اس کے ہاتھ سے پنسل چھین لوگے اور اسے ایسا کرنے سے باز رکھو گے۔ مگر عزیز دوست تم بُرے خیالات کی پنسل سے جسم کی دیوار پر بُرے نقش ڈال رہے ہو۔ اور اپنی روح کی شادمانی کا قیمتی سامان بگاڑ رہے ہو۔ کبھی تم نے اس کے متعلق بھی سوچا؟"

فی الحقیقت بُرے خیالات خوبصورت چہروں کو مسخ کر دیتے ہیں، اشرفِ خلائق انسان کو جامۂ انسانیت سے خارج کر دیتے ہیں، اور ہمیں اُن بلندیوں پر نہیں پہنچنے دیتے جہاں بلند خیالی ہمیں لے جاسکتی ہے۔

عزیز دوست! اگر تم دنیا میں ترقی کے طلبگار رہو تو اپنے دل میں ترقی کے خیالات جاگزین کرو۔ اپنے دل کو ان خیالات سے معمور رکھو اور کارزارِ حیات میں مصروف ہو جاؤ۔ پھر تم دیکھو گے کہ کس طرح کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ تم اپنی روح کو نیک اور پاکیزہ خیالات میں بساؤ، یقین جانو صرف اچھے خیالات کی بنا پر تم دنیا کے بہترین انسان بن سکو گے *

اس ظاہری دنیا کے علاوہ تمہارے دل کی ایک مخفی دنیا بھی ہے جس میں بے شمار خزانے بھرے پڑے ہیں۔ ذرا اندر تو جھانک کر دیکھو *

سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کرنیکی ضرورت

(مترجمہ مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر ٹیچر موڈرن ہائی سکول دہلی)

جان فیلڈ کاشتکار کا لڑکا اُس کے دوست ڈکن ڈیوس کے گودام میں کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن جان فیلڈ گودام کی طرف گیا اور اُسنے اپنے لڑکے کو کسی گاہک سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھکر ڈکن ڈیوس سے پوچھا۔ کہو مسٹر ڈیوس مارشل کا کیا حال ہے کچھ ترقی کر رہا ہے یا نہیں؟ ڈیوس نے اپنے دوست کے سامنے تواضعاً ایک سیب پیش کیا اور کہا "بھئی ہم اور تم پرانے دوست ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ شاید تم کو تکلیف پہنچے لیکن میں ضروری سمجھتا ہوں کہ صاف طور پر اپنی رائے ظاہر کردوں' مارشل بہت اچھا اور مستقل مزاج لڑکا ہے لیکن میرے گودام میں ہزار برس رہکر بھی وہ ایک کامیاب تاجر نہیں بن سکتا۔ جان! بہتر یہ ہے کہ تم اسے کاشتکاری ہی کے کام میں لگا دُو اور گائے بھینسوں کا دودھ دوہنا سکھا دُو۔ اس کے لیئے یہی مفید ہوگا"۔

اگر مارشل فیلڈ ڈیوس کے گودام میں بطور محرر کام کرتا رہتا جہاں بہت معمولی کام اُس کے سپرد تھا تو وہ کبھی ایک بہت بڑا سوداگر نہ ہوتا۔ حسنِ اتفاق سے اُسے شکاگو جانے کا موقع ملا۔ اور وہاں اس نے بعض غریب کامیاب لڑکوں کے کارنامے دیکھے۔ یہ دیکھکر اس کے دل میں بھی ترقی کا خیال پیدا ہوا اور اس نے سوداگر بننے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اسنے اپنے دل میں کہا "جب دوسرے لوگ ایسی شاندار کامیابیاں حاصل کرسکتے ہیں تو آخر میں کیوں کامیاب نہیں ہوسکتا؟" حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑا تاجر بننے کا قدرتی مادّہ اُس میں موجود تھا۔ ضرورت محض ایسے ماحول کی تھی جو اُس مادّے کو تحریک دے اور اُس قوت کو برسر کار لائے اور اس قسم کی تحریک کیلیے مسٹر فیلڈ کیلیے شکاگو بہترین مقام تھا۔

سنہ ۱۸۵۶ء میں جبکہ نوعمر مارشل فیلڈ وہاں پہنچا ہے، اُس شہر کی ترقی کی ابتدائی زمانہ تھا۔ اسکی آبادی پچاسی ہزار تھی لیکن اسکی فضا کامیابی سے پُر تھی، اور ہر شخص کیلیے وہاں ترقی کے بے شمار مواقع موجود تھے۔

بہت سے اشخاص کا یہ خیال ہے کہ اولوالعزمی اور بلندحوصلگی کا مادہ فطری ہوتا ہے اور اس میں ترقی کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن یہ خیال غلط ہے۔ یہ ایسا مادّہ ہے جو تربیت سے ترقی کرتا ہے اور اسکو بڑھانے کیلیے لگاتار توجہ کی ضرورت ہے جسطرح مصوری اور موسیقی کا مادّہ تربیت نہ پانے کی وجہ سے ضعیف ہوجاتا ہے اُسی طرح یہ مادّہ بھی مردہ رہتا ہے۔

اگر ہم اپنی بلندحوصلگی کو قائم رکھنے کی کوشش نہ کریں تو ہمارا یہ مادہ کند ہوجائیگا اگر ہم اپنے قوٰی سے کام نہ لیں تو وہ سست پڑجائینگے۔ اگر ہم سالہا سال نکمے، کاہل اور غافل رہیں تو ہماری بلندحوصلگی کس طرح تازہ اور قوی رہ سکتی ہے؟ اگر ہم مناسب موقعوں سے فائدہ نہ اُٹھائیں تو ہمارا رجحانِ طبع بھلا کب تک کمزور نہ ہوگا۔

کچھ عرصہ ہوا ایک اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک لڑکی اگرچہ بیس برس کی ہوچکی ہے، مگر اُسکی دماغی قوت نے بہت ہی کم ترقی کی ہے۔ بہت کم چیزیں اُسکی دلچسپی کا باعث ہیں اور اسکی عمر بے پروائی، بیکاری اور غفلت میں بسر ہوتی ہے۔ اتفاق سے کسی بازار میں ایک دستی باجے کی آواز سنکر یکایک وہ بیدار سی ہوگئی، اُس کو اپنی ہستی کا احساس ہوگیا، اُسکے قوٰی اُبھرے، اور قلیل عرصہ میں اس نے اتنی ترقی کرلی جتنی کوئی اور شاید برسوں میں کرسکتا۔ یوں سمجھیے کہ گویا ایک ہی دن میں وہ بچپن سے گزر کر جوانی میں داخل ہوگئی۔ ہم میں سے بہت سے اشخاص میں قوتیں اور قابلیتیں موجود ہیں مگر وہ اُسی طرح سوئی ہوئی ہیں جس طرح اس لڑکی میں تھیں، اگر وہ بیدار ہوجائیں تو ہم سے بھی حیرت انگیز کارنامے ظاہر ہوسکتے ہیں۔

نیویارک میں بچوں کی کورٹ کے ایک خاص معائنہ کرنے والے افسر نے اپنی سنہ ۱۹۰۵ء

کی رپورٹ میں یہ تحریر کیا۔ "کسی لڑکے یا لڑکی کو غیر مناسب ماحول سے نکال لینا اُسکی ترقی کی راہ میں پہلا قدم اُٹھانا ہے" اسی شہر نیو یارک کی ایک انجمن نے جسکا کام بچوں پر سختی کا سدباب کرنا ہے پورے تیس سال تک تقریباً پانچ لاکھ بچوں کی اخلاقی اور معاشرتی بہبود کی جانچ کی۔ یہ انجمن بالآخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ ماحول کا اثر آبائی اثر سے بھی قوی ہے۔

ہم میں سے پختہ کار بھی ماحول کے اثر سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں کہ سکتے۔ خواہ فطرتاً ہم کسی قدر آزاد طبع مستقل مزاج اور عزم راسخ رکھنے والے ہوں۔ اپنے گرد دپیش کے اثرات کو ضرور قبول کرلیں گے۔ آپ بطور تجربہ کسی مہذب اور اعلےٰ خاندان کے بچے کو وحشیوں میں پرورش کرائے۔ آپکو معلوم ہوجائیگا کہ اُسمیں آبائی رجحان کس حد تک قائم رہتا ہے؟ اگر اُسکی پرورش ابتدا ہی سے وحشیانہ فضامیں ہوگی تو وہ ضرور وحشی ہوگا۔ ایک قصہ مشہور ہے۔ ایک اعلیٰ خاندان کا بچہ کسی طرح ایک بھیڑیے کے ہاتھ لگ گیا۔ اُس نے اُسکی پرورش کی۔ اس بچہ میں بھیڑیے کی تمام صفتیں پیدا ہوگئیں، وہ بھیڑیوں کیطرح چاروں ہاتھ پاؤں سے چلتا تھا، اُسی طرح چلاتا تھا۔ اُسی طرح کھاتا پیتا تھا۔

کچھ عرصہ ہوا روس کے کاریگروں کی ایک جماعت کسی جہازی فرم کی طرف سے اسلیے امریکہ بھیجی گئی کہ وہاں کے کام کرنے کے طریقوں سے واقفیت بہم پہنچائے، اس جماعت کے لوگ صرف چھ ماہ میں امریکن کاریگروں کے برابر ہوگئے۔ انکی بلند حوصلگی انفرادی زندگی کے احساس اور ذاتی جدت میں اضافہ ہوگیا، اور کام نہایت صاف ستھرا اور اعلیٰ درجہ کا کرنے لگے۔ اپنے ملک واپس آنے کے ایک سال بعد جہاں اُنہیں مُردہ اور ترقی کی خواہش نہ رکھنے والے اشخاص میں کام کرنا پڑا۔ اُنکی پہلی حالت پھر عود کر آئی۔ اُن میں ترقی کا جذبہ پھر فنا ہوگیا۔ وہ دوبارہ معمولی مزدوروں کی طرح ہوگئے جنکا مقصد صرف دن بھر کی مزدوری کرنا رہ گیا۔ ایک محرک ماحول نے اولوالعزمی کے جن جذبات کو اُبھار دیا تھا وہ پھر سوگئے۔

اگر تمہیں ناکام اشخاص کی ایک کثیر تعداد سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملے تو معلوم ہوجائیگا کہ اکثر کی وجہ ناکامی محض یہ تھی کہ اُنہیں محرک اور ہمت افزا فضا میسر نہیں آئی اور اُن کی بلند حوصلگی اور اولوالعزمی کو اُبھرنے کا موقع نہیں ملا۔ یاد ہمت شکن حالات کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اگر ہم محتاج خانوں اور قید خانوں میں جائیں تو وہاں ایسے ہی شخص کی کثرت نظر آئیگی جنھیں ایسے حالات میسر آئے جنھوں نے اُنکے اعلیٰ جذبات کو اُبھارنے کی بجاے اُنکے ادنےٰ جذبات کو اُبھار دیا۔ دنیا میں تم خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرو ہمیشہ ایسے ماحول میں رہو جو تمہارے جذبات بلند حوصلگی کو اُبھارنے والا ہو۔ اور جہاں تمہیں اپنی نشو ونما کا کافی موقع ملے۔ اور ایسا کرنے میں اگر تمہیں بعض اوقات ایثار بھی کرنا پڑے تو بھی نہ چوکو۔ اُن لوگوں سے ملتے رہو جو تم کو سمجھتے ہیں۔ جو تم پر اعتماد رکھتے ہیں جو لوگ اپنی ذات سے واقف ہونے میں تمہاری مدد کرسکتے ہیں اور جو تمہیں اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے میں تمہارے معاون ہوسکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے اعلیٰ کامیابی کی زندگی اور ادنےٰ ناکام زندگی کا فرق تمہیں خود معلوم ہوجائیگا۔

جو لوگ کچھ کر رہے ہیں یا دنیا میں کچھ کرنا چاہتے ہیں یا جن کا مقصد اعلیٰ اور حوصلہ بلند ہے اُن سے ملتے رہو۔ بلند حوصلگی متعدی ہوتی ہے۔ تمہاری رگوں میں بھی وہی خون دوڑنے لگیگا جو تمہارے ہم نشینوں اور ساتھیوں کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اُن اشخاص کی کامیابی جو تمہارے گرد وپیش ہیں اور جو عروج و ترقی حاصل کرنے کے درپے ہیں تمہاری ہمت بند ھائیگی۔ تمہارے ارادوں میں حرکت پیدا کریگی اور اگر کسی وجہ سے پوری محنت نہیں کرسکے ہو تو اب کرنے لگوگے۔

جو لوگ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول میں کوشاں ہیں اُن کی شخصیت کا اثر ایک توپخانہ سے بھی زیادہ قوی ہے۔ اُن میں ایسی مقناطیسی قوت ہے جو کسی حوصلہ مند کام کرنے میں وہ تمہاری معاون ثابت ہوگی۔ اگر لوگوں سے ملنا جلنا جن کی ترقی کی تمنائیں تمہاری آرزوؤں کے مشابہ ہیں تمہارے لیے بہت مفید اور کارآمد ہے۔ اگر تم میں ہمت و جرأت کی کمی ہے۔ اگر تم فطرتاً اور طبعاً کاہل اور سست ہو۔ اگر تم سہل انگار اور غفلت شعار ہو تو حوصلہ مند اور اولوالعزم اشخاص سے ملتے رہنا تمہاری ان تمام خامیوں اور کمزوریوں کو دور کردے گا، اور تم ترقی اور عروج ضرور حاصل کرلوگے۔



مشعلِ کامیابی

(از جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب)

(گزشتہ سے پیوستہ)

توجہ

توجہ ہمارے شعور کا وہ ذہنی عنصر ہے جس کے ماتحت کسی ایک ہی وقت میں ایک طرف تو قوانین ایتلاف اپنے افعال کی انجام دہی کرتے ہیں اور دوسری طرف اعمال افتراق ذہنی اپنے فرائض کو تکمیل پہنچاتے ہیں چنانچہ جس وقت ہم اپنی توجہ کو کسی ایک ہی امر یا متعدد امور کی طرف مائل کر دیتے ہیں ہمارے شعور میں وہی خیالات قوانین ایتلاف کے ماتحت داخل ہوتے چلے جاتے ہیں جن سے ہماری موجودہ توجہ کا تعلق ہوتا ہے اور وہ کل خیالات ہمارے شعور سے اعمال افتراق ذہنی کے ماتحت علیحدہ ہوتے چلے جاتے ہیں جو ہماری توجہ سے غیر متعلق ہوتے ہیں -

توجہ کے اعمال ہمارے ارادہ اور دلچسپی (بڑھی ہوئی خواہش) کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں. توجہ ارادہ کی اس قدر زیادہ ماتحت نہیں ہوتی جتنی کہ وہ دلچسپی کی پابند ہوتی ہے ، خواہ وہ دلچسپی شعوری اور ارادی ہو اور خواہ وہ غیر شعوری اور غیر ارادی ہو. اس لیے توجہ کے عمل کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ شعوری اور ارادی ہو بلکہ وہ دلچسپی کے ماتحت غیر شعوری اور غیر ارادی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ زندگی کی دلچسپیاں اک نامعلوم طریقہ پر اپنا اثر قائم رکھتی ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری توجہ خواہ مخواہ اک نامعلوم اور غیر شعوری طریقہ پر انہی کی طرف مائل رہتی ہے. لہٰذا وہ امور جن کا ہماری موجودہ دلچسپیوں سے تعلق ہوتا ہے ان کی طرف ہماری توجہ شعوری یا غیر شعوری ارادی یا غیر ارادی طریقہ پر ہر وقت مائل رہتی ہے اور وہ امور جن کا ان سے واسطہ نہیں ہوتا ان کو وہ اعمال افتراق ذہنی کے ذریعہ شعوری ظرف سے برطرف کرتی رہتی ہے

توجہ دراصل ہمارے شعوری ظرف کی ایک قسم کی نگہبان یا محافظ ہے جو بغیر خواہش - دلچسپی - یا قصد و ارادہ کی اجازت کے کسی قسم کے احساسی

[redacted]

نقوش اور خیالات کو شعور میں داخل نہیں ہونے دیتی۔ مثلاً خواہ کیسا ہی شور و غل اور واویلا کیوں نہ ہوتا ہو، خواہ کیسے ہی دلکش اور دلفریب مناظر ہمارے پیش نظر کیوں نہ ہوں لیکن اگر ہماری دلبستگیاں اس طرف سے معطل ہو چکی ہیں نہ ہم ان آوازوں سے باخبر ہونگے اور نہ ان مناظر کی طرف نگاہ اٹھائیں گے جب تک ہم قصداً ان کے سننے یا دیکھنے کا ارادہ نہ کریں۔

کلکتہ اور بمبئی جو اپنی خوبصورتی اور رنگ برنگ کے عجائبات کے اعتبار سے ہندوستان کے ممتاز شہر ہیں اور جہاں پر ہر وقت ہزارہا موٹروں اور گاڑیوں کی آمد و رفت اور ہر چہار طرف ہجوم الناس کے کثیر ازدحام کے باعث کانوں کان آواز سنائی نہیں دیتی لیکن بایں ہمہ اگر وہاں کے دوکانداروں یا باشندوں سے استفسار کیا جائے کہ کیا وہاں کی عجیب اور انوکھی چیزوں پر ان کی نظر منتقل ہونے کے لیے بے چین رہتی ہے یا اس پریشان کن شور و غل کا انہیں علم یا شعور ہوتا ہے تو ان کا جواب غالباً نفی میں ہوگا۔ برعکس اس کے اگر کوئی نووارد ان شہروں میں سے گزرتا ہے تو وہاں کی ہر شے کی طرف وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے اور ہر چہار طرف کے شور و غل سے اس کے حواس مختل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ شب کے وقت اس کی آنکھوں سے نیند بھی دور ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر یہی شخص کچھ مدت کے لیے وہاں پر قیام گزین ہو جاتا ہے تو نہ وہ پھر اس انداز سے کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے اور نہ وہ وہاں کی منغص کرنے والی صداؤں سے باخبر ہوتا یا اس کی نیند اچاٹ ہوتی ہے۔

شعور کی اپنے ماحول سے اس کل موجودہ عدم وقوفی کا سبب یہ نہیں ہے کہ کسی اجنبی جگہ میں محض چندے قیام کے باعث خدانخواستہ ہمارے قوائے حسیہ کے اعصاب کی قوت حس ماری جاتی ہے اور وہ سابق کی طرح ہمارے شعوری مرکز تک خبر لیجانے میں معذور ہو جاتے ہیں بلکہ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ ہمارے حواس خمسہ کے اعصاب اپنا عمل حسب دستور برابر جاری رکھتے ہیں یعنی جو کچھ خبریں یا احساسی نقوش انہیں اردگرد کی اشیاء سے موصول ہوتے رہتے ہیں ان کی اطلاع وہ ہمارے نفس کے شعوری حصہ تک برابر پہنچاتے رہتے ہیں مگر چونکہ ہم ان کے تجربوں کے سابق سے کافی طور پر مستفید ہو چکے ہیں اور ہمیں ان کی مزید دریافت میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی اسی لیے ہماری توجہ ان امور کے احساسی نقوش یا تجربات کو جو ہماری دلچسپی سے غیر متعلق ہوتے ہیں ہمارے شعور میں داخل ہونے سے باز رکھتی ہے۔ بہرحال گو شعور کو ان کی خبر نہیں ہوتی لیکن تاہم وہ تحت الشعور کے بے پایاں ذخیرہ میں بجنسہٖ محفوظ ہو جاتے ہیں۔

توجہ اور اس لیے افتراق ذہنی اور قوائیں ایتلاف کا یہی انتخابی عمل ہماری نیند کی حالت میں بھی بدستور قائم رہتا ہے۔ چنانچہ ایک دودھ پلانے والی ماں یا ایک تیماردار باوجود ہیجانی آوازوں کے بے خبر سوتے رہتے ہیں مگر جہاں کہیں بچہ ذرا سا بھی بے چین ہوتا یا مریض کراہتا ہے وہ فوراً بیدار ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ باوجود نیند میں مشغول ہونے کے بھی ہمارا شعور بیرونی ماحول کے احساسی نقوش کی طرف جو ہر لحظہ اور ہر گھڑی بذریعہ قوائے حسیہ ہماری شعوری مرکزی حکومت تک قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں متوجہ رہتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شعوری اعمال اس وقت غیر متحرک رہتے ہیں اور شعور جوں کا توں مشغول بخواب رہتا ہے۔ اس وقت شعور کی توجہ یا اس کے رجحان کے اعمال بذریعہ تحت الشعور انجام پاتے ہیں۔ شعور کی نیند کی حالت میں تحت الشعور قوائے حسیہ کے احساسی پیغامات کو حسب دستور محفوظ کرنے کے علاوہ ان کل خبروں پر شعور کو بیدار اور متوجہ کرتا رہتا ہے جو یا تو اس کے لیے غیر مانوس حیرت انگیز یا تکلیف دہ ہوتی ہیں یا جن کا شعور پیشتر ہی سے امیدوار ہوتا ہے۔ مثلاً جس وقت ہم یہ تہیہ کرکے سوتے ہیں کہ ہم فلاں وقت بیدار ہو جائیں تو تحت الشعور ہمیں ٹھیک اسی وقت جگا دیتا ہے۔ گو ہم کروٹیں بدلتے بدلتے پھر سو جائیں یا کچھ دیر بعد بستر پر سے اٹھیں۔ علاوہ بریں اسی سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے تحت الشعور میں یہ قدرت بھی موجود ہوتی ہے کہ وہ شعور کی غیر متحرک حالت میں بغیر قوائے حسیہ کی امداد کے کس طرح سے کہ وہ شعو

کی خواب کی حالت میں وقت معلوم کرلیتا ہے بیرونی دنیا کی معلومات سے واقف ہوتا رہتا ہے۔

مندرجۂ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ خواب کی حالت میں بھی ہماری شعوری کیفیت افتراق ذہنی کے عمل کی وجہ سے ان کل امور سے بجز ان کے جن کا پہلے اوپر ذکر کیا ہے محدود رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شعور کی خواب کی حالت میں توجہ کے اعمال تحت الشعور کے ذریعہ سے وجود پذیر ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ ان کو شعور کے میلان یا دلچسپیوں ہی کے ذریعہ عمل میں لاتا ہے۔

شعور کی نیند کی حالت میں گو ہمارے کل ذہنی اعمال پر تحت الشعور کی حکومت ہوتی ہے لیکن وہ ان کی انجام دہی میں شعوری رجحانات سے سر مو اختلاف نہیں کرتا۔ چنانچہ نیند کی حالت میں جو خواب ہمیں دکھائی دیتے ہیں وہ بھی ہماری زندگی کی دلچسپیوں اور رجحانات کے مطابق ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی زہد و تقوٰے اور نیک کرداری میں بسر کرتے ہیں تو تحت الشعور کی روحانی قوتیں مجلی اور مصفا ہو جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شعور کو خواب کی شکل میں آئندہ واقعات کی نسبت صحیح صحیح حالات کی خبریں بہم پہنچا دیتا ہے۔ برعکس اس کے وہ لوگ جو افعال شنیعہ میں گرفتار یا دنیاوی امور میں مستغرق رہتے ہیں ان کے تحت الشعور کی روحانی قوتیں ایک حد تک سلب ہو جاتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو کبھی کوئی سچا خواب دکھائی نہیں دیتا اور جو خواب بھی وہ دیکھتے ہیں وہ ان کے اپنے ہی سابقہ خیالات کے اُلٹ پھیر کا نتیجہ ہوتا ہے جن کی تکوین تحت الشعور نیند کی حالت میں کرتا رہتا ہے اور جس قسم کے خیالات کی طرف شعور کا ہمیشہ ہی سے رجحان ہوتا ہے ان ہی کی ٹوٹی پھوٹی شکلوں کی طرف تحت الشعور شعور کو اکثر متوجہ کرتا رہتا ہے۔

فراموشی اور اعمال ایتلاف ذہنی کو معرض وجود میں لانے کا ذریعہ ہماری توجہ ہے جو ہماری شعوری کیفیت کو لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہتی ہے۔ قوانین استرجاع اور افتراق ذہنی کے اعمال ہماری توجہ کے ضابطہ میں منضبط رہتے ہیں۔ اور خواہ ہمیں اس امر کا شعور ہو یا نہ ہو مگر قوانین ایتلاف اور افتراق ذہنی کے اعمال خود بخود توجہ کے احکام کے پابند رہتے ہیں

توجہ کو اس زبردست اور مہتم بالشان خزانہ پر جو ہمارے سابقہ اور موجودہ تجربات پر مشتمل ہے۔ پوری قدرت و تصرف حاصل ہے۔ وہ اس میں سے انہی افکار یا خیالات کا انتخاب کیا کرتی ہے جو ہماری عام دلچسپیوں اور مقاصد کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ باقی کو وہ نظر انداز کرتی رہتی ہے۔ دراصل یہ ہماری توجہ ہی ہے جو افتراق ذہنی یا بالفاظ دیگر فراموشی اور قوانین ایتلاف کے اعمال کی قوت محرکہ ہے ✦

—————(✱)—————

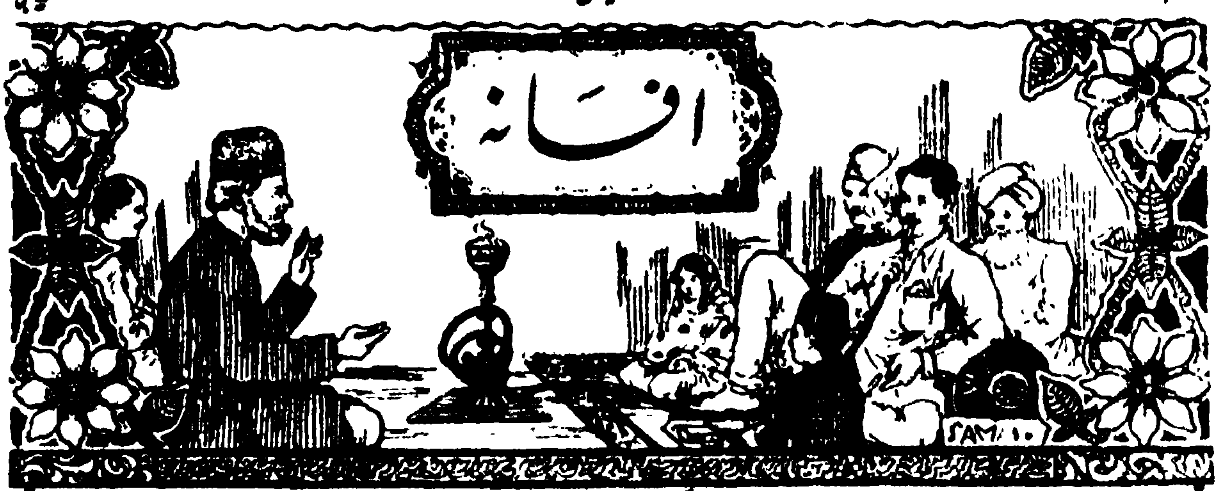
زرین اقوال

۱:۔ جو شخص فارغ البالی اور عزت کے زمانہ میں اپنے غریب دوستوں کو بھلا دیتا ہے اُس کے پاس عزت اور دولت زیادہ عرصہ تک نہیں رہتی۔

۲:۔ اگر تم کو اپنی ذات پر اعتماد نہیں ہے تو تم دوسروں کو شبہ کی نظر سے دیکھو گے لیکن اگر تم اپنے آپ پر بھروسہ کر سکتے ہو تو دوسروں پر بھی تم کو شبہ نہیں ہوگا۔

۳:۔ دوسروں پر فتح حاصل کرنا بھی بہادری ہے مگر اپنے آپ پر فتح حاصل کرنا بہت بڑی بہادری ہے ✦

(مرسلہ صاحبزادہ فیروز علیخاں۔ بی۔ اے)



الیاس

(شہرۂ آفاق روسی حکیم طالسطائی کا ایک حکمت آموز افسانہ)

(مترجمہ جناب ظفر قریشی صاحب)

مشرقی روس میں موضع اوفا کے قریب بشکر(۱) قبیلہ کا ایک آدمی الیاس نامی رہتا تھا۔ اس کا باپ اپنے بیٹے کی شادی کے ایک سال بعد ہی چل بسا تھا اور کچھ زیادہ مال و دولت نہ چھوڑی تھی۔ اس وقت الیاس کے پاس صرف سات گھوڑیاں، دو گائیں اور تقریباً بیس بھیڑیں تھیں مگر چونکہ اسکا انتظام بہت اچھا تھا اس وجہ سے اس کی خوشحالی میں ترقی شروع ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے گلہ میں معتدبہ اضافہ کرلیا وہ اور اس کی بیوی سخت محنت و جانفشانی سے کام کرتے تھے۔ اکثر صبح سویرے اُٹھتے تھے اور رات گئے تک کام میں مصروف رہتے تھے۔ جب سب سوتے ہوتے تھے تو یہ اُٹھتے تھے اور جب سب سو جاتے تھے تو یہ کام سے فارغ ہوتے تھے اور سب سے آخر میں سوتے تھے۔ غرض اس طرح دن رات کی غور و پرداخت سے ان کا گلہ سال بسال بڑھنے لگا اور وہ مالدار بھی ہوگیا۔ چنانچہ پینتیس برس کے بعد اس کے پاس دو سو گھوڑے، ڈیڑھ سو گائیں اور بارہ سو بھیڑیں ہوگئیں۔ گلوں اور ریوڑوں کی غور و پرداخت کے لیے نوکر موجود تھے۔ گھوڑیوں اور گایوں کے دودھ دوہنے کے لیے عورتیں تھیں، جو چھاچھ، مکھن، اور پنیر تیار کرتی تھیں۔ غرض الیاس ہر چیز کی طرف سے مطمئن تھا اور ہر چیز وافر تعداد میں تھی۔ گاؤں کے لوگ اسے حسد کی نظروں سے دیکھتے تھے اور کہا کرتے تھے "دیکھو الیاس کتنے جلدی امیر ہوگیا؟ کیسا خوش قسمت ہے یہ دُنیا اس کے لیے واقعی جنت ہے!"

معزز لوگ الیاس کی شہرت سُنکر اس سے شناسائی پیدا کرنا باعثِ فخر سمجھنے لگے۔ اکثر دور دور سے ملنے آتے تھے اور الیاس ان کی خوب خاطر تواضع کرتا تھا خواہ آنے والا کوئی ہو اس کے لیے چار، چھاچھ، شربت اور بھُنا ہوا گوشت ہر وقت موجود رہتا تھا۔ مہمان کے آتے ہی ایک، اور اگر ضرورت ہوتی تو کبھی دو بھیڑیں بھی ذبح کرلی جاتی تھیں اگر مہمان بہت ہوتے تھے تو گھوڑی ذبح ہوجاتی تھی۔

(۱) بشکر ایک خانہ بدوش قبیلہ کا نام ہے جو منگولی نسل سے ہے اور شمالی ترکستان میں کوہ اورل کی ڈھلانوں پر رہتا ہے۔ یہ مذہب اسلام کا پیرو ہے۔ مترجم

الیاس کے تین بچے تھے دو لڑکے اور ایک لڑکی ان سب کی شادی ہو چکی تھی جب الیاس نادار تھا تو یہ لڑکے مویشیوں کے گلے چراتے تھے اور ہر طرح ان کی خبرگیری کرتے تھے نیز اور کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے مگر جب وہ ذرا دولتمند ہو گیا تو یہ بھی تن آسانی میں پڑ گئے اور کام کاج سے جی چرانے لگے بلکہ ایک تو شراب نوشی کی عادت میں مبتلا ہو گیا بڑا لڑکا ایک جھگڑے میں مارا گیا اور چھوٹے لڑکے نے اپنی مرضی کی ایک عورت سے شادی کر لی اور باپ کی نافرمانی کرنے لگا جس کی وجہ سے ان کا باہم ملکر رہنا ناممکن ہو گیا اور وہ الیاس کے گھر سے چلے گئے۔

جاتے وقت الیاس نے انہیں ایک مکان اور چند مویشی دے دیے جس سے اس کی دولت میں کسی قدر کمی واقع ہو گئی۔ ادھر بھیڑوں میں ایک مرض پھیلا جس سے بہت سی بھیڑیں مر گئیں۔ اس واقعہ کے بعد ایک اور مصیبت آئی یعنی فصلیں برباد ہو گئیں، خشک گھاس بھی میسر نہ آئی اور جاڑے میں بہت سی گائیں تلف ہو گئیں۔ کردوں نے بہت سے اچھے گھوڑے چرا لیے غرض اس کی دولت میں بہت کمی ہو گئی اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ادھر اس کے قوا بھی روزبروز مضمحل ہونے شروع ہو گئے حتٰی کہ جب اس کی عمر ستر کے لگ بھگ ہوئی تو اس نے پشمینے جیسے اور گھوڑوں کی کاٹھیاں بیچ بیچ کر گزارا کرنا شروع کیا۔ پھر مویشی بھی بکنے کی نوبت آ گئی اور آخرکار روٹیوں تک کو محتاج ہو گیا۔ اس کے قبل کہ وہ انحطاط کا اصل سبب معلوم کر سکتا اس کی ساری دولت برباد ہو گئی اور پھر میاں بیوی کو ایک جگہ نوکری کرنی پڑی۔

الیاس کے پاس سوائے تن کے کپڑوں، ایک پشمینہ کے چغے، ایک پیالے، گھریلو جوتوں کی جوڑی اور اپنی بیوی شام شیماگی کے اور کچھ نہ بچا۔ چھوٹا لڑکا جو کسی دوسرے ملک کو چلا گیا تھا مفقود الخبر ہو گیا، بیٹی مر چکی تھی، غرض اب کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس وہ اس اڑے وقت میں پناہ لے سکتے۔

ان کا پڑوسی محمد شاہ بہت رحمدل تھا اس نے الیاس کی حالت پر ترس کھایا اور گو بہت متمول نہ تھا مگر آرام اور چین کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے الیاس کے خلق اور مہمان نوازی کو یاد کر کے اس سے کہا "تم اور تمہاری بیوی میرے ہاں آ جاؤ، گرمیوں میں تربوز کے کھیتوں میں جتنا کام تم سے ہو سکے کر دیا کرنا اور جاڑوں میں میرے مویشی چرایا کرنا شام شیماگی میری گھوڑیوں کا دودھ دوہ لیا کریگی اور چھاچھ بنا لیا کریگی۔ میں تم دونوں کی روٹی کپڑے کا کفیل ہوتا ہوں اس کے علاوہ اور جس چیز کی ضرورت ہو مہیا کر دی جائیگی۔"

الیاس نے اپنے پڑوسی کا شکریہ ادا کیا اور مع اپنی بیوی کے محمد شاہ کے ہاں بطور ملازم کے رہنے لگا۔ ابتدا میں تو یہ زندگی بہت دشوار معلوم ہوئی مگر بعد میں عادت پڑ گئی اور دونوں اپنی طاقت کے مطابق کام کاج کرنے لگے۔

محمد شاہ نے دیکھا کہ اس قسم کا آدمی اپنے پاس رکھنا بہت مفید ہوگا کیونکہ ایسا آدمی کبھی بیکار نہیں رہتا چونکہ کسی زمانہ میں خود آقا رہ چکا ہے اس وجہ سے نوکروں سے خوب کام لے سکتا ہے مگر پھر بھی محمد شاہ کو الیاس کی زبوں حالت دیکھکر بڑا افسوس ہوتا تھا۔

اتفاق کی بات محمد شاہ کے چند رشتہ دار مع ایک مولوی صاحب کے بہت دور دراز مقام سے سفر کر کے اس کے ہاں مہمان آئے۔ محمد شاہ نے الیاس سے کہا کہ ایک بھیڑ پکڑ کر ذبح کر لو چنانچہ اس نے ذبح کر کے کھال اتاری اور پارچے کر کے بھون کر مہمانوں کو بھجوا دیے۔

مہمانوں نے بھنا ہوا گوشت کھایا، پھر چائے پی اور سب سے آخر میں چھاچھ پینے لگ گئے۔ اس وقت یہ قالینوں پر گاؤتکیوں سے لگے بیٹھے تھے کہ الیاس کھلے ہوئے دروازہ کے سامنے سے گزرا محمد شاہ نے اسے گزرتے ہوئے دیکھکر ایک مہمان سے کہا "کیا تم نے اس بوڑھے کو دیکھا جو ابھی ابھی سامنے سے گزرا ہے؟"
مہمان نے جواب دیا "ہاں، بیشک دیکھا لیکن آخر اس میں عجیب بات کیا ہے؟"

میزبان نے جواب دیا "بس ایک بات ہے ـــــــ صرف ایک بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ یہ شخص ہمارے گاؤں کا سب سے بڑا دولتمند آدمی تھا مگر اب مفلس ہے، اس کا نام الیاس ہے شاید تم نے کبھی سُنا ہو۔"

"ہاں بے شک میں نے یہ نام سُنا تھا یہ تو بہت دور دور مشہور ہے۔"

"بے شک یہ صحیح ہے مگر اب تو یہ بہت ہی غریب ہے یہ اور اس کی بڑھیا میرے ہاں ملازم ہیں بیوی گھوڑیوں کا دودھ دوہتی ہے۔"

مہمان نے یہ واقعہ سُنکر بہت افسوس ظاہر کیا اور کہا "قسمت ایک پہیہ کی مانند ہے کبھی قسمت اوپر ہوتی ہے کبھی نیچے، کیا یہ بوڑھا اپنی بدقسمتی پر متاسف نہ ہوتا ہوگا!؟"

"کون کہہ سکتا ہے کہ وہ متاسف ہوگا بظاہر وہ بہت خوش و خُرم ہے اور اطمینان و چین کی زندگی بسر کر رہا ہے کام بھی خوب تن دہی سے کرتا ہے۔"

مہمان نے پوچھا "کیا میں اس سے گفتگو کر سکتا ہوں؟ میں چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی کی بابت خود اس سے کچھ سوالات کروں۔"

"کیوں نہیں آپ بے شک گفتگو کر سکتے ہیں" یہ کہکر محمد شاہ نے اپنی گھومنے والی کرسی پر گھوم کر آواز دی "بابا! تم اور شام شیماگی ذرا یہاں آجاؤ، چھاچھ کا ایک پیالہ پیو"

الیاس یہ سُنکر مع اپنی بیوی کے کمرہ میں داخل ہوا اور اپنے آقا اور دیگر مہمانوں کو سلام کرکے کچھ دعا پڑھکر بیٹھ گیا اس کی بیوی پردہ کے پیچھے اپنی بیگم کے پاس جا بیٹھی۔

الیاس کو چھاچھ کا ایک پیالہ دیا گیا جس پر اس نے مہمانوں اور اپنے آقا کا شکریہ ادا کیا اور خدا سے خیریت طلب کرکے گھونٹ لینا شروع کیا۔ دو چار گھونٹ لیکر پیالہ زمین پر رکھدیا۔

جس مہمان نے اسے طلب کیا تھا کہنے لگا "شاید آپ ہمیں دیکھکر رنجیدہ خاطر ہوتے ہونگے کیونکہ اس سے آپ کو اپنی سابقہ خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ یاد آجاتا ہوگا اور موجودہ حالت دیکھکر ملول ہوتے ہوں گے؟"

الیاس یہ سُنکر مُسکرا دیا اور جواب دیا "اگر میں آپ سے عرض کروں کہ مسرت کیا ہے اور بدقسمتی کیا تو آپ اس پر یقین نہیں کریں گے اس لیے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میری بیوی سے استفسار کریں چونکہ وہ ایک عورت ہے اس لیے جو اس کے دل میں ہوگا وہی زبان پر ہوگا تصنع کا شائبہ بھی نہ ہوگا اور وہ تمام حالات بلا کم و کاست بیان کردے گی۔"

مہمان نے پردہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "دادی اماں! کیا آپ اپنی سابقہ فارغ البالی کا موجودہ بدقسمتی سے مقابلہ کرکے کچھ اپنے جذبات ظاہر کر سکتی ہیں؟"

شام شیماگی نے پردہ کے پیچھے سے کہنا شروع کیا "اس کے متعلق میرے خیالات یہ ہیں:- میں اور میرا خاوند پچاس برس تک اطمینانِ قلب اور سکونِ نفس کی تلاش کرتے رہے مگر یہ حاصل نہ ہوا۔ مگر اس دو سال کے عرصہ میں جب ہمارے پاس کچھ مال و دولت باقی نہ رہی تو یہ حقیقی مسرت اور راحتِ قلب حاصل ہوئی اب ہم بالکل خوش و خُرم ہیں اور اپنی قسمت پر شکر کرتے۔"

محمد شاہ اپنی جگہ پر سے اُٹھا اور پردہ اُٹھا کر شام شیماگی کو دیکھا کہ فی الحقیقت وہی بول رہی تھی یا کوئی اور مگر اس نے دیکھا کہ وہ بوڑھی ہاتھ سینہ پر رکھے ہوئے تھی اور اپنے بوڑھے خاوند کی طرف دیکھکر مُسکرا رہی تھی اور خود وہ بھی ہنس رہا تھا۔

بُڑھیا نے آگے بیان کرنا شروع کیا "میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں اور اس میں تصنع کو مطلق دخل نہیں ہے ہم کامل نصف صدی تک حقیقی مسرت کی تلاش میں سرگرداں رہے مگر جب تک ہم امیر رہے ہمیں ایک لمحہ بھی ایسا میسر نہ آیا لیکن جونہی غریب ہوگئے اور نوکری کرنے پر مجبور، تو یہ مسرت حاصل ہوگئی اور اب ہم اس قدر مسرور ہیں کہ اس سے زیادہ کسی چیز کے

نو ہاں نہیں"

سی مہمان نے سوال کیا "آپ کی مسرت کا اصل راز کیا ہے؟"

سُنیے! جب ہم امیر تھے تو مجھے اور میرے خاوند کو اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ آپس میں بات تک کر سکیں، طرح طرح کے افکار و حوادث پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور اتنی مہلت نہ دیتے تھے کہ تزکیۂ نفس کر سکیں۔ نہ خدا کی عبادت ہوتی تھی اور نہ کچھ۔ جب کبھی کوئی مہمان آجاتا تو ہمیں یہ فکر دامنگیر ہوتی کہ اس کے آگے کیا کیا کھانا رکھا جائے! اور چلتے وقت اسے کیا تحائف پیش کریں تاکہ وہ بددل ہو کر بُری رائے قائم نہ کرے۔ جب وہ چلا جاتا تھا تو ہمیں اپنے کارندوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی کیونکہ وہ کام چور ہوتے ہیں اور بغیر نگرانی کے کام نہیں کر کے دیتے۔ وہ کم کام کرتے اور اچھے سے اچھا کھانے پر تُلے رہتے ہیں ——— غرض یہ ہے کہ ہم معاصی و افکار میں ہمیشہ گرفتار رہتے تھے اور اکثر اس فکر میں پڑ جاتے تھے کہ ایسا نہ ہو کوئی بھیڑیا آکر کسی بچھڑے یا پرند کو نہ مار ڈالے یا چور گھوڑے کھول کر نہ لے جائیں۔ ہم راتوں کو جاگتے تھے کہ مبادا بھیڑیں اپنے بچوں کو نہ روند ڈالیں اور گھڑی گھڑی اُٹھ کر دیکھتے تھے کہ کوئی حادثہ تو نہیں ہوا۔ اگر ایک کام انجام پاتا تھا تو دوسری فکر پیدا ہو جاتی تھی مثلاً یہ کہ اگلے موسم سرما کے لیے عمدہ چارہ کیونکر اکٹھا کیا جائے وغیرہ وغیرہ

علاوہ ازیں میں اور میرا خاوند اکثر باتوں میں باہم جھگڑ پڑتے تھے اگر وہ ایک چیز کی تائید کرتا تھا تو میں مخالفت کرتی تھی اور جس چیز کو میں بُرا سمجھتی تھی یہ اُسے اچھا جانتا تھا اور خوب جھگڑا ہوتا تھا۔ غرض یہ ہے کہ ہم گناہ پر گناہ کیے جاتے تھے اور اس کا احساس تک نہ ہوتا تھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ آپ جان سکتے ہیں کہ اس قسم کی زندگی میں اطمینان و چین کہاں۔ اس وقت راحتِ قلب اور اطمینانِ نفس کی نعمتوں سے ہم قطعاً محروم تھے"

"خوب! پھر کیا ہوا؟"

"اب یہ حالت ہے کہ میں اور میرا خاوند جب صبح سویرے اُٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کی خیریت پوچھتے ہیں اور باہم محبت و آشتی کی زندگی بسر کر رہے ہیں کیونکہ اب کوئی چیز ایسی ہے ہی نہیں جس پر جھگڑ سکیں اب ہمیں سوائے اس کے اور کوئی فکر نہیں ہوتی کہ اپنے آقا کی کس طرح عمدہ سے عمدہ خدمت بجا لائیں۔ ہم میں جتنی طاقت ہے اُتنا کام کرتے ہیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس کام سے ہمارے آقا کو نقصان نہ پہنچے فائدہ ہی ہو"

"جب ہم کام کاج سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو ہمارے لیے کھانا تیار ہوتا ہے، چھاچھ پینے کے لیے موجود ہوتی ہے، جب سردی ہوتی ہے تو جلانے کے لیے ایندھن اور اوڑھنے کے لیے پشمینہ کا جبہ مل جاتا ہے اب ہمیں باہم باتیں کرنے اور تزکیۂ نفس اور عبادت کے لیے بھی کافی وقت مل جاتا ہے ——— ہم پچاس برس تک حقیقی مسرت کی تلاش کرتے رہے مگر فی الحقیقت مسرت اب نصیب ہوئی ہے"۔

مہمان ہنس پڑے۔

مگر الیاس نے کہا:۔ دوستو! ہنسو نہیں ——— اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہیں یہ تو درسِ حیات ہے، عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ ابتدا میں ہم بے وقوف تھے جو مفلس ہو جانے پر افسوس ظاہر کرتے تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے صحیح راستہ بتا دیا اور ہم یہ کہانی اپنے اطمینانِ قلب کے لیے نہیں بلکہ تمہارے فائدہ اور عبرت کے لیے سُناتے ہیں"۔

مولوی صاحب نے فرمایا "بے شک الیاس سچ کہتا ہے کلام اللہ میں بھی یہی لکھا ہے!"

یہ سنکر سب خاموش ہو گئے اور ہنسنا بند کر کے سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔



ملیریا اور اسکا جدید علاج

(از جناب سعید انصاری صاحب)

ملیریا دنیا کی عالمگیر بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے۔ اگر تم کسی طبی جغرافیہ کا نقشہ اُٹھا کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ بجز آسٹریلیا، ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بعض مغربی ریاستوں، عرب اور مصر ایک بڑے حصے کے باقی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس مرض سے خالی ہو۔ افریقہ وسطیٰ و جنوبی امریکہ، انڈو چین اور ہندوستان کے زیرین حصہ کی نو آبادی کی آبادی اس موذی مرض کی شکار رہتی ہے۔ افریقہ میں بعض ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں انسان ۴۸ گھنٹے کے اندر اس مرض کی نذر ہو جاتا ہے۔ تم میں کسی کو معلوم ہے کہ جب فرانس نے جزیرۂ مڈغاسکر پر قبضہ کرنا چاہا تو وہاں کی ملکہ نے فرانسیسیوں کو جواب دیا تھا "میرے پاس سپاہی اگرچہ بہت کم ہیں لیکن میرے ملک کا بخار تمہاری فوجوں کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے۔"

ہزاروں لاکھوں آدمی اس موذی مرض کی بدولت اپنی جانیں کھو بیٹھتے ہیں، ہزاروں لاکھوں سالہا سال تک ایڑیاں رگڑتے رہتے ہیں، ہزاروں لاکھوں کا ملیریا کے خون آشام مچھروں سے ناکوں میں دم رہتا ہے، لیکن ان سب کا علاج ممکن ہے اور بہت آسانی سے ممکن ہے۔

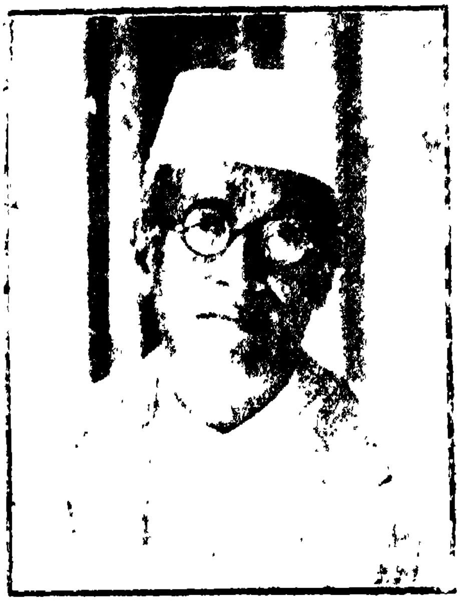
پرانے قصوں میں اکثر تم نے سنا ہوگا کہ بڑے بڑے خزانوں کی حفاظت و نگرانی کے لیے اژدہے ہوتے تھے، جن اور بھوت ہوتے تھے، جن سے بچکر ہی کہیں ان خزانوں تک رسائی ہو سکتی تھی۔ لیکن ان ملکوں کی دولت ان گنت اور بے شمار چھوٹے چھوٹے مچھروں کی حفاظت و نگرانی میں ہے جن میں سے بعض اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ نظر بھی نہیں آتے۔ وہ لوگوں کو پریشان کرتے ہیں، کاٹتے ہیں اور اپنے جسم کا زہریلا مادہ ان کے بدن میں منتقل کر دیتے ہیں۔

انسان اور مچھر کی لڑائی

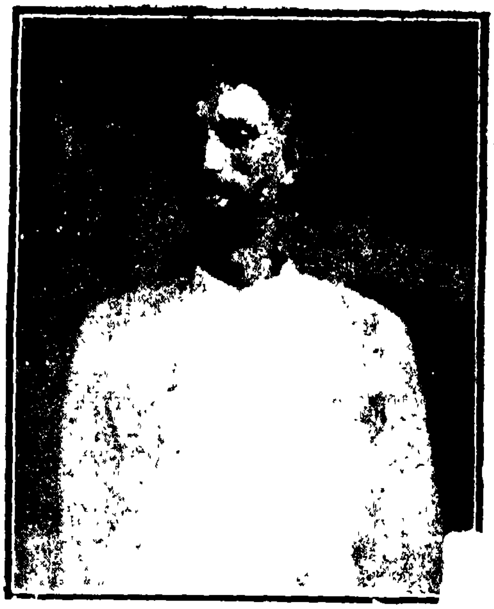
انسان اور مچھر کی جنگ ایک عرصہ سے دنیا میں جاری ہے اور ابھی تھوڑے دن قبل تک مچھر ہی غالب رہے ہیں لیکن کچھ دن ہوئے کہ انسان نے اپنی عقلمندی اور تدبیر سے ان پر فتح پائی۔ بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ سلطنت روما کے زوال کا ایک بڑا سبب ملیریا کا بخار یعنی یہی مچھر تھے۔ ۱۸۹۷ء سے جب سے کہ سر رونالڈ راس نے یہ پتہ لگایا کہ مچھر ہی کے ذریعہ زرد بخار اور ملیریا پیدا ہوتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلتا ہے



ڈاکٹر بی سی رائے



لالہ دونی چند



[illegible]



پنڈت مدن موہن مالویہ



مسز نائیڈو



مسٹر وی جے پٹیل

اس وقت سے انسان نے اور بھی زوروں کے ساتھ جنگ شروع کردی امریکہ کے لوگوں نے ان مچھروں سے جنگ کے لیے نہایت کارگر اور کامیاب طریقے ایجاد کیے ہیں جن کی بدولت آج نہر پانامہ، ایکویڈار اور برازیل کے مقامات انسانوں کے رہنے سہنے اور کاروبار کے لائق ہو گئے ہیں۔

جس وقت سر رونالڈ راس نے اپنا یہ خیال پیش کیا کہ ملیریا مچھر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہی اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو ہر شخص اس کے اس خیال پر ہنستا تھا۔ یہاں تک کہ جنرل گورگاس بھی ہنستے تھے۔ وہی گورگاس جنہوں نے کچھ دنوں بعد اس کے بتائے ہوئے طریقے اور تدابیر کو استعمال کرکے پنامہ کے علاقہ کو نہر کھودے جانے کے قابل بنا دیا۔ سر رونالڈ راس کہا کرتے تھے کہ "دنیا کو کسی نئے خیال کے سمجھنے کے لیے خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور سادہ کیوں نہ ہو کم سے کم دس برس لگتے ہیں"۔ پہلے پہل میرے اس خیال پر کہ ملیریا مچھروں سے پیدا ہوتا ہے لوگ ہنستے تھے اور اس سے بچنے کے لیے میری تدبیروں کو لوگ نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے"۔

ممکن ہے اسی طرح آج اس خیال پر بھی لوگ ہنسیں جو دیہاتوں میں ملیریا سے بچنے کے لیے میں پیش کر رہا ہوں۔ میرا یہ خیال نہایت معمولی خیال ہے اور اس پر عمل درآمد کرنا اس قدر آسان ہے کہ اس سال کے اندر ہی اندر اس کے مفید ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہو سکتا ہے اور جیسا کہ مجھے یقین ہے ہر کاشتکار اور ہر کسان اس مصیبت سے نجات پا سکتا ہے۔ اپنے خیال کو پیش کرنے کے لیے مناسب صورت میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلے ان واقعات کو پیش کردوں جو اس وقت تک میرے تجربہ اور مشاہدہ میں آئے ہیں۔

اب سے کوئی پینتیس سال پیشتر میں علاقہ باطوم (کوہ قاف میں ایک شہر ہے) کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس گاؤں کے ساٹھ پینسٹھ آدمیوں میں سے ہر ایک ملیریا میں مبتلا تھا۔ سوائے چار آدمیوں کے جن میں صلی آفندی (یہ غالباً صالح آفندی ہو) اس کی بیوی اور اس کے دو بچے تھے جب میں نے اس کا سبب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ صلی آفندی دالوں کی خرید و فروخت کرتے تھے اور اپنے مکان کے چاروں طرف انہوں نے ان کی کاشت کر رکھی تھی۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے کہ کوہ قاف کے قریب ایک گاؤں تھا جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ پہاڑ کے دامن میں واقع تھا اور دوسرا ایک وادی میں پڑتا تھا نشیبی حصہ میں کسی قسم کے ملیریا وغیرہ کی شکایت نہ تھی، برعکس اس کے جو حصہ وادی میں پڑتا تھا وہاں نہایت زوروں پر ملیریا ہوتا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ کوئی چھ ایکڑ بویا جونہی کہ اس کے پودے بڑھنے اور بڑھکر پھولے ملیریا کی شکایت ایسی بلبلا کر جاتی رہی گویا کسی نے جادو کر دیا ہو۔

ان دو واقعات سے میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مچھر نہ صرف انسان کا خون چوس کر جیتے ہیں بلکہ بعض پودوں کے رس سے بھی وہ اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اور اسی سے میں نے یہ بھی سمجھا کہ ان پودوں کا رس ان کے جسم کے زہریلے مادے کو فنا کر دیتا ہے جس سے ان کی ضرر رسانی باقی نہیں رہتی اس وقت قاف میں طفلس کے قریب ایک بہت بڑی دلدل تھی جہاں ان موذی مچھروں کی وجہ سے انسان کا گزر ناممکن تھا۔ یہ حال دیکھکر وہاں کی گورنمنٹ نے اس دلدل کو سکھوا دیا اور پانی کی نکاسی کے لیے راستہ کھلوا دیا۔ اس کے بعد لوگ آ کر اس زمین پر بسنے لگے اور اس کے ساتھ غلہ وغیرہ کی خوب کاشت ہونے لگی۔ ان تمام انتظامات کے بعد بھی مچھر کچھ نہ کچھ باقی رہے لیکن وہ اس قدر زہریلے نہ تھے جتنے اس سے پیشتر ان کے آباؤ اجداد یا بھائی بند تھے۔ اس کا سبب کیا تھا؟ صرف یہی کہ ان پودوں کے رس نے ان کے جسم کے زہریلے مادے کو بالکل ہلکا کر دیا تھا۔

کچھ عرصہ بعد جب میں روسی حکومت کی طرف سے محکمۂ زراعت کا کمشنر بنا کر امریکہ (ریاستہائے متحدہ) بھیجا گیا تو اس سلسلہ میں مجھے بہت سے مختلف مقامات کا دورہ کرنا پڑا۔ اپنے اس سفر کے دوران میں میں برابر اپنے اس خیال کو خیال رکھتا تھا اور میں نے متعدد مقامات پر آزمایا کہ لوگوں نے کپاس اور مختلف

چیزوں کی کاشت کی ہے لیکن ملیریا کی شکایت صرف اُن مقامات میں سننے میں نہ آتی تھی جہاں لوگوں نے ... کی کاشت کی تھی۔

غرض ان تمام تجربات سے ناظرین اس نتیجہ پر پہنچے ہونگے کہ ملیریا کے انسداد کی اب تک جو وجہ تیز مسدس طریقہ پر موجود تھی اب وہ اگر محسوس طور پر دیدہ و دانستہ دنیا کر دی جائے تو اس موذی مرض سے آسانی چھٹکارہ مل سکتا ہے۔ جن مقامات پر ملیریا کے مچھروں کی شکایت ہو وہاں یا اسی قسم کے اور دوسرے پودے بو دیئے جائیں تاکہ اس سے مچھروں کے جسم کا زہریلا مادہ بالکل فنا ہو جائے۔

مچھروں سے مچھروں کا انسداد!

یہ تو ملیریا کے انسداد کی ایک ترکیب تھی اس کے علاوہ ایک اور ترکیب بھی ہے اور وہ یہ کہ جن علاقوں میں ملیریا کے مچھروں کی شکایت ہو وہاں ایسے مچھر پیدا کیے جائیں جو ان کو ہلاک کر ڈالیں۔ بعض مچھر ایسے ہوتے ہیں جو انسان کا خون نہیں چوستے بلکہ انہیں جانوروں کے خون میں مزا آتا ہے اور اس وجہ سے جب وہ ابھی بچے ہی ہوتے ہیں کہ دوسرے مچھروں کے بچوں کا خون چوس کر ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ موتیولند۔ سے نامی ایک فرانسیسی محقق نے ۱۹۲۳ء ایک عرصہ کے تجربہ کے بعد یہ دریافت کیا تھا کہ بعض قسم کے مچھر ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو نہیں ستاتے بلکہ وہ مرغیوں وغیرہ پر زیادہ بیٹھتے اور انہیں کاٹتے ہیں۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس قسم کے مچھروں سے زہریلے مچھروں کو فنا کرنے کا کام نہایت آسانی سے لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فرانس کے کسی مقام کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے موسیو موصوف سے مچھروں کی شکایت کی آپ نے جھٹ اس قسم کے مچھروں کے پیدا کرنے کی ترکیب بتا دی اور تھوڑے ہی دنوں میں وہاں سے زہریلے مچھروں کا خاتمہ ہو گیا۔ ملیریا اور ملیریا کے مچھروں کے انسداد کا اب تک جو طریقہ رائج ہے اُسکے مقابلہ میں یہ طریقہ جو اوپر بتایا گیا ہے زیادہ سہل اور کم خرچ ہے کیا مناسب ہو کہ لوگ انفرادی خواہ جماعتی طور پر اس کے آزمانے کی کوشش کریں +

(پیام تعلیم)

جسمانی صحت کی ضرورت

(از جناب حاجی سید نواب علی صاحب رضوی علیگ مدرس مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ)

انسان کے واسطے کوئی نعمت صحت کے برابر نہیں یہ اُس کی ساری خوشیوں کی جان ہے جب آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو خود اُس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ نہ وہ خود خوش رہتا ہے نہ اُس سے دوسرے خوش ہوتے ہیں، نہ وہ اپنا کام کر سکتا ہے اور نہ اوروں کا، بلکہ دوسروں پر بار خاطر ہو جاتا ہے ؎

منغص بود عیش آں تندرست
کہ باشد بہ پہلوے بیمار سست

پس صحت کو قائم رکھنا ایک طرح سے انسانی فرائض میں داخل ہے۔ ہر شخص پر واجب ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی صحت کی خبر رکھے اور اچھی طرح حفاظت کرے۔ طالبعلم جتنے علم کے شائق ہوتے ہیں اُتنی ہی وہ اپنی صحت یعنی گوشت اور خون کی حفاظت عقل کے موافق نہیں کرتے۔ تعلیم میں وہ ایسے چلتے ہیں جیسے ٹرین خطرناک ٹیلے پر چلے اور سگنل کی نشانیوں کو نہ دیکھے جس طرح اچھا کاریگر اپنے اوزاروں کو تیز رکھنے اور عمدہ سپاہی اپنے ہتھیار صاف اور بارود خشک رکھنے میں احتیاط کرتے ہیں اسی طرح طالبعلموں کو چاہیے کہ وہ اپنی صحت کی خبر رکھیں ؎

جسم کو صحت میں رکھو جب تلک بس چل سکے
روح کب رہتی ہے سالم جسم جب بیمار ہو

جو طالب علم جسم کو کاہل اور بے ورزش رکھتے ہیں اور دماغ سے سخت محنت لیتے ہیں وہ خود امراضِ دق میں کم و بیش مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جو طلبا قدرتی توانا اور تندرست نہیں پیدا ہوتے اور اپنے تئیں کتابوں کے حوالے کر دیتے ہیں اُن کے دماغ نہایت ضعیف ہو جاتے ہیں اور جسم ناتوان۔ آجکل سرشتۂ تعلیم اس پر زور دے رہا ہے کہ "صحت نفس صحت جسم پر موقوف ہے"۔

طلبا کی صحت کی خرابی کی ذمہ داری مدارس اور مدرسین پر بڑی حد تک عائد ہوتی ہے اسی واسطے علم صحت ایک تعلیمی مضمون قرار دیا جا رہا ہے۔ اُستادوں کو چاہیے کہ ہفتہ وار مندرجۂ ذیل مضامین پر تقریریں کریں اور بچوں کو مضامین لکھنے کی ترغیب دیں اور ہر طرح اُن کی صحت اور ورزش کا خیال رکھیں۔

(۱) جسم۔ اُس کے بڑے بڑے حصے اور اُن کے افعال۔

(۲) صفائی۔ بال، جلد، دانت اور ناخونوں کی حفاظت اور اُن کے رکھ رکھاؤ۔ صاف کپڑے اور بستر۔ میلے پن کی خرابیاں، جلد کے مسامات غسل، موسم کی فوری تبدیلیاں اور نزلہ، زکام اور اُس کی احتیاطیں۔

(۳) خوراک۔ مقوی صحت خوراک، کچے اور سڑے ہوئے پھل جلد جلد کھانے یا زیادہ کھانے کے نقصانات۔

(۴) پوشاک۔ مختلف موسموں کے لیے مناسب کپڑے، گیلے کپڑوں کے خطرات۔

(۵) ہوا۔ سانس لینے والے اعضا اور اُن کا استعمال، ہوا کی آمد و رفت کا انتظام، خراب ہوا کے خطرات،

(۶) پانی۔ پینے کا خالص پانی، پانی کی بہم رسانی کے ذرائع اور اس کو صاف رکھنے کی ترکیبیں، غیر مصفا پانی کے خطرات وغیرہ وغیرہ۔

کھانا وقت پر کھاؤ اور اتنا کہ کچھ بھوک باقی رہے۔ بھوک پیاس کا مارنا بُرا ہے۔ بھوک سے زیادہ کھانے والا ہمیشہ بیمار رہتا ہے، حتی المقدور غذا ہلکی اور زود ہضم ہو۔ کھانا چبا کر کھانا چاہیے۔ کچی بھوک میں کھانا مضر ہوتا ہے کھانا کھاتے وقت پکانے والے پر غصہ نہ ہو کیونکہ غصہ شیطانی کام ہے اور وہ وقت خدا کی نعمتوں کے شکریہ کا ہے۔ نمک کی کمی بیشی روٹی کھانے کے متعلق بعد میں آہستہ سے سمجھا دو۔ ایسے وقت میں غصہ از روئے طب سخت ممنوع ہے تھوڑی ورزش بڑی بڑی بیماریوں کی سدِ راہ ہے، خفیف علالت کی طرف کم توجہ کرنا گویا بیماری کو بدن میں تمام ہونے کی اجازت دینا ہے اس کی خبر ابتدا ہی میں لینی چاہیے۔ تو دواؤں کی ایک دوا پرہیز ہے، دن کا سونا مفید نہیں، رات کو نو بجے سو جانا بہتر ہے۔ بہت جاگنا بیماری کی جڑ ہے۔ سویرے اُٹھنا صحت کی نشانی ہے ؎

شب کو سو رہنا سویرے، صبح کو اُٹھنا شتاب
صحت و دولت بڑھا دے عقل کو دے آب و تاب

صاف پانی تازہ اور پاک ہوا، مکان، بدن اور کپڑوں کی صفائی اصول صحت میں داخل ہے۔ گرم پانی صبح و شام پینا بدہضمی کے واسطے نہایت مفید ہے، اگر نزلہ نہ ہو تو ٹھنڈا پانی رات کو سوتے وقت اور صبح اُٹھتے ہی پینا قبض اور بدہضمی کو دور کرتا ہے اور دیگر امراض سے بچاتا ہے۔ سرد پانی معدے کو تیز کرتا ہے اور گرم پانی جگر کو۔ کھانا کھانے کے بعد فوراً پیشاب کرنا چاہیے تاکہ انسان دردِ جگر سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ بار بار آئینہ دیکھنے سے کھانسی دور ہوتی ہے۔ رات کو کنگھی کر کے سونے سے نیند خوب آتی ہے اور سرمہ لگانے سے بینائی محفوظ رہتی ہے جمائی آنے کے وقت دائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھنا ثواب اور نیک عادت ہے اور لقوہ سے بچاتا ہے۔ بائیں کروٹ سونا اور سر شمال کی طرف رکھنے سے ہاضمہ درست ہوتا ہے اور بیماری کم ہوتی ہے۔ پیشاب کو روکنا بُرا ہے ضعف مثانہ پیدا ہوتا ہے۔ دفعتاً اندھیرے سے روشنی میں اور ٹھنڈک سے گرمی میں جانا آنا مضر ہے۔ پھولوں کی خوشبو بخارِ سل کی دافع ہے۔ مسواک کا استعمال ہاضمہ اور دانتوں کے لیے بہت مفید ہے منہ سے بدبو وغیرہ نہیں آتی۔ منہ ہاتھ دھو کر لیٹ کر پڑھنا مضر صحت ہے ہمیشہ روشنی کو بائیں طرف سے آنے دو۔



قرض وصول کرنے کے طریقے

جن سے اکثر کاروباری قرضے آسانی سے وصول ہو جاتے ہیں

"اِس زمانہ میں قرض کو تجارت میں اتنا دخل ہو گیا ہے کہ قرض لیے دیے بغیر کسی تجارت کو آجکل فروغ نہیں ہو سکتا ایک کاروباری منتظم کی قابلیت اس میں نہیں ہے کہ وہ قرض کسی کو دے ہی نہیں بلکہ اُس کی قابلیت اس میں ہے کہ جن لوگوں کو کاروباری ضرورت سے قرض دینا پڑے اُن سے قرضے بآسانی وصول کر لیے جائیں۔ ذیل میں کاروباری قرضے وصول کرنے کے چند مفید طریقے درج کیے جاتے ہیں جن سے ہر ایک کاروباری آدمی جسے قرض دینے کی ضرورت پڑتی ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ (ایڈیٹر)

قرض کی ادائگی میں آسانیاں بہم پہنچانا

ایک کامیاب تاجر اپنے تجربوں میں لکھتا ہے "ادائگی قرض میں جتنی زیادہ آسانیاں قرضداروں کے لیے پیدا کی جائیں گی اُتنی ہی آسانی اُن سے قرض وصول کرنے میں ہوگی۔ مجھکو اپنی کاروباری زندگی کے ابتدائی چند سالوں میں یہ محسوس ہوتا تھا کہ جو رقومات بعض گاہکوں کے ذمے عرصہ دراز سے باقی چلی آتی ہیں اُن کا وصول ہونا غیر ممکن ہے لیکن تجربہ کے بعد میری سمجھ میں آیا کہ اُس کا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ قرض کی ادائگی قرضداروں کے لیے بہت دشوار ہوگئی ہے اور میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا کہ جس سے قرض کی ادائگی اُن کے لیے آسان ہو جائے۔

ایک گاہک پر میرے پچاس روپے واجب تھے اور وہ بیماری کی وجہ سے اُنکو وعدہ پر ادا نہیں کر سکا تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اُس شخص کے لیے پچاس روپے کا یکمشت ادا کرنا بہت دشوار ہے۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دس روپے ماہوار کی قسطوں میں اس رقم کو ادا کر سکتا ہے اور ضرور ادا کر دیگا کیونکہ وہ بدمعاملہ نہیں ہے چنانچہ میں نے اُس کو بہ اقساط ادائگی کا موقع دیا اور میرا کُل قرضہ اُس سے وصول ہو گیا۔

اس تجربہ کی کامیابی سے میں نے اور زیادہ فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا اور اپنے ہر اک قرضدار کی کاروباری حالت اور مالی حیثیت کو ملحوظ رکھکر اُن سب کے نام خطوط بھیجنے شروع کیے جن کا مضمون قریب قریب حسب ذیل تھا:—

مجھکو آپ کی خوش معاملگی اور نیک نیتی کی بنا پر اس کا یقین ہے کہ کچھ ایسی ہی مجبوریاں پیش آ گئی ہیں جن کی وجہ سے آپ مبلغ سو روپئے کی وہ رقم جو عرصہ سے آپکے نام باقی چلی آتی ہے ابتک نہیں ادا کر سکے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ

کے لیے رقم مذکور کی ادائگی میں ایسی آسانی پیدا کردوں کہ آپ اپنے قرضہ سے سبکدوش ہوجائیں اور کاروباری حلقوں میں اپنا اعتبار قائم رکھ سکیں۔ غالباً آپ اس کوشش میں ہوں گے کہ رقم مذکور یکمشت ادا کریں لیکن موجودہ حالت میں یہ کوشش آپ کے لیے موجب زحمت وتشویش ہوگی۔ اس لیے میرے نزدیک یہ بہتر ہوگا کہ آپ بیس روپئے ماہوار کی قسطوں میں رقم مذکور کو ادا کریں جو غالباً آپ آسانی سے کرسکیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے موجودہ حالات میں مذکورہ اقساط کا باقاعدہ وصول ہونا بھی میرے لیے اتنا ہی باعث اطمنان ومسرت ہوگا جتنا کہ کل رقم کا یکمشت وصول ہونا۔ امید ہے کہ آپ قسط کی ادائگی کا سلسلہ جلد از جلد شروع فرما کر ممنون فرمائیں گے"!

ان خطوط کا نتیجہ بہت اچھا نکلا اور تقریباً اُن تمام لوگوں سے جو نادہند اور بدمعاملہ نہیں تھے اپنے قرضے ادا کردیے۔

مجھکو جتنی کامیابی قرضوں کی وصولیابی میں قرضداروں کے لیے باقساط ادائگی کی آسانی پیدا کرنے سے ہوئی ہے اُتنی اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوئی اسلیے میں تمام کاروباری لوگوں سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے قرضداروں کو ادائگی قرض میں ہر ممکن آسانی بہم پہنچانے کی کوشش کیا کریں۔

قرضداروں کو اعتبار قایم رکھنے کی تعلیم!

۲ ایک بڑے کارخانے کے مالک سے جس نے نہایت معمولی حیثیت سے بہت بڑی ترقی کی ہے کسی نے دریافت کیا کہ اس کے نزدیک کاروبار میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے مالک کارخانہ نے جواب دیا "ایمانداری، سخت محنت اور اعتبار کی لیکن سب سے زیادہ ضروری چیز اعتبار ہے" اور اسی لیے مالک کارخانہ اپنے نادہند قرضداروں کو تقاضے کے جو خطوط بھیجتا ہے اُن سب میں اعتبار قائم رکھنے کی قدر وقیمت پر بہت زور دیا کرتا ہے اور جب اُن خطوں سے کامیابی نہیں ہوتی تو وہ خطوں کے ساتھ ایک کارڈ بھی ملفوف کردیتا ہے جس کا مضمون یہ ہوتا ہے:-

"اگر ہر شخص اس امر کو پیش نظر رکھے کہ سو روپے کا قرضہ اُس اعتبار کو کھو سکتا ہے جس کے قائم کرنے میں نو سو روپے خرچ ہوئے ہیں تو وہ یقیناً اُس اعتبار کی حفاظت کریگا"۔ یہ مالک کارخانہ لکھتا ہے کہ مجھکو اس کا یقین ہے کہ میرے لیے گاہکوں کو ادائگی قرض کی تعلیم دینا اُتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ چیزیں بکوانے والے دلالوں کے لیے گاہکوں کو خریداری اشیاء کی تعلیم دینا، اور بجز چند مستثنیات کے مجھے اپنے گاہکوں کو ادائگی قرض کی تعلیم کے ذریعہ سے پرانے اور بظاہر ناقابل وصول قرضوں کے وصول کرنے میں بہت کامیابی ہوئی ہے۔

درشتی ہنڈی بھیجنے سے پہلے

جس مقروض تاجر کے نام درشتی ہنڈی بھیجی جاتی ہے اگر وہ اُس کا روپیہ فوراً ادا نہیں کرتا تو وہ کاروباری دنیا میں دیوالیہ قرار دے دیا جاتا ہے، اور اُسے اپنا کاروبار بند کرنا پڑتا ہے جس سے ہنڈی بھیجنے والے کے تجارتی تعلقات بھی اسکے ساتھ ختم ہوجاتے ہیں اسلیے جہاں تک ممکن ہوتا ہے کاروباری قرضوں کے وصول کرنے کے لیے درشتی ہنڈی بھیجنے کی کارروائی ایسے وقت کی جاتی ہے جب اور کوئی صورت وصول قرضہ کی نظر نہیں آتی، کیونکہ گاہکوں سے قرضہ وصول کرنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اُن کی تجارت اور کاروبار کو برباد نہ کیا جائے اور اُن کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

مذکورۂ بالا کاروباری مصلحتوں کو ملحوظ رکھکر ایک تجارتی کمپنی کے سکریٹری نے کمپنی کے اُن دوکانداروں کے نام جن سے کسی طرح قرضہ وصول نہیں ہوتا تھا اور جن کو درشتی ہنڈی بھیجنے کی ضرورت تھی ہنڈی بھیجنے سے قبل حسب ذیل مضمون کے خطوط روانہ کیے:-

"منتظمین کمپنی آجکل کمپنی کے حسابات کی جانچ کررہے ہیں اور اُن کی سخت تاکید ہے کہ جن گاہکوں کے ذمے رقومات بہت زیادہ واجب الادا ہیں اور جو باوجود تقاضوں کے اپنے قرضوں کو ادا نہیں کرتے اُن کے نام فوراً درشتی ہنڈیاں

بھیجدی جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے ذمے جو تھوڑی سی رقم ہماری عرصہ سے باقی ہے آپ اُس کی فوری ادائگی کا انتظام کر سکتے ہیں اس لیے میں نے اہلِ دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ جس وقت تک مجھے آپ کا جواب موصول نہ ہوجائے وہ آپ کے نام ہنڈی نہ روانہ کریں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنے بینک کے نام ہنڈی کا بھیجنا ناگوار گزرے گا۔

اگر آپ مبلغ دو سو روپے کا چیک بواپسی ڈاک بھیجدینگے تو آپ ہنڈی کی تکلیف و پریشانی سے بچ جائیں گے۔ عرصہ سے آپ نے مال کی کوئی فرمائش بھی ہم کو نہیں بھیجی۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ کے ہمارے کاروباری تعلقات قائم رہیں اور دونوں کو ایک دوسرے سے نفع پہنچتا رہے ۔"

سکریٹری کا بیان ہے کہ اس خط سے نہ صرف بہت سے قرضے وصول ہوجاتے ہیں بلکہ اس کا اثر قرضداروں پر ایسا اچھا پڑتا ہے کہ اُن کے ساتھ دوستانہ کاروباری تعلقات برابر قائم رہتے ہیں۔

سخت کارروائی کی دھمکی دینے کا مناسب طریقہ

ایک تاجر لکھتا ہے کہ درشتی ہنڈی بھیجنا یا عدالتی کارروائی کی دھمکی دینا چونکہ قرضدار کو عموماً ناگوار ہوتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سخت کارروائی صرف اُسی کے ساتھ کی گئی ہے اس لیے میں بغیر نوٹس دیے ہوئے کوئی سخت کارروائی نہیں کرتا، اور نوٹس میں بھی ایسا مضمون لکھتا ہوں جس سے قرضدار یہ نتیجہ نہ نکالے کہ اس مضمون کا نوٹس صرف اُسی کو بھیجا گیا ہے۔ میں جہاں تک ممکن ہوتا ہے نوٹس میں عمومی حیثیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مثلاً میرے نوٹس میں ایک فقرہ جس سے مجھکو بہت کامیابی ہوتی ہے عموماً یہ ہوا کرتا ہے :-

"ہمارے یافتنی قرضوں کی چھوٹی چھوٹی رقمیں بھی تھوڑے ہی عرصہ میں بہت بڑی رقم ہوجاتی ہیں جب اِن رقموں کا مجموعہ دس ہزار روپیہ ہوجاتا ہے تو ہم اپنے قدیم معمول کے مطابق جس پر ہم سالہا سال سے کاربند ہیں اپنے قرضداروں کے نام ہنڈی بھیجدیا کرتے ہیں۔ اگر آپ نے مبلغ پچھتر روپے فوراً روانہ نہ کیے تو ہم آپ کے نام بھی ہنڈی بھیجنے پر مجبور ہونگے ۔"

جب قرضدار کے دل سے اس خیال کو زائل کردیا جاتا ہے کہ قرضخواہ صرف اُسی کو تنگ نہیں کررہا ہے اور سخت کارروائی کرنے کی معقول وجہ اُس کو بھی دی جاتی ہے تو وہ ادائگی قرض کی خاص طور پر کوشش کرتا ہے۔

شکریہ مع تنبیہ

ایک تجارتی فرم اپنے اُن گاہکوں کو جو متعدد تقاضوں کے بعد قرضے ادا کیا کرتے ہیں وصولیابی رقومات کے وقت حسب ذیل مضمون کا خط بھیجا کرتی ہے جس کا اثر بہت اچھا ہوتا ہے ۔

"ہم آپ کے بہت ممنون ہیں کہ مبلغ دس روپے جو آپ کے ذمہ واجب تھے وہ آپ نے بھیجدیے۔ ہمیں آپ کی نیک نیتی پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ادائگی رقومات کیلیے بار بار یاددہانی کرنے سے ہم کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور غالباً آپ بھی اس کی ناگواری محسوس کرتے ہونگے۔

امید ہے کہ آپ آئندہ زیادہ توجہ سے کام لیں گے تاکہ ہم دونوں کو تکلیف نہ ہو اور ہمارے کاروباری تعلقات خوش اسلوبی سے قائم رہیں ۔"

چند نفع بخش تجارتیں

لاہور کے مشہور اخبار انتخاب لاجواب کے روزگار نمبر سے اخذ کرکے ہم ذیل میں چند ایسی نفع بخش تجارتوں کے مختصر حالات درج کرتے ہیں جن کے ذریعے

بہت سے بیکار لوگ باکار بن سکتے اور حصولِ معاش کے لیے اچھے ذرائع اختیار کر سکتے ہیں۔

کسی تجارت کے شروع کرنے سے قبل ان چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :-

۱ :- **جسمانی قابلیت** - جن تجارتوں میں زیادہ دوڑ دھوپ اور جسمانی محنت و مشقت کی ضرورت ہے وہ ایسے لوگوں کو نہیں کرنی چاہئیں جن کی جسمانی حالت اس قابل نہیں ہے کہ وہ پوری محنت و مشقت اور کافی دوڑ دھوپ کر سکیں۔

۲ :- **تجربہ** - تجربہ تجارتی کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے جن لوگوں کو کسی تجارت کا پہلے سے کوئی عملی تجربہ نہ ہو اُن کو چاہیے کہ کسی ایسی دوکان یا کارخانہ میں جہاں وہی تجارت ہوتی ہو کچھ روز بطور امیدوار کے کام سیکھیں اور ضروری امور کے متعلق کافی واقفیت حاصل کرنے کے بعد اس تجارت کو شروع کریں۔

۳ :- **سرمایہ** - جن لوگوں میں حوصلہ مندی اور اپنی قوتوں پر بھروسہ کرنے کی کافی قابلیت ہوتی ہے اُن کیلیے سرمایہ کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی وہ چند پیسوں کے ذریعہ سے لاکھوں روپے پیدا کر سکتے ہیں لیکن نہ تو ہر شخص میں بغیر سرمایہ کے تجارت کرنے کی قابلیت ہوتی ہے اور نہ ہر تجارت بغیر کافی سرمایہ کے چل سکتی ہے اس لیے کسی تجارت کے شروع کرنے سے قبل اتنے سرمایہ کا انتظام ضرور کر لینا چاہیے جس سے وہ تجارت کامیابی کے ساتھ چل سکے۔ جو تجارتیں ناکافی سرمایہ سے شروع کر دی جاتی ہیں وہ بہت مشکل سے چلتی ہیں۔

۴ :- **تجارت کی جگہ** - بعض لوگ محض اپنی آسانی کی وجہ سے تجارت ایسی جگہ شروع کر دیتے ہیں جو اُس تجارت کے لیے موزوں نہیں ہوتی اس لیے کسی تجارت کے شروع کرنے سے قبل دیکھ لینا چاہیے کہ یہ اُس کے لیے موزوں ترین مقام کونسا ہے۔ (ایڈیٹر)

لکڑی کی تجارت

لکڑی کی تجارت کم اور زیادہ دونوں طرح کے سرمایہ سے ہو سکتی ہے عماراتی لکڑیوں کی تجارت میں زیادہ روپیہ درکار ہے لیکن ایندھن کی خرید و فروخت کیلیے معمولی سرمایہ کی ضرورت ہے اس مقصد سے لکڑی کی منڈیوں اور جنگلوں کا دورہ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ مال کی نکاسی کے لیے کونسی قریب ترین جگہ موزوں ہوگی۔ لکڑی کی خریداری کچھ زیادہ مشکل نہیں لیکن باربرداری کا مسئلہ بہت نازک ہے جو لوگ باربرداری میں آسانیاں پیدا کر سکیں گے وہ اس کام میں پوری کامیابی حاصل کرینگے۔ اچھے، قوی، تندرست اشخاص اس کام کے لیے زیادہ موزوں ہیں کیونکہ دوڑ دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ عماراتی لکڑی کے لیے کشمیر کے جنگلوں اور دوسری طرف گھیری کے بعض علاقوں اور نیپال کی ترائی وغیرہ میں دیکھ بھال کی جائے۔ آم کی لکڑی ضلاع روہیلکھنڈ میں بکثرت ملتی ہے اور چونکہ ابھی زیادہ لوگ اس تجارت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں اسلیے جد وجہد کا پورا موقع ہے۔

کوئلہ کی تجارت

لکڑی کے کوئلہ کا کاروبار بھی بہت مفید ہے اور تھوڑے سرمایہ سے شروع کیا جا سکتا ہے اور کوشش سے ترقی کر سکتا ہے۔

انگریزی مٹھائی

کیک، بسکٹ اور انگریزی مٹھائی بنانے کا کام سیکھو۔ اگر خود دوکان نہیں رکھ سکتے تو بڑے ہوٹلوں اور کارخانوں میں ملازمت کرو۔ ایک گریجویٹ کی برابر تنخواہ ملیگی۔ کام اتنا آسان ہے کہ صرف چھ ماہ کی کوشش میں آ سکتا ہے۔ کسی بڑے کارخانے میں چند روز کے لیے ملازمت کرو۔ تنخواہ بھی ملیگی اور کام بھی سیکھ جاؤگے۔

شہروں کی مخصوص اشیاء

بڑے شہروں میں بعض ایسی صنعتیں ہوتی ہیں جو اُنہی کے لیے مخصوص ہوتی ہیں

تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ دہلی کی جوتی مشہور ہے لہذا دہلی میں جاکر کام سیکھو اور پھر اپنے شہر میں جاکر کارخانہ قائم کرو شاگرد پیدا کرو، اور صنعت کو پھیلاؤ آگرہ کی دری مشہور ہے تم آگرہ جاکر دری بُننا سیکھو اور پھر اپنے وطن میں اسے رواج دو اسی طرح کھانے پینے کی صدہا اشیاء ہیں جو ایک شہر میں پائی جاتی ہیں لیکن لوگوں کی بدمذاقی اور بے توجہی کے باعث دوسرے شہر میں اُن کی نقل نہیں کی جاتی۔ دہلی اور علی گڑھ میں اچھے بسکٹ کیوں بنتے ہیں، کیا دوسرے شہر میں نہیں بنائے جاسکتے؟ لکھنؤ، آگرہ اور دہلی وغیرہ کے سوا حلوہ سوہن دیگر مقامات میں نہیں بنتا حالانکہ بنایا جاسکتا ہے۔ اگر ایسی مخصوص اشیاء پر جو مقبولیت عام رکھتی ہوں، محنت اور توجہ صرف کی جائے تو خاص کامیابی ہوسکتی ہے۔ علی گڑھ کے تالے مشہور ہیں سیالکوٹ کا گیند بلے کا سامان گوجرانوالہ کے آہنی صندوق، الماریاں ایسے ہی لاکھوں روپے کے بکتے ہیں۔

ایک شہر کی مصنوعات دوسرے شہر میں

اگر یہ کام سلیقہ سے کیا جائے تو بہت زرخیز ہے۔ ابھی ہندوستان کے ایسے بہت سے گوشے پڑے ہوئے ہیں جن کی طرف پنجاب اور یوپی نے توجہ نہیں کی ہے تم اُن کو ٹٹولو اور کام کی اشیاء خرید کر فروخت کرو۔ دکن کی حرفتیں بالکل مقامی ہیں اگر ان کو ان اطراف میں رواج دیا جائے تو نمایاں کامیابی ہوسکتی ہے۔ حیدرآباد کے رومال۔ ورنگل کے قالین دیگر اضلاع دکن کا کپڑا ایسا عجیب ہوتا ہے کہ اگر ان اطراف کے بازاروں میں لایا جاوے تو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوجائے اور تاجر کو خاطر خواہ منافع حاصل ہوجائے۔ اسی طرح کاٹھیاواڑ، سورت، احمد آباد کی مصنوعات بھی بڑی حد تک پردۂ خفا میں ہیں۔ اگر ایک شخص درپے پر کمربستہ ہوجائے اور حرفتی نقطۂ نظر سے سارے ہندوستان کو دیکھے اور ایک شہر کی مصنوعات دوسرے شہر میں لاکر فروخت کرے تو چند روز کے اُلٹ پھیر میں مالا مال ہوسکتا ہے۔

(۳) گھی کی تجارت

بڑے شہروں میں گھی کی تجارت نہایت ضروری ہے کیونکہ خالص گھی تو ملتا ہی نہیں اگر ایمانداری کے ساتھ کام کیا جائے تو مستقل کامیابی ہوسکتی ہے سرمایہ بھی کچھ زیادہ درکار نہیں۔ چار پانسو روپے سے کام شروع کیا جاسکتا ہے البتہ ایک آدمی کام نہیں چلا سکتا بلکہ کم از کم تین چار آدمی ہوں جن میں ایک شخص شہر میں قیام کرے اور باقی اشخاص دیہات میں مال فراہم کریں۔ بھول اور مچھلی نکالکر دیہہ میں دو تین آنے بچ جانا یقینی ہیں اور اس لیے جس قدر نکاسی بڑھتی جائیگی منافع زیادہ ہوتا جائیگا۔ بڑے شہروں میں روزانہ چار پانسو کا گھی بیچ لینا معمولی بات ہے۔ لاہور اور بمبئی میں ایک تولہ اصل گھی نہیں مل سکتا۔

پُرانے زیورات

اگر کوئی شخص پُرانے زیورات خریدنے کے لیے ایک کانٹا اور باٹ لیکر محلوں میں پھیری کرے اور ٹوٹے پھوٹے بیکار زیورات طلائی، نقرئی کی خرید و فروخت کرے تو کافی منفعت ہوسکتی ہے البتہ دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ چوری کا مال نہ ہو۔ دوسری یہ کہ مال پرکھنے میں غلطی نہ ہو ورنہ نفع کی جگہ نقصان ہوگا۔ اگر کام میں ترقی کرکے چھوٹے چھوٹے زیورات بھی ساتھ رکھے جائیں تو دوہرے فائدہ کی اُمید ہے۔ بہرحال کام زرخیز اور قابل عمل ہے۔

(۴) شہد کی تجارت

اگر آپ ہماری زراعتی صنعتوں و حرفتوں کو شروع نہیں کرسکتے تو کم از کم ان صنعتوں اور حرفتوں کو شروع کیجیے جن کیلیے زیادہ سرمایہ اور علم کی ضرورت نہیں ہے۔ یورپ، امریکہ اور دیگر مہذب ممالک کے دفتر کاشتکاروں اور تجارتی لوگوں کا صرف شہد تیار کرنا ہی پیشہ ہے اور ان زراعتی صنعت پر آسودگی سے گزارہ کرتے ہیں چنانچہ ان مہذب ملکوں کے کاشتکار پانچ پانچسو شہد کی مکھیوں کے چھتوں کے مالک ہیں۔ مصر کے زمیندار اور کاشتکار جو ہندوستان سے علم و دولت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں وہ بھی عموماً شہد کی تیاری اور تجارت میں خاص دلچسپی لیتے ہیں اور لاکھوں روپیہ کا شہد اور موم کی تجارت کرتے ہیں۔ مصر کے ضلعوں میں جب کسی جگہ پھولوں کی کمی کی وجہ سے مکھیوں کا چارہ کم ہوجاتا ہے تو شہد کی مکھیوں کے چھتوں کے مالک اپنی مکھیوں کے نوروں کو خاص باسکٹوں میں بند کرکے ملاحوں کے سپرد کردیتے ہیں اور ملاح ان کو جہاں کہیں پھول ہوتے ہیں لیجاکر مکھیوں کو باسکٹوں سے نکالکر انکی چرائی کرتے ہیں۔ وہاں مکھیوں کی پرورش کرتے ہیں عرصہ کے بعد پھر ملاح لوگ مکھیوں کو اپنے مکان پر واپس لاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ اس طرف ہندوستان میں بھی کافی توجہ دی جائیگی۔



مسلمان عورتیں میدانِ جنگ میں

احد کی جنگ میں جب کافروں نے عام حملہ کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے ام عمارہ اس حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں اور سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو گئیں جب کفار آپ کی طرف بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں حضرت سرورِ کائنات کے تحفظ کے لیے اُنہوں نے اپنی جان کی ذرا بھی پروا نہ کی، کندھے پر ایک کاری زخم کھایا مگر انہیں خوشی تھی اور فخر تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کیلیے یہ زخم کھا رہی ہیں۔ اسی طرح جنگ یمامہ میں اُنہوں نے اس جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہؓ نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریضہ لڑتے لڑتے اُس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے تھے، مسلمان عورتوں اور بنی قریضہ کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی جو ان کی حفاظت کر سکے اسی اثنا میں ایک یہودی اُس طرف آنکلا، خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنو قریضہ کو خبر کر دے کہ یہاں میدان خالی ہے تو وہ حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیں حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ اسے قتل کر دو حضرت حسانؓ نے مضائقہ کیا تو اُنہوں نے خود خیمہ کی ایک چوب لیکر اُس کو ہلاک کر دیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ دورِ اوّل کی باتیں ہیں جب مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل تھی اس لیے عورتیں جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔ عورت نے ہمیشہ اسلامی جنگوں میں اپنی شجاعت کے جوہر کو ظاہر کیا ہے۔ فاروقی عہد اپنی شوکت و جلال کے لیے مشہور ہے مسلمانوں کی حکومت کا دامن بہت وسیع ہو چکا تھا مگر ہم اس زمانہ کی جنگوں میں بھی عورتوں کو برابر شریک پاتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لیے اُن دو بڑی طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور تھیں۔ رومیوں کی وہ سب سے خونریز جنگ جہاں ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا جنگ یرموک ہے اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری جنگ جہاں کیانی قوت و طاقت کا آخری مظاہرہ کیا گیا قادسیہ کی جنگ ہے۔ یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام میں عظیم الشان معرکے ہیں جنہوں نے اسلام کے دنیا میں پھیلنے کے لیے راستہ صاف کر دیا مگر جانتے ہو کہ ان دونوں میدانوں

جنگ میں کامیابی اور فتح کس کی رہین منت ہے۔ مجھ سے سنو! قادسیہ کی جنگ میں ایرانی ایک لاکھ سے زائد اور مسلمان تیس ہزار کے قریب گویا چار اور ایک کا مقابلہ تھا ذرا غور سے سنو! ایک بوڑھی عورت جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے اپنے بیٹوں کو کیا کہکر میدانِ جنگ میں بھیج رہی ہے۔

"پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر تم پھرے نہیں، تم نے ہجرت کی تو تم کو کسی نے ملامت نہیں کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق نہ تھا، نہ تم پر قحط پڑا، تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لا کر اہلِ فارس کے سامنے ڈال دیا خدا کی قسم تم ایک ماں باپ کے بیٹے ہو، میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی اور تمہارے ماموں کو رسوا کیا جاؤ اور مردانہ وار لڑو اور آخر وقت تک لڑو"

ماں کے ان کلمات نے کیا اثر کیا، میں بیان نہیں کر سکتا، وہ چاروں بجلی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے، جب وہ نظروں سے غائب ہو گئے تو بڑھیا نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے خدایا! میرے بچوں کو کامیابی عطا فرما۔ اختتامِ جنگ پر وہ مظفر و منصور ماں کے قدموں میں مال غنیمت لیکر حاضر ہوئے۔ اسی طرح عرب کی مشہور شاعرہ خنسا رضی بھی اسی جنگ میں اپنے چاروں بیٹے لیکر شریک تھی۔ اور اسلامی لشکر کو جوش ہی نہ دلاتی تھی بلکہ اپنے بیٹوں کو جرأت دلا کر جنگ کے لیے تیار کر رہی تھی۔ وہ دشمن پر پل پڑے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خنسا ان بہادروں کی شہادت پر رنج و غم کے اظہار کی بجائے فخر کرتی تھی کہ خدمت اسلام میں وہ شہید ہو گئے۔ یرموک کی جنگ میں اسماء بنت ابوبکر، ام ابان، ام حکیم، خولہ، ہندہ اور ام المؤمنین جویریہ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی۔ اسماء بنت یزید ایک انصاری لڑکی نے خیمہ کی چوب سے نو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ ان معرکوں کے تفصیلی واقعات مسلمان خواتین کی شانِ بلند کا اظہار کرتے ہیں۔

اجنادین کی جنگ میں مسلمان عورتوں نے جو دادِ شجاعت دی ہے وہ ایسی بے نظیر اور قابلِ قدر ہے کہ ایڈورڈ گبن نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت و عصمت اور دلیری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"یہ وہ عورتیں ہیں کہ جو شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک موقع پر بھی اپنے دامنِ عصمت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں"۔

غرض وہ ہر میدان میں پوری شجاعت اور دلیری و جانبازی کے ساتھ حفاظتِ اسلام کا کام کرتی نظر آتی ہیں۔ میں نے اب تک بتایا ہے کہ عورت کا ہاتھ دعوت و تبلیغ میں اور حفاظتِ اسلام اور وسعتِ اسلام میں برابر کام کرتا نظر آتا ہے۔

عورت نے قبولِ اسلام کے بعد اپنے اثباتِ قدم اور استقامت اور خدا کی راہ میں ہر قسم کے مصائب و مشکلات کو برداشت کر کے اسلام کی صداقت کا عملی ثبوت دیا اور دعوت تبلیغ کر کے دوسروں کو داخلِ اسلام کیا پھر دشمنوں سے دفاع کے لیے اپنی جانوں کی پروا نہیں کی۔ اسی سلسلہ میں ان کا عدیم المثل ایثار ایسا ہے کہ جس نے اسلام کی ترقی میں نہایت بڑی حرکت پیدا کر دی۔ عزیزوں اور رشتہ داروں سے قطع تعلق بجائے خود بہت بڑی بات ہے مگر مسلمان خواتین نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو حفاظتِ اسلام کی کوشش میں شہید ہوتے دیکھا اور اُف نہ کی۔ جنگ احد میں حضرت حمزہ شہید ہو گئے اور ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا اور مختلف اعضاء بدن کو جُدا کر دیا۔ ایسا غم انگیز اور حسرت افزا عالم تھا کہ سنگدل انسان اور بے تعلق انسان بھی بے اختیار ہو جاتا تھا۔ عورتیں نسبتاً زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا کہ حضرت صفیہ آپ کی پھوپھی جو حضرت حمزہ کی بہن تھیں بھائی کی لاش کو نہ دیکھیں ورنہ اُن سے ضبط مشکل ہوگا۔ حضرت صفیہ کو خبر ہوئی وہ بھائی کی لاش کو دیکھنے آئیں حضرت زبیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اور وجہ ارشاد سنائی مگر انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش سے جو سلوک کیا گیا ہے مگر مجھے کیوں روکتے ہو۔ حالانکہ کسی شخص کا خدا کی راہ میں قربان ہو جانا ایک معمولی سی بات ہے۔ اس زمانہ کی عورتیں ہوتیں تو شور و شیون اور نالہ و بُکا سے آسمان سر پر اٹھا لیتیں، مگر اس شیر دل عورت نے کس دل گردے سے اپنے بھائی کی شہادت پر اپنے جذبات کا اظہار کیا صفیہ تم پر سلام تیری

اس رضا بالقضا میں ڈوبی ہوئی تقریر میں اسلام کی تعمیر کا راز پوشیدہ تھا۔

اسی طرح ایک سفاریہ کے اعزا و اقربا ایک جنگ میں شریک ہوگئے، مگر لوگوں سے وہ صرف یہ پوچھتی تھی کہ کیا سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بخیریت ہیں۔ جب اس کے سوال کے جواب میں اس کے کسی عزیز کی شہادت کی خبر اسے دی جاتی تو کہتی میں یہ نہیں پوچھتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خیریت کی خبر سناؤ۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضور بخیریت ہیں تو وہ خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی اور کہتی تھی کہ جب حضور سلامت ہیں تو ایسی ہزار جانیں آپ پر قربان کی جاسکتی ہیں۔

"وطن"

مکان کی صفائی اور چیزوں کی ترتیب

مکان کی صفائی اور ترتیب اسی قدر ضروری ہے جس قدر جسم اور لباس کی صفائی اور درستی ضروری ہے مگر عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ خود تو لوگوں نے صاف ستھرا رہنا سیکھ لیا ہے مگر مکان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں ہے۔ حالانکہ تندرستی کا دارومدار زیادہ تر گھر کی صفائی پر ہی ہے اور صاف اور مرتب گھر دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔

مجھکو اکثر متمول اور شریف گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے جہاں بی بی کو تو میں نے صاف ستھرا لباس پہنے بستر یا تخت پر بیٹھے پایا، مگر گھر میں ایک طوفان بے تمیزی دیکھا۔ مکان اگرچہ وسیع تھا مگر جا بجا سے ٹوٹا پھوٹا قلعی کا محتاج اور بد حیثیت۔ مکڑی کے جالے بے شمار، شیشے کواڑوں کے ٹوٹے پھوٹے، میلے دروازوں، کھڑکیوں اور فرنیچر پر دھول جمی ہوئی، فرشوں پر نوکرانیاں اور بچے میلے میلے پاؤں لیے چلے آرہے ہیں۔ مکان کے فرش اوپر سے جھاڑے جاتے ہیں مگر ان کے نیچے پان کا اُگال اور کوڑا برسوں کا جمع۔ نواڑ کے پلنگ ڈھیلے۔ نواڑ میلی، پلنگ کے پائے پٹیوں میں کھٹے ہوئے

کی اُنگلیاں چپچپی ہوئی۔ پان کے چھینٹ گندے، اُدوان گھنسیلی، بستروں پر جو جاتا ہے میلے کپڑے لیکر بیٹھ جاتا ہے اور جس کے پلنگ پر جو جاتا ہے لوٹ لگاتا ہے۔

میزوں پر قلم دوات، کتابوں کے ساتھ برش، برتن، گلاس وغیرہ رکھے ہوئے تصویروں کے چوکٹوں کے پیچھے دھول۔ ملاقات کے کمرے میں ٹرنک، میز، کرسیاں اور دوسری ضرورت کی چیزیں رکھی ہوئی۔ سونے کا کمرہ گودام سے کم نہیں، پینے کے گھڑوں کے اندر دھول بیٹھی ہوئی، لوٹے گلاس بہت میچھے دے مگر لوٹے کی ٹونٹی اندر سے بہت میلی۔ گلاسوں میں ہر خاص و عام اور نوکر تک پانی پی رہے ہیں، کوئی پرہیز نہیں، غسلخانوں میں سب نہا کر چلے آتے ہیں مگر اُسکو جھاڑنے اور نالی دھونے کی کسی کو پروا نہیں۔ نہا کر اُلجھے ہوے بال وہیں ڈال دیے ہیں، تھوک کے ڈھیر وہیں لگے ہیں۔ وہاں کے پانی کے برتن بے میچھے اور ایسے غلیظ کہ نہانے کو دل نہ چاہے۔ لیمپ، لالٹینیں میلی، چمنیاں دھندلی، گُل نہ کٹنے کی وجہ سے لو ٹیڑھی، آٹا دال کے گودام میں اناج پھیلا پڑا ہوا۔ کثرت سے چوہے موجود، چیزیں اس قدر بے ترتیب رکھی ہوئی کہ وقت پر چیز ڈھونڈے نہیں ملتی۔

باورچی خانے میں کام کرنے والے میلے کپڑے پہنے ہوے، دست پناہ، سینی اور پھنکنی، گرم پانی کا گھڑا اس قدر میلا کہ چھوتے ہی اُنگلیاں سیاہ ہو جائیں، دیگچیاں، تانبے کے برتن گھسٹتے گھسٹتے نیچے سے گھس گئے، پیندوں میں چھید ہو گئے، ڈوئی اور کفگیر سے ٹھونکنے سے دیگچیوں کے گلے علیحدہ ہو گئے، بدقلعی اور خراب میچھے ہوئے برتن، چار کارسٹ انمل بے جوڑ کسی پرچ میں دراز پڑی ہے، کسی پیالی کا کُنڈا ندارد ہے، چمچوں کو نوکروں نے دیگچیاں کھُرچ کھُرچ کر ٹیڑھا کر ڈالا ہے، سل بھری پڑی ہے، جھوٹے برتن اور میلی صافیاں اِدھر اُدھر پڑی ہیں۔ ترکاری کے چھلکے آنگن میں پڑے ہیں، حوض اور نالیوں میں پانی سڑ رہا ہے، کھانا کھانے کی جگہ کوئی بھی مقرر نہیں جہاں جس کا دل چاہا کھانے کو بیٹھ گیا۔ کوئی پلنگ پر بیٹھا کھا رہا ہے اور ہڈی پائلے پر تھوک رہا ہے کوئی تخت پر یہی حرکت کر رہا ہے۔ پاندان اگرچہ صاف ہے مگر کتھا چونا اُنگلیوں سے چاٹا جا رہا ہے اور اُنگلیاں پاؤں کے کپڑے سے پونچھی جا رہی ہیں۔

یہ طوفانِ بے تمیزی اس لیے گھروں میں ہوتا ہے کہ گھر کی منتظمہ خود کام نہیں کرتی، سارا گھر نوکروں پر چھُٹا رہتا ہے۔ گھر کا کام آپس میں تقسیم کر کے گھر والوں کو کرنا اور اپنی نگرانی میں کرانا چاہیے اگر ہم نوکر سے خود کھڑے ہو کر جھڑوا لیں تو کوئی مضائقہ نہیں، خود بھی جھاڑ ولیکر کونوں اور اسباب کے نیچے سے کوڑا نکالنا چاہیے، بچوں کو صاف رکھنا چاہیے اور نگرانی کرنی چاہیے تاکہ سب گھر گندہ نہ کرتے پھریں۔

آرام کرنے اور باتیں کرنے کا وقت مقرر کرنا چاہیے، ہر وقت بیٹھکر گھنٹوں باتیں کرنا، پان کھاتے اور کھلاتے رہنا یا پڑے پڑے سویا کرنا بالکل نامناسب ہے۔ گھر کا کام کرنے میں بے عزتی کا خیال نہ کرنا چاہیے، کام کرنے ہی سے عزت ملتی ہے، گھر کو خود ترتیب دینا چاہیے، بستر دھوپ میں ڈالنا چاہیے اور اُن کو بچھا کر پلنگ پوش سے ڈھانک دینا چاہیے۔ گھر کے لیے قاعدہ بنانا چاہیے اور جو اس پر نہ چلے اُس کے لیے کوئی مناسب سزا تجویز کرنی چاہیے اکثر یہ وقت پیش آتی ہے کہ بعض متعصب اور جاہل لوگ قاعدوں پر چلنے کو بُرا مانتے ہیں ایسے جاہلوں کی باتوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ان کے کہنے سے اپنے اُصولوں کو ترک کر کے قعرِ مذلت میں نہیں گرنا چاہیے ◆

شاہزاد جہاں بیگم۔ آگرہ (تہذیب نسواں)

عورتوں اور بچّوں کے لیے

حضرت خواجہ حسن نظامی کی لکھی ہوئی

سیرتِ نبوی ؐ

جس میں سات سو صفحے ہیں اور ہر صفحہ پر سیرت خیر البشر ؐ کا صرف ایک واقعہ جلی قلم سے خوشخط لکھوایا گیا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے تمام اہم واقعات نہایت آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں، اور سیرتِ نبوی ؐ پر پورا عبور ہو جاتا ہے۔

دنیا کی کسی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اتنے مکمل اور منظم حالات ایسے مختصر، عام فہم اور دلچسپ طریقہ سے شائع نہیں ہوے۔

پوری کتاب رنگین چھپی ہے اور شروع آرٹ پیپر پر خوبصورت چھپے ہوے مقاماتِ مقدسہ کے فوٹو دیے گئے ہیں۔ کتاب مجلّد ہے اور جلد بہت خوشنما ہے۔

قیمت علاوہ محصولڈاک صرف دو روپیہ ہے

ملنے کا پتہ :- حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس ۱۱۵ دہلی

واحدی صاحب کا منجن

اکسیرِ دنداں

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں مرحوم کے نسخہ سے بنایا ہوا

دانتوں اور مسوڑھوں کی ہر تکلیف کو دور کرتا ہے حتیٰ کہ دانتوں کو جوڑ دیتا ہے اور مسوڑھوں کے خون اور پیپ کو روک دیتا ہے

یعنی

پائریا کا بہترین علاج

ہے

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب سے ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ اپنے تین چار دانت نکلوا دیجیے مگر اُنھوں نے اس مشورہ پر عمل کرنے سے پہلے واحدی صاحب کا منجن اکسیر دنداں ملنا شروع کیا۔ الحمد للہ حضرت کو دانتوں کی اب کوئی تکلیف نہیں ہے۔

تعریف کے خطوط

منجن اکسیر دنداں کا اشتہار دیتے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے لیکن ساٹھ ساٹھ اور پینسٹھ پینسٹھ شیشیاں اسکی ایک ایک دن میں جانے لگی ہیں جو ایک دفعہ ایک شیشی منگا لیتا ہے وہ پھر چار چار اور چھ چھ اور بعض اوقات بارہ بارہ کی فرمائش بھیجتا ہے اور سینکڑوں خطوط منجن اکسیر دنداں کی تعریف کے میرے پاس جمع ہو گئے ہیں جن میں سے چند درج ذیل کرتا ہوں:۔

محمد افضل صاحب ای۔ اے سی قارسٹ دورالا لکھتے ہیں "یں نے منجن اکسیر دنداں کو مفید پایا ہے میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ اسکا استعمال کیا کروں"۔

مسز ایم۔ اے وحید اکز کٹو انجینیر ورک لکھتی ہیں "منجن اکسیر دنداں کی ایک شیشی منگا کر استعمال کر چکی ہوں جس سے کچھ فائدہ ہے دو شیشیاں اور بذریعہ وی پی جلد بھیجیے"۔

ڈاکٹر ایم۔ اے بیگ صاحب انچارج اسٹیٹ ڈسپنسری مادھو پور لکھتے ہیں "ایک ہفتہ سے آپکا منجن اکسیر دنداں استعمال کر رہا ہوں جو مفید ثابت ہوا ہے۔ ایک شیشی اور بھیج دیجیے"۔

محمد عبد الستار صاحب سرکل انسپکٹر پولیس گوندیا ضلع بھنڈارہ لکھتے ہیں "اکسیر دنداں کی دو شیشیاں میں نے منگائی تھیں مفید معلوم ہوئیں میرا خیال ہے کہ میں ہمیشہ اسے استعمال میں رکھوں مگر منجن کا شیشیوں میں آنا منجن کو مہنگا کر دیتا ہے۔ مجھے تو ایک روپیہ کا صرف منجن کسی ٹین کے ڈبہ میں بھر کر بھیج دیجیے"۔

منجن اکسیر دنداں کی ایک شیشی آٹھ آنے میں بھیجی جاتی ہے جس پر محصول ڈاک چار آنے لگتا ہے اور دو شیشیوں کا محصول پانچ آنے ہوتا ہے شیشیوں کے بجائے ٹین کے بکس میں منجن منگانے سے ضرور کفایت رہیگی لیکن اُس وقت جبکہ کم از کم تین شیشیوں کا منجن منگایا جائے۔ ایک شیشی یا دو شیشی کا منجن شیشیوں ہی میں منگانا چاہیے۔ محصول بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ:۔ احمد مجتبیٰ۔ منیجر رسالہ نظام المشائخ۔ نمبر ۱۳۔ کوچہ چیلان۔ دھلی

خوش ایام گولیاں

عورتوں کو ماہواری ایام کی خرابی کے سبب سے طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا رہتا ہے اور بعض بے سمجھ لوگ ایام کی خرابی کے سبب جو بیماریاں ہوتی ہیں اُن کو آسیب اور بیرونی عمل یا جادو وغیرہ خیال کرنے لگتے ہیں اور علاج نہیں کرتے ایسے حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنے بزرگوں کی بتائی ہوئی ایک خاص دوا تیار کر دی جو ایام کی خرابی کو چند روز میں دور کر دیتی ہے اور ہر مزاج اور ہر عمر کی عورتوں کو موافق آتی ہے اگر ایام نہ آتے ہوں یا بیقاعدہ آتے ہوں یا ایام کی خرابی کے سبب اولاد نہ ہوتی ہو تو یہ گولیاں تیر بہدف ثابت ہونگی اور تین روز کے اندر انکا اثر ظاہر ہو جائیگا۔ ایک شیشی میں بیس گولیاں ہوتی ہیں اور صبح نہار منہ پانی کے ساتھ ایک گولی کھالی جاتی ہے۔ بیس دن کے اندر اندر ایام کی خرابی یا تو بالکل جاتی رہتی ہے یا تکلیفوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ یہ دوا ایسی ہے کہ اگر بیس گولیوں کی قیمت بیس روپے رکھی جاتی تب بھی قیمت کم ہوتی کیونکہ اس قسم کے مریضوں کے علاج میں ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں پھر بھی حسب منشا فائدہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ گولیاں دعوے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ بیس دن کے اندر اپنا عمدہ اثر دکھا دیتی ہیں۔ ہزاروں عورتوں نے ان کو آزمایا ہے سالہا سال سے فروخت ہو رہی ہیں۔ یہ سینہ بہ سینہ کے ایک لاجواب نسخہ سے تیار ہوئی ہیں اور اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے یعنی اگر خدانخواستہ کسی مریض کو یہ دوا موافق نہ آئے اور فائدہ نہ ہو تو نقصان بھی نہ ہوگا کیونکہ اس میں کوئی ایسا جزو نہیں ہے جو کسی بات کو نقصان پہنچائے۔ ایام کی خرابی سے تکلیف اُٹھانے والی عورتوں کو ایک بار گولیاں منگا کر آزمائش کرنی چاہیئے۔ زیادہ خرچ بھی نہیں ہے۔ صرف ایک روپیہ قیمت ہے اور اسی لیے کم قیمت رکھی گئی ہے کہ غریب لوگ بھی ان گولیوں سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ یہ دوا اشتہاری نہیں ہے محض عورتوں کے فائدہ کے خیال سے اس کا اعلان شائع کیا جاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ:- ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ۔ دہلی

ہر درد کی دوا

جادو کی پڑیا

گیرانیڈ کمپنی کی بنائی ہوئی جادو کی پڑیا ہر درد کی دوا ہے سر میں درد ہو، جوڑوں میں درد ہو یا جسم کے کسی اور حصہ میں درد ہو تو ایک پڑیا پانی سے پھانک لی جاتی ہے۔ ایک منٹ کے اندر اندر درد بالکل جاتا رہتا ہے۔ اس دوا کا نام **جادو کی پڑیا** اشتہاری مبالغہ کی وجہ سے نہیں رکھا گیا بلکہ اس کی تاثیر کے سبب سے لوگ جادو کی پڑیا کہتے ہیں۔

لاکھوں آدمی ہر جگہ اس کے استعمال سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ گزشتہ سال حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے بیوی بچے اور نوکر جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو گئے اور کئی مہینے سخت تکلیف رہی تھی اور ان سب کو جادو کی پڑیا ہی سے آرام ہوا تھا اس لیے خواجہ صاحب کے گھر میں جادو کی پڑیا استعمال کے لیے موجود رہتی ہے اور غریبوں کو تقسیم بھی کی جاتی ہے۔

شیخ احسان الحق صاحب میونسپل کمشنر دہلی و منیجنگ ڈائرکٹر دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی کو بھی پانچ منٹ کے اندر درد کی شدت سے آرام ہو گیا تھا۔ وہ دواؤں کے قائل نہیں ہیں لیکن اُنھوں نے جادو کی پڑیا کی عجیب تاثیر کو مان لیا، اور اب وہ ہر شخص سے حیرت کے ساتھ اس پڑیا کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔

ہندوستان بھر کے لیے سول ایجنٹ

ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ آفس دہلی ہیں جادو کی پڑیا ہندوستان میں سول ایجنٹ مذکور سے ملتی ہے۔ دوا فروشوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے جس کا حال خط و کتابت سے معلوم ہو سکتا ہے۔

بارہ پڑیوں کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:- ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ دہلی


تبصرہ
شائقین کتب کا ماہوار رسالہ
حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی
کے مستقل خریداران کتب اور قلمی معاونین کی خدمت میں ہر مہینے ہدیۃً پیش کیا جاتا ہے
SAMI 30

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

अमानत बैंक पर …. ….		
तावान …. …. ….		
ख:—		
क का		
कर्जा मेम्बरान पर …. ….		
डिवीडेन्ड …. …. ….		
सिलक पर सूद …. ….		
मे गया … …. ….		
कुल मीजान …. ….		

अमानत बैंक पर	....	....			
तावान	....	....			
....	....	....			
...क्श					
कर्जा मेम्बरान पर	....	....			
डिवीडेन्ड	....	....			
मिल्क पर सूद	....	....			
....	....	....			
....	....	....			
....	....	....			
....	....	.			
.	....	....			
.	....	....			
	....	....			
....	..	....			
...में गया	....	....			
कुल मीजान	....	....			